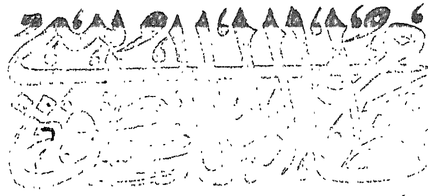
سلسلۂ وزرائے اسلام کی

دوسری جلد



یعنی الپ ارسلان اور ملک شاہ سلجوقی کے وزیر کبیر ابو علی حسن بن علی بن اسحاق طوسی

المخاطب بہ

خواجہ بزرگ، تاج الحضرتین، قوام الدین، نظام الملک، اتابک، رضی امیر المومنین

کے

مفصّل سوانح عمری

کا

پہلا اور دوسرا حصّہ

مولفہ

مولوی محمد عبدالرزاق صاحب کانپوری مصنف البرامکہ

باہتمام محمد رحمت اللہ رعد

[illegible] ائی گئی

اور مولوی محمد عبدالرزاق صاحب مولف کتاب نے شائع کی

فہرست مضامین کتاب نظام الملک طوسی

فہرست تصاویر و نقشہ جات



بسم اللہ الرحمن الرحیم

دیباچہ

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ علیٰ سید المرسلین وعلیٰ آلہ الطیبین واصحابہ اجمعین

اک بندۂ نافرمان ہے حمد سرا تیرا — قبضہ ہو دلوں پر کیا اور اس سے سوا تیرا
بندے سے مگر ہوگا حق کیونکر ادا تیرا — گو سب سے مقدم ہے حق تیرا ادا کرنا

اسلاف پرستی کا اثر اخلاف میں

اب سے بیس[1] برس پہلے آنریبل سر سید احمد خاں صاحب بہادر مرحوم نے المامون (مصنفہ علامہ شبلی نعمانی) کے دیباچہ کو مندرجۂ ذیل مقولہ سے شروع کیا تھا۔ "یہ نہایت سچا مقولہ ہے کہ وہ قوم نہایت بدنصیب ہے جو اپنے بزرگوں کے اُن کاموں کو جو یاد رکھنے کے قابل ہیں بھلادے، یا اُن کو نہ جانے۔ بزرگوں کے قابل یادگار کاموں کو یاد رکھنا اچھا اور بُرا، دونوں طرح کا پھل دیتا ہے۔ اگر خود کچھ نہوں اور نہ کچھ کریں اور صرف بزرگوں کی کاموں پر شیخی کیا کریں تو استخوان جد فروش کے سوا کچھ نہیں۔ اور اگر اپنے میں بھی ویسا ہونے کا چسکا ہو پھر تو وہ امرت ہے"۔

مقولہ مذکورۂ بالا کی تائید میں ایک دوسرے بزرگ قوم کا یہ ارشاد ہے۔ "ہم مسلمانوں میں

[1] رپورٹ ایجوکیشنل کانفرنس اجلاس چہاردہم بمقام امپوسنہ ۱۹۰۹ء صفحہ ۷۴-۷۶ اڈریس نواب عماد الملک سید حسین بلگرامی

آج کل ایک نیا مرض شائع ہوگیا ہی جس کو **اسلاف پرستی** کہتے ہیں اکثر انگریزی داں نوجوان ہمارے خصوصًا علی گڑھ کے طلبہ اس میں بکثرت مبتلا ہیں۔ اور اس مرض کی اشاعت کے بانی اول دو چار یورپین مورخ ہیں مگر زیادہ تر بعض ہمارے ہی گروہ کے بزرگوار ہیں...... ان حضرات نے آفت برپا کر دی ہی۔ کوئی مسلمانوں کی علمی دولت کو شمار کرتا ہی، کوئی تمدنی خوبیاں گنا تا ہی، کوئی ہمارے مدارس اور یونیورسٹیوں کی فہرست طیار کرتا ہی، کوئی ہماری یونانی کتابوں کے ترجموں کا حساب دیتا ہی، کوئی اندلس کی حکومت کا زور دکھاتا ہی، کوئی ہارون اور مامون کی شان بیان کرتا ہی"

اس محسن قوم کے نزدیک یہ سب مسلمانوں کی بیماریاں ہیں، مگر جب ناصح مشفق دیکھتا ہی کہ قوم میں یہ مرض بڑھ رہا ہی، اور کسی کے روکے نہیں رکتا ہی، تو خود ہی مہربان طبیب بنکر ازالۂ امراض کے لیے یہ نسخہ تجویز کرتا ہی۔ "اس میں شک نہیں کہ اسلاف پرستی بہت عمدہ شیوہ ہی، مگر اُسی حد تک کہ ہم اپنے بزرگوں کی خدمات کی داد دیں، اور اُن کی عزت کریں، اور اصل طریقہ اُن کی بزرگیوں کی داد دینے، اور قدر کرنے کا یہ ہی کہ ہم اُن کے قدم پر قدم رکھیں اور اُن کی محنت، اُن کی یک رنگی، اُن کی نفس کشی کی تقلید کریں، اور اُن کا سا صبر و استقلال، اُن کا سا انہماک طلب علم میں پیدا کریں، اور جس فن کو اختیار کریں، اس میں اُن کی سی نظر تحقیق حاصل کریں۔ نہ یہ کہ ہمارے بزرگوار جو کچھ اپنے وقت میں کر گئے ہیں، اُسپر غرہ کریں، اور مثل **زن بیوہ** کے اُن کے نام پر بیٹھ رہیں، اور اُن کی علمی بزرگیوں کا تذکرہ دوسروں سے سُن کر زمانہ حال کی دولت علمی کو حقیر سمجھیں۔ اور اُس کے دریافت سے اغماض کریں مختصر یہ کہ اسلاف پرستی کو

اپنی جہالت یا کاہلی یا نفس پروری کا بہانہ گردانا ہرگز جائز نہیں ہی۔ اور نہ یہ جائز ہے کہ اُن کی بزرگیوں کو یاد کرکے ہم اپنے عیوب سے غافل ہو جائیں۔ اُس شخص نے تاریخ پر بالکل کورانہ نظر ڈالی ہے جو یہ دعوی کرتا ہو کہ اُس وقت کے لوگوں میں کوئی عیب نہ تھا اور ہمارا ہی زمانہ بدیوں سے بھرا ہوا ہے۔ کوئی وقت عیب سے خالی نہیں ہوا کرتا جو نقصانات ہم میں اس وقت کسیقدر مبالغہ کے ساتھ موجود ہیں اُس وقت بھی موجود تھے۔ اور ہماری ناکامی کا تخم بو رہے تھے "من عرف نفسہ فقد عرف ربہ" خداشناسی کیواسطے اول خودشناسی ضرور ہے، جب تک ہم اپنے عیوب سے واقف نہوں اور اُن کو صداقت کے ساتھ تسلیم نہ کرلیں کبھی ہماری حالت میں صلاح نہیں ہوسکتی مگر بے شک "یہ آخر العلاج الکی" کا حکم رکھتا ہی۔ اس سے اذیت بہت ہوتی ہی۔ نفس انسانی جو بالطبع خوشامد پسند ہی اپنے عیب چینی کے گزند سے چیخ اُٹھتا ہے۔ اور ناصح صادق سے ہمیشہ ملول رہتا ہے عین الرضا ہر فروبشر کو پسندیدہ ہی، عین السخط کی نقادیوں سے ہر کوئی گھبراتا ہے کیونکہ [1]

وعین الرضا عن کل عیب کلیلۃ — ولکن عین السخط تبدی المساویا

ایک عیبوں پر پردہ ڈالتا ہی دوسرا اُن کو ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر نکالتا ہے۔ مگر یاد رہے کہ عین السخط ہی ہمارا دوست ہے۔ دوسرا جو عیب پوشی کرتا ہی وہ دراصل ہمارا دشمن ہی۔ والعاقل تکفیہ الاشارۃ"۔

بزرگان قوم کی جو نصیحت ہم نے نقل کی ہے۔ یہ غور سے پڑھنے اور عمل کرنے کے

[1] خوشنودی کی آنکھ عیب کے دیکھنے سے قاصر ہوتی ہی وہ تو غصہ ہی کی ہی جس کو بُرائی ہی بُرائی سوجھتی ہی۔

لائق ہے کیونکہ یہ واقعہ نفس الامری ہے کہ ہم اسلاف کے کارنامے مزا لینے اور اظہار فخر کے لیئے پڑھا کرتے ہیں۔ اور ہمارا ذہن کبھی اس طرف منتقل نہیں ہوتا کہ ہمارے بزرگوں کی ترقی کے اسباب اور کامیابی کے راز کیا تھے، اور آیا ہم کو بھی ویسا ہی ہونا چاہیئے یا نہیں؟

تاریخ وسیرت میں علمی تصنیفات کی ضرورت

لیکن اس مسالہ کے حل ہوچکے بعد اب ایک سوال یہ ہے کہ ایسی کتابیں ہمیں کہاں مل سکتی ہیں جو اسلاف کے صحیح حالات کا مرقع ہوں؟۔ اس کے جواب میں کہا جاسکتا ہے کہ علمائے مشرق ومغرب کی نئی تاریخیں پڑھنا چاہیئے۔ مگر افسوس ہے کہ مشرقی علما میں ایسے مصنفین کا قحط ہے، جو فلسفیانہ نکتہ سنجی سے تاریخ لکھیں اور صحیح ماخذ سے لکھیں۔ اب رہے علمائے مغرب وہ بے شک تاریخ نویسی میں کمال رکھتے ہیں مگر اس کا کیا علاج ہے کہ **تاریخ اسلام** لکھتے ہوئے نہایت بیدردی، مگر کمال دوراندیشی سے مذہب تصرف کرتے ہیں۔ لیکن ایک تیسری صورت یہ ہے کہ جدید تعلیم یافتہ، مغربی مذاق میں تصنیف کریں۔ یہ سب سے بہتر شکل ہے، مگر دقت یہ ہے کہ ان نوجوانوں میں باستثنا بعض، عربی زباں دانی کا عنصر نہیں ہے، اور اُن کی نظر صرف انگریزی علم ادب تک محدود ہے، لہذا یہ تصنیف بھی ناقص ہوگی۔ لیکن یہ ایسا مرض نہیں ہے جو علاج پذیر نہو۔ ہمارے عزیز عربی کی تکمیل کرکے اس نقص کو دُور کرسکتے ہیں۔ مگر بقول غالب مرحوم ؎

جانتا ہوں ثوابِ طاعت و زُہد ۔۔۔ پر طبیعت ادھر نہیں آتی

خیر یہ تو بڑی بات ہے وہ تو اُردو میں بھی ادبی، تاریخی، مذہبی اور اخلاقی تصنیفات نہیں پڑھتے ہیں جس کا یہ نتیجہ ہے کہ کسی موقع پر اگر قومی شجاعت، ہمت، غیرت، یا کسی اہل علم کا ذکر آتا ہے تو نامُران

اسلام کے بجائے مشاہیر یورپ کے نام گنائے جاتے ہیں! ندوۃ العلماء کے ایک جلسہ میں شمس العلماء شبلی نعمانی نے نوجوانان قوم کو مخاطب کر کے حسب ذیل اشعار پڑھے تھے جس کا اعادہ کرنا ہم بھی ضروری سمجھتے ہیں۔

نکتہ شرع با فسانہ برابر بینہی	یورپ ار گپ زند آں نیز مسلم باشد
حل ہر مسالہ فقہ ز یورپ طلبی	شرع پیش تو ز تقویم کہن کم باشد
از ابوبکر و عمر ہیچ بیادت ناید	گرمی بزم تو از سیزر اعظم باشد
ور سخن بگذر د از سیرت شان نبوی	ہر چہ گوئی ہمہ از گفتہ ولیم باشد

لیکن ان خیالات کا یہ سبب نہیں ہے کہ نوجوانانِ قوم سے خدانخواستہ قومی حمیت اور مذہبی جوش کا مادہ سلب ہو چکا ہے۔ بلکہ اس کی خاص وجہ یہ ہے کہ تعلیم جدیدہ میں اول سے آخر تک اس کا موقع ہی نہیں ملتا ہے کہ تاریخ اسلام سے صحیح واقفیت حاصل کی جائے۔ ایسی صورت میں ان کی زبان سے جو لفظ نکلیگا وہ مغربی ٹکسال کا ہوگا۔ لیکن انشاءاللہ امید ہے کہ قومی یونیورسٹی قائم ہونے پر یہ شکایت باقی نہ رہیگی۔

سبب تالیف کتاب نظام الملک طوسی

تاریخ اور سیرت نگاری کے متعلق، جو مشکلات ہیں، وہ تم اوپر پڑھ چکے ہو۔ لیکن باوجود اُن اسباب کے صرف اس خیال سے جسارت کی گئی ہے کہ مشرقی یا ہندوستانی ہو کر ہندی (اردو) علم ادب اور ملکی زبان کی خدمت نہ کرنا، داخل کفران نعمت ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ دنیا کی تمام مہذب اقوام کی طرح، ہمارا بھی فرض ہونا چاہیے کہ اُن اسلاف کو جو صفات خاص سے

اپنے زمانہ میں ضرب المثل تھے۔ بقاے دوام کی زندگی سے محروم نرکھیں۔ اور یہ زندگی اُن کو اس طرح میسر آسکتی ہے کہ اُنھوں نے اپنی حیات مستعار میں جو معرکۃ الآرا کام کئے ہیں ہم اُن کو منظر عام پر لا دیں۔ اور گمنامی کے ساتھ صفحہ ہستی سے مٹنے نہ دیں۔ کیونکہ معمولی مرنا تو وہ مر چکے، لیکن اصلی موت کا وہ دن ہوگا جس دن اُن کے کارنامے ہماری غفلت سے مٹ جائیں گے۔ جو لوگ حیات انسانی کے معنی، بارہ گھنٹے میں دو مرتبہ، پیٹ بھرلینا، یا چند گھنٹے فکر معاش میں مبتلا رہنا، اور رات کو آرام سے پڑکر سو رہنا سمجھتے ہیں، وہ دائرۂ انسانیت سے خارج ہیں۔ اور اُن کی مثال حشرات الارض اور برسات کے سبزۂ خودرو سے زیادہ نہیں ہے۔ حقیقی زندگی اور حیات جاوید کے یہ معنی ہیں کہ انسان اپنے اعمال حسنہ اور خصائل حمیدہ سے قیامت تک زندہ رہے۔ چنانچہ **خواجہ حسن نظام الملک** طوسی بھی انھیں نامورانِ اسلام کے طبقہ میں ہے جن کے مساعی جمیلہ سے صفحات تاریخ گرانبار احسان ہو رہے ہیں۔ چنانچہ سلسلہ وزرائے اسلام میں **برامکہ** کے بعد دوسرے درجہ پر یہی ممتاز وزیر تھا جس کو ہم نے انتخاب کیا ہے۔

تیسرا سبب یہ ہے کہ اُردو علم ادب میں آجکل پچاس فیصدی عاشقانہ نظمیں، ناول، افسانے، اور قصص و حکایات شائع ہوتی ہیں اور بقیہ نصف میں قانون، مذہب، اخلاق، طب، ریاضی، فلسفہ، سائنس، تاریخ، اور سیر کی کتابیں ہیں۔ اس میں ترجمہ کا حصہ تصنیف او تالیف سے بہت زیادہ ہے۔ لیکن یہ امر تعجب انگیز ہے کہ مسلمانوں نے اپنے علمی دور میں یونان، مصر، ایران، اور ہند سے جو کتابیں ترجمہ کیں وہ عموماً علوم و فنون کی کتابیں

تھیں قصص وحکایات میں کلیلہ دمنہ جیسی مفید چند کتابیں انتخاب کی تھیں لیکن ہمارے زمانے کے مترجم آج یورپ کے علمی سرمایہ سے رینالڈز کے ناول ترجمہ کر رہے ہیں۔ اور سلسلہ تصنیف میں بھی یہی حال ہے کہ حروف تہجی میں سے کوئی حرف ثقیل بھی باقی نہیں ہے جس میں دو ایک ناول موجود نہ ہوں۔ باقی اعلیٰ درجے کی تصنیفات تمام سال میں دو چار سے زیادہ نہیں ہوتی ہیں۔ اور مغربی علوم وفنون میں جو کتابیں ترجمہ ہوئی ہیں وہ انگلیوں پر شمار کی جاسکتی ہیں۔ اور ہنوز سیکڑوں مفید شاخیں باقی ہیں جن کی طرف کسی نے توجہ نہیں کی ہے۔ اگر علمی مسائل کی ابتدائی کتابیں ترجمہ ہو جائیں تو حصول علم میں طلبہ کو آسانی ہو جائے۔ لہٰذا غیر مفید کتابوں کے مقابلے میں سلسلہ وزرائے اسلام فائدہ سے خالی نہیں ہے۔ جس میں وزارت کے ساتھ سلطنت کی بھی تاریخ (ضمیمہ میں) ہوتی ہے۔

اردو کی مختصر تاریخ

اس کتاب کی تالیف سے ایک اہم مقصد یہ بھی ہو کہ ملک کی عام مشترکہ زبان میں ترقی ہو۔ اور اس کے علم ادب میں معلومات جدیدہ اور قدیمہ کا اضافہ ہو۔ اور آئندہ ترقی کے وسائل پر بھی غور کیا جائے لیکن عرض مطلب سے پہلے اُردو کی ابتدائی تاریخ پر ایک سرسری نظر ڈالنا دلچسپی سے خالی نہوگا۔

ہندوستان جنت نشان میں مہاراجہ بکرماجیت (۵۶ سنہ برس قبل مسیح علیہ السلام) کے عہد میں درباری زبان سنسکرت (دیوبانی یا زبان الٰہی) اور بازاری زبان پراکرت (طبعی غیر مہذب) تھی جس کا ثبوت ملک الشعرا کالیداس کا ناٹک شکنتلا ہی۔ بعد ازاں

بدھ مذہب کی ترقی سے مگدھ دیس کی پراکرت کا ہندوستان میں عروج ہوا۔ اور یہ حالت دسویں صدی عیسوی تک قائم رہی۔ لیکن ۵۸۷ھ ۱۱۹۱ء (عہد شہاب الدین غوری) میں جب ہندوستان پر ہلال اسلام پرتو فگن ہوا تو ملک کی تقریری زبان پراکرت کے درجہ سے گر کر ہندی بھاشا ہو چکی تھی (جس کا دوسرا نام برج بھاشا ہے) مگر جب ترکی، افغانی اور ایرانی نسلوں سے ہندوؤں کا میل جول ہوا تو بھاشا میں فارسی، عربی، الفاظ دخیل ہو گئے جس کی نظیر چند کوی شاعر کی کتاب "پرتھی راج راسا" ہے بعد ازاں خلجیوں کے عہد میں حضرت امیر خسرو (المتوفی ۷۲۵ھ ۱۳۲۴ء) نے پہیلیاں، مکرنیاں، نسبتیں، غزلیں اور خالق باری، لکھکر اس مذاق کو اور ترقی دی۔ ۸۹۴ھ ۱۴۸۸ء میں (عہد حکومت بہلول لودھی) کایستھوں نے فارسی شروع کی اور زیور علم سے آراستہ ہو کر شاہی دفتر میں داخل ہوئے۔ اب تمام ملک پر عربی، فارسی الفاظ کی حکومت تھی اور ہندی نظم میں بھی یہی رنگ غالب تھا (کبیر داس بنارسی کے دوہرے، گرونانک صاحب کی تصنیفات، اور بابا تلسی داس کی رامائن دیکھو) سرکاری دفتر بھی فارسی میں تھے۔ لودھیوں کے بعد بابر نے ہندوستان پر قبضہ کیا۔ اور اکبر اعظم کے عہد زریں میں جب قومی منافرت میں کمی ہوئی تو مسلمانوں نے بھی ہندوستان کو اپنا گھر سمجھ کر سنسکرت اور بھاشا میں نمایاں ترقی کی۔ چنانچہ اس زمانے کے تراجم کتب سنسکرت، شاہزادہ دانیال اور عبدالرحیم خانخاناں کی بھاشا نظمیں ہمارے دعوے کی دلیل ہیں۔ اور ملک محمد جائسی کی پدماوت تو رامائن کے ہم پلہ مانی جاتی ہے، اور آج تک اُس کی

بازاروں میں مانگ ہی۔ جہانگیر نے بھاشا کی اعلےٰ نظموں پر انعام دیکر شاعروں کے حوصلے بڑہائے۔ اس قدر دانی کا ہی نتیجہ تھا کہ بھاشا میں غواصی، ملا نوری، شیخ شاہ محمد بلگرامی جیسے نامور شاعر ہوئے۔ اور محی الدین اورنگ زیب عالمگیر کے زمانے میں تو بھاشا معراج کمال پر پہنچگئی۔ مختصر یہ ہے کہ ہندوستان کی ملکی زبان نے سلاطین اسلام کے آغوش تربیت میں پرورش پائی اور شاہجہاں کے عہد دولت میں (جبکہ ۱۰۵۸ھ ۱۶۴۸ء میں دلی آباد ہوئی)، ترقی کر کے "اردوے معلےٰ" کے خطاب سے ممتاز ہوئی۔ اور یہ بھی شاہجہاں کی بلند اقبالی ہے کہ اُردو کا سکّہ آج تک اُس کے نام سے چل رہا ہی۔ ورنہ اس فخر کے مستحق سلطان محمود غزنوی، اور شہاب الدین غوری تھے۔ عالمگیر کے عہد میں متعدد شاعر ہوئے۔ لیکن علم و فضل اور شاعرانہ کمالات کے لحاظ سے شاہ ولی اللہ دکھنی (ولی تخلص) اپنے ہم عصروں میں نامور ہیں۔ شاہ صاحب نے سب سے اول ریختہ (اسی زبان کا دوسرا نام ہی) میں دیوان مرتب کیا۔ اور آیندہ نسلوں کے لیے ایک شاہراہ قائم کر گئے۔ ولی کے بعد میر، سودا اور انشا کا دور آیا، جنھوں نے شاہان اودھ کی سرپرستی میں اُردو کو اُردوے معلےٰ بنا دیا۔ اور انصاف یہ ہی کہ دلی کے بعد زباندانی کی یہ دوسری ٹکسال تھی جو لکھنؤ میں قائم ہوئی۔ اس کے بعد طبقہ متاخرین میں مومن، ذوق، غالب دہلوی اور ناسخ و آتش لکھنوی پر نظم اُردو کا خاتمہ ہوگیا۔ لیکن علمی زبان کا درجہ نثر نگاروں کی بدولت حاصل ہوا جس کی مختصر کیفیت یہ ہی کہ ۱۸۵۷ء کے بعد گردش فلکی نے جب تیموری تاج و تخت کا مالک

دولت برطانیہ کو بنا دیا تو سکہ کی طرح زبان بھی وراثت میں آئی۔ جس کو برٹش حکام کی دست گیری نے اوج کمال پر پہنچا دیا۔ لیکن اس زمانے کی تصنیفات میں سے مسٹر فرگسن[1]، اور جنرل ولیم پیاٹرک کے لغات اردو، اور میر محمد عطا حسین خاں تحسین[2] کی کتاب نوطرز مرصع کے سوا دوسری کتابیں نایاب ہیں۔ لیکن انیسویں صدی کا شروع ہونا تھا کہ اردو کی قسمت جاگ اٹھی۔ اور دار السلطنت کلکتہ سے مشرقی علم ادب کا آفتاب طلوع ہوا یعنی فورٹ ولیم میں اردو کا بیت الحکمت قائم ہوا۔ جس کے ناظم (سکرٹری) ڈاکٹر جان گلگرسٹ صاحب تھے۔ ڈاکٹر صاحب نے دہلی اور لکھنؤ کے حسب[3] ذیل مشہور ادیب کلکتہ میں جمع کیے۔ اور اشاعت کتب کے لیے ایک عمدہ نستعلیق ٹائپ بھی ایجاد کیا۔

(۱) میر شیر علی افسوس لکھنوی (۲) سید محمد حیدر بخش حیدری

---

[1] مسٹر فرگسن کا اردو لغت ۱۷۷۳ء میں اور جنرل صاحب کے لغت کا ایک حصہ (یعنی وہ لغت جو عربی فارسی سے ہندی میں آئے) ۱۷۸۵ء میں بمقام لندن شائع ہوا

[2] میر صاحب اٹاوہ کے رہنے والے تھے۔ نواب آصف الدولہ کے عہد میں ۱۲۰۳ھ ۱۷۸۹ء میں امیر خسرو کی کتاب چہار درویش کا ترجمہ کیا تھا۔

[3] ان بزرگوں کی تصنیفات نمبروار حسب ذیل ہیں۔

(۱) آرائش محفل (ہندوستان کے مختلف تاریخی حالات)، باغ اردو ترجمہ گلستاں (۲) توتا کہانی۔ آرائش محفل (قصہ حاتم طائی)، دہ مجلس گلزار دانش۔ ترجمہ بہار دانش، تاریخ نادری (۳) باغ و بہار یعنی قصہ چہار درویش دلی کی زبان میں، گنج خوبی (۴) نثر بے نظیر (میر حسن کی مثنوی سحر البیان کا قصہ نثر میں) اخلاق ہندی (۵) خرد افروز ترجمہ عیار دانش ابو الفضل (۶) شکنتلا، دستور ہند (بارہ ماسہ)۔ (۷) پریم ساگر، وغیرہ ترجمہ

(۳) میر امّن دہلوی (میر صاحب کی نثر میر کی نظم کے ہم پلہ مانی جاتی ہے)

(۴) میر بہادر علی حسینی (۵) حفیظ الدین احمد پروفیسر فورٹ ولیم کالج۔

(۶) میر کاظم علی جواں دہلوی (۷) سری للوجی پنڈت گجراتی۔

(۸) نہالچند لاہوری (۹) میر اکرام علی (۱۰) مظہر علی ولا۔

گورنمنٹ کا مقصد اس محکمہ سے یہ تھا کہ ہندوستانی زبان میں ایسی کتابیں طیار ہوں جو ہندوستان کے رسم و رواج کا آئینہ ہوں۔ اور جن کو پڑھ کر یورپین ہندوستان کی طرز معاشرت سے واقف ہوجائیں۔ چنانچہ حسب منشا سرکار تصنیف و تالیف اور ترجمہ سے مفید کتابیں طیار ہوئیں اور وہ یورپین میں خصوصا اور تمام ملک میں عموما مقبول ہوئیں۔ ۱۸۰۷ء ۱۲۲۲ھ میں میر انشاء اللہ خاں انشا نے دریائے لطافت (قواعد اردو) لکھکر ملک پر عام احسان کیا۔ انداز تحریر میں اگرچہ ظرافت و شوخی ہے مگر زباندانی کا پوراحق ادا کیا ہے اور عجیب و غریب نکتے لکھے ہیں۔ اسی سال حضرت شاہ عبدالقادر دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے قرآن شریف کا اردو میں ترجمہ کیا۔ یہ وہ فیض تھا کہ جو تمام ہندوستان پر چھا گیا۔ اور اردو میں عام تصنیفات کا دروازہ کھل گیا۔ ڈاکٹر جان گلکرسٹ، جان شکسپیر، اور ڈاکٹر فیلن صاحبان نے اردو و ہندوستانی لغت شائع کیے۔ ۱۸۳۵ء عیسوی میں شاہی دفتر فارسی سے اردو ہوگیا۔ اور یہ زبان تعلیمی قرار پائی۔ ۱۸۳۷ء عیسوی میں

(بقیہ نوٹ صفحہ ماقبل) (۸) مذہب عشق (گل بکاؤلی کا قصہ، عزت اللہ بنگالی کی فارسی کتاب سے ترجمہ کیا) (۹) مناظرہ انسان و حیوان (اخوان الصفا کے ایک عربی رسالہ کا ترجمہ ہے) (۱۰) بیتال پچیسی بطرز سنگھاسن بتیسی۔

لیتھو گراف پریس دلّی میں جاری ہوا۔ یہ اسباب تھے جنھوں نے اُردو کو علمی درجہ پر پہنچا دیا۔ اس زمانے میں ملکی محبت سے اُردو زبان "ہندی" کہلاتی تھی۔ (اُس زمانے کے نثر اور نظم کتابوں کے دیباچے پڑھو) چنانچہ وہی ہندی ہے، جو آج تک اُردو کے لباس میں جلوہ گر ہے۔ اور جس کو بعض نا عاقبت اندیش صفحہ ہستی سے مٹانا چاہتے ہیں۔ اور یہ نہیں سمجھتے ہیں کہ یہ زبان قدیم ہندؤں، مسلمانوں، اور انگریزوں کی ایک متحدہ یادگار ہی۔ مگر انشاء اللہ جب تک برٹش راج قائم ہی اس کا مٹانا محال ہے۔ کیونکہ مسلمانوں کی طرح انگریزوں کے بزرگوں نے بھی اس زبان کی اصلاح اور ترقی میں غیر معمولی حصّہ لیا تھا۔ اور ہندؤں پر تو اُردو کا سب سے زیادہ حق ہی۔ کیونکہ اس کی بنیاد سنسکرت و بھاشا پر قائم ہوئی ہے۔ اور مقتضائے فطرت یہ ہی کہ ماں اپنے بچہ پر باپ سے زیادہ مہربان ہو۔

زبان اُردو کی موجودہ حالت اور آیندہ ترقی کے وسائل

جو کچھ بیان ہوا یہ تو عہد گزشتہ کی تاریخ تھی لیکن اُردو نے اُنیسویں صدی میں جس قدر ترقی کی ہے، علمی حیثیت سے وہ ضرور نہایت قابل قدر ہی، اور تصنیفات و تراجم کے ذخائر سے اُردو کا دائرہ وسیع ہو گیا ہے، لیکن باوجود اس ترقی کے اگر السنہ مشرقیہ سے مقابلہ کیا جائے تو اُردو ہنوز ابتدائی حالت میں ہے۔ مثلاً ہم چار زبانوں سے مقابلہ کریں گے۔

۱۔ **ترکی**۔ یہ ایک بڑی اسلامی سلطنت کی زندہ یادگار ہے اور اس زبان کا علم ادب مغربی علوم و فنون کے سرمایہ سے معمور ہی۔ اور اخبارات بکثرت جاری ہیں۔

۲۔ **عربی**۔ مسلمانوں کی مذہبی زبان ہے، اور زندہ قوم کی یادگار ہے۔ صوبہ مین

اور حجاز میں اگرچہ کہ تعلیم سے جمود کی حالت میں ہے۔ لیکن مصر، بیروت، شام اور ممالک بربر میں نمایاں ترقی کر رہی ہے۔ علمی رسائل و اخبارات میں بھی غیر معمولی ترقی ہے

۳۔ **فارسی**، زندہ قوم اور سلطنت کی زبان ہے۔ **شہنشاہ ناصر الدین شہید** کے زمانے میں ترجمہ کے لیے بیت الحکمۃ قائم ہوا، اور مفید کتابیں ترجمہ اور تصنیف کے ذریعہ سے طیار ہوئیں۔

۴۔ **بنگلہ**، ہندوستان کی زبانوں میں سے علمی درجہ صرف بنگلہ کو حاصل ہے اور نوجوان بنگالیوں نے اپنے کتب خانوں کو علمی کتابوں سے مالا مال کر دیا ہے، اور ہر روز ترقی کا قدم آگے ہے۔ بنگلہ کے مقابلہ میں صوبہ متحدہ اگرہ و آودہ میں اب سنسکرت اور بھاشا کی طرف خاص توجہ ہو رہی ہے، اور ترقی کے اسباب مہیا ہو چکے ہیں۔ چنانچہ ان زبانوں کے مقابلے میں کون کہہ سکتا ہے کہ اردو ترقی کر رہی ہے۔ اب اگر اُس کے ذاتی سرمایہ پر نظر کی جائے تو عیش و طرب کی داستانوں اور عاشقانہ نظموں کے سوا اور کچھ نہ ملیگا کیونکہ تاریخ ولادت سے عالم شباب تک شعر و سخن سے زیادہ تعلق رہا ہے۔ باقی جسقدر سرمایہ ہے وہ زمانہ انگریزی کی پیداوار ہے۔ دوسری زبانوں سے اُردو میں جو ترجمے ہوا ہے ہم اُس کا ذکر کر چکے ہیں۔ لہذا اُردو کی بقا اور ترقی کے لیے انجمن تعلیم مسلمانان (ایجوکیشنل کانفرنس) اور انجمن اُردو (کانفرنس اردو) اور تمام قوم کو حسب ذیل امور پر غور کرکے عملی کام شروع کر دینا چاہیئے۔

۱۔ مغربی اور مشرقی زبانوں سے علوم و فنون کی کتابیں ترجمہ ہوں، اور ہر تعلیم یافتہ

کسی علم وفن کی ایک مفید کتاب ترجمہ کرے۔ اور ترجمہ کے صلہ کا سلطنت یا اُمرائے دولت سے امیدوار نہو، بلکہ ترجمہ کی آمدنی سے تجارتی اصول پر نفع اُٹھایا جائے۔

۲۔ انجمن ترقی اُردو کا دائرہ ہندوستان کے تمام صوبوں میں عملی حیثیت سے وسیع کیا جائے۔

۳۔ مسلم یونیورسٹی قائم ہونے پر ابتدائی مدارس میں اُردو کے ذریعہ سے علوم وفنون کی تعلیم ہو۔

۴۔ کتابوں کی اشاعت کے لیے نستعلیق ٹائپ کو ترقی دیجائے اور فی الحال بیروت کے ٹائپ سے کام لیا جائے۔

۵۔ ہر صوبہ سے اُردو میں متعدد اخبارات جاری ہوں۔ اور علمی رسائل کو ترقی دیجائے۔

۶۔ ہر ضلع اور قصبات میں انجمن اور سوسائٹیاں قائم ہوں جس کے ساتھ کتب خانہ اور اخبارات کا انتظام لازمی رہے۔

۷۔ ہندوستان کے جن صوبوں میں اردو کمزور حالت میں ہے۔ مثلاً بنگالہ، بمبئی، مدراس، ممالک متوسط، راجپوتانہ وغیرہ وہاں اردو کی عام اشاعت کی جائے۔

نظام الملک کے اصول حکومت اور آئین وزارت پر ایک سرسری نظر

بنی اُمیّہ کے نامور تاجدار سلیمان بن عبد الملک (متوفی ۹۹ھ، ۷۱۷ء) کا مقولہ ہے "عجبت لھؤلاء الاعاجم ملکوا الف سنة، فلم یحتاجوا الینا ساعة وملکنا مائة سنة لم نستغن عنھم ساعة (تاریخ آل سلجوق صفحہ ۷۵) یعنی یہ امر

تعجب انگیز ہے کہ عجمیوں کو ایک ہزار برس کی حکومت میں ایک ساعت کے لیے بھی عربوں کی ضرورت نہ ہوئی۔ اور عرب ایک صدی کی حکومت میں بھی عجمیوں کی اعانت سے بے نیاز نہ رہ سکے" ہماری رائے میں اس مقولہ کا ثبوت خود سلجوقی حکومت ہے۔ سلجوقی ترکوں نے اپنی فطری شجاعت و جلادت سے اطراف و جوانب کے ممالک کو فتح کر لیا۔ اور وہ چاہتے تو مفتوح اقوام کو پامال اور ملک کو خاکِ سیاہ کر دیتے۔ مگر نہیں، انھوں نے رعایا کے دلوں پر حکومت کی اور سلجوقی حکومت سے ملک میں ایک نئی زندگی پیدا ہو گئی۔ اس کا باعث یہ تھا کہ الپ رسلان کو خواجہ حسن نظام الملک طوسی جیسا فاضل مدبر وزیر مل گیا تھا۔ اور باوجودیکہ وہ ایک خود مختار بادشاہ کے ماتحت تھا، لیکن اپنی عاقلانہ حکمت عملی اور حکیمانہ ضوابط سے تمام ملک کو مسخر کر لیا تھا۔ جس کی تفصیل اس کتاب میں موجود ہے۔

خواجہ حسن خود شافعی تھا۔ مگر فوجداری، دیوانی عدالتوں میں فقہ حنفی کے مطابق فیصلے ہوتے تھے، جس کا اپیل قاضی القضاۃ (چیف جسٹس) سنتا تھا۔ اور صیغہ مال، خزانہ، تعمیرات، سررشتہ تعلیم، پولیس، اور رفاہ عام کے تمام صیغے ماتحت وزرا کے سپرد تھے۔ اور فوجی انتظام، فیوڈل سسٹم (قانون جاگیرداری) کے تحت میں تھا۔ الغرض کوئی شعبہ ایسا نہ تھا جو اس زمانے کے مطابق اعلیٰ پیمانہ پر نہ ہو۔ اور اس بنا پر یہ فخریہ دعویٰ کیا جاتا ہے کہ اسلام میں ہر طرح کے سیاسی، قانونی، معاشرتی ترقی کی عام صلاحیت ہے

تصاویر کا ماخذ خواجہ نظام الملک، حکیم عمر خیام، اور حسن صباح کی شبیہ ایک

قدیم مرقع کا عکس ہیں۔ جس کے لیے ہم مولانا سید محمد حاذق مرحوم کابلی کے شکرگزار ہیں
اور ملکشاہ کی تصویر علامہ شبلی نعمانی کے سفر روم و شام کا ہدیہ ہے۔ اور ان سب کو ہمارے
مکرم مخدوم منشی محمد رحمت اللہ صاحب رعد کے قلم اعجاز رقم نے زندہ کیا ہے جس کا دلی
شکریہ ادا کیا جاتا ہے۔

ملک معظم ہندوستان میں اور دلّی کا عظیم الشان دربار

دیباچہ کتاب میں بادشاہ وقت کا تذکرہ ایک قدیم اسلامی طریقہ ہے۔ مگر بزم تیموری کے
برہم ہونے کے بعد ۱۲ دسمبر ۱۹۱۱ء میں لال قلعہ شاہجہانی کو یہ فخر حاصل ہوا کہ مہابلی نے رعایا
کو اپنے درشن کرائے۔ اور دلی کو دار السلطنۃ ہونے کا دوبارہ اعزاز نصیب ہوا۔ لہذا
دستور قدیم کے مطابق نہایت فخر و مسرت سے "نظام الملک" کا دیباچہ اعلیٰ حضرت
ہز امپیریل مجسٹی ملک معظم جارج پنجم (بالقابہ) خلد اللہ ملکہ و سلطانہ و علیا حضرت حضور
ملکہ معظمہ میری دامت اقبالہا کے نام نامی پر ختم کیا جاتا ہے۔ خدا کرے کہ شاہانہ اقبال کی
روشنی میں نظام الملک کا ستارہ، آسمان شہرت پر آفتاب ہو کر چمکے۔ آمین۔ خاتمہ اس دعا پر ہے

دولت ترا متابع و اقبال یار باد
ذاتِ تو در حمایتِ پروردگار باد

نوٹ۔ تحریر تاریخ دیباچہ یوم جمعہ ۱۵ دسمبر ۱۹۱۱ء مطابق ۲۳ ذی الحجہ ۱۳۲۹ھ بمقام کانپور

حصۂ اوّل

طوس کی مختصر تاریخ

اس حصہ کے آغاز پر طوس کی مختصر تاریخ لکھنا نہ صرف اسوجہ سے موزون ہے کہ دنیای اسلام کے جغرافیہ مین طوس کا نام داخل ہے۔ بلکہ اس خاک سے ایسے مشاہیر اور صاحب فضل وکمال پیدا ہوے ہین، جنکے خیالات اور تصنیفات سے ہمارے کتبخانے مالا مال ہین۔ اور جس نامور کا یہ تذکرہ ہے اُسکے نشو ونما اور جاہ وجلال کا مرکز بھی یہی خطہ پاک ہے

بناے طوس مورخین عجم کا قول ہے کہ جسنے شہر طوس کی بنیاد ڈالی، وہ سلطنت عجم کا نامور شہنشاہ جمشید پیشدادی[1] ہے لیکن انقلاب روزگار سے کیانیون کے عہد حکومت تک یہ شہر برباد

[1] طبقۂ پیشدادیان مین جمشید چوتھا تاجدار ہے یہ طہمورث کا بھتیجا تھا اور اُسکے بعد ہی تخت نشین ہوا۔ اسکا عہد حکومت عدل وانصاف اور تمدن ومعاشرت کی اعلی ترقیون کی وجہ سے ضرب المثل ہے۔ حکمرانی مین طہمورث اور ہوشنگ کے آئین پر عمل تھا۔ عمارت سے خاص ذوق تھا۔ چنانچہ فارس کے آثار قدیمہ مین تخت جمشید (پرسی پولیس) آج تک موجود ہے۔ (مفصل تاریخ کے لیے دیکھو فائل معارف سنہ ۱۹۱۰ء وکتاب قدیم نقش ایران، و سفرنامۂ میرزا فرصت شیرازی) جمشید کے اولیات حسب ذیل ہین (۱) جشن نوروز (۲) انگور سے شراب بنائی گئی اور "شاہ دارو" نام رکھا گیا (۳) لوہا گلا کر آلات حرب تیّار کرائے (۴) روئی اور ریشم کا کپڑا تیار ہوا (۵) خیاطی اور شناوری ایجاد ہوئی (۶) غوطہ لگا کر سمندر سے موتی نکالے گئے (۷) پانی اور مٹی سے اینٹ تیار ہوی (۸) معدنیات سے جواہرات نکالے گئے (۹) مفرد دواؤن سے مرکبات تیار ہوے (۱۰) بخور اور خوشبو کا استعمال (باقی درصفحہ آئندہ)

ہوچکا تھا۔ جب ایران کی حکومت کیخسرو کے ہاتھ آئی اور پہلی مرتبہ توران پر فوج کشی ہوئی تو کیخسرو کے نامور سپہ سالار طوس ابن نوذر ابن منوچہر نے از سر نو اس شہر کو آباد کیا اور طوس[۵۱] نام رکھا۔

اگرچہ شاہنامہ مین فردوسی نے اس لڑائی کے ذیل مین بنائے طوس کا کوئی تذکرہ نہین کیا ہے لیکن سب سے پہلے جب فردوسی سلطان محمودؒ غزنوی کے دربار مین پیش ہوا ہے۔ اُسوقت سلطان کے استفسار پر فردوسی نے بیان کیا تھا کہ "شہر طوس[۵۲] کا بانی طوس ابن نوذر ہے"

بقیہ صفحہ ۱۷۔ کیا گیا (۱۱) حمام تیار ہوا (۱۲) جنگل کے اندر سے شہرون کے جانے کو سڑکین نکالی گئین (۱۳) ملک کی آبادی مثل اربع عناصر کے چار حصون پر تقسیم کی گئی۔ ۱۔ ارباب دانش (علما) (۲) ارباب فوج ۳۔ ارباب زراعت ۴۔ ارباب صنعت و حرفت جمشید نے آخر مین خدائی کا دعوی کیا اور ضحاک کے ہاتھ سے اسکا خاتمہ ہوا۔ حضرت ہود علیہ السلام اسی زمانہ مین تھے۔ انتخاب از ناسخ التواریخ جلد اول، نامۂ خسروان العجم و شاہنامہ حالات جمشید۔

[۵۱] نزہتہ القلوب حمد اللہ مستوفی ذکر طوس صفحہ ۲۹۰ [۵۲] دیباچہ شاہنامہ فردوسی طوسی صفحہ ۹ مطبوعہ بمبئی ۱۲۷۵ ہجری

[۵۳] فردوسی نے جن الفاظ مین یہ واقعہ لکھا ہے وہ حسب ذیل ہے۔

دگر گفت با طوس کاے نامدار ... یکے پند گویم ز من یاد دار
گزر بر کلات ایچ گونہ مکن ... گر آن رہ روی خام گردد سخن
درانجا فرود است با ما دراست ... یکے لشکر کشن کند او راست
روان سیاوش چو خورشید باد ... بدان گیتیش جاے امید باد
پسر بودش از دخت پیران یکے ... کہ پیدا نبود از پدر اندکے
برادر بمن نیز مانندہ بود ... جوان بود و ہمسال و فرخندہ بود
کنون در کلات ست با مادر ست ... جہاندار و با فر و با لشکر ست
ہم او مرد جنگ ست و گرد و سوار ... بگوہر بزرگ و بہ تن نامدار
براہ بیابان بباید شدن ... نہ نیکو بود جنگ شیران زدن

فرستادن کیخسرو طوس را بجنگ تورانیان صفحہ ۱۵۲ شاہنامہ مذکور۔

اور اُسکے بنا کی یہ وجہ بیان کی تھی کہ "جب کیخسرو[1] نے طوس کو افراسیاب کے مقابلے پر روانہ کیا ہے تب رخصت کے وقت نصیحتاً کہا تھا کہ 'خبردار براہ کلات، توران کو نہ جانا کیونکہ اس راستے مین فرود[2] سے جو میرا بھائی ہے لڑائی ہوجانیکا خدشہ ہے' لیکن جب سپہ سالار طوس سرحد توران پر پہونچ گیا تو اُسنے کلاث ہی کا راستہ اختیار کیا اور آخرکار بڑی خونریزی کے بعد فرود قتل ہوا اور واپسی کے وقت کلات وجرم[3] کے متصل طوس کی بنیاد ڈالی"

قدیم تاریخ اسمین کوئی شبہ نہین ہے کہ صوبۂ خراسان مین قدامت کے لحاظ سے طوس "شیخ البلاد" کے خطاب کا مستحق ہے۔ کیونکہ یزدگرد کے زوالِ سلطنت تک اُس کی عمر ۷۴۸۳ سال کی ہوچکی تھی[4]۔

سلاطینِ عجم کے وقت مین طوس کی کیا حالت تھی اور فتوحاتِ اسلام تک اسپر کیا انقلاب آئے؟ ہم اس افسانہ کو چھیڑنا نہین چاہتے ہین۔ البتہ تاریخی حیثیت سے یہ ظاہر کرنا ضروری ہے کہ امیر المومنین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت مین طوس ۲۹ھ ۶۴۹ء ہجری مین فتح ہوا۔ اور خدا کا شکر ہے کہ اُس مبارک زمانہ سے آج تک اسلامی عَلَم کے زیر سایہ ہے۔ مگر جو شان و شوکت خلفاے عباسیہ کے عہد مین تھی وہ باقی نہ رہی۔ اور شاہان سامانیہ،

---

[1] سلسلہ کیانی مین کیخسرو بن سیاوش تیسرا تاجدار ہے۔ افراسیاب سے جو معرکے ہوے ہین اسکی تفصیل شاہنامہ و معجم مین درج ہے۔ ۶۰ برس حکومت کرکے لہراسپ کو اپنا جانشین بنایا اور خود غائب ہوگیا۔ لہراسپ دادا فسری خسروی، ولیعہدی و تاج کیخسروی" نامہ خسروان و المعجم [2] "کلات وجرم" نمبر ایک قلعہ کا نام ہے جو اپنے استحکام مین ضرب المثل تھا۔ اور نمبر ۲ قصبہ کا نام ہے جسکے نیچے یہ قلعہ واقع تھا۔ نزہت القلوب صفحہ ۲۹۹۔ [3] یزدگرد ساسانیون کا سب سے اخیر تاجدار ہے اور خراسان کے فتح کے بعد جو ۳۱ھ ۶۵۲ء مین ہوئی یزدگرد کی سلطنت کا خاتمہ ہوگیا۔

سلجوقیہ، غزنویہ وغیرہ کے باہمی جنگ وجدال سے روز بروز طوس کی حالت بگڑتی گئی تاہم تیمور کی فتوحات تک ہندوستان اور یورپ کے سیاحون نے اسکو عمدہ حالت مین پایا تھا لیکن آج تو ہندوستان کے ایک معمولی موضع کے برابر ہے۔

اپنے عروج کے زمانہ مین طوس[1] دو حصون پر تقسیم تھا۔ ایک حصہ کا نام طابران اور دوسرے کا نام نوقان تھا۔ اور ہر حصہ مین بہ حیثیت ایک چھوٹے ضلع یا پرگنہ کے ایک ایک ہزار مواضعات تھے۔ اور ہر دو حصون کا درمیانی فاصلہ اٹھارہ میل تھا۔ اور آمد و رفت کے لیے تمام شہر مین نو دروازے تھے۔

ابو عبداللہ[3] یاقوت الحموی اپنے جغرافیہ مین لکھتا ہے کہ طوس چار شہرون کے مجموعہ کا نام ہے

[1] گنج دانش ذکر طوس صفحہ ۳۲۷ [2] امام غزالی علیہ الرحمہ ۴۵۰ھ مین اسی جگہ پیدا ہوے۔ [3] شیخ شہاب الدین ابو عبداللہ یاقوت بن عبداللہ رومی حموی اپنے زمانہ کا نہایت نامور تاجر، سیاح اور جغرافی ہے۔ ۵۷۴ھ ۱۱۷۸ء مین بمقام بغداد پیدا ہوا۔ اور بروز یکشنبہ بیسوین رمضان المبارک ۶۲۶ھ ۱۲۲۸ء مین بمقام حلب انتقال کیا۔ یاقوت کی مختصر سوانح عمری یہ ہے کہ بچپن مین اپنے والدین اور وطن سے جدا ہوکر لٹیرون کے ہاتھ مین پڑ گیا اور انھون نے بطور ایک غلام کے بغداد مین لاکر بیچڈالا عسکر بن ابو نصر ابراہیم حموی نے جو بغداد کا ایک مشہور تاجر تھا اس گوہر گرانمایہ کو خرید کر لیا۔ اور یاقوت کو بقدر ضرورت تعلیم دلوائی۔ پھر اپنے ساتھ لیکر سفر مین چلا گیا۔ ایک عرصہ دراز کے بعد جب عسکر سفر سے واپس آیا تو اسنے یاقوت کو آزاد کر دیا۔ یہ واقعہ ۵۹۱ھ ۱۱۹۴ء کا ہے۔ اس زمانہ مین یاقوت کتابت کرتا تھا۔ اور یہی ذریعۂ معاش تھا۔ مگر آمدنی گزر اوقات کے لیے کافی نہ تھی اور یہ پیشہ اسکے حسب حال بھی نہ تھا بلکہ وہ تجارت کے ساتھ سیر و سفر کو بہت پسند کرتا تھا۔ اسلیے عسکر تاجر نے اپنے پاس سے تجارت کے لیے یاقوت کو روپیہ دیا۔ اور یاقوت دوبارہ سفر کو روانہ ہوا چنانچہ ایک تاجر کی حیثیت سے یاقوت نے مغربی ایشیا، ماوراء النہر، موصل وغیرہ کا سفر کیا اور علم و دولت کے ذخیرے لیکر حلب مین واپس آیا اور اپنے نامور دوست ابو الحسن علی بن یوسف بن القفطی مصنف تاریخ الحکما کی وجہ سے حلب مین سکونت اختیار کر لی۔ اور کتب جغرافیہ کی تصنیف مین مشغول ہوا چنانچہ اس فن مین (باقی آیندہ)

جنمین دو شہر بڑے تھے اور دو چھوٹے[۵۱] مگر حصص مذکورۂ بالا کے علاوہ دو حصون کے نام نہین لکھے

فتوحات اسلام تک شاہان عجم کی کوئی یادگار قابل تذکرہ طوس مین باقی نہ تھی۔ مورخین اور

جغرافیہ نویسون کی تحقیقات کے مطابق اس شہر کو جو عروج ہوا وہ دولت اسلام کے متعلق ہے۔

حمید[۵۲] بن قحطبہ کا وہ عالیشان محل (جو ایک میل مربع مین تھا) جسکے پائین باغ مین امام

علی رضا (رضی اللہ عنہ) اور ہارون الرشید کے مزار ہین، اسی طوس مین تھا۔

ابو عبداللہ[۵۳] شریف ادریسی نے اپنے مشہور جغرافیہ "نزہت المشتاق فی اختراق الآفاق" مین

بقیہ صفحہ ۲۰۔ یاقوت کی سب سے لاجواب کتاب "معجم البلدان" ہے۔ عربی مین جسقدر جغرافیہ لکھے گئے ہین کوئی اس سے بہتر اور مکمل نہین ہین یہ کتاب تقریباً چار ہزار صفحات پر ختم ہوئی ہے اور حکومت اسلامیہ کی ایک مکمل لغت ہے۔ ہر شہر کا حال بہ ترتیب حروف تہجی لکھا ہے۔ علامہ وستنفلد جرمنی کے اہتمام سے ۶ جلدون مین بمقام لیپزگ (سنہ ۱۸۶۶ تا ۱۸۷۳ء) چھپکر شایع ہوئی ہے۔ اس کتاب کا ایک خلاصہ علامہ جلال الدین سیوطی نے کیا تھا جسکا نام "مراصد الاطلاع علی اسماء الامکنۃ والبقاع" تھا مگر افسوس ہے کہ وہ خلاصہ ناتمام رہ گیا۔ دوسری کتاب یاقوت کی "المشترک فی البلدان" ہے یعنی ایک نام کے جسقدر شہر و مقامات ہین وہ سب اسمین موجود ہین سنہ ۱۸۴۶ء مین بمقام گاٹنگن یہ کتاب بھی چھپ گئی ہے اور تیسری کتاب مراصد الاطلاع علی اسماء الامکنۃ والبقاع ہے۔ یہ معجم کا خلاصہ خود یاقوت نے مرتب کیا تھا۔ یہ کتاب مصر، بیروت، لیڈن، اصفہان مین چھپ گئی ہے۔ ان کتابون کے علاوہ "ارشاد الالباء الی معرفۃ الادباء" (۴ جلدمین) اخبار الشعراء القدماء والمتاخرین۔ کتاب معجم الشعر و کتاب معجم الادبا۔ کتاب المبدأ والمآل فی التاریخ۔ کتاب الدول ہین۔ یہ کتابین مصر، ایران، یورپ کے کتب خانون مین موجود ہین۔ اور یقین ہے کہ علماے مصر و یورپ کی توجہ سے چھپکر شایع ہونگی۔ انتخاب الاکتفاء القنوع۔ کشف الظنون۔ دیباچہ مراصد الاطلاع، تمدن عرب۔

[۵۱] مراصد الاطلاع فی معرفۃ الامکنۃ والبقاع مصنفہ یاقوت حموی مطبوعۂ ایران صفحہ ۲۶۷ [۵۲] یہ وزارت کا مشہور خاندان تھا اور خواجہ نظام الملک کی والدہ اسی خاندان سے تھی [۵۳] ابو عبداللہ شریف محمد بن محمد ادریس۔ عرب کا سب سے مشہور جغرافی ہے۔ مغربی افریقہ مین ادریس بن عبداللہ علوی جسنے حکومت ادریسیہ قائم کی تھی۔ شریف کا مورث اعلیٰ ہے۔ اور اسی نسبت سے ادریسی کہلاتا ہے سنہ ۴۹۴ھ مطابق ۱۱۰۰ء مین شریف بمقام سبتہ پیدا ہوا اور عالم شباب مین وطن سے قرطبہ چلا آیا۔ یہان سے سیاحت کو روانہ ہوا اور ایک عرصہ تک (باقی در صفحۂ آیندہ)

طوس کے حالات مین لکھا ہے کہ "طوس ایک بڑا شہر ہے، اسکی عمارتین عمدہ ہین، متعدد بازار ہین، جنمین تمام چیزین فروخت ہوتی ہین۔ اور آبادی بھی اچھی ہے۔ اور طوس کے اطراف مین رادکان، طبران، بردغور، دودان، مہرجان، تواوہ، موقان، واقع ہین۔ یہ سب شہر آباد ہین، اور انمین خوب تجارت ہوتی ہے"۔

قریب قریب اسی قسم کی تحریر ابوالفدا[۱] اور ابن حوقل[۲] کی ہے۔ اور ابن خردادبہ[۳] کی روایت کے

بقیہ صفحہ ۲۱۔ تمام اندلس، شمالی افریقہ، اور ایشیاے کوچک مین پھرتا رہا، لیکن جب مسلمانون سے عیسائیون نے جزیرہ صقلیہ (سسلی) چھین لیا اسوقت شریف صقلیہ مین وارد ہوا اور راجرس دوم (بادشاہ صقلیہ) کی ملازمت اختیار کرلی۔ اور اسی کے حکم سے وہ مشہور و معروف جغرافیہ لکھا جسکا نام "نزہتہ المشتاق فی اختراق الآفاق" ہے یہ کتاب ۵۴۹ھ (۱۱۵۴ء) مین ختم ہوی اس کتاب کی ترتیب اقالیم سبعہ کے لحاظ سے کیگئی ہے۔ ہر شہر کی حالت لکھنے کے بعد میل و فرسنخ کے حساب سے اسکی مسافت بھی لکھی ہے۔ مصنف تمدن عرب لکھتا ہے کہ "ادریسی کی تصنیفات سے جو لاطینی مین ترجمہ ہوئین جغرافیہ کا علم یورپ کے ازمنہ متوسطہ مین پھیلا۔ اس کتاب مین متعدد نقشے تھے۔ اور تین صدیون سے زیادہ تک یورپ نے محض اسی کتاب کی تقلید پر قناعت کی۔ شریف ادریسی پہلا شخص ہے جسنے دریاے نیل کا منبع دریافت کیا (خط استوا کی بڑی جھیلین) جسکو اہل یورپ نے بہت ہی قریب زمانہ مین معلوم کیا ہے"۔ افسوس ہے کہ اس کتاب کا پورا اصل نسخہ نایاب ہے۔ افریقہ، اندلس، اطالیا، فلسطین، کے حالات مین جو ابواب ہین وہ بمقام لیڈن (۱۸۶۶ء) مین مع ترجمہ فرنچ، و رومیہ (۱۸۸۳ء) مین مع ترجمہ ایطالین، و بون (۱۸۸۵ء) چھپ کر شائع ہوچکے ہین۔ کشف الظنون، تمدن عرب، اکتفا القنوع۔ [۱] پورا نام مع شجرہ نسب اس نامور عالم کا یہ ہے "سلطان ملک المؤید عماد الدین ابوالفدا اسمٰعیل بن ملک الافضل نور الدین علی بن جمال الدین محمود بن محمد بن عمر بن شاہنشاہ بن ایوب صاحب حماۃ" ابوالفدا ۶۷۲ھ (۱۲۷۳ء) مین بمقام دمشق پیدا ہوا اور ۷۳۲ھ (۱۳۳۲ء) مین فوت ہوا۔ فقہ، اصول، عربیت، ادب، تاریخ مین کامل تھا۔ علمی ذوق و شوق کا یہ عالم تھا کہ باوجود بار سلطنت تصنیف مین مشغول رہتا تھا۔ تاریخ ابوالفدا (مصر اور یورپ مین کئی بار چھپ چکی ہے) کے علاوہ "تقویم البلدان" جغرافیہ مین مشہور کتاب ہے۔ ابوالفدا سے قبل عرب مین ساٹھ جغرافیین گزر چکے تھے اور انکی تصانیف ابوالفدا کے سامنے موجود تھین لہذا اس کتاب مین (باقی آیندہ)

بموجب طوس کا سالانہ خراج سینتالیس[۵۲] ہزار آٹھ سو ساٹھ درہم تھا۔ (۱۱۹۶۵ روپیہ)

قدیم طوس کی عظمت و شان سے انکار نہین ہوسکتا ہے لیکن موجودہ زمانہ مین ٹوٹے پھوٹے قلعے، پرانے محل، پلون کے آثار، یا شہر پناہ کی دیوارون کے سوا، اور کچھ باقی نہین ہے اور انھی کھنڈرات سے عمارت کے استحکام اور صنعت کا پتہ چلتا ہے۔ چنانچہ قدیم آبادی کا

بقیہ صفحہ ۲۲۔ جغرافیہ کی بہت سی ضروری فروگذاشتون کی اصلاح ہوگئی ہے۔ اور ہر شہر کے طول البلد اور عرض البلد بھی لکھدیے گئے ہین۔ ابوالفدا نے یہ طرز ترتیب ابن جزلہ کی تقویم البلدان سے اخذ کیا ہے ۱۸۴۰ء مین مع ترجمہ فرنچ ۲ جلدون مین بمقام پیرس یہ جغرافیہ چھپ گیا ہے۔ تقویم البلدان کے علاوہ مصر کا جغرافیہ بھی ابوالفدا نے لکھا ہے جو ۱۷۷۶ء مین بمقام گاٹنگن چھپا ہے" کشف الظنون، تمدن عرب، اکتفاء القنوع۔ ۵۲ ابوالقاسم ابن حوقل مشہور تاجر اور سیاح ہے۔ ۳۳۱ھ/۹۴۲ء مین بغداد سے بغرض سیاحت روانہ ہوا اور پورے ۲۸ برس کے بعد ۳۵۹ھ/۹۷۰ء مین واپس آیا۔ بلاد بربر، اندلس، عراق، فارس وغیرہ کی سیر کی بعد اُسنے اپنا سفرنامہ مرتب کیا جس کا نام "المسالک و الممالک والمفاوز والمہالک" ہے اس سفرنامہ کا ماخذ کتاب الاقالیم (مصنفہ ابواسحاق اصطخری) ہے اور قدامہ وغیرہ کی کتابون سے بھی مدد لی گئی ہے ممالک یورپ کے نامور سیاح آج جن چیزون کو اپنے سفرنامہ مین درج کرتے ہین۔ ابن حوقل نے وہ تمام امور اپنے سفرنامہ مین لکھے ہین تفصیل کے واسطے تمدن عرب دیکھنا چاہیے جسمین اس سفرنامہ کے دیباچہ کا اقتباس درج کیا گیا ہے اس سفرنامہ کے بعض ٹکڑے مع ترجمہ انگریزی ۱۸۷۱ء مین بمقام لیڈن اور بون چھپ گئے ہین اور فارسی مین بھی ترجمہ ہوگیا ہے۔ المسالک والممالک کے نام سے متقدمین اور متاخرین نے متعدد جغرافیہ اور سفرنامے لکھے ہین جس کی تفصیل کشف الظنون مین ہے۔ ابن حوقل کی وفات کی صحیح تاریخ نہین معلوم ہوسکی لیکن ۳۶۷ھ/۹۷۷ء کے قریب انتقال کیا ہے۔ اکتفاء القنوع وغیرہ

۵۳ ابوالقاسم عبداللہ بن احمد بن خردادبہ خراسانی (حاکم طبرستان) مشہور مورخ اور جغرافی ہے اسکے جغرافیہ کا نام "المسالک والممالک" ہے اسکا طرز تقسیم اور اصول ترتیب نزہۃ المشتاق ادریسی کے مطابق ہے۔ ۳۰۰ھ ہجری کے قریب ابن خردادبہ کا انتقال ہوا۔ اکتفاء القنوع۔ [۵۴] مذکورہ بالا جغرافیون کے پورے خلاصے گنج دانش مین درج ہین بشرط ضرورت شایقین اصل کتاب ملاحظہ فرمائین۔

ایک محل باقی ہے جسکی عمارت بشکل مربع متساوی الاضلاع ہے۔ جسکا ہر ضلع ۱۲ گز ہے! ور سطح زمین سے گنبد تک دیوار کی بلندی ۱۰ گز ہے پھر زمین سے ۵ گز کی بلندی تک بشکل مربع ہے اسکے بعد صناعون نے اسکو مثمن (ہشت پہلو) کردیا ہے اور پھر ہر گوشہ مین عجیب وغریب صنعت سے طاق بنائے ہین۔ علاوہ اسکے فن عمارت کی جو صناعیان ہین وہ بغیر فوٹو کے قلم سے ادا نہین ہوسکتی ہین اور چند مقامات پر بخط نسخ ورقاع تحریر ہے کہ "اَلدُّنیَا سَاعَۃٌ" موجودہ زمانہ مین اِس جملہ سے اُس عہد کے مسلمانون کے خیالات کا پتہ لگ سکتا ہے۔

اس محل کے علاوہ شہر کے شمالی جانب شاہی قلعہ کے بھی نشانات باقی ہین (یہ قلعہ بشکل مربع متساوی الاضلاع تھا اور اسکا محیط ۸۰۰ گز تھا) اور قلعہ کے سامنے خندق ہے جسکا عرض ۱۵ گز ہے! اور باوجود امتداد زمانہ کے منجملہ بارہ برجون کے بعض برج بھی ابتک قائم ہین شہر پناہ کی دیوار بھی موجود ہے جسکا عرض سطح زمین کے برابر ۵ گز ہے۔ اور منجملہ ۱۵۶ ابروج کے بعض آج تک برقرار ہین۔

تمام عمارتون مین پتھر' اینٹ' اور چونہ سے کام لیا گیا ہے۔ قدیم آبادی کے دو مزرعے ہنوز باقی ہین اور طوس کے نام سے مشہور ہین۔ مگر مجموعی آبادی پچاس خاندانون سے زیادہ نہین ہے۔

معجم البلدان یاقوت حموی مین طوس کا طول البلد ۸۰ درجہ اور عرض البلد ۳۷ درجہ درج ہے اور نیشاپور سے فاصلہ دس فرسخ ہے۔

طوس کے متعلق جو کچھ لکھا گیا ہے وہ اُن چیزون کا تذکرہ تھا جو مٹنے والی ہین لیکن حقیقت مین

طوس کی شہرت عام اور بقاے دوام کے باعث خود اُسکے نامور بیٹے ہین جنکا فضل و کمال قیامت تک اُسکو زندہ رکھیگا۔

طوس کے جن نامور لوگون کے مفصل حالات تذکرہ، طبقات، انساب، رجال، اور کتب تواریخ مین تحریر ہین۔ انکی مجمل سوانح عمری کے لیے بھی ایک مستقل کتاب چاہیے۔ لیکن ناظرین کی اطلاع کے لیے ایک مختصر فہرست پیش کی جاتی ہے جس سے برای العین معلوم ہوگا کہ بقاے دوام کے دربار مین کس کس طبقے کے باکمال جلوہ افروز ہین۔

مشاہیر طوس کی مختصر فہرست

۱۔ ائمہ	۱۔ امام محمد غزالی ۔ امام احمد غزالی۔

ف۱ امام محمد غزالی۔ محمد بن محمد بن احمد، حجۃ الاسلام غزالی ۴۵۰ھ؁ ۱۰۵۸ء؁ مین پیدا ہوے۔ ۱۴ جمادی الثانی ۵۰۵ھ؁ ۱۱۱۱ء؁ مین بمقام طابران انتقال کیا۔ امام الحرمین کے شاگرد تھے۔ ختم تعلیم کے بعد درس و تدریس مین مصروف رہے پھر گوشہ نشین ہوگئے اور تصوف کا رنگ غالب ہوا۔ شیخ ابو علی فارمذی کے مرید ہوے۔ بیت المقدس، مکہ معظمہ، مدینہ منورہ، مصر، اسکندریہ کا سفر کیا مختلف علوم و فنون مین ۷۸ کتابین متعدد جلدون مین تصنیف کین جنمین سے صرف یاقوت التاویل فی التفسیر ۴۰ جلدون مین ہے۔ احیاء العلوم، کیمیاے سعادت مشہور کتابین ہین۔ انکے علاوہ متعدد کتابین علوم و فنون کی مصر وغیرہ مین چھپ گئی ہین مفصل سوانح عمری کے لیے دیکھو الغزالی شمس العلما شبلی نعمانی۔ ف۲ ملک الابدال مجد الدین ابو الفتوح امام احمد غزالی۔ مختصر تعریف یہ ہے کہ آپ امام غزالی کے چھوٹے بھائی ہین۔ جامع العلوم تھے مگر فقہ مین خاص پایہ رکھتے تھے۔ کچھ دنون نظامیہ کے مدرس رہے۔ مگر پھر ملازمت چھوڑ کر وعظ مین مصروف ہوے۔ کیونکہ قومی خدمت کا امام کے نزدیک یہ سب سے عمدہ ذریعہ تھا۔ ۵۱۷ھ؁ ۱۱۲۳ء؁ مین بمقام قزوین انتقال فرمایا اور وہین دفن ہوے۔ محمد شاہ قاچار متوفی ۱۲۵۰ھ؁ ۱۸۳۴ء؁ کے عہد سلطنت مین ایک نامور مجتہد کے فتوے سے مزار پرانوار برباد کردیا گیا اور ضریح کے ٹکڑے کردیے گئے۔ افسوس!! تصنیفات مین سے سوانح ایک عمدہ کتاب ہے۔ جسکے طرز پر شیخ فخر الدین عراقی نے لمعات لکھی ہے ابوبکر نساج سے بیعت تھی۔ نظم مین یہ قطعہ مشہور ہے ؎ چون چتر سنجری رخ بختم سیاہ باد، با فقر اگر بود ہوس تاج سنجرم (باقی آیندہ)

محدثین	۲-تمیم[۱] بن محمد طمغاج ابو عبدالرحمن-شیخ الطائفہ[۲] ابو جعفر-عماد الدین[۳] ابو جعفر مشہور با بن حمزہ
صوفیائے کرام	۳-طاوس الفقرا[۴] ابو نصر سراج-شیخ محمد بن[۵] اسلم-ابو العباس[۶] احمد بن محمد بن مسروق معشوق[۷]-شیخ ابو علی[۸] فارمدی-شیخ[۹] ابو بکر بن عبداللہ نساج-محمد[۱۰] بن منصور-باباٰ محمود[۱۱] وغیرہ

بقیہ صفحہ ۲۵ تا یافت جان من خبراز ملک نیم شب صد ملک نیمروز بیک جونی خرم، گنج دانش صفحہ ۳۴۹ مطبوعہ اصفہان- مجمع الفصحا جلد اول صفحہ ۲۰۴ ۔ [۱] صاحب مسند الکبیر محدثی موثق بوده وکثیر الحدیث مدتی بسفر و سیاحت اشتغال داشت و مولفات جلیلہ بیادگار گذاشتہ-گنج دانش تذکرہ طوس [۲] ابو جعفر طوسی طبقۂ امامیہ کے نہایت جلیل القدر عظیم المرتبہ فقیہ اور محدث ہین-ابو جعفر ثالث مشہور ہین کیونکہ علامۂ کلینی اور شیخ صدوق کی بھی یہی کنیت ہے اور نام بھی ہر سہ بزرگون کا "محمد" ہے-شیخ مذکور حسن بن علی طوسی کے نامور بیٹے ہین- رمضان ۳۸۵ھ ۹۹۵ء مین بمقام طوس ولادت ہوئی-اور محرم ۴۶۰ھ ۱۰۶۷ء مین بمقام نجف اشرف انتقال فرمایا تصنیفات مین استبصار، تہذیب، نہایہ، مبسوط اور تفسیر قرآن (دس جلدمین) مشہور ہین-مزید حالات کے لیے تاریخ اور تذکرہ دیکھو-گنج دانش صفحہ ۳۴۱- [۳] عماد الدین ابو جعفر ثالث کے مثل آپ بھی فقیہ اور محدث ہین پورا نام یہ ہے- ابو جعفر عماد الدین محمد بن علی بن حمزہ بن محمد بن علی طوسی المشہدی-مذہب جعفری کے کتب استدلالیہ مین مختلف عنوان سے شیخ کا نام آتا ہے یعنی ابن حمزہ، ابو جعفر ثانی، ابو جعفر، عماد طوسی، شیخ طوسی، صاحب الوسیلہ تصنیفات مین سے فقہ مین کتاب الوسیلہ الی نیل الفضیلہ مشہور ہے- ولادت اور موت کی تاریخ کا کہین پتہ نہین ہے لیکن یا تو ابو جعفر ثالث کے ہمعصر تھے یا قریب العصر تھے-گنج دانش صفحہ ۳۵۲ [۴] ابو نصر سراج، عالم، عارف، اور شیخ وقت تھے-کتاب لمعہ تصوف مین آپ کی مشہور تصنیف ہے-طوس مین عموماً جنازہ کی نماز آپ کے مزار کے سامنے پڑھائی جاتی ہے-ابو محمد مرتعش کے مرید تھے- [۵] محمد بن اسلم = یہ اپنے زمانہ کے قطب تھے "لسان الرسول اور شحنۂ خراسان" کے نام سے مشہور تھے-تمام عمر کوئی امر خلاف شریعت سرزد نہین ہوا-امام علی رضاؑ کے ہمعصر تھے-آپ کے وعظ سے ۵۰ ہزار آدمی پابند شریعت ہوگئے- ۲ برس قید رہے مگر قرآن کو مخلوق نہین کہا- [۶] احمد مسروق مشہور ابرار ہین-علوم ظاہر و باطن مین کامل تھے-آپ کا مجاہدہ اور تقوٰی مشہور ہے حارث محاسبی اور سری سقطی سے صحبت رہتی تھی- [۷] معشوق-محمد نام تھا-اور معشوق کے لقب سے ممتاز تھے-مولانا جامی لکھتے ہین "از عقلاے مجانین بودہ وبس بزرگوار و صاحب حالتی کیمال" شیخ ابو سعید ابو الخیر نیشاپور کو جا رہے تھے جب طوس کے دروازے پر پہونچے تو اول خادم بھیجکر حضرت سے اجازت چاہی کہ اگر حکم ہو تو شہر مین داخل ہون-چنانچہ اجازت ہوئی اور آپ آئے" جنکو شیخ ابو سعید کا درجہ معلوم ہے وہ اس واقعہ سے معشوق طوسی کی عظمت سمجھ سکتے ہین (باقی آیندہ)

شعرا | ۴۔ فردوسی۔ اسدی۔ خواجہ منصور۔ سلطان علی۔ مولانا عبد الصمد۔ ملا نامی۔ محمد میرک صالحی۔ ملا غزالی۔ شیخ رباعی۔ نجاتی۔ اقدسی۔ قاسم ارسلان۔ محمد رضا۔ غرمی۔ نسبتی۔ بدیعی۔ الفتی۔ نادری۔ قدسی۔ شیدا۔

بقیہ صفحہ ۲۶ ۸ ابو علی فارمدی فضل بن محمد بن علی المشہور شیخ ابو علی فارمذی یہ حقیقت مین شیخ الشیوخ کا درجہ رکھتے تھے علوم ظاہری مین امام ابو القاسم قشیری کے شاگرد تھے شاہان سلاجقہ اور وزرا شیخ کے واسطے اپنی مسند خالی کر دیتے تھے۔

۹ ابو بکر نساج شیخ ابو القاسم گرگانی کے سلسلہ مین نہایت نامور عارف ہین۔ ۱۲۰ برس کے ہو کر انتقال فرمایا۔ ذریعہ معاش کپڑا بننا تھا۔ اور ہمارے زمانہ کے صوفیون کی معاش مریدون کے نذرانہ پر ہے ع ببین تفاوت رہ از کجاست تا بکجا۔

۱۰ محمد بن منصور۔ مولانا جامی نے آپ کو صوفی اور محدث لکھا ہے۔ بغداد مین اکثر قیام رہتا تھا۔ بڑے مشہور عارف ہین عثمان بن سعید الدارمی، ابو العباس مسروق، ابو جعفر حداد مین، ابو سعید خراز، اور جنید آپ کے شاگردون مین ہین"

۱۱ بابا محمود شیخ عبد اللہ کے مرید ہین حلقہ تعلیم سے بھاگ نکلے تھے۔ لہذا مجذوب ہو کر رہ گئے۔

انتخاب از نفحات الانس جامی مطبوعہ کلکتہ ۱۸۵۸ء و تذکرہ فرید الدین عطار مطبوعہ لاہور و گنج دانش تذکرۂ طوس مطبوعہ اصفہان۔

۱۲ شاید ہی کوئی ہو جو حسان العجم حکیم ابو القاسم منصور فردوسی یا اسدی طوسی سے واقف نہ ہو۔ شاہنامہ اور گرشاسب نامہ نے دونون کو حیات جاوید بخشی ہے۔ اور فردوسی کی مدح مین ذیل کے اشعار کافی ہین۔ ۱۔

سکہ اندر سخن فردوسی طوسی نشاند کافرم گر ہیچکس از جملہ فرسی نشاند اول از بالاے کرسی بر زمین آمد سخن او دگر بستش گرفت و باز بر کرسی نشاند

۲۔ در شعر سہ تن پیمبرانند ہر چند کہ لا نبی بعدی

اوصاف و قصیدہ و غزل را فردوسی و انوری و سعدی ۳۔ اب حکیم انوری کا قول سنیے ع

آفرین بر روان فردوسی آن ہمایون نہاد و فرخندہ او نہ استاد بود و ما شاگرد او خداوند بود و ما بندہ

فردوسی کی سوانح عمری اردو مین چھپ گئی ہے اسلیے زیادہ لکھنے کی ضرورت نہین ہے اور شاہنامہ ہر کتب خانہ مین موجود ہے ۱۸۲۹ء مین کپتان ٹرنر نے ایک انگریزی ترجمہ بمقام کلکتہ شایع کیا اور ۱۸۳۱ء مین ٹی اٹکنسن نے دوبارہ شایع کیا اور ۱۸۳۸ء مین فرنچ ترجمہ، جلدون مین زیر نگرانی مہل صاحب شائع ہوا ہی جلد ۵ صفحہ ۲۵۸ نیو پاپولر انسائیکلوپیڈیا۔ اور بقیہ شعرا کے حالات تذکرون مین موجود ہین۔ البتہ صالحی محمد میرک خواجہ نظام الملک کی اولاد مین ہے طوس کو چھوڑ کر اصفہان مین سکونت اختیار کی تھی اول شاہ عباس صفوی کا وظیفہ خوار تھا اسکے بعد شاہنشاہ ہندستان (باقی آیندہ)

وزرا	۵- ابو علی حسن[1] بن علی (نظام الملک) عبدالرزاق (شہاب[1] الاسلام)
حکما	۶- خواجۂ نصیر الدین (سلطان الحکما نصیر الملۃ والدین)

بقیہ صفحہ ۲۷ جلال الدین اکبر کے دربار مین حاضر ہوا کلام کا نمونہ یہ ہے ؎

مرا گویند بے دردان بزن دستی بدامانش | مرا دستے اگر بودے گریبان پارہ میکردم

اسباب ہلاک این ہمہ و زندہ ام ای ہجر | شرمندۂ خود کرد مدارا سے تو مارا

درد دل گفتم تغافل کرد خواری را ببین | گریہ کردم خندہ زد بے اعتباری را ببین

بدست اوست مرگم صالحی خاطر نشانم شد | کہ شاہین اجل ہم مرغ دست آموزوی بودست

نہ دیدہ قطرۂ خون از جگر بر آوردہ | بدیدن تو دل از دیدہ سر بر آوردہ

آئین اکبری صفحہ ۲۰۰ مرتبۂ انریبل سر سید احمد خان بہادر مرحوم مطبوعۂ دہلی ۱۲۷۲ھ و آتشکدہ آذر صفحہ ۳۱۶-

[1] نظام الملک کی سوانح عمری ناظرین کے ہاتھ مین ہے - اور عبدالرزاق شہاب الاسلام نظام الملک کا بھتیجا تھا جو سلطان سنجر سلجوقی کا وزیر تھا - پورا نام یہ ہے "شہاب الاسلام عبدالدوام ابن الفقیہ عبداللہ بن علی بن اسحق طوسی" مزید حالات کے لیے دیکھو تاریخ "آل سلجوق" [2] (خواجۂ نصیر الدین) سلطان الحکما خواجۂ نصیر الدین ابو جعفر محمد طوسی محمد بن حسن طوسی کے بیٹے تھے - بروز شنبہ ۱۵ جمادی الاولی ۵۹۷ھ ۱۲۰۱ء قریب طلوع آفتاب مشہد مقدس مین پیدا ہوے - گو بزرگون کا وطن جہرود مضافات قم ہے مگر چونکہ خواجہ کا مولد و منشا طوس تھا اسوجہ سے طوسی مشہور ہوے - خواجہ نے ابتدائی کتابین اپنے باپ سے پڑھین اور معقولات اپنے ماموں سے لیکن فرید الدین داماد نیشاپوری قطب الدین مصری کمال الدین بن یونس مصری معین الدین سالم بن بدران معتزلی سید علی بن طاوس حسینی حلی شیخ میثم بن علی بحرانی جیسے نامور علما سے تکمیل علوم فنون کی تھی - اور مراتب حکمت مین خواجہ کا سلسلہ شاگردی (پانچ واسطون سے) بوعلی سینا تک پہنچتا ہے "جسکی تفصیل یہ ہے - فرید الدین داماد - صدر الدین - افضل الدین غیلانی ابو العباس لوکری - بہمن یار - شیخ الرئیس بوعلی سینا بلخی - اگرچہ خواجہ جامع علوم تھا مگر ریاضی مین فرد اکمل تھا - فوات الوفیات کا مصنف لکھتا ہے "کان راسا فی علم الاوائل لا سیما فی الارصاد والمجسطی" تصنیفات مین المتوسطات بین الہندسہ والہیاۃ نقد المحصل تجرید الکلام اوصاف الاشراف جام گیتی نما - قواعد العقائد التخلیص آداب المتعلمین العروض تحریر اقلیدس و تحریر المجسطی جامع الحساب تعدیل المعیار تہافۃ الفلاسفہ وغیرہ مشہور ہین علاوہ اسکے کرہ اصطرلاب اور زیچ کے متعلق متعدد تصنیفات ہین - مورخین کا بیان ہے کہ جب خواجہ کے فضل و کمال کا بلاد ایران مین شہرہ ہوا تو رئیس ناصر الدین عبدالرحیم (باقی در صفحہ آیندہ)

اور کسی شاعر نے ذیل کے اشعار مین انھی نامور بزرگون کی طرف اشارہ کیا ہے۔

حبذا آب وخاک بقعہ طوس۔ کہ شد آرامگاہِ اہل نظر

بقیہ صفحہ ۲۸ ابی منصور محتشم حاکم قہستان (گورنر منجانب شاہان اسمعیلیہ) نے خواجہ سے ملنے کا ارادہ کیا۔ اور آخر کار بمنت سماجت اپنے پاس بلا لیا۔ چنانچہ اسی زمانہ مین تہذیب الاخلاق وتطہیر الاعراق ابن مسکویہ (المتوفی سنہ ۴۲۱ھ) کا خواجہ نے ترجمہ کیا تھا اور امیر مذکور کے نام پر بطور تہدیہ (ڈیڈیکیشن) اخلاق ناصری نام رکھا (دیکھو دیباچہ ناصری) اور اسی جگہ سے خواجہ نے موید الدین محمد بن العلقمی وزیر مستعصم باللہ خلیفہ بغداد سے خط وکتابت شروع کی۔ اور خلیفہ کی مدح مین ایک عربی قصیدہ لکھا۔ لیکن ابن العلقمی چونکہ خواجہ کے فضل وکمال سے واقف تھا لہذا اُسے یہ گوارا نہین ہوا کہ دربار خلافت مین کوئی میرا سہیم وشریک پیدا ہو۔ اور خواجہ کی آمد کو اپنے زوال کا باعث سمجھا لہذا اصل خط کی پشت پر حسب ذیل عبارت لکھکر امیر ناصر الدین کے ملاحظہ کے لیے بھیجدیا "نصیر الدین طوسی راہ دوری درگاہ تو در خاطر خلیدہ ومدحی در حق خلیفہ عصر سرودہ ونامہ مین رقم نمودہ تا منظور راو در پیشگاہ خلافت پناہ متمشی سازم واز انجا کہ انجام این معنی منافی مقام یکجہتی ودوستداری بود لازم شد کہ اعلام نمایم تا غافل نباشی" امیر مذکور یہ خط پڑھکر مشتعل ہوگیا اور خواجہ کو قید کردیا۔ اور پھر قہستان سے دار السلطنت قزوین مین علاؤ الدین محمد بادشاہ اسمعیلیہ کی حضور مین بھیجدیا۔ خواجہ قلعہ الموت مین رہا کرتا تھا۔ اور اپنی زندگی تصنیفات مین بسر کرتا تھا چنانچہ قاضی شمس الدین احمد قزوینی کی تحریک پر جب منکو قاآن نے اپنے بھائی ہولاکو خان کو ملاحدہ اسمعیلیہ پر تعینات کیا ہے اُسوقت خواجہ رکن الدین خورشاہ کی خدمت مین حاضر تھا جو آخری بادشاہ اسمعیلیہ کا تھا گو یہ بادشاہ کمسن تھا مگر خواجہ کی بہت بڑی عزت کرتا تھا لیکن قید سے چھوڑنا نہین چاہتا تھا اسلیے خواجہ اور رئیس الدولہ وغیرہ امرائے دربار نے ہولاکو خان سے سازش شروع کی۔ اور در پردہ خورشاہ کو بھی اطاعت پر رضامند کرلیا۔ اور بالآخر خواجہ نے متعدد سفارتون کے آمد ورفت کے بعد خورشاہ کو ہولاکو خان کے سامنے لاکر کھڑا کردیا چنانچہ اس واقعہ کو خود ہی خواجہ نے نظم کیا ہے ؎

سال عرب چو ششصد وپنجاہ وچار شد (۶۵۴) یکشنبہ روز اول ذیقعدہ بامداد

خورشاہ بادشاہ سماعیلیان ز تخت برخاست پیش تخت ہلاکو بایستاد

چنانچہ جب قلعہ الموت فتح ہوگیا اور سنہ ۶۵۴ھ (۱۲۵۶ع) مین تمام ملاحدہ کا استیصال ہوگیا تو خواجہ کو ہولاکو خان اپنے ہمراہ لے گیا۔ اور چونکہ محض خواجہ کی حکمت عملی سے (بغیر خونریزی کے) خورشاہ قبضہ مین آگیا تھا لہذا اس (باقی آئندہ)

معدن و منبع حقیقت و فضل مرتع و مربع صفا و نظر

آب او چون سپہر مہر نماے خاک او چون صدف گہر پرور

ہر بزرگی کہ بود اندر طوس آمدہ است از جہانیان برتر

ہمچو غزالی و نظام الملک ہمچو فردوسی و ابو جعفر

و اندرین روزگار خواجہ نصیر اعلم عصر و مقتداے بشر

بقیہ صفحہ ۲۹ صلہ مین خواجہ کا قصور معاف کر دیا گیا اور نوازشات شاہی سے خواجہ کی عزت افزائی کی گئی۔ اور چند ہی روز کے بعد خواجہ نے اس ظالم کو اپنے قبضہ مین کر لیا۔ چنانچہ سلطنت کا کوئی کام ایسا نہ تھا جو بے مشورت خواجہ طے ہوتا ہو۔ لیکن افسوس ہے کہ خواجہ نے اپنے اقتدار سے جو کام لیا وہ یہ تھا کہ ہولاکو خان کو بغداد کی بربادی پر پوری طور سے آمادہ کیا اور اُسکا منشا بجز اسکے اور کچھ نہ تھا کہ موید الدین علقمی سے پورے جوش سے انتقام لیا جائے گو ابتداءً بنظر تعصب مؤید الدین علقمی نے ہولاکو سے سازش کی تھی۔ لیکن اگر خواجہ کی ترغیب شامل نہوتی تو بغداد پر ہرگز حملہ نہ ہوتا کیونکہ خلفاے عباسیہ کی عظمت و شان اور نیز اُن افسانون سے جو عقیدتمندون نے ہولاکو خان کو سنائے تھے۔ اُسکی ہرگز جرات نہ پڑتی تھی کہ وہ بغداد پر حملہ کرے کیونکہ اُسکا خیال تھا کہ بغداد پر فوج کشی کرنے سے قیامت آجائیگی۔ یا ایسے واقعات کا ظہور ہوگا جو قیامت سے کم نہونگے۔ لیکن خواجہ نے سمجھایا "کہ عادت اللہ درین عالم چنین قرار گرفتہ کہ امور بر مجاری طبیعت عالم باشند مستعصم بعد در شرف نہ یحیٰی ابن زکریا میرسد نہ بحسین ابن علی۔ واین ہر دو را اعادی بہ تیغ بیدریغ سر بریدند و جہان ہمچنان برقرار است" اسی قسم کے اور بھی فلسفیانہ اور حکیمانہ فقرے کہے جو جاہل کی سمجھ مین آگئے اور مغلون کے فوجی سیلاب نے بغداد کو ہر طرف سے گھیر لیا۔ اور آخر کو مستعصم باللہ قتل کر دیا گیا اور چالیس دن قتل عام کر کے بغداد کو بھی تباہ کر دیا دریاے دجلہ کا پانی بیگناہون کے خون سے سرخ ہو کر بہا کیا۔ تباہی کیسی عظیم الشان تھی اور سیل تاتار کی طغیانی کہانتک تھی اسکو قلم سے ادا کرنا مشکل ہے۔ شایقین مستعصم باللہ کے عہد کی تاریخ اور نامور شعراے کے فارسی و عربی قصائد پڑھین۔ شیخ سعدی فرماتے ہین ؎

آسمان را حق بود گر خون بگرید بر زمین بر زوال ملک مستعصم امیر المومنین

بہر حال خلافت عباسیہ کی بربادی کا خواجہ کے دامن پر ایسا دھبہ ہے جسکو قیامت تک کوئی مورخ نہین دھو سکتا ہے۔ اس کارگذاری کے بعد ۶۵۷ھ ۱۲۵۹ء مین ہولاکو خان نے خواجہ کو تعمیر رصد پر مامور کیا (باقی برصفحہ آئندہ)



گرا ... فطرت　　تا با کنون چو او نخواست دگر

این چنین شہر با چنین فضلا　　سزد ار بر فلک فرازد سر

ایک دوسرے شاعر کا یہ قول ہے۔

۲- ہر دبیر و شاعر و مفتی کہ او طوسی بود　　چون نظام الملک و غزالی و فردوسی بود

طوس کا موجودہ نام | طوس کا موجودہ نام "مشہد مقدس یا مشہد رضوی" ہے۔ اور یہ تقدس امام علی رضا علیہ السلام کی ذات پاک سے ہے لیکن مشہد حقیقت مین فی زماننا صوبہ خراسان کا ایک مشہور شہر ہے جسمین امام صاحب کا مزار پرانوار ہے۔ اور یہ جگہ طوس سے پندرہ میل کے فاصلہ پر جانب شمال و مشرق واقع ہے۔ اور یہی موقع موضع دسناباد کا ہے جہان ہرون الرشید

بقیہ صفحہ ۳۰- اور خواجہ کی زندگی کا یہ مہتم بالشان واقعہ ہے۔ اس رصد کی بدولت خواجہ کو علاوہ جاگیر اور منصب کے اسقدر دولت ہاتھ آئی جسکا شمار غیر ممکن ہے" یہ رصد بمقام مراغہ بنائی گئی تھی اور خواجہ کے علاوہ موید الدین عروضی دمشقی- اور فخر الدین مراغی، فخر الدین خلاطی اور نجم الدین قزوینی قطب الدین شیرازی محی الدین مغربی جیسے حکما شریک تھے- اور جو زیچ تیار کی تھی اسکا نام زیچ ایلخانی تھا- بہرحال خواجہ اُن مشاہیر مین داخل ہین کہ جنکی مستقل سوانح عمری کی ضرورت ہے ۶۷۲ھ مین انتقال کیا اور بغداد مین بمقام کاظمین دفن ہوے۔

نصیر ملت و دین پادشاہ کشورِ فضل　　یگانۂ کہ چنو مادر زمانہ نزاد

بسال ششصد و ہفتاد و دو بذیحجہ　　بروز ہیجدہم در گزشت در بغداد

انتقال کے وقت خواجہ کے تین بیٹے موجود تھے۔ جنکے نام یہ ہین۔ صدر الدین علی[1]- اصیل الدین حسن[2] فخر الدین احمد[3]- انتخاب از ابن خلکان جلد ۲ صفحہ ۱۴۹- جامع التواریخ رشیدی مطبوعہ پیرس ۱۸۳۶ء عہد ہولاکو- گنج دانش صفحہ ۲۴۳- طبقات ناصری مطبوعہ سوسائٹی کلکتہ ۱۸۶۳ء- مجمع الفصحا جلد اول صفحہ ۶۲۳- کشف الظنون صفحہ ۱۴ جلد ۲- اکتفاء القنوع صفحہ ۱۹۷-

عباسی کی قبر ہے۔ خلیفہ مامون الرشید نے اس خیال سے کہ امام صاحب کے قرب سے ہرون الرشید بھی مستفید ہو قبر کا تعویذ اکھڑوا کر حضرت علی رضؑا کو بھی اسمین دفن کیا تھا لیکن خانقاہ کی تعمیر کے وقت رشید کی قبر کا تعویذ جداگانہ بنایا گیا ہے۔

اٹلس مین مشہد[1] کا موقع حسب ذیل ہے۔

طول البلد شرقی ۲۷- ۳۵- ۵۹-

عرض البلد شمالی ۴۰- ۱۷- ۳۶-

طوس اور مشہد مقدس کے مختصر تاریخی حالات جنکا لکھنا ضروری تھا، وہ سب لکھے جاچکے ہین اب ہم اس نامور کے حالاتِ زندگی لکھتے ہین جسکے وطن ہونیکا طوس کو فخر ہے۔

---

[1] طوس، امام علی رضا، اور مشہد یہ نام ایسے لازم و ملزوم ہین کہ جنپر مفصل حاشیہ لکھنے کی ضرورت ہے امید ہے کہ ناظرین اس تاریخی معلومات کو خارج از بحث کا الزام نہ دینگے۔

حضرت امام علی رضؑا ائمہ اثنا عشر مین آٹھوین امام ہین۔ مامون الرشید نے آپ کا لقب (اَلرِّضَا مِنْ اٰلِ مُحَمَّدٍ) قرار دیا تھا اور عوام (سُلطَانُ الْغُرَبا) کہتے ہین۔ امام موسی کاظمؑ کے آپ خلف الرشید ہین۔ مدینۂ منورہ مین ۱۴۸ھ مین جمعہ کے دن پیدا ہوے اور اخیر صفر ۲۰۳ھ مین بمقام طوس بچپن برس کی عمر مین انتقال فرمایا۔ زہد و تقوی آپ کا ضرب المثل ہے۔ مامون الرشید نے جامع الصفات دیکھکر آپ کو ولیعہد خلافت مقرر کیا تھا اور یہ ولیعہدی آپکی زندگی کا ایک اہم واقعہ ہے۔ شعراے عجم اور عرب نے آپ کی مدح مین بکثرت قصائد لکھے ہین چنانچہ دعبل کے ایک مطلع اور قاآنی کے چند اشعار پر ہم بھی اکتفا کرتے ہین۔

ذکرت محل الربع من عرفات — فاجریت دمع العین بالعبرات

بگردون تیرہ ابری بامدادان بر شد از دریا — جواہر خیز و گوہر ریز و گوہر بیز و گوہر زا

چمن از فر فروردین چنان نازان بہشت چین — کہ طوس از فر شاہ دین برین نہ گنبد خضرا

نہالِ باغ علیین بہارِ مرغزار دین — نسیم روضہ یاسین شمیم دوحہ طٰہ

خواجہ حسن کا خاندان اور وطن

نسب نامہ | خواجہ حسن کا سلسلہ نسب یہ ہے۔ حسن بن علی بن اسحاق بن عباس طوسی۔

بقیہ صفحہ ۳۱ نظامِ عالمِ اکبر قوامِ شرعِ پیغمبرؐ — فروغِ دیدۂ حیدرؑ سرورِ سینۂ زہرا

امامِ ثامن ضامن حریمش چون حرم آمن — زمین از خرم او ساکن سپہر از عزم او پویا

مشہد کی اصلی عظمت وشان وشوکت امام صاحب کی ذات سے وابستہ ہے۔ مشہد مشرقی طرز کا شہر ہے۔ جسکے چارون طرف کچی مٹی کی فصیل ہے اور اُسپر برجیان بنی ہوئی ہین۔ شہر پناہ چند دروازون پر تقسیم ہے۔ اور ایک خوبصورت نہر شہر کے اندر آئی ہوئی ہے جسکے کنارے خوشنما اور سرسبز درخت نصب ہین۔ اور سب سے زیادہ دلفریب منظر ایک بڑی بازار کا ہے جسکا نام **خیابان** ہے یہ بازار بخط مستقیم پونے دو میل لمبا ہے اور شمال ومغرب سے جنوب ومشرق کی سمت مین شہر کو دو حصون پر تقسیم کرتا ہے۔ نواب لارڈ کرزن بہادر موجودہ ویسرائے ہندوستان اس بازار کو پیرس کی "شان زی لیزی" سے تشبیہ دیتے ہین مردم شماری پینتالیس ہزار ہے جسمین مسلمان۔ عیسائی۔ یہودی۔ شامل ہین اور مسلمانون مین سب سے بڑی جماعت طبقہ امامیہ کی ہے شاذ ونادر اہل سنت وجماعت بھی ہین البتہ یہ خوشی کا مقام ہے کہ مذہبی تعصب مین روز بروز کمی ہورہی ہے صنعت اور حرفت مین صرف ریشمی سوتی کپڑے اور مخمل تیار ہوتی ہے چھ سو بتیس ریشم کے اور تین سو بیس شالبافی کارخانے ہین۔ قالین کی بھی تجارت اچھی ہوتی ہے دمشقی وضع کے تلوار کے پھل بھی تیار ہوتے ہین۔ گورنمنٹ برطانیہ اور دولت روس کا کانسل رہتا ہے۔ آٹھ سو جوانون کی تین پیدل پلٹنین یہان رہتی ہین اور شاہی قلعہ مین بیس توپین ہین۔ ایرانی گورنر جنرل (ارک) قلعہ مین رہتا ہے تجارت مین ہر قسم کی آسانی ہے۔ ۱۴۴ بڑے ساہوکارون کی دُکانین ہین جنکے سرمایہ کا اندازہ چھ لاکھ چھیاسٹھ ہزار پونڈ انگریزی کیا جاتا ہے۔ علاوہ اسکے "امپریل بنک خراسان" کی ایک شاخ بھی کھلی ہوئی ہے۔ روس کے نوٹ اور انگریزی روپیہ پوری قیمت پر بکتا ہے مشہد سے اصفہان تک تار برقی جاری ہے اور ایک شاخ قلات، درگز، اور سرخس تک گئی ہوئی ہے۔ سیستان کی شاخ زیر تیاری ہے۔ عمارت مین امام صاحب کا مزار اور مساجد مشہور ہین۔

امام صاحب کا مزار اگرچہ تاریخ دفن سے مرجع خلائق ہے لیکن اسمین شان وشوکت کے جلوے آہستہ آہستہ پیدا کیے گئے ہین ابتدا ہین تیمور کے سب سے چھوٹے بیٹے اور اُسکی نامور بیگم گوہر شاد نے اسکو مزین وآراستہ کیا ہے لیکن سولھوین صدی عیسوی کے شروع مین جبکہ ایران کی حکومت صفویہ خاندان مین آئی (باقی درصفحہ آیندہ)

اور" دوسری روایت ہے کہ خواجہ علی احمد بن اسحٰق بن احمد طوسی" مگر پہلا شجرہ متفق علیہ ہے۔
خواجہ حسن کی والدہ کا نام "زمرد خاتون" تھا۔ اور یہ معزز خاتون ابوجعفر کی نسل سے ہیں

بقیہ صفحہ ۳۳۔ تو اُسکے نامور حکمران شاہ اسمٰعیل، طہماسپ اور عباس صفوی نے اسکو مذہبی شہرت کا مرکز بنا دیا چنانچہ ہر سال ایک لاکھ زائر مزار مقدس کی زیارت کو آتے ہین اور پانچہزار سے آٹھ ہزار زائرونکا مجمع روزانہ رہتا ہے اور اس لحاظ سے متولی اور مجتہدین مشہد کے ہاتھ مین ہر وقت گویا ایک بے ضابطہ فوج رہتی ہے۔ مزار کا ناظم "متولی باشی" کہلاتا ہے اور رسوخ مین ایرانی گورنر جنرل کے برابر درجہ رکھتا ہے۔ خانقاہ کی موجودہ آمدنی ساٹھ ہزار تومان (سترہ ہزار پونڈ انگریزی) اور دس ہزار خروار غلہ (۲۸ من ½ ۴ سیر کا ایک خروار) ہے وقفی خزانے مین کرورون کی دولت جمع ہے۔ اسکے علاوہ غیر منقولہ جائداد تمام ایران مین وقف پائی جاتی ہے تنخواہ دار عملہ قریب دو ہزار کے ہے۔ پروفیسر ویمبری لکھتے ہین کہ "خانقاہ خوبصورتی اور شان و شوکت مین۔ نجف۔ کربلا۔ مدینہ اور قم کی خانقاہون سے بڑھکر ہے۔ اور اندرونی اور بیرونی منظر یکسان ہے۔ کیونکہ خانقاہ کا گنبد دور سے مسافرون کو روشنی کے مینار کا کام دیتا ہے۔ اور اندرونی زیب و زینت نظر کو چکا چوند مین ڈالدیتی ہے" سونے چاندی کی قندیلین اور گولے چھت سے آویزان ہین۔ ایک زمانہ مین پانچ من سونیکا گولہ لٹکتا تھا جسکو نادر شاہ کے بیٹے اتار کرلے گئے۔ دیوارین اور زمین جواہرات سے آراستہ ہین۔ جھاڑ فانوس۔ اور طلائی شمعدان۔ حریر کے پردے نہایت بیش قیمت ہین۔ مزار کے گرد نقرئی طلائی اور فولادی ضریحین نصب ہین پہلی ضریح شاہ طہماسپ نے نصب کرائی تھی۔ داخلہ کے دروازہ مین ہین ایک نقرئی۔ دوسرا طلائی (فتح علی شاہ کا بنوایا ہوا ہے جسمین بیش قیمت جواہرات نصب ہین) تیسرے دروازے پر موتیون کا قالین بچھا ہوا ہے۔ مزار کا حرم مجرمون کے واسطے دارالامن ہے۔ مزار کے متصل امام صاحب کے مسجد ہے۔ جسمین چھ سو خادم تنخواہ دار ہین۔ اور جو زائر یہان ٹھہرتے ہین انکو امام صاحب کے لنگر خانہ سے کھانا دیا جاتا ہے اور محرم مین یہ خیرات غیر معمولی طریقہ سے ہوتی ہے۔ دوسری مسجد گوہر شاد کی ہے جو ۸۲۱ھ مین تعمیر ہوئی ہے۔ عمارت مین کاشی (منسوب بہ کاشان) کا کام بے نظیر ہے۔ خانقاہ کے متعلق ایک کتبخانہ بھی ہے جسمین تین ہزار چھ سو چون جلدین ہین منجملہ انکے آٹھ سو بارہ مصاحف، دو سو ننانوے کتب ادعیہ، دو سو چھیالیس عام کتب فقہ اور دو سو اکیس فقہ شیعی کی کتابین ہین۔ یہ کتبخانہ شاہرخ کا قائم کیا ہوا ہے۔ لیکن شاہ عباس اور سلطان حسین صفوی نے اسپر بہت کچھ اضافہ کیا ہے۔ نادر شاہ جو محض جاہل تھا چار سو قلمی کتابین اُسنے بھی داخل کین تھین" انتخاب از کتاب الاتحاف بحب الاشراف صفحہ ۱۵۵۔ المامون حالات ولیعہدی صفحہ ۹ حصہ اول طبع ثانی (باقی در صفحہ آیندہ)

جسکا سلسلۂ نسب محمد بن حمید بن عبد الحمید طوسی پر ختم ہوتا ہے۔ اسلامی تاریخ مین آل حمید[1] کا خاندان بہت مشہور ہے۔ کیونکہ اس خاندان کے اکثر نامور عہد خلافت عباسیہ مین وزیر ہوے ہین"

خاندان | علامۂ تاج الدین ابن سبکی، سمعانی، اور ابن خلکان کے خواجہ حسن کے خاندان کی نسبت یہ یہ الفاظ ہین " وکان من اولاد الدّھاقین ای الذی یعملون فی البساتین بنواحی طوس"

یعنی خواجہ دہقان زادہ تھا اور اُسکے بزرگ نواح طوس مین باغبانی کا پیشہ کرتے تھے۔

ہندوستان کے مسلمانون نے چونکہ کسب معاش کے جائز ذریعون کو چھوڑ رکھا ہے اسیلئے انکی نظر مین باغبانون کی شاید کچھ عظمت نہو یا خواجہ اور اُسکے بزرگون کی نسبت انکا خیال حقارت آمیز ہو۔ مگر اُس عہد مین جسکی یہ تاریخ ہے شاید ہی کوئی ایسا بدنصیب مسلمان ہوگا جسنے محض علم کو معاش کا آلہ بنایا ہو۔ ورنہ قوم کا ہر فرد پیشہ ور تھا۔ حتی کہ ایمہ اور مجتہدین بھی پیشون کے انتساب سے خالی نہ تھے اور پھر لطف یہ تھا کہ ترقی تجارت انکی علمی مشاغل پر کبھی غالب نہین ہوئی۔ اور اسی ذوق شوق کا نتیجہ تھا۔ کہ معمولی دہات کے طلبہ کیمبرج اور اکسفورڈ یونیورسٹی کے تعلیم یافتون سے بڑھکر ہوتے تھے۔

مسلمانون کی علمی تاریخ کا یہ باب نہایت پُر فخر ہے کہ اُسمین جیسے باغبانون کے نونہال گلستان حکمت وفلسفہ مین سربرآوردہ ہوا کرتے تھے۔ ویسے ہی اعلی طبقہ کے ہونہار علمی

بقیہ صفحہ ۳۴- سفرنامۂ ایران لارڈ کرزن ویسرائے ہند موسومۂ خیابان فارس مترجمہ ظفر علی خان۔ بی۔اے صفحہ ۳۰۷- سفرنامہ پروفیسر ویمبری باب ۲۷- زبدۃ الاخبار حالات مشہد صفحہ ۲۰۲- جغرافیہ فانڈیک امیریکانی صفحہ ۱۰۶ سفرنامہ ابن بطوطہ حالات مشہد۔

[1] دستورالوزرا نسخۂ قلمی حالات خواجہ نظام الملک۔

شاخون مین ممتاز ہوتے تھے۔ خصوصًا طوس کی تاریخ مین یہ واقعہ نہایت مہتم بالشان ہے۔
اور اُسکے اس فخر کو کون مٹا سکتا ہے؟ کہ فردوسی بھی دہقان زادہ اور ایک باغبان کا لڑکا
تھا۔ مگر ایسا شاعر ہوا کہ نو سو برس مین کسی فصیح و بلیغ شاعر سے اُسکی کتاب شاہنامہ کا جواب
نہو سکا۔ اور دوسرا نامور خواجہ حسن تھا جو وزیر ہوا اور وزیر بھی کیسا کہ ضرب المثل کے درجہ
تک پہونچا۔

خواجہ حسن کا شجرۂ نسب حسب ذیل ہے۔

عباس
|
اسحاق
|
عبد اللہ (فقیہ) — علی

عبد اللہ (فقیہ)
|
عبد الرزاق شہاب الاسلام۔
|
عبد الدوام (وزیر سنجر سلجوقی)

علی
|
حسن (نظام الملک)
|
خواجہ حسن کی اولاد کی تفصیل اپنے موقع پر تحریر ہیگی

علامہ سمعانی نے کتاب الانساب مین لکھا ہے کہ نواح طوس مین رادکان[1] ایک چھوٹا شہر ہے
جو خواجہ حسن (نظام الملک) کا وطن ہے"

[1] خراسان جاتے ہوئے چشمۂ سبز کے قریب رادکان ملتا ہے۔ قدیم شہر کئی مرتبہ ویران ہوا ہے۔ سب سے اخیر دور
مین رضا قلی میرزا پسر نادر شاہ نے اسکو آباد کیا تھا۔ موجودہ آبادی ایک گانون کے برابر ہے۔ آثار قدیم مین قلعہ، تالاب،
حوض، حمام، باقی ہین رادکان مین اکثر اہل علم گذرے ہین جنمین ابو محمد عبد اللہ بن ہاشم۔ حسین بن احمد بن محمد
ابو الازہر اور ابو سعد رادکانی مشہور علما ہین۔ رادکان سے ایک فرسخ کے فاصلہ پر مشہور مرغزار واقع ہے جسکو اب
"کوک باغ" کہتے ہین۔ اور قدیم نام "النگ رادکان" ہے۔ النگ ترکی مین چمن و سبزہ زار کو کہتے ہین" (باقی آیندہ)

بہر حال خواجہ حسن کا اصلی وطن طوس ہے۔ جسکے ایک حصہ کا نام **نوقان** ہے۔ اور نوقان کے متصل رادکان ہے۔ جسکو غالباً آب و ہوا کی عمدگی کی وجہ سے خواجہ کے بزرگون نے اپنی مستقل سکونت کے لیے انتخاب کیا ہوگا اور یہی سبب ہے کہ کتب انساب مین خواجہ کو رادکانی لکھا ہے۔

بہر حال یہ مسلم ہے کہ خواجہ کے بزرگ باغبان تھے۔ اور یہی پیشہ معاش کا ذریعہ تھا۔ مگر اسحٰق اور عباس جو خواجہ کے دادا اور پردادا تھے۔ اُنکے حالاتِ زندگی بالکل نامعلوم ہین۔ اور یہ نہین کہا جاسکتا کہ یہ دونون بزرگ باغبانی کرتے تھے یا کیا؟

خواجہ حسن کی ولادت اور ابتدائی حالات

ابن خلکان کی روایت کے مطابق جمعہ کے دن اکیسوین ذیقعدہ ۴۰۸ھ مین بمقام نوقان خواجہ حسن کی ولادت ہوئی۔[۱]

وجہ تسمیہ | ولادت کے بعد **علی** اور **زمرد خاتون** نے اپنے پیارے بیٹے کا نام **"حسن"** رکھا اور اس وجہ تسمیہ کے متعلق ایک دلچسپ روایت ہے جسکو زمرد خاتون نے اس طرح پر روایت کیا ہے[۲] کہ "خواجہ کی ولادت کے دو دن بعد مین نے خواب دیکھا کہ ایک پاک اور ستھری جگہ مین رحل پر کلام مجید رکھا ہوا ہے۔ اور سجادہ پر ایک بی بی بیٹھی ہوئی بچہ کو دودھ

بقیہ صفحہ ۳۶ (انجمن آرائے ناصری) یہ جگہ لطافت آب و ہوا مین صُغد سمرقند وغیرہ کے ہم پلہ ہے اسکا طول ۱۲ فرسنگ اور عرض ۸ فرسنگ ہے۔ شاہانِ ایران تبدیل آب و ہوا کی غرض سے یہان جایا کرتے تھے۔ اور ترکان خاتون بیگم ملکشاہ سلجوقی اکثر یہان رہا کرتی تھی۔ ناصرالدین شاہ مرحوم نے بھی خراسان جاتے ہوے اس جگہ قیام فرمایا ہے۔ گنج دانش صفحہ ۳۲۱ و ۳۲۲

[۱] ابن خلکان صفحہ ۱۴۳۔ جلد اول حالات خواجہ حسن۔

[۲] دستور الوزرا مصنفۂ خواجہ نظام الملک نسخۂ قلمی صفحہ ۷ و ۸۔

پلا رہی ہین۔ مین نے پوچھا کہ "آپ کون ہین؟ فرمایا کہ میرا نام "فاطمہ زہرا" ہے مین نے بڑے ادب سے سلام کیا۔ میرے سلام کا نرمی اور مہربانی سے جواب دیا۔ لیکن چونکہ مین نام نامی سنکر ہیبت زدہ ہوگئی تھی۔ اسلیے خواجہ کو گود مین لیے ہوے الگ کھڑی رہی خاتون جنت نے مجکو بلا کر اپنے قریب بٹھا لیا اور ارشاد فرمایا کہ "مین نے ایک دن باباجان (صلی اللہ علیہ وسلم) سے عرض کیا تھا کہ کاش میری بھی ایک بہن ہوتی۔ آپ نے فرمایا کہ میری امت کی تمام نیک بیبیان تمھاری بہنین ہین۔ اور مین تجھ مین بھی نیکی کے آثار پاتی ہون"۔ پھر خواجہ کو اپنی گود مین لے لیا اور صاحبزادے کو جسے آپ گود مین لیے ہوے تھین مجھے دیدیا اور خواجہ کو بکمال محبت دودھ پلایا اور مجھسے پوچھا کہ اس بچے کا کیا نام رکھا ہے؟ مین نے عرض کیا کہ اسوقت تک کوئی نام تجویز نہین ہوا ہے۔ فرمایا اسکے باپ کا نام "علی" ہے لہذا اسکا بھی نام "حسن" رکھنا۔ کیونکہ میرے لخت جگر کا بھی یہی نام ہے"۔ جب صبح کو مین نے یہ خواب خواجہ علی سے بیان کیا تو وہ جوش مسرت سے اُچھل پڑا اور اس شکریہ مین بہت کچھ خیرات کی اور خواجہ کا نام "حسن" رکھا۔

زمرد خاتون کا یہ خواب سچا تھا یا جھوٹا ہمکو اس سے کوئی بحث نہین ہے مگر زمرد نے اپنے لال کا نام ایسا پیارا رکھا کہ وہ اسم بامسمی ثابت ہوا اور حسن حقیقت مین آسمان شہرت پر آفتاب عالمتاب ہو کر چمکا۔ اگرچہ کہہ سکتے ہین کہ زمرد خاتون کے خواب کی تعبیر پوری ہوئی لیکن ہمارے خیال مین خواجہ کا امام حسن علیہ السلام کا ہمنام ہونا خود ایک نیک شگون تھا جو دنیا مین اس کی نیکنامی کا باعث ہوا سچ ہے۔[1]

---

[1] چونکہ خواجہ کا نام حسن ہے۔ لہذا مستقل وزیر ہونے تک ہر جگہ خواجہ حسن لکھا جائیگا۔

فی الجملہ نسبتے بتو کافی بود مرا ۔ بلبل ہمین کہ قافیۂ گل شود بس ست

عورتون کے عقیدہ کے مطابق زمرد خاتون نے جو خواب دیکھا تھا۔ اسکا یہ لازمی اثر دل پر ہوگا کہ میرا بچہ آگے چلکر خوش نصیب ہوگا۔ کیونکہ کسی بچہ کو حضرت فاطمۃ زہرا رضی اللہ عنہا کا دودھ پلانا بڑی خیر و برکت کی بات ہے۔ مگر افسوس ہے کہ اپنے اس ہونہار بچہ کی جوانی کی بہار دیکھنا زمرد خاتون کی قسمت مین نہ تھی۔ اور ہنوز حسن کی دودھ بڑھائی کی تقریب بھی نہونے پائی تھی کہ زمرد خاتون اپنے کلیجہ کے ٹکڑے کو قسمت کے حوالے کرکے خود دنیا سے چل بسی۔ اور حسن بے ماں کا بچہ ہوگیا۔ خواجہ علی کو اپنی رفیق بی بی کی جدائی کا سخت صدمہ ہوا مگر صبر کرکے خاموش ہو رہا اور حسن کو اُسکی تقدیر پر چھوڑ دیا اور خاص توجہ سے حسن کی پرورش کا اہتمام کیا مگر ماں کی گود کچھ ایسی بری ساعت مین خالی ہوئی تھی کہ ایک دایہ کا دودھ بھی حسن کو نصیب نہوا بلکہ ایام رضاعت مین یہ چمکتا سیارہ مختلف دائیون کی گود مین چلتا پھرتا رہا۔ اور اسی طرح سے دور طفلی ختم ہوگیا[1]۔

ایک مورخ[2] نے لکھا ہے کہ "حسن کی ولادت کے قبل طوس مین چار برس سے بارش نہین ہوئی تھی اور خدا کی مخلوق قحط کی مصیبت سے تباہ حال ہو رہی تھی۔ لیکن جسدن خواجہ حسن پیدا ہوا اُسی دن بارانِ رحمت کا نزول ہوا اور خشک سالی کی بلا دور ہوگئی اور عوام نے اس مولود سعید کی ولادت کو ایک مبارک سال سمجھا" اس روایت کی تحریر سے یہ مطلب نہین ہے کہ اسے خواہ مخواہ سچ سمجھو بلکہ یہ دکھانا منظور ہے کہ بلند اقبال لوگون کی سوانح عمری مین انشا پرداز

---

[1] کامل اثیر جلد دہم صفحہ ۱، [2] دیباچہ وصایا نظام الملک نسخہ قلمی۔

کس قسم کے واقعات فخریہ لکھا کرتے تھے۔ البتہ یہ تسلیم کرنا چاہیے کہ شاہون، وزرا، اور امرا کے بچون
مین بعض باتین ایسی مافوق الفطرت ہوتی ہین کہ جو عوام کے بچون مین نہین ہوتین۔
چونکہ خواجہ حسن کے سر سے بچپن مین اسکی مان کا سایہ اُٹھ گیا تھا اسلیے عالمِ رضاعت اور خورد سالی
کے کچھ حالات نہین معلوم ہوسکے کیونکہ ایسی روایتون کا مجموعہ ہمیشہ مان مرتب کرتی ہے اور
وہی اُسکی راوی ہوتی ہے"

خواجہ حسن کی تعلیم و تربیت، شیوخ و اساتذہ، طالب علمانہ سفر

تمام مورخ خواجہ حسن کے فضل و کمال کی گواہی دیتے ہین اور اسکی ذہانت و فراست کی تعریف
کرتے ہین۔ لیکن علوم و فنون کی کیفیت اور حد تحصیل کی شرح کسی نے بھی نہین لکھی ہے۔ علامہ
تاج الدین طبقات[۱] مین لکھتے ہین "فحفظه ابوه القرآن وشغله فی التفقه علی مذهب الشافعی"

---

[۱] قاضی القضاۃ تاج الدین ابو النصر عبد الوہاب علامہ تقی الدین ابو الحسن علی بن عبد الکافی الانصاری سبکی کے نامور بیٹے ہین۔ ۷۲۹ھ (۱۳۲۸ء) مین بمقام مصر پیدا ہوے۔ اور علوم و فنون کی تکمیل اپنے والد اور دیگر مشاہیر علما سے کی۔ فراغ علم کے بعد تصنیفات کا سلسلہ شروع کیا۔ اور جو کتاب لکھی وہ مقبول عام ہوئی۔ طبقات الکبریٰ مشاہیر شافعیہ کا نہایت مکمل تذکرہ ہے مگر اسوقت تک چھپا نہین ہے۔ کتب خانہ پٹنہ، حیدرآباد، اور لکھنؤ مین قلمی نسخہ موجود ہے۔ منجملہ دیگر کتابون کے معید النعم مصر مین چھپ گئی ہے ۷۷۱ھ (۱۳۶۹ء) مین انتقال فرمایا۔ قاضی صاحب کے والد علامہ تقی الدین مصر کے ائمہ مجتہدین مین داخل ہین فقیہ، محدث، صوفی، حافظ، مفسر، اصولی، متکلم، نحوی، لغوی، ادیب، جدلی، خلافی یہ سب الفاظ علامہ کے ذاتی صفات ہین بمقام سبک (مصر) صفر ۶۸۳ھ (۱۲۸۴ء) مین پیدا ہوے۔ مشاہیر روزگار علما سے تکمیل علوم و فنون کی بحر العلوم کے خطاب کے مستحق تھے صلاح الدین صفدی کا قول ہے کہ "لوگ کہتے ہین کہ امام غزالی کے بعد کوئی شخص علامہ تقی الدین کے مثل نہین گزرا ہے۔ مگر میری رائے مین جو یہ کہتے ہین وہ بڑا ظلم کرتے ہین۔ علامہ سفیان ثوری کے ہم پلہ ہین" ہر علم و فن مین کتابین لکھی ہین۔ اور آب زر سے لکھے جانے کے قابل ہین۔ پورے ایک صفحہ مین تصنیفات کی فہرست لکھی جاسکتی ہے جزیرۃ الفیل (دریاے نیل کے کنارے واقع ہے) مین بروز دوشنبہ ۴۔ جمادی الآخر ۷۵۶ھ (۱۳۵۵ء) مین انتقال فرمایا۔

اور ابن خلکان[1] مین ہے و اشتغل بالحدیث والفقہ"

ایسی کمزور بنیاد پر مستحکم عمارت نہین اُٹھ سکتی ہے کیونکہ صرف یہی چند لفظ مین جو خواجہ کی ابتدائی اور انتہائی تعلیم کے متعلق ہمارے نامور مورخون نے لکھے ہین لیکن واقعات سے پتہ چلتا ہے کہ خواجہ اسحق کے خاندان مین علمی مذاق کافی طور سے موجود تھا۔ کیونکہ دستورالوزرا[2] کی روایت ہے کہ "خواجہ حسن کا والد خواجہ علی طوسی ایک فیاض اور کریم النفس شخص تھا اور سلطان چغر بیگ داؤد سلجوقی کی طرف سے طوس مین وصول مالگذاری کا مہتمم (صاحب الخراج تھا)[3]" یہ عہدہ کوئی معمولی نہ تھا جسطرح فی زماننا تحصیلدار ہوا کرتے ہین۔ بلکہ اسلامی قانون کے مطابق صاحب الخراج کو علم فقہ، حساب، مساحت وغیرہ جاننا لازمی تھا۔ کیونکہ وصول مالگذاری کے علاوہ وصول جزیہ کا بھی یہی عہدہ دار ذمہ دار ہوتا تھا۔ لہذا یہ قیاس غلط نہین ہوسکتا ہے کہ خواجہ حسن کا باپ فقیہ اور ایک تعلیم یافتہ شخص تھا۔ اور بیٹے کو سب سے پہلے کلام مجید حفظ کرانا۔ پھر فقہ و حدیث کی تعلیم دلانا اس قیاس کا موید ہے۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ خواجہ علی کا بھائی عبداللہ مشہور فقیہ تھا۔ ابن سبکی نے خواجہ نظام الملک کے تذکرہ مین خواجہ علی کو بلفظ فقیہ یاد کیا ہے۔ اور جو عظمت اس لفظ کی ہے وہ شرح کی محتاج نہین ہے

بقیہ صفحہ ۴۰۔ جمال الدین ابن نباتہ اور صلاح الدین صفدی نے مرثیہ لکھا۔ تفصیل کے لیے دیکھو حسن المحاضرہ فی اخبار مصر والقاہرہ۔ جلد اول صفحہ ۱۴۵-۱۵۰۔

[1] ابن خلکان جلد اول صفحہ ۱۴۳ [2] دستورالوزرا نسخہ قلمی صفحہ، [3] آثار الاول فی ترتیب الدول صفحہ ۸- مطبوعہ مصر حاشیہ سیوطی۔ [4] آیندہ واقعات سمجھنے کے لیے یاد رکھنا چاہیے کہ ۴۲۹ھ ۱۰۳۷ع مین سلجوقیون نے اول اول طوس پر قبضہ کیا اور ۴۵۵ھ ۱۰۶۳ع مین کل عراق پر قبضہ ہوگیا تھا۔

غرضکہ خواجہ اسحق کے دونون بیٹے علی اور عبداللہ صاحب فضل وکمال تھے اور اُسی شان سے اپنی اولاد کی تعلیم وتربیت کرنا چاہتے تھے۔ اسلیے خواجہ حسن کو اول قرآن شریف یاد کرایا گیا اور گیارہوین برس حفظ قرآن سے فراغ حاصل[1] کیا۔ لیکن خواجہ کے آیندہ حالات سے معلوم ہوگا کہ وہ محض دینیات ہی کا عالم نہ تھا بلکہ علوم عقلیہ کا بھی ماہر تھا۔

عبدالصمد کی شاگردی

دستورالوزرا[2] کی روایت ہے کہ "خواجہ حسن کا پہلا استاد اور اتالیق فقیہ عبدالصمد قندوحی (نیشاپور کا ایک گاؤن) تھا۔ جو اپنے زمانے کے صلحا اور علما مین مشہور تھا! ورابتدائی تعلیم فقیہ کی نگرانی مین ہوئی تھی۔ اور جب شاگرد درجۂ وزارت پر پہونچا تو اُسنے بھی حق شاگردی ادا کیا یعنی فقیہ کو اوقاف نظامیہ کا افسر کر دیا تھا۔"

حافظہ

فقیہ عبدالصمد کی روایت ہے کہ خواجہ کا حافظہ نہایت قوی تھا۔ جو سبق ہم مکتب بمشکل رٹ کر یاد کرتے تھے وہ خواجہ کو دو تین دورین یاد ہوجایا کرتا تھا۔ اور اُسکے چہرہ سے ایسے آثار نمایان تھے کہ جنکا خردسال بچون مین کہین پتہ بھی نہین ہوتا مثلاً۔

مکتب کا ایک خاص واقعہ

ایک دن خواجہ نے اپنے استاد عبدالصمد سے کہا کہ "مکتب مین طلبہ کی تعداد بہت بڑھگئی ہے اسلیے ناظرہ اور حفظ دونون کا سلسلہ درہم برہم ہے اور بمشکل دس طلبہ کی نسبت یقین ہوسکتا ہے کہ انھون نے اپنا سبق یاد کر لیا ہے۔ اور باقی کا پتہ نہین چلتا ہے؟" فقیہ نے کہا کہ پیارے بیٹے! پھر اسکا تمنے کیا علاج تجویز کیا ہے؟

خواجہ نے کہا کہ "اسوقت ساٹھ طلبہ ہین انمین چھ کو انتخاب کرنا چاہیے۔ اور پھر ہر ایک کے دس دس

[1] آثارالوزرا سیف الدین نسخۂ قلمی و گنج دانش حالات خواجہ حسن۔ [2] دستورالوزرا نسخۂ قلمی صفحہ ۶

طلبہ سپرد کیے جائین - اور یہ اپنے ماتحتون کے سبق سنین - اگر سبق مین کوئی مشکل مسئلہ ہو تو صرف یہی پوچھ دریافت کرین اور اپنے ماتحتون کو سمجھائین - اور اُنکے سبق مین کوئی خامی ہو تو انھی کو سزا دیجاے - اِس انتظام سے کل خرابیان دور ہو جائینگی - علاوہ اسکے ایک بڑا فائدہ یہ ہے کہ ابّا جان ہمیشہ مکتب کے لڑکون کو انعام تقسیم فرماتے ہین اور تقسیم انعام کے وقت آپ کو بڑی تکلیف ہوتی ہے اس انتظام سے آپ کو کل رقم کے صرف چھ حصے کرنا پڑینگے اور بقیہ لڑکون کی تقسیم اُنکے ہاتھ سے ہو جائیگی خصوصاً عیدین اور نوروز کے موقع پر بہت آسانی ہوگی "

یہ واقعہ خواجہ کے بچپن کا ہے - اور اس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ نہایت طبّاع اور ذہین تھا - اور اُسکا دماغ مدبّرانہ واقع ہوا تھا - اور کیا عجب ہے کہ مکتب خانے کی خلافت کی ابتدا بھی اسی واقعہ سے ہوئی ہو جو آج تک مکاتب مین جاری ہے -

نیشاپور کا سفر خواجہ حسن کی تعلیم پر جو کچھ لکھا گیا ہے وہ گویا خانگی تعلیم تھی جو والدین کی نگرانی مین بمقام طوس ہوئی - لیکن واقعات سے ظاہر ہے کہ تحصیل علمی اس حد تک پہونچ گئی تھی کہ خواجہ کو تکمیل علوم کے لیے وطن کو الوداع کہنا پڑا - اُس مبارک زمانہ مین علوم و فنون کے دریا نہ صرف شہرون مین موجزن تھے - بلکہ معمولی دہات اور قصبات مین بھی فیض کے چشمے جاری تھے - ہر مسجد اور زاویہ سے قال اللہ اور قال رسول اللہ کی صدائین بلند تھین - لیکن پھر بھی عراق عرب مین بغداد اور صوبہ خراسان مین نیشاپور کو خاص فضیلت تھی کیونکہ یہ دونون شہر علم کے مرکز تھے - ایرانی طلبہ کے قافلے عموماً نیشاپور کو

جاتے تھے۔ کیونکہ بیہقیہ اور نصریہ جیسے درس گاہون کے دروازے عام وخاص پر کھلے ہوے تھے۔ اور فخر روزگار علما انکے مدرس تھے۔ اور باشندگان طوس کے لیے بمقابلۂ بغداد نیشاپور قریب تھا۔ اسلیے خواجہ حسن نے بھی نیشاپور کا سفر کیا اور یہ سفر محض تحصیل علم کے لیے تھا۔ چنانچہ کتاب الوصایا مین خواجہ نے اس سفر کا حال یون لکھا ہے کہ "علماے خراسان مین امام موفق بڑے مقدس اور نامور عالم تھے (عمر کی ۸۵ منزلین طے کرچکے تھے) اور تمام اطراف مین انکی شہرت تھی۔ فیض کا یہ عالم تھا کہ جسنے امام صاحب سے قرآن اور حدیث کا سبق لیا وہ دنیاوی مراتب مین ضرور بڑے درجہ پر پہونچ جاتا تھا اسلیے والد بزرگوار نے مجکو فقیہ عبدالصمد کی اتالیقی مین طوس سے نیشاپور روانہ کردیا اور مین امام محترم کے حلقۂ درس مین شریک ہوا۔ امام صاحب میرے حال پر خاص طور سے توجہ فرماتے تھے اور مجھے بھی شاگردانہ خلوص تھا۔ چنانچہ چار برس تک امام موفق کے درس مین شریک رہا۔ اسی زمانہ مین عمر (خیام) اور حسن (صباح) بھی امام صاحب کی شاگردی مین داخل ہوے۔ یہ دونون نہایت فہیم اور ذکی الطبع تھے اور چونکہ میری ہم عمر تھے اسلیے مین اُنکا ہم درس ہوا اور میرا ربط ضبط اُنسے بہت بڑھ گیا۔ حلقہ درس سے اُٹھکر مین انھی رفیقون کے ساتھ سبق کی تکرار کیا کرتا تھا"۔

حسن صباح اور عمر خیام سے معاہدہ

انھی[1] دنون کا تذکرہ ہے کہ "ایک دن حسن (صباح) نے عمر (خیام) اور مجھسے کہا کہ 'یہ مشہور بات ہے کہ امام موفق کے شاگرد بڑے رتبے پر پہونچتے ہین اور اسمین شک

---

[1] یہ معاہدہ حقیقت مین ایک مذاق تھا اور اسوقت کسکو خبر تھی کہ حسن صباح کی پیشین گوئی پوری ہوگی لیکن بہت زمانہ گزرنے نپایا تھا کہ خواجہ حسن درجہ وزارت پر ممتاز ہوا۔ اور اُسنے اپنی عالی ظرفی سے معاہدہ کو پورا کیا۔ تفصیل اپنے موقع پر لکھی جائیگی۔

نہین ہے کہ اگر ہم سب جاہ و دولت کے مرتبے پر نہ پہونچین تو کوئی ایک تو ضرور کامیاب ہوگا اسلیے ہم تینون معاہدہ کرین۔ مین نے کہا شرائط کی تکمیل کیونکر ہوگی حسن نے کہا کہ ہم مین سے خدا جسکو جاہ و حشم کے درجے پر پہونچائے اسپر فرض ہوگا کہ وہ باقی دونون دوستون کو بھی اپنی دولت مین برابر کا شریک کرے اور کسی کو یہ حق نہوگا کہ وہ اپنی ذات کو کسی معاملہ مین ترجیح دے" چنانچہ سب نے اِس معاہدے کو تسلیم کرلیا اور معاہدہ تحریر ہوکر مُہر و دستخط سے مزین ہوا۔ اور درس کا سلسلہ بدستور جاری رہا[۵۱]۔

بخارا کا سفر | چار برس کامل امام موفق کے درس مین خواجہ حسن شریک رہا، پھر واپس آیا۔ اور اسمین کوئی شک نہین ہے کہ حدیث و فقہ کا بہت بڑا ذخیرہ خواجہ کو امام موفق کی درسگاہ سے ہاتھ آیا ہوگا۔

مصنف دستور الوزرا لکھتا ہے کہ جب خواجہ فارغ التحصیل ہوکر طوس مین آیا تو گردش ایام سے خواجہ علی کا کارخانہ درہم برہم ہوگیا تھا۔ اور اس تباہی کا یہ سبب ہوا کہ خواجہ ابو علی بن شاذان جو بلخ کا عمید تھا اپنے عہدے سے موقوف کردیا گیا اور خواجہ علی جو اُسکا ماتحت تھا وہ بھی اس زد سے نہ بچ سکا اور طوس کی مالگذاری جو عرصہ سے باقی چلی آتی تھی یکایک طلب ہوئی خواجہ علی نے بیباقی مین بڑی کوشش کی اور گھر کا اسباب تک بیچ ڈالا مگر مطالبہ پورا نہوا۔ لیکن خواجہ علی کو بدحواس دیکھکر رعاے طوس نے باقی رقم کو اپنے ذمہ لے لیا۔ اور خواجہ علی سے یہ شرط کی کہ وہ تین برس تک اُنکے خدمات بلامعاوضہ انجام دے۔ خواجہ حسن کو یہ شرط

[۵۱] ترجمہ انگریزی رباعیات عمر خیام مصنفۂ ناگر کار مطبوعہ بمبئی۔

سُنکر بڑا صدمہ ہوا اور اپنے باپ سے کہا کہ جس زمانہ مین آپ کی حکومت تھی مجھے آپکا یہان رہنا پسند نہ تھا اور جب آپ انکے مزدور ہو جائین گے تو میری حالت اور بھی خراب ہو جائیگی اسلیے اجازت ہو تو بخارا چلا جاؤن اور چند روز تک علمی مشاغل مین اور مصروف رہون پھر حاضر خدمت ہونگا" چنانچہ خواجہ علی نے سفر کا سامان کر کے بیٹے کو رخصت کر دیا۔ بخارا بھی اس عہد مین دار العلوم تھا۔ اور کمالات علمیہ کے شائق اطراف عالم سے بخارا مین آیا کرتے تھے۔

شیخ ابوسعید ابوالخیر کی ملاقات سفر مین

شیخ ابوسعید ابوالخیر جو اپنے زمانہ کے نہایت مشہور صوفی تھے اندنون

---

[۱] فضل اللہ نام ابوسعید کنیت ہے، اور آپ کے والد کا نام ابوالخیر محمد تھا۔ پانچوین صدی ہجری کے مشاہیر صوفیہ سے ہین۔ شیخ کے والد ابوالخیر علم نباتات مین کامل مہارت رکھتے تھے۔ اور جنگل سے بوٹیان لاکر فروخت کیا کرتے تھے۔ مگر ایک زمانہ وہ آیا کہ سلطان محمود غزنوی کے مصاحبون مین داخل ہو گئے۔ شیخ ابوسعید علوم ظاہری مین کامل تھے۔ مگر فقہ، حدیث، تفسیر مین بےمثل تھے۔ اور تصوف کا شوق کم سنی مین ہو گیا تھا۔ اکثر اوقات کتب تصوف کے مطالعہ مین مصروف رہتے تھے۔ عبداللہ حصری اور امام قفال کے حلقۂ درس مین بمقام مرو ایک عرصہ تک قیام پذیر رہے۔ اور روحانی برکات ابوالفضل سرخسی اور ابوعبدالرحمن سلمی اور ابوالعباس آملی سے حاصل کین۔ پھر سات برس تک بادیہ پیمائی کر کے مہنہ کی خانقاہ مین بیٹھ گئے۔ اور ۸۳ برس کی عمر مین بمقام نیشاپور ۴۴۰ھ ہجری مطابق جنوری ۱۰۴۹ء مین انتقال فرمایا اور مہنہ مین دفن ہوے۔ نیشاپور آخر زمانہ مین آئے تھے۔ تذکرون مین آپ کے متعدد اقوال درج ہین۔ مثلاً التصوف قیام القلب مع اللہ بلاواسطہ۔ شیخ کی رباعیات حکیم عمر خیام کی طرح بہت مشہور ہین تبرکاً چند درج کی جاتی ہین۔

غازی برہ شہادت اندر تگ و پو است | غافل کہ شہید عشق فاضلتر ازو است
در روز قیامت این بدان کے ماند | کاین کشتۂ دشمن است وآن کشتہ دوست

[۲] مجمع الفصحا جلد اول صفحہ ۷۴ و آتشکدۂ آذر صفحہ ۱۳۷

بخارا ۱۳۹

زندہ تھے اور مِہنہ مبارک کی خانقاہ مین وعظ فرمایا کرتے تھے ایک دن مجلس مین سعادت، شقاوت اور امارت کی علامتون پر وعظ ہورہا تھا کہ "شیخ نے فرمایا جو شخص دین و دنیا کے سردار کو دیکھنا چاہیے وہ کل صبح کو ارجاہ کی سڑک پر جا ٹھہرے" چنانچہ چند باصفا مرید مقام مذکور پر گئے۔ سب سے پہلے جو مسافر انکو ملا وہ خواجہ حسن تھا۔ اُنھون نے خواجہ کو سلام کیا۔ اور چونکہ ایک قسم کا غیر معمولی استقبال تھا لہذا خواجہ نے اسکا سبب پوچھا تو مریدون نے شیخ کا مقولہ دُھرایا اُسوقت خواجہ طوس سے چلکر دربند پہنچ چکا تھا۔ جب شیخ کے حالات سنے تو خواجہ زیارت کا مشتاق ہوکر حاضر مجلس ہوا۔ اور ایک گوشہ مین بیٹھ رہا۔ دوران وعظ مین ایک سائل نے آواز لگائی۔ خواجہ نے کمر سے ٹپکا اور طلائی پیٹی کھولکر سائل کو دیدی شیخ نے فرمایا کہ "جسنے میری مجلس مین اپنی کمر سے ٹپکا کھولا ہے وہ دن قریب ہین کہ ارباب دنیا اُسکی حضور مین کمر باندھکر کھڑے ہونگے" جب وعظ ختم ہوگیا تو شیخ ابوسعید نے خواجہ پر اپنی شفقت کا اظہار کیا اور مژدہ سنایا کہ تم عنقریب بڑے مرتبے کو پہونچوگے۔ پھر فرمایا کہ "حسن! اب تجھسے بظاہر ملاقات نہوگی جس مجلس مین

بقیہ صفحہ ۴۶

جسمم ہمہ اشک گشت وچشمم بگریست	در عشق تو بے جسم ہمی باید زیست
از من اثرے نماندہ این عشق از چیست	چون من ہمہ معشوق شدم عاشق کیست
اے برہمن آن عارض چون لالہ پرست	رخسار نگار رچاردہ سالہ پرست
گر چشم خدائے بین نداری بارے	خورشید پرست شو نہ گوسالہ پرست
رفتم بطبیب وگفتم از درد نہان	گفتا کہ ز غیر دوست بربند زبان
گفتم کہ غذا؟ گفت! ہمین خونِ جگر	گفتم پرہیز؟ گفت از ہردوجہان

لہ قائل معارف جلد ۴ نمبر ۱ سنہ ۱۹ ۲ کشف المحجوب صفحہ ۷ ۹۳ ۵ انسائیکلوپیڈیا جلد نمبر ۱ صفحہ ۱۷ حالات عمر خیام۔

تو پہلے دن آیا ہے آج اس مجلس کا آخری دن ہے۔ میری باتون کو بھول نہ جانا اپر ہمیشہ عمل کرنا۔ یاد رکھو کہ جب تک تمھاری دولت سے مستحقین فیضیاب ہوتے رہینگے اُسوقت تک تمھاری دولت اور امارت قائم رہیگی۔ اور جب نیکی کے دروازے بند کردوگے اور حقدار تمھارے مہربانی سے محروم ہوجائینگے تو وہی زمانہ تمھاری امارت کے زوال کا ہوگا"

اور بعد بزرگانہ نصیحت کے شیخ ابوسعید نے خواجہ کو رخصت کردیا[1]"

شیخ سے رخصت ہوکر خواجہ نے بخارا کا رخ کیا اور منزل مقصود پر پہونچکر خواجہ نے اکتساب فنون اور تکمیل علوم مین سخت محنت کی اور فضیلت کی سند حاصل کرکے بخارا سے مرو کو رخصت ہوگیا"

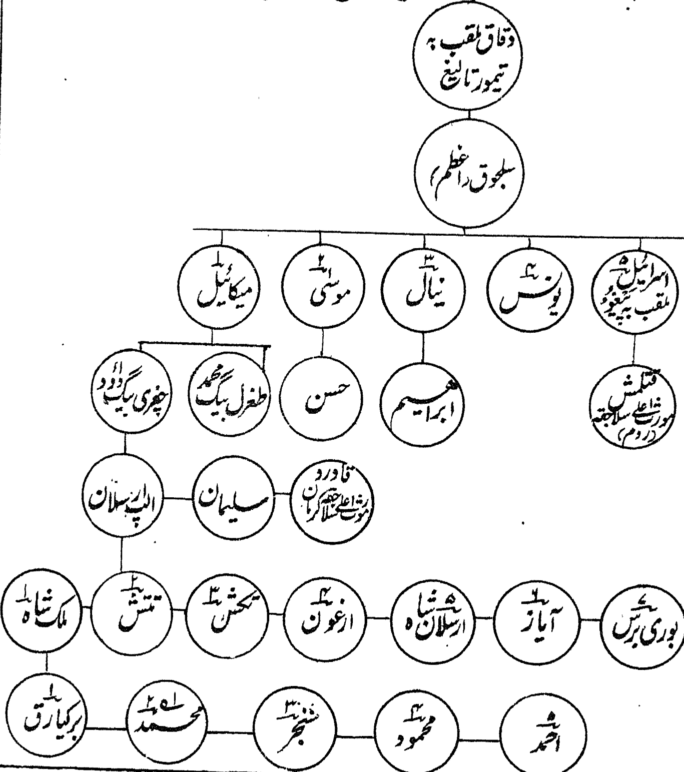
بخارا[2] مین کتنے دنون خواجہ کا قیام رہا۔ یہ بتانا مشکل ہے۔ مگر بخارا سے وطن کی جانب پھر خواجہ کی واپسی نہین پائی جاتی ہے۔ بلکہ تکمیل علوم کے بعد خواجہ مرو گیا، مرو سے، ماوراءالنہر ہوتا ہوا براہ غزنین کابل پہونچا اور سیر و سیاحت کے بعد بلخ واپس آیا۔ بلخ[3] پہونچکر خواجہ حسن کی سوانح عمری کا ایک حصہ ختم ہوجاتا ہے۔ اور وہ دور شروع ہوتا ہے جس سے ترقی پاکر خواجہ وزارت پر پہونچتا ہے۔ اور چونکہ خواجہ نے محض اپنی

---

[1] کتاب الوصایا خواجہ نظام الملک [2] سفر نیشاپور اور بخارا کے حالات کتاب الوصایا سے لکھے گئے [3] صوبۂ خراسان مین یہ اول درجہ کا شہر تھا اور آبادی کے لحاظ سے نہایت قدیم ہے۔ کیومرث اسکا بانی ہے اور لہراسپ سے منوچہر تک سب اسکی آبادی مین کوشش کرتے رہے ہین۔ آتشکدہ نوبہار کی وجہ سے بلخ کا شمار مقدس شہرون مین تھا۔ اب معمولی درجہ کا شہر ہے اور حکومت افغانستان مین داخل ہے یعنی ترکستان کے اس حصہ مین جو داخل افغانستان ہے دیکھو نقشۂ افغانستان عرض بلد شمالی ۳۶ - ۴۵ طول بلد مشرقی ۶۶ - ۴۸

لیاقت سے وزارت کا عہدہ حاصل کیا تھا۔ اسلیے اب جس قدر حالات اور واقعات ہین
وہ عہد وزارت کے سلسلہ مین بیان کیے جائینگے خواجہ حسن کی وزارت کی ابتدائی تاریخ
مین شاہان سلجوقیہ کے نام آوینگے علاوہ اسکے۔ اس کتاب مین مختلف مقامات پر آل سلجوق کا
تذکرہ ہے لہذا واقعات کے سمجھنے کی غرض سے اول شاہان سلجوقیہ کا شجرۂ نسب لکھا جاتا ہے
ناظرین کو یہ نسب نامہ اپنے حافظہ مین محفوظ رکھنا چاہیے۔

شجرۃ النسب آل سلجوق



؎ محمد کی اولاد مین ۱۲ بادشاہ حکمران ہوئی جنکے نامون کی تفصیل کی اس شجرہ مین ضرورت نہین ہے۔

خواجہ حسن کی وزارت کی ابتدائی تاریخ

یہ ہم اوپر لکھ آئے ہین کہ فراغ تعلیم کے بعد خواجہ حسن نے بخارا سے مرو کا سفر کیا تھا۔ اور وہان سے ماوراء النہر ہوکر غزنین پہونچا تھا۔ یہ عبدالرشید غزنوی[1] کی حکومت کا دور تھا۔ جسنے ۴۴۱ھ (۱۰۴۹ء) سے ۴۴۴ھ (۱۰۵۲ء) تک حکومت کی۔ اور چونکہ غزنین کو دارالسلطنت ہونے کی عزت حاصل تھی اسلیے کل بڑے دفتر اور شاہی محکمے اسی شہر مین تھے۔ اور دربار کی قدردانی سے مختلف ملک و دیار کے اہل کمال غزنین مین جمع تھے۔ اسلیے خواجہ نے ایک عرصہ تک غزنین مین قیام کیا، اور اہلکاران عدالت سے دفتر کا کام سیکھا۔ ابن سبکی کی روایت ہے کہ خواجہ کسی دفتر مین نوکر ہوگیا تھا! ور یہی ذریعہ تھا جس کی وجہ سے خواجہ کو علم حساب اور انشا مین کامل مہارت ہوگئی تھی! ور اسی زمانہ مین اُسنے اپنا مختصر سفرنامہ ترتیب دیا تھا جواب مفقود ہے۔ پھر خواجہ نے غزنین سے خراسان کا سفر کیا اور یہان بھی دفتر مین ملازمت اختیار کی۔ لیکن چندروز کے بعد خراسان کو خیرباد کہکر بلخ کا رخ کیا۔ اس زمانہ مین چغر بیگ داؤد سلجوقی کی جانب سے ابوعلی[2] احمد بن شاذان بلخ کا گورنر تھا

[1] عبدالرشید ابن محمود غزنوی ۴۴۱ھ مین تخت نشین ہوا اور ۴۴۴ھ مین قتل ہوا۔ [2] خواجہ ابو علی احمد بن شاذان، اُن مشہور اور باکمال لوگون مین سے ہے کہ جنپر "خاک خاوران" کو ہمیشہ فخر رہیگا۔ ابوعلی طغرل بیگ سلجوقی کا ملازم تھا اور عرصہ تک بلخ مین گورنر رہا ہے۔ اخیر عمر مین طغرل بیگ کا وزیر بھی ہوگیا تھا۔ لیکن جب بڑھاپے نے مجبور کردیا تو وزارت سے استعفا داخل کیا اور طغرل بیگ سے خواجہ حسن کے واسطے سفارش کی کہ یہ الپ ارسلان کا وزیر کیا جائے۔ چنانچہ خواجہ عمید الملک ابونصر کندری کے بعد الپ ارسلان نے خواجہ کو وزیر مقرر کردیا تھا۔ اور یہی سبب ہے کہ جب الپ ارسلان، خواجہ کی کارگزاری سے خوش ہوتا تھا تو خواجہ ابوعلی کو دعاے خیر سے یاد کرتا تھا "خاوران کے مشاہیر حسب ذیل ہین۔

تا سپہر صیت گردان شد زخاک خاوران ۔۔۔ تا شبانگاہ آمدش چار آفتاب خاوری

چنانچہ خواجہ کو خوش قسمتی سے عمید بلخ کے میر منشی (کاتب) کا عہدہ مل گیا۔ اور خواجہ کو دنیاوی اشغال مین جو جاہ و منصب ملا اسکا پہلا زینہ یہی تھا۔

کاتب کا عہدہ ہر عہد مین معزز رہا ہے بلکہ زمانۂ سابق و حال کا تجربہ شاہد ہے کہ گورنرون کے دفتر مین جو محرر و منتظم (کلرک و سکریٹری) ہوتے ہین۔ وہ اس درجہ قابل و لائق ہوجاتے ہین کہ کسی زمانہ مین خود ترقی پاکر نیابت سے وزارت تک پہونچ جاتے ہین۔ اگر خواجہ اپنے عہدے پر ایک عرصہ تک قائم رہتا تو ضرور تھا کہ کسی اعلیٰ درجہ پر پہونچتا لیکن ابو علی کے خسیسانہ حرکات اور دنارت نے خواجہ کو ناراض کر دیا۔ چنانچہ خواجہ کی روایت ہے کہ "جب میرے پاس کچھ سرمایہ ہوجاتا تو ابن شاذان مجھپر جرمانہ کرکے وصول کر لیتا تھا، اور یہ تو اسکا ایک معمولی فقرہ تھا کہ "حسن اب تو خوب فربہ ہو گئے ہو"۔

غرضکہ ہر سال یون ہی تمام نقدی چھین لیجاتی تھی اور عذر کرنے پر جواب ملتا تھا کہ "کاتب کو صرف قلم کافی ہے"، جب عرصہ تک خواجہ سے ابن شاذان نے یہی برتاؤ کیا تو آخر برداشتہ خاطر ہوکر خواجہ بلخ سے فرار ہو گیا۔ اور سلطان چغر بیگ داؤد سلجوقی کے دربار مین بمقام مرو پہونچا۔ اور سلطان کی حضور مین اپنا مختصر حال بیان کیا۔ چغر بیگ خواجہ کی خوش بیانی سے بہت

بقیہ صفحہ ۵۰

خواجۂ چون بوعلی شاذان وزیر نامدار | عالمے چون اسعد مہنہ زہر شرے بری
صوفی صافی چو سلطان طریقت بوسعید | شاعر قادر چو مشہور خراسان انوری

از تذکرۂ دولت شاہ سمرقندی۔ وطبقات الشافعیہ سبکی حالات نظام الملک۔

لہ گنج دانش صفحہ ۳۵۰۔ جہانتک ممکن تھا تحقیقات کیگئی مگر کسی تاریخ سے یہ نہین معلوم ہوا کہ خواجہ کس سنہ مین حاضر دربار ہوا ہے مگر غزنویہ اور سلجوقیہ کے تاریخی واقعات سے ثابت ہوتا ہے کہ خواجہ ۴۲۵ھ اور ۴۴۴ھ کے مابین آیا ہے"۔

خوش ہوا۔ اور چونکہ خود مبصر تھا سمجھ لیا کہ یہ نوجوان ہونہار ہے لہذا شاہزادۂ الپ ارسلان کے سپرد کر دیا اور یہ تحریر بھیجی کہ "حسن تمھارا کاتب، مدبّر، مشیر اور محاسب ہے تم اسکو اپنے باپ کے برابر سمجھنا" جب عمید بلخ کو معلوم ہوا کہ خواجہ حسن مرو مین ہے تو اُسنے دربار مین عریضہ بھیجا کہ "میرا کاتب بھاگ گیا ہے فرمانِ عالی بغرض واپسی صادر ہو ورنہ یہان کے دفتر مین بہت ابتری پڑ جائیگی"

چغر بیگ نے جواباً لکھ بھیجا کہ "مین نے خواجہ کو الپ ارسلان کے سپرد کر دیا ہے لہذا شاہزادے سے براہِ راست درخواست کرنا چاہیے" لیکن پھر عمید نے ضد نہین کی اور خواجہ حسن الپ ارسلان کی خدمت مین رہنے لگا"

گو یہ سچ ہے کہ خواجہ کو ابو علی سے کوئی نفع نہین ہوا لیکن اس نامور مدبّر کی شاگردی یا فیض صحبت نے خواجہ کو حقیقت مین نظام الملک بنا دیا۔ اور جسقدر ملکی و مالی تجربہ خواجہ کو ہوا وہ علی بن شاذان کے طفیل ہے ابن سبکی کی روایت ہے کہ اخیر عمر مین ابن شاذان نے الپ ارسلان سے یہ سفارش کی تھی کہ خواجہ حسن کو وزارت کا عہدہ دیا جائے۔ چنانچہ الپ ارسلان نے مستقل حکمران ہونے کے بعد ہی خواجہ کو وزیر مقرر کر دیا تھا۔

بہر حال یہ قابل تسلیم ہے کہ ابو علی کی سفارش بھی منجملہ اسباب حصول وزارت کے ایک قوی سبب ہے۔ لیکن حکمت نظام الملکی کو بھی انتخاب وزارت مین بہت کچھ دخل ہے۔ جس کی تفصیل یہ ہے کہ خواجہ نے الپ ارسلان پر اپنی خداداد قابلیت اور کارگزاری سے پورا قبضہ کر لیا تھا۔ زمانۂ ولیعہدی مین الپ ارسلان کا مصاحب، کاتب، مشیر، اتالیق، اور

باوفا رفیق غرضکہ جو کچھ تھا صرف خواجہ تھا۔ رزم ہو یا بزم ہر جگہ خواجہ ہمراہ رہتا تھا لیکن اُسوقت تک الپ ارسلان صاحب اختیار نہ تھا۔ بلکہ باپ اور چچا کی مشترکہ حکومت تھی۔ کیونکہ طغرل بیگ اور چغر بیگ دونون حقیقی بھائیون مین از حد محبت تھی اور سلطنت کے تمام کام ایک دل ہوکر انجام دیتے تھے مساجد مین دونون کے نام کا خطبہ پڑھا جاتا تھا۔ البتہ اخیر دور حکومت مین انتظاماً چغر بیگ نے مرو اور طغرل بیگ نے نیشاپور کو دار السلطنت قرار دیا تھا۔[1] چنانچہ ۴۵۰ھ مین بمقام بلخ چغر بیگ نے انتقال کیا اور الپ ارسلان ولیعہد سلطنت اسکا جانشین ہوا لیکن الپ ارسلان کے دوسرے بھائی سلیمان نے بھی بحیثیت دعویدار تاج و تخت رے مین اپنے نام کا خطبہ پڑھوایا۔ لیکن ۴۵۵ھ مین جب طغرل بیگ نے انتقال کیا توحسب وصیت طغرل، وزیر عمید الملک کندری نے سلیمان کو تخت نشین کردیا۔ طغرل بیگ اگرچہ لاولد فوت ہوا اور ولیعہد سلطنت الپ ارسلان موجود تھا مگر طغرل بیگ اپنی بھاوج (زوجۂ چغر بیگ والدۂ سلیمان) کے اصرار سے سلیمان کے حق مین وصیت کرگیا تھا جسکی تکمیل مین عمید الملک کندری نے بڑی سرگرمی دکھائی۔ مگر خواجہ کو یہ کب گوارا تھا کہ الپ ارسلان کے ہوتے ہوے سلیمان تخت اُڑا لے جائے قطع نظر اسکے قومی قبائل بھی سلیمان سے ناراض تھے اِسلیے مساجد کا معمولی خطبہ تخت نشینی کے واسطے کافی نہ تھا۔ الپ ارسلان اور خواجہ کو سلیمان کی بغاوت سے ہنوز دم لینے کا موقع نہین ملا تھا کہ قتلمش جو قلعۂ کردکوہ مین مقیم تھا وہ بھی دعویدار سلطنت ہوکر اُٹھا۔ اور دوسری طرف سے قاورد فتوحات کے ذوق مین چلا۔

[1] زبدۃ النصرہ ونخبۃ العصرہ عماد الدین اصفہانی از صفحہ ۲۸-۳۰ مطبوعۂ ہالنڈ ۱۸۸۹ء ۲ دامغان سے ۷میل کے (باقی آیندہ)

اور الپ ارسلان کا مدِّ مقابل بنکر بردسیر[1] تک اپنی فوجین بڑھا لایا۔لیکن خواجہ کی مدبرانہ اور عاقلانہ حکمت عملیون سے الپ ارسلان نے اپنے تمام مخالف بھائیون کا ترکی بترکی جواب دیا قتلمش میدان کارزار مین قتل ہوا۔اور قاورد نے صلح کرلی۔عمید الملک کندری نے جب دیکھا کہ سلیمان کامیاب نہوگا تو وہ بھی طوعًا وکرہًا الپ ارسلان سے آنکر مل گیا۔چونکہ چچا کا وزیر اور خاندانی نمکخوار تھا اسلیے الپ ارسلان بھی چپ سادھ گیا۔لیکن مذکورہ بالا معرکون مین خواجہ حسن اپنے محسن کے ساتھ رہا تھا اسلیے الپ ارسلان نے خانہ جنگی سے فارغ ہوکر انتظام سلطنت پر توجہ کی اور امور وزارت کو عمید الملک[2] اور خواجہ حسن کے سپرد کردیا۔اور خواجہ کو نظام الملک کا

بقیہ صفحہ ۵۲) فاصلہ پر یہ قلعہ ایک پہاڑ پر واقع ہے۔قدیم شاہان عجم کا تعمیر کیا ہوا ہے شاہنامہ وغیرہ مین اسکا نام دژگنبدان وگنبدان دژ وکوہ منصوریہ ہے۔ایران کے قلعون مین یہ نہایت مستحکم اور مرتفع ہے۔ملک شاہ سلجوقی کے انتقال پر اسمعیلیہ نے اسپر قبضہ کرلیا تھا۔اور مدتون انکے قبضہ مین رہا چنانچہ مولانا روم فرماتے ہین ؎ ہر یکے چون ملحدان کردکوہ + عہد قدیم کے آثار اسوقت تک باقی ہین۔اگر مرمت کی جائے تو آج بھی فوجی ضرورتون کے واسطے از حد مفید ہے۔گنج دانش صفحہ ۴۲۵۔

[1] بردسیر۔کرمان کا بہت بڑا شہر ہے۔مراصد الاطلاع۔ [2] ابو نصر محمد بن منصور بن محمد ملقب بہ عمید الملک کندری، سلطان طغرل بیگ سلجوقی کے دربار کا ایک نامور رکن ہے۔ابو نصر موضع کندر کا باشندہ تھا۔متعلق طرثیث اطراف نیشاپور) اور محض اپنے ذاتی فضل وکمال کی وجہ سے کاتب کے درجہ سے وزارت تک پہونچا تھا۔تاریخ آل سلجوق مین تحریر ہے کہ جب سلطان طغرل بیگ نیشاپور مین وارد ہوا ہے تو اُسکو ایک ایسے کاتب کی ضرورت ہوئی کہ جو عربی فارسی علم ادب پر قادر ہو۔چنانچہ خواجہ الموفق (ہبۃ اللہ) والد ابو سہل افسر دار الانشا فارسی نے ابو نصر کو پیش کیا اور سلطان نے اس نوجوان کو اپنا کاتب اور دار الانشاء عربی کا افسر مقرر کردیا۔" جو بعد کو اپنی کارگزاریون سے طغرل بیگ کا وزیر ہوگیا۔چنانچہ دولت سلجوقیہ مین سب سے پہلے وزیر ہونے کی عزت ابو نصر کو حاصل ہوئی ہے مورخین نے اسکی مدح کی ہے۔خود صاحب فضل وکمال تھا اسوجہ سے علما اور شعرا کی عزت کرتا تھا۔امام الحرمین اور امام ابو القاسم قشیری اسکے دربار مین تشریف لایا کرتے تھے۔اور وہ اُنکے خیالات سے مستفید ہوا کرتا تھا۔اسکی مدح مین عربی فارسی مین بکثرت قصائد موجود ہین (باقی آیندہ)

خطاب مرحمت فرمایا۔ اور عمید الملک و نظام الملک نے ملکر سلطنت کا کام شروع کیا مگر خواجہ کو شرکت فی الوزارت منظور نہ تھی۔ اور نہ وہ عمید الملک کو دیکھ سکتا تھا۔ مگر مجبوراً کیا کرتا موقع کا

بقیہ صفحہ ۵۴) جسمین سے ابوالحسن الباخرزی اور ابو منصور ابن تعاذری کا کلام خاصکر قابل ملاحظہ ہے۔ طغرل بیگ کے زمانہ مین جو ملکی کارنامے اِس وزیر کے ہین وہ حالات طغرل بیگ مین لکھدیے گئے ہین۔ اِسکے مذہب مین اختلاف ہے بعض نے شافعی لکھاہے اور بعض نے حنفی۔ مگر اسکا تعصب مذہب ضرب المثل ہے۔ اسکی عمر کا اخیر حصہ نہایت رنج والم مین گذرا طغرل بیگ کے انتقال پر چند روز کے واسطے الپ ارسلان کا وزیر مقرر ہوگیا تھا۔ مگر یہ عہد اُسکے حق مین کچھ مفید ثابت نہ ہوا۔ اور بہت جلد قتل کردیا گیا۔ مورخین کا بیان ہے کہ خواجہ نظام الملک اسکے قتل مین بہت ساعی ہوا کیونکہ وہ اسکی زبردست چالون سے ڈرا کرتا تھا۔ اگر خواجہ چاہتا تو ابو نصر کی جان بخشی ہوسکتی تھی مگر شوق وزارت نے خواجہ کو اس نیکی سے محروم رکھا۔ جب ابو نصر کو قید مین ایک سال گذر گیا۔ تو الپ ارسلان نے دو غلام اِسکے قتل کے واسطے روانہ کیے جب یہ غلام ابو نصر کی خدمت مین حاضر ہوے اُسوقت وہ بخار مین پڑا تڑپ رہا تھا۔ اسی حالت مین اسکو قتل کا حکم سنایا گیا جب ابو نصر کو معلوم ہوا کہ اب موت دم لیکے ٹلیگی تو اُسنے غسل کیا اور عرصہ تک توبہ استغفار کرتا رہا۔ پھر اپنے حرم سرا مین گیا اور سب عزیزون سے ہمیشہ کے واسطے رخصت ہو آیا۔ اِسکے بعد مسجد مین داخل ہوا اور دو رکعت نماز پڑھی پھر مرنے پر تیار ہوگیا اور ایک غلام نے تلوار سے سر اوڑا دیا۔ اور غریب مقتول کا سر بمقام کرمان الپ ارسلان کے سامنے لاکر رکھا گیا۔ آثار الوزرا کی روایت ہے کہ جب جلاد تلوار لیکر سر پر کھڑا ہوا تو عمید الملک نے ایک غلام سے کہا کہ مجھ عاجز کی طرف سے الپ ارسلان سے کہدینا کہ تمھارے چچا طغرل بیگ نے مجکو قلمدان وزارت عطا کیا تھا اور تو شہادت کی عزت دیتا ہے۔ جسکا مجھے آخرت مین صلہ ملیگا اور وزیر نافذ فرمان سے کہنا کہ تونے بہت بُرا کیا وزیرکُشی کی بدعت تیری جانب سے ہوتی ہے۔ سلطان کو تونے یہ رسم سکھائی ہے اور وہ زمانہ قریب ہے کہ خود تو اور تیری اولاد اس آفت مین مبتلا ہوگی اور آخر مین فارسی کا یہ شعر پڑھا۔

ماسیلے روزگار خوردیم و شدیم — تاخود بکجا رسد سرانجام شما

عمید الملک بمقام کندر اپنے باپ کے پہلو مین دفن ہوا۔ اور خوش نصیبی سے چادر نبوی کا کفن میسر آیا۔ یہ چادر آبِ زمزم کی دھوئی ہوئی تھی اور خلیفہ مقتدی بامر عباسی نے اُسکو مرحمت فرمائی تھی اور جو کفنی گلے مین ڈالی گئی وہ ایک قمیص دبیقی تھا جو خود خلیفہ قائم بامر اللہ نے اسکو دیا تھا۔ عجب عبرت کا مقام ہے کہ عمید الملک کا عضو..... اسکی حیات مین خوارزم مین دفن ہوا (ایک خیانت کے جرم مین طغرل بیگ نے یہ سزا دی تھی) اور قتل کے (باقی آیندہ

منتظر رہا۔ چنانچہ محرم ۴۵۵ھ ۱۰۶۳ء کا واقعہ ہے کہ ایک دن عمید الملک خواجہ کی ملاقات کیلیے اُسکے گھر گیا اور پانسو دینار بطور نذرانہ پیش کیے۔ لیکن ملاقات کے بعد اکثر فوجی سردار عمید الملک کی خدمت مین حاضر ہوے الپ ارسلان کو جب اس واقعہ کی اطلاع ہوئی تو اُسنے اس کارروائی کو مشتبہ نظر سے دیکھا اور خواجہ کے اشارے سے عمید الملک کو گرفتار کرکے مرورود بھیجدیا۔ یہان ایک سال تک یہ جیلخانہ مین پڑا رہا اور بروز یک شنبہ ۱۶۔ ذی الحجہ ۴۵۶ھ مین الپ ارسلان کے حکم سے قتل کردیا گیا۔

چنانچہ مورخین کے نزدیک عمید الملک کی موت اور خواجہ حسن کی وزارت پر مستقل ہونے کی ایک ہی تاریخ ہے۔ اور یہ بالکل سچ ہے کیونکہ خواجہ نے جب تک عمید الملک قتل نہین ہوگیا اپنے تئین مستقل وزیر نہین سمجھا۔

اب انشاء اللہ جو واقعات تحریر ہونگے اُسکا تعلق خواجہ حسن کی وزارت سے ہوگا۔ اور اُن واقعات کی ابتدا ۱۶۔ ذی الحجہ ۴۵۶ھ ۱۰۶۴ء سے ہوگی۔

تبصرہ

تم اوپر پڑھ چکے ہو کہ خواجہ حسن کس ملک کا باشندہ تھا اور اُسکے خاندان کی کیا حالت تھی،

(بقیہ صفحہ ۵۵) وقت جو خون طشت مین جمع ہوا تھا وہ مرورود مین گاڑ گیا۔ باقی جسم کندر مین۔ دماغ نیشاپور مین اور کاسہ سر جسمین گھانس بھری گئی تھی وہ کرمان مین دفن ہوا۔ کچھ اوپر چالیس برس کی عمر مین آٹھ برس وزارت کرکے دنیا سے رخصت ہوا افسوس! ؎

ہے عجب سیر اگر دیدہ بینا دیکھے دیکھنا ہو جسے عبرت کا تماشا دیکھے

از نگارستان صفحہ ۱۷۸۔ ابن خلکان تذکرہ حسن۔ ریاض النصرۃ صفحہ ۲۹۔ ۳۰۔ روضۃ الصفا۔ آثار الوزراء حالات نظام الملک۔ گنج دانش صفحہ ۵۰۲۔ حالات نیشاپور۔

اور ولادت کے بعد کس عنوان سے اسکی تعلیم و تربیت شروع ہوئی۔ اور نیز یہ بھی معلوم ہے کہ طالب علمانہ زندگی کے بعد اُسنے کن ممالک کا سفر کیا اور دارالسلطنت غزنین سے نکلکر آل سلجوق کے دربار مین کیونکر آیا۔ اور پھر دفتر انشا کی ملازمت سے ترقی پاکر مسند وزارت پر بیٹھا اور ایسا بیٹھا کہ مرکر اُٹھا۔

لیکن اِسپر بہت کم غور کیا ہوگا کہ جو تاریخ اُسکے مستقل وزیر ہونے کی ہے اُسوقت وہ اپنی عمرِ طبعی کی کتنی منزلین طے کر چکا تھا۔ اور تاریخ ولادت سے تاریخ وزارت تک اُسپر انقلاب کے کسقدر طوفان آچکے تھے۔ چونکہ اس طلسم کی پردہ کشائی سوانح نگار کے لیے ایک ضروری امر ہے لہذا ظاہر کیا جاتا ہے کہ خواجہ حسن کو اڑتالیس[۴۸] برس کی عمر مین خلعتِ وزارت عطا ہوا تھا۔ اور کچھ کم اُنتیس[۲۹] سال وزارت کرکے دنیا سے رخصت ہوا جسکی تفصیل یہ ہے۔

صحیح روایتون کے مطابق خواجہ حسن کی ولادت بروز جمعہ اکیسوین[۲۱] ذیقعدہ ۴۰۸ھ مین ہوئی اور ۴۱۳ھ مین یعنی تقریبًا پانچ برس کی عمر مین مکتب نشینی کی رسم ادا ہوئی۔ اور ۴۱۹ھ مین حفظ کلامِ مجید سے فراغ حاصل کیا۔ کم سن بچون کے واسطے حفظ قرآن سے زیادہ مشکل اور کوئی کام نہین ہے اسلیے یہ ناممکن ہے کہ بجز حفظ کے خواجہ نے دوسرے علوم و فنون کی بھی تعلیم پائی ہو۔ قطع نظر اسکے خواجہ کا چچا عبداللہ خود فقیہ تھا۔ اور خواجہ کا باپ بھی ایک دیندار اور مذہبی شخص تھا اسلیے یہ بعید معلوم ہوتا ہے کہ کلام مجید کو ناتمام چھوڑ کر دوسری طرف توجہ کی گئی ہو۔ غرضکہ بارھوین سال سے فقہ اور حدیث کی باضابطہ تعلیم شروع ہوئی اور دارالعلوم نیشاپور کی روانگی تک خانگی طور پر یہ سلسلہ جاری رہا۔ اگرچہ کسی مورخ نے یہ نہین لکھا کہ فقہ اور

حدیث وغیرہ کی تحصیل کس عمر تک ہوئی لیکن واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلسل دس برس تک یہ علمی مشغلہ جاری رہا کیونکہ ۴۲۹ھ کے خاتمہ پر یا ۴۳۰ھ کے ابتدامین خواجۂ حسن نے نیشاپور کا سفر کیا تھا۔ اگرچہ تاریخون مین روانگی سفر کی تاریخ تحریر نہین ہے۔ مگر مندرجۂ ذیل قرائن سے اسکا پتہ چلتا ہے۔

اولؔ یہ کہ ۴۲۹ھ مین سلجوقیون کا طوس پر قبضہ ہوا اور خواجہ علی (خواجہ حسن کا باپ) سلطان چغر بیگ داؤد سلجوقی کی طرف سے طوس مین صاحب الخراج کے عہدے پر مقرر کیا گیا۔ سلجوقیون کا اگرچہ طوس پر قبضہ ہوچکا تھا۔ مگر عراق کا وسیع ملک فتح کرنے کو پڑا ہوا تھا۔ اور شاہان غزنویہ کی چھیڑ چھاڑ چلی جاتی تھی۔ اسلیے خواجہ نیشاپور بھیجدیا گیا تاکہ امن وعافیت کے ساتھ تعلیم ہو۔ اور گھر کی تعلیم کے مقابلے مین کالج کی تعلیم جو فضیلت رکھتی ہے وہ ظاہر ہے۔

دوسرےؔ یہ کہ حکیم عمر خیام کے حالات[۱] مین لکھا ہے۔ کہ ۴۳۰ھ مین وہ داخل مدرسۂ (نیشاپور) ہوا ہے۔ اور داخلہ کے بعد حسن صباح اور خواجہ حسن اور عمر خیام ہمدرس ہوئے ہین۔ اور فراغ کے بعد ایک ساتھ ان دوستون نے مدرسہ چھوڑا ہے۔ اور بقول خواجہ حسن دارالعلوم نیشاپور مین کل ۴ برس تعلیم پائی ہے۔ لہذا مدرسہ کی تعلیم ۴۳۴ھ مین ختم ہوجاتی ہے۔ اب مکتب نشینی سے حساب لگایا جائے تو پوری اکیس[۲۱] برس کی مدت ہوتی ہے اور اُس عہد کی تعلیمی مدت کا پیمانہ اقل درجہ پچیس تیس سال تھا۔ اور جب عمر کا اسقدر قیمتی حصہ چراغون کی روشنی اور مساجد ومدارس کے حجرون مین صرف کیا جاتا تھا تب دستار فضیلت

[۱] دیباچۂ رباعیات عمر خیام مطبوعہ بمبئی۔

میسر ہوتی تھی۔ اور جو طالب علم نکلتا تھا وہ آسمان شہرت پر آفتاب ہو کر چمکتا تھا۔

بہرحال طوس اور نیشاپور مین خواجہ نے جسقدر فضل وکمال حاصل کیا وہ خواندگی اور مدت کے لحاظ سے کچھ کم نہین ہے۔ مگر نہین، خواجہ نے ہنوز کتاب بند نہین کی ہے۔ اور اُسکو ابھی مدت تک ورق گردانی کرنا باقی ہے۔

کتاب الوصایا مین جسقدر حالات خواجہ نے اپنی تعلیم و تربیت کے لکھے ہین اُنسے معلوم ہوتا ہے کہ دارالعلوم نیشاپور سے خواجہ سیدھا طوس کو آیا ہے۔ کیونکہ دوسرے شہرون کی سیر و سیاحت کا کوئی ذکر خواجہ نے نہین کیا ہے۔ البتہ اسکی صراحت کہین نہین کی ہے کہ نیشاپور سے واپس ہوکر خواجہ کس شغل مین مصروف ہوا۔ اور کس مدت تک طوس مین ٹھہرنا پڑا یہان قیاسات سے کام لینا بیکار ہے لیکن خواجہ نے جب طوس سے بخارا کا سفر کیا ہے۔ تو مختصر الفاظ مین اس سفر کا ذکر کیا ہے گو سنہ و سال کی صراحت نہین کی ہے۔ لیکن یہ معما اسطرح پر حل ہوجاتا ہے۔ کہ رستہ مین خوش نصیبی سے شیخ ابوسعید ابوالخیر سے ملاقات ہوئی ہے اور شیخ نے پند و نصائح کے بعد فرمایا ہے کہ خواجہ آج تو جس مجلس مین پہلے دن آیا ہے وہ اس مجلس کا آخری دن ہے، اور اب تجھسے بظاہر ملاقات نہ ہوگی "

جسکے معنی بطور رمز و کنایہ یہ تھے کہ یہ دن شیخ کے وصال کا تھا۔ اور عالم فانی سے عالم جاودانی کو کوچ کرنا تھا۔ یہ تحریر خود خواجہ حسن کی ہے۔ جسکے لیے مزید شہادت کی حاجت نہین ہے اور صحیح[1] روایت کے مطابق شیخ موصوف نے ۴۴۱ھ مین انتقال فرمایا ہے۔ اسلیے ظاہر ہے

[1] جنوری ۱۰۴۹ء مطابق ۴۴۱ھ انسائیکلوپیڈیا برطانیکا جلد نمبر ۱۷۔ حالات عمر خیام۔

کہ خواجہ کا یہ دوسرا سفر ۴۲۱ھ مین ہوا۔ اور یہ بھی محض حصول علم کے لیے تھا جیسا اپنے موقع پر لکھا جاچکا ہے) آگے چلکر پھر نہین معلوم ہوتا کہ بخارا مین کتنے دنون خواجہ کا قیام رہا ہے۔ لیکن کم ازکم اگر تین برس فرض کر لیے جاوین۔ اور واپسی نیشاپور سے سفر بخارا تک جسقدر زمانہ گزرا ہے اسکو فرض کرلین کہ کتب بینی یا علمی تحقیقات مین صرف ہوا تو خواجہ حسن کی مسلسل طالبعلمی کا زمانہ تیئیس ۲۳ برس قرار پاتا ہے۔ اور یہ مدت ایک جید عالم ہونے کے لیے کم نہین ہے"۔ اور عہدۂ وزارت کے واسطے بھی اسقدر فضل وکمال اور اٹھارہ ۱۸ سال کا تجربہ سیر وسفر وملازمت کافی ہے۔ خواجہ نظام الملک نے مستقل وزیر ہوکر خدمات وزارت کو کیونکر انجام دیا اور کیا کارنامے چھوڑے؟ یہ واقعات اپنے موقع پر لکھے جائینگے۔ اب ہم اُس کے ذاتی فضل وکمال کا تذکرہ لکھتے ہین۔

خواجہ نظام الملک کا فضل وکمال، فقہ، حدیث، شاعری کا تذکرہ، انشا کا نمونہ، تصنیفات۔

اسلام کے وسیع عہد حکومت مین ایک ہی نسبت سے اکثر نامور فرمانروا تاج وتخت کے اور وزرا مسند وزارت کے مالک ہوئے ہین۔ یعنی جیسے تاجدار فضل وکمال مین فرد ہوتے تھے ویسے ہی وزیر بھی اپنی شان یکتائی مین بےمثل نظر آتے تھے۔ اور سلاطین عجم کو یہ خاص عزت حاصل ہے کہ جسطرح سلطان ابن سلطان ہوتا تھا۔ اُسیطرح وزیر ابن وزیر ہوتا تھا۔ اور یہ وراثت صدیون تک قائم رہی ہے۔

وزیر کے انتخاب مین ہر عہد مین خاص اہتمام کیا گیا ہے۔ حتی کہ جاہل اور وحشی حکمرانون نے بھی

اپنے لیے ایسا وزیر منتخب کیا ہے۔ جسکو زمانہ نے فلاسفر اور حکیم کے معزز لقب سے یاد کیا ہے۔

مؤرخین کا اسپر اتفاق ہے کہ یحیٰی[۵۱] برمکی اور صاحب[۵۲] ابن عباد کے بعد کوئی وزیر جامعیت

---

[۵۱] ابو الفضل یحیی بن خالد بن جعفر بن جاماسب برمکی خلیفہ ہرون الرشید عباسی کا نامور وزیر ہے ۱۱۹ھ / ۷۳۷ء مین پیدا ہوا۔ ۳۔ محرم ۱۹۰ھ / ۸۰۵ء مین بمقام رقہ انتقال کیا۔ ہرون الرشید کے عہد کی ملکی، مالی، علمی ترقیان یحیی کے عہد وزارت مین ہوئین۔ یحیی کی فیاضی، اور علمی قدر دانی کے واقعات سے تاریخ اور ادب کی کتابین مالامال ہین۔ فضل اور جعفر یحیے کے دو بیٹے اسکے بعد وزیر ہوے۔ اور جعفر کے قتل کے بعد برامکہ پر تباہی آگئی اور انکے حالات آیندہ نسلون کے واسطے عبرت ہوگئے۔ تفصیلی حالات کے لیے ہماری کتاب البرامکہ دیکھنا چاہیے۔

[۵۲] ابو القاسم اسمعیل بن ابو الحسن عباد طالقانی ملقب بہ صاحب۔ ۳۲۶ھ / ۹۳۸ء مین بمقام طالقان (قزوین) پیدا ہوا اور ۳۸۵ھ / ۹۹۵ء مین بمقام رے انتقال کیا۔ وزراے اسلام مین صاحب ایسا باکمال اور نادر روزگار شخص ہے۔ کہ خود نظام الملک اسکا مداح ہے۔ فضل وکمال کے لحاظ سے طبقۂ علما مین شمار کیا جاتا ہے۔ مؤید الدولہ ابو منصور بویہ بن رکن الدولہ دیلمی کا وزیر تھا۔ اور اُسکے انتقال پر فخر الدولہ کا وزیر ہوا۔ یہ زمانہ اسکی وزارت کا نہایت کامیاب تھا۔ ابو القاسم اسمعیل وزرا مین پہلا شخص ہے جو صاحب کے لقب سے ممتاز ہوا۔ اور اسکے بعد دیگر وزرا بھی صاحب کہلائے۔ ہر علم وفن کے باکمال اسکے دربار مین موجود رہتے تھے لیکن شعرا کی تعداد سب پر غالب تھی۔ صاحب کی مدح مین جسقدر قصائد اور متفرق اشعار ہین انکے انتخاب کے واسطے ایک مجلد چاہیے۔ نوح بن منصور سامانی نے صاحب سے یہ خواہش کی تھی کہ وہ اسکی وزارت اختیار کرے لیکن صاحب نے فخر الدولہ کے دربار سے جانا پسند نہین کیا اور معذرت نامہ بھیجدیا منجملہ عذرات کے ایک عذر یہ تھا کہ اگر مین حاضر خدمت ہونیکا قصد کرون تو صرف کتب خانہ کے واسطے چار سو اونٹ درکار ہونگے'' یہ واقعہ صاحب کی علمی زندگی کا ایک مختصر خاکا ہے۔ ادبی کتابون سے ذوق وشوق کا یہ عالم تھا کہ ملک کے دورہ کے زمانہ مین صرف تیس[۳۰] اونٹون پر کتابین ہمراہ ہوتی تھین علامۂ ابو الفرج اصفہانی کی کتاب الاغانی (یہ کتاب پچاس برس مین مرتب ہوئی تھی اور اب مصر مین ۲۰ جلدون مین چھپ گئی ہے) کی نقل سب سے پہلے صاحب کے واسطے لکھی گئی تھی۔ تصنیفات مین المحیط (لغت، ۷ جلدین)، کتاب الکافی فی الرسائل۔ کتاب الاعیاد وفضائل النیروز۔ کتاب الامامۃ۔ کتاب الوزرا کتاب الکشف عن مساوی شعر المتنبی۔ مشہور ہین۔ جسدن صاحب نے انتقال کیا ہے اُس دن (باقی آیندہ)

اور فضل وکمال مین خواجہ نظام الملک کا ہمپلہ نہین ہوا ہے۔ افسوس ہے کہ وزارت کے انتساب
نے نظام الملک کو وزرا کے سلسلہ مین داخل کیا ہے۔ ورنہ فقہ۔ حدیث۔ تفسیر۔ ادب۔ حکمت۔ کونسی
انجمن ہے کہ جسکا وہ معزز رکن نہین ہے۔ وہ ہر لڑی مین واسطۃ العقد ہے اور ہر زنجیر مین طلائی کڑی!

فقہ

تاریخ اور تذکرہ مین خواجہ نظام الملک کی شہرت بحیثیت ایک مدبر وزیر کے ہے اور وہ عام
طور پر فقیہ کے لقب سے مشہور نہین ہے۔ لیکن اُسکی نسبت یہ خیال کرنا کہ وہ فقیہ نہ تھا صحیح نہین ہے،
خواجہ نظام الملک طبقۂ علما مین وزارت سے زیادہ فقاہت مین مشہور تھا۔ اور خواجہ کے
فقیہ ہونیکا ثبوت جستہ جستہ اُسکے حالات سے بھی ملتا ہے اور اُسکے عدالتی فیصلون مین
بھی فقہ کی روشنی پائی جاتی ہے۔ ابن خلکان مین تحریر ہے "وَكَانَ مَجْلِسُهٗ عَامِرًا بِالْفُقَهَاءِ"
یعنی خواجہ کی مجلس فقہا سے بھری رہتی تھی۔ یہ مختصر فقرہ معمولی نہین ہے۔ کیونکہ مثل علوم متعارفہ
کے یہ مسلم ہے کہ انسان جس علم وفن مین کمال یا خاص دلچسپی رکھتا ہے وہی اُسکا اوڑھنا بچھونا
ہوتا ہے۔ اگر خواجہ کو فقہ سے خاص ذوق وشوق نہ ہوتا تو اسکی مجلس مین بھی بجاے فقہا کے
ایشیاے کوچک کے پری پیکر نازنینون کا جُھرمٹ ہوتا بے تکلف اور زندہ دل احباب
جمع ہوتے۔ اور کوئی خوش آواز مغنی یہ ترانہ چھیڑتا ؎

بدہ ساقی مے باقی کہ در جنت نخواہی یافت   کنار آبِ رُکنا باد و گلگشت مصلّے را

بقیہ صفحہ (۶۱) شہر کے تمام دروازے بند ہوگئے تھے اور فخر الدولہ مع خدم حشم وعام رعایا کے جنازے کے ہمراہ تھا۔ صاحب کا
والد ابو الحسن عباد رکن الدولہ دیلمی کا وزیر تھا"، وزراے اسلام کا سلسلہ قائم رہا تو انشا اللہ کسی زمانہ مین ہم
مستقل سوانح عمری اس وزیر کی پیش کرینگے"۔ انتخاب از ابن خلکان ۔ جلد اول

لیکن کسی مورخ نے خواجہ کو عیش و طرب کی مجلس مین رندانہ وضع سے نہین دیکھا ہے بلکہ خواجہ کو ہمیشہ مذہبی رنگ مین پایا ہے۔

خواجہ کی ابتدائی حالات مین بھی تم پڑھ چکے ہو کہ اسکا چچا عبد اللہ فقیہ تھا اور اُسنے سب سے پہلے خواجہ کو فقہ کی تعلیم دلوائی تھی۔ اور یہی شوق خواجہ کو امام موفق نیشاپوری کی درسگاہ مین لیگیا تھا

حدیث

فقہ کی طرح حدیث مین بھی اگرچہ خواجہ نظام الملک محدث مشہور نہین ہوا۔ مگر یہ تحقیق ہے کہ حدیث مین خواجہ محدثانہ درجہ رکھتا تھا اور بزرگان سلف کے تذکرے اگر بنظر غور ملاحظہ کیے جائین تو ہمین ہزارون ایسے باکمال ملین گے جو محدث کا درجہ رکھتے تھے۔ لیکن انکی شہرت اس معزز لقب سے نہین ہوئی بلکہ کمال غالب کے لحاظ سے مشہور ہوے اور بقیہ علمی جوہر چھپے رہگئے۔ چنانچہ اسی استثنا مین خواجہ بھی داخل ہے۔

ابن خلکان نے خواجہ کے حالات لکھتے ہوے علم حدیث کے متعلق حسب ذیل فقرے لکھے ہین "وسمع نظام الملک الحدیث واسمعه وکان یقول اَنّی لا اعلم انّی لست اهلا لذلك ولکنی ارید ان اربط نفسی فی قطار نقلة الحدیث رسول الله صلی الله علیه وسلم"

ابن خلکان کی شہادت خواجہ کی محدث ہونے کی کافی دلیل ہے۔ اور چونکہ رسول اللہ صلعم سے دلی ارادت رکھتا تھا۔ لہذا بمقتضاے ادب کہتا ہے کہ "بھلا مین اس قابل کب ہون کہ حدیث کی روایت کرون لیکن میرے لیے یہی فخر کیا کم ہے کہ مین رسول اللہ کے راویان حدیث کے زمرے مین داخل ہوجاؤن"

طبقات الکبری کی روایت ہے کہ خواجہ نظام الملک نے حسب ذیل مقامات پر مشہور محدثین سے حدیثین سیکھین۔

اصفہان۔ محمد بن علی بن مہر بردادیب۔ ابو منصور شجاع بن علی بن شجاع۔

نیشاپور۔ اُستاد ابوالقاسم قشیری۔

بغداد۔ ابوالخطاب بن البطر وغیرہ۔

مذکورۂ بالا شیوخ حدیث کے علاوہ خواجہ نظام الملک نے خاص دارالخلافت بغداد مین مجالس حدیث سے بھی فائدہ اٹھایا۔

حدیث کی تعلیم کا طریقہ بغداد وغیرہ مین اسطرح پر جاری تھا۔ کہ شیخ مجمع عام مین ایک بلند مقام پر بیٹھ جاتا تھا اور شاگرد قلم دوات لیکر سامنے بیٹھتے۔ اور شیخ کے الفاظ قلمبند کرتے جاتے۔ اور جب طلبہ کا ہجوم ہوتا تو ایک مستملی کھڑا ہو کر شیخ کی روایت کے الفاظ بلند آواز سے دور کے بیٹھنے والون تک پہونچاتا۔ ایسی مجالس کو "مجالس املا" کہتے تھے۔ چنانچہ خواجہ نے جامع مہدی عباسی اور مدرسہ کی مجالس املا سے نفع اٹھایا۔ اِن مجالس مین نامور ائمہ حدیث تشریف لاتے تھے۔ اور علاوہ مقامات مذکورۂ بالا کے طالب علمی کے سب سے اخیر زمانہ مین خواجۂ نظام الملک بخارا گیا تھا۔ اور اس سفر سے صرف حدیث کی تکمیل منظور تھی۔ اور خاک بخارا کو حدیث شریف سے جو ازلی ابدی مناسبت ہے وہ محتاج بیان نہین ہے۔

روایت حدیث طبقات الکبری مین خواجۂ نظام الملک سے صرف ایک حدیث روایت ہے۔ جسکو ہم بھی تبرکاً نقل کرتے ہین۔

أخبرنا عبد الغافر بن محمد بن عبد القاهر الماكسني بقراءتي عليه بدمشق أنا عبد المنعم ابن يحيى بن إبراهيم الزهري الخطيب أنا أبو عبد الله محمد بن أبي المعالي عبد الله ابن جامع بن البناء الصوفي في سنة ثمان وستمائة أنا نصر بن نصر الطبري أنا نظام الملك أبو علي الحسن بن علي بن إسحق الوزير أنا أبو بكر أحمد بن منصور بن خلف أنا أبو طاهر ابن خزيمة ثنا محمد بن إسحق السراج ثنا قتيبة ثنا مالك بن أنس عن عامر بن عبد الله ابن الزبير عن عمرو بن سليم الأنصاري عن أبي قتادة السلمي - أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال إذا جاء أحدكم المسجد فليركع ركعتين قبل أن يجلس "

یعنی رسول اللہ صلعم نے ارشاد فرمایا ہے کہ جب تم مسجد مین داخل ہو تو بیٹھنے سے پہلے دو رکعت نماز ادا کرو"

افسوس ہے کہ مورخین نے نظام الملک کے مذہبی حالات لکھنے مین زیادہ توجہ نہین کی ورنہ ایک سے بہت زیادہ حدیثین ملتین لیکن یہ طے شدہ مسئلہ ہے کہ قلت روایت سے کسی صحابی یا امام پر کوئی شخص قلت نظر کا الزام نہین لگا سکتا ہے۔ چنانچہ حضرت ابو ہریرہ اور حضرت عبد اللہ ابن عباس کے مقابلہ مین جنسے ہزارون حدیثین روایت ہین حضرت ابو بکر صدیق، فاروق اعظم، حضرت عثمان اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے جو حدیثین روایت ہین انکی مجموعی تعداد دو سو سے کم ہے حالانکہ رسول اللہ صلعم سے جسقدر قرب و اختصاص خلفاے اربعہ کو تھا وہ اور صحاب کو میسر نہین آیا۔ لیکن مقابلہ کی نظر سے کون کہہ سکتا ہے کہ ان ارکان اسلام کو صرف معدودی چند حدیثین یاد تھین۔ غرضکہ روایت حدیث مین اس اصول کے لحاظ سے یہ لازم نہین آتا ہے کہ خواجہ نظام الملک حدیث مین کم مایہ تھا۔ بلکہ اپنے زمانہ کا وہ بھی ایک شیخ تھا۔ اور خواجہ کی

تیس برس کی طالب العلمی بھی ایک بیّن شہادت اس امر کی ہے کہ وہ علماے روزگار مین شمار ہونے کے لائق ہے۔

شاعری

خواجہ نظام الملک کو شعر و شاعری سے دلچسپی نہ تھی۔ اور اسکا سبب ایک تو یہی ہے کہ طبعی[1] مذاق نہ تھا۔ دوسری وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ بچپن سے فقہ اور حدیث کی تعلیم دی گئی تھی۔ جسنے طبیعت کو شعر و سخن کی جانب متوجہ نہین ہونے دیا۔ تاہم مثل دیگر فنون کے شاعری سے نابلد نہ تھا افسوس ہے کہ تاریخ اور تذکرون مین بجز ایک قطعہ اور رباعی کے اسکا کوئی اور کلام درج نہین ہے۔ بہرحال ناداری مین یہ بھی غنیمت ہے۔ نظام الملک کی مجلس مین جسقدر انعام اور اکرام صوفیہ اور علما کے حصہ مین آیا اسکے مقابلے مین شعرا منزلون دور رہے اور انکی محرومی کا باعث وہی مذاق شاعری تھا جسکی خواجہ مین بہت کمی تھی۔

ابن خلکان مین خواجہ نظام الملک کے عربی اشعار بھی درج ہین۔ مگر خود مورخ مذکور کو انکی صحت مین شک ہے اور لکھتے ہین کہ بعض لوگ اسکو ابو الحسن محمد بن ابو الصقر واسطی کی جانب منسوب کرتے ہین[2]۔ لیکن عربی زبان مین اگر خواجہ کے اشعار ہون تو اُسکے فضل و کمال کے مقابلہ مین یہ ایک ادنی بات ہے۔

---

[1] خواجہ بزرگ نظام الملک رحمۃ اللہ در حق شعرا اعتقادی نداشت از آنکہ در معرفت آن دست نداشت۔ چہار مقالہ نظامی صفحہ ۸۹۔

[2] اور وہ اشعار حسب ذیل ہین۔

بعد الثمانین لیس قوۃ	قد ذھبت شرۃ الصبوۃ
کاننی والعصا بکفی	موسیٰ و لکن بلا نبوۃ

رباعی یہ رباعی[1] ایک خاص موقع پر عمید منصور کو لکھی تھی جس کی تفصیل آداب وزارت مین مفصلاً درج ہے۔

ازسر بنہ این نخوتِ کاؤسی را   بگذار بجبرئیل۔ طاؤسی را

یعنی ہمہ صوفہاے قیروسی را   پیش آر۔ دگر گاؤ گوطوسی را

قطعہ یہ قطعہ[2] اُسوقت موزون کیا ہے کہ ایک ظالم فدائی نے خواجہ نظام الملک کو چھری سے زخمی کردیا ہے اور ملک شاہ سرہانے بیٹھا ہے۔ اور نزع کا وقت قریب آتا جاتا ہے۔

سی سال باقبالِ تو ای شاہِ جوان بخت   گردِ ستم از چہرۂ ایام ستردم

منشورِ نکونامی و طغرای سعادت   پیشِ ملک العرش بتوقیعِ تو بردم

چون شد ز قضا مدت عمرم نود و شش   اندر سفر از ضربتِ یک کارد بمردم

بگذاشتم[3] این خدمتِ دیرینہ بفرزند   اورا بخدا و بخداوند سپردم

نثر فارسی

خواجہ نظام الملک کے متفرق مضامین یا کوئی مستقل تصنیف نثر عربی مین موجود نہین ہے جس سے اُسکے زورِ قلم کا اندازہ ہوسکے۔ البتہ فارسی مین ایک بڑا ذخیرہ نثر کا موجود ہے۔ جو خواجہ کے فضل و کمال کی ایک زندہ یادگار ہے۔ خواجہ کے نثر کا طرز وہی ہے جو عموماً پانچوین صدی کے علما اور انشا پردازون کا تھا۔ چنانچہ جسنے امام غزالی وغیرہ کی فارسی تصنیفات پڑھی ہین اُسکو

---

[1] وصایاے نظام الملک نسخہ قلمی ۵۲ [2] آثار الوزرا نسخہ قلمی ۵۳ [3] دوسرا مصرعہ شہاب الملک برہانی شاعر کی جانب منسوب ہے کہ خواجہ کے انتقال کے بعد اسنے یہ مصرعہ لکھکر قطعہ پورا کردیا تھا اور بعض تذکرون مین اس شعر کا شان نزول کچھ اور ہی لکھا ہے جسکی تفصیل امیر معزی کے حالات مین ہمنے لکھدی ہے

اس طرز کا بخوبی اندازہ ہوجائیگا۔

بطور نمونہ کے ہم صرف دو خطون پر اکتفا کرتے ہین۔ جو خواجہ نے اپنے نامور بیٹون
مؤید الملک اور فخر الملک کو لکھے ہین۔ یہ خط نہ صرف خواجہ کے انشا کا نمونہ ہین بلکہ
انکی دینداری اور اخلاق و عادات کا بھی آئینہ ہین کہ جس سے ہر خال و خط نمایان طور پر نظر آتا ہے

مکتوب بنام مؤید الملک

بدانکہ ای پسر کہ مایۂ نیکیِ دو جہان اعتقاد نیکوست، و شناختن حق تعالی بیگانگی کہ ہمیشہ بود وہست
و باشد، و تغیر و انتقال و زوال برو محال ست، و ایمان بایزد تعالی کہ بایمان رسول صلی اللہ
علیہ وسلم مقرون بود و بداند کہ محمد مصطفے صلی اللہ علیہ وسلم خاتم انبیاست و بہترینِ خلق و
دین او حق است۔ و باید کہ او را دوست داری، و اصحابِ او را، و اہلبیت او را کہ ایمہ بحق اند
و دشمنی ہیچکس از گویندۂ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ باید کہ در دل تو نباشد۔ و باید کہ
حرمتِ علما کہ ورثۂ انبیا اند نیکو شناسی۔ خاصہ کسانی کہ از شجرۂ نبوت بتطہیر و تشریف مخصوص باشند
و بعد از ان باید کہ پیش از صبح برخیزی و بدانی کہ پگاہ خواستن برکت عظیم دارد و کارہاے
بستہ بکشاید۔ و زندگانی بیفزاید۔ و ہمیشہ کلمۂ شہادت بر زبان رانی، و نماز را بگذاری، و
از قرآن ورد بر خود لازم کنی، و از دعوات ماثورہ بخوانی تا روز بر تو بخوشدلی گزرد، و
ہمیشہ با ادیب جامع یا ورع نشینی یا باہنرمندی لطیف ظریف تا چیزی در تو آموزد و محفوظات
بہ تکرار بر تو نگاہ دارند و درگاہِ لطافت با ندیم طبع کشودہ میشود و ہر روز از شعر تازی و پارسی

[1] آثار الوزرا سیف الدین عقیلی نسخۂ قلمی و نسخۂ منتخب سعید مطبوعۂ قدیم لکھنو صفحہ ۷۶، ۷۷

ور رسائل و آداب آنچه توانی بر خاطر میگیر، و پس از نماز پیشین باید که طبع را بمسائل نحو و تصریف و اشکال هندسه و قیاسات منطقی ریاضت دهی. و بمشق خط قیام نمائی تا خط مستقیم گردد و آنچه هست قناعت نکنی. و در اول شب باید که ساعتی نیک بمباحثه و استفادت و مناظرت با هنرمندان و ظریفان به نشینی، و از لطائف آداب و حکایات و امثال و ابیات چیزی یاد گیری چون برین جمله پیش گیری زود از اقران خود راجح شوی. باید که زبان از دروغ و غیبت نگاه داری و عیب کسان نگوئی، و در ظرافت ترکیب سخن از مقداری تجاوز نکنی که بحرمت و مال کسی از زبان باز دهد چه اگر کسی براست گوئی معروف شود اگر وقتی از برای مصلحتی دروغ بگوید قبول کنند و اگر به دروغ گوئی معروف گردد اگر چه نیز راست گوید قبول نکنند و کارش بسته باشد و باید که بعهود و مواثیق وفا کنی و عزم درست داری تا در چشم همه کس عزیز باشی و زشت نامی بسود دنیائی خریدن زیان سهمگین بود و هر درمی که از مکاسب دون بحاصل آید حجاب صد هزار دینار گردد و اگر کسی بخلاف این ابواب پیش تو تقریر کند از غیبت و عیب مردم و پدید آوردن توفیر از زشت نامی و کاهلی کردن در تحصیل هنر و از دیو مردم شمری و از خویشتن دور کنی و البته غماز و نمام ساعی را پیش خود راه ندهی، و برانی، و از ندیمان و دوستان دورروی متملق اجتناب کنی که اصحاب حدیث نرم و خوش نشینی ترا از راه ببرند و زیان کار دینی و عقبی شوی و خدمتگاران با ادب مشفق نگاه داری و با دوستان که صاحب مکارم اخلاق باشند اختلاط کنی تا تواضع و خدمت تو باستحقاق باشد و طمع در محارم و حرمت مردمان نه کنی بهیچ وجه و هر کس که ترا بران تحریص کند خصم جان خویش دانی و در همه اوقات تازه روئے و خوش خلق باشی تا همه کس هوای تو کند (وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوا مِنْ حَوْلِكَ) و بر ظلم اقدام نه نمائی چه

دعاے مظلوم را اجابت نبود و با خلق منصف و نیکو معاملت باشی و با شریکان بہ تبرع و تفضل بسر بری تا نیکونام گردی و حسد و حقد در دل خود جاے نہ دہی کہ الحسود لا یسود و ہر وقت بہ تکلف نہ روی کہ گفتہ اند "التکلف شوم لانہ لا یدوم" و باید کہ سخن خردمندان بشنوی و با اہل صلاح نشینی و سیرت ایشان گیری تا ہمہ زبانہا ستودہ گردی، و آنچہ تعین شدہ است از موسوم و وظیفہ و رواتب خدمتگاران آنرا برسان۔ یکچندی قناعت باید کرد و بتحصیل علوم مشغول تا بس از انکہ بدرجۂ استقلال و استبداد رسی بمراد خویش در ہمہ تصرف کنی۔ انشاء اللہ تعالےٰ۔

مکتوب بنام فخر الملک

در مطلع عمر افتتاح کار نیکبختی را نیکونامی حاصل شود و خبر آن بدو و نزدیک برسد و دلہاے لشکری و رعیت بدو مائل شود و اگر در اثناے امور سہوی از و صادر گردد خصمان خواہند کہ بدنامی بدو حوالت کنند نتوانند این تذکرہ الیست مر فرزند اعز فخر الملک را کہ چون بدین قانون رود سعادت دو جہانی یابد انشاء اللہ تعالیٰ۔

(اول) باید کہ ہمہ رعایا از تو آسودہ باشند و ہر وقت کہ حقوق بر ایشان لازم شود بگزارد تا فارغ دل بکسب و مصلحت معاش خویش پردازند و آہستگی از ایشان بستانند و دری حوادث بیہودہ بر ایشان بستہ باشند و نگزارد کہ ہیچکس بعد از فرمودہ دیوان از ایشان چیزے خواہد، و رہگذریان باید کہ ایشان را بمجال نرنجانند۔

(دیگر) باید کہ در سراے خود بر متظلمان کشادہ دارد و در ہفتہ یک روز بدین کار پردازد و چنانک

بہیچ مصلحت نسازد ودران آہستگی کار فرماید تا بداند کہ آن متظلم را شکایت از چہ جہت است وتدارک آن
چگونہ می باید کرد تا انچہ فرماید از سر حقیقت وبصیرت باشد (دیگر) باید کہ امرای لشکر وخاصگیان
مخدوم را عزیز ومحترم دارد وہمچنین شیوخ وموالی وائمہ را بچشم حرمت بیند وہمہ را تفقد نماید وتعہد
کند وسبب غیبت بپرسد واگر بیمار شوند بعیادت رود واگر مصلحتے سازند وہم در پیش گیرند مدد ومعاونت
دہد ہم بمال وہم بخدمتگار وتجمل ورسمی کہ آن مہم را شاید وہمگنان را بشناسد ولقب ایشان را محفوظ
دارد وبا ایشان کشادہ روئی باشد تا بر متابعت وخدمت وی حریص گردند ومشفق شوند کہ
"اَلْاِنْسَانُ عَبِیْدُ الْاِحْسَانِ" وہر روز معروفان را بر خوان خود نان دہد وباندیان نزدیکان
بادشاہ زندگانی بجا کند وعزیز دارد وچیزہا بخشد (دیگر) در ہفتہ دو بار باید کہ پیش ارکان دولت
واصحاب مناصب طعام خورد وحکایتہا گوید کہ متضمن مصالح باشد واگر از دو روز بیشتر خورد ہتک
حشمت بود وہمہ کس را در حق مرتبت ومصلحت تعہد کند ونوروز وعید بہمہ کس کہ ملازمان دوستان
وحریفان ویاران وے باشند صلت وخلعت رساند وخوان نکو نہد (دیگر) نزدیکان وندیمان
کہ در حق کسی سخنی باسم شفاعت گویند یا حاجتی خواہند کہ ممکن گردد باید شنود وعذر باید خواست
کہ خدمت کنم وبنویسم اگرچہ مصلحت نباشد بقدر رو لداری باید کرد وبہیچ حال بر منع اصرار نباید
نمود (دیگر) بباید دانست کہ ہیچ کس مال بدان جہان نگیرد مگر انچہ دران نام نیکو حاصل گردد
جرایت وجایگی حشم وخدمتگاران بوقت خود برساند بی احتباس۔ از حال روسای نواحی و
عمال غافل نباید بود کہ از ایشان بر رعایا حیفہای عظیم باشند ودرویشان ازین سبب رنجور
وگران بار باشند چون دفع ایشان بکند نیکونامی بہمہ آفاق برسد از راہ روان وکاروان غافل

نباید بود تا راہہا امین باشد و آیندہ و روندہ بسلامت بود و رباطہا معمور دارد (دیگر) کار زر و
درہم نازک بود و نصرت آن بہمہ کس برسد متولی دار الضرب سدید باید و عیار دار امین و
عہدہ عیار باید کہ درگردن بیاعان و دلالان باشد و ہرماہ باید کہ یکبار کمیتی بکند و دیبار باید غلامان
و خدمتگاران خاص را بواجبی نگاہ دارد تا باادب و خرد باشند و اگر بے ادبی کنند مالش دہد باید کہ
از سر انصاف تمام نظر کند تا بر عادت قدیم بسویت ہمہ کس حق خود گیرد و مستزاد نکند و شرب
نیفزاید و در کمیت و کثرت باشریکان احتیاط چہ عمارت جہان بہ آبست و چون در ان ظلم
رود و خیانت کردہ باشند برکت از جہان بکلی مرفوع گردد و در راستی میان دہقنت صلاح کار
حرس و زرع فائدہ بسیار ست و بردزد و راہزن ہیچ وجہ ابقا نکند و قطع و قہر ایشان از اہم المہمات
داند و در حق زنان زور و بہتان نشنود و کسانیکہ بزنان ہتک حرمت و قصد نام و ننگ و عرض
مردم کنند در قہر ایشان مبالغت نماید و اگر سخن چین یا ندیمی قصد عرض کسی کند در قمع و قہر او
کوشد چہ نام و ننگ بسالہا بدست آید و بیک دروغ باطل گردد و روز آدینہ ہر بامداد بار عام
دہد و ختم قرآن کند و نماز پیشین بجماعت گزارد در جامع۔ و در ہمہ حال توفیق از حق تعالے
خواہد تا ہمہ نیکوئیہا برسد و برکت رضاے آفریدگار جل جلالہ بر احوال او در دو جہان ظاہر
گردد انشاء اللہ وحدہ العزیز"

تصنیفات

خواجہ نظام الملک کی طرف جو کتابیں منسوب ہیں انکے نام یہ ہیں۔ (۱) "وصایے نظام الملک
یا دستور الوزرا" (۲) "سیاست نامہ یا سیر الملوک" لیکن اسکے علاوہ ایک سفرنامہ بھی ہے جسمیں

اُس سفر کے حالات تحریر ہین جو خراسان سے (براہ ماوراءالنہر) کابل تک کیا گیا ہے۔
لیکن یہ سفرنامہ مفقود ہے۔

وصایا ملقب بہ دستورالوزرا (۱)

اسکا سنہ تصنیف معلوم نہین ہے۔ مگر مضامین سے ثابت ہے کہ یہ کتاب وزارت کے اخیر زمانہ مین لکھی گئی ہے۔ یہ مختصر مجموعہ چند قیمتی اور کثیرالفوائد مضامین کا ہے جسمین روے سخن فخرالملک کی جانب ہے۔ اور یہ خواجہ کا عزیز ترین فرزند ہے جسکی نسبت خواجہ چاہتا ہے کہ میرے بعد وزارت منظور نہ کرے۔ اسلیے ناصح مشفق بنکر اپنے بیٹے کو نصیحت کرتا ہے۔ یہ دستورالعمل ایک مقدمہ اور دو فصل پر ختم ہو جاتا ہے۔ مقدمہ مین خواجہ نے اپنے بچپن کے بعض حالات لکھے ہین۔ اور پہلی فصل مین وزارت کی اُن مشکلات کا تذکرہ ہے جن کے پڑھنے سے خواہ مخواہ دل پر یہ اثر پڑتا ہے کہ وزارت سے استعفا دینا ہی بہتر ہے۔ اور دوسری فصل مین وزارت کے وہ آداب و قواعد لکھے ہین جسکی ہر وزیر کو ضرورت ہے۔
غرضکہ وصایے نظام الملک معاملاتِ سلطنت اور وزارت مین ایک مکمل اور مستحکم قانون ہے اور لطف یہ ہے کہ جیسا وہ پانچوین صدی مین کارآمد تھا ویسا ہی آج بھی مفید ہے۔
ہمنے باب الوزارت مین ان قوانین کو مفصل لکھا ہے۔ جسکے مطالعہ سے معلوم ہو گا کہ مسلمانون مین کس دماغ کے مقنن وزیر گزرے ہین۔

سیاست نامہ (۲)

یہ کتاب بھی خواجہ نے اپنی وزارت کے اخیر زمانہ مین یعنی انتقال کے ایک سال قبل

تصنیف کی ہے۔ اور باعث تصنیف دیباچہ مین یون لکھا ہے کہ "۴۸۴ھ ہجری مین سلطان سعید ابو الفتح ملک شاہ نے دربار کے چند دیرینہ سال ارکان سلطنت کو مخاطب کر کے فرمایا کہ" بادولت کے عہد سلطنت پر غور کرین۔ اور سوچین کہ ہمارے زمانہ مین کس صیغہ کا انتظام اعلی درجہ کا نہین ہے اور وہ کون سے آداب ہین جو ہماری مجلس اور دیوان مین نافذ نہین ہین۔ اور وہ کیا حالات ہین کہ جو مجھپر مخفی ہین۔ اور سلاطین سابق کے جو اصول ہمارے زمانہ مین چھوڑ دیے گئے ہین وہ کیا تھے؟ غرضکہ شاہان سلجوق کے تمام رسم و رواج اور آئین قلمبند ہو کر حضور مین پیش ہون تاکہ بعد غور کامل اُن قوانین کے اجرا کا حکم دیا جائے۔ جس سے دین و دنیا کے سب کام درست ہو جائین۔ اور ساری خرابیان دور ہون۔ جبکہ خدائے برتر نے مجکو عظیم الشان سلطنت مرحمت فرمائی ہے اور تمام نعمتین بخشی ہین اور میرے دشمنون کو پامال کر دیا ہے تو پھر کوئی انتظام بادولت کا ناقص نہونا چاہیے اور نہ مجھسے کچھ چھپایا جائے۔"

سلطان کا روے سخن نظام الملک، شرف الملک[۱]، تاج الملک، مجد الملک وغیرہ کی طرف تھا۔ چنانچہ اِن امراءمین سے ہر ایک نے اپنی استعداد اور خیالات کے مطابق ایک ایک دستور العمل لکھکر ملک شاہ کی حضور مین پیش کیا۔ مگر صرف نظام الملک کا مسودہ پسند آیا۔ جسکی نسبت سلطان نے فرمایا کہ "یہ کتاب نہایت جامع ہے اور میرے خیال مین اب اسپر اضافہ کی ضرورت نہین ہے اور آیندہ یہی میرا دستور العمل ہوگا۔"

یہ کتاب پچاس فصلون پر ختم ہوئی ہے۔ اور ہر فصل مین ایک جداگانہ مضمون ہے۔ اور

---

[۱] شرف الملک وغیرہ کے حالات دوسرے حصہ مین تحریر ہین۔

اس کتاب مین (سوانح عمری خواجہ نظام الملک) باستثنائے چند ابواب تمام مضامین کا مع مختصر حاشیہ کے ترجمہ کر دیا گیا ہے۔ سیاست نامہ کے ہر مضمون مین قرآن، حدیث اور فقہ سے استدلال کیا گیا ہے اور تمام واقعات بہ سند تاریخی بیان ہوئے ہین۔ اس کتاب کی عظمت وشان کی یہ ادنی دلیل ہے کہ سول سروس[1] کورس مین داخل ہے۔ مسلمانون کو پروفیسر شیفر (مدرس مدرسۃ السنۃ شرقیہ پیرس) کا شکر گزار ہونا چاہیے کہ جنھون نے ہندوستان، لندن، برلن اور سینٹ پیٹرسبرگ کے کتبخانون سے صحت کر کے اس کتاب کو فرانس مین چھپوایا ہے۔ اور کئی بار چھپ چکی ہے اب ہم سیاست نامہ کا ایک پورا باب (مع ترجمہ) نقل کرتے ہین۔ جس سے خواجہ کی طرز تحریر کا جو اس کتاب مین ہے نمونہ معلوم ہوگا۔ اور جو مضمون اس باب مین ہے وہ بھی ایک تاریخی واقعہ ہے کہ جسکی تفصیل ہر تاریخ مین موجود نہین ہے۔ امید ہے کہ یہ صفحات دلچسپی سے پڑھے جائین گے۔

سیاست نامہ باب ۴۳

اندر باز نمودن احوال بد مذہبان کہ دشمن ملک و اسلام اند

بندہ خواست کہ فصلی چند در معنی خروج خارجیان یاد کند تا جہانیان بدانند کہ بندہ را درین دولت چہ شفقت بودہ است، و بر مملکت سلجوق چہ ہوا و ہمت دارد (خاصہ بر خداوند عالم خلد اللہ ملکہ، و بر فرزندان و خاندان او کہ چشم بد از روزگار او دور باد)

[1] سول سروس کا امتحان لندن مین ہوتا ہے اور اس امتحان کی کامیابی پر ہندوستان کے بڑے عہدے کلکٹری وغیرہ ملتے ہین۔

ہمہ روزگار خوارج بودہ اند و از روزگار آدم علیہ السلام تا اکنون خروج ہا کردہ اند و در ہر کشوری که در جہانست بر پادشاہان و پیغمبران ہیچ گروہی نیست شوم تر و بد فعل تر ازین قوم۔ بداند که از پس دیوار ہا بدی این مملکت می سگالند و فساد دین میجویند گوش بآواز نہادہ اند و چشم بچشم زدگی۔ اگر نعوذ باللہ ہیچ این دولت قاہرہ (ثبتہا اللہ تعالیٰ) را از آفتی حدثیہ رسد یا آسیبی (والعیاذ باللہ) پیدا شود این سگہا از نہفتہا بیرون آیند و برین دولت خروج کنند و ہر چہ ممکن باشد از فساد و قیل و قال و بدعت چیزی باقی نگذارند۔ بقول دعوی مسلمانی کنند و بمعنی فعل کافران دارند و باطن ایشان لعنہم اللہ بخلاف ظاہر باشد و قول بخلاف عمل و دین محمد مصطفی را صلی اللہ علیہ وسلم ہیچ دشمن از ایشان شوم تر و بہ نفرین تر نیست و ملک خداوند عالم را ہیچ خصمی از ایشان بتر نیست و کسانیکہ امروز درین دولت قوتی ندارند و دعوی شیعت میکنند ازین قوم اند و در سر کار ایشان می سازند و قوت می دہند و دعوت میکنند و خداوند عالم را بر ان می دارند کہ خانہ بنی العباس بردارد و اگر بندہ غطا از سر این دیگ بردار دای بسا رسوائی بیرون آید ولیکن از انکہ از تماشا ہای ایشان خداوند عالم را مالی حاصل شدہ است در بنمعنی میخواہد کہ شروع کند بسبب توفیر ہا کہ نمایند و خداوند را بہر مال حریص کردہ اند بندہ را صاحب غرض نہند و نصیحت بندہ درین حال دلپذیر نیاید۔ آنگاہ معلوم گردد فساد و مکر ایشان کہ بندہ از میان رفتہ باشد بداند کہ ہوا خواہی بندہ بچہ اندازہ بودہ است و دولت قاہرہ را و از احوال سگالش این طائفہ غافل نبودہ است و بہر وقت برای عالی اعلاہ اللہ میگزرانیدہ است و پوشیدہ نداشتہ و چون می دید کہ درین معنی قول بندہ قبول نمی افتاد نیز تکرار نکرد۔ لیکن بابی درمعنی ایشان

بر سبیل اختصار درین کتاب سیر آورد که از مهمات بود که این بواطنه چه قوم اند و مذهب ایشان
چگونه بوده است و اول از کجا خاستند و چند بار خروج کرده اند و هر وقت بدست خداوند مقهور
گشته اند تا از پس وفات بنده تذکره باشد در زمین شام و یمن و اندلس خروجها بوده است
و قتلها کرده اند و لیکن بنده آنهمه یاد نکند و اگر خواهد که بر همه احوال ایشان واقف شود تاریخها
باید خواند خصوصاً تاریخ اصفهان و آنچه در زمین عجم کرده اند که خلاصه ملک خداوند عالم است)
بنده از صد یکی یاد خواهد کرد تا معلوم رای عالی دام عالیاً گردد از ابتدای تا انتهای کار ایشان۔

باب ۴۴

اندر خروج مزدک و مذهب او و چگونگی کشته شدن او بردست نوشیروان عادل

نخستین کسی که اندر جهان مذهب معطله آورد مردی بود که اندر زمین عجم بیرون آمد او را موبد موبدان
گفتندی نام وی مزدک، بامداد آن بروزگار ملک قباد بن فیروز پدر نوشیروان عادل خواست
که کیش گبرگی بر گبرگان بزیان آرد و راه بد در جهان گسترد و سبب آن بود که مزدک نجوم نیکو
دانستی و از روش اختران چنان دلیل میکرد که اندرین عهد مردی بیرون آید و دینی آرد چنانکه
کیش گبران و کیش جهودان و کیش ترسا آن و بت پرستان را باطل کند و بمعجزات و زور کیش
خود در گردن مردمان کند و تا قیامت دین او بماند۔ او را تمنا چنان افتاد که مگر این کس
او باشد پس دل دران بست که چگونه مردم را دعوت کند و مذهب نو پدید آرد تا نگاه کرد خویشتن
را بمجلس بادشاه حرمتی تمام دید و بنزدیک همه بزرگان و هرگز کس او را محالی نشنیده بود ند۔

پیش ازانکه دعوی پیغمبری کرد پس غلامان خویش را فرمود تا از جای نہان نقبی گرفتند و زمین سنبید ند بتدریج۔ چنانکه سر سوراخ میان آتشگاه برآوردند راست آنجا که آتش میکردند سوراخے سخت خرد پس دعوی پیغمبری کرد و گفت مرا فرستاده اند تا دین زردشت تازه کردانم که خلق معنی زند و استا فراموش کرده اند۔ و فرمانهای یزدان نه چنان میگزارند که زردشت آورده است همچنانکه هر یک چندی بنی اسرائیل فرمانهای موسیٰ علیه السلام که در توریت از خدای عزوجل آورده ست نداشتندی و خلاف کردندی پیغمبری فرستادهم بر حکم توریت تا خلاف از بنی اسرائیل بیفگندی و حکم توریت را تازه گردانیدی و خلق را بطریق راست می آوردے۔

این سخن بگوش ملک قباد افتاد روز دیگر بزرگان و موبدان را بخواند و مظالم کرد و مزدک را بخواند و بر ملا مزدک را گفت تو دعوی پیغمبری میکنی گفت آری و بدان آمده ام که دین زردشت را خلاف بسیار رو در وی شبهه بسیار گشته من همین بصلاح باز آرم و معنی زند و استا نه آنست که بکار میدارند باز نمایم معنی آن۔ پس قباد گفت معجزهٔ تو چیست گفت معجزهٔ من آنست که آتش را که قبلهٔ و محراب سماست من بسخن آرم و از خدای تعالی درخواهم تا آتش را فرمان دهد که به پیغمبری من گواهی دهد چنانکه ملک و جماعت آواز بشنوند۔

ملک گفت ای بزرگان و موبدان درین معنی چه گوئید موبدان گفتند اول چیز آنست که ما را بکیش و کتاب ما میخواند و زردشت را خلاف نمیکند و در زند و استا سخنانست که هر سخن ده معنی دارد و هر موبدی و دانائی را در و قولی و تعبیری بست ممکن باشد که قول را تفسیر نیکوتر و عبارتی خوشتر بیارد و اما اینکه میگوید آتش را که معبود ماست بسخن آرم این شگفت است و

در قدرت آدمی نیست آنکہ ملک مزدک را گفت اگر تو آتش را بسخن آری من گواہی دہم کہ تو پیغمبری مزدک گفت ملک وعدہ بنہد و بدان وعدہ با موبدان و بزرگان بآتشگاہ آید تا بدعای من خدای عزّ و جلّ آتش را بسخن آرد اگر خواہم امروز ہم این ساعت۔

قباد گفت بران بنہادیم کہ فردا جملہ بآتشگاہ آئیم دیگر روز مزدک راہبی را زیر آن سوراخ فرستاد و گفت ہر وقت کہ من بآواز بلند یزدان را بخوانم تو بزیر زمین سوراخ آئی و بگو کہ صلاح یزدان پرستان زمین در آنست کہ سخن مزدک برکار گیرند تا نیکبختی دو جہان یابند پس قباد و بزرگان و موبدان بآتشکدہ شدند و مزدک را بخواندند و مزدک آمد برکنار آتش بایستاد و بآواز بلند یزدان را بخواند و بر زردشت آفرین کرد و خاموش گشت از میان آتش آوازی آمد بران جملہ کہ یاد کردیم، چنانکہ ملک و بزرگان بشنیدند و ازان در شگفت ماندند و قباد در دل کرد کہ بوی بگرود چون از آتشکدہ بازگشتند بعد ازان قباد مزدک را پیش خود بخواند و ہر ساعت مقرب تر بود تا بوی بگروید و از جہت وی کرسی زر مرصع فرمود تا بر تخت بارگاہ بنہند بوقت بار، و قباد بر تخت بنشست و مزدک را بران کرسی بنشاند و بسیاری از قباد بلند تر بود وی و مردمان بعضے برغبت و ہوا و بعضی بموافقت ملک در مذہب مزدک ہمی آمدند و از ولایات و نواحی روی بحضرت نہادند و پنہان و آشکار در مذہب مزدک میشدند و لشکریان رغبت کم کردند و از قبل حشمت پادشاہی چیزی نمیگفتند و از موبدان ہیچ کس در مذہب مزدک نشد و گفتند بنگریم تا از زند و استا چہ بیرون می آید چون دیدند کہ پادشاہ در مذہب او آمد مردمان از دور و نزدیک دعوت او قبول کردند و مالہا در میان میکردند۔

و مزدک گفت مال بخشیده ایست میان مردمان که همه بندگان خدای تعالی اند و فرزندان آدمند و بچه حاجتمند کردند باید که مال یکدیگر خرج کنند تا هیچکس را بی برگی نباشد و در ماندگی متساوی الحال باشند چون قباد و بیشتر برین راه بنهاد و بر اباحت مال راضی شد آنگه گفت زنان شما چون مال شماست باید که زنان را چو مال شناسید تا هیچکس از لذت شهوات دنیا بی نصیب نماند و در مراد بر همه خلق کشاده بود و بس مردمان از جهت مال و زن بمذهب او بیشتر رغبت کردند خاصه مردم عام۔

پس نوشیروان در سر موبدان کس فرستاد که چرا چنین خاموش بباشید و عاجز گشتید و در معنی مزدک هیچکس سخن نمیگوید و پدرم را پند نمی دهید که این چه حالت ست که بر دست گرفته و بزرق این طرار در جوال شده اید این سگ مال مردمان بزیان میبرد و ستر از حرم مردمان برداشت باری بگوئید کاین بچه حجت میکند و که فرموده است و اگر شما بیش ازین خاموش باشید مال شما و زن شما همه رفت و ملک و دولت از خاندان ما رفت باید که جمله پیش پدرم روید و این حال باز نمائید و پندش دهید و با مزدک مناظره کنید و بنگرید تا چه حجت آرد و بنزدیک معروفان و بزرگان پیغام همچنین فرستاد که سودای فاسد بر پدرم غالب شده است و عقل او بخلل آمده است

لے اس مضمون کو فردوسی نے شاہنامہ میں بایں الفاظ لکھا ہے۔

همی گفت هر کو توانگر بود	تهیدست با او برابر بود
نباید که باشد کسے بر فزود	توانگر بود تار و درویش پود
زن و خانه و چیز بخشید نیست	تهیدست کس با توانگر یکیست
من این راکنم راست تا دین پاک	شود ویژه پیدا بلند از مغاک

مفسدت خویش از مصلحت باز نمیدانند در تدبیر معالجۀ او باشید تا سخن مزدک نشنوند و بقبول او کار نکنند و شما نیز چون پدرم فریفته نشوید که وی بر حق نیست وی بر جاهل ست وی باطل را ابقا نشود و فردا شمارا سود ندارد و بزرگان از سخن او بشکوهیدند و اگرچه بعضی قصد کرده بودند که در مذهب او شوند از جهت نوشیروان پای کشیدند و در مذهب او نشدند گفتند بنگریم تا کار مزدک بکجا رسد و نوشیروان این سخن از کجا میگوید نوشیروان دران وقت ہژده سالہ بود و پس بزرگان و موبدان جمع شدند و پیش قباد رفتند و گفتند ما از عہد دراز باز تا اکنون در ہیچ تاریخ نخواندم و از چندین پیغمبر که در شام بودند نشنیدیم اینک مزدک که میگوید و میفرماید ما را عظیم منکر می آید۔

قباد گفت با مزدک بگوئید تا چه گوید مزدک را بخواند و گفت چه حجت داری درین که میگوئی و میکنی مزدک گفت زردشت چنین فرموده است و در زند واستا چنین ست و مردمان تفسیر این نمیدانند اگر استوار نمی دارید از آتش بپرسید بار دیگر با تشکده شدند و از آتش پرسیدند از میان آتش آوازی آمد که چنین ست که مزدک میگوید چنانکه شما میگوئید نیست۔ دیگر بار موبدان خجل باز گشتند و دیگر روز پیش نوشیروان شدند و احوال باز گفتند نوشیروان گفت این مزدک دست بران می برد که مذهب او در ہمہ معانی مذهب زردشت ست الا این دو معنی۔

چون برین حدیث مدتی بگذشت روزی میان قباد و مزدک حدیثی میرفت بر زبان مزدک چنان رفت که مردمان برغبت درین مذهب در آمدند و اگر نوشیروان رغبت کردی درین مذهب فرا پذیرفتی نیک بودی قباد گفت او درین مذهب نیست گفت نه گفت نوشیروان را بیارید و ہرچه زودتر بخوانید چون بیامد او را گفت ای جان پدر تو بر مذهب مزدک نیستی گفت نه الحمد لله

گفت چرا گفت از بہر آنکه او دروغ میگوید و محتال ست گفت چون محتال باشد که آتش را سخن
می آرد گفت چہار چیز از امہات ست آب و آتش و باد و خاک چنانکه آتش را سخن آورد بگویش
تا آب و باد و خاک را سخن آرد تا من بوی بگروم و فریفته شوم گفت او ہر چه میگوید از تفسیر ژند
واستا میگوید نوشیروان گفت او نفرمود که مال و زن مردمان مباح ست و از عہد زردشت
تا امروز ہیچکس از دانایان این تفسیر نه کرده است دین از بہر مال و حرم بکار ست چون این
ہر دو مباح ست آنکه چه فرق باشد میان چہارپای و آدمی که این روش و طریق بہائم ست
که در چریدن و ...... کردن یکسان باشند نه مردم عاقل، گفت باری مرا که پدر توام چرا
خلاف کنی گفت من این از تو آموخته ام اگرچه ہرگز این عادت نبود چون دیدم که تو پدر خویش
را خلاف کردی من نیز ترا خلاف کردم تو از ان باز گرد تا من ازین باز گردم پس سخن قباد و
نوشیروان و مزدک بجای رسید که مطلق بگفتند که حجتی بیار که این مذہب رد کند و سخن مزدک
باطل گرداند یا کسی را بیار که حجت او از حجت مزدک قوی تر و درست تر باشد الا ترا سیاست
فرمایم تا دیگر عبرت گیرند۔

نوشیروان گفت مرا چہل روز زمان دہید تا حجتی بیارم یا کسی را بیارم که جواب مزدک
باز دہد گفتند نیک آید زمان دادیم برین جمله پراگندند نوشیروان از پیش پدر باز گشت
ہم در روز قاصد و نامه بپارس فرستاد بشہر گول بو بدی که آنجا نشستی مردی پیر دانا که
ہر چه زود تر بیائی که چنین و چنین کاری رفته است میان من و پدر و مزدک چون چہل روز
برآمد قباد بار داد و بر تخت بنشست و مزدک بیامد و بر تخت رفت و بر کرسی نشست و

نوشیروان بیاوردند مزدک قباد را گفت بپرسش تا چه آورده ست قباد بپرسید تا چه جواب
آوردی نوشیروان گفت دران تدبیرم قباد گفت کار از تدبیر گذشت مزدک گفت برگیرید
او را و سیاست فرمائید قباد خاموش گشت مردم در نوشیروان آویختند نوشیروان دست در
دار پزین ایوان زد و پدر را گفت اینچه تعجیل ست که در کشتن من بسته که هنوز وعدهٔ من تمام
نشده است گفت چون گفت من چهل روز تمام گفته ام امروز آن من ست تا امروز بگذرد آنگه شما
دانید پس سپه سالار و موبدان بانگ برآوردند و گفتند راست میگوید قباد گفت امروزش
نیز رها کنید دست ازوی بداشتند و از چنگال مزدک برست چون قباد برخاست و موبدان
پراگندند و مزدک بازگشت نوشیروان بسرای خویش آمد این موبد که نوشیروان او را از پارس
خوانده بود در رسید بر جمازه نشسته تا بدر سرای نوشیروان فرود آمد و در سرای شد خادمی را گفت
برو و نوشیروان را بگوی که موبد پارس در رسید خادم سبک در حجره رفت نوشیروان را بگفت
نوشیروان از حجره بیرون آمد نوشیروان از شادی پیش او دوید او را در کنار گرفت و گفت
ای موبد چنان دان که من امروز آن جهان می آیم و احوال پیش موبد بگفت موبد گفت هیچ
دل مشغول مدار که همه چنان ست که تو گفتهٔ حق با تو ست و خطا با مزدک و من نیابت تو جواب
مزدک دهم و قباد را از مذهب او باز گردانم ولیکن چارهٔ کن که پیش از انکه مزدک خبر آمدن من
بشنود ملک را به بینم گفت این سهل ست پس بار دیگر نوشیروان بسرای پدر رفت و بار خواست
چون پدر را دید ثنا گفت پس گفت موبد من از پارس در رسید که جواب مزدک بدهد ولیکن
میخواهد که نخست ملک را به بیند تا ملک سخن بخلوت بشنود گفت شاید بیاور او را نوشیروان

بازگشت و چون تاریک شد موبد راپیش پدر برد و موبد قباد را آفرین کرد و پدران او را بستود و
پس ملک را گفت این مزدک را غلط افتاده است این کار نه او را نهاده اند که من او را نیک شناسم و
قدر دانش او را دانم و از علوم نجوم اندکی داند ولیکن در احکام او را غلط افتاد و درین قرآن که در آید
مردی بیرون آید و دعوی پیغمبری کند و کتابی غریب آرد و معجزهای عجیب نماید و ماه در آسمان
بدو نیم کند و خلق را براه حق خواند و دین پاکیزه آرد و کیش گبرگی و دیگر کیشها باطل کند و بفردوس
وعده کند و بدوزخ بترساند و الها وحرمها بحکم شریعت در حصن کند و مردم را از دیو برهاند و با سروش
تولا کند و آتشکدها و بتکدها ویران کند و دین او بهمه جهان برسد و تا قیامت بماند و زمین و آسمان
بر دعوت گواهی دهند اکنون این مزدک را تمنا چنان افتاده است که این مرد او باشد و مزدک
او را عجمی ست و او خلق را از آتش پرستی نهی کند و زردشت را منکر باشد و مزدک هم بزردشت
اقتدا میکند و هم آتش پرستی می فرماید و او رخصت ندهد که کس گرد حرم کس گردد یا کس مال ناحق
بستاند و بدزدی دست بریدن فرماید و مزدک مال و زن مردم مباح کرده است و آن پیغامبر را
فرمان از آسمان آید و از سروش سخن آید و مزدک از آتش میگوید مذهب مزدک هیچ اصل ندارد
و من فردا او را بپیش ملک رسوا کنم که او بر باطل ست و میخواهد که خسروی از خانهٔ تو بیرون ببرد و
گنجهای تو تلف کند و ترا با کمتر کسی مقابل کند و بادشاهی بدست فرو گیرد۔

قباد را سخن موبد خوش آمد و دلپذیر۔ روز دیگر قباد ببارگاه آمد و مزدک بیامد و برکرسی نشست و
نوشیروان پیش تخت بایستاد و موبدان و بزرگان حاضر آمدند آنگه موبد نوشیروان بیامد و مزدک
را گفت نخست تو پرسی یا من مزدک گفت چون سائل تو خواهی بود و من مسئول پس تو اینجا آئے

کہ منم و من آنجا روم کہ تو ئی مزدک خجل شد و گفت ملک مرا اینجا نشانده است تو سوال کن تا من جواب دہم موبد گفت مال مباح کردہ واین رباطہا و پلہا و آتشکدہا و خیرات کہ بکنند از جہت آن جہان میکنند بگفت بلی گفت چون مال یکدیگر مباح گردد و خیرات کنند مزد آن کرا بود مزدک از جواب فروماند دیگر گفت تو زنان را مباح کردہ چون زن آبستن شود و بزاید فرزند کرا باشد مزدک فروماند دیگر گفت این ملک کہ بر تخت نشستہ است و بادشاہ است و پسر ملک فیروز است و پادشاہی از پدر میراث دارد ملک فیروز ہمچنین از پدر میراث داشت چون دہ مرد با زن ملک..... و فرزندی بیارد آن فرزند از قبل کہ باشد نسل ملک بریدہ باشد و چون نسل بریدہ گشت نہ از بادشاہی تخمہ ماند و مہتری و کہتری در توانگری و درویشی بستہ است

لہ فردوسی نے ذیل کے اشعار میں یہ مباحثہ لکھا ہے۔

چنین گفت موبد بہ پیش گروہ	بمزدک کہ ای مرد دانش پژوہ
یکے دین نو ساختی در جہان	نہادی زن و خواستہ در میان
چہ داند پدر کش کہ باشد پسر	پسر ہمچنین چون شناسد پدر
چو مردم برابر بود در جہان	نباشند پیدا کہان از مہان
کہ باشد کہ جوید در کہتری	چگونہ توان ساختن مہتری
کہ باشد مرا و ترا کارگر	چو مردم جدا ماند از بہ بہتر
ہمہ کد خدایند و مزدور کیست	ہمہ گنج دارند و گنجور کیست
جہان زین سخن پاک ویران شود	نباید کہ این بد بایران شود
ز دین آوران این سخن کس نگفت	تو دیوانگی دارے اندر نہفت
ہمہ مردمان را بد و زشخ برے	ہمہ کار ید را بہ بد نشری
چو بشنید گفتار موبد قباد	بر آشفت و اندر سخن داد داد

چون مرد درویش باشد او را از جهت ناگزیر در بایست خدمت و مزدوری توانگری باید کرد و چون مال مباح گردد مهتری و کهتری از جهان برخیزد و پادشاهی باطل شود تو آمدی تا پادشاهی از خاندانِ ملوک عجم بفنا بری مزدک هیچ نگفت و خاموش باند قباد گفت جوابش باز ده گفت جوابش آنست که هم اکنون بفرمای تا گردنش بزنند قباد گفت بی حجت گردن کسی نتوان زد گفت از آتش پرسیم تا چه فرماید که من از خویشتن سخن نگویم و بمردمان که بسبب نوشیروان غمگین بودند شاد گشتند که از کشتن برست و مزدک با قباد بد شد که او را گفت موبد را ایکبش و فرمان نبرد با خویشتن گفت که امروز خویشتن را برہانم و مرا تیغ بسیار رست از رعیت و لشکری تدبیر آن کنم که قباد را از میان بردارم پس نوشیروان را و ہمہ مخالفان را بران بنهاد که فردا بآتشکده برید تا آتش چه فرماید و برین جمله پراگندند چون شب در آمد مزدک دو تن را از رہبانان و ہم مذہبان خویش در خواند و زر بخشید و وعده داد و گفت شما را بسپہسالاری برسانم و سوگند ایشان داد که این سخن با کس نگویید و دو شمشیر بایشان داد و گفت که چون فردا قباد و بآتشکده با بزرگان و موبدان آید اگر آتش قباد را کشتن فرماید شما ہر دو سبک شمشیرہا برکشید و قباد را بکُشید که ہیچکس با شمشیر در آتشکده نیاید گفتند فرمانبرداریم۔

روز دیگر بزرگان و موبدان بآتشکده شدند و قباد برفت و موبد نوشیروان را گفت بگوئی تا مردمان از خاصگیان تو شمشیر در جامه پنہان کنند و با تو در آتشکده شوند و ہر وقت که مزدک بآتشکده خواستی شد آن رہی را بیاموختی که در زیر سوراخ چه گوید خود بآتشکده شد و این موبد را گفت تو از آتش بپرس تا با تو سخن گوید موبد نیز از آتش بپرسید جواب نیافت پس مزدک

گفت یا آتش میان ما حکمی بکن و براستی من گواهی ده از میان آتش آوازی آمد که من از دی باز ضعیف شده ام نخست مرا از دل و جگر قباد دهید تا پس سخن گویم که چه باید کرد مزدک راهنما یست شما را براحتهای جاودانی آنجهانی پس مزدک گفت آتش راز ور دهید دو مرد شمشیر کشیدهٔ آهنگ قباد کردند موبد نوشیروان را گفت درباب پدر را آن ده مرد شمشیر کشیدند و پیش آن دو مرد باز شدند و نگذاشتند که او را بکشد و مزدک همیگفت که آتش بفرمان یزدان میگوید مردم دو گروه شدند بعضے گفتند قباد را زنده یا مرده در آتش افگنیم و گروهی گفتند درین تامل کنیم در آخر آن روز باز گشتند قباد گفت مگر از من گناهی در وجود آمده است که آتش روزی از من میخواهد پس با آتش بدین جهان سوخته شوم به که بدانجهان۔

دیگر باره موبد با قباد خلوت کرد و از موبدان و پادشاهان گذشته سخن گفت و از هر کسی دلیل آورد بحجت بنمود که مزدک پیغامبر نیست و دشمن خاندان ملوک ست و دلیل برین که اول قصد نوشیروان کرد و ظفر نیافت قصد خون تو کرد و اگر من تدبیر نکرده بودمی امروز ترا ہلاک کرده بودے و تو چه دل دران می بندی که از آتش آواز می آید من چاره کنم که این نیرنگ را نیز بگشایم و ملک را معلوم می گردانم که آتش سخن نمیگوید با کسی دیگر و ملک راچنان کرد که از کرده پشیمان شد گفت نوشیروان را خرد مپندار او بر همه جهان فرمان دهد و هر چه رای او بیند تو از ان مگذر اگر خواهی که ملک در خاندان تو بماند نهان دل بهیچ با مزدک پیدا مکن پس موبد نوشیروان را گفت جهد آن کن که از خدمتگاران مزدک یکی را بدست آری و او را بمال بفریبی تا احوال آتش را معلوم گرداند یکبارگی شک از دل پدرت خیزد۔

نوشیروان یکی را بدست آوردتا او را یکی از رہبان دوستی گرفت واو را بجادہ پیش نوشیروان
آورد کہ نوشیروان او را بخلوت بنشاند وہزار دینار پیش نہاد وگفت تو ازین پس دوست
وبرادر من باشی وہرچہ ممکن نیکوئی درحق تو بکنم درین وقت از تو سخنی خواہم پرسید اگر راست گوئی
این ہزار دینار بتو بخشم واز نزدیکان خویش گردانم وبدرجۂ بلند رسانم واگر نگوئی سرت از تن
بردارم مرد بترسید وگفت اگر راست بگویم اینکہ تو گفتی وفا کنی گفت بکنم وبیشتر ازین نوشیروان
گفت بگوئی کہ مزدک چہ حیلہ کردہ است کہ آتش با او سخن میگوید مرد گفت اگر بگویم آن از نہانی
توان داشت گفت توانم، گفت بنزدیک آتشکدہ پارۂ زمین ست ودیواری بلند گرد آن کشیدہ
سوراخی سخت خرد میان آتش بریدہ کسی را آنجا میفرستد واو را بیاموزد کہ زیر آتش دہن سوراخ
نہد وہرچہ خواہد بگوید ہرکہ بشنود پندارد کہ آتش سخن میگوید۔

نوشیروان ازین سخن شاد گشت دانست کہ حقیقی ست آن ہزار دینار بوی داد چون شب آمد
او را پیش پدر برد تا ہمہ حال شرح داد قباد تعجب ماند از محتالی مزدک وتجاسر نمودن او پس
یکبارگی شک از دل او برخاست کس فرستاد موبد را بیاورد وبر او آفرین کرد واحوال با وی گفت
موبد گفت من ملک را گفتم کہ این مرد محتال ست قباد گفت اکنون معلوم گشت تدبیر ہلاک
او چیست موبد گفت نباید کہ او بداند تو پشیمان گشتی بار دیگر مجمعی بساز تا من با او مناظرہ کنم و
بعاقبت سپر بفگنم وبعجز خویش مقر می آیم وباز بپارس روم آنگہ انچہ نوشیروان صواب بیند
چنان باید کرد تا این مادت بریدہ گردد۔ وپس قباد بعد از چند روز بزرگان را پیش خواند و
موبدان را حاضر کرد وفرمود تا موبد پارسی یکی باشند دیگر روز حاضر شدند وقباد بر تخت نشست

ومزدک برکرسی وہریک از موبدان سخن گفتند موبد پارسی گفت مرا عجب آمد از سخن گفتن آتش
مزدک گفت از قدرت این عجب نیست نہ بینی کہ حضرت موسی علیہ السلام از پارۂ چوب اژدہا
نمود واز پارۂ سنگی دوازدہ چشمۂ آب روان کرد وگفت یارب فرعون را با ہمہ لشکرش آب
غرقہ کن خدای تعالی غرق کرد وزمین بفرمان اوکرد تا گفت ای زمین قارون را فرو برد
عیسی علیہ السلام مردہ را زندہ کرد این ہمہ آنست کہ در قدرت آدمی نیست خدا میکند مرا نیز
فرستادہ است وآتش را بفرمان من کردہ انچہ میگویم وآتش میگوید بفرمان برید والا عذاب
خدای تعالی در شما رسد وہمہ را ہلاک کند موبد پارسی برپای خاست وگفت مردی کہ او سخن از
خدای تعالی وآتش گوید وآتش در فرمان او باشد من جواب ندارم وعاجز باشم پیش ازین
دلیری نہ کنم من رفتم شما دانید پس موبد رفت وراہ پارس برگرفت وقباد از بارگاہ برخاست
وموبدان بازگشتند ومزدک شاد شد وبآتشکدہ رفت کہ ہفت روز خدمت آتش کند چون شب
درآمد قباد نوشیروان را بخواند وگفت موبد رفت ومرا بتو حوالت کرد کہ نفی کردن این مذہب
را توکفایت باشی تدبیر این کار چیست نوشیروان گفت اگر خدایگان این شغل بمن بازگزارد
وباکس نگوید تدبیر این کار بکنم وبوجہی بسر برم چنانکہ مزدک ومزدکیان را از جہان گم کنم قباد
گفت من این معنی جز با تو نخواہم گفت نوشیروان گفت موبد پارسی رفت واصحاب مزدک
شاد شدند وقوی دل گشتند ہرچہ بعد ازین بایشان سگالیم روا باشد ومزدک را کشتن
آسان است لیکن تیغ او بسیار اند چون او را بکشیم مزدکیان بگریزند وپراگندہ شوند ومردمانرا
دعوت کنند وجائگاہی بدست آرند ومارا ومملکت مارا کار دہند مارا تدبیری باید کرد چنانکہ

بیکبار کشتہ شوند و یک تن از ایشان زندہ نماند و جان از شمشیر ما نبرند قباد گفت چہ رای
می بینی اندرین کار نوشیروان گفت تدبیر آنست کہ چون مزدک از آتش کدہ بیرون آید پیش
ملک آید مرتبت او بیفزاید و گرامی تر از آن دارد کہ داشت با او در خلوت گوید کہ نوشیروان روز
بار کہ بود سپر بیفگند بسیار نرم ترگشت و رای دارد کہ تو گردد و از انچہ گفت پشیمان شد چون سر ہفتہ
گذشت مزدک پیش قباد آمد او را گرامی کرد و تواضع نمود بیحد و حدیث نوشیروان بران جملت
بگفت مزدک گفت بیشتر مردمان چشم و گوش باشارت او میدارند چون درین مذہب آید ہمہ
جہان این مذہب بگیرند و من آتش را شفیع کردم تا یزدان این مذہب او را روزی کند۔
قباد گفت نیک کردی کہ ولیعہد من ست و لشکر و رعیت او را دوست میدارند و ہر وقت کہ
او درین مذہب در آید ہیچکس را بہانہ نماند و من از برای او منارۂ سنگین بکنم و بر انجا کوشکے
زرین کنم چنانکہ از آفتاب روشن تر باشد چنانکہ گشتاسپ از بہر زردشت کوشکی بکرد مزدک
گفت تو پندش دہ تا من دعا کنم و امیدم واثق ست کہ یزدان مستجاب کند چون شب در آمد
ہر چہ رفتہ بود قباد با نوشیروان بگفت نوشیروان بخندید و گفت چون سر ہفتہ بگزرد و ملک
مزدک بخواند و او را بگوید کہ نوشیروان دوش خوابی دیدہ است و بترسیدہ و بامداد بگاہ پیش
من آمد و گفت در خواب چنین دیدم کہ آتشی عظیم قصد من کردی و من پناہی ہمی جستمی شخصے
سخت خوب پیش من آمدی من او را گفتمی این آتش از من چہ خواہد گفتی آتش با تو خشم دارد
کہ تو او را دروغ زن کردی گفتم تو چہ میدانی گفت سروش را از ہمہ چیز آگاہی باشد از خواب
در آمدم اکنون با تشکدہ خواہد شد و چیزی مشک و عود و عنبر می برد تا بسوزد و سہ روز

مر آتش را خدمت کنند و یزدان را ستایش کنند پس قباد با مزدک همچنین کرد و مزدک عظیم شاد گشت
چون یک هفته ازین حدیث بگذشت نوشیروان پدر را گفت مزدک را بگو که نوشیروان با من
گفت که مرا درست شد که این مذهب حق ست و مزدک فرستادهٔ یزدان ست ولیکن می ترسم که
مردمان بیشتر مخالف مذهب اند نباید که بر ما خروج کنند و بتغلب مملکت از ما برند کاشکی بدانی
که عدد مردم که در مذهب اند چندست و چه کسانی اند اگر قوتی دارند و بسیار اند من نیز در آیم و گرنه
صبر کنم تا زور گیرند و بسیار شوند و هر چه ایشان را در باید از برگ و سلاح بدهم آنگاه بقوتی تمام این
مذهب آشکارا کنم و به شمشیر و بقهر در مردم کنم اگر مزدک بگوید عدوی ما بسیار شده است گو عدد را
جریده بکن و اسامی ایشان بنویس تا هیچ کس نماند که من ندانم مزدک همچنین کرد و پیش قباد آورد و
بشمرده دوازده هزار مرد برآمد از شهری و لشکری قباد گفت من امشب نوشیروان را بخوانم و
جریده بر او عرض کنم و نشان آنکه او درین مذهب آمد آنست که در حال بفرمایم تا کوس و بوق زنند
و آوازه چنان بیرون افگنم که چون تو بسرای خویش باشی و آواز بوق و دهل بشنوی بدانی که نوشیروان
ایمان آورد و چون مزدک بازگشت و شب در آمد قباد نوشیروان را بخواند و جریده بوی نمود و
گفت که با وی برین وجه نشان نهاده ام نوشیروان گفت سخت نیک آمد بفرمائی تا کوس بزنند
و فردا که مزدک را بینی بگو که نوشیروان بتو ایمان آورد و سبب آنکه مردم و جریده بدید اگر پنج هزار
بودی کفایت نبود اکنون دوازده هزار مرد دارد باکی نبود اگر همه عالم خصم ما باشند چون هر سه
باهم باشیم باک نیست چون پاسی از شب بگذشت مزدک بانگ کوس و بوق شنید خرم شد
گفت نوشیروان بگروید دیگر روز مزدک به بارگاه آمد قباد هرچه نوشیروان گفته بود با مزدک گفت

مزدک شاد شد چون از بارگاه باز گشت قباد بخلوت مزدک بخواند و نوشیروان بیامد و بسیار چیز از زر و ظرائف پیش او نهاد و نثار کرد گذشتها عذر خواست و از هر گونه تدبیر کردند آخر الامر قرار بران افتاد که نوشیروان پدر را گفت تو خداگان جهانی و مزدک پیغامبر خداست سپسالاری این قوم بمن ده تا چنان کنم که در همه جهان کس نماند که این مذهب داشته باشد گفت فرمان تراست پس گفت تدبیر این کار آنست که مزدک بدین شهرها و ناحیتها که بوی گردیده اند کس فرستد و گوید که از امروز تا سه ماه دور و نزدیک بفلان هفته بسرای ما گرد آیند و ما تدبیر برگ و ساز و سلیح ایشان میکنیم چنانکه هیچکس نداند که ما بچه مشغولیم و روز میعاد خوانی بنهند پیش مردم و طعام بخورند پس بسرای دیگر تحویل کنند و مجلس شراب آیند و هر یک هفت قدح شراب بخورند و پنجاه پنجاه بیست بیست خلعت من بپوشانند و اسپ و ساز و سلیح میدهند تا همه بخلعت پوشیده شوند پس هم درست خروج کنیم و مذهب آشکارا کنیم هر که در مذهب آید امان دهیم و هر که خلاف کند بکشیم قباد و مزدک گفتند صواب اینست و هم برین اتفاق برخاستند۔

مزدک بهمه جاها نامه کرد و دور و نزدیک را آگاه کرد باید که فلان روز همه بحضرت حاضر آیند تا همه بخلعت و ساز و سلیح و اسپ آراسته شوند که اکنون کار بمراد ماست و پادشاه پیش رو ماست پس بر وعده هر دوازده هزار مرد حاضر آمدند و بسرای پادشاه شدند خوانی دیدند نهاده که هرگز کس چنان ندیده بود قباد بر تخت بنشست و مزدک بر کرسی و نوشیروان میان بسته ایستاده یعنی که من میزبانم و مزدک بس شاد مان بود و نوشیروان هر یک را بر خوان می نشاند تا همگنان نشستند و نان بخوردند از ین سرای دران سرای دیگر شدند مجلس شراب دیدند که چنان هیچ

ندیده بودند قباد بر تخت نشست و مزدک بر کرسی و ایشان را همچنان بترتیب نشاندند و مطربان
سماع بر کشیدند بنواهای خوش و ساقیان شراب در آوردند چون دوری گشت غلامان و فراشان
در آمدند مردی دویست تختهای دیبا و لفافهای قصب بر دست نهاده و پیش مجلس بایستادند
زمانی پس نوشیروان گفت جاهای دران سرای برند که اینجا انبوه است تا بیستگان و سیگان
آنجا می آیند و خلعت می پوشند و ازانجا میروند و می ایستند تا جمله پوشیده شوند آنگاه ملک و
مزدک بامیدان آیند و چشم برافگنند و نظاره کنند پس درآن خانه باز کنند و سلاحها بیارند و
نوشیروان از پیش کس بدیهها فرستاده بود و مردی سیصد حشر خواسته بود با بیلی که سراپهاوباغها
پاک کنند چون مردم از دیهها بیامدند و همه را در میان گرد آورده و دراستوار کرد پس ایشان را
گفت خواهم که امروز و امشب بسیاری چاه درین میدان کنده باشند هر یکی مقدار یک گز و
دو گز و خاک چاه هم آنجا بگذارید و دربانان را فرمود که چون این چاه کنده باشند همه را بازدارند
و نگهدارند که کسی ازایشان نرود و شبانه مردی چهارصد را در سلاح کرده بود و در میدان و در
سرای پنهان داشته و گفته هر بیست و سی را که ازان مجلس در سرای فرستم شما ایشان را بدان
دیگر میدان برید و هر یک را برهنه میکنید و سر در زیر چاه میکنید تا بناف و پاها در هوا و بخاک
استوار میکنید چون جامه داران دران سرای شدند دویست اسپ با ساخت زر و سیم و
سپرها و کمرها و شمشیرها بر پیش آوردند نوشیروان فرمود که دران سرای برید ببرند پس
بیستگان و سیگان بر میکرد و دران سرای میفرستاد و ایشان را بدان دیگر میدان می بردند
و سرنگون در چاه میکردند و بخاک می انباشتند تا همه را برین علامت هلاک کردند آنگه

نوشیروان پیش پدر آمد و پدر و مزدک را گفت ہمہ را خلعت پوشانیدم و در میدان آراستہ
ایستادہ اند برخیز و نظارہ کنید تا ہر کس زینتی ازین خوبتر ندیدہ اند قباد و مزدک ہر دو برخاستند و
و دران سرای شدند و از سرای بہ میدان شدند چون بمیدان آمدند نگاہ کردند ہمہ میدان
سرتاسر پاہا دیدند در ہوا نوشیروان روی بمزدک کرد و گفت لشکری را کہ پیش رو تو باشی
خلعت ایشان ازین بہتر نتواند و تو آمدی کہ مال و تن ما ہمہ بباد دہی و پادشاہی از خانۂ ما بیرون
بری باش تا ترا نیز خلعت فرمایم و در میدان دوکانی بلند فرمودہ بود و چاہی بران دکان کندہ
فرمود تا مزدک را سرنگون درین چاہ کردند و بخاک برانباشتند و گفت ای مزدک درگرویدگان
خود بنگر و نظارہ میکن و پدر را گفت دیدی رای فرزانگان اکنون مصلحت تو درانست کہ یکچندی
در خانہ بنشینی تا مردم و لشکر بیارامند کہ این فساد از سست رای تو برخاست پدر را در خانہ
نشاندند و بفرمود تا مردم روستا کہ از بہر چاہ کندن آمدہ بودند دست باز داشتند و در میدان
بگشادند تا مردم شہر و ولایت و لشکر در آمدند و نظارہ کردند و نوشیروان پدر را بند برنہاد و
بزرگان را بخواند و بحجت بپادشاہی بنشست و دست بداد و دہش برگشاد و این حکایت
از وی یادگار بماند تا خداوند عقل بخوانند و یاد گیرند۔

ترجمہ عبارت فارسی۔ یہ چند ابواب مخالفین مذہب اسلام کے خروج کی تاریخ مین لکھتا ہون تاکہ کافۂ انام
کو معلوم ہوجائے کہ دولت سلجوقیہ پرمین کسقدر مہربان ہون (خصوصًا خداوند عالم اور اُسکے خاندان اور
اولاد پر) اور کسقدر اُسکی خیرخواہی کا دم بھرتا ہون۔

حضرت آدم علیہ السلام کے زمانے سے آج تک ہر عہد مین خوارج کا زور رہا ہے اور دنیا کے کسی نہ کسی

شہر سے اُنھون نے بادشاہون اور پیغمبرون پر خروج کیا ہے۔ اس گروہ سے زیادہ کوئی منحوس اور بدکار نہین سمجھا جاتا ہے۔

یہ وہ لوگ ہین جو اس سلطنت کے **بدخواہ ہین**، اور مذہب مین فساد اُٹھانا چاہتے ہین، اور ہر وقت اسکے منتظر ہین کہ سلطنت کو صدمہ پہونچے۔ اگر خدانخواستہ دولت قاہرہ پر کوئی وقت پڑ جائے تو یہ سگِ ناپاک گھات سے نکلکر سلطنت پر حملہ آور ہونگے۔ اور جہانتک ہوسکیگا فساد و بدعت اور قیل و قال مین کچھ اُٹھا نہ رکھین گے۔ ظاہر مین اسلام کا دعوی کرتے ہین اور باطن مین پورے کافر ہین۔ (خدا کی اُنپر لعنت ہو جنکا باطن ظاہر کے خلاف اور جنکا قول عمل کے برعکس ہو) اسلام کے حق مین اُنسے زیادہ کوئی دشمن قابل نفرین نہین ہے۔ اور نہ دولت سلجوقیہ کا کوئی اُنسے بڑھکر دشمن ہے۔ جو لوگ اس سلطنت مین کمزور ہین اور فرمانبرداری کا دعوی کرتے ہین، وہ یہی ہین، اور اس گروہ سے میل جول کرکے اپنے بل پر اُنکو دعوت دیتے ہین۔ اور خداوند عالم کو اُبھارتے ہین۔ کہ آل عباس کا خاندان مٹا دیا جائے۔ اگر مین اس طلسم کی پردہ کشائی کرون تو معلوم نہین ہے کہ کیا کچھ رسوائی ہو؟ لیکن چونکہ اس مجمع سے مالی فائدہ ہوا ہے اِسلیے مین چاہتا ہون کہ انکی مالی کارگزاری دکھاؤن۔ ان لوگون نے سلطان کو مال پر حریص بنا رکھا ہے، اور مجکو خود غرض کہتے ہین، گو میری نصیحت اسوقت نہ سُنی جائے مگر انکا مکروفریب اُسوقت کھل جائیگا کہ جب مین موجود نہونگا۔ اور جب میری خیرخواہی کا اندازہ ہوسکیگا۔ اور یہ بھی معلوم ہوگا کہ اس گروہ کے دریافت حال سے مین غافل نہین رہا ہون اور اکثر اوقات اِس گروہ کے حالات عرض کرتا رہا ہون۔ اور کبھی کوئی واقعہ چھپایا نہین گیا ہے؛ البتہ جب مین نے دیکھا کہ میری عرض داشت قبول نہین ہوتی ہے تب مین بھی چپ ہو رہا لیکن جتم بالشان

سمجھکر اس کتاب (سیر الملوک) مین ایک عنوان قائم کرتا ہون جسکے ملاحظہ سے معلوم ہوجائیگا کہ باطنیہ
کون تھے؟ انکا مذہب کیا تھا؟ اور پہلے پہل وہ کہان ظاہر ہوئے؟ (اُنھون نے کئی مرتبہ سر اُٹھایا ہے مگر ہمیشہ
خداوند عالم نے انکی سرکوبی کردی ہے) اور یہ تذکرہ میرے بعد یادگار رہیگا۔ باطنیہ فرقہ کا ملک شام،
یمن، اندلس مین ظہور ہوا ہے اور اُنھون نے بڑی خونریزی کی ہے۔ لیکن یہ پوری تاریخ مین بیان
نہ کرونگا۔ شایقین تاریخ کی طرف رجوع کرین خصوصًا تاریخ اصفہان (جسمین پوری تفصیل موجود ہے)
اور جسقدر واقعات ملک عجم مین ہوئے ہین وہ بھی ایک فی صدی بیان کرونگا جس سے جناب عالی کو از
ابتدا تا انتہا باطنیہ کی تاریخ معلوم ہوجائیگی۔

مزدک کے تاریخی حالات۔ دنیا مین سب سے پہلے جسنے مذہب معطلہ کی بنیاد ڈالی وہ سرزمین
عجم کا باشندہ "مزدک[۱]" تھا، اور جسکو لوگ "موبد موبدان" کہتے تھے۔ چنانچہ ملک قباد بن فیروز (پدر
نوشیروان عادل) کے زمانہ مین مزدک نے گبرون کے مذہب کو برباد کرکے ایک جدید مذہب کی

---

۱ خواجہ نظام الملک نے جسقدر مزدک کے حالات لکھے ہین اُسپر کسیقدر حاشیہ لکھنے کی ضرورت ہے لہذا چند
تاریخون سے مختصر طور پر یہ ذیل لکھا جاتا ہے۔
ایران مین یکے بعد دیگرے جو مدعیانِ نبوت یا بانیان مذہب پیدا ہوے ہین اُن مین مزدک بن نامدار ان سب سے
اخیر شخص ہے۔ مورخون کو اُسکی جعلسازی اور مکاری تسلیم ہے۔ تاہم طبقہ حکما مین شمار کیا جاتا ہے۔ نیشاپور کا باشندہ تھا
لیکن تکمیل علوم کے بعد مدائن مین چلا آیا تھا اور عہد قباد مین اپنی نبوت کا اعلان کیا تھا۔ اُسنے اپنے تابعین اور
مریدون کی ہدایت کے واسطے ایک دستور العمل بنایا تھا جسکا نام "دیسناد" تھا اور سہل فارسی مین اسکا ترجمہ
آئین شکیب ایک مرید نے کیا تھا۔
مزدک کا اصل مذہب رڈیکل، اور سوشلیسٹ کے قریب قریب تھا۔ کیونکہ یورپ کے یہ خوفناک فرقے بھی یہی عقیدہ
رکھتے ہین کہ ہر آدمی دوسرے آدمی کے مال اور ناموس پر یکسان اختیار رکھتا ہے اور اسی بنا پر مزدک
کے مذہب مین زنا کچھ گناہ نہ تھا۔ باقی آیندہ

بنیاد ڈالنی چاہی۔ اور اِس تحریک کا باعث یہ تھا کہ مزدک کو علم نجوم مین کمال تھا۔ اور سیارون کی چال سے اسنے یہ نتیجہ نکالا تھا، کہ اس عہد مین ایک شخص ایسا پیدا ہونے والا ہے جس کا مذہب

(بقیہ صفحہ ۹۶) عقائد مزدک کا قول ہے کہ جہان کے دو صانع ہین، ایک خیر کا فاعل ہے اور وہ نور محض ہے جسکا نام یزدان ہے۔ یہ سلاطین کی طرح کرسی پر بیٹھتا ہے۔ دوسرا شر کا فاعل ہے اور وہ ظلمت ہے۔ جسکو اہرمن کہتے ہین۔ چنانچہ یزدان اور اہرمن ہر وجود کی علت ہین۔ نور کے تمام افعال اختیاری اور ظلمت کے اتفاقی ہین۔ یزدان نے عقول، نفوس، آسمان، کواکب، ہشت عناصر، معادن، اشجار میوہ دار، حیوانات اور انسان کو پیدا کیا ہے۔

آگ کا جلانا، پانی کا کشتی کو ڈبو دینا، جاندار وں کا لوٗون کی لپیٹ سے جلکر خاک سیاہ ہوجانا اور ہر قسم کی جسمانی تکلیف دینا۔ غرضکہ اہرمن کی کرتوت اسی قسم کی ہین۔ اور عالم عنصری کی حکومت اُسکے ہاتھ مین ہے۔ اہرمن کی تمام مخلوقات فانی ہے۔ اور یزدان حیات جاودانی بخشتا ہے۔ عبادت کا سزاوار صرف یزدان پاک ہے۔

مسئلہ قیامت مین مزدک کا قول ہے کہ جب ظلمت سے نور کے اجزا علیحدہ ہوجائین گے اور پرانی ترکیب بدل جائے گی، اسوقت قیامت آجائیگی۔

اِس عالم مین (عالم فرودین) یزدان کی چار قوتین ہین۔ اوّل بازکشا (قوت تمیز) دوم یادہ (قوت حافظہ) سوم دانا (قوت فہم) چہارم سُور (بہجت وسرور) اور ان قوتون کا عملدرآمد چار شخصون کی ذات سے ہوتا ہے اور وہ یہ ہین (۱) موبد موبدان (۲) ہیربد ہیربدان (۳) سپہبدان (۴) رامشکران۔ پھر ان چار طبقۂ اعلیٰ کے سات رکن اور ہین جو عزت و مرتبہ مین اُنسے کمتر ہین۔ یعنی سالار۔ پیشکار۔ بانو۔ دبیران۔ کاردان۔ دستور۔ کودک۔ پھر یہ سات ناظم ملکر بارہ روحون پر حکومت کرتے ہین۔

خوانندہ۔ دہندہ۔ ستانندہ۔ برندہ۔ خواہندہ۔ دوندہ پرندہ۔ کشندہ۔ زنندہ۔ آیندہ۔ شوندہ۔ پایندہ۔

جب کسی انسان مین یہ تیئیس ۲۳ قوتین مجموعی طور پر جمع ہوجائین تو عالم سفلی مین اُسکا نام پروردگار اور رب ہے اور وہ تمام تکالیف سے چھوٹ جاتا ہے گویا کمال کا یہ وہ درجہ ہے کہ جس مرتبہ پر پہونچکر اس ذات کو دیبی دیوتا، گاڈز، رب النوع وغیرہ سمجھنے لگتے ہین (ہندوستان اور یونان بھی اسی قسم کے خیالات سے مالا مال ہے۔)

جدال و قتال سے نور بیزار اور اہرمن خوش ہوتا ہے اور تمام مفاسد کی بنیاد زن اور زر ہے (باقی آیندہ

آتش پرستون، یہودیون، عیسائیون اور بت پرستون کے مذہب کو باطل کر دیگا، اور اپنے معجزات اور طاقت سے مذہب کی اشاعت کریگا اور اُسکا مذہب قیامت تک باقی رہیگا۔ اسلیے فردک کی تمنا تھی کہ وہ ہونے والا شخص مین خود ہی کیون نہ بنجاؤن؟ لہذا اُسے غور کرنا شروع کیا کہ کیونکر لوگونکو مذہب کی دعوت کرون اور ایک جدید مذہب ایجاد کرون۔ آخر کار اُسنے دیکھا تو بادشاہ کی مجلس مین اپنے تئین معزز و محترم پایا اور یون بھی سب اُسکو عزت کی نظر سے دیکھتے تھے کیونکہ پیغمبری کے دعوے سے پہلے از قبیل محالات کسی نے اُسکی کوئی تقریر نہین سنی تھی۔ اسلیے اُسنے اپنے غلامون کو حکم دیا کہ وہ ایک مخفی جگہ سے سرنگ لگائین۔ چنانچہ اُنھون نے آہستہ آہستہ اس کام کو ختم کر دیا اور ٹھیک آتشکدے کے نیچے پہونچکر آئمین ایک باریک سوراخ کر دیا اسکے بعد مزدک نے پیغمبری کا دعویٰ کیا۔ اور یہ اعلان کیا کہ مین اسلیے مبعوث ہوا ہون کہ زردشت کے

(بقیہ صفحہ ۹۷) اسلیے فوز کی رضامندی کے واسطے عورتون کو آزاد مطلق کر دینا چاہیے۔ اور جسطرح آگ پانی خوراک وغیرہ مین تمام آدمی شریک ہین اسیطرح مال مین بھی سب کا حصہ برابر ہونا چاہیے۔ مزدک نے گوشت خواری کو حرام کر دیا تھا۔ قباد کی وجہ سے اشاعت مذہب مین بڑی ترقی ہو گئی تھی۔ اور قبائل عرب مین خاص کوششین اُسکی اشاعت کے واسطے کی گئی تھین۔ چنانچہ حیرہ کا نامور سردار منذر بن ماء السماء اپنی حکومت سے اسلیے معزول کر دیا گیا تھا کہ اُسنے مزدک کا مذہب قبول نہین کیا تھا۔ مگر نوشیروان نے بزرجمہر اور مشاہیر موبدون کی رائے سے مزدک کا قطعی استیصال کر دیا۔ ایک لاکھ مزدکی صرف ایک دن مین قتل ہوئے۔ اور نہروان و مدائن کے مابین ہزارون کو پھانسی دی گئی۔ اور کامل تسلط کے بعد عورتین اصلی شوہرونکو واپس ہوئین اور اسی طرح مال و اسباب بھی واپس ہوا۔ از ناسخ التواریخ۔ جلد دوم صفحہ ۹۔ ۳۔ ۳۵۱۔ و فرہنگ انجمن آرائے ناصری۔ ملل و نحل شہرستانی صفحہ ۱۱۹۔ جز اول مطبوعہ بمبئی ۱۳۱۴ھ و دبستان مذاہب صفحہ ۱۴۳ مطبوعہ کلکتہ و ملل و نحل مطبوعہ مصر صفحہ ۸۶ حاشیہ الفصل)

مذہب کی تجدید کرون- کیونکہ لوگون نے استا اور ژند کے معنی بھلا دیے ہین اور یزدان کے احکام
کی ٹھیک تعمیل مطابق ہدایت زردشت[1] کے نہین کرتے ہین-

[1] زردشت، منوچہر بن ایرج بن فریدون کی نسل سے ہے اور فردوسی کی روایت کے بموجب زردشت پیشین (مہ آباد) تک اسکے نسب کا سلسلہ چلتا ہے۔ زراتشت، زرتشت، زرتہشت کے نام سے بھی مشہور ہے لیکن اصلی نام "سپنتمان" ہے زردشت کا باپ پورشسپ بن پیتیرسپ آذربائیجان کا باشندہ تھا- اور اسکی ماں خاندان فریدون سے تھی جسکا نام "دغد" یا "دغدویہ" تھا- اور فرہنگ مین زردشت کے معنی حسب ذیل ہین آفریدۂ اول، نفس کل، نفس ناطقہ، عقل اول، فلک عطارد، نور مجرد، عقل فعال، رب النوع، راست گو، نور یزدان، و نام حضرت ابراہیم، وخشور سیمباری (پیغمبر رمزگوی)، اور اہل عجم اپنے عقیدے کے مطابق اسکو اپنا پیغمبر کہتے ہین- لیکن ہمین کوئی شبہ نہین ہے کہ وہ اپنے زمانہ کا ایک مشہور حکیم تھا- اُسپر جو کتاب (بخیال اسکے) آسمان سے اتری تھی اُسکا نام اَوِستا تھا- یہ کتاب قدیم پہلوی مین تھی، زردشت نے خود اُسکا ترجمہ کیا اور اُسکا نام پاژند رکھا اور دوسری کتاب کا نام ژند (زند) تھا اُسکے دو حصے ہین جو احکام مطابق کتاب مہ آباد کے ہین اُسکا نام "بہِ زند" ہے اور جو اُسکے مخالف ہے اُسکا نام "کہِ زند" ہے- اور انھی کتابون کو وہ اپنے معجزے کے اظہار مین پیش کرتا تھا پھر موبدون نے پاژند کی شرح لکھی جسکا نام پارہ تھا- اور ایک دوسرے موبد نے جسکا نام آذرپژوہ تھا ژند اور پاژند سے احکام انتخاب کرکے ایک کتاب (مشتمل صد باب) تیار کی اور اسکا نام "صَدْ دَر" رکھا جیسا کہ کسیکا قول ہے

زراتشت بنگر چہ دین پرور است   کہ در شہر علمش رہ، از صد در است

مجوسی اِس تمام سلسلہ کو آسمانی اور وحی الٰہی خیال کرتے تھے- یہ شرح الشرح تو سکندر کے ہاتھون برباد ہوگئی لیکن اَوِستا اور ژند اور پاژند کا سلسلہ جابجا رہگیا- اور وہی مسلمانون کے ہاتھ آیا- اوستا مین کل ۲۱ سورتین تھین اور ہر سورت تقریباً چار چار سو صفحون پر لکھی جاتی تھی- ان سورتون مین سے ایک سورت کا نام جستر شت تھا جسمین دنیا کے آغاز اور انجام کا حال بیان کیا گیا ہے- ایک سورت کا نام ہادوخت تھا جسمین نصائح اور پند تھے- چنانچہ مورخ مسعودی نے تصریح کی ہے کہ چوتھی صدی کے آغاز تک یہ کامل نسخہ موجود تھا- اور سیستان مین ایک شخص کو یہ کتاب تمام و کمال حفظ یاد تھی- اوستا کا ترجمہ عربی زبان مین ہوا اور چوتھی صدی کی تصنیفات مین اس عربی ترجمے کے حوالے ہوتے تھے- (باقی آیندہ)

اور اُسکی مثال یہ ہے کہ جب بعض افراد بنی اسرائیل حضرت موسی علیہ السلام کے احکام (جو توریت مقدس کے مطابق تھے) کے خلاف تعمیل کرنے لگے، تب خدا نے اُنپر دوسرا پیغمبر بھیجا۔ کہ وہ توریت مقدس کے احکام کی تجدید کرے اور مخلوق کو سیدھے راستے پر لاوے۔" چنانچہ جب یہ صدا قباد کے کانون تک پہونچی تب اسنے دربار مین بزرگانِ قوم اور مقتدایانِ مذہب کو جمع کیا۔ اور سب کے سامنے مزدک سے اسطرح گفتگو شروع کی۔

قباد۔ کیا تو پیغمبری کا مدعی ہے؟ **مزدک** ہان اور مین اِسلیے بھیجا گیا ہون کہ زردشت کے مذہب مین جو آمیزش ہوگئی ہے اُسکو صاف کرکے اصلی حالت پر لاؤن۔ اور ژند و اُستا کی صحیح تفسیر کرون۔ کیونکہ آج جن معانی پر عملدرآمد ہے یہ تو بالکل غلط ہین۔

قباد۔ کوئی معجزہ بھی رکھتے ہو؟ **مزدک** "میرا معجزہ یہ ہے کہ آگ جسکا تم سجدہ کرتے ہو وہ مجھسے باتین کرتی ہے۔ اگر مین خدا سے عرض کرون تو وہ آگ کو حکم دیگا کہ میری پیغمبری کی گواہی دے اور

بقیہ صفحہ ۹۹) گشتاسپ کے چوتھے سن جلوس (۵۴۹ برس قبل ولادت مسیح) مین زردشت حاضر دربار ہوا۔ اور متعدد امتحانات اور اظہار معجزات کے بعد گشتاسپ ایمان لایا تھا۔ اور گورنمنٹ ایران کی مدد سے اشاعت مذہب مین ترقی ہوئی۔ علیٰ ہذا القیاس اسفندیار (پسر گشتاسپ) کے عہد مین بھی زردشت کا عروج ہوا اور اطراف سلطنت مین آتشکدے بنائے گئے۔ چنانچہ آذربائیجان، بلخ، ارض ارمن، بعض ممالک یورپ، ہندوستان، روم، عرب، چین مین آتشکدے تیار ہوگئے۔ صرف زابلستان، اور سیستان کا حصہ چھوٹ گیا تھا۔ کیونکہ رستم پہلوان عقائد زردشتیہ کا سخت مخالف تھا۔ چنانچہ اسفندیار اور رستم کی باہمی عداوت اور جنگ و جدل کا یہ بھی ایک سبب ہے۔ ستتر برس کی عمر مین ہنگامہ ارجاسپ مین "توربرا تور" ایک تورانی پہلوان کے نیزہ سے زخمی ہوکر فوت ہوا۔ انتخاب از دبستان مذاہب صفحہ ۱۰۲-۱۲۴ مطبوعہ کلکتہ، ملل و نحل شہرستانی صفحہ ۱۱۴ مطبوعہ مصر حاشیہ الفصل (صفحہ ۷۷) سفرنامہ ایران میرزا فرصت شیرازی صفحہ ۱۰۲ تاریخ گنج دانش، تحقیق بلخ صفحہ ۱۴۲۔ رسائل شبلی نعمانی صفحہ ۲۴۴

یہ شہادت علی رُؤس الاشہاد ہوگی" مزدک کا یہ دعوی سُنکر قباد نے موبدون سے پوچھا کہ اس مسئلہ مین تم کیا کہتے ہو" موبدون نے کہا کہ "سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ مزدک ہمارے ہی دین اور کتاب کی دعوت کرتا ہے اور زردشت کا مخالف نہین ہے۔ البتہ ژند اور اُستا کی تفسیر مین گفتگو ہے کیونکہ اکثر آیتون کی بینل طرح سے تفسیر ہوسکتی ہے اور مفسر کو تاویل کرنیکا اختیار ہے۔ اور یہ ہوسکتا ہے کہ مزدک کسی آیت کی تفسیر دلکش پیرایہ سے کرے لیکن تعجب تو یہ ہے کہ وہ ہمارے معبود کو گویا کرسکتا ہے جو انسان کی قدرت سے باہر ہے" موبدون کی تقریر سنکر قباد نے مزدک سے کہا کہ "اگر یہ سچ ہے تو مین خود تیری پیغمبری کی گواہی دونگا" مزدک نے کہا کہ "اگر شاہنشاہ پورا وعدہ کرے اور کسی دن آتشکدے پر مع اعیان دولت اور موبدون کے قدم رنجہ فرمائے تو میری دعا سے خدائے عزوجل آگ کو گویا کردیگا۔ اور اگر شاہنشاہ کو منظور ہو تو یہ آج ہی بلکہ اسی وقت ہوسکتا ہے" لیکن قباد نے کہا کہ ہم سب کل آتشکدے پر جمع ہونگے۔ دوسرے دن مزدک نے اپنے تعلیم یافتہ مرید کو سُرنگ کے راستے سے آتشکدے کے نیچے بھیجدیا۔ اور اُسکو سمجھا دیا کہ جب مین بلند آواز سے یزدان کو پکارون تب تو روزن کے نیچے سے جواب دینا کہ "اے یزدان پرستو! مزدک کے احکام کی تعمیل کرو کیونکہ تمھارے حق مین سعادتِ دارین یہی ہے" چنانچہ دوسرے دن شاہنشاہ قباد اکابرینِ مذہب اور معززین کے ہمراہ آتشکدے پر گیا اور مزدک کو بھی بُلا بھیجا وہ حاضر ہوا اور آتشکدے کے دروازے پر کھڑے ہوکر اُسنے اونچی آواز سے یزدان کو پکارا اور زردشت کی تعریف کرکے خاموش ہورہا۔ چنانچہ آتشکدے سے وہی ندا آئی (جسکو مین اوپر بیان کرچکا ہون) جسکو سب نے اپنے کانون سے سُنا اور حیرت زدہ رہگئے۔ اور قباد نے ارادہ کرلیا کہ

مزدک کا پیرو ہو جائے۔ غرضکہ آتشکدے سے لوٹ کر قباد نے مزدک کو طلب کیا۔ اور پھر آہستہ آہستہ اسکا درجہ بڑھایا۔ اور آخر کو مذہب مزدکیہ مین داخل ہو گیا۔ اور مزدک کے واسطے ایک طلا کار کرسی بنوائی گئی جب دربار عام ہوتا تو تخت پر وہ مرصع کرسی بچھائی جاتی اور اُسپر مزدک جلوہ فرما ہوتا اس موقع پر مزدک قباد سے بلندی پر بیٹھتا تھا۔ اب کچھ دلی ارادت سے اور کتنے ہی شاہنشاہ عجم کی خاطر سے مذہب مزدکیہ مین داخل ہوتے جاتے تھے۔ اور شہر و دیہات کی خلقت دارالسلطنت مین آکر علانیہ یا خفیہ طور سے دائرہ مزدکیہ مین شامل ہوتی جاتی تھی۔ مگر فوجی سپاہی کم متوجہ ہوتے تھے۔ اور سلطنت کے دباؤ کی وجہ سے کچھ کہہ بھی نہین سکتے تھے۔ اور موبدون کا گروہ بھی اب تک الگ تھا اور اس انتظار مین بیٹھے تھے کہ دیکھیے ژندواستا سے کیا ظاہر ہوتا ہے۔ اور چونکہ خود بادشاہ نے مذہب مزدکیہ اختیار کر لیا تھا۔ اس وجہ سے جُوق جُوق لوگ اس مذہب کو قبول کر کے ایک دوسرے کے مال و دولت پر قابض ہوتے جاتے تھے۔ مزدک کا قول تھا کہ "دولت مین سب کا حصہ ہے" اور دلیل اس بات پر یہ تھی کہ سب اللہ کے بندے ہین۔ اور ایک ہی آدم کی اولاد ہین، پھر وہ کیون محتاج رہین؟ سب کو چاہیے کہ مل جُل کر صرف کرین۔ تاکہ کوئی محتاج نہو۔ اور سب کی حالت یکسان رہے۔ جب قباد نے تقسیم دولت کے مسئلہ کو تسلیم کر لیا اور اُسکے عملدرآمد پر رضامند ہو گیا۔ تب مزدک نے اعلان کیا کہ عورتون کو بھی سکہ رائج سمجھو اور باہمی ملاقاتون سے میل جول پیدا کرو تاکہ لذت شہوانی اور خواہشات دنیاوی سے محروم نہ رہو۔ اور باب مراد سب پر یکسان کھُلا رہے۔ غرضکہ صرف زن اور زر کی اباحت سے مذہب مزدکیہ مین اکثر لوگ داخل ہوتے جاتے تھے خصوصًا عوام الناس۔

جب نوشیروان نے یہ رنگ دیکھا تو موبدون کو پیغام دیا کہ تم لوگ اسقدر خاموش کیون ہو گئے ہو اور کیون ایسا عجز اختیار کر لیا ہے۔ مزدک کے معاملات مین نہ تو تم کچھ گفتگو کرتے ہو اور نہ میرے باپ کو نصیحت کرتے ہو کہ وہ کن حالون مین گرفتار ہو رہا ہے؟ اور تم خود بھی اس مکار او جعلساز کے پھندے مین پھنسے ہو۔ یہ سگِ ناپاک لوگون کا مال تلف کیے ڈالتا ہے اور عورتون کی عفت کا پردہ اُٹھا دیا ہے آخر کچھ بولو! کہ مزدک کے یہ دعوے کس بنیاد پر ہین۔ اور اگر ایک عرصے تک تم ایسے چپ سادھے بیٹھے رہے تو یاد رکھو کہ مال و دولت کے ساتھ تمھاری عورتین بھی تشریف لیجائینگی۔ اور ہمارے خاندان سے سلطنت رخصت ہو گی۔ لہذا تم سب شاہنشاہ کی حضور مین جاؤ اور واقعات دکھلا کر نصیحت کرو اور مزدک سے مناظرہ کر دیکھو کہ وہ کیا دلائل پیش کرتا ہے اور ملک کے نامور لوگون سے یہ کہلا بھیجا کہ میرا باپ سودائی ہو گیا ہے اور اُسکی عقل جاتی رہی ہے وہ اپنے بھلے کو بھی نہین جانتا ہے لہذا آپ اُسکا علاج کیجیے تاکہ وہ مزدک کے کہنے سننے پر عمل نہ کرے۔ اور آپ بھی اُسکی باتون پر فریفتہ نہو جائین کیونکہ وہ سچائی پر نہین ہے اور یہ ظاہر ہے کہ حق کے مقابل مین باطل کو بقا نہین ہے۔ اور اگر آج غفلت ہوئی تو کل کچھ فائدہ نہو گا"

نوشیروان کا پیام سنکر بزرگان قوم خوف زدہ ہو گئے اور جو لوگ جدید مذہب اختیار کرنے والے تھے وہ رُک گئے۔ کہ آؤ دیکھین مزدک کہانتک عروج پاتا ہے اور نوشیروان کے اقوال کس بنیاد پر ہین (اسوقت نوشیروان کی عمر ۱۸ برس کی تھی) اور قباد سے بالاتفاق کہا کہ "مزدک کی باتین تو ہمکو نہایت ہی بُری معلوم ہوتی ہین کیونکہ وہ جو کچھ کہتا ہے۔ زمانۂ سلف سے آج تک نہ تو ہمنے کسی تاریخ مین پڑھا ہے اور نہ کسی پیغمبر سے (جو ملک شام مین مبعوث ہوئے ہین) سنا ہے" اسکے جواب مین

قباد نے کہا کہ اچھا مزدک سے تم خود پوچھ دیکھو وہ کیا کہتا ہے؟ چنانچہ مزدک طلب ہوا اور اُس سے سوال کیا گیا کہ "اپنے قول و فعل پر جو دلائل رکھتے ہو بیان کرو۔" مزدک نے کہا کہ "زردشت نے ایساہی فرمایا ہے۔ اور یہی ژند واستا مین لکھا ہے لیکن ان آیتون کے معنی سے لوگ واقف نہین ہین اگر میری بات پر اعتبار نہین ہے تو آگ سے تصدیق کر لو۔ چنانچہ آتشکدے پر پھر مجمع ہوا اور آواز آئی کہ حق یہی ہے جو مزدک کہتا ہے نہ یہ کہ جو تم کہتے ہو" غرض کہ اس مرتبہ بھی موبد شرمندہ ہو کر لوٹ آئے۔ اور دوسرے دن نوشیروان سے حال بیان کیا۔ نوشیروان نے کہا "مزدک کا دعویٰ ہے کہ اُس کا مذہب تمام اصول مین زردشت کے مذہب کے مطابق ہے البتہ صرف انھین دو مسئلون مین زن و زر" ایک عرصہ کے بعد قباد اور مزدک مین پھر گفتگو شروع ہوئی جسکی ابتدا یون ہوئی، کہ مزدک کی زبان سے نکلا کہ اس مذہب مین بطیب خاطر لوگ داخل ہوتے جاتے ہین۔ اور اگر کہین شاہزادہ نوشیروان بھی شامل ہوجاتا تو پھر کیا کہنا تھا۔ یہ سنکر قباد نے پوچھا کہ کیا نوشیروان اس مذہب مین نہین ہے؟ مزدک نے کہا کہ نہین۔ چنانچہ نوشیروان فوراً طلب ہوا اور باپ بیٹون مین اسطرح پر گفتگو شروع ہوئی۔

قباد۔ اے جانِ پدر کیا تو مزدک کا پیرو نہین؟ **نوشیروان**۔ خدا کا شکر ہے کہ مین نہین ہون۔

قباد۔ آخر اسکا باعث؟ **نوشیروان**۔ مزدک ساری خدائی کا جھوٹا اور مکار شخص ہے۔

قباد۔ جو شخص آگ کو گویا کر دیتا ہے وہ مکار کیونکر ہو سکتا ہے؟ **نوشیروان**۔ اصل مین خاک، باد، آب، آتش، چار عنصر ہین جو شخص آگ کو گویا کر سکتا ہے اسکو حکم دیجیے کہ وہ بقیہ عناصر کو بھی گویا کر دے۔ اگر ایسا ہوا تو مین اُسکا دل وجان سے مقلد ہو جاؤنگا۔

قباد۔ مزدک کا ہر قول ژند واستا کے مطابق ہے۔ **نوشیروان**۔ کیا یہ مزدک کا قول نہین ہے

کہ لوگون کی عورتین اور دولت سب پر مباح ہین۔ عہد زردشت سے آج تک کسی مفسر نے یہ تفسیر نہین کی ہے۔ مذہب کو حصولِ زر اور زن کے لیے ایک آلہ بنا لیا ہے اور جبکہ یہ دونون چیزین مباح کردی گئین تو پھر انسان اور حیوان مین فرق ہی کیا باقی رہا؟ اور یہ چلن بھی چوپایون کا ہے کہ وہ خورد و نوش ..... مین یکسان ہین۔ اور کوئی سمجھدار آدمی اس طرح کی زندگی کو پسند نہین کرتا ہے۔

قباد۔ خیر ان باتون کو جانے دو کسی بیٹے کو اپنے باپ کے خلاف ہونا چاہیے۔؟ **نوشیروان**۔ یہ چلن مین نے آپ ہی سے سیکھا ہے میری طبیعت ہرگز ایسی نہ تھی۔ لیکن جب مین نے دیکھا کہ آپ اپنے باپ کے خلاف ہوے تو مین نے بھی آپ کی مخالفت کی۔ اب مین مجبور رہون"

جب یہ سلسلۂ کلام یہانتک پہونچا تو مزدک اور قباد نے نوشیروان سے کہا کہ "یا تو کوئی ایسی دلیل پیش کرو جس سے مذہب مزدکیہ کا پورا رد ہوجائے یا کسی ایسے شخص کو لاؤ جسکی حجت مزدک سے زیادہ پرزور ہو۔ ورنہ ایسی سزا دونگا جس سے دوسرون کو عبرت ہوگی" چنانچہ اتمام حجت کے لیے نوشیروان نے چالیس دن کی مہلت مانگی اور وہ درخواست منظور ہوگئی۔ جب مجمع منتشر ہوگیا اور نوشیروان قباد سے رخصت ہوکر واپس آیا تو اُسنے شہر کُول[۱] کے موبد[۲] کی خدمت مین ایک قاصد روانہ کیا اور خط مین لکھا کہ "جسقدر جلد ممکن ہوسکے آپ تشریف لائین۔ کیونکہ مجھسے اور والد ماجد سے اور مزدک سے اس قسم کا جھگڑا درپیش ہے"۔ چنانچہ انقضاے میعاد پر قباد نے دربار کیا اور مزدک کو

---

[۱] کُول۔ اصطخر (صوبۂ فارس) کا ایک مشہور قصبہ ہے۔ انجمن آرائے ناصری۔

[۲] موبد (پیشواے دین یزدان پرستان) اس لفظ کے معنی حکیم اور دانا کے ہین اصل مین یہ لفظ مغوبد تھا۔ یعنی مغون کا سردار اور رسالار مخفف ہوکر موبد ہوا"۔ عربی مین اس کا ترجمہ "اعلم العلما" ہے۔ انجمن آرائے ناصری و گنج دانش"

درباری کرسی پر (جو ایک تخت پر بچھی ہوئی تھی) بیٹھنے کا حکم دیا۔ نوشیروان بھی بلایا گیا۔ اور مزدک کے حکم سے قباد نے پوچھا کیا جواب ہے؟ نوشیروان نے کہا کہ اسی تدبیر مین ہون یہ سنکر قباد نے کہا کہ وقت ہوچکا اور مزدک نے حکم دیدیا کہ نوشیروان کو گرفتار کرکے قتل کردو۔ چنانچہ لوگ نوشیروان سے لپٹ گئے اور قباد خاموش ہو رہا۔ نوشیروان نے قباد سے جھلا کر کہا کہ "میرے قتل مین آخر اسقدر جلدی کیون کی جاتی ہے جبکہ ایفاے وعدہ کی مدت بھی پوری نہین ہوئی ہے۔ کیونکہ چالیسوان دن ابھی نہین گذرا ہے۔ اگر آج کا دن بھی پورا ہوجائے تب البتہ آپ کو اختیار ہے"۔ اسپر سرداران فوج اور موبدون نے بھی غل مچایا کہ ہان ہان نوشیروان سچ کہتا ہے چنانچہ قباد کے حکم سے آج نوشیروان مزدک کے چنگل سے چھوٹ گیا۔ جسوقت نوشیروان مکان پر پہونچا ہے۔ اسی وقت شہر کول[1] کا موبد بھی آپہونچا اور ناقہ سے اُترکر اطلاع کرائی کہ موبد فارسی آگیا ہے خادم سے یہ خوشخبری سُنکر نوشیروان باہر نکل آیا۔ اور جوش مسرت سے موبد کے لپٹ گیا۔ اور کہا کہ "آپ سمجھین گویا مین نے آج ہی جنم لیا ہے پھر صبح کا واقعہ بیان کیا"۔ موبد نے کہا آپ اطمینان رکھین سچ وہی ہے جیسا کہ آپ کہتے ہین اور مزدک خطا پر ہے۔ مین آپ کی طرف سے ہر طرح کی جواب دہی کرونگا اور قباد کو عقائد مزدکیہ سے منحرف کرونگا لیکن قبل اسکے کہ مزدک کو میرا آنا معلوم ہو مین بادشاہ سے ملنا چاہتا ہون"۔ نوشیروان نے کہا کہ یہ معمولی بات ہے۔ اور محلسرا مین حاضر ہوکر نوشیروان سے ملاقات کی اجازت چاہی۔ اور حضور مین پہونچکر بعد دعا و ثنا کے عرض کیا کہ "جس موبد کو مین نے فارس سے مزدک کے مقابلہ کے لیے طلب کیا تھا وہ آگیا ہے لیکن پہلے وہ شاہنشاہ سے ملنا چاہتا ہے تاکہ تخلیہ مین

---

[1] شاہنامہ مین لکھا ہے کہ اس موبد کا نام "مہرآذر" تھا اور نوشیروان نے مباحثہ کے واسطے پانچ مہینہ کی مہلت لی تھی۔

اُسکی تقریر سنی جائے۔ چنانچہ قباد نے حاضری کی اجازت دیدی اور شب کے وقت نوشیروان موبد کو لیکر حاضر ہوا موبد نے بعد معمولی مدح وثنا کی قباد کے روبرو اسطرح پر تقریر شروع کی کہ ہمزدک مغالطہ مین پڑا ہوا ہے وہ اس کام کی صلاحیت نہین رکھتا ہے مین تو اُسکو خوب جانتا ہون اور اسکی عقل و دانش سے بھی واقف ہون۔ ہان وہ کسی قدر نجوم جانتا ہے مگر اس معاملہ مین جو حکم اُسنے لگا ہے وہ غلط ہے البتہ وہ زمانہ قریب آگیا ہے کہ ایک شخص ظاہر ہوگا اور پیغمبری کا دعویٰ کریگا۔ اور وہ ایک معجز کتاب بھی پیش کریگا۔ اور طرح طرح کے معجزے بھی دکھلائیگا۔ ماہتاب کو آسمان پر دو ٹکڑے کردیگا اور تمام دنیا کو سچے مذہب کی دعوت کریگا۔ اور اُسکا مذہب پاکیزہ ہوگا۔ آتش پرستی وغیرہ کو مٹادیگا دوزخ سے ڈرائیگا اور جنت کا امیدوار بنائیگا۔ اُسکی شریعت مال وحرم کی محافظ ہوگی۔ وہ بندگان خدا کو شیطان سے بچائیگا۔ اُسکی فرشتون سے دوستی ہوگی۔ وہ آتشکدون تیکدون کو ویران کردیگا۔ اُسکا مذہب ساری دنیا مین پھیل جائیگا۔ اور قیامت تک باقی رہیگا۔ زمین وآسمان اُسکی دعوت کی تصدیق کرینگے۔" مزدک کو اب یہ دھن سوار ہوئی ہے کہ وہ آنے والا پیغمبر مین خود بنجاؤن۔ مگر یہ نہین جانتا ہے کہ وہ عجم کی خاک سے پیدا نہوگا۔ اور مزدک عجمی الاصل ہے۔ اور وہ پیغمبر آتش پرستی سے منع کریگا اور زردشت کا منکر ہوگا۔ مگر مزدک زردشت کا پیرو ہے اور آتش پرستی کو جائز رکھتا ہے۔ وہ پیغمبر کبھی یہ اجازت نہ دیگا کہ لوگ پرائی عورتین تکین، یا ناحق کسی کا مال چھین لین۔ وہ چوری کی حالت مین ہاتھ کاٹنے کا حکم دیگا۔ حالانکہ مذہب مزدکیہ مین زن اور زر سب پر مباح کردیے گئے ہین۔ اُس پیغمبر پر آسمان سے وحی نازل ہوگی[1]۔ اور مزدک کا یہ حال ہے کہ وہ آگ سے اپنی تصدیق کراتا ہے۔ بہرحال

---

[1] اس موبد نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت کی نسبت جسقدر پیشین گوئیان کی ہین (باقی آئندہ)

مذہب مزدکیہ ایک بے بنیاد چیز ہے۔ اور کل شاہنشاہ خود ملاحظہ کریگا کہ مین اُسکو کیسا رسوا کرتا ہون مزدک چاہتا ہے کہ سلطنت آپ کے خاندان سے دوسرے خاندان مین چلی جائے اور شاہی خزانے کو خود اَلَلّے تَلَلّے کرے۔ اور آپ کو ایک معمولی شخص کے برابر کردے اور خود بادشاہ بنجائے"

چنانچہ قباد کو موبد کی تقریر پسند آئی دوسرے دن دربار منعقد ہوا۔ مزدک کرسی زرنگار پر بیٹھا اور نوشیروان تخت کے سامنے کھڑا ہوا۔ سرداران قوم اور علماے ملت بھی موجود تھے۔ اُسوقت فارس کے موبد نے مزدک سے پوچھا کہ "ابتدا کلام کی میری جانب سے ہوگی یا تمھاری؟ مزدک نے کہا نہین، ابتدا آپ کی جانب سے ہونی چاہیے مین تو جواب دینے والا ہون۔ یہ سنکر موبد نے کہا کہ "آپ میری جگہ کھڑے ہون اور مین آپ کی جگہ بیٹھون" یہ سنکر مزدک شرمندہ ہوا اور یہ کہکر چپ ہو رہا کہ مین شاہی حکم سے اس جگہ بیٹھا ہون آپ سوال کرین مین جواب دونگا۔ چنانچہ فریقین مین اسطرح پر گفتگو شروع ہوئی۔

موبد۔ آپ نے اپنی دولت کو سب پر مباح کردیا ہے اور اس دنیا مین جو لوگ سرا‌ئے، پل، آتشکدے بناتے ہین یا خیرات کرتے ہین کیا یہ عالم آخرت کے واسطے نہین کرتے ہین؟ **مزدک** ہان میرا تو ایسا ہی خیال ہے۔

موبد۔ جب دولت مشترک ٹھری تو خیرات کا ثواب کسکو ہوگا؟ مزدک نے کوئی جواب نہین دیا۔

بقیہ صفحہ ۱۰۷) گویا یہ وہ اقوال ہین جو اسوقت کے کاہنون اور منجمون مین مشہور ہو چکے تھے۔ اور عجم کی قدیم تاریخ سے ثابت ہے کہ اس زمانہ مین تمام فارس و اطراف عرب اور اُسکے متصلہ ممالک مین ایک عام بےچینی ہو رہی تھی اور زوال سلطنت فارس اور عربون کی فتوحات پر تمام نجومی متفق تھے حمزہ اصفہانی نے تاریخ ملوک الارض مین اسکی کسیقدر تصریح کی ہے دیکھو باب دہم فصل چہارم صفحہ ۱۳۴ مطبوعہ کلکتہ ۱۸۶۶ع

موبد یہ بادشاہ جو اسوقت تخت پر بیٹھا ہوا ہے حقیقت مین بادشاہ ہے اور شاہ فیروز کا بیٹا ہے اور سلطنت وراثت مین پائی ہے اور یہی حال فیروز کا بھی تھا۔ اب اگر بادشاہ بیگم سے وحشی مرد...... کرین اور فرزند پیدا ہو تو وہ کسکا سمجھا جائیگا اور جب بادشاہ کی نسل منقطع ہو جائیگی تو پھر کوئی اولاد بھی نہوگی بڑائی چھوٹائی (مہتری کہتری) کا حقیقت مین دولتمندی اور مفلسی سے مقابلہ ہوا کرتا ہے۔ جب کوئی محتاج ہوگا تو اُسکو ضرورتًا مالدار کی خدمت اور مزدوری کرنا پڑیگی۔ اور جب مال مباح ہو جائیگا تو پھر یہ رشتہ دنیا مین باقی نہ رہیگا اب آپ کا یہ ارادہ ہے کہ شاہنشاہ عجم کے خاندان سے سلطنت کا استیصال کر دیا جائے (مزدک نے کوئی جواب نہین دیا)

قباد (مزدک سے مخاطب ہوکر) موبد کے ہر سوال کا جواب دینا چاہیئے **مزدک** اسکا جواب یہی ہے کہ آپ موبد کے قتل کا حکم صادر فرمائین۔

قباد۔ بغیر حجت کسی کی گردن نہین کاٹنا چاہیے **مزدک**۔ اچھا مین بطور خود کوئی حکم دینا نہین چاہتا ہون آگ سے پوچھتا ہون۔ اس تقریر سے سب لوگ خوش ہوئے کیونکہ آج نوشیروان کی جان بچ گئی اور مزدک قباد سے رنجیدہ ہوگیا۔ کیونکہ اُسکے حکم سے قباد نے موبد کو قتل نہین کرایا۔ اور اپنے دل کو یون سمجھا لیا کہ آج تو جان بچاؤ میرے قبضے مین کثرت لوگ ہین کوئی ایسی تدبیر کرتا ہون کہ جس سے قباد کا خاتمہ ہی ہو جائیگا۔ اور نوشیروان وغیرہ کو اسپر آمادہ کیا کہ کل آتشکدے پر مجمع ہو۔ چنانچہ سب کا اسپر اتفاق ہوگیا اور دربار برخاست ہوا۔

جب رات ہوگئی تو مزدک نے اپنے راہبون کو بلایا اور انعام وگیر آیندہ سپہ سالاری کا امیدوار کیا اور اُنکو قسم دی کہ خبردار کسی سے یہ حال نہ کہنا۔ اور دو تلوارین اُنکے سپرد کین اور کہا کہ جب

آتشکدے پر قباد مع موبد اور سرداران فوج کے پہونچ جائے اور آگ قباد کے قتل کا حکم دے اُسوقت تم دونون فوراً تلوارین کھینچکر قباد کا خاتمہ کردینا کیونکہ کوئی شخص تلوارین لیکر نہ جائیگا" دونون نے اقرار کیا اور رخصت ہوگئے۔ دوسرے دن آتشکدے پر مجمع ہوا۔ اُسوقت موبد فارسی نے نوشیروان سے کہا کہ "اپنے ملازمون مین سے خاص دس آدمیون کو حکم دو کہ وہ اپنے لباس مین تلوارین چھپا کر لیچلین" اور مزدک کا قاعدہ تھا کہ جب وہ آتشکدے پر جاتا تھا تو اول اپنے غلامون کو وہ الفاظ سکھا دیتا تھا جو کہلانا مقصود ہوتا تھا۔ چنانچہ آج بھی ایسا ہی انتظام کرکے روانہ ہوا تھا۔ جب آتشکدے پر پہونچ گئے تو مزدک نے موبد سے کہا کہ اول آپ آگ سے باتین کیجیے۔ موبد نے کچھ پوچھا مگر جواب نہ ملا تب مزدک نے کہا کہ "اے آگ میری سچائی پر گواہی دے اور ہم مین جھگڑا در پیش ہے اُسکا فیصلہ کر" چنانچہ آتشکدے سے آواز آئی کہ مجھ مین کل سے ضعف پیدا ہوگیا ہے اول مجکو قباد کا دل و جگر کھلاؤ تب مین فیصلہ کرسکتی ہون اور مزدک تمھارا رہنما ہے اور وہ چاہتا ہے کہ اِس دنیا مین تمھارے لیے راحت جاودانی کا سامان کرے" یہ سُنکر مزدک نے کہا کہ آگ کو قوت دینا چاہیے اور دو آدمی فوراً تلوارین تول کر قباد پر ٹوٹ پڑے۔ اُسوقت موبد نے نوشیروان سے کہا کہ اپنے باپ کی خبر لے۔ چنانچہ نوشیروان کے دس آدمی تلوارین سونت کر اُنکے مقابل پر کھڑے ہوگئے اور قباد کو بچا لیا۔ لیکن مزدک یہی بکے گیا کہ آگ یزدان کے حکم سے گویا ہے اُسوقت آتشکدے پر دو گروہ ہوگئے تھے بعض چاہتے تھے کہ قباد کو زندہ یا مردہ آگ مین جھونک دین، اور بعض کہتے تھے کہ نہین ابھی تامل کرنا چاہیے۔ غرضکہ شام کو سب لوٹ آئے قباد نے کہا کہ شاید مجھسے کوئی گناہ ہوگیا ہے جسکے سبب سے آگ مجھے ایندھن بنانا چاہتی ہے ایسی صورت مین جل جانا عذاب آخرت سے بدرجہا بہتر ہے۔

اِس واقعہ کے بعد دوسری مرتبہ موبد نے قباد سے پھر تخلیہ کی ملاقات کی اور بادشاہون اور موبدون کا تذکرہ کیا اور اُنکے حالات سے یہ ثابت کیا کہ "مزدک پیغمبر نہین ہے بلکہ سلاطین کا دشمن ہے۔ جسکی دلیل یہ ہے کہ اول اُسنے نوشیروان پر حملہ کیا جب کامیاب نہ ہوا تو آپ کے خون کا پیاسا ہوا۔ اگر مین نے پہلے سے اسکا بندوبست نہ کر لیا ہوتا تو آج آپ مارے گئے ہوتے۔ کیا آپ یہ سمجھتے ہین کہ سچ مچ آگ سے آواز آتی ہے۔ مین ایک تدبیر سے اس طلسم کی پردہ کشائی کرتا ہون اور یہ باور کرائے دیتا ہون کہ آگ کسی سے باتین نہین کرتی ہے"۔ اور آخر کار موبد نے قباد کو باور کرادیا جس سے وہ اپنے افعال پر شرمندہ ہوا۔ موبد نے قباد سے یہ بھی کہا کہ "آپ نوشیروان کو نادان بچہ نہ سمجھین۔ وہ ساری دُنیا پر حکومت کر سکتا ہے۔ آپ کو اُسکی رائے سے انحراف نہ کرنا چاہیے۔ اگر آپ چاہتے ہین کہ خاندان ساسان مین سلطنت باقی رہے تو مزدک کی باتون پر دل نہ لگانا چاہیے اور نوشیروان سے کہا کہ کسی تدبیر سے مزدک کے خدمتگار کو ملانا چاہیے اور اُسکو لالچ دیکر آگ کا حال پوچھنا چاہیے تاکہ آپ کے باپ کے دل سے سارے شبہے مٹ جائین"۔ چنانچہ نوشیروان کو ایک شخص مل گیا جسنے مزدک کے خدمتگار سے دوستی پیدا کر کے اُسکو نوشیروان تک پہونچا دیا۔ نوشیروان نے خلوت مین بلا کر اکیزار دینار اُسکے سامنے رکھدیے اور کہا کہ آج سے تو میرا دوست اور بھائی ہے مجھسے جہانتک ہوسکیگا تیرے حق مین بھلائی کرونگا۔ اسوقت مین ایک بات پوچھتا ہون۔ اگر سچ کہدیا تو یہ انعام تمھارا ہے اور مین تمکو اپنا مصاحب بنا لونگا اور اگر جھوٹ کہا تو یاد رکھو کہ سر نہوگا۔ خدمتگار ڈر گیا اور کہا اگر مین سچ بیان کرون تو کیا آپ وعدہ پورا کرینگے؟ نوشیروان نے کہا کہ ہان پورا کرونگا۔ تب نوشیروان نے کہا کہ اچھا بتاؤ یہ کیا حیلہ ہے کہ مزدک سے آگ باتین کرتی ہے؟ خدمتگار نے راز کے پوشیدہ رکھنے کا

اقرار لے لیا اور کہا کہ آتشکدے کے قریب ایک قطعہ ارضی ہے جسکے چارون طرف بلند دیوار کھچی ہے اور ایک چھوٹا سا سوراخ آتشکدے کی جانب کر لیا ہے۔ جب مزدک وہان کسیکو بھیجتا ہی تو وہ الفاظ سکھا دیتا ہے اور وہ شخص سوراخ پر منہ رکھکر باتین کرتا ہے سننے والے جانتے ہین کہ آگ باتین کرتی ہے" یہ سنکر نوشیروان خوش ہوگیا اور اُسکو واقعہ سچا معلوم ہوا ہزار دینار کا صلہ خدمتگار کو دیا۔ اور رات کے وقت قباد کے روبرو سارا حال کھلا دیا۔ قباد کو مزدک کی مکاری اور اس دلیری پر سخت تعجب ہوا اور اُسکے دل سے سارے شکوک مٹ گئے۔ اور موبد کی بہت تعریف کی۔ موبد نے کہا کہ مین نے اول ہی عرض کیا تھا کہ مزدک بڑا مکار ہے۔ قباد نے کہا کہ اب مجکو اسکی مکاری معلوم ہوگئی ہے۔ لیکن یہ بتاؤ کہ وہ کیونکر قتل کیا جا سکتا ہے؟ موبد نے عرض کیا کہ ایک بار آپ پھر دربار منعقد فرمائین اور مین مزدک سے مناظرہ کرون مین جان بوجھ کر ہار جاؤنگا اور اپنی عاجزی کا اقرار کرونگا اور فارس کو لوٹ جاؤنگا اسکے بعد جو کارروائی مناسب حال ہوگی وہ نوشیروان انجام دیگا۔ اور یہ ہمیشہ کے واسطے فنا ہو جائیگا اور اس طریق عمل سے مزدک کو یہ معلوم ہو سکیگا۔ کہ بادشاہ پشیمان ہے۔ چنانچہ قباد نے چند روز کے بعد دربار کیا اور تمام موبدون کو ایک فریق قرار دیا۔ مزدک اپنی جگہ پر بیٹھا اور موبدون نے تقریر شروع کی، پہلے موبد فارسی کی زبان سے نکلا کہ آگ کا باتین کرنا سب سے زیادہ تعجب انگیز ہے، مزدک نے کہا خدا کی قدرت سے یہ بعید نہین ہو کیا تمنے نہین دیکھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایک لکڑی کے ٹکڑے کو اژدہا بنا دیا تھا۔ اور ایک پتھر سے پانی کے بارہ چشمے جاری کر دیے تھے۔ اور پھر خدا سے دعا مانگی تھی۔ کہ اے میرے پروردگار! فرعون کو مع اُسکی فوج کے ڈبو دے اور خدا نے ڈبو دیا۔ اسیطرح زمین بھی حضرت موسیٰ کے تابع فرمان

تھی چنانچہ حضرت موسٰی نے جب زمین کو حکم دیا کہ "قارون کو نگل جا" اُسنے اسی وقت نگل لیا"
اسی طرح حضرت عیسٰی علیہ السلام مردون کو زندہ کرتے تھے یہی چیزین ہین کہ جو انسان کی قدرت سے
باہر ہین لیکن خدا اُنپر قادر ہے اور اُسی خدا نے مجکو بھیجا ہے اور آگ پر مجکو حکمران بنایا ہے مین جو کہتا ہون
وہی آگ کی زبان سے نکلتا ہے اسلیے میرا کہنا مانو ورنہ قہر خدا تمپر نازل ہوگا اور تمکو مٹا کر رہیگا۔
مزدک کی تقریر سنکر موبد اُٹھ کھڑا ہوا اور کہا کہ جس شخص پر خدا اور آگ کی جانب سے الہام ہوتا ہو اور
آگ اُسکے تابع ہو مین اُسکے مقابلہ مین جواب دینے سے عاجز ہون۔ اور آیندہ مجھسے ایسی جسارت نہوگی
مین رخصت ہوتا ہون اب تم جانو اور تمھارا کام" یہ کہکر موبد نوشیروانی فارس کو چلا گیا اور دربار برخاست
ہوا۔ مزدک خوش ہوکر اُٹھا اور ایک ہفتہ کے واسطے آتشکدے مین معتکف ہوا۔ جب رات ہوگئی تو قباد نے
نوشیروان کو بلا کر کہا کہ "موبد نے مجھے تمھارے سپرد کردیا ہے اور اس مذہب کے مٹانے کے واسطے تم
کافی ہو اب جو تدبیر ہو وہ بتاؤ۔ نوشیروان نے کہا "اگر شاہنشاہ یہ کام میرے سپرد کردے اور اسکا
تذکرہ کسی سے نہ کرے تو نہایت سلیقہ سے مین اُسکو کرونگا اور پھر ساری دنیا مین مزدک اور مزدکیونکا
کہین پتہ نہ لگیگا" قباد نے اقرار کیا تب نوشیروان نے کہا کہ "موبد کے چلے جانے سے اصحاب مزدک
بہت خوش اور مطمئن نظر آتے ہین۔ اب مین اُنکی فکر کرونگا۔ اور مزدک کا قتل کرنا تو آسان ہے۔
لیکن اُسکی جماعت بڑی ہے۔ اگر مین مزدک کو قتل کردون تو اُسکے حواری دنیا مین پھیل کر اشاعت
مذہب کرینگے اور کسی مستحکم جگہ پر قابض ہوکر خاندان شاہی اور سلطنت کے مقابلہ کو اُٹھین گے،
لہذا ایسی تدبیر کرنا چاہیے کہ سب ایک ہی وقت مین قتل کردیے جائین اور ایک متنفس بھی زندہ
نہ رہ سکے" یہ سنکر قباد نے پوچھا کہ پھر اسکی کیا تدبیر سوچی ہے؟ نوشیروان نے کہا کہ جب مزدک آتشکدہ سے

اُٹھکر حاضر ہو تو اُسکا اعزاز بمقابلۂ سابق بڑھا دیا جائے اور خلوت مین کہا جائے کہ جسدن سے موبد فارسی نے شکست کھائی ہے۔ اُس دن سے نوشیروان ڈھیلا پڑ گیا ہے اور اُسکا ارادہ ہے کہ آپ سے رجوع کرے اور اب وہ اپنی گفتگو سے پشیمان ہے"۔ جب ایک ہفتہ گذر گیا تو مزدک حاضر ہوا۔ قباد نے بڑی خاطر سے بٹھایا۔ اور نوشیروان کا ذکر کیا۔ مزدک نے کہا کہ اکثر لوگ نوشیروان کے اشارون پر چلتے ہین اگر وہ ہمارے مذہب مین داخل ہو جائے تو ساری دنیا اس مذہب کو قبول کرے۔ اور مین آتش کو شفیع کرتا ہون یزدان نوشیروان کو مذہب مزدکیہ سے مشرف کرے۔ قباد نے کہا کہ "آپ نے بہت اچھا کیا کیونکہ نوشیروان ولیعہد سلطنت ہے۔ رعایا اور لشکر مین وہ ہر دل عزیز ہے۔ جب وہ اس مذہب مین داخل ہو جائیگا تو پھر کسیکو عذر نہین ہو سکتا۔ اور قباد نے یہ بھی کہا کہ مین آپ کے واسطے ایک رفیع الشان سنگی منارہ بناتا ہون اور اُسکے بالائی حصہ پر ایک طلا کار محل تیار کراؤنگا جو آفتاب سے زیادہ چمکدار ہوگا اور ٹھیک ایسا ہی ہوگا جیسا کہ گشتاسپ نے زردشت کے واسطے بنایا تھا"

مزدک نے کہا آپ نوشیروان کو نصیحت کرین اور مین دُعا کرتا ہون امید واثق ہے کہ یزدان مستجاب کریگا جب رات ہوئی تو قباد نے دن کی گفتگو نوشیروان سے دُہرائی۔ وہ سنکر بہت ہنسا۔ اور قباد سے کہا کہ "جب ہفتہ گزر جائے تو مزدک کو بلا کر یہ بات کہنا چاہیے کہ نوشیروان کل رات کو ایک خواب دیکھکر ڈر گیا ہے اور صبح کو میرے پاس آیا تھا۔ اُسنے مجھسے کہا "مین نے خواب دیکھا ہے کہ گویا مجھپر آتشِ بزرگ حملہ آور ہے اور مین پناہ ڈھونڈھ رہا ہون اتنے مین ایک مرد صالح میرے پاس آیا مین نے اُس سے پوچھا کہ مقدس آگ مجھسے کیا چاہتی ہے۔ اُسنے جواب دیا کہ آگ تجھپر اِسلیے غضبناک ہے کہ تونے اُسکو جھٹلایا ہے مین نے کہا کہ تمکو کیونکر معلوم ہوا۔ اُسنے کہا کہ فرشتون کو ساری خبرین رہتی ہین۔

اب آتشکدہ مین جاکر قدرے مشک، عود، اور عنبر سلگایا جائے اور مسلسل تین دن اگنی پوجا کیجائے اسکے بعد مین جاگ اُٹھا۔“

قباد سے یہ خواب سنکر مزدک بہت خوش ہوا۔ جب اس تذکرہ کو بھی ایک ہفتہ گذر گیا تو نوشیروان نے قباد سے کہا کہ ”آپ مزدک سے کہیے کہ نوشیروان کہتا تھا۔ کہ مجھے یقین ہوگیا ہے کہ یہ سچا مذہب ہے اور مزدک یزدان کا فرستادہ ہے۔ لیکن چونکہ مخالفین کی تعداد زبردست ہے۔ اسلیے ڈرتا ہون کہ کہین خروج کرکے سلطنت نہ چھین لین۔ کیا اچھا ہوتا اگر صحیح تعداد اصحاب مزدک کی معلوم ہوجاتی اور یہ بھی کہ وہ کون لوگ ہین؟ اگر مزدکیہ جماعت زبردست ہو تو مین بھی اسمین شامل ہوجاؤنگا ورنہ اُسوقت تک صبر کرونگا کہ یہ جماعت طاقتور ہوجائے۔ اور بشرط ضرورت اسلحہ وغیرہ بھی دونگا اسکے بعد پوری قوت اور تلوار کے زور سے مذہب کا اعلان کرونگا۔ اگر مزدک جواب دے کہ ہمارا بڑا گروہ ہے تو اُس سے اسم وار پوری فہرست طلب کی جائے تاکہ مین سب سے واقف ہوجاؤن۔“

چنانچہ مزدک نے ایسا ہی کیا اور قباد کے روبرو بارہ ہزار آدمی کی فہرست پیش کی جسمین رعایا اور فوجی سپاہی شامل تھے۔ فہرست دیکھکر قباد نے کہا کہ ”مین آج رات کو نوشیروان کو بلاکر فہرست دکھاؤنگا۔ اور نوشیروان کے ایمان لانے کی یہ علامت ہوگی کہ میرے حکم سے شہنائی اور نقارے اس زور سے بجائے جائین گے کہ جسکی آواز آپ کے گھر تک پہونچیگی۔“ جب مزدک لوٹ گیا اور رات ہوئی تو قباد نے نوشیروان کو بُلایا۔ اور فہرست دکھلائی اور جو علامت قرار پائی تھی اسکا بھی ذکر کردیا۔ تب نوشیروان نے کہا کہ بہت مناسب ہے آپ نقار خانہ مین حکم بھیجدین۔ اور جب کل مزدک حاضر ہو تو کہدیجیے گا کہ نوشیروان ایمان لے آیا ہے۔ اور اسکا سبب یہ ہے کہ جماعت کی تعداد بارہ ہزار تک

پہونچ گئی ہے۔ اگر پانچہزار ہوتی تو البتہ کافی تعداد نہ تھی اب اگر ساری دنیا دشمن ہوجائے تو خوف نہین ہے،
کیونکہ ہم سب دقباد مزدک نوشیروان متفق ہین۔ جب ایک گھڑی رات گذری اُسوقت مزدک نے
شہنائی اور نقارون کی آواز سنی۔ اور نوشیروان کے ایمان لانے سے خوش ہوا دوسرے دن جب
مزدک حاضر دربار ہوا تو قباد نے نوشیروان کے تعلیم کردہ الفاظ مزدک سے کہے اور پھر خلوت مین بلاکر
نوشیروان سے زر و جواہر کی نذر دلوائی۔ اور بہت کچھ بطریق تصدق نچھاور کیا۔ اور اب تک جو ہوچکا تھا
اُسکی نوشیروان نے خود معافی چاہی۔ اور اسی جلسے مین ہر قسم کے مشورے ہونے لگے، آخرالامر نوشیروان
نے قباد سے کہا کہ "آپ شاہنشاہ ہین مزدک خدا کا پیغمبر ہے لہذا مین چاہتا ہون کہ مذہبی سپہ سالاری
مجکو دی جائے پھر دیکھیے کسقدر مذہبی ترقی ہوتی ہے۔ قباد نے کہا کہ تمکو اختیار ہے۔ پھر نوشیروان نے
کہا کہ جن شہرون اور قصبات مین ہمارے ہم مذہب ہین انکے پاس مزدک کی جانب سے پیام بھیجا جائے
کہ آج کی تاریخ سے تین مہینے کے اندر فلان ہفتہ کے فلان دن سب ہمارے مہمان ہون مین اُنکو
ہر قسم کے ساز و سامان اور اسلحہ سے مرتب کرونگا جبکی کسیکو مطلق خبر نہو گی۔ پھر اُسی دن سب کی دعوت
کی جائے اور بعد فراغ طعام دوسرے مکان مین مجلس شراب منعقد کی جائے ہر شخص سات پیالے
پیے۔ پھر خلعت پہنکر اسلحہ زیبِ تن کرین اور گھوڑون پر سوار ہوکر نکلین۔ اور علانیہ اشاعتِ مذہب
کرین جو ہمارا مذہب قبول کرے اُسکو امان دینگے اور جو انکار کریگا اُسکو قتل کردینگے اس رائے کو
قباد اور مزدک نے قبول کیا، اور جلسہ برخاست ہوا۔"

مزدک نے سب جگہ خطوط جاری کردیے اور آگاہ کردیا کہ فلان روز حاضرِ خدمت ہون، سب کو خلعت
گھوڑے اسلحہ دیے جائین گے۔ اور یہی وقت کامیابی کا ہے کیونکہ بادشاہ ہمارا قافلہ سالار ہے۔

چنانچہ وعدے کے دن بارہ ہزار مزدکی حاضر ہوئے اور بادشاہ کے مہمان ہوئے جنکے سامنے ایسے پرتکلف خوان رکھے گئے کہ کبھی کسی نے نہ دیکھے تھے قباد تخت پر جلوہ فرما ہوا اور مزدک اپنی کرسی پر بیٹھا۔ اور نوشیروان بھی پٹکا باندھکر بحیثیت میزبان کھڑا ہوا۔ اور اس میزبانی سے مزدک بہت خوش ہوا نوشیروان ہر ایک کو دسترخوان پر بٹھاتا جاتا تھا جب سب کھانے سے فارغ ہوے تو دوسرے مکان مین اُٹھ گئے۔ وہان شراب کی مجلس آراستہ تھی۔ قباد تخت پر اور مزدک کرسی پر جلوہ فرما تھا۔ نوشیروان نے سب مہمانون کو قرینے سے بٹھایا تھا مغنیون کی سُریلی آوازون سے مجلس گونج رہی تھی اور شراب کا دور چل رہا تھا۔ جب چند دَور ہو چکے تو فراش اور غلام حاضر ہوئے اور دوسو مہانون کو دیبا اور قصب کے تھان بطور خلعت کے تقسیم ہوئے۔ یہ لوگ تھوڑی دیر تک دربار مین استادہ رہے تب نوشیروان نے کہا کہ خلعت دوسرے مکان مین تقسیم کیے جائین کیونکہ یہان بڑا مجمع ہے وہان ہر مرتبہ بیس بیس آدمی داخل ہون اور خلعت پہن پہنکر وہین سے رخصت ہوتے جائین اس طریقے سے سب پہن لینگے۔ پھر بادشاہ اور مزدک یہ دلفریب منظر ملاحظہ کرین۔ اسکے بعد سلاح خانہ کا دروازہ کھول دیا جائے اور سب اسلحہ سے سجائے جائین۔ اور اس کارروائی سے پہلے نوشیروان نے تین سو دیہاتی مزدور بلاکر جمع کر رکھے تھے۔ اور اُنکو حکم دیا گیا تھا کہ دن رات مین یہ مزدور بکثرت گڑھے تیار کرین جو گہرائی مین ایک گز سے دو گز تک ہون اور کل مٹی بھی وہین جمع رہے۔ اور دربانون کو یہ بھی حکم دیا گیا تھا کہ جب گڑھے تیار ہو جائین تو سب مزدور روک لیے جائین کوئی جانے نپائے اور رات کو خفیہ طور سے چار سو آدمی اسلحہ سے سجاکر میدان اور مکان مین چھپا دیئے گئے تھے۔ اور اُنکو یہ حکم دیدیا تھا کہ جب یہ بیس بیس آدمی مجلس سے روانہ کیے جائین تو تم اُنکو دوسرے

میدان مین لیجاؤ اور ہر ایک کو برہنہ کر کے اُنکا سر ان گڑھون مین اسطرح دبا دو کہ وہ ناف تک زمین
کے اندر ہون اور دونون پانون باہر نکلے رہین۔ چنانچہ خلعت پہنکر لوگ اس مکان آتے جاتے تھے
اور مطابق ہدایت کے ایک ایک غول مع اُنکے آراستہ گھوڑون کے دوسرے مکان مین روانہ
کر دیا جاتا تھا۔ اور میدان مین پہونچکر وہ سرنگون گڑھون مین دبا دیے جاتے تھے یہانتک کہ تمام
مزدکی اسی طریقہ سے ہلاک کر دیے گئے۔ ان کامون سے فارغ ہوکر نوشیروان قباد کے روبرو حاضر
ہوا اور مزدک سے کہا تمام مہمان خلعت سے آراستہ ہوکر میدان مین جمع ہین۔ اب آپ اُٹھین اور
ملاحظہ فرماوین یہ منظر بھی ایسا ہے کہ آج تک کسی نے نہ دیکھا ہوگا۔ چنانچہ قباد اور مزدک ایک ہی ساتھ
اُٹھے اور محل کے اندر سے ہوتے ہوئے میدان مین پہنچے۔ یہان یہ تماشا دیکھا کہ کل جماعت "سرنگون
پادرہوا ہے"۔ نوشیروان نے مزدک سے مخاطب ہوکر کہا کہ "جس فوج کا تو سپہ سالار ہو اُنکے خلعت اس سے
بڑھکر اور کیا ہونگے۔ بدبخت تو اسلیے آیا تھا کہ ہمارے مال اور دولت اور عزت کو برباد کر کے سلطنت پر
بھی ہاتھ صاف کرے۔ ہوشیار ہو اب مین تجھے بھی خلعت پہناتا ہون"۔ چنانچہ میدان کے ایک
کنوین مین جو خاص مزدک کے لیے تیار ہوا تھا نوشیروان کے حکم سے مزدک کو گرا دیا اور اُسکو مٹی سے
پاٹ دیا۔ اُسوقت نوشیروان نے کہا کہ اے مزدک! اب تو اپنے پیرون کو اچھی طرح دیکھ۔ اور باپ سے
کہا کہ آپ نے عاقل اور فرزانہ لوگون کی رائے ملاحظہ فرمائی۔ اب مصلحت یہ ہے کہ آپ چندروز خانہ
نشین ہون تاکہ رعایا اور فوج کو آرام کا موقع ملے اور یہ جو کچھ ہوا آپ کی کمزوری رائے کی وجہ سے ہوا
اسکے بعد میدان کی دیوارین توڑ دی گئین اور دروازہ کھول دیا گیا۔ شہر، دیہات، اور فوج کے آدمی آتے
تھے۔ اور یہ تماشا دیکھکر چلے جاتے تھے۔ جب کل انتظام ہو چکے تو نوشیروان نے قباد کو قید کر دیا

اور شاہی استحقاق سے خود تخت نشین ہوگیا۔ یہ واقعہ نوشیروان کا اس قابل ہے کہ اہل خرد اسکو پڑھیں اور عبرت پذیر ہون"

خواجہ نظام الملک کے عام اخلاق وعادات

خواجہ نظام الملک کی نسبت تذکرہ نویسون اور مورخون کی متفقہ رائے یہ ہے کہ"آل سلجوق کے عہد حکومت مین کوئی وزیر سیاست، دانائی، رائے، تدبیر، عدل وانصاف، بے تعصبی، فیاضی، شجاعت مین اُس سے بڑھکر نہین ہوا" اور اُنکا یہ دعوی بالکل صحیح ہے جسکی تصدیق خواجہ کے حالات سے ہوتی ہے۔

بادشاہون اور وزیرون کی سوانح عمری لکھنے والے اکثر شعراے دربار ہوتے ہین گر اپنے ممدوح کی شکل وشمائل اور اوضاع وعادات کی جو تصویر کھینچتے ہین اسمین یہ عیب ہوتا ہے کہ محض حسن کے دوبالا کرنے کے لیے شبیہ مین بعض رنگ زیادہ شوخ اور گہرے لگا دیتے ہین۔ اور جب کوئی مورخ تنقید کے مُوقلم سے مصنوعی رنگ کو ہلکا کرتا ہے اُسوقت ممدوح کی اصلی صورت پہچانی جاتی ہے۔ مگر خواجہ نظام الملک کے مصور یا تو کوئی صوفی ہین جو اپنے زمانے کے جنید وشبلی ہین۔ یا کوئی امام وقت ہین جنکے نام سے عظمت وجلال نمایان ہے۔ اسلیے سلسلۂ روایت مین صرف راوی کا نام نفس واقعہ کی صحت اور خواجہ کی قدر ومنزلت کے لیے کافی ہے۔

خواجہ نظام الملک کی سوانح مین مستند مورخون نے جسقدر لکھا ہے اسکی صحت مین تو کسیکو

شک نہین ہوسکتا ہے مگر جو روایتین امام الحرمین جیسے مقدس عالم کی زبانی ہون
وہ بھی نہایت مہتم بالشان ہین۔

ابن سبکی نے طبقات مین امام الحرمین کا ایک خطبہ[1] نقل کیا ہے۔ جسمین امام صاحب نے
خواجہ کو سید الوریٰ، موید الدین، ملاذ الامم، مستخدم للسیف والقلم کے خطاب سے یاد کیا ہے۔ اور
اُسکے پرفخر کارنامون کو بالاجمال بتایا ہے۔ اور خواجہ کے استقامت فی المذہب، عدل و
انصاف اور جود و احسان وغیرہ کی بڑی تعریف کی ہے۔"

خطبہ کے خاتمہ پر ابن سبکی نے اپنی یہ رائے لکھی ہے کہ "یہ خطبہ ایک بڑے نامور امام کا ہے
اور گو مبالغہ سے خالی نہین ہے، مگر اس امر کی پوری شہادت ہے کہ امام الحرمین کے نزدیک
نظام الملک کا کیا پایہ تھا؟ اور قوم مین امام صاحب کا یہ درجہ ہے کہ متقدمین و متاخرین
انکے کلام کو بطور سند کے پیش کرتے ہین اور انھی کی ذات سے شریعت الٓہی کے اصول
و فروع کی اشاعت ہوئی ہے۔"

علامۂ موصوف نے امام الحرمین کے خطبہ پر جو رائے دی ہے وہ مورخانہ حیثیت سے ہے،
کیونکہ مورخ کا اصلی فرض یہی ہے کہ جو واقعہ لکھا جائے اُسمین رنگ آمیزی کو دخل نہو اور
تاریخانہ اصلیت اپنی اصلی صورت پر ہر جگہ قائم رہے۔ چنانچہ اس اصول سے امام الحرمین کے
بعض فقرے مبالغہ آمیز ہین، مگر بقول ابن سبکی، اس سے انکار نہین ہوسکتا ہے کہ جس کا
مداح امام الحرمین ہو وہ ممدوح کس شان کا ہوگا؟

[1] چونکہ اس خطبہ کے حوالہ سے متفرق مقامات پر حالات لکھے گئے ہین اسوجہ سے پورا خطبہ نقل نہین کیا گیا ہے شایقین اصل کتاب ملاحظہ فرمائین

امام الحرمین اور ابن سبکی دونون اسلام کے آفتاب وماہتاب ہین۔ اور دونون کا تقدس اور تقوی مذہبی حیثیت سے ضرب المثل ہے۔ اُنکے اقوال پر نکتہ چینی کرنا ہمارا کام نہین ہے لیکن اِس روایت سے ہمکو صرف یہ دکھانا مقصود ہے کہ خواجہ کی سوانح عمری کا ماخذ نہایت مستند اور معتبر ہے اور اُسکے واقعات زندگی کے راوی علاوہ شعرا اور عام واقعہ نگارون کے امام الحرمین جیسے عالی رتبہ بزرگ بھی ہین۔

خواجہ نظام الملک چونکہ ایک متقی اور پارسا شخص تھا لہذا ہم اول وہ حالات لکھتے ہین جسکا تعلق مقتدایانِ ملت اور بزرگانِ طریقت سے ہے۔

خواجہ نظام الملک کی صوفیانہ مجلس

خواجہ نظام الملک کو صوفیاے کرام سے خاص عقیدت اور ارادت تھی اور اُسکی مجلس ہمیشہ صوفیون سے بھری رہتی تھی۔ چنانچہ خواجہ نظام الملک نے اس جذب محبت کی ابتدائی تاریخ یون لکھی ہے کہ "مین ایک دن کسی امیر کی خدمت مین مصروف تھا کہ میرے پاس ایک صوفی تشریف لائے اور بزرگانہ شفقت سے فرمایا کہ "خواجہ ایسے لوگون کی خدمت کیا کرو جنسے تمکو نفع پہونچے اور اُس شخص کی خاطر تواضع کا کیا نتیجہ ہے جو کل کتون کا شکار ہو جائیگا" مین اِس رمز کو نہ سمجھا۔ لیکن دوسرے دن اُس امیر نے صبح سے رات تک خوب ہی شراب پی اور نشہ مین چور ہو کر تنہا محل سے باہر نکل آیا۔ پاسبانی کی غرض سے جو خونخوار کتے پلے ہوے تھے اُنھون نے اپنے متوالے آقا کو نہ پہچانا اور باہر کا آدمی سمجھکر خوب جھنجھوڑا اور شکار کی طرح تکا بوٹی کر ڈالا۔ جب مین نے یہ واقعہ سنا تو کشف و کرامات کے

کرشمے معلوم ہوے اور اُسی دن سے مین ارباب باطن کا ایک معتقد خدمتگزار بن گیا۔[1]

حقیقت مین خداشناسی، تصفیۂ قلب اور تربیت روحانی کے واسطے صوفیاے کرام کی صحبت اکسیر کا حکم رکھتی ہے۔ لیکن فی زماناً صوفی کے کھرے کھوٹے کی شناخت، جواہرات کے پرکھنے سے بھی زیادہ دشوار ہے کیونکہ صوفیون کے بجاے صوفی نما گروہ حشرات الارض کی طرح بڑھتا جاتا ہے۔ اور درویشی کو یارون نے معاش کا ایک آلہ بنا لیا ہے اسلیے طالبانِ طریقت کو سوچ سمجھکر اس حلقہ مین قدم رکھنا چاہیے۔ وَلِلّٰہِ دَرُّ مَن قَال

ہون یا نہون پیر آہلِ عرفان ویقین ‏ پر ڈر ہے کہ طالب نہون دانا کہین
ہر گام کو ہے احتیاج چار آنکھونکی ‏ اور ایک کی بھی بیچنے والے کو نہین

خواجہ نظام الملک جس زمانہ مین تھا وہ آج کل کے مقابلہ مین ست جگ کا درجہ رکھتا تھا، کیونکہ صوفیون کے قلب جیسے انوارِ تجلیات سے مالا مال تھے ویسے ہی اُنکے دماغ حکمت وفلسفہ اور علوم دینیہ کے انکشافات سے منور رہتے تھے۔ خواجہ نظام الملک کو جن نامور صوفیون سے عقیدت تھی وہ رکنِ شریعت اور مرکزِ طریقت تھے۔ جب وہ مصلے پر بیٹھتے تو ہاتھ مین تسبیح ہوتی، خانقاہ ومدرسہ مین جاتے تو قرآن وحدیث کا درس دیتے، جب ممبر پر جلوہ فرماتے تو عبادات اور معاملات پر تقریر کرتے۔ بادشاہون اور وزیرون سے بھی ملتے تھے۔ اور اُنکو ایسی نصیحتین کرتے تھے جو حکمرانی کے مفید ہون اور اُنمین جو عیوب دیکھتے تھے وہ برملا کہہ دیتے تھے۔ اور یہ اُسوقت کے علما اور مشائخ کا خاصہ تھا۔

---

[1] ابن خلکان صفحہ ۱۴۳- تذکرۂ نظام الملک۔

چھاؤن مین ہم جا کے تلوارونکی کہ آتے تھے حق غالب آتا تھا نہ ہمپر خوف سلطان و وزیر

ابن خلکان مین تحریر ہے کہ امام الحرمین اور ابوالقاسم قشیری جب خواجہ کے دربار مین تشریف لاتے تو وہ انکی تعظیم مین کوئی دقیقہ اُٹھا نہ رکھتا تھا اور اپنی مسند پر بٹھاتا تھا۔

نامۂ دانشوران ناصری مین لکھا ہے کہ شیخ ابواسحٰق فیروزآبادی کا اعزاز ان دونون بزرگون سے بڑھکر تھا۔ بہرحال جن مشائخ کی خواجہ کی نظر مین یہ عزت وعظمت تھی اب ہم اُنکے مختصر حالات زندگی لکھتے ہین۔ اور اگرچہ کسی مستقل سوانح عمری مین ضمنی تذکرون کا مفصل لکھنا خلاف قاعدہ ہے مگر یہ حالات ایسے بزرگون کے ہین جنکی سوانح عمریان مذہبًا اور اخلاقًا ہماری حیات پر مفید اثر ڈال سکتی ہین اسلیے امید ہے کہ ناظرین کے لیے یہ چند اوراق باعث ملال نہ ہونگے۔

شیخ ابواسحٰق۔ فیروزآبادی

ابراہیم نام، ابواسحٰق کنیت، اور جمال الدین لقب تھا۔ سلسلہ نسب یہ ہے۔ ابراہیم بن علی ابن یوسف شیرازی۔ اور نامۂ دانشوران کی روایت کے مطابق سلسلہ نسب مولانا مجدالدین ابن یعقوب فیروزآبادی (مصنف قاموس) پر منتہی ہوتا ہے۔ تاریخ مین شیخ ابواسحٰق شیرازی کے نام سے آپ کی شہرت ہے۔ اور ہم تعظیمًا آپ کو صرف شیخ کے خطاب سے یاد کرینگے۔

صوبۂ فارس کے شہرون مین فیروزآباد کو اپنے جن نامور بیٹون پر قیامت تک فخر رہیگا

سلہ نامۂ دانشوران ناصری جلد اول حالات ابواسحٰق سلہ گور یا جور یا فیروزآباد ایک ہی قدیم شہر کے نام ہین جس کو زمانہ نے صفحۂ ہستی سے مٹا دیا ہے البتہ قدیم شہر کے حدود سے ڈیڑھ میل کے فاصلہ پر اب فیروزآباد ایک قصبہ ہے قدیم فارسی نام گور (بمعنی قبر) ہے جو عربی تاریخ اور جغرافیہ مین جور کے نام سے مشہور ہے صاحب معجم البلدان نے (باقی آیندہ)

منجملہ اُنکے ایک شیخ بھی ہین ۳۹۳ھ (۹۵-۹۶ھ علی اختلاف الروایات) مین شیخ کی ولادت ہوئی اور بچپن کا ابتدائی زمانہ اسی شہر مین گذرا۔ ۳۹۳ھ سے ۱۴۱۰ھ تک شیخ کی تعلیم و تربیت اور ابتدائی زندگی کا کچھ حال نہین کھلتا ہے کہ کیونکر گذری؟ لیکن ۱۴۱۰ھ مین فیروزآباد سے رخصت ہوکر دارالعلوم شیراز کی طرف روانہ ہوے۔ یہ شیخ کا پہلا سفر تھا اور محض حصول علم کے لیے تھا۔

فارس مین شیراز[1] ہمیشہ علمی مرکز رہا ہے۔ اور یہ تو وہ زمانہ تھا کہ جب شیراز کی ہر ہر گلی مین

(بقیہ صفحہ ۱۲۳) جُور لکھا ہے (اسی نام کا نیشاپور مین ایک محلہ بھی ہے) جور کا پہلا بانی گشتاسپ کیانی ہے لیکن سکندر اعظم نے ہندوستان سے واپس جاتے ہوئے عجیب حکمت سے اس شہر کو پانی مین ڈبو کر بحیرہ بنا دیا تھا۔ لیکن آردشیر ساسانی نے کمال فن انجینیری سے پانی کو خشک کر کے قدیم نمونہ پر پھر شہر آباد کیا۔ یہ شہر قدرتی پہاڑون کے مابین دائرہ کی شکل مین آباد تھا۔ فیروزشاہ (نوشیروان کا دادا) نے اپنی عہد سلطنت مین قدیم آبادی پر بہت کچھ اضافہ کیا اور بجاے گور کے فیروزآباد نام رکھا۔ اور ایک روایت یہ ہے کہ عضدالدولہ دیلمی تفریح کی غرض سے یہان جایا کرتا تھا اور جب بادشاہ یہان ہوتا تو لوگ کہا کرتے تھے کہ "ملک بگور رفتہ" چنانچہ عضدالدولہ نے اس بدفالی سے بچنے کے لیے اسکا نام فیروزآباد رکھا۔ وسط شہر مین ایک پہاڑ کا درمیانی حصہ ہموار کر کے آردشیر نے اُسپر ایوان بنایا تھا چنانچہ اُسکے کھنڈرات اور مینارہ، حوض، قلعہ آتشکدۂ اعظم اور خندق کے عجیب و غریب آثار آج تک باقی ہین اور جور کا گلاب ضرب المثل ہے۔ جسکے حوالے عربی اشعار مین آتے ہین عبداللہ ابن عامر نے ۲۹ھ مین (عہد خلافت سوم) چند سال کے غزوات کے بعد جور کو فتح کیا تھا۔ فارس کے نقشہ مین شیراز سے جانب مشرق ۳۵ میل کے فاصلہ پر یہ شہر درج ہے۔ آثار قدیمہ کے نقشجات اور تصاویر اور تفصیلی حالات کے لیے کتب ذیل دیکھو سفرنامۂ ایران میرزا فرصت شیرازی صفحہ ۱۱۱ گنج دانش صفحہ ۳۷۲ فتوح البلدان بلاذری مطبوعۂ مصر ۳۹۷ مرآۃ البلدان ناصری حالات فارس دائرۃ المعارف جلد ۶ حالات جور نقشۂ ایران مرتبۂ مسٹر جان کری ۱۸۲۵ء

[1] شیراز صوبۂ فارس کا صدر مقام ہے۔ اور شاہان ایران کی طرف سے شیراز مین گورنر رہا کرتا ہے (باقی آیندہ)

علم کی نہرین جاری تھین یعنی مختلف مدارس اور خانقاہون مین فخر روزگار علما درس دیتے تھے۔اور غالباً یہی مقناطیسی قوت شیخ کو شیراز مین کھینچ لائی تھی۔چنانچہ ایک مستعد

بقیہ صفحہ ۱۲۴) نقشہ مین ۵۲ درجہ ۴۰ دقیقہ طول بلد اور ۲۹ درجہ ۳۲ دقیقہ عرض بلد پر واقع ہے قدیم زمانہ کی عظمت و جلال کی تاریخ لکھنا فضول ہے صرف سعدی اور حافظ کا نام شیراز کے زندہ رکھنے کے لیے کافی ہے۔یہ شہر بارہ دروازون پر تقسیم تھا اب صرف چھ باقی ہین۔اور شہر پناہ کی دیوار کا محیط ۱۲۰۰۰ گز اور عرض ۸ گز تھا۔ شیراز بن تہمورس پیشدادی شہر شیراز کا بانی ہے یہ شہر چند بار تباہ و برباد ہوا۔لیکن سب سے اخیر مرتبہ خلیفہ عبد الملک اموی کے عہد حکومت مین آباد ہوا۔اور آج تک قائم ہے۔نہرین با فراط ہین۔جنکا پانی ذائقہ مین سلسبیل اور تسنیم سے ٹکر کھاتا ہے۔چنانچہ نہر رکن آباد' زنگی آباد' نہر سعدی مشہور ہین۔اور رکن آباد کی تو تعریف ہی نہین ہو سکتی ہے حافظ فرماتے ہین۔

بدہ ساقی مے باقی کہ در جنت نخواہی یافت ۔۔۔ کنار آب رکن آباد و گلگشت مصلےٰ را

پانی مین جو جو قدرتی صفتین ہین وہ سب اسمین موجود ہین۔شیراز کی ہوا معتدل ہے۔قاآنی نے کیا خوب لکھا ہے

بزیر بقعۂ گردون بروے رقعۂ خاک ۔۔۔ ندیدہ دیدۂ بینا چنان خجستہ دیار
نسیم او ہمہ دلکش تراز نسیم بہشت ۔۔۔ ہواے او ہمہ خرم تراز ہواے بہار
زلالہ ہر دمن اوست کوہی از یاقوت ۔۔۔ زلالہ ہر چمن اوست کانے از زنگار
زبسکہ زمزمۂ سار خیزد از ہامون ۔۔۔ زبسکہ قہقہۂ کبک آید از کہسار

شیراز مین آج بھی ہر علم و فن کے اہل کمال موجود ہین چنانچہ قاآنی کا قول ہے ؎

منجمانش بیرنج زیچ و اصطرلاب ۔۔۔ ز ارتفاع تقاویم و اختران ہشیار
ندیدہ نبض حکیمانش از کمال وقوف ۔۔۔ خبر دہند ز رنج نہان ہر بیمار
زلحن مرثیہ خوانان او گداز و سنگ ۔۔۔ چو چشم عاشق بیدل ز دوری دلدار
ہزار محفل و در ہر یکے ہزار ادیب ۔۔۔ ہزار مدرس و در ہر یکے ہزار اسفار

محلات' دار العلوم' مساجد' مزارات' دار الشفا' قہوہ خانجات' بازار و مقامات' کاروانسرا' باغات سرکاری مکانات' قدیم قبرستان' حمامات بکثرت موجود ہین۔جنمین سے ہر نمبر کی تفصیل کے واسطے ایک دفتر چاہیے۔ ناظرین میرزا فرصت شیرازی کا سفرنامہ ملاحظہ فرمائین۔جو اس زمانہ مین سب سے اخیر سفرنامہ ہے۔

طالب العلم کی حیثیت سے شیخ نے بھی تمام شیراز کا چکر لگایا اور تمام علماے شیراز کی خدمت کی اور انکی صحبت سے فیضیاب ہوے۔

شیخ کے اساتذہ شیراز مین ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ **بیضاوی**۔ابواحمد عبدالوہاب بن رامین نہایت نامور علما ہین۔ اور جب ایک عرصہ کے بعد فقہ، اصول فقہ، اور استخراج مسائل مین کافی مہارت ہوگئی تو شیراز کو خیرباد کہکر بصرے کا رخ کیا۔ یہان علامہ ابن جوزی کی درسگاہ سے فائدہ اُٹھایا۔ لیکن چونکہ تحقیقات علمی سے طبیعت ہنوز مستغنی نہوئی تھی اور آتشِ علم سینہ مین مشتعل تھی اسلیے چند روز کے بعد بصرے کو الوداع کہکر دارالسلام بغداد کو روانہ ہوے اور شوال ۴۱۵ھ مین داخل بغداد ہوگئے۔

اسوقت **قادر باللہ** عباسی تخت سلطنت پر حکمران تھا اور آل بویہ کے امرا کا زور تھا۔ آل عباس کی سلطنت کمزور ہوگئی تھی لیکن بغداد کی علمی شہرت مین کوئی زوال نہین آیا تھا اور اسوقت تک دنیاے اسلام مین علم وفن کا مرکز مانا جاتا تھا۔

بغداد مین دارالخلافہ ہونے کے لحاظ سے سیکڑون بابِ علم کھلے ہوے تھے، مگر سب سے رفیع الشان، قاضی ابوطیب **طبری** کی محفل درس تھی، اور اسی باکمال کی شاگردی پر شیخ کی تعلیم کا خاتمہ ہوگیا۔ اور قاضی صاحب کے فیض تعلیم سے شیخ ابواسحق **بحرالعلوم** بنگئے۔ اور زمانے نے انکو علماے شافعیہ کا ایک اعلیٰ رکن تسلیم کیا۔ فقہ اور اصول فقہ مین مجتہدانہ حیثیت سے وہ امام مانے گئے، صحت روایت مین **محدّثین** اپنا پیشوا جانتے ہین جماعت متکلمین، انکی دقت نظر اور بلند خیالی کے قائل ہے علماے اصول انکی تصنیفات سے

فائدہ اُٹھاتے ہین۔ استنباط احکام اور استخراج مسائل مین فقہا انکے ہر قول کو آیت و حدیث سمجھتے ہین۔ اور سب سے بڑھکر یہ ہے کہ صوفی اپنا شیخ جانتے ہین۔ بہر حال شیخ بلحاظ صفات ظاہری اور باطنی قابل فخر و عزت ہین۔

خواجہ نظام الملک کی طبیعت مین سوز و گداز اور خدا کا خوف بہت تھا۔ اور آخرت کا کھٹکا اُسکو دنیا سے زیادہ رہا کرتا تھا۔ اسلیے خواجہ نے ارادہ کیا کہ "ایک محضر تیار کرون جسپر تمام رعایا اور امرا اور علما کے دستخط ہون اور اگروہ تصدیق کردین کہ مین نے کوئی ظلم و زیادتی نہین کی ہے تو قیامت کے دن یہ محضر میرے حق مین رہائی کا پروانہ ہوگا"۔ چنانچہ اس خیال کے مطابق اُسنے دستخط بنوانا شروع کیے۔ لوگون نے بڑے لمبے چوڑے الفاظ مین خواجہ کی تعریف لکھی۔ لیکن جب وہ محضر شیخ ابو اسحق کے سامنے پیش ہوا تو آپ نے یہ مختصر جملہ لکھا "خَیْرُ الظَّلَمَةِ حَسَنٌ" یعنی اور سب ظالمون مین حسن (خواجہ نظام الملک کا نام حسن تھا) اچھا ہے۔ جب خواجہ نے یہ فقرہ دیکھا تو اُسکو نہایت رقت ہوئی اور کہنے لگا کہ "ابو اسحق سے زیادہ کسی عالم نے سچ نہین لکھا ہے"۔

روایت ہے کہ خواجہ کے انتقال پر کسی نے اُسے خواب مین دیکھا اور پوچھا کہ "پروردگارِ عالم نے تیرے ساتھ کیا سلوک کیا" تو اُسنے جواب دیا کہ "خدا نے مجھے ابو اسحق کی سچی تحریر کے صلے مین بخشدیا"[1]۔

بہر حال خواجہ کی بخشش کا سبب اُسکے اعمالِ حسنہ ہون یا شیخ کی تحریر ہمین اس سے

---

[1] روضۃ الصفا صفحہ ۱۷۰۔ حالات نظام الملک۔ ابن خلکان حالات ابو اسحق۔

کوئی بحث نہین ہے مگر اس واقعہ سے شیخ ابو اسحق کی راستی و دیانت کا حال کھلتا ہے اور ابن خلکان کے اس مقولہ کی تصدیق ہوتی ہے کہ "وَكَانَ فِي غَايَةٍ مِنَ الْوَرَعِ وَالتَّشَدُّدِ فِي الدِّيْنِ"

شیخ کے مزاج مین انصاف پسندی از حد تھی چنانچہ مشہور ہے کہ ایک بار لوگون نے استفتا پیش کیا معلوم نہین اُسوقت آپ کس خیال مین تھے کچھ کا کچھ لکھ گئے۔ امام ابو نصر بن صباغ نے جو انکے ہمعصر تھے اس فتوے کو دیکھکر صاحب استفتا سے کہا کہ "یہ غلط ہے ابو اسحق کے پاس نظر ثانی کے واسطے لیجاؤ" چنانچہ آپ نے دیکھا تو حقیقت مین غلطی تھی اپنے قلم سے فتوی صحیح کیا اور اُسپر اسقدر عبارت اور لکھدی "اَلْحَقُّ مَا قَالَهُ الشَّيْخُ بْنِ صَبَّاغ وَاَبُوْ اِسْحٰق مُخْطِيٌّ" یعنی ابن صباغ کی تحریر صحیح ہے اور ابو اسحق غلطی پر ہے"

یہ واقعہ زمانہ حال کے علما کے واسطے ہدایت ہے کیونکہ اکثر مدعیانِ علم کا یہ حال ہے کہ ایک جھوٹ کے سچ ثابت کرنے کے لیئے اُنکو سو جھوٹ بولنا گوارا ہوگا مگر خطا کا اقرار شاید ہی زبان یا قلم سے ہوسکے!!

شیخ ابو اسحق نہایت روشن خیال اور مدبر علما مین سے تھے چنانچہ ۴۶۷ھ؁ مین خلیفہ قائم بامر اللہ کے انتقال پر المقتدی بامر اللہ کا انتخاب محض آپ کی رائے سے ہوا تھا اور اس انتخاب سے ملک کا ایک بڑا فتنہ[۱] دب گیا۔ اور اس سے مہتم بالشان شیخ کی وہ سفارت ہے جو خلیفہ مقتدی[۲] بامر اللہ نے ملکشاہ سلجوقی کے دربار مین بھیجی تھی۔ جب یہ سفارت نیشاپور پہونچی تو امام الحرمین

---

[۱] تاریخ آل سلجوق صفحہ ۴۸ مطبوعہ مصر [۲] تاریخ کامل اثیر جلد ۱۰ صفحہ ۴۲۔

اور تمام اہل نیشاپور نے استقبال کیا اور ملکشاہ نے خاص دربار منعقد کرکے شیخ کو بلایا اور خلیفہ مقتدی کی طرف سے جو شرائط شیخ نے پیش کین وہ سب ملک شاہ نے بلاعذر تسلیم کرلین خواجہ نظام الملک نے ملکشاہ سے بھی زیادہ شیخ کی تعظیم و تکریم کی۔ کیونکہ وہ اول سے شیخ کا معتقد تھا اور اہم معاملات مین اکثر شیخ سے مشورہ کیا کرتا تھا۔[1]

اسمین کوئی شک نہین ہے کہ علما کی قوت سلطنت کی طاقت سے بڑھکر ہے۔ بشرطیکہ علما مین روشن خیالی آزادی، اور صلح کل ہونے کا مادہ ہو۔ مگر علما نے اپنے ہاتھ سے اپنی قوت کو کھو دیا ہے اور انھون نے سمجھ لیا ہے کہ ہمارا کام صرف فتوی دینا ہے اور کچھ نہین۔ برخلاف اسکے اُس عہد کے علما مین یہ تمام صفتین موجود تھین۔ وہ ضرورت کے وقت سلطنت کے اہم خدمات کو نہایت قابلیت سے انجام دیتے تھے، جسکے مصداق خود شیخ کے حالات ہین۔

شیخ ابو اسحق نے چند تصانیف اپنی یادگار چھوڑی ہین۔ چنانچہ سب سے مفید اور بیش قیمت کتاب تنبیہ فی فروع الشافعیہ ہے، یہ کتاب علم فقہ مین ہے اور اسقدر جامع ہے کہ مصنف کا یہ فخریہ دعوی تھا کہ مین ہر مسئلہ کا جواب کتاب تنبیہ سے دے سکتا ہون۔ دوسری کتاب فقہ مین المھذب فی المذھب، ہے تیسری کتاب اصول فقہ مین "لمع" ہے۔

علاوہ اسکے کتاب "النکت (خلاف مین) تبصرہ (اصول فقہ مین) المعونہ، التلخیص (جدل مین) طبقات الفقہا تاریخ مین مشہور کتابین ہین۔[2]

۲۱ جمادی الاول ۴۷۶ھ مین چارشنبہ کی رات کو ابو المظفر بن رئیس الرؤسا کے مکان پر

---

[1] آداب الوزارت مین خواجہ نظام الملک اور شیخ کی ایک تقریر درج ہے۔

[2] تصنیفات کے مفصل حالات کے لیے دیکھو کشف الظنون جلد ۱ و ۲۔

جانب شرقی بغداد مین شیخ کا انتقال ہوا۔ ابوالوفا ابن عقیل نے غسل دیا اور تجہیز و تکفین کی۔ جنازہ کی نماز دو مرتبہ ہوئی جسمین خلیفہ مقتدی بامر اللہ خود بھی شریک ہوا" باب آب زر" مین دفن کیے گئے ابوالقاسم ابن ناقیا شاعر نے مرثیہ لکھا۔ جسکے بعض اشعار ابن خلکان نے نقل کیے ہین شیخ نے کوئی اولاد نہین چھوڑی۔ مگر تصنیفات، جو انکی فضل و کمال کی ایک دائمی یادگار ہے اور اسی باقیات الصالحات مین شیخ کے نامور شاگرد بھی داخل ہین۔

(۲) ابوالمعالی، امام الحرمین، عبدالملک جُوینی

خواجہ نظام الملک کی صوفیانہ مجلس کے دوسرے رکن، امام الحرمین ہین، دربار ملکشاہ سلجوقی اور بارگاہ خواجہ مین امام الحرمین کا بڑا اعزاز کیا جاتا تھا۔ اور خواجہ سے خاص اوقات مین تخلیہ کی صحبت رہتی تھی۔

امام الحرمین کی کنیت ابوالمعالی لقب ضیاء الدین، اور نام عبدالملک تھا۔ اور پورا نام مع مختصر نسب نامہ کے یہ ہے۔ امام الحرمین، ابوالمعالی، ضیاء الدین، عبدالملک بن شیخ ابومحمد عبداللہ بن ابویعقوب یوسف بن عبداللہ بن محمد بن حَیُّوْیَہ جُوَینی[۱]۔

امام صاحب کا خاندان ہمیشہ علم و فضل کا مرکز رہا ہے۔ چنانچہ اُنکے دادا شیخ ابویعقوب یوسف علماء شافعیہ مین ایک ممتاز عالم تھے۔ اور والد شیخ ابومحمد تفسیر، فقہ، اصول، عربیت اور ادب مین امام تھے۔ ابن خلکان کی روایت ہے کہ نیشاپور مین مدتون درس و افتا کا سلسلہ

[۱] جُوَین۔ بسطام سے نیشاپور کو جو قافلہ کی سڑک ہے اُسپر جوین واقع ہے۔ یہ نہایت سرسبز اور آباد پرگنہ ہے۔ آبادی بشکل مستطیل دو پہاڑون کی فضا مین واقع ہے جسکی ایک حد جانب قبلہ بیہق سے اور جانب شمال دوسری حد جاجرم سے ملتی ہے۔ نیشاپور سے ۳۰ میل کا فاصلہ ہے۔ مراصد الاطلاع و گنج دانش۔ حالات تبریز صفحہ ۲۰۲۔

شیخ ابو محمد کی ذات سے جاری رہا ۴۳۸ھ میں انتقال فرمایا تصنیفات مین تفسیر کبیر، تبصرہ، تذکرہ، مختصر المختصر، کتاب الفرق والجمع وغیرہ یادگار ہیں۔

امام الحرمین بمقام جوین محرم کی اٹھارہوین تاریخ ۴۱۹ھ میں پیدا ہوے۔ اور ابتدائی کتابیں اپنے والد سے پڑھیں۔

اُنکے انتقال پر مدرسۂ بیہقیہ مین داخل ہوگئے یہ وہ نامور مدرسہ ہے جو تمام اسلامی دنیا مین سب سے پہلے اعلی تعلیم کے واسطے بمقام نیشاپور کھولا گیا۔ اندنون ابو القاسم اسکافی اس مدرسہ کے مدرس اعظم تھے۔ یہان امام صاحب نے علم اصول مین کمال حاصل کیا۔ اسکے بعد بغداد گئے اور وہان کے مشاہیر علما سے مستفید ہوے۔ جب تحصیل علم سے فراغ ہوگیا تو نیشاپور چلے آئے اور علمی خدمت مین مصروف ہوگئے۔ لیکن ایک خاص واقعہ نے امام صاحب کو نیشاپور چھوڑنے پر مجبور کیا اور آپ حجاز کو چلے گئے۔ چنانچہ چار سال تک مکہ معظمہ مین قیام فرمایا اور جب مدینہ منورہ تشریف لے گئے تو وہان حلقۂ درس قائم کیا۔ اور جسقدر فتوے آتے تھے اُنکے جواب بھی تحریر فرماتے تھے۔

اِن مقدس مقامات مین امام صاحب کی بڑی عزت ہوئی اور امام الحرمین کا قیمتی خطاب انھی گھرون کا عطیہ ہے۔

یہ وہ زمانہ ہے (واقعات ۴۵۶ھ) کہ سلطان الپ ارسلان سلجوقی نے عمید الملک کندری کو قتل کرکے خواجہ نظام الملک کو وزیر اعظم کردیا تھا۔ اور چونکہ خواجہ خود صاحب فضل و کمال تھا۔ اسوجہ سے اُسکی علمی قدردانی، اور عدل وانصاف، کی شہرت اطرافِ عالم مین بہت

جلد پھیل گئی۔ اور عمید الملک کی تحریک سے مساجد مین امام ابو الحسن اشعری پر خطبہ مین جو لعنت پڑھی جاتی تھی وہ بند کرادی گئی تھی چنانچہ خواجہ کی یہ بے تعصبی امام صاحب کو بہت پسند آئی اور مکہ معظمہ سے پھر نیشاپور واپس آئے۔ یہان خواجہ نظام الملک نے امام الحرمین کا وہ اعزاز کیا جو اُنکی شان کے لائق تھا اور محض اُنکی خاطر سے نیشاپور مین ایک عظیم الشان مدرسہ تعمیر کیا جو نظامیہ نیشاپور کے نام سے مشہور ہے (نظامیہ کے تفصیلی حالات اپنے موقع پر تحریر ہین) چنانچہ امام الحرمین اس مدرسہ کے مُدرّس اعظم مقرر کیے گئے۔ اور شہرت عام کی وجہ سے حلقۂ درس مین اکثر ائمہ علم وفن جمع ہوا کرتے تھے کیونکہ امام الحرمین کی تقریر بڑی دلکش ہوا کرتی تھی اور روانی کا یہ عالم تھا کہ گھنٹون کی تقریر مین بھی مسئلۂ زیر بحث مین بے ربطی نہونے پاتی تھی۔ بلکہ اول سے آخر تک سلسلۂ کلام یکسان رہتا تھا۔

وعظ کے واسطے صرف جمعہ کا دن تھا۔ اور یہ مجلس بھی نہایت پرلطف ہوتی تھی۔ غرضکہ کامل تیس برس تک امام الحرمین نے علم و مذہب کی خوب خدمت کی۔ اسکے علاوہ سرکاری حیثیت سے تمام مذہبی صیغون کے افسر تھے۔ وعظ' امامت' خطابت' اور اوقاف کے شرعی احکام آپ کے حکم اور دفتر سے جاری ہوتے تھے۔ اور مفتیِ عدالت کی حیثیت سے ملکشاہ کی نظر مین بڑی عزت تھی جسکے ثبوت مین صرف ایک واقعہ لکھنا کافی ہے۔

علامۂ جلال الدین محقق دوانی اپنی کتاب اخلاق جلالی مین لکھتے ہین کہ "ایک دفعہ سلطان ملکشاہ سلجوقی کے حکم کے مقابلہ مین امام الحرمین نے منادی کرادی کہ "سلطان کا حکم غلط ہر اور وہ حکم دینے کا منصب نہین رکھتا ہے" اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ رمضان المبارک کی

اُنتیسوین[29] تاریخ کو عید الفطر کے سبب سے سلطان نے اپنا ملکی دَوَرہ ملتوی کر دیا۔ اور دارالسلطنت
نیشاپور مین قیام فرمایا۔ اور شام کے وقت مع ارکان دولت کے چاند دیکھنے مین مصروف ہوا،
اگرچہ آسمان پر چارون طرف سے انگلیان اُٹھین۔ مگر ہلال عید نے مشتاقان عید کو اپنا چہرہ
نہین دکھایا۔ مگر جن مصاحبون کو اُنتیس[29] کی عید کی خوشی تھی اُنھون نے بغیر تکمیل شرائط مذہب،
سلطان سے کہدیا کہ حضور چاند نکل آیا ہے اور سلطان کو رویت ہلال کا یقین دلا کر تمام شہر
مین ڈھنڈھورا پٹوا دیا۔ کہ کل عید ہے۔ جب امام الحرمین کے کانون تک یہ صدا پہونچی تو
انھون نے دوسری منادی کا باین الفاظ حکم دیا" ابو المعالی کہتا ہے کہ کل تک ماہ رمضان ہے،
جو میرے فتوے پر عمل کرنا چاہتا ہے اُسے لازم ہے کہ وہ کل بھی روزہ رکھے" قبل از وقت
عید کی خوشی منانے والون نے جب مفتیِ شرع کی منادی سُنی تو سلطان کی خدمت مین
حاضر ہوے۔ اور بُرے عنوان سے منادی کے الفاظ کا اعادہ کیا۔ اور سلطان کو سمجھایا کہ"
ابو المعالی کے خیالات سلطنت کی طرف سے اچھے نہین ہین اور عوام اُنکے معتقد ہین۔ اگر
بندگانِ عالی کے حکم کے مطابق کل عید نہوئی تو بڑی توہین اور ذلت ہوگی" ملک شاہ کو
امام الحرمین کا اعلان ناگوار تو ضرور ہوا مگر چونکہ مزاج کا نیک اور مذہب کا پکا تھا۔ اور
علماے ملت کی عظمت اُسکے دل مین بہت کچھ تھی، اسلیے چند ارکان دولت کو حکم دیا کہ
" امام صاحب کو ادب اور تعظیم کے ساتھ اپنے ہمراہ لاؤ" مفسد یہان بھی باز نہ آئے اور عرض
کیا کہ "جس شخص نے حکم شاہی کی عزت نہین کی وہ واجب الاحترام نہین ہے" اس پر
سلطان نے فرمایا کہ "جب تک امام صاحب سے دوبدو گفتگو نہو ایسے رفیع القدر کی

بے حرمتی نہین ہو سکتی ہے؟"

القصہ درباری امام صاحب کی خدمت مین حاضر ہوے' اور بادشاہ کا پیام سنایا۔ امام صاحب اُسوقت جیسے کپڑے پہنے ہوے تھے اُسیطرح اُٹھ کھڑے ہوے' اور در دولت پر حاضر ہوے جب حاجب نے دیکھا کہ امام صاحب درباری لباس مین نہین ہین تو اُسنے اطلاع کی کہ "پہلی عدول حکمی کے قطع نظر دوسری گستاخی امام صاحب نے یہ کی ہے کہ بارگاہ سلطانی کا ادب بھی بالائے طاق رکھدیا ہے۔ اور معمولی لباس پہنکر تشریف لائے ہین"۔ اس فقرے نے ملک شاہ کو اگرچہ گرما دیا تھا مگر پھر بھی امیر حاجب کی توسط سے دریافت کیا کہ "جب امام صاحب کو معلوم ہے کہ دربار کا ایک خاص لباس مقرر ہے تو پھر اس ہیئت کذائی سے آپ کیون تشریف لائے ہین"؟ امام صاحب نے اونچی آواز سے کہا کہ "سلطان کو مجھسے گفتگو کرنا چاہیے کیونکہ میری تقریر دوسرے شخص سے ادا نہین ہو سکتی ہے"۔ چنانچہ سلطان نے اپنے سامنے بلایا اور امام صاحب نے سلطان کو مخاطب کرکے کہا کہ "اے سلطان! مین اسوقت جس لباس مین ہون اسی سے نماز پڑھتا ہون اور وہ شرعًا جائز ہوتی ہے۔ پس جبکہ خدا کے سامنے مین اسطرح جاتا ہون تو آپ کے سامنے آنے مین کیا قباحت ہے۔ البتہ دستور کے مطابق میرا لباس درباری نہین ہے۔ اور مین نے چاہا تھا کہ لباس تبدیل کرون پھر خیال ہوا کہین ایسا نہو کہ ذرا دیر کی غفلت مین فرشتے میرا نام نافرمانون کی فہرست مین لکھ لین اور بادشاہ اسلام کے حکم کی مخالفت ہو۔ لہذا مین جس طرح بیٹھا تھا اسی طرح سے چلا آیا"۔

سلطان نے فرمایا کہ "جب بادشاہِ اسلام کی اطاعت آپ کے نزدیک اسقدر واجب ہے'

تو پھر ابد ولت کے حکم کے خلاف منادی کرانے کے کیا معنی ہین؟ امام صاحب نے فرمایا کہ
"جو امور فرمان سلطانی پر موقوف ہین اُسکی اطاعت ہم پر فرض ہے اور جو حکم فتوے سے
متعلق ہے وہ پادشاہ کو مجھسے پوچھنا چاہیے کیونکہ بحکم شریعت علما کا فتوی حکم شاہی کے برابر ہے
روزہ رکھنا، عید کرنا، یہ امور فتوے پر موقوف ہین بادشاہ وقت کو اِنسے کوئی تعلق نہین ہے"
جب ملک شاہ نے امام صاحب کی تقریر سُنی۔ تو اُسکا غصہ جاتا رہا اور بہت خوش ہوا اور
اعزاز سے رخصت کیا۔ اور اعلان کردیا کہ "میرا حکم درحقیقت غلط تھا اور امام الحرمین کا حکم صحیح ہے"
ملک شاہ کی انصاف پسندی اور امام الحرمین کی آزادی ہمارے زمانہ کے علما اور مسلمان
حکمرانون کے واسطے ایک قیمتی نصیحت ہے۔ امام الحرمین بڑے پایہ کے مصنف تھے۔ اور
مختلف علم و فن مین انکی تصانیف حسب ذیل ہین۔

نہایت المطلب، شامل، برہان، تلخیص التقریب، ارشاد، عقیدۃ النظامیہ، مدارک العقول،
غیاث الامم، مغیث الخلق، غنیۃ المسترشدین وغیرہ۔

ان تصنیفات کے علاوہ علوم الصوفیہ مین خاص ملکہ تھا۔ اور جب کبھی تصوف پر وعظ فرماتے
تھے تو مجلس کو لٹا دیتے تھے ۴۷۸ھ مین ربیع الآخر کی پچیسوین تاریخ چہارشنبہ کی رات کو
بعد نماز عشاء امام الحرمین نے انتقال فرمایا۔ بیماری کی حالت مین لوگ قریۂ باشتان مین اُٹھا
لے گئے کیونکہ نواح نیشاپور مین اس جگہ کی آب و ہوا ضرب المثل ہے۔ مگر انتقال کے بعد رات
کے وقت جنازہ نیشاپور آیا۔ اور اپنے گھر مین دفن کیے گئے پھر چند سال کے بعد مقبرۂ حسین مین
نعش منتقل کردی گئی اور اپنے والد کے پہلو مین ہمیشہ کے واسطے آرام فرمایا۔

امام صاحب کے حلقۂ درس مین چار سو طلبا تعلیم پاتے تھے۔ انہین سے تین سب سے ممتاز تھے۔
کیا ہراسی، احمد بن محمد خوافی اور امام غزالی۔ مگر آخر مین امام غزالی خود امام الحرمین سے بڑھ گئے۔
جسکی تصدیق امام غزالی کے حالات سے ہوتی ہے۔

امام الحرمین کی وفات کے بعد نیشاپور کے تمام بازار بند ہوگئے اور جامع مسجد کا ممبر توڑ دیا گیا
اور تمام شاگردون نے دوات اور قلم توڑ ڈالے اور ایک سال تک ماتم مین مصروف رہے
شعرانے متعدد مرثیے لکھے ہین۔

خواجہ علاء الدین عطا ملک جُوینی مصنف تاریخ جہانکشا اور خواجہ شمس الدین محمد وزیر اباقاخان
امام الحرمین کے پوتے ہین۔

(۳) امام ابوالقاسم قشیری

تیسرے رکن اس مجلس کے امام ابوالقاسم ہین۔ پورا نسب نامہ آپ کا یہ ہے۔

ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن بن عبدالملک بن طلحہ بن محمد قشیری۔ امام ابوالقاسم فقہاے
شافعیہ کے مشہور رکن ہین۔ اور طبقۂ صوفیہ مین بلحاظ عظمت و شان امام وقت سمجھے جاتے ہین۔
خواجہ نظام الملک کو بھی امام صاحب سے بہ حیثیت ایک عالمِ باعمل اور عارفِ کامل خاص
عقیدت تھی اور امام صاحب بھی خواجہ کی مجلس مین کبھی کبھی تشریف لے جاتے تھے۔ اور
اپنے مفید خیالات اور وعظ و نصیحت سے خواجہ کو فائدہ پہونچاتے تھے۔

ابن خلکان کی روایت ہے کہ امام صاحب فقہ، حدیث، تفسیر، اصول، ادب، شعر اور کتابت
مین علامۂ روزگار تھے۔ اور تصوف مین خاص پایہ تھا چنانچہ امام صاحب نے شریعت و

طریقت کو ملا کر ظاہر و باطن کا رشتہ ثابت کر دیا تھا اور اس اجتہاد سے امام صاحب کی بڑی شہرت ہو گئی تھی۔

امام صاحب عربی النسل تھے۔ اور قشیر بن کعب آپ کے جد اعلیٰ تھے اور اسی نسبت سے آپ قشیری مشہور ہیں۔ عرب سے نکلکر آپ کے بزرگ استوا[1] کے کسی گانون میں سکونت پذیر ہوئے تھے۔ مگر امام صاحب نے نیشاپور میں سکونت اختیار کر لی تھی۔ اور عمر طبعی کی تمام منزلیں نیشاپور میں طے کیں۔

باپ کا سایہ بچپن ہی میں سر سے اُٹھ گیا تھا۔ اسوجہ سے ابتدائی تعلیم و ترتیب نہیں ہوئی۔ بلکہ جوان ہو کر طالب علمی شروع کی اور آخر کو کامیاب ہوئے اور مقتداے ملک و ملت قرار پائے۔ اور سب سے پہلے بنظر تعلیم آپ ابو بکر محمد طوسی کے حلقہ درس میں شریک ہوئے اور فقہ سے ابتدا کی۔ جب اسمین فراغ حاصل ہو گیا تو استاذ ابو بکر بن فورک[2] کی خدمت میں حاضر ہوئے

---

[1] اُستوا نیشاپور کے ایک مشہور و معروف پرگنہ کا نام ہے جسمین ۹۳ گانون تھے اور اُسکا مشہور قصبہ "خوشان" ہے امام قشیری اسی پرگنہ کے کسی موضع میں رہتے تھے مراصد الاطلاع صفحہ ۳۰۔

[2] ابو بکر محمد بن حسین بن فورک اصفہانی مشہور متکلم ہیں لیکن اصول، ادب، نحو میں بھی یکتا تھے۔ واعظ بھی اول درجہ کے تھے ابتدا میں ایک عرصہ تک عراق میں قیام کیا پھر رے سے نیشاپور تشریف لائے یہان کے علم دوست لوگون نے خاص آپ کے لیے ایک مدرسہ بنایا اور آپ اسمین درس دیتے رہے۔ صرف اصول فقہ اور معانی القرآن کے متعلق ایک سو کتابین تصنیف کی ہین۔ مناظرہ مین خاص کمال تھا۔ ۴۰۶ھ مین زہر دیا گیا اور یہی باعث موت ہوا۔ حیرہ مین دفن ہوے (نیشاپور کے ایک محلہ کا نام حیرہ ہے) ابن فورک بھی خواجہ کے درباریون مین تھے اور کتاب "النظامی فی اصول الدین" خواجہ نظام الملک کے واسطے تصنیف کی تھی۔ ابن خلکان صفحہ ۶۸۲ - آثار الادہار صفحہ ۳۷۳ جلد اول مطبوعہ بیروت ۱۸۷۷ء۔

اور علم الاصول مین کمال حاصل کیا۔ اسکے بعد ابواسحق[1] اسفرائینی کے مدرسہ مین داخل ہوئے اور ایک مدت تک تکمیل علوم وفنون مین مصروف رہے اور آخر مین اسی درس گاہ سے فراغ حاصل کیا۔ اور تفسیر مین کتاب التیسر لکھی۔ عبدالکریم قشیری بلحاظ فضل وکمال چونکہ اب نامور علما کے درجہ پر پہونچ گئے تھے اسیلیے شیخ ابو علی دقاق نے جو واقف اسرار شریعت اور رہنماے طریقت تھے اپنی بیٹی کا عقد امام صاحب سے کردیا۔ تھوڑے زمانہ کے بعد جب شیخ کا انتقال ہوگیا تو امام صاحب نے مجاہدہ اور تجرید کا مسلک اختیار کرلیا اور ہمہ تن تصوف پر جھک پڑے! اور اُسی زمانہ مین رجال طریقت کے حالات مین ایک کتاب تصنیف کی جسکا نام "رسالہ" ہے۔ پھر حج کو تشریف لے گئے۔

امام ابو محمد جُوینی اور ابوبکر[2] احمد بن حسین بیہقی جیسے فخر روزگار علما کے علاوہ ایک جماعت ہمراہ تھی۔ اس سفر مین فرض حج کے علاوہ بغداد اور حجاز مین متعدد شیوخ سے حدیث کی سماعت کی اور اخیر مین گوشہ نشین ہوگئے۔ مگر وعظ وتذکیر کا سلسلہ جاری رہا۔

ابوالحسن علی الباخرزی نے اپنی کتاب دمیۃ القصر مین امام صاحب کی بڑی تعریف کی ہے۔ اور وعظ کے پراثر جلسہ پر نہایت مختصر مگر فصیح وبلیغ راے لکھی ہے چنانچہ فرماتے ہین

---

[1] ابواسحق اسفرائینی حالات نظامیہ نیشاپور مین آپ کا تذکرہ تحریر ہے [2] ابوبکر احمد بن حسین بن علی بن عبداللہ ابن موسیٰ بیہقی۔ نامور حفاظ حدیث مین سے ہین۔ جامع علوم وفنون تھے۔ مگر حدیث مین خاص شہرت ہوئی۔ کیونکہ عراق، جبال، حجاز، خراسان کا سفر کرکے ان مقامات کے شیوخ سے حدیث حاصل کی تھی۔ امام الحرمین، احمد کے فضل وکمال کی شہادت دیتے ہین۔ سنن کبیر، سنن صغیر، دلائل النبوۃ، سنن والآثار، شعب الایمان، مناقب الشافعی وغیرہ تصنیفات مین مشہور ہین ۳۸۴ھ مین ولادت ہوئی اور ۴۵۸ھ مین بمقام نیشاپور انتقال ہوا۔ (باقی آیندہ

"لو قرع الصخر بصوت تحذیرہ لذاب ولو ربط ابلیس فی مجلسہ لتاب" یعنی اگر امام قشیری کی ڈرانے والی آواز پتھر سے ٹکرا جائے تو وہ گھل کر بہ جائے اور اگر ابلیس اُنکی مجلس مین شریک ہو تو وہ اپنی شیطانیت سے توبہ کرے۔"

امام قشیری اصول مین اشعریہ اور فروع مین شافعیہ تھے۔ شعر وسخن سے بھی ذوق تھا۔ شہسواری اور استعمال اسلحہ مین امام قشیری قابل تعریف مہارت رکھتے تھے ۴۶۵ھ ربیع الآخر کی سولہ تاریخ سنیچر کے دن قبل طلوع آفتاب یہ فضل وکمال کا سورج غروب ہوگیا ربیع الاول ۳۷۶ھ مین ولادت ہوئی تھی۔ نیشاپور مین شیخ ابوعلی دقاق کے پہلو مین یہ نامور خواب استراحت مین ہے۔

امام صاحب نے اپنے انتقال پر بڑا کنبہ چھوڑا۔ لیکن آپ کی اولاد مین جو سب سے نامور ہوا وہ اُنکا بیٹا ابونصر عبدالرحیم تھا۔ مورخین نے شیخ ابونصر قشیری کے بھی حالات لکھے ہین اور علوم حال قال اور مجالس تحذیر وتذکیر مین اِنکے والد کا ہمپلہ بتایا ہے۔

(۴) ابوعلی فارمذی

چوتھے رکن اس مجلس کے صوفی ابوعلی فارمذی ہین۔ پورا نام یہ ہے۔ فضل بن محمد بن علی

بقیہ صفحہ (۱۳۸) بیہق مین دفن کیے گیے۔ ابن خلکان جلد اول صفحہ ۲۰۔ ۵۳؎ ابوالحسن علی بن حسن بن علی بن ابوالطیب الباخرزی۔ نہایت نامور ادیب اور فصیح وبلیغ شاعر ہوا ہے ابتدا مین طغرل بیگ سلجوقی کا کاتب تھا۔ پھر ملازمت چھوڑ کر گوشہ نشین ہوگیا۔ عربی فارسی کا دیوان موجود ہے۔ ۴۶۷ھ مین شہید ہوا ملک شاہ سلجوقی کی مدح مین یہ رباعی مشہور ہے۔ ؎

خاقان علم وکوس ملکشاہ کشد ۔ فغفور بساط شاہ برماہ کشد
جیپال سراپردہ خرگاہ کشد ۔ قیصر بستور گاہ درگاہ کشد

المشہور بہ شیخ ابو علی فارمذی۔ شیخ ابو علی طبقۂ صوفیہ مین شیخ الشیوخ کا درجہ رکھتے ہین۔ علوم ظاہری مین امام ابو القاسم قشیری کے شاگرد تھے۔ اور ابو القاسم علی بن عبد اللہ کرمانی سے بیعت تھی۔ شیخ ابو علی نے جو کچھ پایا وہ اِسی قطب زمانہ کی فیض صحبت کا نتیجہ تھا۔ اور شیخ کی فضیلت مین شاید اسقدر لکھنا کافی ہوگا کہ جب امام غزالی علیہ الرحمہ کو علوم معرفت کی ضرورت محسوس ہوئی تو انھون نے ابو علی کو اپنا شیخ بنایا اور مرید ہوئے' جو لوگ امام صاحب کے فضل و کمال سے واقف ہین وہ اس انتخاب سے ابو علی فارمذی کا درجہ قیاس کر سکتے ہین۔ کامل ابن اثیر کی روایت ہے کہ شیخ ابو علی جب خواجۂ نظام الملک کے دربار مین تشریف لاتے تھے تو خواجہ اپنی جگہ سے اُٹھکر شیخ کا استقبال کرتا۔ پھر اپنی مسند پر بٹھا کر خود الگ ہو جاتا اور شیخ کے سامنے بیٹھکر ادب سے گفتگو کرتا تھا۔ چنانچہ خواجہ کے اس ادب کو دیکھکر کسی نے پوچھا کہ آپ دیگر صوفیون کی ایسی عزت و تعظیم کیون نہین کرتے ہین؟ کہا کہ اور حضرات جب مجھسے ملنے آتے ہین تو وہ میری تعریف کرتے ہین۔ کہ آپ ایسے ہین۔ اور ایسے ہین بلکہ اُن صفات سے یاد کرتے ہین کہ جو مجھ مین نہین ہین۔ اور ایسی مدح سرائی سے ظاہر ہے کہ نفس مغرور ہو جاتا ہے برخلاف اسکے شیخ ابو علی مجھے میرے عیوب سے آگاہ کرتے ہین اور مین اُنکی ہدایت سے مستفید ہوتا ہون" حقیقت مین ایک عارفِ کامل اور گوشہ نشین زاہد اگر کسی بادشاہ یا امیر کبیر سے ملے تو اسکی ملاقات کا منشا بجز ہدایت اور پند و نصیحت کے اور کچھ ہونا چاہیے۔ کیونکہ دنیا کے خود غرض بندون مین یہ جسارت نہین ہو سکتی ہے کہ وہ ایسے رفیع الشان لوگون کو نصیحت کرین۔ او[ر] مقدس لوگون کی ہدایت کا جیسا اثر ہوتا ہے وہ تاریخ سے ظاہر ہے۔ مگر ہمارے زمانے کے

صوفیہ کا ایسی صحبتون مین بھی وہی حال ہے جسکی خواجہ نظام الملک نے شکایت کی ہے۔

نصیحت پذیری | خواجہ نظام الملک چونکہ ان بزرگون سے بے تکلف ملا کرتا تھا لہذا یہ حضرات بھی جو عیب خواجہ مین دیکھتے تھے وہ اُسکے مُنھ پر صاف کہدیا کرتے تھے اور خواجہ اُس سے متنبہ ہوجاتا تھا چنانچہ انھی واقعات کے ذیل مین روضۃ الصفا[1] مین ایک طولانی روایت ہے جسکا خلاصہ یہ ہے کہ۔

۴۷۹ہجری مین سلطان ملک شاہ جب اول مرتبہ بغداد گیا ہے تو خواجہ بھی ہمراہ تھا چنانچہ مقدس مقامات کے زوار اور دیگر ارباب حاجت نے جب خواجہ کو گھیر لیا تو اُسنے بھی کسی سائل کو اپنی فیاضی سے محروم نہ رکھا لیکن واپسی پر جب فردِ حساب ملاحظہ کی تو واضح ہوا کہ مد عطیات دو لاکھ روپے (۴۰ ہزار دینار) صرف ہوگئے ہین۔ اسلیے خواجہ نے حکم دیا کہ فی الحال وظائف ملتوی کیے جائین۔ اور کوئی سائل میرے پاس نہ آنے پائے۔

چنانچہ شیخ ابو سعد واعظ کو جب یہ حال معلوم ہوا تو وہ خواجہ سے ملے اور اپنی کتاب موسومہ "نصیحۃ النظامیۃ" کے ایک باب پڑھنے کی اجازت چاہی اور خواجہ کی اجازت پر شیخ نے پڑھنا شروع کیا۔ جسکے بعض فقرات کا ترجمہ یہ ہے۔ حاجتمند اگر کسی امیر کے پاس جائے اور وہ اُسکی خواہش نہ پوری کرے تو اُسپر کوئی عذاب نہین ہوسکتا ہے لیکن وہ شخص جسکو باری تعالی نے اپنے بندون اور وسیع دنیا پر حکمران فرمایا ہے۔ اگر وہ حوادث کا انسداد اور مساکین کی امداد نہ کرے یا وقت کا استعمال ٹھیک طور پر نہ کرے (کیونکہ یہ شخص حقیقت مین فرد و رہے

[1] روضۃ الصفا صفحہ ۶۷ - ۱۶۹ - حالات نظام ۵۲ چوتھی ذی الحجہ ۴۷۹ھ مین ملک شاہ داخل بغداد ہوا تھا تاریخ آل سلجوق مطبوعہ مصر صفحہ ۷۲۔

جسنے اپنے قیمتی وقت کو بیچ ڈالا ہے اور اُسکی اجرت چاہتا ہے) تو وہ نہ تو اہل وعیال مین بہ دلی سے بیٹھ سکتا ہے۔ نہ مطالعہ کا لطف اُٹھا سکتا ہے نہ اعتکاف وتلاوت کر سکتا ہے۔ اُسکے یہ افعال واعمال نوافل سے مشابہ ہین اور بندگان خدا کی غمخواری کرنا واجب ہے اور اجماع اسپر ہے کہ ادائے واجب کے لیے نفل کو ترک کر دینا چاہیے۔ خواجہ اگرچہ وزیر ہے مگر حقیقت مین وہ ایک امیر ہے جسکو ملک شاہ نے اپنے نیابت کے لیے ایک خاص اجرت پر لے لیا ہے تاکہ دنیا مین شہرون اور رعایا کا انتظام، اور آخرت مین سلطان کی جانب سے جواب دہی کرے۔ کیونکہ قیامت کے دن ملک شاہ کو خدا کے سامنے کھڑا ہونا پڑیگا اور سوال کیا جائیگا کہ "ملک شاہ! مین نے تجکو ایک عظیم الشان سلطنت کی حکمرانی بخشی تھی اور اپنے بندون کی مہمات کو تیرے سپرد کر دیا تھا۔ تو نے اُنکے ساتھ کیسا برتاؤ کیا؟"

ملک شاہ جواباً عرض کریگا۔ خداوندا تو علام الغیوب ہے۔ مین نے تیرے بندون کا انتظام ایک فرزانہ وعاقل اور مدبر وزیر کے سپرد کر دیا تھا کہ وہ عدل وانصاف کرے مین نے اسکے ایک ہاتھ مین تلوار اور دوسرے مین قلم دے دیا تھا۔ تاکہ وہ قلم سے حکم لکھے اور تلوار سے ملزمون اور ظالمون کو سزا دے۔ اب اسکو حضور مین پیش کرتا ہون۔ ہر قسم کی جوابدہی کا یہ ذمہ دار ہے"

اے فخر اسلام! غور فرما کہ اسوقت سب سے اچھا جواب یہ ہو سکتا ہے کہ یا تو آپ کہین گے کہ "جب انتظام سلطنت میرے سپرد ہوا تو مین نے مکان کا دروازہ کھول دیا اور حاجب و دربان کو اُٹھا دیا۔ جو مجھسے طالب ہوے مین نے اُنسے احسان وسلوک کیا" یا آپ یون عرض کرینگے کہ "مین نے دروازے پر حاجب و دربان مقرر کیے اور انکو ہدایت تھی کہ مجھ تک

کوئی آنے نہ پائے، قاصد اور سفرا واپس کر دیے جائین اور امیدوارون کو جواب دیدیا جائے۔
نوشیروان مذہبًا آتش پرست تھا لیکن فریادیون کے لیے اُسکا دروازہ ہروقت کھلا رہتا تھا
دروازہ پر پاسبان نہ تھا۔ چنانچہ سفیر روم نے ایک بار عرض کیا کہ "جہان پناہ نے تو دشمنون پر
بھی راستہ کھول دیا ہے اور اپنے بچاو کا کوئی ذریعہ نہین رکھا ہے"۔ نوشیروان نے کہا کہ
صرف "عدل میرے لیے حصار ہے"۔
خواجہ! یہ تو ایک آتش پرست بادشاہ کا حال تھا۔ تجھے خدا نے خلعت اسلام سے مزین کیا ہے
اسلیے تمام حکام سے بڑھکر تجکو عادل ہونا چاہیے، اور اُس دن کو یاد کر جسدن پروردگار عالم
اپنے بندون کو اعمال کا صلہ دیگا۔ لوگ آفتاب محشر کی حرارت سے عرق عرق ہونگے اور
خواجہ اپنی نصفت شعاری کے طفیل سایہ مین کھڑا ہوگا۔ بلند ہمتی اور نفس کی پاکیزگی بدلی
کے مشابہ ہے مگر یہ زمین کی بدلی ہے۔ جب کہ آسمان کے بادل ساری دنیا مین مینھ برساتے
ہین تو یہ کیونکر ممکن ہے کہ زمین کے بادل بارش مین کاہلی کرین؟ اور مروت کے مذہب مین
بھی یہ کب جائز ہوسکتا ہے؟ کہ حق سبحانہ تعالی ایک صاحب تدبیر وزیر کو روے زمین کی
حکومت عطا کرے اور وہ دارالسلام بغداد کو اپنی فیاضی سے محروم رکھے اور یہ مسلم ہے
کہ انسان اس دار فانی مین ہمیشہ نہین رہیگا لہذا بہتر ہے کہ اس چندروزہ زندگی کو غنیمت
جانے اور حیات ابدی کے حصول مین کوشش کرے۔ مین نے اسوقت جو کچھ نصیحتًا
کہا ہے یہ گویا ایک امانت تھی جو مین نے ادا کر دی ہے اب اسپر عمل کرنا آپ کا کام ہے۔
جب خواجہ نظام الملک شیخ ابوسعد کی تقریر سن چکا تو بہت خوش ہوا اور بطریق نذرانہ ایکہزار

دینار پیش کیے لیکن شیخ نے! یہ کہکر واپس کردیے کہ میں باغ واراضی کا مالک ہون مجھے اسکی حاجت نہین ہے۔ البتہ آپ کی نیک نامی اور قیام دولت مطلوب ہے"

اسکے بعد خواجہ نے اپنا پہلا حکم منسوخ کردیا۔ اور ابوسعد کی نصیحت کے مطابق عمل کیا"[1] کامل اثیر وغیرہ مین اس قسم کے واقعات اور بھی تحریر ہین جسکو ہمنے نظرانداز کردیا ہے۔

حلم[1] وعفو　امیر[2] ابونصر بن ابولا کا بیان ہے کہ مین ایک دن نظام الملک کی مجلس مین حاضر تھا اور امام الحرمین بھی تشریف رکھتے تھے کہ ایک حاجتمند آیا اور اسنے اپنی عرضی نظام الملک کی جانب پھینکی جسکے ٹکرانے سے بھری ہوئی دوات مسند پر پلٹ گئی اور عرضی سیاہی مین ڈوب گئی۔ خواجہ نے ہاتھ بڑھاکر عرضی کو پڑھا اور فرمایا کہ "یہ شخص عمامہ اور لباس چاہتا ہے" لیکن سائل کی اس حرکت پر نہ تو چہرہ پر شکن آئی اور نہ کسی قسم کی ناراضی کا اظہار کیا مجھے خواجہ کے اِس حلم پر بہت تعجب ہوا اور مین نے اس واقعہ کا استاد الدار سے تذکرہ کیا تو اُسنے کہا کہ مین آپ کو اس سے بھی عجیب تر واقعہ سناتا ہون اور وہ یہ ہے۔

۲- میری نگرانی مین چالیس فراش ہین (ہر وقت کے واسطے جداگانہ فرش مقرر تھے) کل شب کو یکایک آندھی آئی اور خواجہ کی بستر پر گرد کی چادرین بچھ گئین۔ فراشون کو آواز دی "مگر صدائے برنخاست" تب تو دنیا میری آنکھون مین تاریک ہوگئی۔ اور مین نے دل مین کہا کہ ہم سب عذاب کے مستحق ہین اور جو عذاب ہم پر نازل ہو وہ کم ہے۔ کیونکہ کوئی ایک بھی نہین ہے جو بستر کو جھاڑکر بچھائے اور اِس خیال سے میرا غصہ بہت بڑھ گیا۔

[1] کامل اثیر صفحہ ۵۳ جلد ۱۰ واقعات ۴۶۸ھ [2] طبقات الکبری ابن سبکی حالات نظام الملک۔

جب خواجہ نے میرا بڑبڑانا سُنا تو فرمایا کہ " وہ کسی کام سے باہر چلے گئے ہونگے اور بھلا ایسا کون انسان ہے؟ جسکو ذاتی کام نہون اور یہی اسباب ہین جنسے ادائے فرائض مین کوتاہی ہوجاتی ہے۔ اور فراش بھی تو آخر ہمارے جیسے انسان ہین۔ جیسے ہم دُکھ پاتے ہین ویسے ہی وہ بھی تکلیف اُٹھاتے ہین جن چیزون کی ہمین حاجت ہے اُنکے وہ بھی آرزومند ہین۔ ہان یہ ضرور ہے کہ خدا نے ہمکو اُنپر فضیلت بخشی ہے۔ اسلیے خدا کی نعمتونکا یہ شکریہ نہین ہے کہ ہم اُنکو ایسی خفیف باتونپر سزا دین۔"

۳۔ ابن ہباریہ[1] خواجہ نظام الملک کا وظیفہ خوار اور دربار کا مشہور شاعر تھا ایکمرتبہ تاج الملک[2] ابوالغنائم بن دارست نے جو خواجہ کا مشہور دشمن تھا۔ ابن ہباریہ سے کہا کہ "اگر تم خواجہ کی ہجو لکھو تو مین تمکو مالامال کردون"۔ ابن ہباریہ جو ہجو گوئی مین ضرب المثل تھا اُسنے کہا کہ مین ہجو تو آج لکھ دون، مگر میرا دل مجکو ملامت کرتا ہے۔ کیونکہ مین اپنے گھر کی جس چیز کو دیکھتا ہون وہ خواجہ کی عطیہ نظر آتی ہے پھر ایسے محسن کی ہجو کیونکر قلم سے نکلے گی۔ مگر خانہ طمع سیاہ باد، آخر دبی زبان سے چند اشعار لکھے جسکا اخیر شعر یہ ہے۔

فالدھر کالدولاب لیس　　یدور الابالبقر

آخر زبانون پر گھومتے پھرتے یہ اشعار خواجہ کے بھی کان تک پہونچے۔ خواجہ نے سنا تو بجز اسکے اور کچھ نہ کہا کہ ابن ہباریہ نے اس مشہور مثل کی طرف اشارہ کیا ہے کہ "اھل طوس بقر"[3] اور یہ میرے طوسی ہونے کی طرف اشارہ ہے۔ خواجہ نے ابن ہباریہ سے نہ تو کوئی جواب

---

[1] دیباچہ کتاب الصادح والباغم مصنفہ سید شریف نظام الدین ہباری صفحہ ۵ مطبوعہ بیروت ۱۸۸۶ء [2] تاج الملک کے تفصیلی حالات حصہ دویم مین لکھے گئے ہین۔ [3] ہندوستان مین بھی بہت سے مواضعات اور قصبات ایسے ہین جہان کے باشندے بیوقوفی مین ضرب المثل ہین اسیطرح فارس مین باشندگان طوس کو لوگ احمق سمجھتے ہین اور اپنی زبان مین اُنکو "گاؤ طوسی" کہتے ہین چنانچہ خواجہ کے دشمن اُسپر یہی پھبتی کہا کرتے تھے اور اسیکو ابن ہباریہ نے نظم کردیا ہے اور یہ ظاہر ہے کہ دولاب کو صرف بیل ہی کھینچ سکتا

طلب کیا نہ اُسکو بُرا بھلا کہا۔ بلکہ انعام اور صلے مین بہ نسبت سابق کے اضافہ کر دیا سچ ہے
ے دہن سگ بلقمہ دوختہ بہ خواجہ نظام الملک کے مکارم اخلاق اور وسعت حلم کا یہ
ایک مختصر خاکہ ہے جس سے اسلامی اخلاق اور مذہبی تعلیم کی خوبیون کا اندازہ ہو سکتا ہے۔

مذہبی زندگی

مُہذّب دنیا کا کوئی فرد بشر ایسا نہین ہے جو مذہب نہ رکھتا ہو۔ کیونکہ مذہب انسان کی فطرت مین داخل ہے۔ اور اسی لیے کہا جاتا ہے کہ جس شخص مین مذہبی روح نہو وہ انسان نہین ہے۔ توحید، نبوت، عبادت، معاد، جزا و سزا، اور تمام اخلاقی امور کی تعلیم و تکمیل صرف مذہب ہی کے ذریعے سے ہوتی ہے۔

مذہب ہی ایک ایسی چیز ہے جو ازلی اور ابدی ہے اور کوئی قوت ایسی نہین ہے جو اُسکو دنیا سے معدوم کر دے۔ ہان یہ ممکن ہے اور ہزارون مرتبہ ایسا ہوا ہے، کہ مذہب کی سرسبز اور پھلی پھولی شاخین کاٹ ڈالی گئی ہین۔ مگر آج تک یہ کسی نے نہ دیکھا ہوگا کہ مذہب کا استیصال ہو گیا ہو۔ البتہ عقل کی کجروی اور نور ایمان کی کمی سے مثل دیگر قوتون کے اسمین بھی ضعف آجاتا ہے۔ مگر پوری طور پر صفحۂ دل سے وہ کبھی نہین مٹتا ہے اور نہ انسان اُسکو مٹا سکتا ہے۔ دنیا کی ہر قوم، ہر نسل، اور ہر طبقہ کسی نہ کسی مذہب کا پابند ہے۔ مگر انمین ایسے لوگون کی تعداد ہمیشہ محدود ہوا کرتی ہے جسکا ہر قول اور ہر فعل مذہب کے مطابق ہو۔ اور مذہب ہی اُسکا اوڑھنا بچھونا ہو۔ لیکن پھر بھی عملی طور پر جسقدر مذہب کی پابندی ہے وہ غربا مین ہے، اور

لے زینت المجالس مجدی صفحہ ۲۷۳

امرا مین اس عنصر کی بہت کمی ہے، اور امرا کے مقابلے مین بادشاہون اور وزیرون مین تو مذہب برائے نام ہوتا ہے۔ لیکن افراد مذکورہ بالا مین سے اگر کوئی اس کلیہ سے مستثنیٰ ہو تو اُسکی زندگی کا یہ واقعہ نہایت مہتم بالشان ہے۔

مذہب اسلام مین مذہبی زندگی کے یہ معنی ہین کہ اسکے عقائد، عبادات، اور اخلاق کا ہر ہر جز قانون مذہب کے مطابق ہو۔ اور اسکا کوئی فعل مذہبی معیار سے باہر نہو۔ چنانچہ خواجہ نظام الملک بھی قرون اولی کے اُن خوش قسمت مسلمان وزرا مین سے ایک ہی شخص ہے جسکی زندگی کو ہم مذہبی زندگی کہہ سکتے ہین۔

مذہب | نظام الملک شافعی تھا۔ اور سخت متعصب! مگر اس تعصب سے وہ بغض و عداوت، اور نفرت مراد نہین ہے، جو دوسرے مذہب والے کے ساتھ برتی جائے (نعوذ باللہ منہا) بلکہ شدۃ فی المذہب مقصود ہے۔

ذکر و عبادت | ذکر و عبادت[1] کے لحاظ سے خواجہ نظام الملک کو زاہد کہنا چاہیے اور وہ نہایت مرتاض تھا۔ نماز پنجگانہ ہمیشہ جماعت سے پڑھتا تھا اور یہ اُسکی عادت تھی کہ ہمیشہ باوضو رہتا تھا اور ہر وضو کے بعد نماز نفل ادا کرتا تھا۔ قرآن مجید کی تلاوت کبھی ناغہ نہوتی تھی۔ اور یہ بھی التزام تھا کہ تلاوت کے وقت کبھی تکیہ لگا کر نہین بیٹھا۔ کیونکہ ایسی نشست کو قرآن مجید کے عظمت و شان کے خلاف جانتا تھا۔ اور کلام مجید کو سفر اور حضر مین اپنے ساتھ رکھتا تھا۔ جسوقت کان مین اذان کی آواز آتی تھی، دنیا کے تمام کاروبار چھوڑ کر اُٹھ کھڑا ہوتا تھا۔

[1] طبقات الکبریٰ ترجمۂ نظام الملک۔

اور اذان کا جواب دیتا تھا (جیسا کہ کتب فقہ مین مذکور ہے) اور اگر کبھی اذان مین دیر ہو جاتی اور نماز کا وقت آجاتا تو فوراً موذن کو حکم دیتا تھا۔ اور حفظ اوقات مین اسقدر توجہ صرف انھی لوگون کو ہوتی ہے جسکو نماز سے خاص دلچسپی ہو۔ ہر دوشنبہ اور پنجشنبہ کو روزہ رکھتا تھا۔ اور ایک موقع پر خواجہ نے شرعی قسم کھا کر بیان کیا ہے کہ اُسنے تمام عمر مین ایکمرتبہ بھی زنا کا ارتکاب نہین کیا۔

حج وزیارات خواجہ نظام الملک کو حج بیت اللہ کی بہت آرزو تھی۔ مگر افسوس ہے کہ وہ زیارت خانۂ کعبہ سے تمام عمر محروم رہا۔ الپ ارسلان کے دور حکومت مین تو خواجہ کو ایک دن کی بھی مہلت نہ تھی کہ وہ گھر سے باہر قدم نکالتا۔ البتہ ملک شاہ کے زمانے مین خواجہ کو کافی موقع اس فرض کے ادا کرنے کا تھا۔ چنانچہ ۴۷۹ھ مین بمقام بغداد ملک شاہ نے خواجہ کو روانگی مکہ معظمہ کی اجازت بھی دیدی تھی اور سفر کی غرض سے خیمے ڈیرے بھی دریاے دجلہ کے کنارے لگا دیے گئے تھے۔ مگر پھر نہین معلوم کہ کن اسباب سے روانگی قافلہ کی ملتوی رہی۔ تاریخی واقعہ تو صرف اسقدر ہے۔ مگر بقول شخصے[1] بڑھا بھی دیتے ہین کچھ زیب داستان کے لیئے

روضۃ الصفا اور طبقات الکبری مین عبداللہ ساوجی سے یہ روایت ہے کہ "جس زمانہ مین خواجہ عازم حج تھا انھی ایام مین ایک پیر مرد نے جسکی پیشانی سے نور چمک رہا تھا ایک بند خط خواجہ کے پاس بھیجا۔ اور عبداللہ سے کہا کہ یہ خاص امانت ہے اسکو بجز خواجہ کے اور کوئی نہ پڑھے۔ چنانچہ وہ خط خواجہ کی حضور مین پیش کر دیا گیا۔ جب خواجہ خط کو پڑھ چکا تو شدت سے رویا۔ چنانچہ عبداللہ کا بیان ہے کہ مجھے بڑی ندامت ہوئی اور مین نے

[1] کامل اثیر صفحہ ۷۲ جلد ۱۰

اپنے دل مین کہا کہ "اگر مین جانتا کہ اس خط کا یہ اثر ہوگا تو مین ہرگز پیش نہ کرتا" چنانچہ خواجہ نے وہ خط پڑھکر مجھے واپس کردیا اور کہا کہ "جو شخص لایا ہے اسکو واپس کردو" مین نے خیمے کے دروازے پر دیکھا تو وہ شخص مجکو نہ ملا تب مین نے خط لاکر خواجہ کے سامنے رکھدیا۔ اور خواجہ نے خط کو میرے سامنے ڈال دیا۔ مین نے اُسکو پڑھا تو اُسکا یہ مضمون تھا کہ "مین نے رسول اللہ صلعم کو خواب مین دیکھا ہے اور حضور نے فرمایا ہے۔ کہ حسن سے جاکر کہو تمھین مکہ جانے کی ضرورت نہین ہے، تمھارا حج یہی ہے کہ اس ترک (ملک شاہ) کی خدمت کیے جاؤ۔ اور میری امت کے لوگون کی حاجتین پوری کیا کرو۔ چنانچہ خواجہ نے روانگی مکہ معظمہ کی ملتوی کردی" خواجہ نظام الملک حج سے تو محروم رہا۔ مگر بغداد مین جسقدر بزرگانِ دین اور اولیاے کرام کے مزار ہین اُن سب کی زیارت کی اور اسی سال مہینہ ذی الحجہ مین موسیٰ بن جعفر رضی اللہ عنہ کے مزار پر انوار پر حاضر ہوکر فاتحہ پڑھا۔ ملک شاہ بھی خواجہ کے ہمراہ تھا۔ چنانچہ اس واقعہ پر ابن زکرد یہ واسطی نے بطور تہنیت کے ایک قصیدہ لکھا۔[۵۱]

احجاج کی تجہیز وتکفین فقیہ ابو القاسم (برادر خواجہ) کی روایت ہے کہ "مین مکہ معظمہ مین موجود تھا۔ اور عرفات جانے کی تیاری کررہا تھا کہ اطلاع ہوئی کہ ایک خراسانی کا کسی زاویہ مین انتقال

---

[۵۱] تاریخ کامل اثیر مین اس قصیدہ کے حسب ذیل تین شعر تحریر ہین۔

زرت المشاهد زورة مشهودة	ارضت مضاجع من بها مدفون
فكانك الغيث استهل بتربها	وكانها بك روضة ومعين
فازت قداحك بالثواب وانجحت	ولك الاله على النجاح ضمين

کامل اثیر صفحہ ۵۳ جلد ۱۰۔

[۵۲] یہ ہرسہ واقعات طبقات الکبری سے منقول ہین۔

ہوگیا ہے اور اسکی نعش پھول گئی ہے۔ چنانچہ اُسکی تجہیز و تکفین کی غرض سے مین نے عرفات کا جانا ملتوی کردیا۔ جب میرا ارادہ اُس امیر کو معلوم ہوا جو خواجہ کی طرف سے حجاج کی خبر گیری پر مقرر تھا تو اُسنے کہا کہ آپ جائین تمام قافلہ روانہ ہو چکا ہے۔ خراسانی کے جنازہ کا مین انتظام کرونگا۔ کیونکہ خواجہ نظام الملک کی طرف سے پچاس ہزار گز کپڑا میرے پاس موجود ہے جو صرف تکفین موتے کے واسطے ہے۔

۲- حجاز کا راستہ | زمانہ سابق مین جو مصیبتین حاجیون کو پیش آتی تھین آج اُنکا عشر عشیر بھی نہین ہے۔ اور سب سے زیادہ تکلیف راستے کی بدامنی کی وجہ سے ہوا کرتی تھی۔ چنانچہ خواجہ نظام الملک نے اپنے عہدِ وزارت مین مکہ معظمہ کے راستون کو خوب صاف کیا۔ اور جو دشواریان تھین اُنکو دور کردیا۔ اور مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کی آبادی مین خاص کوشش کی اور حاجیون کی راحت رسانی کے واسطے متعدد سامان کیے۔

۳- بے تعصبی | ابو نصر محمد بن منصور بن محمد ملقب بہ عمید الملک کندری، وزیر طغرل بیگ سلجوقی نے اپنے عہدِ وزارت مین سلطان کی منظوری سے یہ حکم جاری کیا تھا کہ "خطبہ مین روافض پر لعنت کی جائے" اور جب تمام ملک مین اسکا عملدرآمد ہوگیا تو اشاعرہ[1] کی نسبت بھی یہی حکم

---

[1] یہ فرقہ امام اشعری سے منسوب ہے۔ جنکا نام ابوالحسن علی بن اسمٰعیل ہے۔ امام صاحب ۲۷۰ھ مین بمقام بصرہ پیدا ہوے اور ۳۳۰ھ مین بمقام بغداد وفات پائی۔ اشعر ملک یمن کے ایک قبیلے کا نام ہے۔ اور آپ ابوموسیٰ اشعری کے اولاد مین ہین جو مشہور صحابی تھے۔ امام ابوالحسن نے ابتدا مین عبدالوہاب جبائی سے تعلیم پائی تھی۔ اور چالیس برس تک معتزلی رہے اور امام مانے گئے۔ پھر یکایک خواب مین ہدایت ہوئی جسکی بنا پر جامع بصرہ مین جاکر اعلان کردیا کہ مین نے معتزلہ کے عقائد سے توبہ کی۔ اور معتزلہ، جہمیہ، خوارج، اور تمام اہل بدعت کے (باقی آیندہ)

صادر ہوا۔ چنانچہ عمید الملک کے زمانہ مین دونون فرقون کے اماموں پر لعنت کی بارش ہوتی رہی۔ افسوس!!

عمید الملک کی اس متعصبانہ کارروائی سے ملک کے نامور ائمہ امام الحرمین اور ابو القاسم قشیری وغیرہ ناراض ہوکر مکۂ معظمہ کو ہجرت کر گئے یا کسی اور طرف چلے گئے۔ لیکن طغرل بیگ کے انتقال پر جب الپ ارسلان تخت نشین ہوا اور خواجہ نظام الملک مستقل وزیر تو خواجہ نے سب سے پہلے یہ فرمان جاری کیا کہ "اشاعرہ اور روافض پر جو لعن کیجاتی ہے وہ بند کی جائے[۱]" جب یہ خبر اطراف عالم مین شائع ہوگئی تو تمام علما اپنے وطن مین واپس آئے اور خواجہ نے اُنکا ویسا ہی خیر مقدم کیا جسکے وہ مستحق تھے۔

شوق عبادت | خواجہ[۲] نظام الملک کا قول ہے کہ "ایک وقت مین میری یہ تمنا تھی کہ کاش مین ایک گاؤن کا زمیندار ہوتا اور اُسمین ایک مسجد ہوتی جس مین بیٹھکر یاد الٰہی کیا کرتا۔ پھر یہ خواہش ہوئی کہ نہین! میرے لیے تو مسجد کا ایک گوشہ اور چند بسوے زمین کافی ہے" اور اب تو

بقیہ صفحہ ۱۵۰) ردمین نہایت کثرت سے کتابین لکھین۔ شافعیہ مین امام صاحب کی بڑی قدر و منزلت ہوئی اور ہزارون علما، انکے شاگرد ہوے جنمین سے ابو سہل صعلوکی، ابو بکر قفال، ابو زید مروزی، زاہر بن احمد۔ حافظ ابو بکر جرجانی شیخ ابو محمد طبری۔ ابو عبداللہ طائی، ابو الحسن باہلی۔ بندار بن حسن صوفی، نہایت نامور ہین۔ لیکن شاگردی کے دوسرے دور مین ابو بکر باقلانی، ابو اسحاق اسفرائینی۔ ابو بکر بن فورک۔ اور امام الحرمین وغیرہ اپنے اساتذہ سے بھی بڑھ گئے۔ بلکہ امام الحرمین کی توجہ اور اقتدار سے امام اشعری کی تصنیفات تمام دنیا مین پھیل گئین۔ اور اُنکا مرتبۂ علم کلام، تمام دنیا کا علم بنگیا ہے"
تفصیل کے لیے دیکھو علم الکلام شمس العلما شبلی نعمانی۔ الملل والنحل۔ طبقات الکبری۔ کامل اثیر صفحہ ۲۷۔ جلد ۱۰
[۱] کامل اثیر۔

صرف یہی آرزو ہے کہ تمام دن مین کھانے کو ایک روٹی ملجائے اور مسجد کا ایک زاویہ ہو۔
جسمین بیٹھا ہوا اللہ اللہ کیا کرون۔"

یہ خیال خواجہ کی مذہبی زندگی کا اعلیٰ نمونہ ہے۔ اور مصنف آثار الوزرا[1] کے اس قول کا موید ہے
کہ "خواجہ نظام الملک باوجود دولت وعظمت بسیار واشغالِ بے شمار دائما بر حال ضعفاے
رعیت وبیچارگان ہر ولایت رسیدے۔ وبا زہاد ومشائخ وعلما صحبت داشتے۔ واوقات
وساعات را مستغرق طاعات وعبادت گردانیدے۔"

عام حالات

ترحم | فقیہ ابوالقاسم (برادر خواجہ) کا بیان ہے کہ "مین ایک رات خواجہ کا مہمان تھا،
جب کھانے کے لیے دسترخوان بچھایا گیا تو خواجہ نے مجکو بھی شرکت کی عزت بخشی نشست
اسطرح پر تھی کہ خواجہ کے ایک طرف مین تھا اور دوسری طرف عمید خلیفہ۔ اور عمید کے پہلو
مین ایک مسکین فقیر جسکا دایان ہاتھ کٹا ہوا تھا۔ چنانچہ فقیر نے جب بائین ہاتھ سے کھانا شروع
کیا تو عمید کو اُسکا یہ طرز ناپسند ہوا۔ جب خواجہ نے عمید کی تیوریون پر بل دیکھا تو عمید سے کہا کہ
آپ دوسری طرف پھر جائین اور فقیر سے کہا کہ یہ تو بڑے آدمی ہین! تم میری طرف
چلے[2] آؤ اور پھر اپنے ساتھ کھانا کھلایا۔"

کامل[3] بن اثیر کی روایت ہے کہ خواجہ کے دسترخوان پر ہمیشہ مساکین وفقرا کھانا کھاتے
تھے اور خواجہ کے قریب بیٹھا کرتے تھے۔

[1] نسخۂ قلمی مصنفہ سیف الدین۔ [2] صفحہ ۷۲ جلد ۱۰

رقت طبع | ابوالخیر ولف بن عبداللہ بن محمد البنان بغدادی (بروایت امام عبدالرحیم بن شافعی قزوینی) بیان کرتے ہین کہ "خواجہ نظام الملک بیمار پڑا ہوا تھا کہ ابوعلی القوسانی خواجہ کی عیادت کے واسطے تشریف لے گئے اور اُنھون نے یہ اشعار پڑھے۔

اِذَا مَرِضْنَا نَوَيْنَا كُلَّ صَالِحَةٍ	جب ہم بیمار ہوتے ہین تو نیک کامونکی نیت کرلیا کرتے ہین
فَاِنْ شُفِيْنَا فَمِنَّا الزَّيْغُ وَالزَّلَلُ	گر تندرست ہوتے پر (اُن ارادون مین) لغزش ہوجاتی ہے
نرجوالالهٗ اذا خِفْنَا وَنُسْخِطُهٗ	حالت خوف مین تو ہم خدا سے امید رکھتے ہین اور حالت امن مین اُسکو
اِذَا اَمِنَّا فَمَا يَزْكُوْ لَنَا عَمَلُ	ناراض کردیتے ہین پس انصاف یہ ہو کہ ہمارے عمل پاک صاف نہین ہین

یہ اشعار سنکر خواجہ کو رقت طاری ہوئی اور کہا کہ "جیسا آپ فرماتے ہین یہ بالکل سچ ہے"

نیک مزاجی | خواجہ کے دروازے پر بھی معمولاً حاجب و دربان مقرر تھے۔ مگر انکو یہ ہدایت تھی کہ کسی وقت کوئی آنے والا نہ روکا جائے۔ ایک دن کا ذکر ہے کہ "خواجہ دسترخوان پر تھا کہ ایک عورت (ہاتھ مین پیالہ لیے ہوے) آئی دربان نے اُسکو لوٹا دیا۔ جب خواجہ نے بچشم خود اُسکو واپس جاتے ہوے دیکھا تو دربان پر بہت خفا ہوا اور کہا کہ "تم صرف اسلیے نوکر ہو کہ دروازے سے کوئی مسکین و محتاج خالی ہاتھ نہ جائے۔ البتہ صاحبان جاہ و حشم محض اپنی ذاتی راحت کے لیے نوکر رکھا کرتے ہین[۱]"

فیاضی | خواجہ نظام الملک کی عادت تھی کہ جب وہ گھر سے باہر نکلتا تھا تو روپونکی تھیلیان[۲] غلامون کے ساتھ ہوتی تھین، اور راستہ مین جس محتاج پر نظر پڑتی تھی اُسکو انعام دیا جاتا تھا۔

---

[۱] یہ ہر سہ واقعات طبقات الکبریٰ سے منقول ہین۔ [۲] آثار الوزرا سیف الدین۔

چنانچہ ایک دن کا واقعہ ہے کہ خواجہ کی سواری کسی سبزی فروش کی دُکان کی طرف سے نکلی وہ تعظیماً اُٹھ کھڑا ہوا، اور عرض کیا کہ محتاج ہون، موجودہ معاش کی آمدنی اہل وعیال کے لیے کافی نہین ہے۔ خواجہ نے غلام کی طرف اشارہ کیا اُسنے ایک تھیلی دیدی، سبزی فروش نے دعا دی۔ اور دُکان سے اُٹھکر دوسرے راستہ پر جا بیٹھا اور دامن سے پاؤن چھپا کر مفلوج بنگیا۔ اور خواجہ سے ظاہر کیا کہ اپاہج ہون لڑکے بچے بہت ہین، روٹیون سے محتاج ہورہا ہون خواجہ نے غلام کو اشارہ کیا اُسنے پھر ایک تھیلی دیدی۔ چنانچہ سبزی فروش زر نقد لیکر یہان سے بھی اُٹھا اور آگے بڑھکر نئے روپ سے خواجہ کو سلام کر کے کہنے لگا کہ مجھپر دنیا تنگ ہورہی ہے چھوٹی چھوٹی لڑکیون کا بار سر پر ہے۔ خواجہ نے غلام سے اشارہ کیا۔ اسکے بعد آواز بدلکر چوتھی مرتبہ خواجہ کے سامنے آیا اور بیان کیا کہ مین اسپیجاب[1] کا باشندہ ہون اور غازی ہون۔ افسوس ہے کہ میری فوج نے شکست کھائی اور بہزار خرابی زندہ بچکر یہانتک آیا ہون۔ اسمرتبہ بھی خواجہ نے انعام کا حکم دیا مگر یہ کہکر کہ "اے بوڑھے سبزی فروش، مفلوج، لڑکیون والے، غازی اسپیجابی اپنا انعام لے" اور رخصت کر دیا۔

لطیفہ | سلطان الپ ارسلان کے زمانہ مین، وزارت سے قبل، خواجہ نظام الملک کی دیانت، کتابت، اور لیاقت کا دفتر انشا مین سکّہ بیٹھ گیا تھا۔ چنانچہ اسی زمانہ مین سلطانکو سفر کا اتفاق ہوا۔ لیکن وزیر السلطنت عمید الملک کندری، علالت کے باعث سلطان کے ہمراہ نہین جا سکتا تھا اور سفر مین کم از کم ایک کاتب کا ہمراہ جانا ضرور تھا۔ چنانچہ منتظم

[1] اسپیجاب (اسفیجاب) بلاد ماوراء النہر کا مشہور شہر ہے۔

دفتر نے خواجہ حسن کو انتخاب کیا اور سلطان نے بھی اس انتخاب کو منظور فرمایا۔ چونکہ اسوقت خواجہ کی معمولی حالت تھی، اسوجہ سے سامان سفر کے لیے متردد ہوا۔ اور اداے نماز اور عرض نیاز کے لیے داخل مسجد ہوا کہ اتنے مین ایک اندھا بھی آیا اور پکارا کہ کوئی ہے؟ خواجہ نے کوئی جواب نہین دیا۔ پھر اندھے نے لاٹھی کے سہارے سے مسجد کا ایک ایک گوشہ ٹٹولا جب اطمینان ہوگیا کہ کوئی نہین ہے، تب جاکر مسجد کا دروازہ بند کیا۔ اور محراب کے سامنے کا فرش ہٹا کر زمین کھودی، اور ایک آبخورے سے روپئے نکالے، اور تھوڑی دیر تک اُن روپون سے اپنا دل خوش کرتا رہا۔ پھر روپون کو آبخورے مین بھر کر اُسی جگہ دفن کردیا اور چلا گیا۔ چنانچہ خواجہ نے بکمال مسرت واطمینان قرض حسنہ کے طور پر اِس روپیہ کو لے لیا اور سامان سفر درست کرکے سلطان کے ہمراہ روانہ ہوگیا۔ چنانچہ عہدِ وزارت مین ایک دن خواجہ کی سواری شاہانہ جاہ وجلال سے جارہی تھی کہ راستے مین وہ اندھا نظر آیا۔ خواجہ نے ایک خادم کو حکم دیا کہ وہ مکان پر حاضر کیا جائے، چنانچہ جب وہ پیش ہوا تو خواجہ نے اُسکی بڑی خاطر کی، اور اِدھر اُدھر کی باتون کے بعد پوچھا کہ "جو روپیہ تمنے محراب مسجد مین دفن کیا تھا وہ تمکو ملا یا نہین"، روپون کا ذکر سنکر اندھا اُچھل پڑا، اور خواجہ کا دامن پکڑ کے کہنے لگا کہ "ہان صاحب! مین نے اپنا کھویا ہوا روپیہ آج پالیا"۔ خواجہ نے کہا کہ کیونکر؟ اندھے نے کہا کہ "جسدن سے میرا روپیہ گیا ہے، مین نے اس واقعہ کا کسی سے ذکر نہین کیا ہے" خواجہ یہ سنکر ہنس پڑا اور جسقدر روپیہ لیا تھا اُسکا دوچند اندھے کو دلا دیا۔ اور پرگنہ مرو مین ایک گاؤن اُسکی اولاد کے نام ہبہ کردیا۔ اور غریب اندھا تمام عمر کے لیے مالا مال ہوگیا۔" اس حکایت کو روضۃ الصفا وغیرہ نے بھی لکھا ہے

اور خواجہ کے آیندہ اقبال اور علامات سعادت کے واقعات مین شمار کیا ہے[۱]۔

| ۳ | نظام الملک کا دستور تھا کہ جب اُسکی حضور مین کوئی ہدیہ پیش ہوتا تو وہ حاضرین مجلس کو تقسیم کر دیا کرتا تھا۔ چنانچہ ایک مرتبہ باغبان نے تین لوکیان ڈالی مین پیش کین خواجہ نے ایکہزار درہم انعام دیکر اُسکو تو رخصت کر دیا اور تقسیم کی غرض سے ہر لوکی کے متعدد ٹکڑے کرا ڈالے۔ لیکن پھر تقسیم نہ کیا۔ ایک مصاحب نے سبب پوچھا تو فرمایا کہ "یہ شیرین نہ تھین۔ اور کڑوی شے قابل ہدیہ نہین اور انعام اسوجہ سے دیا گیا کہ غریب مالی محروم نہ رہے[۲]"

خواجہ نظام الملک بالطبع فیاض تھا۔ مگر اُسکی فیاضی اعتدال کے ساتھ تھی۔ علما، مشائخ، حکما، شعرا، اطبا، مصاحبین اور خدام کو عیدین اور نوروز وغیرہ کے موقع پر انعام دیا کرتا تھا۔ مگر یہ انعامات برامکہ کے ہم پلہ نہ تھے کہ ایک دن مین پورے صوبہ کا خراج ایک اعرابی (بدو) یا کسی شاعر کو دیدیا جائے۔ خواجہ کے انعام اور صلہ کی تعداد ہمیشہ ایک محدود مقدار مین ہوتی تھی اور اگر زمانۂ حال کے اصول کے مطابق دیکھا جائے تو بقول ایک ظریف کے کہہ سکتے ہین کہ خواجہ نظام الملک بھی انجمن "اصلاح تمدن" کا ایک رکن تھا جسکا ہر کام افراط و تفریط سے پاک تھا اور ایسے ہی نمونے زمانے حال کے مسلمانون کے لیے باعث خیر و برکت ہو سکتے ہین۔

صبر و شکر ایک شخص راوی ہے کہ "مین خواجۂ نظام الملک کی مجلس مین موجود تھا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب کہ خواجۂ نظام الملک کی وزارت عروج پر تھی اور ملک شاہ خواجہ کے اشارون پر چلتا تھا کہ عراق عجم سے ایک نامہ آیا جسکا یہ مضمون تھا کہ "ایک پہاڑی چراگاہ مین پانسو عربی گھوڑے

---

[۱] گنج دانش صفحہ ۵۰۔ [۲] زینت المجالس مجدی صفحہ ۲۷۲۔

چر رہے تھے، کہ ناگاہ ایک جھنڈ پرندونکا پہاڑ کی چوٹی سے اوڑا، یہ پرندے نسر اور عقاب کے برابر تھے، جنکے پرون کی ہیبتناک آواز سے گھوڑے بھڑک کر بے اختیار بھاگے۔ اور ایک درے مین جا گرے۔ اِس بلند مقام سے ایک بڑی ندی نکل کر نشیب مین گرتی تھی۔ چنانچہ بہت سے گھوڑے اس پانی مین گر کر غرق ہوگئے۔ اور جو باقی رہے اُن مین سے اکثر کے اعضا ٹوٹ گئے" خواجہ یہ خبر پڑھکر چپ ہو رہا۔ پھر کچھ عرصے کے بعد بہت رویا۔ حاضرین مجلس نے تسکین و تسلی کی باتین شروع کین۔ خواجہ نے فرمایا کہ "میرا گریہ و زاری کرنا اِس نقصان کی وجہ سے نہین ہے، بلکہ یہ شوق اور شکریہ کا رونا ہے، کیونکہ اِس واقعہ سے مجکو ابتدائی زمانہ کا ایک واقعہ یاد آگیا۔ اور وہ یہ ہے کہ مین غزنین سے خراسان جا رہا تھا، اور میرے پاس صرف تین دینار تھے، چنانچہ چار دینار اور قرض لیکر مین نے ایک گھوڑا خرید کیا، مگر وہ اُسی دن مر گیا اور مین سخت پریشان ہوا۔ اور آج خدا کے فضل سے پانسو گھوڑون کے تلف ہونے پر بھی میرے مال و دولت مین کوئی کمی نہین ہوئی ہے۔ چنانچہ مجھے وہ وقت یاد آگیا کیونکہ خدا نے مجھے درجۂ ادنی سے کیسے اعلی مرتبہ پر پہونچا دیا ہے۔ اور اِس خوشی مین میرے آنسو نکل آئے۔[۱]

خیرات | خواجہ نظام الملک کا دستور تھا کہ "ہر روز صبح کے وقت[۲] ایک سو دینار (پانسو روپیہ) مساکین و فقرا کو تقسیم کیا کرتا تھا" اور اِس صدقہ کو ان عطیات سے کوئی تعلق نہ تھا جسکا سلسلہ صبح سے شام تک بحیثیت ایک وزیر کے جاری رہتا تھا۔

عفو جرائم | خواجہ نظام الملک نہایت متواضع اور حلیم تھا۔ چنانچہ خواجہ کے ذاتی ملازم اکثر

---

[۱] گنج دانش صفحہ ۲۵۱ و روضۃ الصفا حالات خواجہ۔ [۲] طبقات الکبری۔

قصور کیا کرتے تھے، مگر وہ اپنی نیک مزاجی اور خوش اخلاقی سے معاف کر دیتا تھا اور اس صفت مین وہ مامون الرشید عباسی کا ہم خیال تھا۔ کیونکہ مامون الرشید کا قول ہے کہ "نیک مزاجی مین بڑی آفت ہے کہ نوکر و غلام شریر اور بدخو ہو جاتے ہین لیکن یہ نہین ہو سکتا کہ اُنکی نیک خو کرنے کے لیے مین بدمزاج بنون"

خواجہ کا یہ برتاؤ عام تھا۔ اور لوگون کی خطائین معاف کرنے سے اسکو مسرت ہوتی تھی چنانچہ علامہ ابن اثیر جزری خواجہ کی نسبت تحریر فرماتے ہین۔ کَانَ عَالِمًا دَیِّنًا جَوَادًا عَادِلًا حَلِیْمًا کَثِیْرًا الصَّفْحِ عَنِ الْمُذْنِبِیْنَ ۔

باوجود قدرت انتقام کے خواجہ اپنے دشمنون کے بھی قصور معاف کر دیا کرتا تھا۔ اور یہ وہ وصف ہے۔ جو اپنے موصوف کو دنیا مین ہر دل عزیز بنا دیتا ہے، اور خدا بھی خوش ہوتا ہے۔ چنانچہ یہ روایت مشہور ہے کہ ؎

موسےٰ نے یہ کی عرض کہ اے بار خدا　　مقبول ترا کون ہے بندون مین سوا
ارشاد ہوا، بندہ ہمارا وہ ہے　　جو لے سکے اور نہ لے، بدی کا بدلا
حالی

حسن بن صباح نے خواجہ کے ساتھ منافقانہ کارروائیان کین اسکا انسداد یون ہو سکتا تھا کہ وہ قتل کر دیا جاتا مگر نہین، خواجہ نے ملک شاہ سے سفارش کر کے اُسکی جان بچا لی اور دار السلطنتہ سے باہر چلے جانے کا حکم دیا اور اس سے بڑھکر یہ ہے کہ اپنے قاتل کا بھی خون معاف کر دیا۔ البتہ اگر خواجہ کے دامن پر عمید الملک کندری کے خون کا دھبہ نہوتا۔ تو انصاف یہ ہے کہ اس صفت مین وہ تمام وزرا سے ممتاز ہوتا تاہم ایک خاص واقعہ سے اُسکی

سیکڑون نیکیان برباد نہین ہوسکتی ہین۔

خاموشی خداوند عالم نے حیوان پر انسان کو جن اسباب سے فضیلت بخشی ہے۔ منجملہ اسکے ایک سبب نطق (گویائی) بھی ہے۔ بلکہ یہ کہنا مبالغہ نہین ہے کہ انسان اور حیوان مین یہی حد فاصل ہے۔ مگر انسان جسطرح سے خدا کی اور نعمتون کا قدرشناس نہین ہے' اسی حیثیت سے اس نعمت کو بھی برباد کرتا رہتا ہے۔

عام طور سے دیکھا جاتا ہے کہ لوگون مین خاموشی کی صفت کمتر ہوتی ہے۔ اور فضول بک بک مین زیادہ وقت ضائع کرتے ہین۔ لیکن جو لوگ مدبر ہین اور حکیمانہ دماغ رکھتے ہین اُنمین خاموشی کا وصف ضرور ہوتا ہے۔ تاریخ کامل مین خواجہ کو طویل الصمت کے خطاب سے یاد کیا ہے یعنی وہ اکثر خاموش رہتا تھا۔ بات نہایت کم کرتا تھا۔ اور غیر ضروری باتون مین کبھی دخل نہ دیتا تھا۔[لہ]

حکمت عملی (۱) الپ ارسلان[۵۲] کے انتقال پر جب ملک شاہ تخت نشین ہوا' تو سب سے پہلے اُسکو اپنے عزیزون سے خانہ جنگی کرنا پڑی۔ چنانچہ ۴۶۵ھ کا واقعہ ہے کہ ملک شاہ کا چچا قاوربیگ تاج وتخت کا دعویدار ہوکر کرمان سے رے کی طرف بڑھا۔ جب ملک شاہ کو اس فوجی نقل وحرکت کی اطلاع ہوئی تو وہ بھی مدافعت کے لیے تیار ہوکر نکلا۔ خواجہ نظام الملک بھی ہمراہ رکاب تھا۔ چنانچہ شعبان کے مہینے مین بمقام ہمدان دونون فوجون کا مقابلہ ہوا اور تین رات دن کی لڑائی کے بعد قاور دگرفتار ہوگیا۔ جب فوجی سردار مبارکباد کے لیے

لہ کامل ابن اثیر حالات خواجہ۔ وآثار الوزرا۔ ۵۲ الپ ارسلان کو یوسف خوارزمی نے ساتوین ربیع الاول ۴۶۵ھ کو قتل کیا تھا جو مطابق ہے ۱۷ ستمبر ۱۰۷۳ء کے دیکھو کتاب التوفیقات الالہامیہ مصنفہ اللواء المصری محمد مختار پاشا ہائی کمشنر مصر صفحہ ۲۲۳۔

حاضر ہوے تو انھون نے خود اور نیز سپاہیون کی طرف سے خواجہ کو یہ پیام دیا کہ اس فتح کے صلے مین بقدر مراتب انعام دیا جائے۔ اور اگر سلطان نے اس درخواست کو قبول نہ فرمایا تو بلحاظ اُس عام ہمدردی کے جو فوج کو قاورد کے ساتھ ہے کچھ عجب نہین ہے کہ تاج شاہی قاورد کے سر پر ہوا اور چتر بھی اُسی کے تخت پر سایہ افگن ہو۔ خواجہ نے ارکانِ فوج کا یہ پیام نہایت تحمل سے سُنا مگر اُنھین مطمئن کر دیا کہ مین آج ہی بارگاہ سلطانی مین عرض کرونگا۔ اور شب کو سلطان سے مشورہ کر کے قاورد کو گلا گھونٹ کر مار ڈالا۔ علی الصباح جب فوجی سردار سلطان کا جواب سننے کو حاضر ہوے تو خواجہ نے کہا کہ قاورد بیگ نے رات کو زہر کھا کر خودکشی کر لی ہے اور سلطان اپنے عم مکرم کے ماتم مین مصروف ہے۔ یہ موقع عرض حال کا نہین ہے۔ چنانچہ سب سردار چُپ چاپ رخصت ہو گئے۔ اور ایک[1] عظیم الشان خطرہ ٹل گیا۔

(۲) قاضی ابن خلکان لکھتے ہین کہ جب قاورد ملک شاہ کے سامنے آیا تو اُس نے جرم بغاوت سے معافی چاہی مگر ملک شاہ نے کوئی عذر نہ سنا۔ تب قاورد نے صفائی مین ایک خریطہ پیش کیا۔ جو ارکان سلطنت کے خطوط سے بھرا ہوا تھا۔ اور ہر خط مین قاورد سے یہ استدعا کی گئی تھی کہ وہ ملک شاہ پر فوج کشی کرے۔ اس طومار کو دیکھکر سلطان نے خواجہ کو طلب کیا اور خریطہ دیکر حکم دیا کہ "ایک ایک خط پڑھکر سناؤ"۔ خواجہ نے سلطان کے ہاتھ سے خریطہ لے لیا۔ اور خیمے کے اندر جو انگیٹھی دہک رہی تھی وہ تمام خطوط اُسمین ڈال دیے۔ جو

[1] روضۃ الصفا حالات خواجہ نظام الملک و تاریخ کامل اثیر صفحہ ۷۲۔ جلد ۱۰۔

آنِ واحد مین جلکر راکھ ہوگئے۔ اِس عجیب و غریب کارروائی سے اُمراے دربار کو تسکین ہوگئی۔ کیونکہ انمین وہ اکثر امرا موجود تھے جنھون نے قاورد سے خط و کتابت کی تھی۔ اگر یہ خطوط پڑھے جاتے جو اشتعال طبع کی حالت مین معلوم نہین کہ طرفین سے کیا کارروائی ہوتی اور اسکا اثر سلطنت پر نہایت خراب پڑتا۔ مگر خواجہ کی اِس عاقلانہ کارروائی کا یہ نتیجہ ہوا کہ تمام ارکان سلطنت نے کامل وفاداری کا اظہار کیا اور دلی جوش سے سلطنت کی خدمت کی تاکہ بدگمانی کا دھبہ باقی نہ رہے۔

مورخ[۱] مذکور لکھتا ہے کہ اس قسم کے متعدد واقعات خواجہ نظام الملک کے ہین۔ اور صرف یہی ایک کارروائی ایسی دوراندیشی پر مبنی تھی جسکی وجہ سے ملک شاہ کی سلطنت کو استقلال اور استحکام ہوگیا۔ اور آیندہ اسقدر فتوحات ہوئین کہ تاریخ اسلام مین خلفاے متقدمین کے بعد کوئی سلطنت اس وسعت کو نہین پہونچی۔

خواجہ کے اخلاق و عادات کے متعلق جسقدر لکھنا چاہیے تھا اُسکا دسوان حصہ بھی نہین لکھا گیا ہے۔ جسکا باعث یہ ہے کہ اس عنوان پر مورخین نے بہت کم لکھا ہے۔ جسقدر واقعات موجودہ تاریخون مین ملے وہ ہمنے لکھدیے ہین۔ لیکن اگر کوئی مبصّر خواجہ کی تصنیفات اور خطوط کو پڑھے (جو اُسنے اپنے بیٹون کو لکھے ہین) تو اُسکے طرز معاشرت اور اصول زندگی سے واقف ہوکر مفید نتائج اخذ کرسکتا ہے۔[۲]

[۱] ابن خلکان صفحہ ۱۲۳ جلد ۲۔ [۲] خواجہ نظام الملک کے تصنیف کے پورے خلاصے دوسرے حصہ مین موجود ہین۔ اور خطوط ناظرین پڑھ چکے ہین

خواجہ نظام الملک کی خانگی زندگی

شادی خواجہ نظام الملک کی پہلی شادی کس خاندان مین ہوئی اسکی صحیح تاریخ بتانا مشکل ہے لیکن کامل[1] اثیر کی روایت سے پایا جاتا ہے کہ جب خواجہ نظام الملک، ابوعلی احمد بن شاذان والی بلخ کے دربار سے بھاگ کر سلطان چغر بیگ داؤد سلجوقی کے دربار مین بمقام مرو پہونچا ہے۔ اُسوقت خواجہ کے دو لڑکے عبید اللہ (موید الملک ابو بکر عبید اللہ) اور مظفر (فخر الملک ابو الفتح مظفر) موجود تھے۔ اور یہ دونون لڑکے غالباً خواجہ کی پہلی بی بی سے ہونگے۔ اگرچہ خواجہ کی شادی کے تفصیلی حالات ہمکو کہین نہین ملے۔ مگر واقعات سے پتہ چلتا ہے کہ یہ شادی وطن مین ہوئی ہوگی۔ جبکہ خواجہ امام موفق کی درسگاہ سے واپس آیا ہے۔ یا یہ وہ زمانہ ہوگا جب کہ دار العلوم بخارا سے خواجہ ماوراء النہر کے سفر کو روانہ ہوا ہے لیکن دوسرا عقد خواجہ کا ۴۵۷ھ مطابق ۱۰۶۴ع مین ملکہ گرجیہ سے ہوا جسکی تفصیل یہ ہے کہ سنہ مذکور مین جب سلطان الپ ارسلان سلجوقی عیسائیون سے جہادی لڑائیان لڑتا ہوا **ابخاز**[2] مین پہونچا تو وہان کے حکمران بقراط بن کیورکی نے (جو عیسائی تھا) صلح کا پیام دیا اور اپنی بیٹی کا عقد سلطان سے کر دیا۔ اسکے معاوضہ مین سلطان نے بقراط کو امان دی۔ اور جو تحائف اُسنے پیش کیے وہ منظور کیے گئے۔ لیکن کچھ عرصے کے بعد سلطان نے اس

---

[1] صفحہ ۲، جلد ۱۰ کامل اثیر [2] صوبہ ارمن مین شہر تفلیس کے قریب ایک تنگ پہاڑی کے مابین یہ ناحیہ واقع تھا اور جسکے راستے پیچدار سے تھے۔ اُن دنون یہ عیسائیون کا ایک محفوظ مقام تھا اب اس نام کا کوئی مقام نہین ہے اور یہ علاقہ گورنمنٹ روس کے قبضے مین ہے۔ مراصد الاطلاع، نزہتہ القلوب۔

بیگم کو طلاق دیدیا اور اپنی خوشی سے خواجہ نظام الملک کے ساتھ عقد کردیا[1]۔ چنانچہ ملکہ ترجیہ سے خواجہ کے کئی بیٹے پیدا ہوئے۔ جن مین سے ایک خواجہ احمد ضیاء الملک ابو نصر احمد[2] بھی ہے۔ اِسکے علاوہ خواجۂ نظام الملک کے اور کسی عقد کا حال معلوم نہین ہوا۔ اور نہ اسکی تفصیل معلوم ہے کہ کون لڑکا یا لڑکی کس بیگم کے بطن سے ہے۔

خواجہ نظام الملک کی اولاد

یہ مسلم ہے کہ دنیا کی کوئی خوشی اور نعمت سلطنت اور وزارت کے برابر نہین ہے۔ لیکن پھر بھی اُنسے بڑھکر یا ہم پلہ اگر کوئی مسرت اور دولت ہوسکتی ہے، تو وہ صرف اولاد ہے؟ جس گھر مین دو چار بچے ہون وہان کی چہل پہل اور رونق پھولون کے تختے سے کم نہین ہوتی ہے۔ اور جس گھر مین یہ نہون اُس گھر کو قبر کہنا زیادہ مناسب ہے۔

تمنے اکثر شاہون اور وزرا وغیرہ کے حالات مین پڑھا ہوگا کہ اولاد کی تمنا مین اُنھون نے کیا کیا مصیبتین اُٹھائی ہین، منزلون پیدل چلکر درگاہون پر چادرین چڑھائی ہین، روزے رکھے ہین، اور منتین مانی ہین، اور اس خاک چھاننے پر بھی نخلِ آرزو بارآور نہین ہوا ہے۔ لیکن خواجۂ نظام الملک کو اس حصے مین بھی ہم خوش نصیب پاتے ہین۔

خواجۂ نظام الملک بیٹون کی طرف سے حضرت یعقوب علیہ السلام کا ہم طالع تھا۔ خواجہ کا باپ علی، دولت سلجوقیہ مین صاحب الخراج کے عہدے سے آگے نہین بڑھا اور وہ بھی چند سال۔ لیکن خواجہ اس درجہ پر پہونچا کہ اُسکی ناموری نے علی کے نام کو بھی چمکا کر تاریخ مین داخل کردیا۔

---

[1] تاریخ سلجوق عماد الدین اصفہانی صفحہ ۳۰ مطبوعہ مصر۔ [2] آثار الوزرا سیف الدین۔

لیکن باپ کے مقابلہ مین خود ایسا خوش نصیب ہوا کہ اسکے متعدد بیٹے اور پوتے شاہان سلاجقہ اور خلفاے عباسیہ کے وزیر ہوے اور خاندان مین بانوے[92] برس تک وزارت کا سلسلہ قائم رہا۔ حقیقت مین نظام الملک نہایت خوش قسمت باپ تھا جو خود جوہر کمالات سے آراستہ تھا اور بیٹون کی شہرت نے اُسکے نام کو اور بھی دنیا مین روشن کردیا تھا۔

جسقدر تاریخین (اسوقت تک) ہماری نظر سے گذری ہین اُن مین خواجہ کے دس بیٹونکے نام ملتے ہین حالانکہ صحیح[1] روایتون کے مطابق خواجہ کے بارہ بیٹے تھے چنانچہ اخیر زمانہ مین ترکان خاتون (ملک شاہ کی بیگم) نے جب ملک شاہ کو خواجہ کی طرف سے امور سلطنت مین بدظن کیا ہے تو منجملہ اہم شکایتون کے ایک شکایت یہ بھی تھی کہ "نظام الملک کے بارہ بیٹے ائمۂ اثنا عشر کی طرح تمام سلطنت پر حکمران ہین"

ان وزیرزادون کے حالات بہت کم تاریخون مین تحریر ہین لیکن پھر بھی جسقدر واقعات و حالات ملے ہین۔ انکو ہمنے تفصیل سے تاریخ آلِ سلجوق مین اُن بادشاہون کے تحت مین لکھدیا ہے جنکے عہد مین وہ درجۂ وزارت یا امارت پر ممتاز تھے۔ لیکن اس جگہ بہ سبیل تذکرہ صرف انکے نامون کی فہرست پیش کی جاتی ہے۔

۱- فخر الملک ابوالفتح مظفر۔ ۲- جمال الملک ابومنصور۔

۳- ضیاء[1] الملک ابونصر احمد۔ (یا) سعد[2] الملک قوام الدین ابونصر احمد (یا) قوام[3] الدین نظام الملک صدر الاسلام۔ ۴- موید الملک ظہیر الدولہ ابوبکر عبید اللہ

[1] آثار الوزرا مین بھی خواجہ کے بارہ بیٹے لکھے ہین۔ خواجہ کے دو بیٹون کا نام باوجود تلاش کے اسوقت تک نہین معلوم ہوا۔

۵۔ شمس الملک عثمان۔ ۶۔ عماد الملک ابو القاسم۔

۷۔ عز الملک ابو عبد اللہ الحسین۔ ۸۔ عبد الرحیم۔

۹۔ ابو البرکات عماد الدین۔ ۱۰۔ علی۔ ۱۱۔ صفیہ[1]۔

آل و اولاد سے محبت

خواجہ کے خانگی زندگی کے عام حالات کسی مورخ نے نہین لکھے ہین۔ لیکن بعض روایتون سے معلوم ہوتا ہے کہ اُسکو اپنی اولاد سے ازحد محبت تھی لیکن کاروبار سلطنت کی وجہ سے خواجہ کے بیٹے اکثر دور و دراز ممالک مین رہا کرتے تھے اور وہ اُنکے فراق مین بیقرار ہو جایا کرتا تھا۔ اور جب یہ لڑکے سامنے آتے تو بعض اوقات سینے سے لگا کر روتا اور اُسکو اپنی قید کی زندگی (تعلقات وزارت) پر افسوس ہوتا تھا۔

خواجہ نظام الملک کی وزارت کا خاتمہ۔

ملک شاہ سے مخالفت، اور قتل کے مفصل حالات

خواجہ نظام الملک کے قتل کا واقعہ بھی، تاریخ کا ایک اہم مسئلہ ہے۔ اور یہ بالاتفاق ثابت ہے کہ خواجہ کا قاتل فرقۂ باطنیہ[2] کا ایک فدائی تھا۔ لیکن اس امر مین اختلاف ہے کہ فدائی نے

---

[1] خواجہ کی بیٹیان بھی کئی تھین۔ مگر بجز صفیہ کے اور کوئی نام نہین ملا۔ صفیہ خاتون کی ۴۶۲ھ مین بمقام بغداد عمید الدولہ ابو منصور محمد ابن فخر الدولہ بن جہیر سے شادی ہوئی اور ۴۷۰ھ مین اسی جگہ انتقال ہوا۔ عمید الدولہ خلیفۃ المقتدی کا وزیر تھا۔ موقوف ہونے پر خواجہ کی سفارش پر جب دوبارہ مقرر ہوا تو ابن ہباریہ نے عمید الدولہ کی ہجو مین یہ شعر لکھا۔

لولا صفیۃ ما استوزرت ثانیۃ　　　فاشکر حرا صرت مولانا الوزیر بہ

خواجہ کے پوتون کا حال بھی اپنے موقع پر تاریخ آل سلجوق مین تحریر ہے۔ الفخری صفحہ ۲۶۵ مطبوعہ مصر و تاریخ آل سلجوق اصفہانی۔

[2] حسن بن صباح کے حالات مین لفظ باطنیہ اور فدائی کی تشریح کی گئی ہے (دیکھو دوسرا حصہ)۔

کسکے حکم سے خواجہ پر حملہ کیا تھا۔ مورخین مین ایک گروہ یہ کہتا ہے کہ "خود ملک شاہ کے حکم سے خواجہ قتل ہوا" دوسرا اسکا قائل ہے کہ "تاج الملک ابوالغنائم کی سازش کا یہ نتیجہ ہے" تیسرا راوی ہے کہ "حسن بن صباح کے اشارے سے خواجہ کا کام تمام ہوا" لیکن تا وقتیکہ مفصل طور پر اسباب مخالفت معلوم نہون کسی فریق کی نسبت کوئی صحیح رائے قائم نہین ہوسکتی ہے۔ لہذا اول اُن اسباب کو ہم مستند تاریخون سے نقل کرتے ہین۔ جس سے امر متنازعہ کے فیصلہ کرنے مین آسانی ہوگی۔

اصول عامہ (۱)۔ سب سے پہلے بطور اصول موضوعہ مان لینا چاہیے کہ جب بادشاہ کسی امیر یا وزیر السلطنۃ سے ناراض ہوتا ہے تو اسکا ہر فعل گناہ اور ہر کام معیوب سمجھا جاتا ہے۔ ابتداءً جزئی جزئی واقعات سے اشتعال بڑھتا ہے۔ اور اخیر مین جب وزارت سلطنت پر پورا قبضہ کرلیتی ہے اور بادشاہ برائے نام رہجاتا ہے تو اُسوقت بادشاہ کی طرف سے جو کارروائی وزیر کے خلاف عمل مین آتی ہے وہ عام نظرون مین ظالمانہ سمجھی جاتی ہے مگر حقیقت مین بقائے سلطنت اور دوام حکومت کے لیے اُسکا ہونا ضروریات سے ہے۔ اور یہ وہ مستحکم قانون ہے کہ جو نہ صرف سلطنت مین بلکہ ادنی سے ادنی حاکم اور محکوم مین بھی جاری ہے اور ہمیشہ جاری رہیگا۔ جسکے نظائر ہر قوم اور ہر ملک کی تاریخ مین موجود ہین۔ اور خواجہ نظام الملک کے قتل کا واقعہ بھی انھی نظائر کا ایک جزء ہے۔

ملک شاہ سے خواجہ کی پہلی شکایت ۲۔ طبقات[1] الکبری کی روایت ہے کہ سب سے پہلے ۴۷۶ھ/۱۰۸۳ء مین ملک شاہ سے

[1] طبقات الکبری، حالات خواجہ نظام الملک و کامل اثیر صفحہ ۴۴ - جلد ۱۰ و تاریخ آل سلجوق عماد الدین اصفہانی حالات خواجہ، و آثار الوزرا سیف الدین سے یہ واقعہ لکھا گیا ہے۔

خواجہ نظام الملک کی شکایت ہوئی جسکی تفصیل یہ ہے کہ سلطان کا ندیم خاص اور رازدار اور تمام امرا سے زیادہ مقرب، خواجہ نظام الملک کا داماد سید الرؤسا ابو المحاسن محمد تھا۔ چنانچہ ابو المحاسن نے سلطان سے یہ شکایت کی کہ "خواجہ نے تمام سلطنت پر قبضہ کر لیا ہے! اور امصار و دیار کو ویران کر کے اپنا گھر مال و دولت سے بھر لیا ہے۔ اگر سلطان خواجہ کو میرے حوالہ کر دے تو اس معاوضہ مین دس لاکھ دینار (ایک دینار پانچ روپیہ کا ہوتا ہے) داخل خزانہ کرون"

ملک شاہ نے تو اس شکایت اور درخواست پر کوئی توجہ نہین کی۔ لیکن جب خواجہ کو اپنے سعادتمند داماد کی مخبری کی اطلاع ہوئی تو اُسنے سب سے پہلے اپنے ترکی غلامون کو جمع کیا، جو تعداد مین کئی ہزار تھے۔ پھر اُنکو اصطبل خاص سے گھوڑے دیکر آلات حرب سے مسلح کیا۔ اور جب یہ ترکی رسالہ تیار ہو گیا۔ تو خواجہ نے ملک شاہ کی دعوت کی اور رخصت کے وقت نفیس اور بیش قیمت ہدیہ پیش کیے، اور سب سے اخیر مین غلامون کا معاینہ کرایا۔ اور ملک شاہ کو مخاطب کر کے کہا کہ "اے سلطان! مین نے آپ کی اور نیز آپ کے بزرگون کی خدمت کی ہے۔ میرے حقوق آپ پر بہت کچھ ہین۔ آپ سے کہا گیا ہے کہ مین نے آپ کی دولت سے اپنا خزانہ بھر لیا ہے، یہ مجھے تسلیم ہے اور بالکل سچ ہے۔ لیکن اُس دولت سے مین نے یہ فوج تیار کی ہے، علاوہ برین صدقات، خیرات، اور اوقاف مین بھی ایک کثیر رقم خرچ ہوتی ہے اور اِن تمام مصارف کا منشا صرف آپ کی شہرت اور ناموری ہے۔ اور آخرت مین اسکا ثواب بھی آپ ہی کو ملیگا۔ اسوقت میری تمام دولت

اور جاگیر آپ کے سامنے ہے۔ اور مین صدق دل سے کہتا ہون کہ"

سپردم بتو مایۂ خویش را　　　　تو دانی حساب کم و بیش را

پھر عارض کو حکم دیا کہ" اِن غلامون کا نام فہرست سلطانی مین درج کرو" اور اپنی نسبت کہا کہ" مجھے اوڑھنے کو ایک گدڑی اور پڑ رہنے کو ایک گوشہ کافی ہے"

جب خواجہ نے یہ تقریر کی تو ملک شاہ کا دل صاف ہو گیا۔ لیکن ابوالمحاسن کی نسبت حکم دیا کہ" اسکی آنکھون مین گرم لوہے کی سلائی پھیری جائے اور قلعہ ساوہ مین قید رہے"

جب ابوالمحاسن کے والد کمال الدولہ بن ابورضا کو اس حکم کی اطلاع ہوئی تو اُسنے خواجہ سے معافی مانگی۔ اور تین لاکھ دینار بطور جرمانہ داخل خزانۂ شاہی کرکے امن کا طالب ہوا۔ مگر خواجہ نے ابوالمحاسن کا قصور معاف نہین کیا۔ بلکہ کمال الدولہ کو بھی "دیوان[1] الانشاء والطغرا" کی خدمت سے موقوف کر دیا۔ اور اس عہدے پر اپنے بیٹے موید الملک کو مقرر کیا گو یہ سچ ہے کہ ابوالمحاسن کی شکایت پر ملک شاہ نے خواجہ نظام الملک سے بظاہر مخالفت نہین کی لیکن حقیقت مین اُسکے آئینۂ دل پر بدگمانی کا ایک ہلکا سا غبار ضرور چھا گیا تھا۔

موید الملک کی معزولی

۳۔ تاریخ نگارستان مین لکھا ہے کہ" جب موید الملک کو دیوان الانشا کی خدمت سپرد ہوئی۔ تو اول اُسنے اپنے نائب ابوالمختار زوزنی (ملقب بہ ادیب) کو موقوف کرکے اوستاد اسمعیل اصفہانی کو مقرر کیا۔

---

[1] دیوان الانشا، والطغرا ایک بڑے دفتر کا نام ہے جو وزیر کے ماتحت ہوتا تھا۔ جسکی تفصیل حصۂ دوم مین تحریر ہے۔

[2] ابواسمعیل حسین بن علی بن محمد بن عبدالصمد الملقب موید الدین طغرائی اصفہانی، اپنے زمانہ کا نہایت نامور ادیب اور شاعر ہے۔ ابن خلکان نے قصیدہ لامیۃ العجم نقل کیا ہے۔ جس سے طغرائی کے (باقی آیندہ)

ادیب نے بہت کوشش کی کہ مویدالملک رضامند ہو، اور وہ پھر اپنی جگہ پر مقرر ہو جائے، مگر مویدالملک نے کوئی سماعت نہین کی، تب مجبور ہو کر ادیب، ملک شاہ کی خدمت مین حاضر ہوا۔ اور سلام کر کے مودب کھڑا ہو گیا۔ سلطان نے ادیب کو پریشان حال دیکھ کر فرمایا کہ کچھ کہنا چاہتے ہو تو عرض کرو؟ چنانچہ ادیب نے تمام واقعات سلطان کے گوش گذار کیے۔ چونکہ ادیب دفتر انشا کا قدیم اہل کار تھا۔ اور سلطان اُسکے فضل وکمال سے خود بھی واقف تھا۔ لہذا سلطان نے قاضی مظفر (یہ فوج کا قاضی تھا جسکو زمانۂ حال کی اصطلاح کے مطابق مجسٹریٹ چھاونی کہنا چاہیے) کو بلا کر حکم دیا کہ "تم اسی وقت مویدالملک کے پاس جاؤ، اور مابدولت کی جانب سے کہو کہ "خدا کے فضل سے سلطنت بہت وسیع ہے۔ اور دیوان الانشا مین ادیب ایسے متعدد اشخاص کو جگہ مل سکتی ہے۔ یہ سلطنت کا قدیم نمکخوار ہے۔ اسکو کسی خدمت پر مقرر کردو"۔ چنانچہ قاضی مظفر، ادیب کو مویدالملک کے پاس لے گئے اور سلطان کا حکم سُنایا۔ جسکے جواب مین مویدالملک نے کہا کہ "خداوند عالم (ملک شاہ) کا ارشاد مین بسر وچشم منظور کرتا مگر مین نے قسم کھائی ہے کہ ابوالمختار کو کوئی خدمت نہ دونگا، اب اگر اسکے خلاف کرون تو میری قسم ٹوٹ جائیگی"۔ مویدالملک کا جواب سنکر قاضی مظفر حیرت زدہ رہ گیا۔ اور مویدالملک سے نصیحتاً کہا کہ "آپ کا یہ جواب سلطان سے عرض کرنے کے لیے لائق نہین ہے اور اسکے نتائج نہایت خراب ہونگے"۔ مگر مویدالملک نے کچھ پروا نہ کی۔ تب مجبور ہو کر قاضی مظفر نے مویدالملک کا جواب سلطان سے عرض کر دیا۔ قاضی صاحب کا قول ہے کہ "مویدالملک سے

بقیہ صفحہ ۱۶۸) زور قلم کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ نظام الملک کی مدح مین بھی قصائد لکھے ہین۔ اخیر عمر مین مسعود بن محمد سلجوقی کا وزیر ہو گیا تھا۔ ۵۱۳ھ مین قتل ہوا۔ ابن خلکان جلد اول صفحہ ۱۵۹۔

ایسا خلاف امید جواب سُنکر سلطان کا رنگ غصہ سے متغیر ہوگیا اور اُسی حالت مین فرمایا کہ "موید نے ابوالمختار کو جگہ دینے سے قسم کھائی ہے۔ مگر مین نے قسم نہین کھائی ہے۔ پھر تمغاج حاجب کو بلا کر حکم دیا کہ "تا بدولت نے ابوالمختار کو موید کی جگہ پر دیوان الانشا کا افسر مقرر کیا خلعت پہنا کر اسی وقت دار الانشا مین لے جاؤ اور خلعت کے ساتھ کمال الملک کا خطاب بھی مرحمت فرمایا"

موید الملک نے ملک شاہ جیسے عظیم الشان خود مختار بادشاہ کو جو گستاخانہ جواب دیا اسکی معمولی سزا تو قتل تھی۔ مگر یہ نظام الملک کی وزارت کا اقتدار تھا کہ ملک شاہ نے موید الملک کو صرف معزول کر دیا۔ اور یہ پہلا موقع تھا کہ خواجہ کے ماتحت عملہ مین ملک شاہ نے دست اندازی کی تھی۔

ترکان خاتون کی خفیہ کارروائیان

۴۔ اخیر زمانے مین ملک شاہ کو "ترکان خاتون"[1] نے بدظن کر دیا تھا۔ اور کوئی دن ایسا نہوتا تھا جو خواجہ اور اُسکی اولاد کی برائیان ملک شاہ سے نہ کی جاتی ہون۔ اور اسکا یہ سبب تھا کہ خاتون اپنے بیٹے محمود کو ولیعہد سلطنت کرنا چاہتی تھی۔ مگر بغیر اعانت خواجہ یہ امر محال تھا۔ اور خواجہ نے خاتون سے صاف کہدیا "کہ" ولیعہدی شاہزادہ برکیارق[2] کا حق ہے۔ کیونکہ

---

[1] ترکان خاتون، جو حرم بزرگ اور خاتون جلالیہ کے نام سے مشہور ہے۔ عماد الدولہ طفغاج خان ابو المظفر ابراہیم ابن نصر الملک کی بیٹی تھی۔ یہ خاندان نسل افراسیاب سے ہے۔ جو سمرقند اور فرغانہ مین حکمران تھا۔ ۱۱۷۸ھ ہجری مین ملک شاہ نے ترکان خاتون سے عقد کیا تھا۔ ترکان خاتون دنیا کی اُن ممتاز عورتون مین سے ایک ہے جو عقل و فراست مین ضرب المثل تھین۔ معاملات ملکی مین اسکی چالین نہایت زبردست پڑتی تھین۔ اور ملک شاہ اسکی کسی بات کو رد نہ کرتا تھا۔ ملکی مشورہ مین بھی شریک رہتی تھی۔ خلفاے بغداد سے ملک شاہ نے جو رشتہ داری پیدا کی یہ بھی ترکان خاتون کی ایک حکمت عملی تھی۔ رمضان ۴۸۵ھ مین بمقام اصفہان انتقال کیا انتخاب از المنثور فی طبقات ربات الخدور صفحہ ۱۰۶

[2] ملک شاہ کے انتقال پر چار بیٹے برکیارق، محمد، سنجر، اور محمود موجود تھے۔ برکیارق ۴۷۴ھ مین اور محمود ۴۸۷ھ مین پیدا ہوا تھا۔ چنانچہ برکیارق سب سے بڑا اور محمود سب سے چھوٹا لیکن (باقی آیندہ صفحہ ۱۷۱)

برکیارق مین علاوہ اولاد اکبر ہونے کے عقل و دانش کی علامتین اور جہانداری کے آثار موجود ہین - اور اُسکی والدہ زبیدہ یاقوتی بن داؤد کی بیٹی ہے (ملک شاہ کے چچا کی لڑکی تھی) اور سلجوقیہ ہونے کی وجہ سے ہر طرح اسی کا حق ہے - اسکے مقابلہ مین محمود کو اول تو حق نہین ہے اور ماسوا اسکے وہ بالکل بچہ ہے - مین کسی طرح ملک شاہ سے محمود کی ولیعہدی کی سفارش نہین کرسکتا ہون"۔ چنانچہ خاتون، خواجہ کے اس جواب سے سخت ناراض تھی - اور ہر وقت خواجہ کی فکر مین رہا کرتی تھی - مگر جب اُسکو برائی کا کوئی پہلو نہین ملا - تب سلطان سے کہا کہ "نظام الملک نے اپنے بارہ بیٹون کو ائمۂ اثنا عشر (۱۲) کی طرح تمام ملک پر حکمران کردیا ہے اور وہی تمام سلطنت کے مالک ہین"۔

آخر کو یہی فقرہ کارگر ہوگیا - اور خواجہ کے زوال وزارت کا یہی سبب ہوا جسکی تصدیق خواجہ کی

بقیہ صفحہ ۱۷۰) ترکان خاتون کے زور سے ملک شاہ محمود کے حق مین وصیت کرگیا تھا - چنانچہ ۴۸۵ھ مین جب ملک شاہ کا انتقال ہوگیا تو برکیارق نے اصفہان پر فوج کشی کی (کیونکہ اسوقت ترکان خاتون مع محمود کے یہان مقیم تھی) لیکن خاتون نے ڈر کر سلطنت کو تقسیم کردیا - یعنی اصفہان مع متعلقات محمود کے قبضہ مین رہے اور باقی سلطنت پر برکیارق حکومت کرے مگر برکیارق کی قسمت سے محمود کا انتقال ہوگیا (اسوقت محمود کی عمر سات برس کی تھی) اور برکیارق کل سلطنت کا مالک قرار پایا - یہ واقعہ ۴۸۶ھ / ۱۰۹۳ء کا ہے چار برس کے بعد برکیارق کے دوسرے بھائی محمد نے سرکشی کی اور عراق پر قبضہ کرلیا لیکن مسلسل خانہ جنگیون کے بعد ۴۹۲ھ مین دونون بھائیون نے صلح کے ذریعے سے پھر سلطنت کو تقسیم کیا - چنانچہ شام، عراق، موصل، آذربیجان، ارمینہ کا ملک محمد کے حصے مین آیا - اور بقیہ ملک پر برکیارق کی حکومت رہی - ربیع الآخر ۴۹۸ھ / ۱۱۰۴ء مین بمقام بروجرد برکیارق کا انتقال ہوگیا اور سلطان محمد بلا شرکت غیرے حکمرانی کرنے لگا" اور اسی کی اولاد مین اخیر تک حکومت رہی ملک شاہ کا سب سے بڑا لڑکا احمد تھا اور یہی ولیعہد بھی تھا - مگر ۴۸۱ھ مین گیارہ برس کا ہوکر فوت ہوگیا تب برکیارق ولیعہد ہوا تھا - ملک شاہ کے انتقال پر جو بھائیون مین خانہ جنگی ہوئی ہے اسکی تفصیل ہمنے تاریخ آل سلجوق مین لکھدی ہے (باقی آیندہ)

حسب ذیل تحریر سے بھی ہوتی ہے۔ "مدتی ست کہ حرمِ بزرگ (ترکان خاتون) را از من ملال واقع ست (بواسطۂ آنکہ میخواہد تا پادشاہ ولایت عہد خود بفرزندا و محمود دہد) و خاطری وارد منحرف، و ہرچند براطراف وجوانب میگردد و میخواہد تا مفسدہ بمن اسناد کند کہ موجب تغیر مزاج سلطان باشد واز جمیع بدسگلان من ومخالفان من استنطاق میکند، ہیچ طریق میسر نمیشود و ہیچ نمیتوانند گفت الّا آنکہ خواجہ مملکت را بر فرزندان خود قسمت نمودہ اگرچہ کسی دیگر مطلع نیست ولیکن ہمین مرا معلوم است کہ این سخن در باطن سلطان تاثیر کردہ۔ انشاء اللہ تعالےٰ محمود العاقبتہ باشد وبخیر بگذرد۔"

مخالفت کا جو پہلو ترکان خاتون نے تلاش کیا تھا وہ بہت زبردست تھا اور نظام الملک کو بھی معلوم ہوچکا تھا کہ صِرف یہی ایک سبب اُسکے زوال حکومت کا باعث ہوگا۔ جسکے انجام بخیر ہونے کی اُسنے خدا سے دُعا مانگی تھی۔

تاج الملک کی سازش

۵۔ تاج الملک ابو الغنائم المرزبان بن خسرو فیروز۔ قُم کا باشندہ تھا۔ اور اُسکے بزرگ، سلاطین فارس کے دربار مین وزارت پر ممتاز تھے۔ چنانچہ اسی خاندانی وجاہت اور شرافت کی وجہ سے امراے سلجوقیہ، مرزبان کی بڑی عزت کرتے تھے۔ ابتداءً مرزبان، سرہنگ ساتگین (دولت سلجوقیہ کا ایک امیر الامراء) کی خدمت مین رہا کرتا تھا۔ مگر امیر مذکور نے اُسکو ایک جوہرِ قابل سمجھکر ملک شاہ کی حضور مین پیش کیا۔ اور یہ سفارش کی کہ "مرزبان دربار سلطانی کے لائق اور ہر طرح سے قابل اعتماد ہے"۔ چنانچہ سلطان نے مرزبان کو "ناظر

بقیہ صفحہ ۱۷۱) انتخاب از زبدۃ النصرہ و کامل اثیر۔ و روضۃ الصفا حالات نظام الملک۔
سلہ کتاب الوصایا خواجہ نظام الملک۔

حرم سرا، اور منتظم خزانہ مقرر کردیا۔ اسکے سوا کچھ حصہ ملک اور فوج کی نگرانی بھی سپرد کی گئی۔ اور سب سے بڑھکر جو اعزاز کا ذریعہ ہوا وہ ترکان خاتون کی نیابت (پرائیوٹ سکرٹری) تھی اور انھی خدمات کے صلہ مین تاج الملک کا خطاب بھی مرحمت ہوا تھا۔ اور چونکہ انتظامی قابلیت کے ساتھ فصاحت و بلاغت کا بھی جوہر رکھتا تھا اسلیے اخیر زمانہ مین ملک شاہ نے دیوان الانشا والطغرا کا افسر بھی مقرر کردیا تھا اور خاتون کی حمایت کے بل پر وزارت عظمیٰ کا بھی امیدوار تھا۔ اور چونکہ دیوان الانشا کی افسری کی وجہ سے سلطنت اور وزارت کے اہم معاملات سے وقف ہوگیا تھا۔ اسلیے تاج الملک خواجہ کے اسباب انقلاب وزارت پر غور کیا کرتا تھا۔ اور جب کوئی مفید مطلب پہلو ملجاتا تو ترکان خاتون سے کہدیتا تھا۔ اور خاتون موقع محل سے واقعات پر ملمع کرکے سلطان کی حضور مین پیش کردیا کرتی تھی۔ چنانچہ محل کے اندر تو یون کارروائی ہوتی تھی۔ اور باہر کا یہ حال تھا کہ تاج الملک نے خواجہ نظام الملک کے ماتحت عملہ مین سے **مجد الملک** مستوفی اور **سدید الملک** عارض وغیرہ کو اپنے گروہ مین شامل کرلیا تھا۔ اور اب متفقہ مشورے سے نظام الملک کی وزارت کا نظم نثر کیا جاتا تھا مگر باوجود ان کوششون کے خود ملک شاہ اور تاج الملک کی طاقت سے یہ باہر تھا کہ فوراً نظام الملک کو معزول کردین۔ کیونکہ خواجہ سلطنت کے سیاہ و سفید کا مالک تھا اور تمام مملکت پر اسکا سکہ بیٹھا ہوا تھا مگر ہان! ان کارروائیون سے یہ ضرور ہوا کہ آہستہ آہستہ سلطان کا مزاج بگڑتا گیا۔ مگر خواجہ نظام الملک کو عقل و فراست اور خفیہ تحقیقات سے جہان تک تاج الملک کے جوڑ توڑ معلوم ہوجاتے تھے۔ وہ اپنی حکمت عملیون سے انکو دفع کردیتا تھا۔ مگر جو کارروائیان درپردہ ہوتی تھین انکا خواجہ کو

پتہ بھی نہ لگتا تھا جب تاج الملک کا کوئی عمل کارگر نہوا تو اُسنے حسن بن صباح سے سازش کی جسکا خاتمہ خواجہ کے قتل پر ہوا۔ (تفصیل آیندہ باب مین ہے)

خلفاے عباسیہ کی حمایت

۶- خواجہ نظام الملک چونکہ ایک مذہبی شخص تھا لہذا اُسکی نظر مین خلفاے عباسیہ کی بڑی عظمت تھی۔ گو اس عہد مین دنیاوی جاہ وجلال اور حکومت کے لحاظ سے خلفا کا درجہ اکبر ثانی اور بہادر شاہ (شاہان دہلی) سے کچھ زیادہ نہ تھا۔ مگر مذہبی حیثیت سے اس ضعیف اور ناتوان خلیفہ کے سامنے بڑے بڑے مغرور اور متکبر بادشاہونکی گردنین جھک جاتی تھین۔ اور آستانہ بوسی کو اپنا فخر اور مصافحہ کی عزت کو سعادت عظمیٰ سمجھتے تھے۔ چنانچہ خلفا بھی خواجہ کے فضل و کمال اور اقتدار وزارت کی وجہ سے اُسکی غایت درجہ عزت کرتے تھے۔ چنانچہ رمضان ۴۸۴ھ ۱۰۹۱ء مین دوسری مرتبہ جب خواجہ نظام الملک، ملک شاہ کے ہمراہ بغداد گیا ہے تو خلیفہ مقتدی بامر اللہ نے خواجہ کو تخت خلافت کے سامنے بیٹھنے کا حکم دیا۔ اور فرمایا کہ "اے حسن! تجھسے خدا بہت خوش ہو گا" کیونکہ امیر المومنین تجھسے رضامند ہے" خواجہ نے یہ مژدہ سنکر عرض کیا کہ "خداوند تعالی امیر المومنین کی دعا کو مستجاب فرمائے"

جب ملک شاہ کو اس قرب و اختصاص کی اطلاع ہوئی تو اسکو بہت ناگوار ہوا کیونکہ ملک شاہ مقتدی کو معزول کرنا چاہتا تھا اور اس فکر مین چند سال سے تھا۔ مگر خواجہ ملک شاہ کو ہمیشہ اس کاروائی سے روک دیا کرتا تھا۔ اور اگر خلیفہ سے کوئی لغزش ہوجاتی تھی تو درپردہ اُسکو ہوشیار کردیا کرتا تھا۔ اور ایسے مشورے دیتا تھا جس سے سلطان رضامند ہوجائے۔ چنانچہ ۴۷۴ھ ۱۰۸۱ء مین جب ملک شاہ مقتدی سے ناراض ہوا تو خواجہ نے سلطان کی

بیٹی کا خلیفہ[1] سے عقد کردیا جسکی وجہ سے بہت سی پیچیدگیان رفع ہوگئین۔ غرضکہ خواجہ اِس قسم کی کاروائیان کرکے ملک شاہ کا غصہ دھیما کردیا کرتا تھا۔ اور یہ تمام حکمت عملیان محض

---

[1] ترکان خاتون اور خواجۂ نظام الملک کے مشورے اور دباؤ سے ملک شاہ نے اپنی بیٹی کا عقد خلیفہ مقتدی بامر اللہ سے کیا تھا۔ چنانچہ تاریخ آل سلجوق اور کامل اثیر وغیرہ مین لکھا ہے کہ جب ملک شاہ بغداد جاتا تھا تو بیگمات حرم بھی ساتھ جایا کرتی تھین اور ترکان خاتون کے ہمراہ شہزادی بھی ہوتی تھی۔ اور اسکے حسن وجمال کی کیفیت سے بھی خلیفہ آگاہ تھا اور جب ضرورتِ ملکی بھی اسکی مقتضی ہوئی کہ ملک شاہ سے شادی کا پیام دیا جائے تو خلیفہ نے شوال ۴۷۴ھ مین اپنے نامور وزیر ابونصر فخر الدولہ محمد بن جہیر کو اصفہان روانہ کیا چنانچہ ملک شاہ سے خلیفہ کا پیام کہا۔ سلطان نے فرمایا کہ اس معاملہ مین ترکان خاتون مختار ہین اور انھی کو "خاتون" کے عقد کا اختیار ہے۔ آپ یہ پیام بیگم سے کہین۔ چنانچہ ابونصر خواجہ نظام الملک کو ہمراہ لیکر" خاتون بزرگ" کی خدمت مین حاضر ہوا اور مدعاے دلی کا اظہار کیا۔ خاتون نے فرمایا کہ شاہان غزنین اور ماوراءالنہر نے بھی اپنے شاہزادون کی شادی کا پیام دیا ہے۔ اور چار لاکھ دینار نقد مہر ادا کرنا چاہتے ہین۔ اگر یہ شرط منظور ہو تو مقتدی بامر اللہ کو مین سب سے بہتر سمجھتی ہون"۔ لیکن جب ارسلان خاتون (زوجۂ القائم بامر اللہ دختر چغر بیگ داؤد سلجوقی) کو اطلاع ہوئی تو اُسنے ترکان خاتون کو سمجھایا کہ بغیر کسی شرط کے یہ شادی کردی جائے۔ یہ رشتہ آل سلجوق کے حق مین فخر ومباہات کا باعث ہوگا۔ چنانچہ بعد از مشورہ طے پایا کہ پچاس لاکھ دینار مہر معجل پر عقد کردیا جائے اور یہ بھی شرط رہے کہ خلیفہ کسی دوسری منکوحہ یا کنیز سے تعلق نہ رکھیگا"۔ چنانچہ یہ تمام شرطین طے کرکے صفر ۴۷۵ھ مین فخر الدولہ بغداد واپس گیا اور مقتدی نے تمام شرائط کو منظور کرلیا۔ اور عقد ہوگیا۔ لیکن ملک شاہ نے اپنی بیٹی کو صفر ۴۸۰ھ مین شاہانہ جلوس کے ساتھ بغداد روانہ کیا۔ جسکی تفصیل یہ ہے کہ ایک سو تیس[130] اونٹون پر جنکی جھولین دیباے رومی کی تھین، اسباب طلا ونقرہ تھا۔ اور چوہتر[74] خچرون پر (جنکی گردنون مین چاندی سونے کی گھنٹیان لٹکتی تھین) بیش قیمت اور نفیس اسباب تھا۔ اور منجملہ چوہتر[74] کے چھ[6] پر بارہ[12] صندوق قیمتی جواہرات اور زیورات سے بھرے ہوے تھے۔ اور اِس قطار کے آگے تینتیس[33] سوار تھے (جو شایستہ گھوڑون پر سوار تھے۔ اور جنکے زین مرصع تھے) اور تین عماری تھین جو لاگت اور صنعت کے لحاظ سے لاجواب تھین۔ اور اس جلوس کے پیچھے دولھن کا محفہ تھا۔ اور اُسکے بعد خواتین بغداد اور ترکان خاتون کے محفے تھے۔ انکے علاوہ تین سو[300] کنیزون کے ڈولے تھے (باقی در صفحہ آیندہ

اسلامی ہمدردی کی وجہ سے تھین۔ ورنہ حقیقت مین خواجہ کی شان و شوکت خلیفہ سے بدرجہا بڑھکر تھی۔

حسن بن صباح کا دربار اور ملک شاہ کی سفارت

۷۔ حسن بن صباح اور خواجہ نظام الملک مین جن اسباب سے عداوت

(بقیہ صفحہ ۱۷۵) اور خواجہ سراؤن کی تعداد بے شمار تھی۔ اور اس قافلہ کے نگران وزیر سعد الدولہ گوہر آئین اور امیر برسق، اور خواجہ نظام الملک تھے۔ اور رعایاے سلطانی دولھن کے محفہ پر دینار وغیرہ نثار کرتی جاتی تھی غرضکہ بڑی شان و شوکت سے یہ جلوس بغداد پہونچا۔ خلیفہ کی طرف سے استقبال کے لیے وزیر ابو شجاع اور دیگر خواص روانہ ہوے۔ جنکے جلو مین تین (۳) سو مشعلبردار سوار تھے۔ اور حریم خلافت کی کوئی دکان ایسی نہ تھی کہ جسمین (۲) ایک شمع نہ جلتی ہون (بغداد مین ہزارون جشن ہوے ہونگے۔ اور ہزارون مرتبہ روشنی بھی ہوئی ہوگی مگر خلافت کے اخیر دور مین جب کہ دولت عباسیہ کا چراغ خود جھلملا رہا تھا یہ روشنی بھی "ولقد زینا السماء الدنیا بمصابیح" کی مصداق تھی) وزیر ابو شجاع کے ہمراہ خلیفہ کا خاص خادم ظفر بھی تھا جسکی سپردگی مین وہ بے نظیر محفہ تھا جو دولھن کیلیے بھیجا گیا تھا جسپر مرزکش اور طلاکار پردے پڑے تھے۔ اور اسقدر جواہرات ٹکے ہوے تھے کہ نظر خیرہ ہوتی تھی۔ جب ترکان خاتون کی سواری قریب آئی تو ابو شجاع آداب بجالایا اور عرض کیا کہ سیدنا و مولانا امیر المومنین نے پیام دیا ہے "ان اللہ یامرکم ان تودوا الامانات الی اھلھا" چنانچہ ترکان خاتون نے مطلب سمجھ لیا اور جلوس محلسرا کی طرف روانہ ہوا۔ اور امراے بغداد اور ارکان سلطنت کی بیگمات نے ترکان خاتون کا استقبال کیا اور معزز مہمان بیبیون کو سواریون سے اُتارا۔ اور جب سواریان اتر چکین تو اخیر مین دُولھن کی باری آئی جسکے محفہ کے گرد و پیش دو سو قلماقینان (ترکی عورتون کا مسلح گروہ) تھین۔ چنانچہ تمام بیگمات نے خاتون دولہن کو محفہ سے اتارا اور مسند پر جا بیٹھایا۔ جب صبح ہوئی تو خلیفہ مقتدی بامراللہ کے حضور مین ارکان سلطنت (ملکی و فوجی) پیش ہوے اور سب خلعت سے سرفراز ہوے۔ اسی طرح ترکان خاتون اور اُن تمام خواتین کو جو بیگم کے ہمراہ آئی تھین خلعت دیے گئے اور ہنسی خوشی سے یہ تقریب ختم ہو گئی۔ سامان دعوت مین کسقدر جنس خرچ ہوئی اسکی تفصیل مورخین نے نہین لکھی ہے البتہ صرف شکر کی نسبت لکھا ہے۔ کہ چالیس ہزار من صرف ہوئی تھی۔" خلیفہ کی اس بی بی سے جو بیٹا ہوا اسکا نام ابو الفضل جعفر تھا اور اسی کی ولیعہدی پر ملک شاہ اور خلیفہ مین مخالفت ہوئی۔"

انتخاب از کامل اثیر صفحہ ۵۵ جلد ۱۰ در المنثور۔ و نگارستان وغیرہ۔

پیدا ہوئی تھی وہ اپنے موقع پر تفصیل سے تحریر ہیں۔لیکن خواجہ کے قتل کی علت غائی یہ ہے کہ
جب فرقہ اسماعیلیہ کا زور ہوا۔اور حسن بن صباح نے **قلعہ الموت**[1] پر قبضہ کرکے اطراف
کے شہروں میں اپنا اقتدار قائم کرلیا۔اور حسن کے مریدوں کی تعداد بھی روز بروز بڑھنے لگی۔
تب ملک شاہ اور نظام الملک کو اسطرف خاص توجہ ہوئی۔لیکن چونکہ سلطان الپ رسلان[2]
کے عہد میں اس خوفناک فرقہ کا کوئی انسداد نہیں کیا گیا تھا۔اسوجہ سے حسن بن صباح کا
استیصال اب مشکل نظر آتا تھا۔لہذا نظام الملک نے حکمت عملی سے کام نکالنا چاہا۔اور اُسکی یہ
تدبیر کی کہ ۴۸۹ھ میں سلطان کی طرف سے ایک سفارت حسن بن صباح کے پاس روانہ کی۔
جسکا یہ منشا تھا کہ سلطان کے شاہانہ جاہ وجلال سے حسن کو ڈراکر اطاعت پر آمادہ کیا جائے
اور فوجکشی کی ضرورت نہ واقع ہو۔چنانچہ سفیر نے الموت پہونچکر حق سفارت ادا کیا۔مگر حسن پر
سفیر کی تقریر کا اثر بھی نہ ہوا۔اطاعت کا اقرار کرنا تو امر محال تھا۔رخصت کے وقت سفیر کو مخاطب
کرکے حسن نے کہا[3] کہ "آپ ملک شاہ سے کہدین کہ ہمکو نہ ستائے۔ ورنہ مجبور ہوکر مقابلہ کرنا پڑیگا۔مگر
یہ معلوم رہے کہ ملک شاہ کی فوج ہمارے مقابلہ کے قابل نہیں ہے۔کیونکہ ہمارے لشکر کا

---

[1] اس قلعہ کی مختصر تاریخ حسن بن صباح کے حالات میں تحریر ہے۔ [2] تاریخ آل سلجوق (واقعات ظہور اسماعیلیہ) اصفہانی میں لکھا ہے کہ سلاطین دیلم اور اُنکے قبل جو حکمران تھے۔ اُنکا یہ دستور تھا کہ وہ تمام ملک میں خبر رسانی کے واسطے جاسوس مقرر کرتے تھے۔اور ملک کا کوئی گوشہ ایسا نہ تھا جسکے صحیح واقعات سلطان تک نہ پہونچتے ہوں۔مگر الپ رسلان نے اپنے عہد میں یہ محکمہ توڑ دیا تھا جسکا یہ نتیجہ ہوا کہ آہستہ آہستہ فرقہ باطنیہ ترقی کرگیا اور سلطنت کو اُنکی سازشوں اور خفیہ کارروائیوں کی اُسوقت خبر ہوئی جب حسن نے قزوین اور رودبار وغیرہ کے قلعوں پر پورا قبضہ کرلیا۔

[3] الوافی جلد اول صفحہ ۱۷۶۔

ہر سپاہی (مرید) جانبازی مین فرد ہے۔ اُسکے نزدیک اپنی جان دینا اور دوسرے کی جان لینا دونون کے ایک ہی معنی ہین"

حسن بن صباح نے اپنے مریدون کی جو تعریف کی تھی گو وہ بالکل سچ تھی۔ مگر فریق مخالف اسکو تسلیم نہین کرسکتا تھا۔ لہٰذا حسن نے بطور عملی ثبوت کے ایک مرید کو حکم دیا کہ "خنجر مارکر مرجاؤ" دوسرے سے کہا کہ "الموت کی چوٹی سے اپنے تئین گراو و" تیسرے سے فرمایا کہ "پانی مین ڈوب مرو" چنانچہ ایک ہی وقت مین (حکم کے مطابق) تینون مرید اپنے شیخ پر قربان ہوگئے"[1]

جب سفیر یہ تماشا دیکھ چکا تو حسن بن صباح نے سوال کیا کہ "ملک شاہ کی تمام فوج مین ایک سپاہی بھی ایسا ہے جو میرے مرید کی طرح جانباز ہو؟ اور اسی اثنا مین کسی شرعی حکم کی خلاف ورزی مین حسن کے سامنے اُسکے دو بیٹے پیش ہوے۔ چنانچہ حسن نے اُن کو درے لگائے جانیکا حکم دیا اور وہ دونون اسی صدمہ سے سفیر کے سامنے تڑپ تڑپ کر مرگئے"

جب سفیر نے واپس آکر یہ چشم دید واقعات ملک شاہ اور خواجہ سے بیان کیے تو دو برس کے واسطے فوج کی روانگی ملتوی کردی گئی۔ لیکن انقضاے میعاد پر ۴۸۵ھ (۱۰۹۲ء) مین جب پادشاہی فوج کی نقل وحرکت کی حسن کو اطلاع ہوئی تو جنگ کے فیصلے سے پہلے اُسنے نظام الملک کی حیات کا فیصلہ کردیا۔ یعنی ایک فدائی نے حسن کے حکم سے خواجہ کو خنجر سے شہید کرڈالا۔

ہ۔ نظام الملک کی معزولی

یہ نہایت صحیح قول ہے کہ "جب انسان کا اقبال یاور ہوتا ہے تو اُسکی ہر خواہش

[1] گنج دانش فقرہ ملک شاہ صفحہ ۲۱۴۔

عقل کی ماتحت رہتی ہے۔ اور جب ادبار کا زمانہ آتا ہے تو عقل خواہشات کی تابع ہوجاتی ہے
چنانچہ نظام الملک بھی اسی کا مصداق ہے کیونکہ موید الملک کی معزولی خواجہ کی ہدایت
کے لیے کافی تھی۔ مگر خواجہ نے ملک شاہ کی رضامندی کا کچھ بھی خیال نہ کیا۔ اور سلطنت
کے بڑے بڑے عہدون پر اپنے بیٹون پوتون اور غلامون کو بدستور سابق مقرر کرتا رہا۔ چنانچہ
۴۸۵ھ مین خواجہ نے اپنے پوتے عثمان بن جمال الملک کو مرو کا والی مقرر کیا۔ اور عثمان نے
مرو پہونچکر وہان کے شحنہ سے احمقانہ چھیڑ چھاڑ شروع کی (یہ شحنہ جسکا نام قودن تھا ملک شاہ کا
خاص غلام تھا) چنانچہ عثمان نے شحنہ کو جب زیادہ ستایا تو اُسنے سلطان کی خدمت مین
ایک شکایت آمیز درخواست بھیجی۔ چونکہ ملک شاہ کو موید الملک کے واقعہ سے خواجہ کے
عزیزون کے خیالات کا اندازہ ہوگیا تھا اسلیے براہ راست عثمان سے مدیافت نہین کیا
بلکہ امراے دربار مین سے تاج الدولہ مجد الملک تاج الملک اور امیر یلبرد کو اپنے سامنے
طلب کیا اور فرمایا کہ "مابدولت کی جانب سے نظام الملک سے کہو کہ آپ نے تمام ملک پر
قبضہ رکھا ہے، اور سلطنت کے ہرصوبہ پر اپنے بیٹون، دامادون اور غلامونکو حکمران بنا دیا ہے
تو گویا آپ میرے سلطنت کے شریک ہین؟ اگر یہ سچ ہے تو ویسا انتظام کرون۔ اور اگر
آپ وزیر السلطنة ہین تو نیابت کے درجہ پر نظر رکھنا چاہیے۔ لیکن موجودہ حالت اسکے
برعکس ہے۔ کیونکہ مین دیکھتا ہون کہ آپ کی اولاد تمام سلطنت پر حکومت کر رہی ہے۔ اور
یہ لوگ ہمارے خاص آدمیون کے اعزاز کا بھی کچھ لحاظ نہین کرتے ہین۔ بہرحال آیندہ اگر

سلہ کامل اثیر وطبقات الکبری۔

آپ نے اسکا مناسب انتظام نہ کیا تو مین حکم دونگا کہ سر سے دستار (تاج وزارت) اور سامنے سے دوات (قلمدان وزارت) ہٹا لیجائے"۔

جب خواجہ نے ملک شاہ کا پیام سُنا تو امرا سے مخاطب ہوکر کہا کہ "آپ سلطان سے کہدین کہ یہ بات آپ کو آج معلوم ہوئی ہے کہ مین ملک و دولت مین برابر کا حصہ دار رہون۔ بلکہ واقعہ نفس الامری یہ ہے کہ دولت سلجوقیہ کا قیام محض میری تدابیر سے ہے۔ کیا سلطان کو وہ وقت یاد نہین ہے؟ جب الپ ارسلان کو شہادت نصیب ہوئی تھی۔ اور چارون طرف سے سلطنت پر دعویدارون نے خروج کیا تھا (خواجہ نے نام بنام عزیز اور اغیار کا ذکر کیا) اُسوقت سلطان نے میرے دامن مین پناہ لی تھی۔ اور مین نے فوجون کو جمع کرکے کسطرح دشمنون کو پامال کر دیا تھا۔ اور کیونکر جیحون عبور کرکے ملکون کو فتح کیا تھا؟ جب سب مشکلین حل ہوگئین اور بلا شرکت غیری سلطنت پر قبضہ ہوگیا اور فتوحات ملک شاہی کے دنیا مین سکّے بیٹھ گئے۔ تو اب مین گنہگار قرار پایا۔ اور میرے خلاف جو شکایتین ہوتی ہین وہ بھی سنی جاتی ہین لیکن یہ ضرور عرض کرونگا کہ اگر سلطان کو موجودہ انتظام مین کوئی تبدیلی کرنا منظور ہے، تو سوچ سمجھکر کرنا چاہیے۔ کیونکہ کارکنان قضا و قدر نے میری

ـــــــــــ

[1] عماد الدین اصفہانی نے چند لفظون مین خواجہ کا جواب لکھا ہے جو بلحاظ اختصار یاد رکھنے کے لائق ہے "قولوا للسلطان کانك الیوم عرفت انی فی الملك مساہمك، وفی الدولة مقاسمك، و ان دواتی مقترنة بتاجك فمتی رفعتها رفع ومتی سلبتها سلب"۔ اسی قسم کے اور واقعات تاریخون مین تحریر ہین لیکن ہمنے روضة الصفا، کامل، طبقات، آثار الوزرا۔ نگارستان سے خواجہ کا پورا جواب مرتب کرکے لکھا ہے"۔

دوات اور سلطان کے تاج کو ساتھ ساتھ رکھا ہے۔ اگر میرے سامنے سے دوات اُٹھائی جائیگی تو یاد رہے کہ سلطان کے بھی سر سے تاج اُٹھ جائیگا۔"

روضۃ الصفا کی روایت ہے کہ جب خواجہ نظام الملک کا غصہ دھیما ہوا تو اسکو اپنی تقریر کا افسوس ہوا۔ اور امرا سے کہا کہ حالت اضطرار مین خدا جانے مین کیا کچھ کہہ گیا ہون آپ جو مناسب سمجھین وہ سلطان سے عرض کردین۔"

چنانچہ ان امیرون مین باہمی مشورہ سے طے پایا کہ کل صبح کو دربار مین سلطان سے عرض کیا جائیگا کہ "خواجہ کہتا ہے۔ مین شہریار عالم کا ایک ادنی فرمانبردار ہون اور میرے سب بیٹے سلطان کے غلام ہین۔ سلطان کا حکم ہمارے جان و مال پر نافذ ہے۔ فرمان عالی سے کبھی تجاوز نہ کیا جائیگا۔ اور مین عثمان کو ایسی سزا دونگا۔ جو دوسرون کے لیے باعث عبرت ہوگی۔" مگر افسوس ہے کہ اس گروہ مین سے تاج الملک نے اول تمام حالات ترکان خاتون سے بیان کیے۔ اور خاتون نے خدا جانے کن شرربار الفاظ مین سلطان کو سمجھایا۔ اسکے علاوہ امیر یلبرد نے بھی شب کو خود ملک شاہ سے خواجہ کی اس تقریر کا اعادہ کیا۔ چنانچہ خواجہ کے جواب سے ملک شاہ غضبناک ہوگیا اور اُسنے وزارت کے تبدیل کرنیکا فیصلہ کرلیا۔

کامل ابن اثیر کی روایت ہے کہ جب سلطان کے حضور مین امرا نے خواجہ کا جواب بیان کیا تو سلطان نے فرمایا کہ آپ لوگ خواجہ کی خاطر سے اصل واقعہ کو چھپاتے ہین۔ نظام الملک کا یہ جواب نہین ہے بلکہ اُسنے تو کچھ اور ہی کہا ہے۔" چنانچہ پتہ کی بات سُنکر سب خاموش ہوگئے اور ملک شاہ نے خواجہ کو وزارت سے معزول کردیا۔

۹۔ تاج الملک کی وزارت خواجہ نظام الملک کی معزولی کے بعد سلطان ملک شاہ نے تاج الملک کو ترکان خاتون کی سفارش پر وزیر مقرر کیا۔ اور خواجہ کے ماتحت عملہ کو بھی موقوف کر کے جدید انتظام کر دیا۔ مثلاً بجاے شرف الملک مستوفی کے ابوالفضل مجد الملک قمی کو۔ اور بجاے کمال الدولہ عارض کے سدید الدولہ ابو المعالی کو مقرر کیا۔ اور اسی قسم کی اور بھی تبدیلیان کین[۱]۔ جسکو عام طور سے ملک نے ناپسند کیا اور خود ملک شاہ کو بھی یہ نظم ونسق مبارک نہ ہوا۔ شعراے دربار نے انمین سے بعض کی ہجو بھی لکھ ڈالی۔ چنانچہ کمال الدین[۲] ابوطاہر خاتونی، مجد الملک کے حق مین کہتا ہے۔

می بتازد بہ بخل مجد الملک — چون بکاورش[۳] گرسنہ قمری
گرہمہ قمیان، چنین باشند — قم رفیقا او برہمہ قم۔ ری

اور ابو المعالی نحاس[۴] نے بھی اس جدید انتظام پر نکتہ چینی کی ہے۔ چنانچہ[۵] اسکا قول ہے۔

شہا کہ شیر بہ پیش تو بہ چو میش آمد — زبو علی بدو۔ ازبو رضا وازبو سعد
مبشر ظفر و فتح نامہ پیش آمد — درین زمانہ زہر چہ آمدی بخدمت تو
زمین مملکت را نبات نیش آمد — زبو الغنائم و بو الفضل بو المعالی باد

[۱] تاریخ آل سلجوق اصفہانی صفحہ ۷۰ [۲] مجمع الفصحا صفحہ ۶۴ [۳] ایک قسم کا غلہ جسکو ہندی مین چینیہ یا باجرہ کہتے ہین۔ [۴] الپ ارسلان کے دربار کا مشہور فاضل اور شاعر ہے۔ نہایت دولتمند تھا۔ اور ملک شاہ نے عارض کے عہدے پر مقرر کر دیا تھا۔ امیر معزی سے اکثر مقابلہ رہتا تھا۔ ۵۱۲ھ مین فوت ہوا۔ مجمع الفصحا صفحہ ۶۷۔
[۵] آثار الوزرا نسخۂ قلمی۔ ان اشعار کا ترجمہ عماد الدین اصفہانی نے اپنی تاریخ آل سلجوق مین بھی لکھا ہے۔

گر از نظام و کمال و شرف تو سیر شدی　　ز تاج و مجد و سدیدت نگر چہ پیش آمد

تاج الملک کا تقرر چونکہ ترکان خاتون کی سفارش سے ہوا تھا اسوجہ سے ملک شاہ نے اپنی چند روزہ زندگی مین وزیر سے خوشنودی مزاج کا اظہار کیا اور بغداد پہونچکر خلعت وزارت مرحمت فرمایا۔[1]

۱۰۔ قول فیصل | اسباب مندرجۂ بالا سے ثابت ہے کہ ملک شاہ، خواجہ سے ناراض تھا۔ اور چند سال تک دونون مین کشیدگی رہی۔ جسکا اخیر نتیجہ یہ ہوا کہ خواجہ منصب وزارت سے معزول کردیا گیا۔ اور صرف معزولی سے ملک شاہ کا مطلب پورا ہوگیا۔ لیکن معزولی کے بعد یہ کہنا کہ خود ملک شاہ کے حکم سے خواجہ قتل ہوا صحیح نہین ہے۔ کیونکہ مستند مؤرخونکا یہ فیصلہ ہے کہ ملک شاہ کا دامن انصاف نظام الملک کے خون کے دھبہ سے پاک ہے جسکی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ ملک شاہ نہایت عادل اور حق شناس بادشاہ تھا اور خواجہ کو ہمیشہ (باپ) کہکے خطاب کیا کرتا تھا۔ لہذا ایسے شریف اور کریم النفس پر بدگمانی بھی نہ کرنا چاہیے۔ علاوہ برین تمام مورخون کو تسلیم ہے کہ خواجہ کا قاتل ایک فدائی تھا۔ اور اُسنے حسن بن صباح کے حکم سے خواجہ کو شہید کیا تھا۔ لہذا اصلی قاتل حسن بن صباح ہے۔ اور چونکہ تاج الملک[2] بھی حسن کا مشیر اور مددگار تھا لہذا قانون تعزیرات کے مطابق اعانت کے جرم سے وہ بھی بری نہین ہوسکتا ہے اور قیامت کے دن، احکم الحاکمین کی عدالت مین ان ملزمون کو جواب دہی کرنا پڑیگی اور یہ اپنے

---

[1] کامل اثیر واقعات ۴۸۵ھ۔ [2] آثار الوزرا نسخۂ قلمی۔

کرتوتون کی سزا پائینگے۔کیونکہ جھوٹی شہادت اور وکیلون کی منطق بیان کچھ کام نہ دیگی۔بلکہ ع

جو چپ رہیگی زبان خنجر لہو پکاریگا آستین کا

خواجہ نظام الملک کا قتل۔مع دیگر واقعات

جس طرح خدا کو (حالانکہ وہ ذات بے نیاز ہے) اپنی خدائی مین کسی دوسرے کی شرکت گوارا نہین ہے۔اسی طرح دنیا کی بادشاہت مین بھی کوئی حکمران یہ نہین چاہتا ہے کہ کوئی میرا سہیم و شریک ہو۔اور محض اسی خیال سے ملک شاہ نے نظام الملک کو معزول کر دیا تھا۔مگر اُسکے ظاہری اعزاز، اور خاطر داری مین کوئی کمی نہین کی گئی تھی۔چنانچہ ۴۸۵ھ ۱۰۹۲ع مین ملکی[۱] ضرورت سے مجبور ہو کر جب ملک شاہ نے اصفہان سے بغداد کا سفر کیا تو خواجہ نظام الملک بھی ہمراہ تھا۔ماہ صیام کی وجہ سے یہ موقع سفر کا نہ تھا۔مگر جب نصف مسافت طے ہو گئی تو چند روز کے لیئے ملک شاہ نے نہاوند[۲] مین قیام کیا۔اور خیام شاہی کے اطراف و جوانب مین اراکین سلطنت اپنی اپنی بارگاہون مین ٹھہرے۔اور خواجہ نظام الملک کے ڈیرے موضع سَحنَہ مین نصب کیئے گئے۔

ف۱ خلیفہ مقتدی بامر اللہ نے اپنے بیٹے مستظہر باللہ کو ولیعہد کر کے ملک شاہ کے نواسہ ابو الفضل جعفر کو محروم کر دیا تھا۔(جعفر کی والدہ بماہ ذیقعدہ ۴۸۲ھ بمقام اصفہان فوت ہو چکی تھی) اسلیئے ملک شاہ نے قطعی فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ مقتدی کو معزول کر کے دمشق یا بصرہ بھیجدے گا۔اور تخت خلافت اپنے نواسہ کو دیگا۔چنانچہ ملک شاہ نے مقتدی کو یہ پیام بہت سختی سے بھیجا تھا۔اور خلیفہ نے دس دن کی مہلت مانگی تھی۔مگر اتفاق سے انھین ایام مین خود ملک شاہ فوت ہو گیا۔اور بغداد کی حکومت بدستور آل عباس کے قبضہ مین رہی۔اس واقعہ کو بعض مورخون نے مقتدی کی کرامات مین شمار کیا ہے۔

ف۲ روزمرہ کے کوچ و مقام سے پریشان ہو کر آرام کی غرض سے ملک شاہ نہاوند مین ٹھہرا تھا۔اور سیر و شکار کے لیے بھی کوہستانی سلسلہ نہایت موزون تھا۔

طبقات الکبریٰ کی روایت ہے کہ پنجشنبہ کا دن اور رمضان المبارک کی دسوین (مطابق ۱۴؍ اکتوبر ۱۰۹۲ء ۴۸۵ھ) تاریخ تھی کہ خواجہ نے روزہ افطار کرکے مغرب کی نماز پڑھی۔ اور بعد نماز حسب معمول فقہاء اور علماء سے باتین کرتا رہا۔ اثنائے کلام مین نہاوند کا تذکرہ شروع ہوا تو خواجہ نے فرمایا کہ یہ مقام[1] امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت مین فتح ہوا تھا۔ پھر اُن صحابہ کے حالات بیان کیے۔ جو معرکہ نہاوند مین شہید ہوے تھے۔"

اس جلسہ کے بعد خواجہ نے تراویح پڑھی۔ اور بعد فراغ ایک محفہ (ہوادار) پر سوار ہوکر حرم سرا کو روانہ ہوا۔ جب قیام گاہ پر پہونچا تو فرمایا کہ "یہی وہ مقام ہے کہ جہان ایک کثیر جماعت مسلمانون کی شہید ہوئی تھی فطوبیٰ لمن کان معھم (وہ لوگ بڑے خوش نصیب ہین جو اُنکے ساتھ ملین)۔

غرضکہ خواجہ اپنے خیال مین محو تھا، سواری جا رہی تھی، کہ ایک نوجوان دیلم کا باشندہ (جسکا لباس صوفیانہ تھا) محفہ کی طرف بڑھا۔ اور مستغیث کی حیثیت سے اپنی عرضی پھینکی۔ جب خواجہ عرضی کی جانب متوجہ ہوا۔ تب موقع پاکر دیلمی نے خواجہ کے قلب مین چھری بھونکدی چونکہ وار بھرپور تھا لہذا تھوڑی دیر مین خواجہ کا کام تمام ہوگیا۔

حملہ کے ہوتے ہی تمام لشکر مین کہرام مچ گیا۔ اور جب یہ غلغلہ ملک شاہ تک پہونچا، تو وہ بھی غم زدہ اور روتا ہوا آیا، اور خواجہ کے سرہانے آن کر بیٹھ گیا۔"

---

[1] نہاوند ۲۱ھ ۶۴۲ء مین فتح ہوا تھا۔ اور اس فتح سے پورے عراق عجم پر مسلمانون کا قبضہ ہوگیا تھا چنانچہ تاریخ مین اس فتح کا نام "فتح الفتوح" ہے۔ اس فوج کے سردار حضرت حذیفہ بن الیمان تھے۔ اور تقریباً تیس ہزار عجمی مارے گئے تھے۔ فتوح البلدان بلاذری فتح نہاوند۔

بعض تذکرون مین لکھا ہے کہ اسوقت تک خواجہ کے ہوش وحواس درست تھے لہذا ملک شاہ کو مخاطب کرکے اپنی موت کا واقعہ ایک برجستہ قطعہ مین عرض کیا اور جب اس مصرع پر پہونچا کہ [1]

بگذاشتم این خدمت دیرینہ بفرزند

تو خواجہ کی زبان بند ہوگئی اور دم نکل گیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

خواجہ کا قاتل خواجہ کے قاتل کا نام ابوطاہر حارث (ایرانی) تھا۔ چنانچہ حملہ کے بعد وہ ایک خیمہ کی آڑ مین چھپ گیا تھا۔ جسکو خواجہ کے غلامون نے گرفتار کرکے (باوجود ممانعت خواجہ) قتل کرڈالا۔ نظام الملک کے قتل مین چونکہ غیر معمولی کامیابی حسن بن صباح کو ہوئی تھی۔ لہذا اسنے دشمنون پر فتح ونصرت کے لئے، یہی طریقہ پسند کیا کہ جو اسکے کامون مین مزاحمت کرے وہ اسی طرح خاموشی سے قتل کردیا جاے۔ چنانچہ حسن اور اسکے جانشینون نے اپنے عہد حکومت مین کتنے ہی بادشاہ، وزیر، امیر اور نامور علما، وفقہا، قتل کراے۔ چنانچہ علماے [2] تاریخ کا یہ فتوی ہے کہ باطنیہ کا سب سے

---

[1] پورا قطعہ خواجہ کی شاعری کے تذکرہ مین صفحہ ۹۷ (حصۂ اول) مین درج ہے ناظرین اس موقع پر وہ قطعہ پڑھین جسوقت مین یہ مضمون لکھ رہا تھا حُسن اتفاق سے اُسوقت "بیاض صائب" کا ایک قلمی اور نایاب نسخہ ملا جسمین صائب نے خواجہ نظام الملک کے حسب ذیل اشعار انتخاب کئیے تھے۔ لہذا نقل کرتا ہون۔ مذکورہ بالا رباعی اور قطعہ پر یہ اضافہ بہت غنیمت ہے۔ (دیکھو صفحہ ۶۷ (حصۂ اول)۔

تا از شب من سپیدہ دم، بر زد، دم ۔۔۔ معشوقہ زشب کشید برروز۔ رقم

شد آمدن نگار من اکنون کم ۔۔۔ زیرا کہ شب و روز نیایند بہم

چنبر زلفے کہ ماہ در چنبر اوست ۔۔۔ فرماندہ روزگار فرمان بر اوست

ترسم کہ بناگاہ بریزد۔ خونم ۔۔۔ کاین شوخ دلم بخون من یاور اوست

[2] طبقات الکبری و گنج دانش حالات نظام الملک۔ و نگارستان صفحہ ۱۷۴۔

ایک روایت یہ ہے کہ حسن بن صباح نے فوج کشی کی خبر سُنکر سفارت روانہ کی تھی۔ (دیکھو صفحہ ۱۸۷)

پہلا شکار خواجہ نظام الملک تھا۔ اور خواجہ کے قتل کے بعد ان چھری بند فدائیون مین سنت یہ قرار پا گئی کہ اسی آلہ سے بیگناہ مسلمان شہید کیے جائین۔

خواجہ کا دفن انتقال کے بعد جسقدر جلد ممکن ہو سکا خواجہ کی نعش اصفہان روانہ کر کے گیارھوین رمضان المبارک کو ملک شاہ بغداد چلا گیا۔ مگر کسی تاریخ سے یہ نہین معلوم ہوا کہ نہاوند سے اصفہان، خواجہ کی نعش کے دن مین پہونچی اور کس دن دفن ہوئی ؟ لیکن ایران کا نقشہ دیکھنے سے معلوم ہوا کہ مقامات مذکور کا درمیانی فاصلہ[۱] دو سو پینتیس[۲۳۵] میل ہے اور عہد قدیم مین اصفہان سے بغداد کو جاتے ہوے جسقدر منزلین پڑتی تھین انکی معمولی مسافت بارہ میل سے سولہ میل تک تھی[۲]۔ چنانچہ اوسط رفتار اگر سولہ میل قرار دیجاے تو اس حساب سے پندرھوین دن خواجہ کی نعش اصفہان پہونچی ہوگی۔ اور اگر دو منزلہ کوچ کیا ہوگا تو آٹھوین دن تجہیز و تکفین کی نوبت آئی ہوگی۔ بہرحال اصفہانیون نے بڑی دھوم سے خواجہ کا جنازہ اُٹھایا۔ اور محلہ[۳] کران (یہ محلہ نہر کے کنارہ آباد تھا) کے قبرستان مین دفن کر دیا۔ چنانچہ زمانہ دراز تک یہ مقام "تربت نظام" کے نام سے مشہور رہا۔

(نوٹ۔ متعلقہ صفحہ ۱۸۶) اور اسی سفیر نے خواجہ کو قتل کیا۔

۵۳ طبقات الکبریٰ۔

۵۱ ایران کا جو نقشہ مسٹر جان کرے نے ۱۸۴۳ء مین تیار کیا ہے۔ اسمین انگریزی اور ایرانی حساب سے شہرون کی مسافت لکھی ہے۔ چنانچہ انگریزی پیمانہ سے ۲۱۰ میل اور ایرانی پیمانہ سے ۱۱۵ کا فاصلہ نہاوند سے اصفہان تک ہے۔ لیکن ہمنے سٹیلن اٹلس کے مطابق جو زمانہ حال کا سب سے پچھلا اور مکمل اٹلس ہے یہ تعداد درج کی ہے۔

۵۲ نزہت القلوب حمد اللہ مین ان منزلون کی صراحت ہے۔

۵۳ گنج دانش صفحہ ۳۵۰۔

رسم تعزیت | جب خواجہ کے انتقال کی خبر دارالسلام بغداد مین پہونچی تو خلیفہ مقتدی بامراللہ کو نہایت صدمہ ہوا۔ اور خلیفہ کے حکم سے وزیر عمید الدولہ بن جہیر تعزیت کے واسطے بیٹھا چنانچہ ارکان سلطنت اور علما، اور بغداد کے ہر طبقہ کے مشاہیر عمید الدولہ کی خدمت مین حاضر ہو کر خواجہ کی تعزیت کرتے تھے

خواجہ کی عمر | تاریخ انتقال تک خواجہ نظام الملک، عمر کی ستتر منزلین طے کر چکا تھا کیونکہ خواجہ کی ولادت ۴۰۸ھ ۱۰۱۷ء مین ہوئی تھی۔ اس حساب سے جن تذکرون مین خواجہ کی عمر کم یا زیادہ لکھی ہے وہ غلط ہے۔ اور خواجہ کے قطعہ مین جو "نود و شش" لکھا ہے۔ یہ بھی کتابت کی غلطی ہے۔

ایام وزارت | خواجہ نظام الملک، سولھوین ذی الحجہ ۴۵۶ھ ۱۰۶۴ء کو سلطان الپ ارسلان کے حکم سے وزیر مقرر ہوا تھا۔ اور شعبان ۴۸۵ھ کی کسی تاریخ مین سلطان ملک شاہ کے حکم سے معزول ہوا۔ اس حساب سے خواجہ نے تقریباً ۲۸ برس ۷ مہینے وزارت کی۔ اور یہ وہ قیمتی ایام ہین کہ جسکی نظیر تاریخون مین بہت کم ملتی ہے ؎

خواجہ نظام الملک کی موت کی پیشین گوئی | نگارستان[1] کا مصنف (بحوالہ مجمع النوادر) لکھتا ہے کہ خواجہ نظام الملک کے ندیمون مین ایک منجم بھی تھا۔ جو وطن کی نسبت سے "موصلی" مشہور تھا چنانچہ سفر و حضر مین موصلی خواجہ کے ساتھ رہا کرتا تھا۔ اور خواجہ بھی اسکی بڑی خاطر کرتا تھا۔ لیکن ضعف پیری سے موصلی کا کوکب اقبال جب سرحد احتراق مین پہونچ گیا۔ تو خواجہ نے نیشاپور مین اسکی جاگیر مقرر کر دی۔

خواجہ نظام الملک مذہبی شخص تھا، اور اسکا یہ عقیدہ تھا کہ کُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ

[1] نگارستان صفحہ ۱۷۴۔

ذُو الْجَلَالِ وَالْاِکْرَامِ مگر بمقتضائے فطرت انسانی خواجہ نے چلتے وقت موصلی سے پوچھا کہ "تمنے کبھی میرا زائچہ کیا ہے، اور یہ بھی دیکھا ہے کہ اس دار العمل سے میرا کوچ کب ہوگا؟" موصلی نے کہا ہان! میرے انتقال کے چھ مہینے بعد آپ بھی دنیا سے رخصت ہونگے اور وہ وقت آجائے گا کہ ؎

گرد و بردی صفحۂ خاک، استخوانِ دست
از بہر حرف تجربۂ دیگران قلم

الغرض موصلی خواجہ سے رخصت ہو کر نیشاپور چلا گیا اور جبتک زندہ رہا خواجہ کا وظیفہ خوار رہا۔ مگر خواجہ کی یہ حالت تھی کہ نیشاپور کے آنے والون سے موصلی کی سلامتی دریافت کیا کرتا تھا۔ آخر چند سال کے بعد ۴۸۵ھ مین کسی نے اطلاع دی کہ ربیع الاول کی پندرھوین تاریخ کو غریب موصلی مرگیا۔

خواجہ نظام الملک کو موصلی کے انتقال سے اپنی موت کا بھی زمانہ یاد آگیا۔ اور اسیوقت سے سفر آخرت کی تیاریان شروع کردین چنانچہ کتاب الوصایا[1] مین لکھا ہے کہ ۴۸۴ھ[2] کے اخیر مین خواجہ نظام الملک بہت بیمار ہو گیا تھا۔ اور جب اسکو صحت ہو گئی تو ایک دن اپنے "صرف خاص"، کے منتظم سے دریافت کیا کہ ہماری سرکار سے جن لوگون کی سالانہ تنخواہین

---

[1] وصایا خواجہ نظام الملک۔

[2] تاریخ کامل اثیر مین لکھا ہے کہ خواجہ بمقام بغداد بیمار ہوا تھا۔ اور زمانۂ علالت مین بڑے صدقے دیے گئے تھے۔ اور فقرا و مساکین اسقدر جمع ہوے تھے کہ جنکا شمار نہین ہوسکتا تھا۔ غسل صحت پر خلیفہ مقتدی بامر اللہ نے خواجہ کو خلعت مرحمت فرمایا تھا۔

اور وظیفے مقرر ہین اُنکو امسال پہونچے ہین یا نہین"، چنانچہ تحقیقات سے دریافت ہوا کہ کسیکو کچھ نہین دیا گیا ہے۔ تب خواجہ کو شیخ مہنہ کا بھی قول یاد آیا۔ اور سمجھ لیا کہ اب رخصت کا زمانہ قریب آگیا ہے۔ چنانچہ جو ضروری انتظام کرنا تھے وہ خواجہ نے کر دیے اور خواجہ فخر الملک کو بہت سی نصیحتین کین۔ اور ٹھیک چھ مہینے کے بعد خواجہ کا انتقال ہوگیا۔ جیسا کہ مولانا جامی نے تحریر فرمایا ہے۔

[1] دیکھو صفحہ ۸۴ کتاب ہذا۔

[2] مولانا جامی نے خواجہ نظام الملک اور منجم موصلی کے واقعہ کو سلسلۃ الذہب مین اس طرح پر نظم کیا ہے کہ۔

بود در دولت نظام الملک ۔۔۔ آن فلک بحر فضل او را فلک
موصلی نسبتے بہ نیشا پور ۔۔۔ بہ نجوم و اصول آن مشہور
پشت او چون کمان بقبضۂ شیب ۔۔۔ متصل در کمانش سہم الغیب
ہرچہ از آسمان خبر دادی ۔۔۔ تیر حکمش خطا نیفتادے
بود در شہر خادم خواجہ ۔۔۔ در سفرہا ملازم خواجہ
ضعف پیری بر وچو زور آورد ۔۔۔ روے در عالم سرور آورد
خواست روزی ز خواجہ اذن نہاد ۔۔۔ از نشاپور روے در بغداد
خواجہ وقت وداع با او گفت ۔۔۔ کاے دلت گنج رازہای نہفت
کے بود وقت رخت بستن من ۔۔۔ صدف پر گہر شکستن من
گفت چون من روم پس از شش ماہ ۔۔۔ رخت بندی ازین نشیمن گاہ
دستت از کار و بار بستہ شود ۔۔۔ صدف پر گہر شکستہ شود
خواجہ این راز را نگہ میداشت ۔۔۔ چشم بر واصلان رہ میداشت
از نشاپور ہر کرا دیدے ۔۔۔ خبر موصلی بپرسیدے
ہر کہ از صحتش خبر گفتے ۔۔۔ ہمچو گل از نشاط بشگفتے
موصلی را بنامہ کردے یاد ۔۔۔ خاطرش را ز تحفہ کردے شاد

خواجہ نظام الملک کی وفات پر شعرائے کے مرثیے

خواجہ نظام الملک کے قتل کے پینتیس دن بعد (شب جمعہ) پندرھوین شوال کو مطابق ۱۸- نومبر ۴۸۵ھ و ۱۰۹۲ء بمقام بغداد سلطان ملک شاہ نے بھی بعارضہ حمی محرقہ (تپ شدید) انتقال فرمایا- اور خواجہ کا یہ قول صادق آیا کہ "جب میرے سامنے سے دوات اُٹھائی جائیگی تو ملک شاہ کے بھی سر سے تاج اُٹھ جاے گا" چنانچہ امیر معزی[۱] نے اسی مضمون کو ایک رُباعی مین اس طرح پر ادا کیا ہے -

---

بقیہ اشعار متعلق نوٹ صفحہ ۱۹۰-

زین حکایت گذشت سالے چند | بود خواجہ بحالِ خود خرسند
ناگہان قاصدے رسید از راہ | از نشاپور داہل ان ناگاہ
خواجہ احوال موصلی پرسید | گفت مسکین بخواجہ جان بخشید
زان خبر وقت خواجہ درہم شد | دل شاد وش نشانۂ غم شد
سجلے خواست از ستم زدگان | شادمان ساخت جان غمزدگان
وقفہا کرد و وقف نامہ نوشت | تخم چندی ہزار نیکی کشت
کرد ادا آنقدر کہ وامش بود | وام داران شدند ازان خوشنود
بوصایا زبان درازی کرد | بس کسان راکہ کارسازی کرد
شست از کار و بار دنیا دست | دیدہ برراہ انتظار نشست
تا بہ تیغِ جماعتے بیباک | لوح جان شان زحرف ایمان پاک

کرد جا در حظیرۂ شہداء
رَوَّحَ اللّٰہُ رُوْحَہٗ اَبَدًا

سلسلۃ الذہب دفتر سوئم صفحہ ۴۶۰ - [۱] تذکرہ دولت شاہ سمرقندی -

نہ شناخت ملک سعادت اختر خویش	در منقبت وزیرِ خدمت گرِ خویش
بگماشت بلاے تاج بر لشکر خویش	تا در سر تاج کرد، آخر سرِ خویش

ملک شاہ اور نظام الملک کی وفات پر شعراء عجم اور عرب نے بکثرت مرثیے لکھے ہین لیکن بہ نظرِ طوالت ہم صرف ملک الشعراء امیر معزّی اور حکیم انوری اور شبل الدولہ مقاتل بن عطیہ کے مختصر مرثیون پر اس واقعہ کو ختم کرتے ہین۔ اور خواجہ سے رخصت ہوتے ہین۔

مرثیہ امیر معزّی

شغل دولت بخطر شد، کار ملت با خطر[1]	تا تہی شد دولت و ملت ز شاہِ دادگر
مردمان گفتند شو ریدہ ست "شوال" ای عجب	بود از ین معنی، دلِ معنی شناسان را خبر
در یکی مہ شد بفردوس برین دستور پیر	شاہِ برنا از پسِ او رفت در ماہِ دگر
کرد یاری قہر یزدان، عجز سلطان آشکار	قہر یزدانی ببین و عجز سلطانی نگر
خسروا اگر مستی از مستی بہ ہشیاری گرای	ور بخواب خوش دری، از خواب خوش بیدار سر
تا بہ بینی باغ ملت راشدہ، بیرنگ و بوے	تا بہ بینی شاخ دولت راشدہ بے برگ و بر
بر زمین چون حکمران گشتی، گرفتی، کاستی،	بر فلک چون بدر گردد، کاستین گیرد قمر
رفتی و بگذاشتی در دیدہ من اشک خویش	تا چو خوانم مدح تو بر من ہمی بارد، درر
خاطرم نظم فتوحت را گہر در رشتہ کرد	رشتہا بگست داز چشمم برون آمد گہر

[1] تذکرہ مجمع الفصحاء

امیر معزّی کا یہ مرثیہ اگرچہ مختصر ہے۔ مگر چونکہ غم زدہ دل سے نکلا ہے لہذا درد انگیز اور حسرت خیز ہے۔ اور لطف یہ ہے کہ ایک ہی سئے مین شاعر نے دونون کا ماتم کیا ہے۔

حکیم[1] انوری نے بجاے مرثیئے کے ایک رُباعی لکھی ہے۔ مگر وہ بھی سوز و گداز سے خالی نہین ہے۔

حکیم انوری

ان جان جہان زجور افلاک برفت — دُنیا د نظام مُلک، در خاک برفت

ان زہر زمانہ راچو تریاک برفت — او رفت وسعادت ازجہان پاک برفت

شبل الدولہ

(۱)

کان[2] الوزیر نظام الملک لولوۃ — یتیمۃً صاغھا الرحمٰن من شرفِ

عزت فلم تعرف الایام قیمتہا — فردھا غیرۃً منہ الی الصدفِ

---

[1] جامع التواریخ صفحہ ۲۸۵۔ فصل ۱۰۔ مطبوعہ کلکتہ۔ [2] المستطرف فی کل فن مستطرف صفحہ ۲۸۲۔ جلد ۲ مضمون کے لحاظ سے یہ اشعار بھی لاجواب ہین۔ شاعر کہتا ہے کہ خواجہ نظام الملک حقیقت مین ایک دُرِ یکتا تھا۔ ارباب زمانہ اسکی قیمت کا جب صحیح اندازہ نہ کرسکے تو از راہ غیرت یہ انمول موتی پھر صدف کو واپس کر دیا گیا۔

(۲)

وقبرت وجهك وانصرفت مودعا | بابي وامي وجهك المقبور
وارى ديارك بعد وجهك قفرة | والقبر منك مشيد معمور
فالناس كلهم لفقدك ، واحد | في كل بيت رنة وزفير
عجبًا لاربع اذرع في خمسة | في جوفها جبل اشم كبير

له شاعر خواجہ نظام الملک کو مخاطب کرکے کہتا ہے کہ میرے ماں باپ۔ تجھ پر قربان ہوں۔ میں تجھ کو دفن کرکے گورستان سے واپس آگیا ہوں۔ مگر حال یہ ہے کہ تیرے بغیر ساری بستی ویران پڑی ہوئی ہے۔ البتہ قبر تجھسے آباد ہے۔ تیرے انتقال سے ہم سب اکیلے رہ گئے ہیں۔ اور ہر گھر سے گریہ وزاری کی آواز آرہی ہے۔ اور سب سے عجیب بات جو میں دیکھتا ہوں وہ یہ ہے کہ قبر جیسے تنگ مکان میں ایک مرتفع اور طولانی پہاڑ کیونکر سما گیا ہے۔

پہلا حصہ ختم ہوا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دوسرا حصہ

تمہید

تبارک اللہ ! ازاں بادشہ کہ در ملکش | وزیر عقل تصرف نہ کردہ بی تقصیر
زبان او انتواند حساب شکرش را | وگر بہ ہر نفسے صد سخن کند تقریر

خواجہ نظام الملک کی سوانح عمری کا پہلا حصہ ختم ہو چکا۔ یہ حصہ جن معتمد اور مستند تاریخوں سے ماخوذ ہی۔ اسکا صحیح اندازہ حوالہ جات مندرجہ حاشیہ سے ہو سکتا ہی۔ کیونکہ خواجہ کی زندگی کا ہر واقعہ خواہ وہ مجمل ہو یا مفصل، انھی تاریخوں کا ایک جامع انتخاب ہی۔ تاہم اس حصہ میں جن واقعات کی تفصیل ہی وہ عنوان یہ ہیں۔

خواجہ کا خاندان اور وطن۔ عہد طفولیت اور عام ابتدائی حالات۔ تعلیم و تربیت شیوخ و اساتذہ، طالب علمانہ سفر۔ ذاتی فضل و کمال۔ اخلاق و عادات، خانگی زندگی۔ واقعہ قتل کی مفصل تاریخ۔

عنوان مذکورہ بالا میں سے، ہر ایک کے تحت میں جو واقعات تحریر ہیں وہ بھی صفحات

تاریخ میں ''زریں یادگار'' کا درجہ رکھتے ہیں۔ لیکن ان اوراق کو اگر کوئی نکتہ سنج مورخ تنقید کی عینک لگا کر دیکھے تو کہہ سکتا ہے کہ ''یہ تو نظام الملک کے عہد وزارت کی یک رُخی تصویر ہے''۔
لہذا ہمارا فرض ہے کہ ناظرین کو خواجہ کا ایسا مرقع دکھائیں جسمیں اس مقدس صورت کا ایک ایک خال و خط نمایاں ہو اور اصلی تصویر کا جلوہ آنکھوں میں پھر جائے''۔
وزراء اسلام کی فہرست (طبقہ سلاطین عجم) میں خواجہ نظام الملک کا نام واضع قانون سلطنت کے لحاظ سے سرے پر ہے۔ اور اس حیثیت سے کہ جس درجہ کا وہ قانون داں ہے، ویسا ہی مُدبّر اعظم بھی ہے۔ اپنے طبقہ میں صدر نشینی کا امتیاز رکھتا ہے۔
خواجہ نظام الملک نے جس طرح دنیا میں، اپنی قلمی فتوحات کی ایک زندہ اور محسوس یادگار چھوڑی ہے۔ اسی طرح میدان کارزار میں بھی اُس کی تلوار کے جوہر نمایاں ہوئے ہیں۔ اور مفتوحہ مقامات پر نظام الملکی پھریرہ آج تک اُڑ رہا ہے۔ اور انصاف یہ ہے کہ یہی وہ لوگ ہیں جنھوں نے ''السّیف والقلم توامان'' کی ضرب المثل کو حیات جاوید بخشی ہے۔
ان خوبیوں کے علاوہ علوم وفنون کی اشاعت میں، جس فیاضی، دریا دلی، اور بلند ہمتی سے خواجہ نظام الملک نے کام لیا ہے وہ بھی اُسکا خاص حصہ ہے۔ بلکہ بعض اُمور (صیغہ تعلیمات) میں تو اولیت کا تاج اسکے سر ہے۔
اسی طرح نظارت نافعہ (صیغہ پبلک ورکس) میں بھی خواجہ نے کارہائے نمایاں کیئے ہیں۔ مگر افسوس ہے کہ اُس کی بنائی ہوئی شاندار اور سر بفلک عمارتوں میں سے آج

کسی ایک کی بھی عکسی تصویر ہم پیش نہیں کر سکتے ہیں۔ البتہ عراق عرب وغیرہ کا ویرانہ اپنے دامن میں ٹوٹی پھوٹی اینٹوں کو امانت کی طرح اسوقت تک چھپائے ہوئے ہی۔ اور ارباب بصیرت کے کانوں میں ان کھنڈرات سے یہ صدا آتی ہی۔

کہاں ہیں؟ وہ اہرام مصری کے بانی	کہاں ہیں؟ وہ گردانِ زابلستانی
گئے پیشدادی کدھر، اور کیانی	مٹا کر رہی سب کو دنیائے فانی
لگاؤ کہیں کھوج کلدانیوں کا	
بتاؤ نشاں کوئی ساسانیوں کا	

علی ہذالقیاس خواجہ نظام الملک کے اور بھی کارنامے ہیں، جو اس حصہ میں دکھائے جائینگے حصہ اول[ل۵] میں یہ لکھا جاچکا ہی کہ خواجہ کی وزارت سولھویں[۱۶] ذی الحجہ ۴۵۶ھ/۱۰۶۴ء سے شروع ہوئی اور بارہویں[۱۲] رمضان ۴۸۵ھ/۱۰۹۲ء کو ختم ہوگئی۔ اس حساب سے ایام وزارت کے تخمیناً اُنتیس[۲۹] سال ہوتے ہیں۔ وقائع نگار کی حیثیت سے فرض ہی کہ کم وبیش ہر سال کے واقعات پر تبصرہ لکھا جائے۔ لیکن ترتیب سنین واقعات لکھنے میں بہت سے مشکلات کا سامنا تھا۔ لہٰذا قدیم مورخوں کی تقلید چھوڑ کر یہ طریقہ اختیار کیا گیا ہی کہ ہر مہتم بالشان واقعہ ایک خاص عنوان سے لکھا گیا ہی۔ عام اس سے کہ اسکا تعلق عہد الپ ارسلان سے ہو یا ملک شاہ سے؟

ل۵ ۱۲- ذی الحجہ ۴۵۶ھ/۱۰۶۴ء لغایت ۷- ربیع الاول ۴۶۵ھ/۱۰۷۲ء عہد الپ ارسلان- اور ۷- ربیع الاول ۴۶۵ھ/۱۰۷۲ء لغایت ۱۲- رمضان ۴۸۵ھ/۱۰۹۲ء عہد ملک شاہ میں خواجہ وزیر رہا- اس حساب سے مجموعی تعداد ایام وزارت کی اٹھائیس[۲۸] برس- سات مہینے اور پچیس[۲۵] دن ہوتے ہیں-

مورخین کے نزدیک خواجہ نظام الملک سے جو سب سے بڑی خدمت دولت سلجوقیہ کی ہوئی ہی۔ وہ قوانین ملکی کا وضع کرنا ہی جس کی نسبت ملک شاہ کا یہ فخریہ دعوی تھا کہ "آیندہ یہی میرا دستور العمل ہوگا"[1]

بلحاظ تقسیم خدمات ملکی اگرچہ یہ قانون خواجہ کی سب سے اخیر کارگزاری ہی مگر چونکہ اُمور وزارت میں یہ کام سب سے زیادہ قابل قدر اور لائق تحسین ہی لہذا سب سے پہلے قانون سلطنت پیش کیا جاتا ہی۔

اس عہد میں نوع انسان نے فضائل وکمالات اور تمدن ومعاشرت میں چونکہ غیر متناہی درجات تک ترقی کرلی ہی۔ لہذا اُسی پیمانے پر قانون سلطنت بھی وضع کیا گیا ہی۔ اور علوم وفنون کی فہرست میں قانون بھی مستقل علم کی حیثیت سے داخل ہی۔ چنانچہ عہد قدیم سے اب تک آہستہ آہستہ مدبران مشرق ومغرب نے قوانین پر جسقدر اضافہ کیا ہی۔ اُس کی تشریح جب ہی ہوسکتی ہی کہ قانون کی تاریخ لکھی جاے۔ لیکن روزمرہ کا مشاہدہ اور تجربہ بتاتا ہی کہ سلطنت کا کوئی صیغہ ایسا نہیں ہی۔ جو قانون کی حکومت سے آزاد ہو۔ چنانچہ ایسی ترقی کے دور میں تعلیم یافتہ گروہ کی نظروں میں خواجہ نظام الملک کے قانون سلطنت کی کیا عظمت ہوگی۔ مگر نہیں! پڑھتے وقت اُنکو یہ خیال کرنا چاہیئے کہ یہ تحریر آج سے آٹھ سو چالیس برس قبل کی ہی۔ اور حکومت اسلام کا زمانہ ہی۔ مذہب کا عمل دخل ہی۔ طرز زندگی

---

[1] خواجہ نظام الملک نے ۴۸۴ھ/۱۰۹۱ع میں یہ قانون مرتب کرکے ملک شاہ کے حضور میں پیش کیا تھا جسکا نام سیر الملوک (سیاست نامہ) تھا۔ اُسوقت ہندوستان میں سلطان مسعود ثانی بن ابراہیم بن مسعود بن محمود غزنوی کی حکومت تھی اور انگلستان میں ولیم ثانی ملقب بہ روفس حکومت کر رہا تھا۔ تاریخی حیثیت سے ناظرین اب خود مقابلہ کریں۔

بالکل سادہ ہی۔ اور شریعت کے مطابق ہر مقدمہ کا فیصلہ ہوتا ہی۔ باوجود اسکے یہ قوانین زمانہ موجودہ کے اُصول حکمرانی سے کس درجہ مطابق ہیں۔ اگر جزئیات سے قطع نظر کیجائے تو کلیات میں برائے نام اختلاف رہجاتا ہی اور بالآخر یہ نتیجہ نکلتا ہی کہ زمانہ حال کا قانون اور ضابطہ، سلاطین سابق کے قوانین کا خوشہ چین ہی۔ اور یہ ایک ایسا دعویٰ ہی کہ جسکے لیے کسی مثال کی ضرورت نہیں ہی۔

آب ناظرین بنظر غور وتعمق خواجہ نظام الملک کے قانون سلطنت کو ملاحظہ فرمائیں خاتمہ پر ہم بھی ایک مختصر تبصرہ (ریویو) لکھینگے۔ وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللهِ وَهُوَ نِعْمَ الْمَوْلَىٰ وَنِعْمَ النَّصِيرُ۔

خواجہ نظام الملک کا قانون سلطنت

بادشاہ اور رعایا کے فرائض

۱ (عادت الٰہی یوں ہی جاری ہی) کہ وہ ہر زمانہ میں اپنے بندوں میں سے ایک شخص کو انتخاب کرلیتا ہی، پھر شاہانہ فنون سے آراستہ کرکے اپنی مخلوقات کا انتظام اُسکے سپرد کردیتا ہی، جس سے فتنہ وفساد کے دروازے بند ہوجاتے ہیں اور بادشاہ کی ہیبت و حشمت کا سب کے دلوں میں سکہ بٹھا دیتا ہی۔ تاکہ اُسکے عہد دولت میں خدا کی مخلوق چین سے زندگی بسر کرے، اور بے کھٹکے ہوکر بادشاہ کے دوام سلطنت کی دعا مانگتی رہے

۲ جب لوگ شریعت کی پابندی چھوڑ کر دین ومذہب کا خاکہ اُڑانے لگتے ہیں، اور خدا کے احکام کی تعمیل نہیں کرتے ہیں اُسوقت وہ اُنکے اعمال کی سزا دینا چاہتا ہی۔ اور بجائے عادل اور مہربان بادشاہ کے ظالم حکمراں مسلط کرتا ہی۔ اس دورِ انقلاب میں خون کی ندیاں بہ جاتی ہیں، اور گناہگار اپنی کرتوتوں کی سزا پاتے ہیں۔ اس کی مثال بعینہ ایسی ہی کہ

لہ سیاست نامہ فصل اول صفحہ ۵ و ۶۔ مطبوعہ پیرس دارالسلطنت فرانس مرتبہ پروفیسر شفر مدیر مدرسۃ السنہ شرقیہ پیرس

جب کسی نیستاں میں آگ لگتی ہے تو اول وہ خشک چیزوں کو جلاتی ہے پھر ہمسائیگی کے طفیل میں تر و تازہ چیزیں بھی جلکر راکھ ہو جاتی ہیں "۔

۳ جب خدا اپنی مہربانی سے کسی کو صاحب تاج و تخت کرتا ہے تو اُسکے اقبال کے اندازے پر علم و عقل بھی مرحمت فرماتا ہے۔ اور صرف یہی دو چیزیں ہیں کہ جنسے رعایا پر (بلحاظ کمی و بیشی مراتب) حکومت کیجاتی ہے۔

۴ بادشاہ کا فرض ہے کہ وہ اپنی رعایا کو جانے پہچانے اور اُس کی قدر و مرتبہ کے مطابق درجہ و منصب عطا کرکے دین و دنیا کے کاموں میں اُنپر بھروسہ کرے۔

۵ جب رعایا بادشاہ وقت کی اطاعت اور اپنے فرائض پورے طور سے ادا کرتی ہے تو خدا کی طرف سے بھی اُسکو امن و چین کی زندگی ملتی ہے۔ ایسے عہد سعادت میں اگر قائم مقامان سلطنت سے ناشائستہ افعال سرزد ہوں، یا وہ ملک پر دست درازی کریں تو پہلے اُنکو تادیب و نصیحت سے سمجھانا چاہیے۔ اگر وہ غفلت کی نیند سے جاگ اُٹھیں تو اپنے عہدوں پر قائم رکھے جائیں اور اگر اگلے رنگ میں ڈوبے رہیں، تو بلا تامل وہ شخص مقرر کر دیا جائے جو اُس خدمت کی صلاحیت رکھتا ہو۔

۶ رعایا میں جو لوگ حقوق نعمت کو نہ پہچانیں، اور پُر امن زمانہ کی قدر نہ کریں، بلکہ بدنیتی سے سرکشی پر آمادہ ہوں تو اُنکو سزا دیجائے لیکن سزا کا پیمانہ جُرم کے مطابق رہے

۷ جن بادشاہوں نے نہریں جاری کیں، تالاب کھُدوائے، دریاؤں پر پل باندھے شہر، گاؤں، پُروے آباد کیئے، نئے قلعے بنائے، یا عام راستوں پر مسافرخانے جاری کیئے

اُنکا نام ہمیشہ زندہ رہیگا اور وہ آخرت میں بھی ان نیکیوں کا صلہ پائینگے۔

(۲) بادشاہ کا برتاو رعایا سے اور ہر کام کا باقاعدہ انجام دینا

آسمان ہمیشہ نئے رنگ لایا کرتا ہی اور سلطنت کو ایک خاندان سے دوسرے میں منتقل کر دیتا ہی۔ اس دور انقلاب میں شریف پامال اور مفسد طاقتور ہو جاتے ہیں۔ اور جو چاہتے ہیں کر گزرتے ہیں۔ امارت کا درجہ برائے نام رہجاتا ہی، کیونکہ ہر فرومایہ چاہتا ہی کہ میں بادشاہ اور وزیر کا لقب اختیار کروں۔ اور اسکا کچھ خیال نہیں ہوتا ہی کہ ہم اسکے مستحق بھی ہیں یا نہیں۔ جب ایسا ہنگامہ ہوتا ہی تو سلطنت اور شریعت میں ضعف آجاتا ہی اور مدتوں نظام سلطنت درہم برہم رہتا ہی۔ لیکن پھر خدا کی مہربانی سے وہ ناگوار زمانہ گزرجاتا ہی۔ اور کوئی عاقل و عادل بادشاہ تخت نشین ہوتا ہی اور وہ اپنی عقل سے ہر چیز میں تمیز کرتا ہی۔

ہمیشہ وہی بادشاہ کامیاب ہوئے ہیں جنھوں نے حکمرانی میں اُصول سلطنت اور قوانین مملکت کو ہات سے نہیں چھوڑا ہی۔ دشمنوں کو مقہور کرنا سلطنت کے جمع خرچ کو دیکھنا اور بدعت کا دور کرنا بادشاہ کا کام ہی۔ بادشاہوں کو اسپر بھی ہمیشہ توجہ رہی ہی کہ قدیم خاندان اور شاہی نسلیں امیرانہ ٹھاٹھ سے زندگی بسر کریں اور جب تک وہ زندہ رہیں اُنکے وظائف بند نہوں مستحقین کو بیت المال[۲] سے انکا حصہ برابر پہنچتا رہے تاکہ یہ لوگ دعاے خیر سے یاد کریں۔

---

[۱] فصل ۴۔ صفحہ ۱۲۰۔ [۲] بیت المال (پبلک ٹرژری) خزانہ۔ کا نام ہی۔ یہ صیغہ بھی فاروق اعظم کی ذات سے وجود میں آیا۔ اس خزانہ میں وہ رقومات اور اشیا داخل ہوتی تھیں جنکے مسلمان مستحق ہوں اور اسکا کوئی خاص مالک متعین نہو اسی طرح اس خزانے سے خرچ بھی ہوتا تھا جو مسلمانوں کی ضروریات سے متعلق ہو۔

مثال چند لوگوں نے جو معزز خاندان سے تھے ہرون الرشید کو یہ درخواست دی کہ ہم آپکی رعایا ہیں ہم میں سے بعض عالم اور حافظ ہیں اور بعض وہ ہیں جنکے بزرگوں کا اس سلطنت پر حق ہی اور ہمارا حصہ بیت المال میں بہت کچھ ہی۔ مگر ہم دیکھتے ہیں کہ خلیفہ کی ذاتی خواہشوں میں سارا خزانہ لٹ رہا ہی، اور ہم لوگ روٹیوں سے محتاج ہو رہے ہیں۔ اگر بیت المال سے ہمارا حصّہ

لہ یہ خلیفہ مہدی کا چھوٹا بیٹا تھا۔ پورا نام الرشید ہرون ابو جعفر ہی۔ اخیر ذی الحجہ ۱۴۵ھ (۷۶۲ع) میں بمقام رے پیدا ہوا۔ اسکی ماں کا نام خیرزان تھا۔ ابو جعفر منصور (دادا) اور مہدی نے اپنے خوش نصیب بیٹے کی تعلیم و تربیت میں خاص انتظام کیا تھا چنانچہ کوئی فن ایسا نہ تھا کہ جسمیں ہرون الرشید کو مجتہدانہ کمال حاصل نہ ہو۔ ۲۲ برس کی عمر میں بمقام عیسیٰ آباد اپنے بڑے بھائی خلیفہ ہادی کے انتقال کے بعد شنبہ کی رات سولھویں تاریخ ربیع الاول ۱۷۰ھ (۷۸۶ع) میں بڑے شان و شکوہ سے تخت نشین ہوا اس عہد میں سلطنت عباسیہ کمال عروج پر تھی۔ رقبہ حکومت کی حد ہندوستان اور تاتار سے بحر اوقیانوس تک تھی۔ اور سوائے اسپین کے کل اسلامی دنیا تابع فرمان تھی یورپ جسپر ناز کر سکتا تھا وہ صرف روم و یونان کا ملک تھا اور یہ دونوں ہرون الرشید کے باجگزار تھے۔ سالانہ خراج (آسان بندوبست کے مطابق) آجکل کے حساب سے کتیس کرور پچاس لاکھ روپیہ تھا۔ فوج کی تعداد قریباً دو لاکھ سوار و پیادہ کی تھی۔ اور وقت ضرورت کے دوسری قسم کی فوج متطوعہ (والنٹیر) بھی تھی۔ ملکی فتوحات سے زیادہ اس عہد میں علمی فتوحات ہوئیں۔ اس زمانہ پر مسلمان جسقدر فخر کریں وہ کم ہی۔ امام مالکؒ امام موسیٰ کاظمؒ قاضی ابو یوسفؒ امام محمدؒ، عبد اللہ بن مبارکؒ، عباس بن احنف شاعر، فضیل بن عیاضؒ، ابن سماکؒ، سیبویہ، کسائیؒ، یونس بن حبیب نحوی جیسے فخر روزگار مشاہیر اسی عہد میں تھے اس تاجدار خلیفہ میں درحقیقت وہ تمام خصلتیں جمع تھیں۔ جو ایک پاکباز اور دیندار مسلمان بادشاہ میں ہونا چاہئیں۔ جاحظ کا قول ہی کہ جیسے ارباب کمال ہرون کو میسر ہوئے وہ دوسرے خلیفہ کو نہیں ملے۔ کیونکہ وزارت میں برامکہ، عہدۂ قضا پر امام ابو یوسفؒ شاعروں میں مروان بن ابی حفصہ، ندیموں میں عباس بن محمد عباسی، حاجبوں میں فضل بن الربیع مغنیوں میں ابراہیم الموصلی۔ اسکے عہد کا سب سے اہم تاریخی واقعہ خاندان برامکہ (یحییٰ، فضل، جعفر برمکی وزرا سلطنت) کی تباہی ہی تفصیل کے لیے دیکھو ہماری کتاب البرامکہ مطبوعہ ۱۸۹۶ع نامی پریس کانپور) تئیس (۲۳) برس دو مہینے اٹھارہ دن حکمرانی کرکے ۴۷ برس ۵ مہینے کی عمر میں ۳ جمادی الاخری ۱۹۳ھ (۸۰۸ع) میں بمقام طوس انتقال کیا اور وہیں دفن ہوا۔ باوجود فیاضی کے انتقال کیوقت خزانہ عامرہ میں اٹھارہ ارب نقد روپیہ چھوڑا۔ مکمل سوانح عمری کے لیئے ناظرین کو ہماری کتاب "رشید اعظم" کا منتظر رہنا چاہیئے جسکی اشاعت کا انشاء اللہ تعالیٰ جلد انتظام کیا جائیگا۔ اور بعض ہرون الرشید و مامون الرشید کے صحیح مرقعے ہونگے۔ جو خوش قسمتی سے ملگئے ہیں

نہ دلایا جائیگا تو ہم خدا سے فریاد کرینگے۔ کہ وہ ایسا خلیفہ مقرر کرے جو مسلمانوں پر مہربان ہو"

یہ درخواست پڑھکر خلیفہ بہت ہی متأثر ہوا۔ جب محلسرا میں پہنچا تو زبیدہ خاتون نے افسردہ خاطر دیکھکر پوچھا کہ خیر تو ہی؟ خلیفہ نے واقعہ بیان کیا تو خاتون نے کہا کہ " امیرالمومنین کو اس مسئلہ میں وہی کرنا چاہیئے جو اگلے خلفائے کیا ہی۔ اور اس میں کوئی شک نہیں ہی کہ بیت المال مسلمانوں کی ملکیت ہی۔ اور آپ اُس میں سے بہت زیادہ خرچ کرتے ہیں اُن کی شکایت حق بجانب ہی"

اتفاقاً دونوں نے یہ خواب دیکھا کہ وُہ میدان قیامت میں کھڑے ہیں۔ اور ہر ایک شخص حساب کے بعد (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت پر) داخل بہشت ہو رہا ہی لیکن ہماری نسبت رسول اللہ صلعم نے فرشتوں کو حکم دیا ہی کہ یہ پیش نہ کیئے جائیں۔ کیونکہ انکے سبب سے مجھے خدا کے حضور میں شرمندہ ہونا پڑیگا۔ اور میں انکی شفاعت نکرونگا۔ کیونکہ انھوں نے مسلمانوں کے مال کو اپنا سمجھ رکھا ہی اور مستحقین کو محروم کردیا ہے"۔ چنانچہ یہ ہولناک خواب دیکھکر دونوں جاگ اُٹھے، اور خدا کا شکر کیا۔ اور دوسرے دن بیت المال سے مستحقین کو ہزارہا درہم و دنیار تقسیم کیئے۔ اور زبیدہ[1] نے

---

[1] امۃ العزیز ملقب بہ زبیدہ (بنت جعفر بن منصور عباسی) ہرون الرشید کی سب سے ممتاز اور پیاری بی بی کا نام ہی۔ اس خلیفہ کے چھ نکاح ہوے تھے، مگر شرافت نسب اور دیگر خصوصیات کی وجہ سے کوئی بیگم زبیدہ کے ہم پلہ نہ تھی۔ کیونکہ زبیدہ کا چچا مہدی خلیفہ تھا، باپ کو اگرچہ خلافت میسر نہیں ہوئی مگر ابن خلیفہ ہونے سے کسکو انکار ہوسکتا ہی۔ جسکے ساتھ عقد ہوا وہ خلفاء عباسیہ میں واسطۃ الخلفاء کے لقب سے ممتاز ہی۔ اور خود اسکا لخت جگر امین الرشید بھی خلیفہ ہوا۔ شمس العلماء شبلی نعمانی المامون میں تحریر فرماتے ہیں کہ "زبیدہ خاتون کی ایجاد پسند طبیعت نے زیب و زینت کے متن پر بہت سے حاشیے اضافہ کیئے جو نہایت ذوق و مسرت سے قبول کیے گئے اور تمام اُمراء و عمائد میں رواج پاگئے۔ عنبر کی شمعیں اور جواہر کی مرصع جوتیاں اسی کی ایجادات سے ہی۔ چاندی، آبنوس، صندل کے قُبّے اول اُسی نے طیار کرائے اور اُنکو دیبا و سمور اور مختلف رنگ کے

اپنے ذاتی مال سے ہزارہا دینار صدقہ کیے۔ اور کوفہ اور مکہ معظمہ کے راستہ میں پختہ چاہات اور سرحدوں پر مستحکم قلعے بنائے اور مذہبی لڑائیوں کے لئے اسلحہ اور گھوڑے خرید کیے اور ان مصارف کے واسطے جاگیریں وقف کردیں۔ اور پھر بھی جو روپیہ بچ رہا اُس سے کاشغر کی سرحد پر شہر بدخشاں و تبریز آباد کیا۔ علاوہ اسکے خوارزم، اور اسکندریہ کی حدود میں مستحکم قلعے اور جابجا مسافرخانے بنائے۔ اور ایک کثیر رقم مجاورانِ مدینہ منوّرہ اور بیت المقدس پر تقسیم کی گئی۔

شاہان بیدار کی یہ حالت رہی ہے کہ دیرینہ سال اور فوجی تجربہ کاروں کی عزت کیا کرتے تھے۔ اور ہر ایک کا درجہ و مرتبہ خاص تھا۔ اور جب کوئی مہم پیش آتی تو انھیں سے مشورہ کیا کرتے تھے۔ لڑائی کے موقع پر ہمیشہ وہی لوگ بھیجے جاتے جو آزمودہ کار ہوتے تھے لیکن اسپر بھی یہ خاص احتیاط کیجاتی تھی کہ ایک دیرینہ سال ضرور ہمراہ کردیا جاتا تھا جو ہر موقع پر لغزشوں سے بچاتا رہتا تھا۔

بقیہ نوٹ صفحہ ۲۰۴۔ حریر سے آراستہ کیا۔ کپڑوں کی ساخت میں یہ ترقی ہوئی کہ زبیدہ کے استعمال کے لیے ایک ایک تھان پچاس ہزار اشرفی کی قیمت کا طیّار ہوا۔" عیش و طرب کا تو یہ رنگ تھا جو تم پڑھ چکے ہو۔ اب مذہبی رنگ میں زبیدہ کو دیکھو تو وہ اپنے زمانہ کی رابعہ بصری معلوم ہوگی۔ کیونکہ اسکے محل میں ایک سو کنیزیں حافظ قرآن تھیں جنمیں سے ہر ایک کو صرف ۱۰ پارے سنانا پڑتے تھے۔ تلاوت قرآن کے وقت قصر زبیدہ میں یہ معلوم ہوتا تھا کہ گویا شہد کی مکھیاں گُن گُنا رہی ہیں (وکان یسمع فی قصرھا کدوی النحل من قراءۃ القرآن) ابن جوزی کی روایت ہے کہ شہر مکہ میں پانی کا کال رہتا تھا اور حج کے زمانہ میں ایک مشک پانچ روپیے میں آتی تھی۔ لیکن زبیدہ نے سب سے پہلے ۸۵ لاکھ روپیہ صرف کرکے ۱۲ میل کے فاصلے سے ارض حجاز میں ایک نہر جاری کی جسکے فیض سے ہر گھر میں چشمے بہنے لگے۔ اس نہر کا نام عَیْنُ المُشَاش تھا (اب نہر زبیدہ کے نام مشہور ہے اور جسکی مرمت کے لیے امسال چندہ ہو رہا ہے) زبیدہ کی ۱۶۵ھ ۷۸۱ء میں شادی ہوئی تھی۔ ۲۸ برس تک بلند اقبال شوہر کا ساتھ رہا ۱۹۳ھ ۸۰۸ء میں بیوہ ہوئی۔ اور بمقام بغداد بروز شنبہ بماہ جمادی الاولی ۲۱۵ھ ۸۳۰ء میں انتقال کیا۔ انتخاب از کتاب الدر المنثور فی طبقات ربات الخدور مصنفہ سیدہ زینب مصری و شریشی شرح مقامات حریری۔ ابن خلکان صفحہ ۱۸۹۔ جلد اول۔

(۳) بادشاہوں کو خدا کی نعمت کا قدر شناس ہونا چاہیئے

بادشاہوں کو خدا کی رضامندی حاصل کرنا چاہیئے۔ مگر یہ رضامندی جب ہی ہوسکتی ہے کہ بندگان خدا پر عدل[1] واحسان کیا جائے۔ عدل کا ثمرہ بادشاہ کو یہ ملتا ہے کہ رعایا ٹھنڈے دل سے دعائیں مانگتی ہے، جس سے سلطنت مستحکم اور ملک میں اضافہ ہوتا ہے۔ اور دین و دنیا کی نیکنامی حاصل ہوتی ہے۔ اور آخرت کا حساب ہلکا ہوجاتا ہے۔ چنانچہ مشہور قول ہے کہ الملک یبقی مع الکفر و لا یبقی مع الظلم یعنی سلطنت کفر سے تو باقی رہجاتی ہے مگر ظلم وستم سے نہیں رہتی۔

(۱) حضرت یوسف علیہ السلام نے انتقال کے وقت وصیت فرمائی تھی کہ مجھے دادا ابراہیم علیہ السلام کے پہلو میں دفن کرنا۔ چنانچہ جب تابوت حظیرہ ابراہیمی کے قریب پہنچا۔ اسوقت حکم الہی نازل ہوا کہ "یہ جگہ یوسف کے واسطے نہیں ہے۔ کیونکہ انھوں نے سلطنت کی ہے۔ جسکی جوابدہی ہنوز باقی ہے" مقام غور ہے کہ جب حضرت یوسف علیہ السلام کا یہ حال ہو تو پھر بادشاہ کس گنتی میں ہیں۔

(۲) احادیث سے ثابت ہے کہ جو صاحب تاج وتخت ہیں یا کیسی قسم کی حکومت رکھتے ہیں (مثلاً بزرگ خاندان جنکو اپنے گھر پر حکومت حاصل ہے) اُنسے قیامت کے دن سب سے پہلے ہی پرسش ہوگی

---

[1] فصل دوم صفحہ ۹ دوسیاست نامہ ۵۲ قرآن مجید میں متعدد مقامات پر عدل کی تاکید ہے چنانچہ ارشاد ہوتا ہے وَإِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ أَنْ تَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ (اور جب لوگوں کے جھگڑے فیصل کرنے لگو تو انصاف کے ساتھ فیصلہ کرو) دوسرا حکم ہے إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ۔ اور ارشاد نبوی یہ ہے۔ كُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ۔ عَدْلُ سَاعَةٍ خَيْرٌ مِنْ عِبَادَةِ سَبْعِيْنَ سَنَةً یعنی ہر شخص نگہبان ہے اور قیامت کے دن اُسکو اپنی رعیت کی جوابدہی کرنا پڑیگی۔ اور ایک ساعت کا انصاف ستر برس کی عبادت سے بہتر ہے۔ اور اس فضیلت کا سبب یہ ہے کہ عبادت کا نتیجہ عابد کی ذات تک محدود ہوتا ہے۔ اور عدل کا فائدہ تمام مخلوق کو پہنچتا ہے۔ اور حکما کے نزدیک بھی عادل ہونا انسان کی سب سے بڑی صفت ہے۔"

حتیٰ کہ چرواہے کو اپنی بکریوں کے ریوڑ کی جوابدہی کرنا پڑیگی۔

اے میرے شہنشاہ (خطاب از ملک شاہ) خوب سمجھ لیجیے! کہ قیامت کے دن تمام حکمرانوں سے انکی رعایا کے متعلق سوال ہوگا۔ اور یہ عذر کسی کا نہ سُنا جائیگا کہ یہ کام فلاں شخص کے سپرد تھا۔ پس جبکہ یہ حال ہی تو بادشاہ کو اپنی ذمہ داریوں اور حقوق رعایا سے غافل نہونا چاہیئے"

(۴) عدل و انصاف

کم سے[1] کم یہ تو ضرور ہی کہ ہفتہ میں دو دن تصفیۂ مقدمات کے لیئے بادشاہ خود اجلاس کرے اور رعایا کی شکایتوں کو بلا واسطہ سُنکر ہر معاملہ میں حکم صادر کرے، اور جب یہ خبر ملک میں پھیل جائیگی کہ بادشاہ عدالت میں بیٹھکر ہفتہ میں دو دن مظلوم اور فریادیوں کو اپنے سامنے بلاکر ان کے حالات سُنتا ہی، تو ظالموں کو خود ہی خوف اور سزا کا کھٹکا ہوگا۔ اور ستم آزاری گھٹ جائیگی۔ چنانچہ میں نے کتب قدیمہ میں پڑھا ہی۔

(۱) کہ قدیم شاہان عجم کا دستور تھا کہ وہ گھوڑے پر سوار ہوکر جنگل کے کسی اُونچے ٹیکرے پر کھڑے ہوتے تھے، تاکہ تمام دادخواہوں کو اپنی آنکھ سے دیکھکر اُن کی دادرسی کریں۔ اور یہ طریقہ اس لیے اختیار کیا تھا کہ بادشاہ قلعوں میں رہتے ہیں اور وہاں تک پہنچنے میں کتنے ہی حجاب کے پردے طے کرنے پڑتے ہیں، اور حاجب و دربان بھی مظلوم کو بادشاہ تک نہیں پہنچنے دیتے ہیں۔

(۲) ایک بادشاہ کچھ اونچا سُنتا تھا۔ اُسنے خیال کیا کہ مترجم فریادیوں کی شکائتیں صحیح طور پر

[1] فصل سوم صفحہ ۱۰۔

مجھسے نہیں بیان کرتے ہیں، اسلیے میرا حکم بھی ٹھیک نہ ہوتا ہوگا۔ چنانچہ اُسنے عام حکم جاری کردیا کہ ستم رسیدوں کے سوا کوئی سُرخ لباس نہ پہنے۔ تاکہ مجھے شناخت کرنے میں دقت نہو۔" یہ بادشاہ ہاتھی پر سوار ہوکر جنگل میں کھڑا ہوجاتا تھا۔ اور جن لوگوں کو سرخ کپڑے پہنے دیکھتا۔ اُن سب کو پہلے ایک جگہ جمع کرتا، پھر تخلیہ میں ایک ایک کا حال پوچھتا اور وہ چلّا چلّا کر اپنا حال کہتے تھے۔ اور بامراد دعائیں دیتے ہوئے واپس جاتے تھے۔

شاہان سامانیہ میں سمعیل[۱] بن احمد ملقب بہ امیر عادل بڑا منصف، نیک سیرت، پاک مذہب اور غریب نواز بادشاہ گزرا ہی جسکے واقعات زندگی مشہور ہیں۔

اس امیر کا دارالسلطنت بخارا تھا اور خراسان، عراق اور ماوراءالنہر اسکے بزرگوں کے علاقے تھے۔ چنانچہ سیستان سے یعقوب[۲] بن لیث نے خروج کیا۔ اور تمام سیستان پر قبضہ کرلیا۔ چونکہ داعیان مذہب اسماعیلیہ کا یعقوب پر جادو چل چکا تھا۔ لہذا خلفاء بغداد سے اُسکو بداعتقادی پیدا ہوئی۔ اور دارالخلافہ پر حملہ کرکے حضرت عباسؓ کے خاندان کو مٹانا چاہا۔ جب یعقوب کے

---

[۱] سمعیل بن احمد ملقب بہ امیر عادل، آل سامان میں پہلا بادشاہ ہوا ہی۔ اسکا سلسلہ نسب بہرام چوبین پر ختم ہوتا ہی آٹھ برس دو مہینے حکومت کرکے ۲۹۵ھ (۹۰۷ء) میں فوت ہوا۔ اس بادشاہ کا عاقل، عادل، حلیم ہونا مشہور ہی اور اس کی سوانح عمری نہایت دلچسپ ہی۔ از نگارستان، و تاریخ الدول سید احمد دحلان۔ [۲] "یعقوب"۔ شاہان صفاریہ میں صرف تین حکمراں ہوے ہیں اول لیث[۱] دوسرا یعقوب[۲] تیسرا عمرو[۳]۔ خراسان، سیستان، مازندران، فارس، خوزستان، کرمان میں ان کی حکومت تھی ۲۵۶ھ (۸۶۸ء) لغایت ۲۸۹ھ (۹۰۱ء) حکومت رہی۔ یعقوب بن لیث ابتدا میں محنت مزدوری کیا کرتا تھا۔ مگر اپنی بہادری سے پھر لٹیروں کا سردار بنگیا۔ اور جب فوجی قوت اعلیٰ درجے کی ہوگئی تو محمد بن طاہر گورنر خراسان پر فوج کشی کردی۔ اور اس کو ۲۵۹ھ (۸۷۲ء) میں شکست دیکر قید کرلیا اور خود حاکم بنگیا۔ خلیفہ معتمد باللہ کو یہ امر نہایت ناگوار معلوم ہوا۔ مگر ایک لڑائی کے بعد مجبوراً صلح پر آمادہ ہوا۔ بقیہ حالات اُس واقعہ میں تحریر ہیں۔ یعقوب نہایت بہادر اور مستقل مزاج سپاہی تھا۔ ۲۶۵ھ (۸۷۸ء) میں فوت ہوا۔

ارادے سے خلیفہ کو خبر ہوئی تو اُسنے سفارت روانہ کی اور پیام بھیجا۔ کہ "تمکو بغداد سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ بلکہ تمھارے لیے یہی بہتر ہے کہ کوہستان، عراق اور خراسان پر قبضہ رکھو۔ اور اُسکا انتظام کرتے رہو۔ تاکہ دل میں دوسرے خیالات ہی نہ پیدا ہوں"۔ لیکن یعقوب نے کہلا بھیجا کہ "میری تو یہ آرزو ہے کہ حاضر دربار ہو کر شرائط خدمت بجالاؤں۔ اور تجدید بیعت کروں۔ اور جب تک یہ تمنا پوری نہوگی واپس نہ ہونگا"۔ چنانچہ بارگاہِ خلافت سے بار بار قاصد روانہ ہوئے مگر ہر بار ایک ہی جواب لائے۔ اور آخر الامر یعقوب نے بغداد کی طرف کوچ کردیا۔ اس اطلاع سے خلیفہ کو بدگمانی ہوئی اور ارکان دولت کو جمع کرکے کہا کہ "مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یعقوب باغی ہوگیا ہے۔ اور نیت مجرمانہ سے ادہر آرہا ہے۔ کیونکہ مینے حاضری کی اجازت نہیں دی ہے۔ میں حکم دیتا ہوں کہ لوٹ جاؤ مگر وہ نہیں پلٹتا ہے۔ بہرحال بدنیتی معلوم ہوتی ہے۔ اور میں خیال کرتا ہوں کہ وہ مذہب باطنیہ میں داخل ہوگیا ہے۔ لیکن جب تک وہ بغداد میں پہنچ نجائیگا اسکا اظہار نہ کریگا۔ اس لیے اب ہمکو ہوشیار ہونا چاہیے اور تمھارے نزدیک جو تدابیر مناسب ہوں بیان کرو"۔ چنانچہ بالاتفاق طے پایا کہ خلیفہ کو شہر چھوڑکر جنگل میں ڈیرے ڈالنا چاہیئے۔ اور اعیان دولت بھی ہمراہ ہوں۔ یعقوب خلیفہ کو آبادی سے باہر پائیگا تو فوج کو دیکھکر لڑائی قیاس کریگا اور اُسوقت اُس کی سرکشی کا حال معلوم ہوجائیگا۔ لیکن دوطرفہ فوج میں لوگوں کی آمد و رفت جاری رہنے تاکہ حالات معلوم ہوتے رہیں۔ اگر یعقوب بغاوت پر آمادہ ہوگا تو یہ ممکن نہیں ہے کہ تمام عراق اور خراسان کے سردار اُس کی طرف ہوجائیں اور جنگ کی اجازت دیں اور اگر لڑائی نہ ٹلے تو کسی نہ کسی تدبیر سے ہم یعقوب کی فوجوں کو واپس کردینگے۔ اور اگر شکست پائی تو بھی ہم قیدیوں کی طرح زنداں میں نہ رہینگے

بلکہ زندہ و سلامت کسی نہ کسی طرف چلے جائینگے"۔ چنانچہ امیرالمومنین کو یہ تدبیر پسند آئی اور اسی رائے پر عمل کیا گیا۔ اس نامور خلیفہ کا نام المعتمد علی اللہ احمد[۵] تھا۔ چنانچہ یعقوب کی فوجیں خلیفہ کی برابر خیمہ زن ہوئیں اور منزل پر پہنچکر امیر نے خلیفہ سے کہلا بھیجا کہ "آپ بغداد کو خالی کردیں اور جہاں جی چاہے تشریف لیجائیں۔ چنانچہ خلیفہ نے دو ہفتے کی مہلت مانگی اور وہ نامنظور ہوئی۔ ادہر خلیفہ نے رات کو امیر کے افسران فوج سے کہلا بھیجا۔ کہ "یعقوب باغی ہوکر ملاحدہ سے ملگیا ہی اور اُسکے آنے کا منشا یہ ہی کہ ہمارے خاندان کو مٹا کر دشمنوں کو ہمارا جانشین کرے۔ اب بتاؤ کہ تم بھی یعقوب کے ہمخیال ہو یا نہیں"۔ چنانچہ ایک گروہ نے کہا کہ "ہم تو امیر کے نمک خوار اور حکم کے تابع ہیں"۔ مگر فوج کے بڑے حصے نے کہدیا کہ "ہمکو ان واقعات کی کچھ خبر نہیں ہی۔ اور جہانتک ہمکو علم ہی امیر ہرگز امیرالمومنین کا مخالف نہیں ہی۔ اور اگر مخالفت کا اعلان ہوا تو ہم ہرگز اجازت نہ دینگے۔ رزم اور بزم دونوں میں ہم خلیفہ کے ساتھ ہیں"

[۵] المعتمد علی اللہ ابو العباس (ابو جعفر احمد) ابن متوکل۔ تاجداران بغداد میں تیرہواں خلیفہ ہی۔ مُہتدی باللہ کے قتل ہونے پر جوسق کے قید خانہ سے نکالکر امرائے دربار نے ۲۵۶ھ ۸۷۰ء میں تخت نشین کیا۔ اسکا بھائی موفق نہایت قابل اور نیک شخص تھا۔ کل کار و بار سلطنت کو وہی انجام دیتا تھا اور خود عیش و عشرت میں پڑا رہتا تھا۔ موسیقی اور شاعری سے بہت شوق تھا۔ کاتب اسکے اشعار سونے کے پانی سے لکھا کرتے تھے۔ اور ۲۶۵ ہجری ۸۷۸ء میں یعقوب صفار اور احمد بن طولون (حاکم مصر) نے بغاوت کی بلکہ احمد سے یہاں تک بگاڑ ہوا۔ کہ مصر میں معتمد پر اور بغداد میں احمد بن طولون پر سر منبر لعنت کیجاتی تھی۔ اسکے عہد میں سب سے بڑا واقعہ بہبود خارجی کا خروج ہی۔ جسنے لاکھوں مسلمان اور سادات کو قتل کردیا۔ صرف بصرہ میں تین لاکھ آدمی ایک دن میں قتل ہوئے۔ علوی عورتیں دو روپیہ سے تین روپیہ تک اسکے لشکر میں نیلام ہوا کرتی تھیں۔ لیکن موفق نے بڑی بہادری سے بہبود کا مقابلہ کیا اور آخر کو اسکا سر کاٹ کر بغداد میں لایا۔ تمام بغداد میں مثل عید کے یہ خوشی کا دن تھا۔ معتمد کے اخیر دور حکومت میں بمقام کوفہ قرامطہ کا زور ہوا۔ جعفر بن محمد المعروف به ابو معشر بلخی نجومی اسی دربار سے متعلق تھا۔ ۲۷۹ھ ۸۹۱ء میں المعتمد نے انتقال کیا۔ از سیوطی صفحہ ۱۴۶ مطبوعہ مصر و مختصر الدول ابن العبری صفحہ ۲۵۴ مطبوعہ بیروت

یہ قول اُمرائے خراسان کا تھا۔ خلیفہ کو جب سردارانِ فوج کی ہمدردی کا علم ہوا تو مطمئن ہوگیا۔ اور دوسرے دن دلیرانہ امیر یعقوب کو پیغام بھیجا کہ "تمہاری طرف سے ناسپاسی اور کفرانِ نعمت کا اعلان ہوچکا ہی۔ اب صرف تلوار حدِّ فاصل ہی۔ اور مجھے مطلقاً اسکا خوف نہیں ہی کہ تمہاری فوج کثیر اور میری قلیل ہی" اسکے بعد فوج کو طیاری کا حکم دیدیا۔ اور لڑائی کا نقارہ بجا دیا گیا۔ جنگل میں فوجیں صف آرا ہوگئیں۔ امیر یہ طیاریاں دیکھکر بول اُٹھا کہ بس اب میں کامیاب ہوگیا۔ اور اپنی فوجوں کو بھی صف بندی کا حکم دیدیا۔ لڑائی کے موقع پر خلیفہ فوج کے وسط میں تھا۔ چنانچہ عین وقت پر خلیفہ نے ایک نقیب کو حکم دیا کہ "وہ دونوں فوجوں کے مابین اونچی آواز سے للکار کر کہے۔ کہ "اے گروہ اسلام! واقف ہوجاؤ کہ یعقوب باغی ہوگیا ہی، اور اسکی فوج کشی کا یہ مطلب ہی کہ حضرت عباس کے خاندان کا استیصال کردے۔ اور کسی کو مہدیہ[1] سے لاکر تخت نشین کرے اور بجائے سُنت کے بدعت پھیلائے۔ جو شخص خلیفہ رسول کی اطاعت نکریگا وہ خدا کا نافرمان بندہ ہوگا۔ اور دائرہ اسلام سے نکلجائیگا۔ اور یہی حکم خدا کا ہی کہ "اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ"، اب وہ کون شخص ہی جو بہشت چھوڑکر دوزخ میں جانا چاہتا ہی۔ آؤ حق کی مدد کرو اور باطل کو چھوڑدو"

جب امیر کی فوج نے یہ کڑکا سُنا تو اُمرائے خراسان اُدھر سے اِدھر آگئے۔ اور سب نے بالاتفاق کہا کہ "ہمکو یقین تھا کہ امیر بنظر اطاعت حسب الحکم عالی حاضر ہوا ہی۔ اب چونکہ وہ باغی ہوگیا ہی لہٰذا

[1] اَلْمَھْدِیَّۃ"، افریقہ (بربر) کا مشہور شہر ہی۔ قیروان سے جانب جنوب دو مرحلے کے فاصلہ پر ہی۔ ایک زمانہ دراز تک خلفائے فاطمیہ کا دارالسلطنت رہا لیکن ۵۴۲ھ ۱۱۴۷ء میں بنو فاطمہ کی کمزوریوں سے عیسائیوں نے چھین لیا۔ نقشہ میں ۳۵ - ۲۶ عرض شمال اور ۱۱ - ۵ طول مشرق پر واقع ہی۔ از مراصد الاطلاع و جام جم

جب تک دم میں دم ہی ہم آپ کے ساتھ ہیں اور لڑنے مرنے پر طیار ہیں۔" اس اعانت سے خلیفہ کو بڑی قوت پہنچ گئی اور پہلے ہی حملہ میں امیر یعقوب شکست کھاکر خوزستان کو چلا گیا خلیفہ کی فوج نے کُل خزانہ امیر کا لوٹ لیا۔ اور مال غنیمت سے فوج مالامال ہوگئی۔ لیکن امیر نے خوزستان پہنچکر ہرطرف آدمی دوڑاکر فوجوں کو جمع کیا۔ اور عراق اور خراسان کے خزانے سے درہم و دینار منگائے۔ خلیفہ نے ان طیاریوں کا حال سُنکر ایک قاصد مع نامہ کے روانہ کیا جسکا مضمون یہ تھا:" مجھے معلوم ہوا ہی کہ تم سیدھے سادے آدمی ہو۔ مگر مخالفوں کے بہکانے سے مغرور ہو گئے تھے اور انجام کار پر کچھ نظر نہ تھی۔ آخر دیکھ لیا کہ خدا نے کیا کر دکھایا۔ خود تمہاری فوج سے تمکو شکست دلادی۔ خیر میں اسکو ایک سہو سمجھتا ہوں۔ اور یقین کرتا ہوں کہ اب تم بیدار ہو گئے ہوگے۔ اور اپنے کیے پر پشیمان ہوگے۔ عراق اور خراسان کی امارت کے لیئے تم سے شائستہ تر کوئی دوسرا نہیں ہی اور میرے نزدیک تمھارے حقوق نعمت بھی بہت زیادہ ہیں لہذا میں اعلےٰ خدمات کے معاوضے میں پہلی خطا کو معاف کرتا ہوں اور جو کچھ ہوا اس کو سمجھتا ہوں کہ کچھ بھی نہیں ہوا۔ اب اس قصے کو بھول جاؤ۔ اب فرمان عالی یہ ہی کہ بہت جلد عراق و خراسان میں پہنچکر ملکی انتظام میں مصروف ہو۔" اس فرمان کے مطالعہ سے بھی امیر کا دل کچھ نرم نہوا اور نہ اپنے فعل پر پشیمان ہوا۔ اور حکم دیا کہ " ایک خوان (چوبی کشتی) میں کچھ ساگ پات، اور کچھ مچھلیاں، اور چند گرہیں پیاز کی رکھکر لادیں۔" جب یہ خوان سامنے آگیا تب حکم دیا

ا۵ جو سبب خواجہ نے اس فتح کا لکھا ہی اگرچہ وہ بھی سچ ہوگا مگر خلیفہ معتمد کے سپہ سالار اور بھائی موفق کی بہادری اور حکمت عملی کو بھی اس میں بڑا دخل ہی۔"

کہ خلیفہ کے قاصد کو بلاؤ اور قاصد سے مخاطب ہو کر کہا کہ "تم رخصت ہو اور میری جانب سے خلیفہ کے حضور میں عرض کرو کہ میں ذات کا کسیرا ہوں اور اپنے موروثی کام سے واقف ہوں۔ میری غذا جو کی روٹی، مچھلی، ساگ، اور پیاز ہی۔ سلطنت، خزانہ، اور فوج و حشم میری عیاری اور بہادری کا نتیجہ ہی۔ اسکو نہ تو مینے میراث میں پایا ہی اور نہ آپ کا عطیہ ہی۔ میں اُسوقت تک نچلا نہیں بیٹھ سکتا ہوں جب تک سرِ مبارک مہدیہ میں نہ بھیجلوں اور خاندان کو تباہ نہ کر ڈالوں۔ یا تو میں اپنا قول پورا کرونگا یا پھر وہی جو کی روٹی اور ساگ پر گزارا ہی۔ مینے خزانہ کا مونھ کھولدیا ہی اور فوجونکو بلایا ہی۔ اور قاصد کے قدموں کے نشان پر میں بھی آرہا ہوں" یہ کہکر قاصد کو رخصت کیا اسکے بعد بھی اگرچہ خلیفہ نے نامۂ و پیام اور خلعت سے کام نکالنا چاہا۔ مگر امیر اپنے ارادے سے باز نہ آیا۔ اسوقت اگرچہ وہ عارضۂ قولنج میں مبتلا تھا۔ اور درد میں تڑپ رہا تھا مگر پھر بھی فتح بغداد سے غافل نہ تھا۔ چنانچہ اپنے بھائی عمرو بن لیث[۵۱] کو ولیعہد کرکے خزانے کی یادداشتیں سپرد کردیں اور مر گیا۔"

اس نئے امیر نے بغداد کا خیال نہیں کیا اور کوہستان میں چلا گیا اور کچھ عرصہ تک وہاں ٹھہر کر خراسان کو روانہ ہوا۔ عمرو بن لیث نہایت زندہ دل، فیاض، ہوشیار، اور صاحب اثر تھا۔ اور اس کی مروت اور ہمت کا یہ حال تھا کہ باورچیخانے کا اسباب چار سو[۴۰۰] اونٹوں پر چلتا تھا۔ باقی سامان کا اسی سے اندازہ کرلو۔ لیکن خلیفہ کو عمرو بن لیث کی طرف سے بھی دلی ہراس تھا

[۵۱] امیر یعقوب کی موت اور عمرو بن لیث کی تخت نشینی کی ایک ہی تاریخ ہی یعنی ۲۶۵ھ [۸۷۸ء]۔ یہ امیر اسمعیل بن احمد سامانی کی قید میں بمقام بغداد ۲۸۹ھ [۹۰۱ء] میں خلیفہ معتضد باللہ کے حکم سے قتل کردیا گیا۔ اسکے انتقال کے بعد خاندان سامان کو بہت عروج ہوا۔ (از دول سید احمد دحلان حالات بنی صفار۔)

کہ کہیں ایسا نہو کہ یہ بھی اپنے بھائی کا چلن اختیار کرے اور پھر وہی دن دیکھنا پڑیں اس لیے خلیفہ

ہمیشہ اسمعیل بن احمد سامانی کو ابھارا کرتا تھا اور اس قسم کے پیام بھیجا کرتا تھا کہ عمرو بن لیث پر حملہ

کر کے اسکا ملک چھین لو اور خراسان و عراق کی امارت کے واسطے تم زیادہ موزوں ہو، کیونکہ

یہ ملک تمہارے اجداد کا ہی۔ اور انکا قبضہ غاصبانہ ہی۔ اول تو تم حقدار ہو، دوسرے نیک صفات

تیسرے یہ کہ میں دعا گوں۔ اسلیئے کوئی شبہ نہیں ہی کہ خدا تمکو عمرو بن لیث پر فتح دیگا۔ یہ خیال چھوڑ دو

کہ میری فوج قلیل ہی خدا فرماتا ہی کَم مِّن فِئَةٍ قَلِيلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيرَةً بِإِذْنِ اللَّهِ وَاللَّهُ مَعَ الصَّابِرِينَ

امیر اسمعیل خلیفہ کی باتوں میں آگیا۔ اور فوج جمع کر کے جیحون سے اترا اور اپنے چابک کی نوک سے

جب فوج کا جائزہ لیا تو کُل دو ہزار سوار تھے۔ اور فوج کی حالت یہ تھی کہ فی دو سوار ایک کے پاس

سپر تھی۔ اور بیس میں سے ایک کے پاس آہنی جال۔ اور پچاس میں سے ایک کے پاس نیزہ تھا

(اور رکابیں اکثر لکڑی کی تھیں) غرضکہ اس حال سے یہ فوج نہر آمویہ اتر کر مرو پہنچی۔ جب عمرو

بن لیث کو نیشاپور میں اطلاع ہوئی کہ امیر اسمعیل جیحون اتر کر مرو پہنچگیا ہی۔ اور وہاں کا شحنہ بغیر

مقابلہ بھاگ گیا ہی اور فوجیں دار السلطنت کی طرف آرہی ہیں۔ اُسوقت عمرو ہنسا اور ستر ہزار سوار

کا جائزہ لیا۔ (جو آہنی لباس میں ڈوبے ہوئے تھے) غرضکہ یہ فوج بلخ کو روانہ ہوئی اور مقابل میں

پہنچکر لڑائی شروع ہوگئی لیکن اتفاق سے عمرو[1] بن لیث کو بلخ کے دروازے پر شکست ہوگئی

---

[1] یہ لڑائی ربیع الآخر ۲۸۷ھ میں ہوئی تھی۔ بعض مورخوں نے لکھا ہی کہ اسمعیل کی فوج بارہ ہزار اور عمرو کی فوج اسی ہزار تھی۔ [2] پندرھوین ربیع الآخر ۲۸۷ھ بروز منگل عمرو بن لیث کو شکست ہوئی۔ اور شکست کا سبب یہ ہوا کہ جنگی باجوں کی آواز سے عمرو کا گھوڑا بگڑ گیا تھا اور باگ اُسکے ہات سے چھوٹ گئی تھی عمرو نے بہت کوشش کی مگر ناکامیاب رہا۔ اور گھوڑا منٹوں میں امیر اسمعیل کی فوج میں پہنچگیا۔ اور وہاں گرفتار ہوگیا۔ اور ایسی عظیم الشان جنگ کا چند

اور لطف یہ ہے کہ تمام فوج میں سے نہ کوئی زخمی ہوا اور نہ کوئی مقید، مگر صرف عمرو بن لیث قید ہوگیا اور جب سمعیل کے سامنے گرفتار ہوکر آیا۔ تو حکم ہوا کہ "چیتے والوں (یوزبانان) کے سپرد کردو"

اسی جنگ کا یہ واقعہ ہے اور عجائبات عالم میں سے ہے کہ دو پہر کے وقت عمرو بن لیث کا ایک فراش لشکر میں گھوم رہا تھا کہ اُس کی نظر عمرو پر پڑگئی (جو ایک خیمہ میں قید تھا) فراش اپنے امیر کی یہ حالت دیکھکر بہت متاثر ہوا اور پاس جاکر عرض کیا کہ "آج کی رات آپ میرے مہمان ہوں کیونکہ میں بالکل تنہا ہوں"۔ امیر نے فراش سے کہا کہ "جب تک زندگی ہی بغیر کھائے کے گزر نہیں ہے۔ لہذا کھانا طیار کر" چنانچہ فراش ایک سیر گوشت لایا۔ اور دو تین ڈھیلے مٹی کے جمع کرکے چولھا بنایا اور کنڈے سلگا دیئے، اور کسی سپاہی سے دیگچی مانگ کر گوشت کے پارچے بھونتا چاہیے اور خشک ٹکڑوں کو دیگچی میں رکھکر نمک کی فکر میں چلا گیا۔ دن ڈھل رہا تھا کہ ایک کُتّا آیا اور دیگچی سے ایک ہڈّی نکالی۔ جب موہنہ جلنے لگا تو ہڈّی چھوڑکر بھاگنا چاہا مگر دیگچی کا حلقہ گردن میں آگیا اور وہ بدحواس ہوکر بھاگا۔ عمرو نے یہ حال دیکھکر اپنے نگہبانوں سے کہا کہ "مجھے دیکھو اور عبرت پذیر ہو میں وہ ہوں کہ جسکے باورچیخانہ کا اسباب آج صبح چار سو اونٹوں نے اُٹھایا تھا (اور پھر بھی خوان سالار کو کمی اونٹوں کی شکایت تھی) اور آج رات کو یہ عالم ہے کہ تمام باورچیخانہ ایک کتے کی گردن پر ہے۔

پھر کہا کہ "اَصْبَحْتُ اَمِیْرًا وَ اَمْسَیْتُ اَسِیْرًا"، "میں صبح کو امیر تھا اور شام کو اسیر ہوں"

عالم گرفتاری میں عمرو بن لیث نے اپنے خزانے کی فہرستیں ایک معتمد کے ذریعے سے امیر اسمعیل

بقیہ نوٹ صفحہ ۱۴۲ منٹوں میں وارا نیارا ہوگیا۔ اس واقعہ پر کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے ؎

بہ یک چشم زخم | بمد دعمر و زید چوں تو
شکر چوں کوہ را کس بخدا کم شکست

تاریخ نگارستان صفحہ ۱۱۰۔

کے پاس بھیجدیں، مگر امیر نے یہ لکھکر واپس کردیا کہ "یہ درہم و دینار وہ ہیں جو بوڑھی عورتوں کی سوت کی کتائی اور مسافروں، یتیموں، ضعیفوں، کے مال سے ظالمانہ طریقہ سے جمع کیے گئے ہیں۔ اور جس کی جوابدہی خدا کے سامنے خود تجھ کو کرنا پڑیگی، وہ تو میری گردن پر ڈالنا چاہتا ہی، قیامت کے دن جب دعویدار کھڑے ہونگے کہ ہمارا مال واپس کرو جو ناحق لیا گیا ہی۔ اُسوقت تم کہدوگے کہ یہ نے اسمٰعیل کے سپرد کردیا ہی اُس سے مانگو میں اُنکے جواب اور خداوند عزوجل کے عتاب کی طاقت نہیں رکھتا ہوں"۔ چنانچہ محض دیانت اور خوفِ خدا سے یہ خزانہ اسمٰعیل نے قبول نہیں کیا اور یہ ساری احتیاط محض اس لیے تھی کہ قیامت کے مواخذے سے بچیں۔

(۵) عمّال و وزرا اور غلاموں کی نگرانی

بادشاہ کا یہ بھی فرض ہی کہ وقت تقرر عمّال کو نصیحت کرے کہ وہ رعایا سے اچھا برتاؤ کریں۔ اور صرف جائز رقم نرمی اور رعایت سے آمدنی کے وقت وصول کریں، کیونکہ قبل از وجوب مطالبہ وصول کرنے میں رعایا کو سخت تکلیف پہنچتی ہی اور لوگ ضرورتاً اپنا مال و اسباب دو دو آنے کو بیچتے پھرتے ہیں اور آخر کو تباہ و خانہ برباد ہو جاتے ہیں۔ جب رعایا میں سے کوئی شخص ہل، بیل، اور تخم ریزی کے قابل نہ رہے۔ اور بالکل محتاج ہو جائے اسوقت تقاوی سے مدد کیجائے۔ اور سرکار کیجانب سے وہ بالکل سبکبار کردیا جائے تاکہ وہ اپنے گھر میں آرام سے رہے اور پردیس کی صورت نہ دیکھے"[1]

---

[1] فصل چہارم سیاست نامہ۔"

مثال کے طور پر میں چند واقعات بیان کرونگا۔

(۱) قباد[1] ملک کے عہد حکومت میں سات برس تک قحط رہا۔ اور آسمان سے برکتوں کا نازل ہونا بند ہوگیا۔ اُسوقت بادشاہ نے عاملوں کو حکم دیا کہ "غلہ کے ذخیرے بیچ ڈالے جائیں اور محتاجوں کے واسطے **بیت المال** کھولدیا جائے"۔ چنانچہ تمام سلطنت میں ایک شخص بھی دوران قحط میں بھوک کی شدت سے فوت نہیں ہوا۔ اور یہ نتیجہ صرف بادشاہ کی نگرانی کا تھا کہ اُسنے عمال کی پورے طور پر دیکھ بھال کی تھی۔

(۲) عمال کی نگرانی ہمیشہ کیجائے اگر وہ اس طرح پر رہیں جیسا کہ مینے بیان کیا ہی تو خیر ورنہ وہ برطرف کر دیے جائیں۔ اور اگر محاصل ملکی رعایا سے زیادہ وصول کریں، تو واپس لیکر اُن کو دیدیا جائے تاکہ دوسروں کو عبرت ہو۔ اور وہ دراز دستی چھوڑ دیں"۔

(۳) وزرا کو بھی دیکھنا چاہیئے کہ وہ اپنے فرائض ٹھیک ٹھیک ادا کرتے ہیں یا نہیں کیونکہ سلطنت اور **حکومت** کا نظام صیغہ وزارت سے وابستہ ہی۔

---

[1] قباد جسکا لقب "نیکو رائے" ہی۔ ساسانیوں میں اُنیسواں بادشاہ ہی۔ اسکے عہد میں وزیر سوخرا (پدر بزرجمہر) کا پورا عمل دخل تھا۔ جب وہ بہت حاوی ہوگیا تو قباد نے سپہ سالار شاپور کی مدد سے اسکو قتل کردیا۔ حکومت کے دس برس بعد مزدک کا ظہور ہوا۔ اس بادشاہ کو عمارت سے خاص ذوق تھا۔ اسکے عہد میں چند شہر آباد کیے گئے جنکے نام یہ ہیں۔ شاہ جورہ۔ کازرون۔ حلوان۔ ارغان۔ شہر آباد۔ برذع۔ گنجہ۔ اور موصل کی تجدید کی۔ اور شہر امل کو مستحکم کیا۔ طبرستان میں متعدد عمارتیں بنائیں" اناس۔ ٹی، سی، ایس۔ قیصر روم سے متعدد لڑائیاں ہوئیں اور کامیاب رہا۔ اسکے ۸ بیٹے تھے: نوشیرواں، فیروز، سہم، زرداد، آردشیر، کاؤس، یزدگرد، زرزیر، مگر سب سے نامور نوشیرواں ہوا۔ ۴۳ برس سلطنت کرکے فوت ہوا۔ انتخاب از ناسخ التواریخ جلد دوم صفحہ ۳۲۰-۳۲۱-نامۂ خسرواں صفحہ ۱۳۰۔ تاریخ ملکم صاحب عہد قباد"

(۴) جب وزیر نیک چلن اور مدبر ہوتے ہیں۔ تب ہی ملک آباد اور فوج و رعایا شاد رہتی ہے۔ اور خود بادشاہ کو بھی اطمینانِ قلب نصیب ہوتا ہے۔ اور اگر وزراء ایسے نہو ے تو نتیجہ برعکس نکلتا ہے۔ چنانچہ بہرام گور اور اُسکے وزیر "راست روش" کا واقعہ مشہور ہے"

ف بہرام گور کے وزیر کا نام راست روش تھا اور کل انتظام سلطنت اُسکے سپرد تھا۔ اور اسقدر معتمد علیہ تھا کہ بہرام گور کسی کی بات اُسکے مقابلہ میں نہ سُنتا تھا۔ اور خود دن رات سیر و شکار میں پڑا پھرتا تھا۔ بہرام گور کا ایک شخص اور بھی برائے نام جانشین تھا۔ جسکو خلیفہ بہرام گور کہتے تھے چنانچہ راست روش نے اُس شخص سے کہا کہ چونکہ میرے مزاج میں عدل بہت ہے اسوجہ سے رعایا بے ادب ہوگئی ہے اور بادشاہ کو عیش و طرب سے دلچسپی ہے۔ اسلیے جب تک رعایا کو قرار واقعی سزا نہ دیجائیگی اُسوقت تک بربادی کا احتمال ہے۔ لہذا جسکے واسطے جو سزا میں تجویز کروں اُسکا عملدرآمد آپ کی طرف سے ہونا چاہیئے۔ اور میری رائے میں سزا کے دو اصول ہیں ایک یہ کہ بد اعمالوں کی تعداد گھٹا دی جائے۔ دوسرے یہ کہ نیک آدمیوں سے مال و دولت چھین لیا جاے۔ چنانچہ جسکو خلیفہ گرفتار کرتا تھا راست روش اُسکو رشوت لیکر چھوڑ دیتا تھا۔ غرضکہ تمام سلطنت میں کسی کے پاس گھوڑا، غلام، خوبصورت کنیز، یا عمدہ جاگیر باقی نہیں رہی تھی جسپر وزیر نے بذریعہ رشوت قبضہ نہ کرلیا ہو۔ آخر نتیجہ یہ ہوا کہ رعایا برباد ہوگئی اور ملک کے معزز و سربرآوردہ اشخاص جلا وطن ہوگئے اور خزانہ شاہی خالی ہوگیا۔ چنانچہ ایک زمانہ دراز اسی طرح پر گزر گیا۔ اور ایک غنیم ملک پر چڑھ آیا۔ تب اس موقع پر بادشاہ نے چاہا کہ صلہ و انعام دیکر فوج کو دشمن کے مقابلہ پر روانہ کیا جاے۔ اسلیئے خزانہ کا جائزہ لیا تو وہاں بجائے رقم کے صفر تھا۔ اُمرا اور روساء شہر کو دریافت کیا تو لوگوں نے کہا "مدت ہوئی کہ فلاں رئیس فلاں شہر کو چلا گیا ہے" سبب پوچھا تو وزیر کے خوف سے سبھوں نے کانوں پر ہاتھ دھر لیے۔ بہرام گور نے بہت غور کیا۔ لیکن جب کچھ پتا نہ چلا تب علی الصباح تنہا صحرا کی طرف نکل گیا۔ چونکہ خیالات میں ڈوبا ہوا تھا لہذا اکیس۲۱ میل تک چلا گیا اور کچھ معلوم نہ ہوا کہ میں کہاں جارہا ہوں لیکن جب تمازت آفتاب سے پیاس کی شدت ہوئی اسوقت ہوش آیا اور پانی کے لیے جنگل میں چاروں طرف نظر دوڑائی دور سے کچھ دہواں سا اُٹھتا ہوا معلوم ہوا۔ اسلیئے آبادی کا یقین کرکے اُدہر چلدیا۔ قریب پہنچکر دیکھا کہ بکریاں سو رہی ہیں اور ایک اُونی ٹکڑی ہوئی ہے اور سولی پر ایک کتا لٹک رہا ہے۔ اس منظر نے بہرام گور کو حیرانی میں ڈالدیا۔ جب اُونی کے دروازے پر پہنچا تو ایک گڈریے نے اندر سے نکلکر سلام کیا۔ اور بہرام کو گھوڑے سے اُتارا۔ ما حضر سامنے رکھدیا۔ اُسے بالکل خبر نہ تھی کہ یہ ہمارا شہنشاہ بہرام گور ہے۔ بہرام نے کہا "اے فیاض مہمان نواز

سکندر نے جو دارا پر فتح پائی اُسکا بڑا سبب یہ تھا کہ دارا کا وزیر سکندر سے ساز گیا تھا جب دارا مارا گیا تو نزع کے وقت کہا کہ "غفلت امیر و خیانت وزیر پادشاہی ببرد"

بقیہ نوٹ صفحہ ۲۱۸۔ دعوت قبول کرنے سے پہلے مجھے یہ معلوم ہونا چاہیے کہ اس رفیق نے کیا کیا تھا جس کی یہ سزا دی گئی ہی" ؟ چرواہے نے کہا کہ "یہ کتا میری ریوڑ کا چوکیدار تھا اور اسقدر دلیر تھا کہ اکیلا دس بھیڑیوں (گرگ) کا مقابلہ کرتا تھا اور اُن کی یہ مجال نہ تھی کہ ریوڑ میں پھٹک سکیں۔ میں اکثر اسکے بھروسے پر دو دو دن تک شہر میں رہا کرتا تھا۔ یہی اُنکو چراتا تھا اور اپنی جگھ پر واپس لے آتا تھا۔ مدت تک اس کا یہی حال رہا۔ ایک دن مینے بکریوں کو شمار کیا تو کچھ کم معلوم ہوئیں یہانتک کہ دن بدن تعداد گھٹتی گئی اور میں کسی طرح سے اس کمی کا سبب دریافت نہ کرسکا اور بظاہر کوئی چرانے والا بھی نہ تھا۔ جناب من! آخر نوبت یہانتک پہنچی کہ جب عامل صدقات ٹکس کلکٹر یا تحصیلدار محصول کے لیے آیا تو بقیہ بکریاں ٹکس کے نذر ہوگئیں۔ اب میں عامل کیطرف سے رکھوالی کرتا ہوں۔
اب اسکا قصہ سُنیے کہ اسکو ایک بھیڑنی (مادہ گرگ) سے دلی لگاؤ ہو گیا تھا اور مجھے کچھ خبر نہ تھی۔ اتفاق سے ایکدن میں لکڑیوں کی تلاش میں جنگل میں گیا لوٹ کر ایک بلند ٹیکرے سے بکریوں کو دیکھا تو وہ چر رہی تھیں۔ مگر ایک دشمن جان اُن کی تاک و دو میں لگی ہوئی تھی۔ جب اسنے اُسے دیکھا تو دُم ہلاتا ہوا چلا اور وہ بھی اپنے چکر سے رک کر چپ چاپ کھڑی ہوگئی۔ ایک جھاڑی کی آڑ سے میں یہ تماشا دیکھ رہا تھا۔ اب میں آپ سے کیا کہوں کہ اس بدچلن نے اُسکے ساتھ کیا کیا؟ اسکے بعد میں نے دیکھا کہ یہ کونے میں جاکر سو رہا۔ اور اُسنے ایک بکری کو چیر پھاڑ کر اپنا پیٹ بھرا۔ اور چلتی ہوئی۔ اور اس نمکحرام نے ذرا بھی غُرفش نکی۔ جب مینے جان لیا کہ یہ ساری تباہی اسکی گمراہی اور نمک حرامی سے پیدا ہوئی ہی۔ تب مینے اسکو سولی کی نذر کردیا۔ اور اس کی خیانت کی یہی سزا تھی جو آپ ملاحظہ فرما رہے ہیں"
بہرام گور کو اس واقعے سے نہایت تعجب ہوا۔ اور راستے میں اسیکیوقت سوچتا رہا۔ آخر اُسکے خیال میں آگیا کہ "رعیت مثل ریوڑ کے ہی اور وزیر اُسکا چرواہا ہی" اسوقت تمام ملک میں سخت پریشانی پھیلی ہوئی ہی۔ جس سے پوچھتا ہوں کوئی صحیح حال نہیں بتاتا ہی۔ بلکہ سب چھپاتے ہیں۔
چنانچہ گھر پہنچکر جانچ شروع کی تو اچھی طرح معلوم ہوگیا کہ یہ ساری خرابیاں راست روش کی کجروی سے ہیں۔ اس نے رعایا سے برا سلوک کیا ہی اور برعکس اپنے نام کے اسکا چلن ہی۔
بزرگوں نے سچ کہا ہی کہ کسی کے نام پر فریفتہ نہونا چاہیئے۔ "مینے چونکہ وزیر کو صاحب اختیار کردیا ہی اسلیے اُسکے

بادشاہ کو کسی وقت اپنے قائم مقاموں سے غافل نرہنا چاہیئے اور ہمیشہ انکے چال چلن کی ٹوہ میں رہا کرے۔ جب اُن کی خیانت اور کجروشی ظاہر ہو جائے تو اُن کی معزولی میں ذرا بھی توقف نکرے اور اسپر بھی کفایت نہ کیجائے بلکہ باندازہ جرم سزا دیجائے تاکہ دوسروں کو عبرت ہو۔

بقیہ نوٹ صفحہ ۲۱۹۔ ڈر سے کوئی سچی بات نہیں کہتا ہی۔ اب تدبیر یہ ہی کہ کل صبح کو جب وہ حاضر دربار ہو تو سب کے سامنے اُسکو ذلیل کروں۔ اور حکم دوں کہ فوراً پابزنجیر کردیا جائے۔ اسکے بعد قیدیوں کو بلا کر اُن کی کہانی سُنوں اور عام منادی کرادوں کہ راست روش وزارت سے معزول کیا گیا ہی اور پھر کبھی اپنے عہدے پر وہ بحال نہ کیا جائیگا۔ جو اُسکے مظالم کا دادخواہ ہو وہ دعویٰ پیش کرے اور اظہار دے۔ اگر اُسنے حکومت انصاف سے کی ہوگی اور کسی سے مال ناجائز نہ لیا ہوگا اور لوگ اُسکے مدّاح ہونگے تو خلعت وزارت سے سرافراز کرونگا ورنہ سزا دونگا"۔ چنانچہ دوسرے دن بہرام گور نے دربار عام کیا۔ جب راست روش حاضر ہوا تو بہرام نے اُسکو مخاطب کرکے کہا کہ "یہ کیا تھلکہ ہی جو تو نے میری سلطنت میں مچا رکھا ہی۔ فوج کو مفلس اور رعایا کو پریشان کردیا ہی۔ مینے حکم دیا تھا کہ سب کی تنخواہیں اور وظیفے وقت معینہ پر پہنچیں، اور ملک کی آبادی سے غفلت نہ کیجائے اور رعایا سے صرف جائز خراج لیا جائے اور خزانے میں بھی روپیہ وافر موجود رہے۔ لیکن اب جو میں دیکھتا ہوں تو خزانہ خالی پڑا ہوا ہی۔ فوج تباہ حال ہو رہی ہی اور رعایا اپنی طرف بھاگی پھرتی ہی اور تو سمجھتا ہی کہ میں شراب و شکار کے نشہ میں مست ہو رہا ہوں اور ملکی معاملات سے غافل ہوں"۔ یہ کہکر راست روش کو ذلّت کے ساتھ دربار سے نکال دیا۔ اور پاؤں میں بھاری بیڑیاں ڈالدی گئیں اور قید کردیا گیا اور شاہی محل کے دروازے پر معزولی کا ڈھنڈورا بایں الفاظ پٹوا دیا گیا کہ بادشاہ نے راست روش کو وزارت سے موقوف کردیا ہی اور کبھی وہ اس خدمت پر مقرر نہ کیا جائیگا جس جس کو اُسنے ستایا ہو وہ بے کھٹکے حاضر دربار ہو کر استغاثہ کریں۔ بادشاہ انصاف کے واسطے تیار ہے"۔
چنانچہ سب سے پہلے قیدیوں کی تحقیقات شروع ہوئی۔ اُنھوں نے اپنی اپنی داستان سُنائی، جانچ کی گئی تو منجملہ سات سو قیدیوں کے تخمیناً بیس ایسے تھے۔ جو خونی یا چور یا واقعی ملزم تھے اور باقی سب بیگناہ تھے جنکو وزیر نے مال و زر کے لالچ سے قید کر رکھا تھا۔ اور اُنکے باغ، مکانات، و جاگیر کو ضبط کرلیا تھا۔ ان میں بعض سات سات برس کے قیدی تھے۔ کچھ غیر ملک کے سوداگر تھے، جو محض اس جرم پر گرفتار تھے کہ اپنے مال کی قیمت چاہتے تھے چونکہ منادی عام ہو گئی تھی اسلیئے اطراف و جوانب سے بکثرت فریادی آئے۔ جب بہرام گور نے وزیر کے

جب کسی کو کوئی بڑی خدمت سپرد ہو تو اُسکے معاملات کی تفتیش کے لیے اپنا ایک خاص آدمی مقرر کر دیا جاے کہ وہ اُسکے رنگ ڈھنگ سے آگاہ کرتا رہے۔ مگر شرط یہ ہی کہ اُسکو خبر نہو کہ مجھپر نگراں (خفیہ پولیس) مقرر ہی"

بقیہ نوٹ صفحہ ۲۲۰ ظلم دیکھے تو مزید تحقیقات کی غرض سے خانہ تلاشی کا حکم دیا چنانچہ کاغذات کے بستہ میں ایک خط اُس بادشاہ کا برآمد ہوا جو اسوقت حملہ آور ہوا تھا۔ اور ایک تحریر دستخطی راست روش کی ملی جسکا یہ مضمون تھا کہ "اسقدر آہستگی کیوں ہی۔ عقلا کا قول ہی کہ دولت کو غفلت اُڑا لیجاتی ہی۔ میں فرمانبرداری کے اُسدرجہ پر ہوں کہ جسپر ہونا چاہیئے۔ افسران فوج کو میںنے (اپنی سرکار سے) باغی اور حضور کا ہوا خواہ بنا دیا ہی اور کل فوج کو مفلس کر دیا ہی۔ اور آپ کے واسطے خزانے لبریز ہیں۔ تاج۔ ٹیکا۔ اور تخت ایسا گراں بہا تیار کر رکھا ہی کہ جس کی نظیر آج تک نہیں دیکھی ہی۔ اسوقت میدان خالی ہی اور دشمن غافل، جہانتک جلد ممکن ہو آئیے۔ ایسا نہو کہ مرد خوابیدہ بیدار ہو جاے"

جب بہرام نے یہ خط پڑہا تو معلوم ہوا کہ دشمن اسی کے بل پر آرہا ہی اب اسکے کمینہ پن میں کوئی شک نہیں ہی۔ چنانچہ حکم دیا کہ کل جائداد منقولہ وغیر منقولہ ضبط کر لی جائے اور نیلام کر کے جو جسکا حقنی ہو وہ اُسکو دیدیا جاے جب یہ سب ہو لیا تو راست روش کو مع اُسکے تیس مددگاروں کے قصر شاہی کے سامنے سولی دیدی گئی۔ اور سات روز تک منادی ہوا کی کہ یہ سزا اُس شخص کی ہی جو بادشاہ وقت سے مخالفت اور اُسکے دشمنوں سے موافقت کرے"

صرف اس ایک سیاست سے کل ملک درست ہو گیا۔ اور دشمن سرحد سے پھر گیا۔ اور بہرام کو معذرت کیساتھ دوستانہ تحائف بھیجے اور چونکہ یہ سارے انتظام چرواہے کی کارروائی دیکھکر کیے گئے تھے لہذا اسکے صلہ میں اُسکو سات سو بکریاں شاہی گلے سے دی گئیں اور محصول معاف کر دیا گیا۔ اور خلعت سے سرافراز ہوا"

چونکہ یہ واقعہ بہرام گور کا تھا۔ لہذا ناظرین کی دلچسپی کے لیے بہرام کے بھی مختصر تاریخی حالات لکھے جاتے ہیں۔

یزدجرد ساسانیوں میں تیرہواں تاجدار تھا۔ چونکہ اول درجہ کا ظالم تھا لہذا عربوں نے اسکو اثیم کا خطاب دیا تھا چونکہ ظالم کبھی پھولتا پھلتا نہیں ہی اسوجہ سے اس کی بھی کوئی اولاد زندہ نہ رہتی تھی اور عموماً خوردسالی میں بچے مثل کلیوں کے مرجھا کر رہ جاتے تھے۔ جب اسکا بیٹا بہرام چار برس کا ہو گیا تو یہ بہت خوش ہوا اور دربار کے منجموں سے جنکا نام سروش، اور ہوشیار تھا زائچہ بنوایا اُنھوں نے پیشین گوئی کی کہ یہ صاحب تاج و تخت ہوگا۔ مگر مدائن اس کو

حکیم ارسطاطالیس نے سکندر کو نصیحت کی تھی کہ جب تو اپنی سلطنت کے اہل قلم کو ناراض کر دے تو پھر ان کو کوئی خدمت نہ دینا کیونکہ یہ اسرار سلطنت سے دشمنوں کو آگاہ کر دینگے اور تیرے قتل کی فکر کرینگے۔ اور حسب ذیل مجرم بغیر سزا کے نہ چھوڑے جائیں۔

بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۲۱۔ راس نہیں عرب کی سرزمین میں یہ نہال بارآور ہوگا۔ چنانچہ یزدجرد نے نعمان بن منذر بن عمرو بن عدی کو جو حیرہ کا فرمانروا اور سلطنت عجم کا ماتحت تھا بلایا اور بہرام کو سپرد کر دیا۔ اور یہ بھی حکم دیا کہ اس بچہ کی پرورش ایسے مقام پر کیجائے جو آب و ہوا کی لطافت میں ضرب المثل ہو۔ اور اس کی سکونت کے واسطے ایسے دو محل بنوائے جائیں جس میں دلچسپی کے پورے سامان ہوں۔ چنانچہ نعمان نے بغرض سکونت ایک محل بنوایا جس میں تین گنبد تھے اور اس مناسبت سے اسکا نام سہ دیر (سدیر معرب) رکھا اور دوسرا محل کھانا کھانے اور معمولی نشست و برخاست کے لیئے بنایا اور اسکا نام خوردن گاہ (خورنق معرب) قرار پایا۔ ان محلوں کا معمار اور مہندس سنمار رومی تھا۔ خوردن گاہ (خورنگاہ مخفف) میں حیرت انگیز صنعت یہ تھی کہ وہ طلوع آفتاب کے وقت سفید، چاشت کے وقت سرخ، دوپہر کے وقت سبز، غروب آفتاب کے وقت زرد ہو جاتا تھا۔ اور رات کو مثل ماہتاب کے چمکتا تھا۔ نعمان نے سنمار کو بہت بڑا صلہ دیا" چونکہ یہ انعام اسکے اندازہ سے بہت زیادہ تھا لہذا اسنے کہا کہ میں ایسا مکان بھی بنا سکتا ہوں جو سورج مکھی کی طرح آفتاب کے ساتھ چکر کھاتا ہے۔ نعمان نے اس خیال سے کہ اگر ایسا مکان تیار ہوگیا تو خورنگاہ کی عدیم المثالی میں فرق آجائیگا لہذا اسنے سہ دیر کی چھت سے سنمار کو گرا دیا اور وہ مرگیا۔ عربی، فارسی علم ادب میں سدیر اور خورنق کے حوالے بکثرت آتے ہیں۔ مثلاً سلمان ساوجی کہتا ہے ؎ خورم تر از خورنقی وخوشتر از سدیر + ونگہ برین سخن دو دیوار تو گواہ
اسود بن یعفر ؎ ارض الخورنق والسدیر و بارق + والقصر ذی الشرفات من سنداد "

غرضکہ تین معلموں کی اتالیقی میں بہرام نے دس برس کی عمر میں فارسی، عربی، ترکی میں کمال حاصل کیا اور شکار و شہسواری میں بھی جو عرب کا حصہ ہی خوب مہارت کی۔ اور نعمان نے اسکو ملک ایران کی تاریخ اور خاندانی حالات سے بھی واقف کر دیا تھا لیکن یزدجرد کے مرنے پر ارکان دولت نے ایک دوسرے شاہزادے کو جسکا نام کسریٰ تھا۔ اور جو خاندان اردشیر بابکان سے تھا تخت نشین کر دیا۔ لیکن بہرام نے ایک سخت امتحان کے بعد کسریٰ سے تخت چھین لیا۔ یہ بہرام شکار کا بڑا شائق تھا۔ اور گورخر کا خاصکر شکار کرتا تھا۔ اسوجہ سے بہرام گور مشہور ہوا۔ قوت کا یہ عالم تھا کہ ایک بار شیر نے گورخر شکار کیا۔ لیکن بہرام نے ایسا تیر مارا کہ جو دونوں کو نشانہ کرتا ہوا زمین میں پیوست ہوگیا

(۱) جو سلطنت کا آرزومند ہو۔ (۲) یا حرم میں بدنیتی کرے۔ (۳) یا سرکاری راز فاش کرے

(۴) یا ظاہر میں بادشاہ کا دوست اور باطن میں دشمن ہو۔

اور خلاصہ سب کا یہ ہی کہ جب بادشاہ بیدار رہتا ہی تو سلطنت کا کوئی کام اُس سے پوشیدہ نہیں رہتا ہے

(۶) متاجر اور کاشتکاروں کے تعلقات

دیہات[۲] کے ٹھیکہ داران کو چاہیئے کہ وہ کاشتکاروں سے صرف اسقدر وصول کریں کہ جس قدر

بقیہ نوٹ صفحہ ۲۲۲ تاریخ اور تذکروں میں اسکے فارسی و عربی اشعار تحریر ہیں۔ راست روشن اسکے وزیر کا نام تھا۔ وہ خاقان چین مسمیٰ ایڈی سے ملگیا تھا۔ لیکن بہرام نے ایک حکمت عملی سے خاقان کو گرفتار کرکے اپنے ہاتھ سے بمقام مرو قتل کردیا۔ خاقان نے ۲ ½ لاکھ فوج سے براہ ترکستان، خراسان پر حملہ کیا تھا۔ لیکن بہرام نے بمقام کرکان جب خاقان پر چھاپا مارا ہی اُسوقت تیرہ سو[۱۳] سوار ہمراہ تھے۔ علاوہ فوج کے قارن، گستہم، مہر فیروز، مہر برزین، فرہاد، فیروز بہرام، خراد، سات عجمی شاہزادے۔ اور ہام، فیروزان، داد برزین، عاملان رے، گیلان، زابلستان ہمراہ تھے۔ فتح کے بعد بہرام دارالسلطنت کو واپس آیا۔ اور اس عظیم الشان فتح کی خوشی میں تمام مملکت کا سہ سالہ خراج معاف کردیا۔ جسکی میزان ایکسو چالیس کرور دینار (زر خالص) تھی۔ اور راست روش کو موقوف کرکے مہر نرسی کو وزیر کیا۔ انتخاب ناسخ التواریخ صفحہ ۲۸۰ جلد دوم نامہ خسروان صفحہ ۱۸۰۔ المعجم حالات بہرام۔ و سیر الملوک نظام الملک۔

[۲] فصل پنجم صفحہ ۲۸-۳۷۔ سیاست نامہ ۵۲ وصول مالگزاری کا یہ طریقہ کہ تمام دیہات ٹھیکہ پر دے دیئے جائیں اور مستاجروں سے معاملہ کیا جائے۔ زمانہ حال کے عقلا کے نزدیک غیر مستحسن ہی۔ اور ہندوستان کی جن ریاستوں میں فی زمانا یہ طریقہ جاری ہی وہاں جمعبندی کے مطابق پوری رقم بلکہ نصف رقم بھی سالانہ ریاست کو وصول نہیں ہوتی ہی البتہ اہلکاران دفتر انشا اور وزیر مال (جو خائن اور رشوتی ہوں) کے آہنی صندوق روپئے اور اشرفیوں سے بھر جاتے ہیں۔ کیونکہ بقایا مالگزاری کی مثلیں برسوں ابتر رہتی ہیں اور نمایشی طریقے وصول مالگزاری کے دکھائے جاتے ہیں لیکن اخیر میں تمام بقایا غیر ممکن الوصول قرار پاتا ہی اور مثل داخل دفتر کردیجاتی ہی۔ ہندوستان میں جو قانون وصول مالگزاری کا گورنمنٹ میں جاری ہی وہ اعلیٰ درجہ کا ہی۔ اور ریاستوں کے لیے قابل تقلید ہی البتہ جمع کا پرتہ اور میعاد بندوبست قابل ترمیم ہی۔

وصول کرنے کا حکم ہی۔ اور وہ بھی عمدہ طور پر جس میں اُن کا مال و اسباب سلامت رہے۔ اور زن و فرزند امن سے رہیں اور اس سے زیادہ اُنپر کوئی حق نہیں ہی۔

جب کاشتکار عرض حال کے لیے دربار میں آنا چاہے تو اُنکو روکنا نہیں چاہیئے۔ اور جو ٹھیکدار اسکے خلاف کرے اُسکا ٹھیکہ فسخ کر دیا جاے اور سزا دی جاتے تاکہ دوسروں کو عبرت ہو۔ اور اُنکو جاننا چاہیئے کہ رعیت اور ملک سب بادشاہ کا ہی۔ اور ٹھیکہ دار بھی کاشتکار کے لیے مثل والیان ملک کے ایک شحنہ ہی جس طرح پر کہ خود بادشاہ یعنی دونوں رعایا کی راحت و آرام کے واسطے ہیں۔ جن بادشاہوں کی رعایا آرام سے رہتی ہی اُنکے واسطے آخرت کا عذاب نہیں ہی۔

مثال قباد ملک کے انتقال پر جب اُسکا بیٹا نوشیروان عادل تخت نشین ہوا، اُسوقت وہ اٹھارہ برس کا تھا اور سلطنت کا کُل کام کرتا تھا۔ انصاف گویا اُس کی گھُٹی میں پڑا تھا۔ اور نیک و بد کو خوب سمجھتا تھا۔ اُسکا قول تھا کہ "میرا باپ ضعیف الرائے، سلیم دل، اور بھولا شخص ہی اُسنے ملک کو گماشتوں پر چھوڑ رکھا ہی۔ وہ جو چاہتے ہیں کرتے ہیں اور خود مفت میں بدنام ہوتا ہی۔ اور مزدک کے طلسمات پر فریفتہ ہو گیا ہی۔ عمال اور والی رجونا جائز وصول تحصیل سے ملک کو ویران اور رعایا کو فقیر کر رہے ہیں) جب روپیے کی تھیلیاں سامنے بھر کر لاتے ہیں تو وہ اُسنے خوش ہوتا ہی کیونکہ زر پرست ہی اور اُسنے کبھی نہیں پوچھا کہ یہ بیشی جو محاصل میں ہوئی کہاں سے ہوئی؟ کیونکہ ملک کی آمدنی صرف عامل کی تنخواہ اور مصارف فوج وغیرہ کے واسطے کافی ہی اور پھر جو رقم کثیر لایا ہی تو آخر میراث پدر سے تو لایا نہوگا؟ بہرحال یہ وہ رقمیں ہیں جو ناجائز طور سے وصول کی گئی ہیں لیکن کسی عامل سے نہیں کہا گیا کہ محاصل ملک صرف اسقدر ہی جس میں

یہ خرچ ہی اور یہ داخل خزانہ ہوا ہی تاکہ دوسروں کو بھی خیال ہوتا"
چنانچہ عہد نوشیروانی میں بھی تین چار سال تک ٹھیکہ داروں اور عاملوں کیطرف سے یہ اودھم مچا رہا
تب ایک دن دربار عام میں عمال کے روبرو نوشیرواں نے یہ تقریر[1] کی۔
"اول میں خدا کا شکر ادا کرتا ہوں جسنے مجھے بادشاہ بنایا۔ اور پھر سلطنت بھی کیسی دی کہ موروثی! میرے چچا نے مجھ پر چڑہائی کی خدا نے مجھے کامیاب کیا۔ اور مینے بھی بزور تلوار ملک فتح کیا۔ جب مجھے خدا نے بادشاہ بنایا۔ تو مینے بھی تمکو حکومت میں حصہ دیا۔ اور کسی مستحق کو محروم نہیں رکھا۔ جو اہلکار میرے والد کے عہد سے حکومتوں پر ممتاز ہیں مینے اُنکو بحالِ خود رہنے دیا ہی۔ اور اُنکی جاگیر و اعزاز میں مطلق کمی نہیں کی گئی ہی۔ میں ہمیشہ تم سے یہی کہتا ہوں کہ رعایا سے نیک سلوک کرو۔ اور اُنسے ناجائز رقم مت وصول کرو۔ میں تمھاری عزت کی قدر کرتا ہوں۔ مگر تم خود اپنی عزت نہیں کرتے ہو۔ نہ کسی کی بات سُنتے ہو۔ نہ خدا سے ڈرتے ہو۔ نہ خلق خدا سے شرماتے ہو۔ لیکن میں خدا سے ڈرتا ہوں (کیونکہ وہ گناہوں کی سزا دیتا ہی) کہیں ایسا نہو کہ تمھارے ظلم اور شامت اعمال کا اثر میری سلطنت پر پڑے۔ خدا کی مہربانی سے کوئی دشمن سر پر نہیں ہی۔ اور چین کے ساتھ معاش حاصل ہی۔ اسلیے بہت ہی اچھا ہوتا کہ ہم اور تم خدا کی نعمتوں کا شکریہ ادا کرتے۔ کیونکہ ناشکری اور ظلم سے مُلک کو زوال ہوتا ہی۔ اور نعمتیں بھی چھین لی جاتی ہیں۔ اسلیئے بندگان خدا سے اچھا برتاؤ کرو۔ بزرگوں کی عزت کرو۔ کمزوروں کو نہ ستاؤ اور نہ اُنپر

---

[1] خواجہ نظام الملک نے بطور خلاصہ نوشیرواں کی تقریر لکھی ہی۔ تاریخوں میں نوشیرواں کا یہ پورا خطبہ موجود ہی۔ اور جنکو نظم سے ذوق ہی وہ اس حصہ کو شاہنامۂ فردوسی میں ملاحظہ فرمائیں۔

اپنا بوجھ ڈالو۔ اچھے لوگوں کی صحبت میں بیٹھو۔ بدوں سے پرہیز کرو۔ میں خدا اور اُسکے فرشتوں کو گواہ کرکے کہتا ہوں کہ اگر تم میں سے کسی نے بھی ان اُصول کے خلاف عمل کیا تو پھر میں توقف نکروں گا۔"

سب نے کہا کہ "ہم فرمانبردار ہیں۔ حکم کی تعمیل کرینگے۔" مگر چند روز کے بعد پھر سب اپنے اپنے ڈھنگ پر آگئے اور لُوٹ مار کرنے لگے۔ کیونکہ وہ نوشیرواں کو نادان بچہ سمجھتے تھے۔ ہر سرکش کا یہ خیال تھا کہ خود ہم نے نوشیرواں[1] کو تخت پر بٹھایا ہی۔ جب چاہیں اُتار دیں۔

[1] چونکہ اس کتاب میں متعدد مقامات پر نوشیرواں کا ذکر آچکا ہی لہذا مزید تاریخی حالات ناظرین کی اطلاع کے لیئے لکھے جاتے ہیں۔"

قباد نیکو رائے کی اولاد میں سب سے روشن خیال صرف نوشیرواں تھا۔ اسکا لقب کسریٰ تھا۔ اور اسی وجہ سے تمام ساسانیوں کو اکاسرہ کہتے ہیں۔ قباد نے اپنی حیات میں ولیعہد کر دیا تھا۔ بادشاہ ہوکر نوشیرواں نے مدائن میں سکونت اختیار کی اور ایوان کسریٰ تعمیر کرایا۔ جو عمارات العجم میں ایک تاریخی عمارت ہی۔ نوشیرواں کے تاج میں اسقدر جواہر نصب تھے کہ وہ کبھی سر پر نہیں رکھا گیا بلکہ وزن کی وجہ سے وہ تخت کے اوپر لٹکا دیا گیا تھا۔ چنانچہ جب نوشیرواں تخت پر بیٹھتا تو تاج سر پر مثل چتر کے قربان ہوتا تھا۔ نوشیرواں کا اُستاد تمیشار ساسان تھا۔ جو اپنے زمانے میں ایک نامور حکیم کا درجہ رکھتا تھا۔ اسکے دربار میں روزانہ تین سو ساٹھ (۳۶۰) حکماے عجم اور دیگر ارباب کمال جمع ہوتے تھے اور سلطنت کے اہم معاملات اِنھیں کے مشورے سے طے ہوا کرتے تھے۔ خاص خاص ارکان سلطنت حسب ذیل ہیں۔

عہدہ	نام	عہدہ	نام
وزیر اعظم	بہبود	نائب وزیر	بزرجمہر
میر منشی سلطنت	یزدگرد	موبد موبدان	اردشیر
حاجب اعظم	وزدوان	وزیر فوج	بابک
افسر الاطبا	برزویہ	مصاحبین	متعدد تھے

مگر سب سے نادر روزگار سائب یمنی تھا جو علم قیافہ (فرنیالوجی) میں ضرب المثل تھا۔ تخت نشینی کے بعد سب سے پہلے نوشیرواں نے صوبوں میں والی مقرر کیئے چنانچہ سب سے بڑے حسب ذیل پانچ صوبے تھے۔

نوشیرواں یہ واقعات خاموشی سے دیکھ رہا تھا اور صلح و آشتی کی حکمت عملی سے سلطنت کیے جاتا تھا۔
چنانچہ اسی طرح پانچ برس گزر گئے۔ لیکن ایک بڑھیا کی فریاد پر جب والی آذربائیجان قتل کیا گیا۔ اور اُسکی
ساری جائدا د ضبط کی گئی تب جملہ انتظام درست ہو گیا۔"
ہر دوسرے تیسرے سال عمال اور ٹھیکہ دار بدل دینا چاہیئے تاکہ اُنکے قدم مضبوط نہ ہو جائیں
اس انتظام سے مُلک بھی آباد رہیگا اور دین و دنیا کی نیکنامی بھی حاصل ہوگی۔"

بقیہ نوٹ صفحہ ۲۲۶ (۱) **خراسان** = نیشاپور۔ ہرات۔ مرو۔ مرورود۔ فاریاب۔ آندراب۔ طالقان۔ بلخ
بخارا۔ بادغیس۔ باورد۔ غرشستان۔ طوس۔ نسا۔ سرخس۔ جرجان۔ بوشنج۔ البوزجان۔ خرجرد۔ زوزن۔ قائن
اسفرائن۔ شہرستان۔ ہلادرد۔ جرمقان۔ زم۔ اسفزار۔
(۲) **آذربائیجان** = طبرستان۔ رے۔ قزوین۔ زنجان۔ قم۔ اصفہان۔ ہمدان۔ نہاوند۔ دینور۔ حلوان۔
ماسبذان۔ مہرجان۔ شہرزور۔ صامغان۔
(۳) **فارس** = اصطخر۔ شیراز۔ نوبندجان۔ جور۔ کازرون۔ فسا۔ داراب جرد۔ اردشیر خورہ۔ سابور۔ اہواز۔ یزد
جندے سابور۔ نہر تیری۔ مناذر۔ تستر۔ ایزج۔ رام ہرمز۔ عسکر مکرم۔ ارجان۔ سوس۔ ابرقوہ۔ فیروزآباد۔ سیراف۔
(۴) **کرمان** = بردسیر۔ جیرفت۔ سیرجان۔ زرند۔ ہرموز۔
(۵) **عراق** = ہیت۔ حلہ۔ قادسیہ۔ حیرہ۔ کوفہ۔ انبار۔ عکبرا۔ سامرہ۔ (سرمن رائے۔ سامیرا۔ سامرا۔ سرمن رئے۔
سامن رائے۔ سامرآ۔ (بالمد) سرمن راء۔ (ممدود الآخر) سامن راء۔) بابل۔ نہروان۔ جلولا۔ واسط۔ حلوان۔ بصرہ۔
عبادان۔ بردان۔ صرصر۔ بغداد۔ مدائن۔ (یہ سلسلہ حد روم پر ختم ہوتا ہے) چنانچہ عمال میں فارس کا عامل ہزار بد۔ کرمان کا
آذرماہان۔ حیرہ کا منذر ماء السماء نہایت مشہور و معروف ہیں۔
نوشیرواں کو جس چیز نے حیات جاوید بخشی ہے وہ اسکا عدل و انصاف اور قانون سلطنت ہے اگر کوئی ان حالات کو
لکھنا چاہے تو الف لیلہ کا دفتر طیار ہو سکتا ہے۔ عدل کے متعلق مسلمانوں کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا
یہ ارشاد کافی ہے کہ "وُلدت فی زمن الملک العادل"۔ اور قانون سلطنت میں یہ کہ جزیہ اور زمین کی پیمائش
اور لگان وغیرہ کے متعلق جو قاعدے اسنے بنائے تھے وہ حضرت عمر رضی اللہ جیسے نامور مدبر اور فاتح اعظم نے

(۲) قاضی خطیب اور محتسب کے فرائض

قاضی بادشاہ کو چاہیئے کہ تمام مُلک کے ایک ایک قاضی (منصف و جج) سے واقفیت

بقیہ نوٹ صفحہ ۲۲۷- بجنسہ یا بادنے تغیر قائم رکھے۔ بلکہ عراق کے بعض شہروں میں نوشیروانی اصول مالگذاری کے مطابق آج تک عملدرآمد ہوتا ہی۔ علاوہ اسکے فوجی سپاہیوں اور عہدہ داروں کا رجسٹر اسی عہد میں طیار ہوا سوار اور پیادے کی تنخواہ مقرر کی گئی یعنی سوار کی جاگیر ۴ ہزار درہم اور پیادہ کی سو درہم۔ روم پر تینتیس لاکھ کی جمعیت سے حملہ آور ہوا اور قیصر جسٹی نین سطایانس کو باجگذار بنالیا۔ ۲ کرور دینار زرخالص اور ۲۰ کرور درہم خراج ٹھہرا (علاوہ تحائف) ۹۴ برس زندہ رہا ۴۸ برس حکومت کی۔ اسکے اقوال حکمت بکثرت ہیں۔ ہم صرف ایک مقولہ لکھتے ہیں۔

"سلطنت کا قیام فوج سے ہی اور فوج کا خزانے سے، خزانہ کا خراج سے۔ اور خراج کا عمارت (آبادی) سے اور عمارت کا عدل سے اور عدل اصلاح عمّال پر موقوف ہی۔ اور عمّال کی صلاح وزراء کی استقامت پر منحصر ہی۔ اور ان سب کا خلاصہ یہ ہی کہ بادشاہ اپنے فرائض سے واقف ہو" نوشیرواں ۵۳۱ء میں تخت نشین ہوا تھا۔ اور ۴۸ برس سلطنت کرکے ۹۴ برس کی عمر میں ۵۷۹ء میں انتقال کر گیا" انتخاب از ناسخ التواریخ جلد دوم صفحہ ۳۵۵ و کسریٰ نامہ متفرق مقامات کشف الطرہ صفحہ ۲۸۹ - ۲۹۰ - مطبوعہ بغداد۔

[۱] فصل ششم صفحہ ۲۸-۲۴- سیاست نامہ۔ **۵۲** اسلام نے امور مذہبی کے قیام اور سیاسی حیثیت سے جو عہدے قائم کیے ہیں۔ وہ قاضی، خطیب اور محتسب، مفتی، موذن، اور امام مسجد کا عہدہ ہی۔ خلفاے راشدین اور شاہان اسلام کے عہد میں ان عہدہ داروں کے انتخاب میں خاص توجہ کیجاتی تھی۔ لیکن ہندوستان میں باستثناء بعض ریاستوں کے نہ اب یہ عہدے ہیں اور نہ انپر کچھ لکھنے کی ضرورت ہی۔ البتہ قاضی کی تعریف میں حکام مال فوجداری اور دیوانی داخل ہیں کیونکہ انفصال مقدمات کا کام انکے ہات میں ہی اور یہ گروہ رعایا کی جان و مال پر حکومت کرتا ہی۔ لہذا عہدہ قضا کے متعلق چند الفاظ لکھے جاتے ہیں جسکا تعلق ہر فیصلہ کنندہ سے ہی۔

بادشاہ کی طرف سے جو ترازو رعایا کے اعمال تولنے کے لیے ہی وہ قاضی کی ذات ہی اسلیے جس شخص کو یہ خدمت سپرد کیجاے اسمیں کم از کم ان صفات کا ہونا لازمی ہی۔ یعنی متقی، پرہیزگار، صاحب وقار، راستباز، ذکی الطبع سنجیدہ مزاج، فقیہہ، (قانون دان) اور اپنے عہدہ کے فرائض سے پورے طور پر واقف ہو۔ ثبوت کے قبل فیصلہ

حاصل کرے۔ اور اُن میں سے جو عالم (قانون داں) اور متدین ہوں وہ مقرر کیے جائیں۔ اور جو ایسے نہوں وہ برطرف کیے جائیں۔ ہر ایک کی تنخواہ باندازۂ مصارف مقرر کیجائے تاکہ رشوت کی حاجت نہو۔ یہ سب سے نازک اور مشکل خدمت ہے۔ کیونکہ یہ طبقہ رعایا کی جان و مال پر حکومت کرتا ہے۔

بقیہ نوٹ صفحہ ۲۲۸۔ سُنانے میں جلدی نکرے اور ثبوت ختم ہونے پر فیصلہ لکھنے میں توقف بھی نکرے۔ رعایا کے مذاہب اور قومی رسم و رواج سے واقف ہو۔ اور سب سے بڑھکر جس کی احتیاط بمنزلہ فرض کے ہے وہ یہ ہے کہ بجز بادشاہ وقت کے کسی کا ہدیہ اور تحفہ قبول نکرے۔ خلفاء اور شاہان اسلام کو اس حصہ پر خاص توجہ تھی اور جس کا یہ نتیجہ ہوا کہ کتب سیاست کے ذیل میں خاص اس عنوان پر بھی کتابیں لکھی گئی ہیں۔ چنانچہ "فصل المقال فی ھدایا العمال" مشہور کتاب ہے۔ خلفاے عباسیہ کے عہد میں قاضیوں کی تنخواہ ترقی کرکے ۲۰۰ دینار (۵ سو ۳۳) تک پہنچگئی تھی۔ اور حضرت فاروق اعظم نے سو درہم تنخواہ مقرر فرمائی تھی۔ نفس مقدمہ میں کسی کی سفارش نہ سُنے اور دوران تحقیقات میں فریقین کے عذرات پر خاص توجہ کرے اور ایک کے مقابلے میں دوسرے پر اپنے عہدہ کا اثر نہ ڈالے نہ اُنکو دبائے۔ اور معمولی لغزشوں کی گرفت نکرے۔ قاضی کا یہ بھی فرض ہے کہ گواہوں اور وکلاء کی بھی تفتیش کرتا رہے۔ چنانچہ اس غرض کے لیے خلفاے عباسیہ کے عہد میں قاضی کے ماتحت ایک معدل کا عہدہ تھا۔ اس عہدہ دار کے پاس ایک رجسٹر رہتا تھا جس میں ثقہ اور ساقط العدالت لوگوں کے نام درج ہوتے تھے۔ اور مقدمہ کی پیشی کے وقت گواہوں کے اعتبار اور عدم اعتبار کا مدار بہت کچھ اُسکے رجسٹر پر ہوتا تھا۔ اسکے علاوہ عام حقوق اور مشتبہ جائدادوں، قرضوں کے کاغذات مرتب رکھتا تھا۔ اور عموماً دستاویزات کی رجسٹری اُسکے دفتر میں ہوتی تھی یہ بڑی ذمہ داری کا عہدہ تھا۔ اور اسلیے نہایت مشہور اور ممتاز اور ثقہ لوگ اس منصب کے لیے انتخاب کیے جاتے تھے۔" لیکن فی زماننا کوئی شہر ایسا نہیں ہے کہ جس میں پیشہ ور گواہ اور بد اعمالوں کی ضمانت کرانے والے موجود نہوں۔ اکثر اوقات حکام فریب میں آجاتے ہیں اور اصلی ملزم ان گواہوں کے صدقہ میں چھوٹ جاتے ہیں۔ علاوہ معدل کے قاضی کے ماتحت حسب ذیل عملہ تھا۔

کاتب القاضی۔ حاجب القاضی۔ نقیب القاضی۔ اُمناء القاضی"

قاضی کے لیے یہ بھی لازمی ہے کہ فیصلہ کیوقت بیہودہ مذاق نکرے بلکہ چہرہ پر ایسا سکوت اور تحمل معلوم ہو کہ گویا کچھ غور کر رہا ہے اور فیصلہ سنانے سے پہلے ایسی رائے کا اظہار نکرے جس سے معلوم ہو کہ مدعی یا مدعا علیہ کے حق میں مقدمہ کا فیصلہ ہوگا

جب قاضی غلط فہمی یا لالچ وغیرہ سے فیصلہ کریں۔ تو دوسرے حکام کو اس کی سماعت کرنا چاہیئے اور بادشاہ سے اطلاع کرنا چاہیئے کہ وہ موقوف کیے جائیں یا اُنکو سزا دی جائے

عمّال کے فرائض میں یہ بھی ہی کہ وہ قاضیوں کو مدد دیتا رہے تاکہ اُنکے ظاہری اعزاز کی کساد بازاری نہو۔ اور اگر کوئی شیخی، یا دولتمندی کی وجہ سے قاضی کے حکم سے حاضر عدالت نہو تو عُمّال اُنکو بجبر و سختی حاضر عدالت کر دیں اور یہ عُہدہ اسقدر معزز ہی کہ خلفائے راشدین نے بہ نفس نفیس خدمات قضا کو انجام[۵۱] دیا ہی۔

بقیہ نوٹ صفحہ ۲۲۹ - یہ چند ہدائتیں ایسی ہیں کہ فصل خصومات میں عموماً حکام کے لحاظ کے لائق ہیں۔ لیکن جن ممالک میں اسلامی حکومت ہی وہاں قاضی کو فیصلہ مقدمات کے علاوہ یتیموں اور مجنونوں وغیرہ کی جائداد کا انتظام اور مفلسوں کی خبرگیری، وصیتوں کی تعمیل بیواوں کی تزویج (جب کوئی والی نہو) اس قسم کے کام سُپرد ہیں۔ ماتحت قاضیوں کے فیصلہ کا اپیل قاضی القضاۃ (چیف جسٹس) کے یہاں ہوتا تھا۔ اور جس عدالت میں ایسے مقدمات پیش ہوتے تھے اسکا نام تاریخ میں " دیوان المظالم " ہی اور عربی میں بزمانہ حال مجلس استئناف۔ (عدالت اپیل) کہتے ہیں۔

عربی میں متعدد کتابیں قضاۃ کے حالات میں تحریر ہیں۔ جنسے اُنکی روشنضمیری اور ذہانت اور فیصلہ مقدمات کا ملکہ ظاہر ہوتا ہی چنانچہ کتاب عقد الفرید للملک السعید میں قاضی محمد بن عمران۔ عاقبۃ بن یزید۔ شریک بن عبداللہ کوفی عبید بن ظبیان وغیرہ مشاہیر قاضیوں کے واقعات درج ہیں۔ کتاب الاذکیا ابن جوزی۔ اور المستطرف میں بھی بکثرت روائتیں موجود ہیں۔ شائقین یہ کتابیں مطالعہ کریں۔ انتخاب از سلوک المالک فی تدبیر الممالک۔ ومعید النعم سبکی۔ ومقدمہ ابن خلدون۔

[۵۱] قاضی اور قضاۃ یہ دو لفظ اسقدر جامعیت رکھتے ہیں کہ جنپر مستقل کتاب لکھی جاسکتی ہی۔ لیکن ہمارے زمانہ میں قاضی وہ کہلاتے ہیں جو نکاح پڑہاتے ہیں۔ اور جسکو گورنمنٹ ایکٹ قاضیان کے مطابق مقرر کرتی ہی۔ مگر افسوس ہی کہ جس عہدہ کی ابتدا خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات سے ہوئی تھی اسکو بعض حضرات نے خوب ہی ذلیل کیا ہی۔ مسلمانوں پر گورنمنٹ کا خاص احسان ہوگا۔ اگر وہ اسکے متعلق ایک مکمل دستور العمل مقرر کردے

شاہان عجم کا دستور تھا کہ وہ نوروز[۵] اور مهرجان کے زمانے میں ایک جشن عام کرتے تھے جس میں کُل رعایا کو شریک ہونے کی اجازت تھی۔ اور کسی کے واسطے روک ٹوک نہ تھی۔ اور انعقاد دربار سے چند روز قبل منادی ہو جاتی تھی۔ کہ فلاں تاریخ مقرر ہوئی ہے۔ اور تاریخ معینہ پر بازار میں ایک خاص منادی ہوتی تھی کہ اگر کوئی شخص کسی فریادی کو حاضری دربار سے روکیگا تو بادشاہ اُسکو قتل کر دیگا۔ غرضکہ تاریخ معینہ پر بادشاہ سب کے واقعات سنتا تھا۔ اگر کسی کو محض بادشاہ کی ذات سے شکایت ہوتی۔ تو بادشاہ تخت سے اُتر آتا تھا۔ اور موبد موبدان (مذہبی سردار) کے سامنے دوزانو ہو بیٹھتا اور کہتا کہ سب سے پہلے اس شخص کا فیصلہ میرے مقابلہ میں بلا رورعایت کیا جاے۔ اور منادی پھر پکارتا کہ جو بادشاہ پر نالشی ہوں وہ سب ایک جگہ بیٹھ جائیں تا کہ اُنکا فیصلہ کر دیا جائے۔ پھر بادشاہ موبد سے مخاطب ہو کر کہتا کہ "خدا کے

بقیہ نوٹ صفحہ ۲۳۰۔ اور ان کے رجسٹر جس میں نکاح درج ہوتے ہیں ایسے مطبوعہ فارم ہوں کہ جس میں جعل و فریب اور ترمیم و تنسیخ کا موقع نہو۔ اگر سرکاری حیثیت سے ایسے رجسٹر مرتب ہوں تو نکاح وطلاق وغیرہ کے مقدمات میں حکام کو بھی آسانی ہو جائے"۔

[۵] نوروز" ماہ فروردین (۲۱ مارچ) کا پہلا دن ہے کہ جبکہ آفتاب عالمتاب برج حمل کے نقطۂ اول میں قدم رکھتا ہے اور فصل بہار کی آمد ہوتی ہے۔ ایرانیوں کے عقائد کے مطابق یہ دن نہایت مقدس ہے کیونکہ خداوند عالم نے حضرت آدمؑ اور دنیا کو اسی دن پیدا کیا ہے۔ اور سبعہ سیارہ کو گردش کرنے کا بھی اسی دن حکم ملا۔ اور یہی وجہ تسمیہ نوروز کی ہے۔ لیکن مورخین کا قول ہے کہ جب جمشید پیشدادی نے اصطخر میں قصر شاہی مسمیٰ بہ تخت جمشید بنایا اور علی الصباح تخت پر بیٹھکر مشرق کا نظارہ کیا تو سب سے پہلے سورج کی کرن جب تخت و تاج پر پڑی اور جواہرات کی جگمگاہٹ سے لوگوں کی نظر خیرہ ہونے لگی تو اُنھوں نے نعرہ خوشی بلند کیا اور اس نورانی صبح کا نام نوروز رکھا۔ اور عام طور پر جشن عظیم منایا گیا۔ چنانچہ پارسیوں میں ہنوز یہ یادگار منائی جاتی ہے۔

منجمین کے نزدیک نوروز کی دو قسمیں ہیں ایک کا نام نوروز عامہ اور دوسرے کا نام نوروز خاصہ ہے چنانچہ

نزدیک بادشاہوں کے گناہوں سے بڑھ کر کوئی گناہ نہیں ہی۔ بادشاہ رعایا کی نگہداشت کریں انکو ظالم سے بچائیں۔ اس سے وہ گویا خدا کی نعمتوں کا حق ادا کرتے ہیں۔ جب بادشاہ ظالم ہوتا ہی تو فوج کا ہر سپاہی ظالم ہوجاتا ہی۔ اور خدا کو بھول جاتا ہی۔ تب اُنپر خدا کا عتاب ہوتا ہی اور اُنکی شامت اعمال سے سلطنت اُس خاندان سے نکلجاتی ہی۔

"اے موبد! میرے معاملے میں رعایت نہ کرنا۔ جب خدا مجھ سے پوچھیگا تو میں تجھ سے سوال کرونگا" اسکے بعد موبد معاملے پر نظر ڈالتا، اگر دعوی سچا ہوتا تو اُسکا انصاف کیا جاتا۔ اگر بادشاہ پر جھوٹا دعویٰ دائر ہوتا اور مدعی ثابت نہ کرسکتا، تو اُسکو سخت سزا دیجاتی تھی۔ کہ آیندہ اوروں کو جسارت نہو۔ جب بادشاہ کے معاملات ختم ہوجاتے۔ تب پھر بدستور بادشاہ تخت پر جلوہ افروز ہوتا"

بقیہ نوٹ صفحہ ۲۳۱ جو دن تحویل آفتاب کا برج حمل میں ہی اسکا نام نوروز عامہ ہی اور اس سے زیادہ ساعت سعید کوئی نہیں ہی۔ اور چھٹی تاریخ ماہ فروردین کا نام نوروز خاصہ ہی۔ کیونکہ اسدن جمشید نے دوبارہ تخت پر اجلاس کیا اور خاص جشن کیا۔ اور غسل وطہارت کے بعد سب عبادت میں مشغول ہوئے اور خاص خاص رسموں کی بنیاد ڈالی گئی چنانچہ اکاسرہ میں مسلسل چھ دن کا جشن کیا جاتا تھا اور عام طور سے قیدیوں کی رہائی اور حاجتمندوں کی حاجت روائی انھیں ایام پر موقوف ہوا کرتی تھی اور عیش وعشرت کا بھی خاتمہ ہوجاتا تھا۔

مہرجان۔ مہرگان (مہرجان) مہینہ مہر (اکتوبر) کی سولھویں تاریخ کا نام مہرجان ہی۔ اور یہ وہ تاریخ ہی کہ جب آفتاب برج میزان میں آتا ہی۔ اور خزاں کو موسم بہار کا جانشین کرتا ہی۔ نوروز کے بعد ایرانیوں میں اس سے بڑا کوئی اور جشن نہیں ہی۔ اسکی بھی مثل نوروز کے دو قسمیں ہیں ابتدائے تاریخ ۱۶۔ اور انتہائے تاریخ ۲۱۔ ہی۔ مذہبی فضیلت اس تاریخ میں یہ ہی کہ گویا خدا نے اسی دن زمین کو پیدا کیا۔ اور تمام روحیں اپنے قالب میں آئیں۔ اور اُسی دن یزداں نے اپنے فرشتوں کے ذریعہ سے کاوہ آہنگر کی مدد کی تھی جسنے ضحاک پر فتح پائی۔ اور جو جشن اس یادگار میں منایا گیا وہ قومی مہر ومحبت کا دیباچہ تھا۔ اسلیے مہرگان نام قرار پایا۔ علاوہ اسکے اور بھی متعدد اسباب ہیں جس کے لیے تاریخ عجم دیکھنا چاہیئے اور بعض ارباب لغت نے لکھا ہی کہ ہر مہینے کی سولھویں تاریخ کو مہرجان کہتے ہیں۔ انتخاب از انجمن آرائے ناصری وبرہان قاطع وتاریخ عجم"

اور سب کو مخاطب کر کے بیان کرتا کہ مینے سب سے پہلے اپنی ذات سے اس لیے کارروائی شروع کی تھی کہ تم کو ظلم کرنے کی جرات نہو۔ پھر بلا رورعایت معاملات کا تصفیہ ہوتا تھا۔ چنانچہ اردشیر[1] کے عہد سے یزدگرد[2] تک یہ قاعدہ جاری رہا لیکن یزدگرد نے اس قدیم رسم کو چھوڑ دیا اور ظلم و ستم کا بانی ہوا۔

بادشاہ کو انفصال مقدمات کے لیے خود بیٹھنا چاہیئے۔ اور سب کی درخواستیں سُننا چاہیئے۔ بادشاہ ترک ہو یا عرب، جب وہ قانون شریعت سے واقف نہوگا تو نائب کی ضرورت پڑیگی۔ اور

---

[1] ساسانیوں میں اردشیر بن بابک بن ساسان اصغر (سلسلہ نسب سفندیار پر ختم ہوتا ہی) پہلا بادشاہ ہی۔ اسکی ماں کا نام گہر آفرید تھا ۲۲۶ء میں تخت نشین ہوا۔ اور سام بن رضیع کو جو مشہور مدبر تھا وزیر بنایا۔ تاریخ ایران میں اس کی سلطنت سے ایک نیا زمانہ شروع ہوتا ہی۔

اردشیر کو شہنشاہی کا لقب ملا۔ اردشیر کی سوانح عمری بہادری اور محنت کا سبق پڑہاتی ہی۔ کیونکہ اردشیر نے نہایت ادنیٰ درجہ سے ترقی حاصل کر کے پادشاہی پائی تھی۔ اردشیر کو عمارت سے بہت ذوق تھا۔ اور اسکے عہد میں متعدد شہر آباد ہوئے مثلاً کورہ اردشیر۔ اردشیر آباد۔ (متصل مدائن) ہبرمز اردشیر (متصل اہواز)۔ اشاد اردشیر۔ (متصل اصطخر) بردشیر کورشیر پانچسو چوّن ۵۵۴ شہر اور چھ سو قصبات پر اسکی حکومت تھی اور مردم شماری اسی کرور تھی۔ جو قانون سلطنت اس بادشاہ نے بنایا وہ صدیوں ایران کا دستور العمل رہا۔ اس کی تصنیفات میں سے دو کتابیں مشہور ہیں ایک کا نام کارستان (کارنامہ) اس کتاب میں مہمات ملکی اور سیر و سیاحت کی کیفیت درج ہی۔ دوسری کتاب آداب العیش۔ اس میں حسن معاشرت کے طریقے ہر درجہ کے آدمی کے لیے بتاے ہیں۔ نوشیرواں نے اس کی متعدد نقلیں ملک میں شائع کی تھیں تاکہ رعایا میں حسن اخلاق قائم رہے قیصر روم اور فغفور چین۔ اردشیر کے باجگذار تھے۔ ۸۸ برس کی عمر ہوئی ۱۴ برس ۶ مہینہ سلطنت کی اسکے اقوال تاریخ اور ادب کی کتابوں میں بکثرت درج ہیں۔ انتخاب از ناسخ التواریخ و نامہ خسروان۔

یزدگرد

[2] یزدگرد (یزدجرد) خسرو پرویز کا بیٹا اور ایران کا آخری بادشاہ ہی۔ اسکے زمانہ میں مسلمانوں نے ایران پر فتح پائی تفصیل کے لیے الفاروق علامہ شبلی نعمانی دیکھو۔

ملک کے تمام قاضی درحقیقت نائب سلطنت ہیں۔ اسلئے بادشاہ پر واجب ہے کہ وہ قضاۃ کی عزت و تکریم اعلےٰ درجے کی کریں۔"

(۸) خطیب

مثل قضاۃ کے خطیب جامع مسجد کا بھی انتخاب ہونا چاہیے جو پارسا اور مفسر ہوں۔ کیونکہ امامت کا مسئلہ نازک ہے اور مقتدیوں کا تعلق امام سے وابستہ ہے۔ جب امام کی نماز میں خلل ہو تو مقتدیوں کا خدا حافظ ہے۔

(۹) محتسب

ہر شہر میں محتسب مقرر کرنا چاہیئے۔ تاکہ وہ بازار میں باٹ (اوزان) اور نرخ کی جانچ کرتا رہے۔ اور لین دین کی نگرانی رکھے، تاکہ کوئی شکایت نہو۔ جو چیزیں دیہات سے فروخت کے لیے آویں انہیں یہ جتیا طرہے کہ آمیزش نہونے پائے اور کم وزن تولنے کی زیادہ جانچ ہوتی رہے۔ اس عہدہ دار کی عزت و وقار کا قائم رکھنا بادشاہ اور اُسکے نائبوں کو ضرور ہے۔ کیونکہ یہ اُصول سلطنت میں داخل ہے۔ اور اگر ایسا نہ کیا گیا تو غریبوں کو تکلیف اُٹھانا پڑیگی اور بازاروں کا کام درہم برہم ہوجائیگا۔ بنئے، بقال، جیسا چاہینگے من مانا بیچینگے۔

یہ عہدہ بادشاہ کی جانب سے کسی خواص یا خادم یا بوڑھے ترک کو ملا کرتا تھا۔ جسنے لوگ ڈرتے تھے۔ چنانچہ ذیل کا واقعہ مشہور ہے۔

سلطان محمود غزنوی، ندیمان خاص میں ایک شب محو نشاط تھا۔ اور اسکے دو ندیم علی نوشتگیں و محمد عربی (یہ دونوں سپہ سالار تھے) بھی حاضر مجلس تھے۔ چنانچہ علی نوشتگیں نے کھانے کے وقت

گھر جانے کی اجازت مانگی۔ چونکہ دن زیادہ چڑھ گیا تھا۔ اور یہ نشہ میں چور ہو رہا تھا۔ سلطان نے کہا کہ اسوقت گھر سے باہر قدم رکھنا خلاف مصلحت ہی یہیں آرام کرو۔ نماز ظہر کے بعد چلے جانا، اُسوقت تک طبیعت سنبھل جائیگی۔ اگر محتسب ان حالوں سے دیکھ لیگا تو وہ حد جاری کریگا، اور ساری عزت ناک میں مجائیگی۔ اور مجھ کو بھی صدمہ ہو گا۔ لیکن میں شرع کے حکم میں دم نہ مارونگا۔ علی نوشتگین پچاس ہزار فوج پر افسری کرتا تھا۔ اور خود بھی ایک منچلا بہادر تھا۔ ہزار پہلوانوں کی برابر اس کی طاقت مشہور تھی۔ اُسکے خیال میں نہ آیا کہ محتسب کون ہی اور کیا کر سکتا ہی؟ اور سپاہیانہ جوش میں کہا کہ "میں تو بغیر گھر جائے نہیں رہ سکتا ہوں" اور آخر کو اپنے جلوس کے ساتھ نکل کھڑا ہوا۔ محتسب[1] نے دیکھا کہ سو سواروں کے جھرمٹ میں سپہ سالار صاحب بدمست جا رہے ہیں، چنانچہ اُسی وقت حکم دیا کہ اُسکو گھوڑے پر سے اُتار لو۔ اور اسکے بعد خود گھوڑے سے اُتر کر اپنے ہات سے دُرّے لگائے اور وہ بھی اس سختی سے کہ زمین پر موہنہ کے بل گر گر پڑتا تھا۔ از دلی کی سوار و پیادے کھڑے موہنہ تکتے تھے اور دم نہ مار سکتے تھے۔ چونکہ یہ محتسب سلطان کا خادم اور

---

[1] علاوہ اُمور مندرجۂ بالا کے محتسب کو ان اُمور کی نگرانی کرنی پڑتی تھی۔ بازار یا مجمع میں کوئی امر خلاف شریعت ہونے نہ پائے۔ جانوروں پر اُن کی طاقت سے زیادہ بوجھ نہ لادا جائے۔ کشتی میں زیادہ آدمی سوار نہ ہونے پائیں۔ جہاز اور مزدور پر مقدار مقررہ سے زیادہ وزن نہو۔ راستہ یا سڑک پر جو مکانات مخدوش ہوں انکو مالکوں سے گروا دے۔ جو معلم لڑکوں پر زیادہ سختی کرتے ہوں اُنکو سزا دے۔ نان بائیوں کی دوکان کی پکی ہوئی روٹیاں بھی وزن کرا کے دیکھتے تھے۔ اور گوشت کا نرخ روزانہ درج کتاب کیا جاتا تھا۔ نائب محتسب مع سپاہی پیادوں کے دن رات بازاروں اور گلیوں میں گشت کرتا رہتا تھا۔ اب محتسب کی اکثر خدمات ناظم مجلس بلدیہ (میونسپل بورڈ کے سکرٹری) انجام دیتے ہیں۔ سلطنت اندلس میں اسی عہدہ کا نام خطۃ الاحتساب تھا۔ اور دراصل یہ عہدہ بھی عہدہ قضا کی شاخ ہی۔ محتسب کا اجلاس روزانہ جامع مسجد میں ہوا کرتا تھا۔

بوڑھا ترک تھا" اور قدیم نمکخوار۔ اس لیے اسکے مقابلے میں کوئی چون وچرا نکرسکا۔ سپہ سالار کو سخت ندامت تھی اور رستہ میں کہتا جاتا تھا جو" بادشاہ کا حکم نہ مانیگا اُسکا حال مجھ جیسا ہوگا"۔ دوسرے دن سلطان نے پیٹھ کھولکر دیکھی تو وہ ٹکڑے ٹکڑے تھی۔ ہنسکر فرمایا کہ" توبہ کرو اب کبھی گھر سے جھومتے ہوے نہ نکلنا"۔

چونکہ محمود اصول سیاست اور نظام حکومت کا پابند تھا۔ اسوجہ سے اسکے زمانے میں انصاف خوب ہوتا تھا؛

(۱۰) عاملانہ عہدہ داروں کی نگرانی

ہر شہر میں بادشاہ کو اول ایسا دیندار اور خدا ترس آدمی تلاش کرنا چاہیئے، کہ جو صاحب غرض نہو اور جب ایسا شخص ملجاے تو شہر کی امانت اُس کے سپرد کر دیجاے۔ اور حکم دیا جاے کہ" اس شہر اور اسکے نواح کی عام نگرانی تمھارے سپرد ہی۔ عامل، قاضی، محتسب اور تمام رعایا کے حالات سی واقفیت پیدا کرو۔ اور مجھے اطلاع دو"۔ ایسے بزرگ جو ان صفات سے متصف ہوں۔ اور اس خدمت کو خوشی سے قبول نکریں تو انپر زور ڈالا جاے۔

(۱) چنانچہ[۵۲] امیر عبداللہ بن طاہر (جس کی قبر نیشا پور میں زیارت ہوتی ہی) کا دستور تھا کہ وہ

۱؎ فصل ہفتم صفحہ ۲۴۳۔

۵۲ طاہر بن حسین ملقب بہ ذوالیمینین خلیفہ مامون رشید عباسی کا نامور سپہ سالار ہی جسکو فتح بغداد اور قتل امین کے بعد مامون الرشید نے ۲۰۵ھ میں صوبہ خراسان کا گورنر کر دیا تھا لیکن جس دن مامون کے خلاف طاہر نے بغاوت کا خیال ظاہر کیا اُسی دن اُسے زہر دیدیا گیا۔ یہ واقعہ جمادی الثانی ۲۰۷ھ کا ہی۔ لیکن چونکہ طاہر مامون کا قدیم خدمتگزار تھا اسوجہ سے اُسکے حقوق کا لحاظ کیا گیا اور خراسان کی حکومت اُسکے بیٹے طلحہ کو دی گئی۔ غرضکہ

ہر کام دیندار اور پارسا لوگوں کے سپرد کیا کرتا تھا۔ جسکا یہ اثر تھا کہ مال طیب خزانہ میں جمع ہوتا تھا

بقیہ نوٹ صفحہ ۲۳۶ اسی طاہر کا ایک دوسرا نامور بیٹا عبداللہ تھا۔ جو صاحب الشرطہ (افسر محکمہ پولیس) کے عہدہ سے سنہ ۲۱۲ھ میں مصر کا مستقل گورنر مقرر کیا گیا تھا۔ اور اُسکے فضل و کمال کا اندازہ اسطرح پر کیا جا سکتا ہی کہ تقرر کے بعد مامون نے عطائے سند کے لیے عبداللہ کو اپنے پاس بلایا اور کہا کہ "یوں تو ہر شخص اپنی اولاد کی نسبت حسن ظن رکھتا ہی۔ لیکن طاہر نے جو کچھ تمھاری تعریف میں کہا اُس سے کم کہا، جسکے تم درحقیقت مستحق ہو"۔ طاہر نے یہ مژدہ سُنا تو بیٹے کو ایک نہایت مفصل خط لکھا۔ (عبداللہ بن طاہر جب مصر کا گورنر ہوا ہی اُسوقت طاہر فوت ہو چکا تھا اسلیے طاہر نے یہ خط سنہ ۲۰۶ھ یا سنہ ۲۰۷ھ میں لکھا ہی جبکہ عبداللہ رقہ کا گورنر تھا۔ اور نصر بن شبث کے مقابلے میں نمایاں کارگزاری کر چکا تھا) جو آئین حکومت، انتظامات ملکی، رفاہ رعایا، کے متعلق ایک نہایت مدبرانہ دستورالعمل ہی۔ یہ خط اسقدر مقبول ہوا کہ تمام لوگوں نے اس کی نقلیں لیں اور خود مامون نے اسکی باضابطہ نقلیں عموماً حکام سلطنت کے پاس بھجوائیں اور کہا کہ طاہر نے دنیا، دین، تدبیر رائے، سیاست، صلاح ملک، و حفاظت سلطنت اور قیام خلافت کے متعلق کوئی بات اُٹھا نہیں رکھی"۔ چونکہ خواجہ نظام الملک کی سوانح عمری کو قانون سلطنت اور سیاست سے خاص تعلق ہی۔ لہذا ترجمہ اس خط کا لکھا جاتا ہی کیا عجب ہی کہ ہندستان کی اسلامی اور غیر اسلامی ریاستوں کے والیٔ ملک اور اُنکے عمال اس دستورالعمل سے فائدہ اُٹھائیں اور ہماری گورنمنٹ کے عہدہ دار بھی محروم نہ رہیں۔ اس خط کے بعض مضامین خالص اسلامی ہیں اور اُنکے مخاطب مسلمان ہیں۔ تاہم باستثناء اسکے عام مضامین ایسے ہیں جنسے ہر شخص فائدہ اُٹھا سکتا ہی۔

امیر عبداللہ شجاعت و تدبیر کے علاوہ بڑا ادیب، محدث، شاعر، اور موسیقی داں تھا۔ اسکی فیاضیوں کے سامنے خود مامون الرشید کی دریا دلی بھی کچھ حقیقت نہ رکھتی تھی۔ ابو تمام طائی صاحب الحماسہ اسکے دربار کا شاعر تھا تمام خاندان شاہی اسکی عزت کرتا تھا چنانچہ سنہ ۲۱۱ھ (۸۲۶ء) میں جب امیر عبداللہ داخل بغداد ہوا۔ تو خود معتصم باللہ اسکے استقبال کو نکلا۔ مرنے سے پہلے بیس لاکھ درہم خرچ کر کے غلام آزاد کرائے۔ اور ان مصارف پر جب مرا تو چار کرور درہم خاص اسکے خزانہ میں موجود تھے۔ امیر عبداللہ سنہ ۲۱۴ھ (۸۲۹ء) میں خراسان کا گورنر مقرر ہوا اور سنہ ۲۳۰ھ (۸۴۴ء) میں فوت ہوا۔ اسکے بعد طاہر بن عبداللہ اور محمد بن طاہر حکمراں ہوے۔ امرائے طاہریہ جنکو

اور رعایا پر کسی قسم کی سختی بھی نہ ہوتی تھی۔

بقیہ نوٹ صفحہ ۲۳۷۔ ملوک طاہریہ کہنا چاہیئے ان کی حکومت خراسان میں ۲۰۵ھ سے شروع ہوئی۔ اور مسلسل پانچ حکمرانوں کے بعد ۲۵۹ھ میں ختم ہوگئی۔ یہ خاندان اگرچہ خلفاء کا ماتحت تھا مگر برائے نام۔ تمام مورخین کی رائے ہے کہ دولت عباسیہ کے زوال کا دیباچہ آل طاہر کی مسلسل حکومت تھی۔
چنانچہ اس خاندان کا اخیر حکمران محمد بن طاہر یعقوب صفار کے ہاتھ گرفتار ہوگیا اور خاندان کا خاتمہ ہوا لیکن جو طرز عمل ان اُمراء کا تھا وہی صفاریوں کا رہا اور یہ سلسلہ تباہی بغداد تک برابر قائم رہا۔ انتخاب از المامون، تاریخ الدول الاسلامیہ۔ ۱۲

طاہر کا خط عبداللہ بن طاہر کے نام

میرے عزیز بیٹے! میں سب سے اول تمکو یہ نصیحت کرتا ہوں کہ تم ہمیشہ خدا سے ڈرتے رہو جو ایک ہے اور جسکا کوئی شریک نہیں ہے۔ تمکو رات دن اس بات کی کوشش کرنی چاہیئے کہ اُسکی مرضی پر چلو اور اُسکے غصہ سے ڈرتے اور کانپتے رہو۔ تمھارا فرض ہے کہ تم اپنی رعیت کی نگہبانی اور حفاظت میں شب و روز سرگرم رہو۔ جو صحت اور تندرستی خدا نے تمکو عنایت کی ہے اوسکو غنیمت سمجھو اور آخرت کو پیش نظر رکھو۔ یاد رکھو کہ ایک دن خدا کے حضور میں جاؤگے اور تمسے تمھارے افعال کی نسبت سوال کیا جائیگا، اسلیئے جو کام تم شروع کرو، اُسکو ایسی طرح انجام دو کہ قیامت کے دن تمکو عذاب الٰہی میں گرفتار ہونا پڑے۔

یاد رکھو کہ خدا نے تمپر احسان کیا ہے اور رعیت کے ساتھ مہربانی سے پیش آنا تمپر واجب کیا ہے۔ تم خدا کے بندوں پر حکومت کرتے ہو۔ تمپر لازم ہے کہ اُنکے ساتھ انصاف کرو اور اُسکا پورا پورا حق ادا کرو اور اُس کی حدود سے متجاوز نکرو۔ انکی عزت اور جان و مال کی حفاظت کرو۔ ملک میں امن و امان قائم رکھو اور اہل ملک میں عام راحت و آسودگی پھیلاؤ۔ خدا نے جو فرائض تمھارے ذمہ واجب کیے ہیں اُنکے انجام دینے یا نہ دینے کی نسبت تم سے ایک دن ضرور باز پرس کیجائیگی اور تمھاری نیکیوں اور بدیوں کا موازنہ کیا جائیگا اور اُنکا بدلہ دیا جائیگا۔ پس تمپر لازم ہے کہ اسباب کے سوچنے اور سمجھنے کے لیے اپنے دماغ پر زور دو اور عقل و فہم سے اچھی طرح کام لو۔ یہ وہ اصول ہے جسپر تمھاری زندگی کا مدار ہونا چاہیئے۔ میں دعا کرتا ہوں کہ خدا تمکو اس اصول پر عمل کرنے کی توفیق دے اور تم اسپر عمل کرنا

(۲) حدیث شریف میں آیا ہے کہ "العدل عزّ الدنیا و قوّت السّلطان وفیہ صلاح العامۃ"

بقیہ نوٹ صفحہ ۲۳۸ لازم جانو اور اپنے تمام کاموں کی بنیاد اسی اُصول پر رکھو۔

پانچ نمازیں جو خدا نے تم پر فرض کی ہیں، اُنکو ٹھیک وقت پر اور جماعت کے ساتھ ادا کرو۔ وضو اور طہارت کے جو شرائط ہیں ان سب کا لحاظ رکھو۔ نماز میں جو سورتیں پڑھو، اُن کو آہستگی اور ترتیل کے ساتھ ادا کرو۔ رکوع اور سجدہ کرنے میں کوئی گھبراہٹ نہیں ہونا چاہیئے۔ غرضکہ نماز کے جتنے ارکان ہیں اُن سب کو نہایت اطمینان سے انجام دو۔ جو لوگ تمھارے مصاحبوں اور ندیموں میں داخل ہوں، یا تمھارے خدمتگار اور ملازم ہوں، انکو بھی اس بات کی ترغیب دو کہ وہ جماعت کی نماز پڑھا کریں۔ نماز سے جیسا کہ خدا نے فرمایا ہے، نیکیوں کی تحریک ہوتی ہے اور انسان بدیوں اور گناہوں سے محفوظ رہتا ہے۔ تم پر یہ بھی لازم ہے کہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی سنت کی پیروی کرو اور خلفائے راشدین اور سلف صالح کے طریقۂ زندگی کو اختیار کرو۔ جب کوئی مشکل کام پیش آئے، تو خدا سے دعا کرو کہ وہ تمھیں اُسکے حل کرنے کی توفیق دے اور وہ پہلو سجھائے جو سراسر نیک ہو۔ پھر اس بات کی کوشش کرو کہ وہ کام ایسے طریقے سے انجام دیا جائے، جو خدا کے احکام اور رسول اللہ کی ہدایتوں اور نصیحتوں کے خلاف نہو۔ اس کے بعد اُس کام پر ہاتھ ڈالو اور انصاف کو کبھی اور کسی معاملہ میں ہاتھ سے نہ دو۔ ہر معاملہ کا، جو تمھارے عزیزوں اور دوستوں سے تعلق رکھتا ہو، یا اجنبی لوگوں کے متعلق ہو، انصاف کے موافق فیصلہ کرو۔ اسکا بالکل خیال نہ کرو کہ تم اُس فیصلے کو پسند کرتے ہو یا ناپسند کرتے ہو۔

شریعت کے عالموں اور قرآن مجید پر عمل کرنے والوں کو سب لوگوں پر ترجیح دو اور اُنکو اپنی صحبت میں شریک کرو، کیونکہ ایک انسان کے لیے جو چیز سب سے بڑھ کر مایۂ ناز ہو سکتی ہے، وہ دینداری اور خدا شناسی ہے۔ یہ وہ چیز ہے جو نیکیوں اور بھلائیوں کی ہدایت کرتی ہے اور مہلک بُرائیوں اور بدیوں سے باز رکھتی ہے۔ جب خدا کسی انسان کو نیکی کی توفیق دیتا ہے، تو وہ خدا کی عظمت اور جلال کو ہمیشہ پیش نظر رکھتا ہے اور آخرت میں بلندترین درجات پر پہنچنے کی تمنا کرتا ہے۔ اگر تم بھی اس ہدایت پر عمل کرو، تو آخرت میں روحانی ترقی تم کو نصیب ہوگی، دنیا میں ہر شخص تمھارے ساتھ عزت و توقیر سے پیش آئیگا، تمھارا رعب اہل دنیا پر طاری ہوگا، وہ تمھارے ساتھ محبت و الفت سے پیش آئینگے اور تمھارے انصاف پر بھروسا کرینگے۔

والخاصۃ" اور خداوند تعالیٰ فرماتا ہے" اللّٰہُ الَّذِیْ اَنْزَلَ الْکِتَابَ بِالْحَقِّ وَالْمِیْزَانِ"۔

بقیہ نوٹ صفحہ ۲۳۹ ہر ایک کام میں جسکو تم شروع کرو، یا انجام دو، اعتدال کو کبھی ہات سے ندو اور ہمیشہ خیرالامور اوسطہا پر عمل کرو۔ افراط و تفریط سے بچنا اور ہر کام میں توسط اختیار کرنا ایسا عمدہ طریقہ ہے کہ اس سے زیادہ مفید اور عمدہ اور اطمینان بخش کوئی طریقہ نہیں ہے۔ اعتدال ہدایت کی طرف رہبری کرتا ہے اور ہدایت اس بات کی دلیل ہے کہ خدا نے خوش قسمتی اور کامیابی کا منظر اُس شخص کی آنکھوں کے سامنے پیش کیا ہے جو ہدایت کے طریقے پر چلتا ہے۔ اعتدال ہی پر مذہب کا مدار ہے اور شریعت بار بار اسی کی تاکید کرتی ہے تم بھی دنیا میں اعتدال و توسط اختیار کرو۔

عزیز بیٹے! تم ہمیشہ آخرت کی طلب میں ہو اور نیک کام کرنے میں ہمیشہ آمادگی ظاہر کرو اور یاد رکھو کہ نیکی میں کوشش کرنے کی کوئی انتہا نہیں ہے۔ نیکی کرنے سے کوئی مقصد اسکے سوا نہیں ہے کہ تم خدا کی خوشنودی حاصل کرو اور آخرت میں خدا کے دوستوں اور اُسکے نیک و مقبول بندوں کا قرب تمکو حاصل ہو۔ اگر تم اعتدال اور توسط اختیار کروگے تو دنیا میں تمھاری عزت ہوگی اور تم گناہوں اور بدیوں سے بچوگے۔ اس سے بہتر کوئی طریقہ ایسا نہیں ہے جس سے انسان کے تمام کام درست ہوں پس تمکو بھی اسی طریقے پر چلنا چاہیئے تاکہ تمھارے سب کام درست ہوں اور تمھاری عزت اور وقعت لوگوں کی نگاہوں میں زیادہ ہو۔ خدا کی نسبت تم ہمیشہ نیک گمان رکھو۔ تمھاری رعیت بھی ہمیشہ تمھاری نسبت نیک گمان رکھیگی۔ ہر کام میں خدا سے عجز و نیاز کے ساتھ التجا کرنے کو اپنی کامیابی کا ذریعہ تصور کرو، تاکہ ہمیشہ اُس کی نعمتیں اور برکتیں تمپر نازل ہوں، ہر شخص کی نسبت جسکو تم کوئی کام سپرد کرو، نیک گمان کرو اور بغیر کسی معقول وجہ کے اُس کے کام کی نسبت بدگمانی نہ کرو۔ تمھارا فرض یہ ہے کہ الزام لگانے سے پہلے ہر کام کا امتحان کرو اور اُسکی حقیقت معلوم کرو۔ یہ میںنے اسلیے کہا کہ لوگوں کی نسبت بدگمانی کرنا اور اُنپر بیجا طور سے الزام لگانا شریعت میں سخت گناہ ہے۔ پس تم اپنے دوستوں اور ملازموں کے ساتھ ہمیشہ حسن ظن سے پیش آو۔ بغیر تحقیق کے کبھی اُنکے کاموں کی نسبت بدگمانی نہ کرو اور اُنپر الزام نہ لگاؤ۔ دیکھنا شیطان تمھارے طریقہ زندگی میں کوئی رخنہ نہ پائے، ورنہ وہ تمھاری ادنی کمزوری کو کافی سمجھیگا اور تمکو بدگمانی میں ڈالکر غم میں مبتلا کردیگا۔ اور

(۴) حضرت فضیل[1] بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ " اگر کہیں میری دعا مستجاب ہو تو میں

[1] ابو علی فضیل بن عیاض نہایت مشہور و معروف صوفی ہیں۔ ابتدا میں ابیورد اور سرخس کے مابین راہزنی کیا کرتے تھے۔ لیکن یکایک خدا کی طرف سے ہدایت ہوئی۔ توبہ کرکے بمقام کوفہ ریاضت میں مشغول ہوئے۔ اور زمرۂ کاملین اور ارباب طریقت میں شمار ہوئے۔ کتاب المعارف میں اصحاب الحدیث کے ذیل میں ابن قتیبہ نے آپ کا تذکرہ لکھا ہے۔ ہارون الرشید عباسی کے عہد میں بمقام مکہ معظمہ (بحیثیت ایک مجاور) بماہ محرم سنہ ۱۸۷ھ ۸۰۳ء انتقال فرمایا تفصیلی حالات کے لیے تذکرہ صوفیا اور ابن خلکان دیکھو۔

بقیہ نوٹ صفحہ ۲۴۰ تمہارے عیش کو مکدر اور تمہاری زندگی کو تیرہ و تار کر ڈالیگا۔ خوب سمجھ لو کہ حسن ظن سے ایک عجیب طاقت اور راحت انسان کے دل میں پیدا ہوتی ہے۔ اگر تم لوگوں کی نسبت نیک گمان رکھوگے تو تمہاری تمام خواہشیں پوری ہونگی اور سب کام درست رہینگے اور لوگ تم سے محبت کرینگے۔ مگر یہ بھی خیال رہے کہ اگر محض حسن ظن پر بھروسہ کروگے اور اپنے ملازموں کے ساتھ حد سے زیادہ مروت اور مہربانی سے پیش آؤگے اور اُنسے باز پرس نہیں کروگے اور اپنے کاموں پر نظر نہیں رکھوگے، تو اُسکا انجام یہ ہوگا کہ تمہارے ہر انتظام میں خلل آجائیگا اور تمہارا ہر کام نادرست ہوگا۔ تمہارا فرض ہے کہ اپنے ماتحتوں اور ملازموں کے کاموں پر نظر رکھنے اور رعیت کے باب میں احتیاط کرنے اور اُنکی اصلاح و بہبودی پر متوجہ ہونے اور اُن کی ضرورتوں اور حاجتوں کو پیش نظر رکھنے کو سب کاموں سے زیادہ مقدم سمجھو۔ یہ وہ طریقہ ہے جس سے دین قائم رہتا ہے اور سنت نبوی زندہ ہوتی ہے۔ جب تم اس طریقہ پر عمل کرو، تو اپنی نیت کو ہر حال میں خالص رکھنا۔

عزیز بیٹے! تمکو سب سے پہلے اپنے نفس کی اصلاح کرنی چاہیئے اور ہمیشہ اس بات کو پیش نظر رکھنا چاہیئے کہ کل تم سے تمہارے بُرے اور بھلے کاموں کی نسبت سوال کیا جائیگا۔ بُرائیوں پر تمکو سزا دیجائیگی اور نیکیوں پر تم انعام پاؤگے۔ خدا نے دین کو دنیا کی امن و امان اور حفاظت اور اہل دنیا کی بہبودی اور آسائش کے لیے پیدا کیا ہے پس تمہارا فرض یہ ہونا چاہیئے کہ تم جن لوگوں پر حکومت کرتے ہو، اُنکے ساتھ دینداری کے طریقے سے پیش آؤ اور شریعت کی ہدایتوں کے بموجب اُنسے برتاؤ کرو۔ خدا نے جرائم کی جو حدیں قائم کردی ہیں اُنکو جاری کرو، اور مجرموں کو اُنکے جرموں کے موافق سزا دو اور اس میں ذرا غفلت اور کوتاہی نکرو۔ اگر تم مجرموں اور بدکاروں کے سزا

یہی دعا مانگوں کہ خداوندا سلطان عادل مرحمت فرما"۔

بقیہ نوٹ صفحہ ۲۴۱ - دینے میں کوتاہی کروگے، تو عام آدمی تمھاری نسبت بدگمانی کرینگے اور انکا خیال تمھاری نسبت اچھا نہیں رہیگا۔

دین کے احکام پر عمل کرنے میں تم ہمیشہ اس بات کا خیال رکھو۔ کہ جو ہدایتیں واضح اور روشن ہیں اُنکو اختیار کرو اور جن باتوں میں شبہ ہو اُنکو بالکل ترک کردو اس سے فائدہ یہ ہے کہ تمھارا ایمان قائم رہیگا اور تمھاری دینداری میں کوئی فرق نہیں آئیگا۔

جب تم کوئی معاہدہ کرو تو اُسکو ضرور پورا کرو۔ اور کسی آدمی سے نیکی اور بھلائی کا وعدہ کرو، تو اسکا پورا کرنا بھی تم پر لازم ہے۔ نرمی کی باتوں کا ہمیشہ نرم جواب دو۔ اپنی رعیت کے عیبوں سے چشم پوشی کرو۔ جھوٹ بولنے اور فریب کی باتیں کرنے سے زبان کو بند رکھو۔ جو لوگ جھوٹ بولنے اور فریب کی باتیں کرنے کی عادت رکھتے ہوں اُنسے تم ہمیشہ دشمنی رکھو۔ چغلخوروں کو بدگوئی اور غیبت کی سزا دو، کیونکہ ایسے آدمیوں کو صحبت میں رکھنے اور اُنکو جھوٹ بولنے پر جرات دلانیسے تمھارے موجودہ اور آیندہ کاموں میں ضرور خلل آئیگا۔ جھوٹ بولنا تمام گناہوں کی ابتدا ہے اور تہمت لگانا اور غیبت کرنا اُنکی انتہا ہے چغلخور آدمی کا کوئی دوست نہیں ہوتا اور جس شخص میں یہ بیہودہ اور خراب عادت ہوتی ہے اُسکا کوئی کام پورا نہیں ہوتا، نیکچلن اور راستباز آدمیوں سے تمکو ضرور محبت کرنی چاہیئے۔ شریفوں کی اعانت کرو، مگر اُسی حالت میں جبکہ وہ حق پر ہوں۔ کمزوروں کی غمخواری کرو۔ رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آؤ۔ غرضکہ ہر ایک گروہ کے اور ہر قسم کے آدمیوں کے ساتھ عمدہ برتاؤ کرو مگر ہر وقت اور ہر حالت میں یہ خیال رکھنا چاہیئے کہ جو کچھ تم کر رہے ہو اس سے خدا کی خوشنودی اور اُسکے احکام کی فرمانبرداری کرنا مقصود ہے، اور تم اپنے حسن سلوک کی جزا اہل دنیا سے نہیں، بلکہ آخرت میں خدا سے پاؤگے۔

ناجائز ارادے اور ظلم وستم کے ولولے اپنے دلمیں پیدا نہ ہونے دو اور اپنے تئیں ہمیشہ اُنسے دور رکھو اور رعیت پر ظاہر کردو کہ تم ظلم وستم نہیں کروگے اور اپنے کسی ناجائز ارادہ کو پورا کرنا نہیں چاہو گے۔ سیاست کے ساتھ ہمیشہ انصاف کو مدنظر رکھو۔ اور رعیت کے معاملات کا جو فیصلہ کرو، وہ ہمیشہ حق پر ہو اور اُنکی نسبت پہلے سے

(۱۱) شریعت

بادشاہ پر واجب ہی کہ فرض و سُنّت اور احکام شریعت کے قائم رکھنے کی کوشش کرے۔ اور علمائے ملّت کی عزت و حرمت کرتا ہی۔ اور بیت المال سے انکو وظائف دیئے جائیں اور یہی طریقہ پرہیزگاروں سے برتے۔ اور یہ معمول کرلے کہ ہفتہ میں دو ایک مرتبہ علمائے دین سے

بقیہ نوٹ صفحہ ۲۴۲ ایسی معلومات حاصل کرلو: جو راہ راست سے تمکو منحرف نہ ہونے دے۔ غصّہ کیوقت ہمیشہ اپنے نفس کو قابو میں رکھو اور تحمل اور بردباری کو ہر کام میں ترجیح دو۔ خود بینی اور غرور سے اپنے تئیں محفوظ رکھو۔ اور کبھی یہ خیال نکرو کہ میں جو حکومت کرتا ہوں، جو چاہوں کرسکتا ہوں، کیونکہ یہی وہ چیز ہی جس سے ارادے کا فاسد ہونا اور خدا کی عظمت و جلال پر یقین نہونا ثابت ہوتا ہی۔ خدا کی نسبت تم ہر وقت اپنی نیت کو خالص رکھو اور اُس کی عظمت و جبروت کو ہمیشہ پیش نظر رکھو اور یہ خوب جان لو کہ اس دنیا کی حکومت خدا کے سوا کسی کے لیے نہیں ہی۔ وہ جس کو چاہتا ہی سلطنت اور حکومت عطا کرتا ہی۔ اور جس سے چاہتا ہی چھین لیتا ہی جو لوگ دنیا میں حکمرانی کرتے ہیں اور آسودگی اور دولتمندی میں ڈوبے ہوئے ہیں جب وہ خدا کی نعمتوں کی ناشکری کرتے ہیں اور اُسکے ساتھ نافرمانی اور سرکشی سے پیش آتے ہیں تو بہت جلد اُن کی حشمت اور ثروت پر زوال آتا ہی اور بدبختی کا عذاب اُنپر نازل ہوتا ہی

حرص و طمع کو اپنے پاس نہ آنے دو اور جو خزانے اور ذخیرے تم جمع کرتے ہو، وہ اسلیے ہونے چاہئیں کہ تم اُنکو حقداروں میں تقسیم کرو اور رعیت کی بہبودی اور آسائش میں اُنکو صرف کرو۔ نیکیوں اور بھلائیوں میں، انصاف اور معدلت میں، رعیت کی اصلاح اور ملک کی آبادی میں، لوگوں کی جانیں محفوظ رکھنے اور مظلوموں کی فریاد سُننے میں جہانتک تم سے ہوسکے کوشش کرو اور کبھی ان اُمور سے غافل نہو۔ جب دولت کے انبار لگجاتے ہیں اور خزانوں میں روپیہ کثرت کے ساتھ جمع ہوجاتا ہی تو اُس میں کبھی ترقی اور بیشی نہیں ہوتی جب تک کہ اُسکو رعیت کی بہبودی اور حق رسانی میں صرف نکیا جاے۔ اگر تم میری اس ہدایت کا خیال رکھوگے تو رعایا کیجان

ملا کرے۔ اور اُس نے قرآن وحدیث سیکھے اور شاہان عادل کے قصص وحکایات سنے۔

بقیہ نوٹ صفحہ ۲۴۳ درست ہوگی، ملک کو رونق اور سرسبزی حاصل ہوگی اور تمھاری حکومت مضبوط اور تمھاری مملکت محفوظ ہوجائیگی۔ تمکو ہمیشہ اپنے خزانوں کو اسلام اور اہل اسلام کی حمایت اور حفاظت میں صرف کرنا چاہیے۔ جو لوگ امیر المومنین کے خیر خواہ اور وفادار ہیں اُنکا اور رعایا کا حق تمکو اپنے خزانوں سے نکالنا چاہیے اور ہمیشہ ایسی تدبیر کرنی چاہیے جس سے رعیت کو آسائش اور بہبودی حاصل ہو۔ اگر تم ایسا کروگے، تو خدا کی نعمت جو تمکو دی گئی ہی پایدار اور برقرار رہیگی، بلکہ روز بروز اُس میں اضافہ ہوگا اور خراج کے وصول کرنے اور رعیت سے مطالبہ کا روپیہ حاصل کرنے پر تم پہلے سے زیادہ قادر ہوگے اور تمھارے احسان اور انصاف کے سبب سے تمام آدمی تمھاری طاعت اور فرمانبرداری پر پہلے سے زیادہ کمربستہ ہونگے اور جو انتظام تم جاری کرنا چاہوگے اُسکو وہ نہایت آسانی سے قبول کرینگے۔ میں نے یہ نصیحت اس لیے کی ہی کہ تم اُسپر اپنی پوری توجہ مبذول کرو اور اپنی فضیلت اور خوبی سب اسی نصیحت پر عمل کرنے میں تصور کرو۔ تمکو سمجھنا چاہیے کہ جو مال خدا کی راہ میں صرف کیا جاتا ہی وہ کبھی رائیگاں نہیں جاتا، بلکہ باقی اور پایدار رہتا ہی۔

تمکو لازم ہی کہ جو لوگ تمھارے احسان کا شکریہ ادا کریں اور تمھارے ساتھ اطاعت اور خلوص کا اظہار کریں، اُنکے ساتھ تم بھی حسن سلوک اور فیاضی سے پیش آؤ۔ اور ایسا نہو کہ دنیا تمھیں دہوکا دے اور ناز و نعمت میں پڑکر اپنی عزت کو بھول جاؤ اور اُن حقوق کے پورا کرنے میں سستی کرو، جو تمھاری گردن پر ہیں۔ یاد رکھو کہ سستی کرنے کا نتیجہ افراط و تفریط ہی اور افراط و تفریط کا نتیجہ ہلاکت ہی تمھارا ہر کام صرف اس غرض سے ہونا چاہیے کہ تم اُسکے ذریعے سے خدا کو راضی کرو اور اُسی سے ثواب کی توقع رکھو۔ میں بار بار اسلیے کہتا ہوں کہ خدا ہی نے تمپر اپنی نعمتیں نازل کی ہیں اور وہی تمپر کامل مہربانی کرسکتا ہی۔ وہ اُن لوگوں کو جو اُسکا شکریہ ادا کرتے ہیں زیادہ نعمت عطا کرتا ہی اور نیکی کرنیوالوں کو اُن کی نیکی اور بھلائی کی عمدہ جزا دیتا ہی۔

کسی گناہ کو تم ادنے اور حقیر نہ جانو کسی حاسد کے ساتھ نرمی اور دلجوئی سے پیش نہ آؤ۔ کسی بدکار پر رحم نکرو، کسی ناشکرے کے ساتھ فیاضی سے پیش نہ آؤ۔ کسی دشمن کے ساتھ چکنی چپڑی باتیں نکرو، کسی بدگو اور چغلخور کی ہاں میں ہاں نہ ملاؤ، کسی بیوفا اور ظالم پر احسان نکرو۔ کسی گنہگار آدمی کے دوست نہ بنو۔ کسی ریاکار کی تعریف نکرو

جب یہ صحبت ہو، اُسوقت دنیاوی مشاغل سے اطمینان ہونا چاہیئے۔ اور ایسے جلسہ میں علما کو حکم دے

بقیہ نوٹ صفحہ ۲۴۴۔ کسی فقیر کو محروم اور نا اُمید نہ جانے دے۔ کسی انسان کو حقارت اور ذلت کی نظر سے نہ دیکھو
بیہودہ باتوں سے ہمیشہ نفرت کرو کسی کے ساتھ ہنسی اور دل لگی سے پیش نہ آؤ۔ جو وعدہ کرو اُسکو پورا کرکے رہو اور
فضول باتوں اور احمقانہ باتوں میں اپنا وقت ضائع نہ کرو۔ کبھی غصہ کا اظہار نکرو۔ کبھی تعریف کی خواہش نکرو۔ جب چلو
تو اکڑکر نہ چلو۔ آخرت کی باتوں میں اسقدر منہمک نہ ہوجاؤ کہ دنیا میں کوئی کام نہ کرسکو کسی ظالم سے ڈرکر اُسکے افعال سے
چشم پوشی نہ کرو۔ جو انعام تمکو آخرت میں ملیگا، اُسکی دنیا میں خواہش کرنا حماقت ہے۔ جو لوگ فقہ میں کامل مہارت رکھتے ہوں
اُنسے ہمیشہ مشورہ لیتے رہو اور اُنکے مشورہ کو تحمل سے سُنو۔ جو لوگ تجربہ کار اور دانشمند ہیں اُن کی رائے پر عمل کرو۔
بخل سے زیادہ کوئی چیز ایسی نہیں ہے جس سے رعیت کی صلاح و انتظام کے کاموں میں خلل واقع ہوتا ہے۔ اس کے
ساتھ ہی تم یہ بھی یاد رکھو کہ اگر تم حریص ہوگے تو رعیت سے زیادہ وصول کروگے اور ان کو بہت کم دوگے اس صورت
میں تمھاری بہت ہی کم کام پورے ہونگے، کیونکہ رعیت تمھارے ساتھ اسی حالت میں محبت کرسکتی ہے جبکہ تم اُنکی دولت
کی پروا نہ کرو اور اُنکے ساتھ ظلم و ستم سے پیش نہ آؤ سب سے پہلے تم اُن لوگوں کے ساتھ احسان کرو جو تمھارے دوست اور
وفادار ہوں اور تمھاری حکومت کے خیر خواہ ہوں۔ اُنکے ساتھ خوب فیاضی سے پیش آؤ اور اس موقع پر ہرگز بخل نکرو
یاد رکھو کہ یہی سب سے پہلی نافرمانی ہے جو انسان سے ظہور میں آئی ہے اور جو لوگ نافرمان ہیں وہ یقیناً ذلیل و خوار
ہونگے۔ خدا فرماتا ہے کہ جو لوگ اپنے تئیں بخل سے بچاتے ہیں وہی کامیاب ہوتے ہیں۔ تم اس آیت کو ہر وقت
مدنظر رکھو اور مسلمانوں کا حصہ اپنے خزانے میں سے ہمیشہ نکالتے رہو اور اس بات پر یقین کرلو کہ فیاضی خدا کے
بندوں کے سب سے عمدہ اور پاکیزہ افعال میں سے ہے۔ تم بھی اسکو اپنی عادت اور خصلت بنالو۔ مگر تمھاری کوئی فیاضی
بے محل اور بے موقع نہیں ہونی چاہیئے۔
فوج کے متعلق جو اُمور دفتروں اور رجسٹروں میں درج ہوں، اُنپر ہمیشہ تم اپنا خیال رکھو۔ اُن کی تنخواہیں وقت پر
ادا کرو۔ اُن کی خدمات کے لحاظ سے ہمیشہ اُن کی تنخواہوں میں اضافہ کرتے رہو، تاکہ وہ فاقہ زدہ اور تنگ حال
نہوں۔ اس سے اُن کی قوت اور ہیبت میں ترقی ہوگی اور وہ نہایت خلوص اور وفاداری کیساتھ تمھارے
حکموں پر گردن جھکائینگے۔ حکمرانوں کے لیے اس سے بڑھ کر کامیابی اور خوش قسمتی کی کوئی دلیل نہیں ہوسکتی کہ

کہ وہ مناظرہ شروع کریں اور جس مسئلہ کو نہ جانتا ہو وہ دریافت کرے اس اُصول کی پابندی

بقیہ نوٹ صفحہ ۲۴۵ - وہ اپنی فوج اور رعایا کے ساتھ رحم و انصاف اور نیکی و فیاضی سے پیش آئیں۔ اگر تم اس نصیحت پر عمل کروگے اور اس ہدایت کو اپنا شعار بنالوگے، تو تم کامیابی اور بہبودی سے محروم نہیں رہوگے انصاف کے ساتھ فیصلہ کرنا خدا کو اسقدر پسند ہے کہ اُسکے مقابلہ میں نہ کوئی چیز وقعت رکھتی ہے نہ کوئی چیز اسقدر مقبول ہے۔ انصاف وہ میزان ہے جس میں خدا کے بندوں کے افعال تولے جاتے ہیں۔ انصاف پر فیصلہ کرنے اور انصاف کے موافق کام کرنے سے رعیت کی حالت درست ہوتی ہے ملک میں امن و امان کی روشنی پھیلتی ہے مظلوم اپنی بے کسی اور مظلومیت کی داد پاتے ہیں۔ لوگوں کے حقوق ضائع نہیں ہوتے۔ اُن کی زندگی آسایش اور بہبودی سے بدل جاتی ہے۔ وہ حکمرانوں کے فرمانبردار رہوتے ہیں۔ اُن کی عزتیں اور جانیں محفوظ ہوجاتی ہیں اور مذہب کے احکام پر ہر شخص کی گردن جھکنے لگتی ہے۔

میرے عزیز بیٹے! تم بھی خدا کے احکام پر گردن جھکاؤ اور اُنکو جاری کرنے میں سختی سے کام لو۔ ظلم وستم سے اپنے تئیں محفوظ رکھو۔ شریعت کی حدیں قائم کرو۔ مگر کسی کام میں جلدی نکرو اور گھبراہٹ اور بیقراری کی علامتیں اپنے چہرہ پر ظاہر نہ ہونے دو۔ جو تجربے تمکو حاصل ہوچکے ہیں اُنسے فائدہ اُٹھانے میں ذرا غفلت نہ کرو۔ خاموشی میں چوکنے اور ہوشیار رہو اور بولنے میں ہمیشہ سچائی اور سنجیدگی سے کام لو۔ دشمنوں سے بھی انصاف کے ساتھ پیش آؤ جب کسی معاملے میں تمکو شبہ ہو، تو اُس میں تامل کرو اور صریح حجتوں اور روشن اور واضح دلیلوں کی تلاش میں رہو نہ اپنی رعیت میں سے کسی شخص کی جنبہ داری اور بیجا حمایت کرو۔ نہ کسی شخص کی طعن و ملامت کی پروا کرو۔ تمکو ہمیشہ ہر کام استقلال سے کرنا چاہیئے اور فیصلہ کرنے سے پہلے خوب سوچنا اور سمجھنا اور اُسکے ہر پہلو کو ٹٹولنا چاہیئے۔ تمھارے دل میں اسکے سوا کوئی خواہش نہیں ہونی چاہیئے کہ جو معاملہ تمھارے سامنے پیش کیا جائے اُس میں حق کو معلوم کرکے اُسکے موافق فیصلہ کرو اور جو بات ناحق ہے اُسکو رد کرو۔ تمپر لازم ہے کہ تم اپنی تمام رعیت کے ساتھ مہربانی سے پیش آؤ اور جس طرح تم اُنپر حکومت کرتے ہو اسی طرح ہمیشہ یہ خیال کرو کہ حق تمپر حکومت کرتا ہے۔ کسی شخص کی جان لینے میں جلدی نکرو، کیونکہ ناحق کسی کی جان لینا خدا کے نزدیک ایسا بڑا گناہ ہے جس کی برابر کوئی گناہ نہیں ہوسکتا۔

چندروز میں خود بخود ہو جائیگی۔ اور بہت زمانہ نہ گزرنے پائیگا کہ اکثر احکام شریعت اور تفسیر القرآن و

بقیہ نوٹ صفحہ ۲۴۶ جو خراج زمینوں سے وصول کیا جاتا ہی اور ملکی انتظامات میں صرف کیا جاتا ہی، اُسپر اپنی پوری توجہ مبذول کرو۔ یہی وہ چیز ہی جس سے رعیت کی حالت درست ہوتی ہی۔ اسلام کو ترقی ہوتی ہی اہل اسلام قوت اور عظمت حاصل کرتے ہیں۔ اُنکے مخالفوں کا حسد شعلہ زن ہوتا ہی۔ اور جو کفار مسلمانوں کے دشمن ہیں اُن کی ذلت ہوتی ہی۔ جن لوگوں سے خراج وصول کیا جاتا ہو وہ اُنپر اس طرح لگانا چاہیئے کہ انصاف کے خلاف نہو۔ خراج عام طور پر سب سے وصول کرنا چاہیئے اور کسی کو معاف نہیں کرنا چاہیئے۔ نہ کسی شریف کو اس سبب سے کہ وہ شریف ہی، نہ کسی دولتمند کو اس سبب سے کہ وہ دولت و ثروت رکھتا ہی، نہ کسی کاتب کو اس سبب سے کہ وہ تمھاری پیشی میں رہتا ہی، نہ کسی اپنے مصاحب یا ملازم کو اس سبب سے کہ وہ تمھارا مصاحب یا ملازم ہی، مگر اسکے ساتھ ہی یہ خیال رکھنا چاہیئے کہ خراج کی جو مقدار کسی شخص سے وصول کرو وہ ایسی ہونی چاہیئے جو اُس کی طاقت اور استطاعت کے موافق ہو، اور اُسکے وصول کرنے میں جبر و زیادتی ہرگز نہیں ہونی چاہیئے۔ اس برتاؤ سے ہر شخص رضامند ہوگا اور سب یہ سمجھینگے کہ اگر خراج کے وصول کرنے میں کسی پر سختی ہوتی ہی تو وہ درحقیقت کسی ایک پر نہیں ہی، بلکہ سب پر ہی۔

خوب یاد رکھو کہ جن لوگوں پر تم حکومت کرتے ہو اُنکے تم محافظ اور خزانچی مقرر کیے گئے ہو۔ جو لوگ تمھاری حکومت کے سایہ میں زندگی بسر کرتے ہیں۔ وہ رعیت اس لیے کہلاتے ہیں کہ تم اُنکے راعی اور نگھبان ہو وہ اپنی آمدنی میں سے جو کچھ تم کو دیتے ہیں اُس سے یہ غرض ہی کہ تم اُسکو اُنکی اصلاح حالت اور اُنکی بہبودی میں صرف کرو۔ جن لوگوں کو تم نے حکومت کرنے کے لیے مقرر کرو، وہ ایسے ہونے چاہیئیں، جنکی رائے صائب ہو، جو تجربہ کار ہوں، جو اپنے فرائض منصبی سے کامل طور پر واقف ہوں۔ جو سیاست اور حکومت کی قابلیت رکھتے ہوں، اور جو دیانتدار اور نیکدل ہوں۔ اُنکی تنخواہیں بیش قرار مقرر کرو اور یہ ایک ضروری بات ہی جس سے تمکو کبھی غافل نہیں ہونا چاہیئے۔ اگر تم میری اس نصیحت پر عمل کروگے اور اپنے فرائض کو جو تمھارے ذمہ ہیں، نہایت مستعدی اور سرگرمی سے انجام دوگے تو خدا اپنی برکتیں تم پر نازل کریگا۔ اُس کی نعمتیں تمھارے لیے روز افزوں ہونگی۔ تمھاری شہرت اور ناموری تمام دنیا میں پھیل جائیگی۔ تمھاری رعیت تم سے محبت اور الفت کیساتھ پیش آئیگی۔ اُنکی عام بہبودی اور آسائش کو

احادیث نبوی سے واقفیت پیدا ہوجائیگی۔ اور پھر اگر کوئی چاہے کہ عقائد مذہبی سے اُسکو برگشتہ

بقیہ نوٹ صفحہ ۲۴۷ سے ترقی ہوگی۔ نیکیاں اور بھلائیاں تمھارے ملک میں پھیل جائینگی۔ آبادی اور سرسبزی عام طور پر تمام ملک میں نظر آئیگی۔ تمھاری حکومت کی آمدنی میں ہر روز اضافہ ہوتا رہیگا۔ تمھارے خزانے بھرپور ہوں گے تمھاری فوج طاقتور ہوگی۔ عام لوگوں کو اپنی فیاضی کے ذریعہ سے تم مسخر کرسکوگے۔ تمھارے انصاف اور تمھاری سیاست کا چرچا دشمنوں میں بھی پھیل جائیگا اور وہ تمکو رشک و حسد کی نظر سے دیکھیں گے۔ ہر ایک ملکی انتظام کے سرانجام دینے کے لیے تمھارے پاس کافی سامان اور کافی قوت مہیا ہوگی۔ پس تمکو لازم ہی کہ میری اس ہدایت کو پیش نظر رکھو اور اس طریقہ پر کسی اور طریقہ کو ترجیح نہ دو، کیونکہ اگر خدا نے چاہا تو اُسکے سبب سے تمھاری تعریف ہر شخص کی زبان پر جاری ہوگی اپنے ملک کے ہر ضلع میں تم ایک ایسے مستعد شخص کو مقرر کرو، جو وہاں کے حاکم کی طرز حکومت اور طریقہ انتظام اور اُسکے چال چلن اور دیگر ضروری حالات سے تمکو ہمیشہ مطلع کرتا رہے۔ اس سے فائدہ یہ ہی کہ ہر حاکم اور عامل جو بطور نائب کے تمھاری طرف سے کسی ضلع پر حکومت کرتا ہوگا، وہ ہمیشہ یہ خیال کریگا کہ تم ہر وقت اُسکے سر پر ہو اور اُس کی کوئی بات ایسی نہیں ہی جس سے تم خبردار نہوتے ہو، اپنے نائبوں اور ملازموں کو جب تم کوئی حکم دو، تو ہمیشہ یہ خیال کرنا چاہیے کہ اُسکا کیا انجام ہوگا۔ اگر اسکا انجام تمکو اچھا دکھائی دے، تو اسکو فوراً جاری کردو، ورنہ تامل کرو اور اُن لوگوں سے مشورہ کرو جو اہل بصیرت اور صاحب علم ہوں۔ غرض کہ ہر حکم سوچ سمجھکر دینا چاہیے۔ کیونکہ اکثر ہوتا ہی کہ جب انسان کسی کام کو شروع کرتا ہی تو اُسکا اپنی عقل کے موافق اندازہ کرتا ہی اور وہ اندازہ غلط ہوتا ہی۔ پھر اُسکو اپنی مرضی کیموافق سرانجام دیتا ہی اور وہ سرانجام دینا اُس کام کو تباہ کرتا ہوتا ہی۔ انجام پر نظر نہ ڈالنے کا ہمیشہ یہ نتیجہ ہوتا ہی کہ کام بگڑ جاتا ہی اور اُس کی درستی اور صلاح کا وقت ہات سے نکلجاتا ہی۔ پس تمکو لازم ہی کہ جس کام کو کرو، احتیاط اور ہوشیاری سے کرو اور ہر کام کو بذات خود انجام دو۔ ہر کام کے شروع کرنے سے پہلے تمھارا یہ فرض بھی ہونا چاہیئے کہ تم اُسکے انجام پانے کی خدا سے دعا مانگو اور اُس سے نیکی اور بھلائی کی درخواست کرو۔ آج کا کام تمکو آج ہی انجام دینا چاہیے اور اُسکو کل پر چھوڑنا نہیں چاہیے، کیونکہ کل جو کام تمکو کرنا ہی وہ آج کے کام سے تمکو باز رکھیگا اور اتنی مہلت نہیں دیگا کہ تم اُسکے ساتھ اُسکو بھی انجام کرسکوگے۔ خوب یاد رکھو کہ جو دن گزر گیا وہ اپنا کام بھی ساتھ لیگیا۔ اگر ایک دن کام میں ذرا بھی تاخیر ہوتی ہی، تو دوسرے دن دو کام کرنے پڑتے ہیں اور اُن دونوں کا انجام دینا مشکل ہوجاتا ہی۔ اگر تم ہر دن کا

کرے تو نہ کر سکیگا۔ اور رعایا کو بھی حصول علم دین کی رغبت پیدا ہو جائیگی۔ حدیث میں آیا ہے کہ بادشاہ

بقیہ نوٹ صفحہ ۲۴۸ کام اُسی دن کرتے رہوگے، تو اپنے نفس اور بدن کو آرام دوگے اور تمھارا کوئی کام ادھورا نہیں رہیگا۔

جو لوگ شریف سن رسیدہ اور تجربہ کار ہوں جن کی نیک نیتی، خیر خواہی اور محبت کا ثبوت بار بار مل چکا ہو انکو اپنا خالص دوست اور خیر خواہ سمجھو اور اُنکے ساتھ حسن سلوک اور فیاضی سے پیش آؤ۔ جو شریف آدمی تباہ حال اور مفلس ہو گئے ہوں، انکی اصلاح حالت کی کوشش کرو۔ اور اُن کی پرورش اور خبر گیری کرتے رہو۔ محتاجوں اور مسکینوں اور اُن لوگوں کا بھی ہمیشہ لحاظ رکھو جو اپنے معاملے کو تمھارے سامنے پیش کرنے کی قدرت نہیں رکھتے اور جنکو اپنے حقوق سے آگاہی نہیں ہے۔ اُنسے نرمی اور دلجوئی کے ساتھ انکا حال پوچھو اور اُنکے معاملے کی تحقیق کرو اور اُن کی خبر گیری کے لیے ایسے شخصوں کو مقرر کرو جو نیک نیت اور نیک دل ہوں اور اُن کو حکم دو کہ وہ کامل تحقیق کے بعد اُنکے معاملات کا انصاف اور رحمدلی سے فیصلہ کریں اور اُن کی ضرورتوں کو پورا کریں یا مناسب حکم کے لیے اُنکے معاملے کی رپورٹ تمھارے پاس بھیجیں۔ جن لوگوں پر کوئی سختی اور مصیبت نازل ہوئی ہو، اُنکے اور یتیموں اور بیوہ عورتوں کے لیے اپنے خزانے سے روزینہ مقرر کرو۔ اس باب میں تمکو امیر المومنین کے طریقہ کی پیروی کرنی چاہیئے۔ تم اُنکے ساتھ مہربانی سے پیش آؤ اور اُنکو مدد دو اور اُنکے ساتھ دلی ہمدردی کا اظہار کرو۔ تاکہ اُنکی زندگی تلخی اور تکلیف میں بسر نہو اور تمھاری زندگی اور مال میں خدا برکت دے اور تمھیں قیامت کے دن اسکا ثواب ملے۔

جو لوگ قرآن مجید کے حافظ ہیں اور اُسپر عمل کرتے ہیں اُنکو بہ نسبت دوسروں کے بیت المال سے حصہ دینے میں ترجیح دو اور اُن کی خبر گیری اور دلجوئی کو مقدم جانو۔ بیماروں کے لیے شفاخانے تعمیر کراؤ، جن میں وہ آرام سے رہ سکیں اور اُن کی خدمت اور خبر گیری کے لیے شفاخانوں میں ملازم مقرر کرو، تاکہ جس چیز کی اُن کو ضرورت ہو، وہ فوراً اُس کو مہیا کریں۔ اُنکے علاج کے لیئے ایسے طبیب ملازم رکھو، جو تجربہ کار ہوں اور جو اپنے فن میں کامل مہارت رکھتے ہوں۔

ان تمام اُمور میں تمکو خرچ کرنے کی اجازت ہے، جب تک کہ فضول خرچی اور اسراف کا الزام تمپر نہ لگایا جائے۔

یاد رکھو کہ لوگوں کے حقوق جب بالواسطہ ادا کیے جاتے ہیں تو وہ اس بات پر قانع نہیں ہوتے، بلکہ وہ یہ چاہتے ہیں کہ بذات خود حاکموں کے روبرو پیش ہو کر اپنے معاملہ کو پیش کریں۔ کیونکہ اس طرح اُن کو یہ اُمید ہوتی ہے کہ اُنکی اچھی طرح

...کے واسطے سب سے اچھی چیز اُنکا پاکیزہ مذہب ہے۔ کیونکہ مملکت اور مذہب مثل دو بھائیوں کے ہیں۔

بقیہ نوٹ صفحہ ۲۴۹ ۔ حق رسی ہوگی اور اُنکے معاملے پر کماحقہ توجہ کیجائیگی۔ اکثر یہ ہوتا ہی کہ جو لوگ حکومت کرتے ہیں اور لوگوں کے معاملات کا فیصلہ کرتے ہیں، جب اُنکے سامنے بہت سے معاملات پیش ہوتے ہیں۔ اور بہت سے مقدمات کا انبار ہوجاتا ہی تو وہ اُنکی کثرت کو دیکھکر گھبرا جاتے ہیں اور پوری توجہ سے ہر معاملے کو طے نہیں کرتے اور محنت اور مشقت کرنے سے جی چراتے ہیں، مگر تمکو یاد رکھنا چاہیئے کہ جو شخص خدا کے بندوں سے بے پروائی کے ساتھ پیش آتا ہی اور اُنکے معاملات پر پوری توجہ نہیں کرتا، وہ اُس شخص کے برابر کبھی نہیں ہو سکتا جو انصاف کے درپے ہی اور جو نیک نامی اور ثواب کا خواہاں ہی۔ پس تمکو لازم ہی کہ تم لوگوں کو بے تکلف اپنے پاس آنے اور عرض معروض کرنے کی اجازت دو اور بالمشافہ اُنسے گفتگو کرو اور اُنکے معاملات اور مقدمات پر توجہ کرنے کے لیے اپنے حواس کو جمع رکھو۔ اور اُن کی ہر بات کو اطمینان سے سُنو اور اُنکے ساتھ نرمی اور مہربانی اور خندہ جبینی سے پیش آؤ جو سوال تم اُنسے کرو، وہ نرمی اور آہستگی سے کرو۔ اگر وہ حاجتمند ہوں تو اُنکے ساتھ فیاضی کا برتاؤ کرو اور جب کسی کو کچھ دو، تو ہمیشہ ہنس مکھ ہوکر دو۔ اور اُسپر خوشی کا اظہار کرو اور اُنسے نہ کسی معاوضہ کی توقع رکھو، نہ اُنپر کوئی احسان جتاؤ۔ اگر تم ایسا کروگے، تو یہ ایک ایسی تجارت ہوگی، جسکا فائدہ تم آخرت میں پاؤ گے۔

جو حکام تم سے پہلے گزر چکے ہیں اور جو قومیں زمانہ سلف میں برباد ہوچکی ہیں، اُنکے حالات کو مطالعہ کرو اور اُنسے عبرت حاصل کرو۔ پھر اپنے ہر کام کو خدا کی مرضی اور خوشنودی کے دائرے میں محدود کردو۔ اُسکے احکام پر گردن جھکاؤ اُس کی شریعت پر عمل کرو۔ اُسکے دین کو قائم کرنے میں سرگرم رہو۔ جو بات سنت الٰہی کے برخلاف ہو اور جس سے خدا کی ناراضامندی اور ناخوشی کا اندیشہ ہو، اُسکو یکلخت ترک کردو۔ تمھارے نائب جو مال جمع کرتے ہیں، اُسپر ہمیشہ نظر رکھو۔ ناجائز طریقے سے جمع نہ کرو اور بیجا طور پر خرچ نکرو۔ علما کو اپنی مجلسوں میں شریک کرو اور اُنسے مشورہ کرتے رہو۔ اپنی خواہشوں کو شریعت کے تابع کردو اور نیکیوں کے پھیلانے میں مستعدی کے ساتھ کوشش کرتے رہو۔ تمھارے سب سے زیادہ مقرب اور عزیز دوست وہ لوگ ہوں، جو تمھارے عیبوں کو دیکھکر اُنکے ظاہر کرنے میں کبھی باک نکریں، اور خلوت و جلوت میں ہمیشہ حق بات کہیں اور اس کی پروا نہ کریں کہ نکتہ چینی کرنے سے تم اُنسے ناراض ہوجاؤ گے۔ اگر ایسے آدمی تمکو دستیاب ہوں، تو یہ سمجھ لینا کہ وہ تمھارے نہایت خیرخواہ دوست ہیں اور

جب مملکت میں انقلاب ہوگا تو مذہب میں بھی رخنہ پڑیگا۔ اور جب مذہب میں فتور ہوگا تو سلطنت بھی اُسکا اثر پڑیگا

حضرت سفیان[1] ثوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ سب سے اچھا بادشاہ وہ ہی جو اہل علم سے صحبت رکھتا ہو اور سب سے برا وہ عالم ہی کہ جو بادشاہ سے ملتا جلتا ہو"

لقمان[2] حکیم کا قول ہی کہ دنیا میں انسان کا سب سے اچھا دوست علم ہی۔ اور علم خزانے سے بہتر ہی۔ کیونکہ ہمکو خزانے کی نگہبانی کرنی پڑتی ہی اور علم خود ہمارا محافظ ہوتا ہی"

---

[1] حضرت سفیان ثوری اپنے زمانے کے مشہور امام و مجتہد ہیں، اور اُن مشاہیر میں ہیں کہ جنھوں نے ابتداءً علم حدیث کی تدوین کی منصور عباسی کے عہد میں بمقام بصرہ ۱۶۰ھ میں انتقال کیا۔ تاریخ انتقال یہ ہی

آنکہ سفیاں ثوریش نام است | مرشد خاص و رہبر عام است
مرقد عالیش ببصرہ بداں | سال ترحیل او ہمای جناں ۱۶۰

ابن خلکان جلد اوّل صفحہ ۲۱۰ و مفتاح التواریخ صفحہ ۲۸

[2] (لقمان) مورخین نے صراحت کی ہی کہ لقمان نبی نہ تھے بلکہ نہایت نامور حکیم تھے۔ حبش کے باشندے تھے۔ اور بنی اسرائیل میں کسی کے غلام تھے لیکن انکے مالک نے دولت کثیر دیکر آزاد کر دیا تھا۔ یہ زمانہ حضرت داؤد علیہ السلام کا تھا۔ لقمان کا ہر قول حکمت اور نصیحت ہی" معارف ابن قتیبہ دینوری صفحہ ۱۹

بقیہ نوٹ صفحہ ۲۵۰۔ اُنکی قدر کرنا تمھارا فرض ہی۔

جو عامل اور محاسب اور کاتب تمھارے پاس روزانہ آتے ہوں۔ اُنکے لیے دن کا ایک خاص وقت مقرر کرو۔ تاکہ وہ اپنی ضرورتوں کو تمھارے سامنے پیش کر سکیں اور رعیت اور اضلاع کے حالات سے تمکو مطلع کر سکیں جب کوئی معاملہ تمھارے سامنے پیش کیا جائے، تو اپنی پوری قوت اُسکے سمجھنے اور اُس کی نسبت حکم دینے میں صرف کرو، اور پوری توجہ اس بات پر مبذول کرو کہ اُسکا فیصلہ کیا ہونا چاہیئے۔ بار بار اُسپر غور و فکر کی نظر ڈالو اور انصاف اور ہوشیاری سے اُسکو طے کرو جس معاملہ میں کوئی شبہ ہو، اُسکو سوچنے اور تحقیق کرنے کے لیے دوسرے وقت پر اُٹھا رکھو۔

اپنی رعیت میں سے کسی آدمی پر احسان نہ جتاؤ اور اپنے احسان کا جو صلہ تم رعیت سے چاہو، وہ یہی ہونا چاہیئے کہ

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ "میں اُسکو عاقل نہیں سمجھتا ہوں جو عربی علم ادب کا ماہر ہو بلکہ عاقل وہ ہے جو مختلف علوم جانتا ہو۔ اگر ایک شخص ترکی، فارسی یا رومی زبان میں تفسیر قرآن کا عالم ہو۔ مگر عربی زبان نہ جانتا ہو تو وہ بھی عالم ہے۔ ہاں اگر اس مقدس زبان سے واقف ہو تو بہت اچھا ہے کیونکہ کلام مجید عربی میں نازل ہوا ہے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہی زبان تھی"

چونکہ بادشاہ ظل اللہ ہوتا ہے۔ لہٰذا اُسکو صاحب علم ہونا چاہیئے تاکہ کوئی حکم جہالت پر محمول نہو۔ جو بادشاہ دانشمند ہوے ہیں دیکھو انکا نام آجتک کیسا مشہور ہے! اور حقیقت میں یہی وہ ہیں۔ کہ

---

۵۱ حضرت حسن بصری مشہور تابعین میں سے ہیں۔ علاوہ تبحر علمی کے زہد و پارسائی کا بھی تمغہ رکھتے تھے اور اپنے عہد کے ممتاز فصحا میں شمار کیے گئے ہیں۔ یہ زمانہ یزید ابن عبدالملک کی حکومت کا تھا۔ چنانچہ عمر ابن ہبیرہ والی عراق وخراسان کے دربار میں بجواب سوال اطاعت یزید جو تقریر حسن بصری نے کی ہے وہ اُن کی آزادی اور حق پسندی کی بڑی دلیل ہے۔ ۱۱۰ھ بمقام بصرہ انتقال فرمایا۔ ابن خلکان صفحہ ۱۲۰۔ جلد اول۔

بقیہ نوٹ صفحہ ۲۵۱ - وہ امیر المومنین کی حکومت کے خیر خواہ اور وفادار ہوں۔ تمھاری تمام فیاضیاں جو رعیت کے ساتھ ہوں وہ صرف اسی بات پر محدود ہونی چاہییں۔

میں آخر میں یہ بات لکھنے سے باز نہیں رہ سکتا کہ تم میرے اس خط کو بار بار پڑھو اور خوب سمجھکر پڑھو اور جو نصیحتیں اور ہدایتیں مینے اس میں درج کی ہیں اُنپر عمل کرو اور ہر کام میں جسکو تم انجام دینا چاہو، خدا سے مدد مانگو اور اُس سے نیکی اور بھلائی کی درخواست کرو۔ کیونکہ خدا کی رحمتیں اور برکتیں انھیں لوگوں پر نازل ہوتی ہیں جو نیک عمل کرتے ہیں۔ غرضکہ تمھاری زندگی کا ہر کام ایسا ہونا چاہیئے جس سے خدا کی رضامندی اور خوشنودی حاصل ہو۔ غیر مذہب اور غیر قوم کے جو لوگ تمھاری حکومت کے سایہ میں زندگی بسر کرتے ہیں اُنکو بہبودی اور رفاہ وآسائش حاصل ہو۔ ملک میں انصاف اور امن و امان کی روشنی پھیلے۔ اب میں دعا کرتا ہوں کہ خدا ان نصیحتوں پر عمل کرنیکی تمکو توفیق دے اور تم اپنی زندگی اور حکومت میں کامیاب ہو۔ والسلام" منقول از معارف جلد ۴ نمبر ۱۰ مترجمہ مولوی محمد عزیز الرحمن عزیز (اصل خط کے لیے دیکھو تاریخ کامل ابن اثیر)

جنکے کارنامے قیامت تک باقی رہینگے۔ اس فہرست میں فریدوں، سکندر۔ اردشیر۔ نوشیروانِ عادل
امیر المومنین فاروقِ اعظم۔ حضرت عمر بن عبد العزیز۔ خلیفہ ہرون الرشید، مامون الرشید، معتصم باللہ۔
امیر اسمعیل بن احمد سامانی۔ اور سلطان محمود غزنوی کا نام داخل ہے۔

یہ وہ جلیل القدر شاہنشاہ تھے، جنکے واقعات سے تاریخ کے صفحات مزین ہیں۔ لوگ ان کے حالات پڑھتے ہیں اور دعا سے یاد کرتے ہیں۔ (فصل آٹھویں سیاست نامہ)

(۱۲) نظارت

ناظر (اشراف) وہ مقرر کیا جائے جس پر پورا بھروسہ ہو۔ تاکہ وہ دربار کے واقعات کو سمجھ بوجھ کر ضرورت کیوقت بیان کیا کرے۔ اطراف وجوانب میں یہ ہر اپنے ماتحت خود روانہ کریگا۔ مگر جو لوگ بھیجے جائیں وہ اپنے رائے کے مستحکم اور دیانتدار ہوں تاکہ اُنکو ہر قسم کا علم ہوتا رہے۔ انکے مصارف بیت المال سے وقت معینہ پر ادا کئے جائیں، ایسا نہو کہ اُن کی تنخواہوں کا بار رعیت پر پڑے اور وہ رشوت لینے لگیں۔ (فصل نہم سیاست نامہ)

(۱۳) محکمہ وقائع نگاری وپرچہ نویسی

بادشاہ پر واجب ہے کہ وہ اپنی رعایا اور فوج کے حالات سے کچھ نہ کچھ ضرور واقف ہو عدم تفحص ذات کے لیے قرب و بُعد کا عذر معیوب ہے۔

جن بادشاہوں کو اپنی رعایا اور فوج کا حال معلوم نہیں ہے، اُنپر غفلت و ستمگاری کا الزام عاید

کیا جاتا ہی- کیونکہ جو بدانتظامیاں اور دست درازیاں اسکے عہد سلطنت میں ہوتی ہیں- اُن کی نسبت کہہ سکتے ہیں کہ ان حالات سے بادشاہ واقف ہی یا بیخبر ہی- اگر اُسکو علم ہی اور پھر بدنظمیوں کا تدارک نہیں کرسکتا ہی، تو اوروں کی طرح وہ بھی ایک ظالم ہی- اور گویا خود اُسنے علانیہ ظلم کرنے کی اجازت دے رکھی ہی- اور اگر یہ کہا جاے کہ بادشاہ واقف نہیں ہی، تو اس سے زیادہ غفلت اور کیا ہوسکتی ہی؟ بہرحال یہ دونوں صورتیں ناپسندیدہ ہیں- اسلیئے ضرور ہی کہ واقعہ نگاری کا دفتر قائم کیا جائے-

زمانہ جاہلیت اور اسلام میں یہ طریقہ جاری تھا کہ ہرکاروں کے ذریعہ سے ہر قسم کی خبریں جلد جلد بادشاہ تک پہنچا کرتی تھیں- چنانچہ پندرہ سو میل کے فاصلہ پر اگر ایک پولا گھاس یا ایک مرغ کوئی زبردستی

۵۷ واقفیت حالات کے لیے پرچہ نویس اور واقعہ نگاروں کی ابتدا شاہان اسلام میں امیرالمومنین فاروق اعظم کے عہد میں ہوئی- چنانچہ حضرت عمر کی بڑی کوشش اس بات پر مبذول رہتی تھی کہ ملک کا کوئی واقعہ اُنسے مخفی نہ رہے اور انھوں نے انتظامات ملکی کے ہر ہر صیغہ پر پرچہ نویس اور واقعہ نگار مقرر کر رکھے تھے- جسکے سبب سے ملک کا ایک ایک جزئی واقعہ اُن تک پہنچتا تھا- بلکہ گھروں کی چاردیواری کے اندر کسی ملکی معاملہ پر گفتگو ہوتی تھی تو وہ بھی آپ کو معلوم ہوجاتی تھی- اسی طرح پر خلفاے عباسیہ کے عہد میں بھی انتظام تھا- چنانچہ مامون الرشید کی نسبت مورخوں نے لکھا ہی کہ سترہ سو عجوزہ عورتیں مقرر تھیں جو تمام دن شہر میں پھرتی تھیں اور شہر کا کچا چٹھا اُسکو پہنچاتی تھیں لیکن مامون کے سوا کسی کو انکے نام و نشان سے اطلاع نہ تھی- ایسا ہی زبردست انتظام دور دراز کے صوبوں اور بڑے بڑے اضلاع کے متعلق تھا اور روزانہ ڈاک براہ راست مامون الرشید تک پہنچتی تھی- چنانچہ یہ سلسلہ تمام پچھلے مسلمان بادشاہوں میں جاری رہا- اور عہد مغلیہ میں محی الدین اورنگ زیب عالمگیر پر اس انتظام کا خاتمہ ہوگیا- چنانچہ دربار میں عالمگیر کی زبان سے ایسے فقرے نکلجاتے تھے جسکا ظہور کچھ دنوں کے بعد ہوتا تھا- اور اکثر شاہان ہمعصر کے خطوط- اور عمال کے عرائض کا مضمون لفافہ کھولنے سے پہلے بتا دیتا تھا- جس کی وجہ سے لوگ عالمگیر کو ایک روشن ضمیر ولی اور عارف باللہ سمجھتے تھے- تمام ہندوستان کی سرحدوں اور مخدوش مقامات پر اُسکے پرچہ نویس مقرر تھے جن میں اکثر صوفی ہوتے تھے اور بعض مجنون و مجذوب کے لباس میں رہا کرتے تھے "

چھین لیتا۔ تو اُس کی بھی خبر بادشاہ کو ہوجاتی تھی۔ اور محض اطلاع پر یہ واقعہ ختم نہوتا تھا بلکہ ملزم سزایاب ہوتا تھا۔ اور تمام ملک میں بادشاہ کی بیداری کی دہوم مچ جاتی تھی۔

لیکن فی الحقیقت یہ کام بہت نازک ہی۔ واقعہ نگاری کی خدمت ایسے لوگوں کے سپرد ہونا چاہیئے کہ جنکی زبان اور قلم بدگمانی کے دہبوں سے پاک ہوں۔ اور اُن میں خودغرضی نہو۔ کیونکہ اس گروہ سے ملک کا امن وامان قائم رہتا ہی اور یہ گروہ خاص بادشاہ کی ذات کا نوکر ہی۔ ان کی تنخواہ بھی ٹھیک وقت پر دینا چاہیئے تاکہ دلی اطمینان سے یہ اپنا کام کیے جائیں۔ اور تمام حوادث کی اطلاع کرتے رہیں۔ ایسے بادشاہ کے عہد سلطنت میں کسی کو بغاوت کرنے کی جرأت نہیں ہوسکتی ہی۔ کیونکہ وہ بادشاہ کی تادیب سے ڈرتے ہیں۔ بہرحال پرچہ نویسوں کی تقرری بادشاہ کے عدل اور بیدار مغزی اور قوت فیصلہ پر دلالت کرتی ہی۔ اور اس صیغہ کو ملک کی آبادی میں بڑا دخل ہی۔

مثال جب سلطان محمود غزنوی نے عراق پر قبضہ کیا تو کوچ[۵۱] و بلوچ کے قزاقوں نے رباط۔ دیرگچین پر ڈاکہ ڈالا چنانچہ ایک بڑھیا کا بھی مال واسباب لُٹ گیا۔ اُسنے اگر سلطان سے فریاد کی

۵۱ کرمان کے پہاڑی جرگوں میں کوچ بلوچ چوری اور غارتگری میں ضرب المثل ہیں۔ چنانچہ فردوسی طوسی اور حکیم قطران کے یہ اشعار سنداً پیش کیئے جاتے ہیں

فردوسی

ہم از پہلوی پارس کوچ و بلوچ — زگیلان جنگی و دشت سروچ
سپاہے بکردار کوچ و بلوچ — سگالندہ جنگ مانند کوچ
زکوہ بلوچ و ز دشت سروچ — برفتند خنجرگزاران کوچ

حکیم قطران

ہستند اہل فارس ہراساں زکار من — زانسان کہ اہل کرماں ترساں ز دزد کوچ

کہ "یا تو میرا مال دلادے یا اُسکا معاوضہ ادا کر" سلطان نے کہا مجھے خبر نہیں ہے کہ دیر کچیں[۱] کہاں ہے؟ بڑھیا بولی کہ اے سلطان! اسقدر ملک فتح کر جسکے جغرافیہ سے تو واقف ہو سکے۔ اور اُسکا انتظام کر سکے" اس عاقلانہ جواب کو سلطان نے تسلیم کیا اور کہا کہ ہاں تو سچ کہتی ہے۔ لیکن یہ بتا کہ یہ ڈاکو کس طرف سے آئے تھے، اور کون تھے؟ بڑھیا نے کہا کہ یہ کوچ بلوچ کے جرگے تھے جو کرمان کے قریب رہتے ہیں۔ یہ سُنکر سلطان نے کہا کہ کرمان تو میری سرحد سے باہر اور میرے ملک سے بہت دور ہے میں انکا کوئی انتظام نہیں کر سکتا ہوں۔

بڑھیا نے کہا ہائے افسوس!! اسی برتے پر شہنشاہی کا دعوی ہے۔ وہ بادشاہ کیا جو اپنی سلطنت کا انتظام نہ کر سکے۔ اور وہ چرواہا کیسا جو اپنی بکریوں کو بھیڑیے سے نہ بچا سکے؟ پس میرا تنہا اور ضعیف ہونا۔ اور تیرا فوج و لشکر رکھنا دونوں برابر ہے" یہ جواب سنکر محمود آبدیدہ ہوا اور بڑھیا کو اطمینان دلایا کہ میں ان ڈاکوؤں کا انتظام کرتا ہوں اور تیرا مال واپس دلاتا ہوں۔ بعدازاں بڑھیا کو بہت کچھ دے دلا کر رخصت کر دیا۔ اور بوعلی الیاس امیر کرمان کو حسب ذیل نامہ لکھا۔

"عراق آنے کی خواہش نہ تھی۔ میں تو ہمیشہ سے ہندوستان کے جہاد میں مشغول تھا۔ لیکن جب میرے پاس متواتر عرضیاں پہنچیں کہ دیالمہ نے عراق میں غدر مچا رکھا ہے اور مسلمانوں کے گھر لوٹ رہے ہیں اور اُنپر طرح طرح کے ظلم کرتے ہیں۔ علاوہ اسکے مذہبی معاملے میں بے اعتدالیاں کر رہے ہیں۔ اور سال میں دو تین مرتبہ رعایا سے خراج وصول کیا جاتا ہے۔ مجدالدولہ اپنے کو شاہنشاہ کہلاتا

[۱] دیر کچین۔ اصفہان کے قریب ایک پڑاؤ کا نام ہے۔ اور یہ وہ مقام ہے جس جگہ بہرام گور کے واسطے اس کے اتالیق نعمان بن منذر نے مشہور و معروف محل مسمّٰی دیر (سدیر) تعمیر کیا تھا۔ لیکن اس کے بعد عوام نے اسکا نام دیر کچین رکھدیا۔ المعجم فی آثار عجم حالات بہرام گور۔

جاہتا ہی۔ مذہب زنادقہ اور بواطنہ ہر شہر و نواح میں پھیل رہا ہی۔ صانع مطلق کا انکار ہی۔ نماز روزہ حج۔ زکوۃ۔ سب کو بالاے طاق رکھدیا ہی۔ اسلئے مینے ہندوستان کے غزوات کو چھوڑکر عراق کا قصد کیا ہی۔ میری تلوار نے۔ دیالمہ، زنادقہ، بواطنہ، کی بیخ کنی کر دی ہی۔ چنانچہ بہت سے قتل ہو چکے ہیں۔ اکثر بھاگ گئے ہیں۔ بعض گرفتار ہیں۔ اور خراسان کی حکومت اُن بزرگوں کے سپرد کر دی ہی جو اُنکے دشمن ہیں اور عراقیوں سے دفتر پاک کر دیا گیا ہی۔ اور مجھے خدا نے محض اس لیئے پیدا کیا ہی کہ ملک کو مفسدوں سے پاک وصاف کرکے اچھے لوگوں سے دنیا کو آباد کروں۔ اور مجھے یہ بھی معلوم ہوا ہی کہ مفسدان کوچ بلوچ نے رباط دیر گچین پر ڈاکہ ڈالا ہی۔ لہذا میں چاہتا ہوں کہ تم اُنکو گرفتار کرو اور ڈکیتی کا مال برآمد کرکے قزاقوں کو پھانسی دیدو۔ یا اُن سب کو گرفتار کرکے ہمارے حضور میں مقام رے بھیجدو۔ تاکہ اُنکے حوصلے آیندہ کو پست ہو جائیں اور کرمان سے چلکر میرے ملک میں لوٹ مار نہ کریں۔ اگر تم نے میرے حکم کی تعمیل نہ کی تو یاد رکھو کہ کرمان بمقابلہ سومنات بہت قریب ہی۔

ابوعلی الیاس سلطان کا نامہ پڑھ کر خوف زدہ ہو گیا۔ اور قاصد کو بہت کچھ انعام دیا۔ اور اپنی عرضی کے ہمراہ جواہرات خوشرنگ ظرائف دریا، اور سونے چاندی کی بدریاں بھی روانہ کیں۔ عرضی کا مضمون یہ تھا " میں تو سلطان کا فرمانبردار غلام ہوں۔ مگر کرمان کی کیفیت اور میری حالت سلطان کو معلوم نہیں ہی۔ میری طرف سے لٹیروں کو کسی قسم کا ایما نہیں ہی۔ اور کرمان کی رعایا سُنّی المذہب ہی۔ اور کوچ بلوچ کی پہاڑیاں کرمان سے علیحدہ ہیں اور اُسکا راستہ بھی پہاڑوں اور دریاؤں کے سبب سے بہت دشوار گزار ہی۔ ان ڈاکوؤں سے میں بھی عاجز ہوں۔ کیونکہ عموماً چور اور مفسد ہیں اور انکی وجہ سے چھ سو میل رستہ پُر خطر ہی۔ اور دن رات لوٹ مار کیا کرتے ہیں۔ چونکہ بڑا جتھا ہی میں تنہا مقابلہ کی

طاقت نہیں رکھتا ہوں۔ اس کی تدبیر سوائے سلطان کے اور کوئی نہیں کرسکتا ہے۔ میں ہر حال میں
فرمانبردار ہوں جو حکم ہو اس کی تعمیل کروں"
سلطان نے بوعلی کا جواب پڑھ کر سمجھ لیا کہ جو کچھ لکھا ہے وہ سچ ہے۔ اور قاصد کو خلعت دیکر رخصت
کیا اور امیر سے کہلا بھیجا" کہ تم کرمان کی فوجوں کو اکٹھا کرکے انکو جابجا سرحد پر پھیلا دو۔ اور فلاں
مہینے کے خاتمے پر کرمان کی سرحد پر پہنچ جاؤ۔ اور جس طرف کوچ بلوچ ہوں اسی جانب قیام کرو
جس وقت ہمارا قاصد مع فلاں نشان کے تم سے ملے اسی وقت کوچ کر دینا۔ اور ان پہاڑیوں
میں گھسکر چھوٹے بڑوں کو قتل کرنا، اور عورتوں اور بوڑھوں سے جسقدر مال ملسکے وہ سب فراہم
کرکے بھیجدینا تاکہ انکے مالکوں کو دیدیا جائے"۔ غرضکہ جب قاصد چلا گیا تو سلطان نے منادی
کرائی کہ: جو سوداگر یزد اور کرمان کو جانا چاہتے ہیں۔ وہ سامان سفر درست کریں۔ اور میں انکے
ہمراہ بدرقہ روانہ کروں گا اور یہ بھی اقرار کرتا ہوں کہ جسکا مال کوچ بلوچ غارت کرینگے اسکا تاوان
خزانہ شاہی سے دیدیا جائیگا"۔ منادی کے ہوتے ہی بمقام رے بے انتہا سوداگر جمع ہوگئے
اور سلطان نے وقت معین پر قافلہ روانہ کرا دیا۔ اور ایک سردار کو مع ڈیڑہ سو سواروں کے بطور
بدرقہ کے روانہ کرکے سمجھا دیا کہ میں تمھارے پیچھے فوج روانہ کرتا ہوں مطمئن رہنا۔ اور رخصت کے
وقت ایک شیشہ زہر قاتل کا اس امیر کے سپرد کردیا اور یہ ہدایت کی کہ جب تمہارا قافلہ اصفہان
پہنچ جائے تو وہاں ٹھہر جانا اور تخمیناً دس خروار سیب اصفہانی خرید کرکے اپنے ہمراہ رکھ لینا۔
جب دیکھنا کہ کوچ بلوچ کی سرحد قریب آگئی ہے اور صرف ایک رات کی منزل باقی ہے اسوقت کسی
تیز آلے سے سیبوں میں سوراخ کرکے زہر پیوست کردینا۔ اور جن دس اونٹوں پر سیب لدے ہوئے

انکو چھوڑ دینا کہ وہ تمام قافلہ میں پھیلجائیں اور خورجیوں میں سیب اس انداز سے رکھنا کہ سب کو نظر آئیں۔ جب ڈکیتوں سے سامنا ہو تو لڑائی کو ٹال دینا کیونکہ اُن کی تعداد زیادہ ہوگی۔ اور جو سپاہی مسلح ہوں وہ قصداً ڈیڑہ میل پیچھے رہیں مجھے یقین ہی کہ بڑا حصہ انکا سیب کھاتے ہی ہلاک ہوجائیگا۔ تھوڑی دیر کے بعد تلوار سے دشمن کا مقابلہ کرنا۔ اور یہ انگوٹھی دیتا ہوں بوعلی کے پاس بذریعہ خاص سوار کے بھیجدینا۔ اور جہاں تم ٹھہرنا وہاں بوعلی کو بلانا۔ وہ مع فوج پہنچیگا"۔

میر قافلے نے عرض کیا کہ "میرا دل گواہی دیتا ہی کہ سلطان کی یہ حکمت عملی کارگر ہوگی اور ملک ان لٹیروں سے پاک ہوجائیگا"۔ اور قافلے کا کوچ کر دیا۔ اصفہان پہنچکر سیب خریدے گئے۔ پھر قافلہ یہاں سے کرمان چلا گیا۔ قافلے کی آمد سُنکر بلوچی بھی اول سے تیار بیٹھے تھے۔ اور چونکہ قافلہ نہایت عظیم الشان تھا۔ یہ لوگ بھی چار ہزار مسلح جوانوں سے مقابلے کو طیار ہوسے۔ جب چوپر گھاٹی پندرہ میل رہ گئی اُسوقت لوگوں نے میر قافلے کو اطلاع دی کہ بلوچی جرگے آپ کے منتظر بیٹھے ہیں۔ سوداگر یہ خبر وحشت اثر سُنکر ڈر گئے۔ مگر میر قافلے نے انکو اطمینان دلایا اور کہا "تمھارے نزدیک جان بہتر ہی یا مال۔ سب نے کہا کہ جان کے مقابلے میں مال کیا مال ہی۔ میر قافلے نے کہا کہ میں تمھارے مال پر اپنی جان فدا کرنیکو موجود ہوں اور جبکہ سلطان کی جانب سے تمکو مال کا پورا معاوضہ ملیگا تو اب تردد کس بات کا ہی۔ خدا نخواستہ سلطان کو تم سے یا مجھ سے عداوت نہیں ہی کہ وہ ہمکو معرض ہلاکت میں ڈالتا۔ تم مطمئن رہو علی الصباح دیکھنا کہ کیا ہوتا ہی۔ اور انشاء اللہ ہم ہی کامیاب ہوں گے لیکن تم سب میرے کہنے پر عمل کرنا"۔ چنانچہ میر قافلے نے سب کو اپنی کارروائیوں سے مطلع کر دیا اور شب کے وقت تمام سیب زہرآلود کرادیئے۔ اور ساربانوں کو ہدایت کر دی کہ جب قزاق قافلے میں

گھس پڑیں اور میں بھاگنے کا قصد کروں۔ اُسوقت تم سیب زمین پر پھینکدینا اور خود بھی بھاگ جانا۔"
غرضکہ میر قافلے نے انتظام کرکے آدھی رات کو کوچ کر دیا۔ سورج نکلنے پر لیٹروں نے تین طرف سے
حملہ کیا۔ میر قافلے نے نمائشی طور پر دو تین تیر چلائے اور آخر کو مقابلے سے گریز کیا۔ اور جو فوج ڈیڑھ
میل کی مسافت پر پڑی ہوئی تھی اُس سے جا ملا۔ اور سب سپاہیوں کو جمع کرکے مقابلے پر آمادہ کیا
ادھر قزاقوں نے میدان صاف دیکھکر اطمینان سے سیب کھانا اور گٹھریاں کھولکر دیکھنا شروع کیا بلکہ
جو لوگ پیچھے رہ گئے تھے انکو بھی اُنھوں نے سیب تقسیم کیے۔ غرضکہ سبھوں نے سیب کھائے۔ مگر
ایک گھنٹہ نہ گزرا تھا کہ سب غش کھا کر گرنے لگے۔ حسب ہدایت سلطان جب میر قافلے نے اُن کو
جا کر دیکھا تو اکثر کو مردہ پایا۔ اور چونکہ امیر بوعلی الیاس کی بھی فوج پہنچ گئی تھی۔ لہذا تخمیناً دس ہزار
بلوچی قتل ہوئے اور بے انتہا مال غنیمت ہات لگا۔ امیر ابو علی نے یہ اسباب سلطان کیخدمت میں
بھیجدیا۔ اور سلطان نے منادی کرا دی۔ چنانچہ تمام ملک سے لوگ آئے تھے۔ اور اپنا مال پہچان کر
خوش خوش لیجاتے تھے۔

اسکے بعد سلطان نے پرچہ نویسوں کو مقرر کر دیا۔ تمام ملک سے ہر قسم کی خبریں پہنچتی تھیں اور سلطان
اُنکی تلافی کرتا تھا۔"

زمانہ قدیم سے محکمہ خبر رسانی بادشاہوں کے یہاں قائم تھا لیکن سلجوقیوں نے اس طرف توجہ
نہیں کی ہی جس کی تصدیق ذیل کے واقعہ سے ہوتی ہی۔

سلطان شہید الپ ارسلان سے ایک دن ابو الفضل سکزی نے پوچھا کہ حضور نے پرچہ نویسوں
کو کیوں نہیں مقرر کیا۔؟

فرمایا تم چاہتے ہو کہ میرا ملک برباد ہو جاے، اور میرے خیرخواہ مجھ سے چھوٹ جائیں؟ ابوالفضل نے کہا کہ یہ کیونکر ممکن ہی۔ کہا سُنو۔ جب میں اُنکو مقرر کرونگا تو جو میرے دوست ہیں وہ بہ سبب اتحاد اور سچی محبت کے اُن کی کچھ بھی پروا نکرینگے اور جو حقیقت میں دشمن ہیں وہ اس گروہ سے دوستی پیدا کرینگے۔ جسکا یہ نتیجہ ہوگا کہ وقائع نگار ہمیشہ دوستوں کے مخالف اور دشمنوں کے موافق خبریں سُنائینگے۔ اور خبریں خواہ اچھی ہوں، یا بُری، میں دونوں کو مثل تیر کے سمجھتا ہوں، کیونکہ جب متواتر تیراندازی کیجائیگی تو اخیر میں کوئی نہ کوئی تیر نشانہ پر لگ ہی جائیگا یعنی دوستوں کیطرف سے دل میں کدورت اور دشمنوں کی جانب سے محبت بڑھتی جائیگی اور آخر کو یہ نوبت پہنچیگی کہ جو دوست ہیں وہ دل سے دور ہو جائینگے اور بجاے اُنکے دشمن قریب پہنچ جائینگے"۔

(راے نظام الملک) لیکن میری راے میں اس گروہ کا رکھنا اُصول سلطنت میں داخل ہی البتہ یہ ضرور ہی کہ لوگ اعتبار کے ہوں۔" (فصل دہم سیاست نامہ)

(۱۴) محکمۂ[۱] جاسوسی

بادشاہ کو چاہیے کہ تمام اطراف سلطنت میں سوداگروں، سیاحوں، صوفیوں، دوافروشوں

---

[۱] دفعہ گیارہ میں جو کچھ خواجہ نظام الملک نے لکھا ہی یہ اُسکا ایک ضمیمہ ہی۔ جاسوسی کا محکمہ آج بھی تمام مہذب ممالک میں ہی۔ اور اُنکی کارروائیاں نہایت حیرت انگیز ہوتی ہیں۔ چنانچہ دولت عثمانیہ میں بھی اس صیغہ کی کارروائی اعلی درجہ کی ہوتی ہی اور ہماری گورنمنٹ کی طرف سے ہندوستان میں بھی یہ محکمہ ہی۔ مگر یورپ کے مقابلے میں ابھی ابتدائی حالت میں ہی۔ اور ہندوستانی ریاستوں میں سرکار نظام خلد اللہ ملکہ کی اہلکار نہایت اعلی درجہ کی ہیں۔ گزشتہ دربار دہلی منعقدہ ۱۹۰۲ء میں اس محکمہ نے قابل تعریف کام کیے ہیں۔ عربی تاریخوں میں یہ محکمہ بریدا اور صاحب البرید کے نام سے موسوم ہی اور جس کے ذمہ ڈاک کا بھی انتظام تھا۔

درویشوں کے لباس میں جاسوس روانہ کیا کرے۔

ورانکا یہ فرض ہونا چاہیے کہ وہ تمام ملک کی خبریں بادشاہ تک پہنچائیں، اور کوئی واقعہ پوشیدہ نہ رہنے پائے۔

اس محکمہ کا بڑا فائدہ یہ ہی کہ ملک میں نئے نئے فتنے نہیں اُٹھ سکتے ہیں، کیونکہ اکثر ہوا ہی کہ عمال وغیرہ نے ادھر سر اُٹھایا اُدھر جاسوس کی اطلاع پر یکایک بادشاہ نے موقع پر پہنچکر تدارک کر دیا۔ یا اگر کسی بادشاہ نے دوسری طرف سے ملک گیری کا قصد کیا تو اس بادشاہ نے پہلے سے اپنا انتظام کر لیا ہی۔ اور بسا اوقات رعایا کے بہت سے بگڑے ہوے کام جاسوسوں کی خبر پر بن گئے ہیں جیسا عضد الدولہ[1] کا واقعہ مشہور ہی۔ خلاصہ یہ ہی کہ بادشاہوں نے عدل وانصاف کے واسطے بڑی بڑی کوششیں کی ہیں

[1] شاہان دیالمہ میں عضدالدولہ سے زیادہ بیدار، زیرک، اور مدبر کوئی بادشاہ نہیں ہوا ہی چنانچہ اس بادشاہ کا یہ واقعہ مشہور ہی کہ ایک دن کسی مخبر نے بادشاہ کو پرچہ لکھا کہ بکار سرکار فلاں مہم پر میں جا رہا تھا۔ شہر کے پھاٹک سے نکلکر دو سو قدم تک گیا ہونگا کہ راستے میں ایک جوان سے ملاقات ہوئی جسکا چہرہ زرد تھا۔ اور گردن و رخساروں پر زخموں کے نشان تھے۔ مجھے دیکھکر اُسنے سلام کیا۔ جواب کے بعد مینے پوچھا کہ حضرت آپ یہاں کس لیے کھڑے ہیں؟ جواب دیا کہ مجھے ایک ہمسفر کی ضرورت ہی۔ جو ایسے شہر میں لے چلے جہاں کا سلطان عادل اور قاضی منصف ہو"۔
مینے کہا آپ یہ کیا فرماتے ہیں؟ عضدالدولہ سے عادل اور قاضی شہر سے زیادہ ایماندار اور کون ہو سکتا ہی؟ اُسنے کہا کہ اگر فی نفسہ بادشاہ عادل اور حالات ملک سے باخبر ہوتا تو اُسکے حکام بھی نیک چلن ہوتے۔ لیکن جب کہ اُسکے حکام برعکس ہیں تو یہ دعوی کیونکر کیا جاسکتا ہی کہ عضدالدولہ عادل بادشاہ ہی۔ میری رائے میں وہ ضرور غافل ہی"۔
مینے کہا کہ آپ اپنے واقعات بیان کیجیے جنسے بادشاہ و قاضی کی غفلت ثابت ہو۔ اُسنے کہا کہ میرا افسانہ طولانی ہی لیکن اب میں اس شہر سے جاتا ہوں تو قصہ مختصر ہو جائیگا۔ اگر آپ میری کہانی سننا چاہتے ہیں۔ تو چلیے راہ میں عرض کرونگا۔ غرضکہ میں اُس مسافر کے ساتھ ہو لیا۔ ایک منزل پر ٹھہر کر اُسنے کہا کہ سُنیئے جناب! میرا مکان اسی شہر کے فلاں محلہ میں ہی

تب کہیں ارباب فساد سے دنیا پاک ہوئی ہی۔ اور یہ بھی سمجھ لو کہ بادشاہ کی مستقل رائے خواہ وہ کسی معاملہ میں ہو

بقیہ نوٹ صفحہ ۲۶۲- اور اپنے باپ کا نام بتا کر کہا کہ آپ جانتے ہیں وہ کیسا امیر اور کس رتبہ کا شخص تھا؟ جب وہ انتقال کر گیا تو چند سال تک میں عیش و طرب کے جلسوں میں پڑا رہا۔ اور اسی زمانے میں ایک مہلک عارضہ میں مبتلا ہوگیا۔ چونکہ اُمید زیست منقطع ہوچکی تھی۔ لہذا مینے منت مانی کہ اگر خدا نے مجھے تندرست کردیا تو حج و جہاد کرونگا۔ بارے خدا نے مجھے اچھا کر دیا۔ بعد غسل صحت مینے زیارت خانہ کعبہ کے واسطے سامان سفر درست کیا۔ اور چونکہ شوق جہاد بھی دامنگیر تھا اسلیے لونڈی غلاموں کو بھی (ایک ایک مکان مع دیگر سامان کے دیکر) آزاد کردیا۔ اور بقیہ اسباب فروخت کرکے پچاس ہزار دینار نقد کر لیے۔ پھر خیال آیا کہ سفر پُرخطر ہی اسقدر نقدی ہمراہ لیجانا مصلحت کے خلاف ہی۔ لہذا یہ فیصلہ کیا کہ تیس ہزار دینار کافی ہیں۔ بقیہ چھوڑ جانا چاہیئے۔ غرضکہ مینے تانبے کے دو کلسے خریدے اور دس دس ہزار دینار ان دونوں میں رکھدیئے اور اس امانت کے لیے مینے قاضی القضاۃ کو انتخاب کیا۔ کیونکہ بادشاہ کی طرف سے وہ مسلمانوں کی جان و مال کا مالک تھا اسلیے اس کی جانب خیانت کا شبہ تک نہیں ہوا۔ اور زر امانت قاضی صاحب کے سپرد کرکے میں حج کو روانہ ہوگیا۔ حج کے بعد مدینہ منورہ کی زیارت کی پھر روم کو چلا گیا۔ وہاں مذہبی لڑائی میں چند سال تک اُلجھا رہا۔ آخر ایک لڑائی میں زخمی ہوکر گرفتار ہوگیا۔ دو چار برس تک روم میں قید رہا۔ لیکن قیصر کے غسل صحت میں جب قیدی رہا ہوئے اُن میں میں بھی چھوٹ گیا۔ غرضکہ دس برس کے بعد بحالت تباہ قاضی صاحب کی حضوری نصیب ہوئی۔ دو دن تک قاضی صاحب نے میری طرف کچھ التفات نہ کیا۔ تیسرے دن جب مجمع کم ہوگیا تو میں قاضی صاحب کے بہت ہی پاس جا بیٹھا اور اپنی معرفی خود ہی کرنیکا جب میں اپنا سفرنامہ بیان کرچکا اور زر امانت طلب کیا اسوقت قاضی صاحب بغیر جواب دیے حجرے میں اُٹھ چلے گئے اور میں غمزدہ چلا آیا۔ چونکہ میری حالت سقیم تھی لہذا نہ تو میں اپنے گھر جا سکا اور نہ کسی دوست عزیز کے گھر جانے کی جرأت ہوئی۔ اور میری حالت یہ تھی کہ رات کو کسی مسجد میں اور دن کو کسی گوشے میں چھپکر پڑا رہتا تھا۔ قصہ مختصر یہ کہ دو تین بار قاضی صاحب سے عرض کیا۔ مگر جب کچھ جواب نہ ملا۔ تب ناچار ہوکر ساتویں دن مینے سختی کی۔ جواب میں ارشاد ہوا کہ تیرا مغز چل گیا ہی۔ اور مالیخولیا ہوگیا ہی۔ صعوبت سفر سے دماغ میں خشکی آگئی ہی اسلیے مذیان کا مادہ ہیجان میں آگیا ہی۔ نہ میں تجھے پہچانتا ہوں اور نہ نفس معاملے کی خبر ہی۔ ہاں جس شخص کا تو نام لیتا ہی اُس سے واقف ہوں مگر وہ تو ایک خوبصورت نوجوان تھا" اور عمدہ کپڑے پہنا کرتا تھا۔ مینے کہا جناب عالی میں وہی بدنصیب شخص ہوں۔ البتہ زخموں نے میری صورت

ایک زبردست فوج سے زیادہ طاقتور ہے۔"

بقیہ نوٹ صفحہ ۲۶۳ - بگاڑ دی ہے۔ لیکن اسکا جواب قاضی صاحب نے یہ دیا کہ" تیری بکواس سے مجھے درد سر ہوتا ہے۔ خیریت اسی میں ہے کہ چپ چاپ چلا جا۔" اسکے بعد مینے عذاب و ثواب پر طولانی تقریر کی اور یہ بھی کہہ دیا کہ منجملہ بیس ہزار کے پانچ ہزار آپ کی نذر ہیں جب اس پر بھی حامی نہ بھری تو مینے کہا کہ حلالاً طیباً نصف قبول فرمایئے۔ اور نصف مجھے دیدیجئے اسوقت نہایت حاجتمند ہوں۔ اگر میرا کہنا باور نہو تو دستاویز لکھا لیجئے" مگر قاضی صاحب کچھ ایسے سنگدل تھے کہ مطلق نہ پسیجے۔ اور کہا تو دیوانہ ہو گیا ہے۔ میرا کہنا مان اور چلا جا ورنہ دیوانہ قرار دیکر ابھی بیمارستان (ہسپتال) میں بھجوا دونگا۔ جہاں تیرے پاؤں میں بیڑیاں ڈالدی جائینگی اور جنم بھر وہاں تو پڑا مریگا۔

چونکہ اب مجھے یاس ہو گئی تھی۔ لہذا جیم قیدی ہونے کے ڈر سے مینے ہلکے ہلکے قدم اُٹھائے اور رخصت ہوا اور سمجھ لیا کہ قاضی صاحب ایک حبہ نہ دینگے البتہ جو حکم دینگے اُس کی فوراً تعمیل ہو جائیگی اور دل کو یوں سمجھا لیا کہ جب قاضی خود ہی ظالم بنجائے تو پھر کون ایسا ہے جو قاضی کی پرسش کرے۔

خیال کرنے کی بات ہے کہ اگر عضدالدولہ عادل ہوتا تو آج میری بیس ہزار کی رقم قاضی کے ہات میں نہ پڑی رہتی۔ اور میں یوں ننگا، بھوکا، خانماں برباد ہو کر دیس سے پردیس کو نجاتا۔"

جب یہ واقعہ جاسوس نے سُنا تو اس مسافر کی حالت زار پر اُسکا دل بھر آیا اور کہا کہ اے بندہ خدا نا امیدیوں کے بعد امید پوری ہوا کرتی ہے تو خدا سے لو لگا وہ مسبب الاسباب ہے۔

پھر کہا کہ یہ گاؤں جو سامنے ہے یہاں ایک میرا مہمان نواز دوست رہتا ہے۔ براہ مہربانی آپ بھی میرے ساتھ چلئے ایک رات دن یہاں ٹھہر کر آگے چلینگے۔ غرضکہ یہ دونوں گاؤں میں ٹھہر گئے اور ماحضر کھا کر اپنے کمروں میں جا کر آرام کرنے لگے ادہر جاسوس نے یہ کارروائی کی کہ کل واقعات لکھکر عضدالدولہ کے پاس پرچہ بھیجدیا۔ پرچہ کو پڑھ کر عضدالدولہ نے حکم دیا کہ فوراً مع اُس شخص کے حاضر ہو۔ چنانچہ جاسوس نے مسافر سے کہا کہ چلیے بادشاہ نے یاد فرمایا ہے۔ اور مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جو واقعات آپ نے راستے میں بیان کیے ہیں وہ کسی نے بادشاہ تک پہنچا دیئے ہیں۔ اب مجھے یقین ہے کہ آپ کا کام ہو جائیگا۔ غرضکہ بادشاہ نے خلوت میں کل حال سُنکر مسافر سے کہا کہ آپ اطمینان رکھیں قاضی میرا ہے۔ میں آپکے کام کی خود فکر کرونگا۔ مگر سردست آپ اصفہان چلے جائیں۔ جب میرا حکم پہنچے اسی وقت آنا چاہیئے۔

بقیہ نوٹ صفحہ ۲۶۴ - چنانچہ دوسو دینار سفر خرچ اور پانچ جوڑے کپڑے دیکر مسافر کو رخصت کردیا۔ ورقاضی سے حصول مال کی فکریں کرنے لگا۔ لیکن منظور یہ تھا کہ ملک میں بدنامی نہو کیونکہ قاضی علاوہ دیرینہ سال ہونے کے صاحب فضل وکمال بھی تھا۔ اگر شاہی اختیارات برتے جاتے تو تمام ملک میں یہ واقعہ مشہور ہوجاتا۔ اس لیے عضدالدولہ نے حکمت عملی سے کام لیا۔ یعنی ایک دن دوپہر کو قاضی صاحب کو طلب کیا اور خلوت میں بلاکر حسب ذیل گفتگو شروع کی۔

عضدالدولہ　قاضی صاحب آپ کو معلوم ہوا کہ مینے کیوں آپ کو تکلیف دی۔؟

قاضی۔　اسکا علم تو بادشاہ ہی کو ہی۔

عضدالدولہ۔ مجھے ان دنوں طرح طرح کی فکریں رہتی ہیں جس کی وجہ سے رات کی نیندیں اُچاٹ ہوگئی ہیں۔ دنیا اور اُسکی سلطنت ہیچ نظر آتی ہی۔ حیات مستعار کا کچھ اعتبار نہیں ہی۔ اب اس سے چھٹکارا دو ہی طرح ہوسکتا ہی۔ یا تو کوئی غنیم ملک پر حملہ کرے اور ہم سے ملک چھین لے جس طرح ہم نے اوروں سے چھین لیا ہی۔ یا موت آجائے اور وہ ناشاد و نامراد اُٹھالے تاکہ قصہ تمام ہو۔ اس پچھلی صورت سے کسی کو مفر نہیں ہی۔ اگر میں اپنی اس قلیل زندگی میں لوگوں سے اچھا برتاؤ کرونگا تو لوگ مجھے کلمۂ خیر سے یاد کرینگے اور عذاب قیامت سے بچکر داخل بہشت ہوجاؤنگا اور اگر بدی کرونگا تو سوائے دوزخ کے اور کہاں ٹھکانا ہی اسلیئے جہانتک ہوسکے مجھے نیکی کرنا چاہیئے۔ مگر جس چیز میں مجھے آپ کے مشورے کی حاجت ہی وہ شہزادوں اور شہزادیوں کا معاملہ ہی۔ لڑکوں کا چنداں خیال نہیں ہی وہ تو پرندوں کی مثال ہیں کہ ایک ملک سے دوسرے ملک تک جاسکتے ہیں۔ مگر لڑکیوں کی خرابی ہی اور اُنکو پوار ترکہ بھی نہیں ملسکتا ہی۔ اسلیئے میں اپنی حیات میں اُنکے لیے کچھ بندوبست کرنا چاہتا ہوں اور جہانتک مینے غور کیا ہی آپ جیسا پارسا متقی، متدین، ملنا دشوار ہی۔ لہذا علاوہ جواہرات کے دو ہزار دینار نقد آپ کے سپرد کرتا ہوں مگر اس واقعہ سے سوائے علام الغیوب کے اور تیسرا واقف نہو۔ اور اگر وہ زمانہ آجاے جسکا مجھے خدشہ ہی اور لڑکیوں پر مصیبت پڑے تو آپ اُنھیں اپنے گھر بلاکر عقد کریں اور یہ مال اُنکو تقسیم کردیں کہ کسی دوسرے کی دست نگر نہوں اور اس کی تدبیر یہ ہی کہ آپ ایک وسیع تہ خانہ بنوائیں تاکہ میں چپ چاپ وہاں خزانہ رکھوا دوں اور اس غرض کے لیے اول دوسو دینار مغربی دیے جاتے ہیں۔

قاضی۔　میں تو حضور کا غلام ہوں۔ جہانتک ہوسکیگا یہ خدمت انجام دونگا۔ اور تیاری سرداب کے لیے حضور سے کسی عطیہ کی ضرورت نہیں ہی۔ اس کام کو میں اپنے صرفہ سے کرسکتا ہوں۔

بقیہ نوٹ صفحہ ۲۶۵

عضدالدولہ۔ نہیں نہیں آپ کی پاک کمائی کا روپیہ میں صرف کرانا نہیں چاہتا۔ اور یہ کونسی شرط مروت ہو کہ میرے ذاتی کام کے لیئے آپ تمارا روپیہ صرف فرمائیں۔ یہی نوازش کیا کم ہو کہ جو خدمت سپرد کی گئی ہو وہ انجام دیں"

غرضکہ قاضی صاحب تو تسو دینار لیکر خوشی خوشی رخصت ہوے اور دل میں کہنے لگے کہ پیرانہ سالی میں قسمت نے پلٹا کھایا ہو اگر بادشاہ مرگیا تو یہ مال میرا ہی۔ کیونکہ کوئی دستاویز مجھ سے نہیں لکھائی گئی ہی۔ اور دو کلسے علاوہ اس رقم کے اور موجود ہیں۔ گو اُسکا مالک زندہ ہو مگر انشاء اللہ وہ مجھ سے ایک حبہ لے نہیں سکتا ہے"

اسوقت کے خیال تو گئے گزرے ہوئے اور قاضی صاحب نے ایک مہینہ کے اندر تہ خانہ طیار کرا لیا۔ اور ایک دن عضدالدولہ سے شب کے وقت جا کر عرض کیا کہ مطابق ارشاد عالی خزانہ کا مکان تیار ہو گیا ہی۔ یہ پیام سنکر عضدالدولہ بہت خوش ہوا اور قاضی صاحب سے زرامانت کی تفصیل بیان کردی اور کہا کہ میں کل رات کو ملاحظہ کرکے حکم دونگا۔

اب عضدالدولہ نے اصفہان سے اُس نوجوان کو طلب کیا۔ اور قاضی سے کہا کہ آپ منگل کو تشریف لائیں۔ اور خزانچی کو حکم دیا کہ ایک سو چالیس آفتابوں میں دینار اور تین ڈبوں میں مروارید اور چند پیالوں میں یاقوت، لعل، فیروزہ کا بھر کر خزانے میں رکھدے۔ قاضی صاحب یہ زروجواہر دیکھکر نہال ہو گئے اور یہ کہکر رخصت کر دیے گئے کہ آپ میری آواز کے منتظر رہیں۔ آج ہی رات کو امانت پہنچ جائیگی۔

اس اثنا میں اصفہان سے وہ جوان بھی آگیا۔ اُسکو عضدالدولہ نے حکم دیا کہ اب تم قاضی کے پاس جاؤ اور کہو کہ میں نے مدتوں صبر کیا۔ اور آپ کی عزت و حرمت قائم رکھی مگر اب مجھ سے صبر نہو گا۔ سارا شہر جانتا ہو کہ میرے باپ کے پاس کسقدر دولت تھی۔ اور تمام شہر میری گواہی بھی دے سکتا ہی۔ لہذا اب میری امانت مرحمت فرمائیے ورنہ آج ہی عضدالدولہ سے فریاد کرتا ہوں۔ وہ آپ کے اعزاز کو خاک میں ملا دیگا۔ اور ایسی سزا دیگا کہ لوگوں کو عبرت ہو گی۔ دیکھو تو سہی اب قاضی کیا جواب دیتا ہی"

چنانچہ نوجوان نے یہی کیا۔ قاضی نے خیال کیا کہ خدانخواستہ اگر یہ شخص میری برائی عضدالدولہ سے جا کر بیان کرے تو اُسکو میری ایمانداری میں شبہ پڑجائیگا۔ اور میں اس خزانے سے محروم رہونگا۔ لہذا مناسب یہ ہو کہ اسکا مال واپس کردوں۔ دو آفتابوں سے ایک سو پچاس آفتابے مع جواہرات کے کہیں زیادہ لاگت کے ہیں۔ غرضکہ یہ سوچ کر اُس نوجوان کو اپنے حجرے کے اندر لے گئے اور بغلگیر ہو کر کہا کہ پیارے عزیز! میں نے تیری تلاش میں ساری دنیا چھان ڈالی تو اب تک کہاں تھا۔ میں تو تجھ کو اپنے بیٹے کے برابر سمجھتا ہوں اب تک جو کچھ کیا وہ بمقتضاے احتیاط تھا۔ یہ دونوں

(۱۵) تقرری ہرکارہ[۵۱] و انتظام کبوتران نامہ بر

مشہور مقامات پر ہرکارے[۵۲] رکھنا چاہیئے۔ اور اُنکی تنخواہیں مقرر کیجائیں تاکہ دن رات میں ڈیڑھ سو[۱۵۰] میل کی خبریں پہنچ جایا کریں۔ اور ملک کا کوئی نیا واقعہ پوشیدہ نہ رہے۔"

بقیہ نوٹ صفحہ ۲۶۶۔ آفتابے موجود ہیں۔ لو اور جو چاہو کرو۔ نوجوان نے مزدوروں کے سر پر آفتابے رکھوا دیئے اور در دولت پر حاضر ہو گیا۔ جب عضدالدولہ نے نوجوان کو دیکھا کہ وہ مع آفتابوں کے حاضر ہے اور قاضی کی خیانت ثابت ہو چکی ہے۔ تب قاضی کا مال و اسباب ضبط کر لیا گیا۔ مگر بڑھاپے کیوجہ سے اور کوئی سزا نہیں دی البتہ اپنے عہدے سے برطرف کر دیا گیا۔"

عضدالدولہ فنا خسرو شاہنشاہ بن بویہ، دولت بنی بویہ میں سب سے بڑا بادشاہ تھا۔ یہ ۳۳۸ھ (۹۴۹ء) میں تخت نشین ہوا۔ اور ۳۷۲ھ (۹۸۲ء) میں فوت ہو گیا۔ مستقل سوانح عمری لکھنے کے لائق ہے۔

[۵۱] عربی تاریخوں میں ہرکارے کا نام "سعادۃ" ہے۔ اور اس طریقہ ڈاک کا موجد سلطان معزالدولہ ہے۔

[۵۲] افسوس ہے کہ خواجہ نظام الملک نے اپنے زمانہ کی محکمہ ڈاک کا پورا انتظام نہیں لکھا ہے بلکہ اُسکے ایک جزو پر نظر ڈالی ہے۔ حالانکہ ۱۶۶ھ (۷۸۲ء) میں خلیفہ مہدی عباسی نے سب سے پہلے باضابطہ یہ محکمہ جاری کیا۔ اور خلفائے بنوامیہ کے عہد میں اپنے عروج پر پہنچا۔ چنانچہ محکمہ ڈاک کا نام دیوان البرید تھا۔ اور ناظم اعلیٰ (پوسٹ ماسٹر جنرل) صاحب البرید کہلاتا تھا جس کی مصنف آثار الاول نے یہ تعریف لکھی ہے۔ "اَلْبَرِیْدُ فَاِنَّھَا وِلَایَۃٌ جَلِیْلَۃٌ خَطِیْرَۃٌ وَمُقَلَّدَھَا یُحْتَاجُ اِلیٰ جَمَاعَۃٍ کَثِیْرَۃٍ وَاِلَی الْمَوَادِ الْغَزِیْرَۃِ وَالتَّوْسِعَۃُ عَلَیْہِ" یعنی یہ عظیم الشان خدمت ہے اور اس افسر کے متعلق ایک بڑا عملہ رہتا ہے۔ چنانچہ زمانہ موجودہ میں جس وسیع پیمانہ پر یہ محکمہ ہے اس سے کسیقدر عہد قدیم کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ صاحب البرید کے فرائض میں شاہی ڈاک کے اہتمام کے علاوہ اور کام بھی سپرد تھے مثلاً شہر کے اہم واقعات سے روزانہ خلیفہ کو اطلاع دینا، اور میعاد معینہ پر وزارت عظمیٰ اور عمال اور والیان ملک کے چال چلن اور خاص خاص حالات کی اطلاع کرنا، دارالضرب (ٹکسال) کا معائنہ اور موجودات نقدی کی پڑتال کرنا

بقیۂ نوٹ نمبر صفحہ ۲۶۷۔ فوج کا جائزہ لینا اور تقسیم تنخواہ کے وقت موجود ہونا۔ زراعت کے حالات معلوم کرکر خلیفہ سے اطلاع کرنا۔"

اگرچہ ناظم ڈاک خانے کے اب یہ فرایض نہیں ہیں لیکن پھر بھی اکثر راز کے معاملات قبل از وقت اس محکمہ کے ذریعہ سے معلوم ہو جاتے ہیں۔ (یورپ کے قصہ نگاروں نے عجیب و غریب واقعات لکھے ہیں۔)

شاہی ڈاک کے ہمراہ رعایا کے خطوط اور ہر قسم کی مراسلتیں روانہ ہوتی تھیں۔ مگر کسی قسم کا محصول لیا جانا ثابت نہیں ہے۔ ایک مقام سے دوسرے مقام تک پیک (ہرکارہ) ڈاک پہنچاتا تھا۔ اور بعید مقامات کی ڈاک گھوڑے خچر۔ اونٹ پر جاتی تھی۔ چنانچہ ممالک فارس میں گھوڑوں اور حجاز میں خچروں۔ اور شام میں اونٹوں پر ڈاک جاتی تھی۔ اور ان جانوروں کے گلے میں زنجیر یا گھنٹی لٹکا دیجاتی تھی۔ جس کی آواز سے معلوم ہوتا تھا کہ ڈاک آرہی ہے۔ اور اس آواز کا نام بقبقۃ البرید ہے۔ اب صرف بگل بجایا جاتا ہے۔ اور ہر چوکی پر بکثرت جانور رہتے تھے چنانچہ صوبے کے والی (گورنر) اور اعلیٰ عہدہ دار ڈاک گاڑیوں کے ذریعہ سے اپنے صدر مقام تک سفر کیا کرتے تھے۔ اور کبھی کبھی فوج کو یہ محکمہ مدد دیتا تھا۔ ڈاک کے ہر جانور پر (مثل فوج کے) فرق امتیاز کے لیے داغ دیا جاتا تھا۔ تمام ممالک محروسہ میں کسقدر خرچ اس محکمہ کا تھا اس کی تفصیل نہیں معلوم ہو سکتی۔ لیکن عہد امیہ میں صرف صوبۂ عراق میں عملۂ ڈاکخانہ، خریداری جانوران، اور اُن کی خوراک میں ایک لاکھ چون ہزار دینار (۲ لاکھ فرانک۔ مطابق ۲ لاکھ ۰۰ ہزار سکّہ انگریزی) کا خرچ تھا۔ اور ۹۳۰ چوکیاں قائم تھیں۔ اور ہشام ابن عبدالملک کے وقت میں محض عملہ کا خرچ چار لاکھ درہم (ایک لاکھ روپیہ تھا) چنانچہ ناظرین ایک صوبے کے خرچ سے تمام محکمہ کے خرچ کا اندازہ کر سکتے ہیں۔

عملہ کی تقرری، موقوفی، اور تقسیم تنخواہ ناظم کے ہاتھ میں تھی۔ اہم معاملات کے کاغذات ناظم خلیفہ کے روبرو پیش کرتا تھا۔ اور وہاں سے حکم ہوتا تھا۔ اور ایک صحیح فہرست (پوسٹل گائڈ) تمام مقامات کے ڈاکخانوں میں موجود رہتی تھیں جس میں ایک مقام سے دوسرے مقام کا فاصلہ بھی تحریر ہوتا تھا۔ فی زمانا سرکاری ڈاکخانجات میں بھی اس کی تقلید کی گئی ہے مگر فاصلہ تحریر نہیں ہے۔ نہ یہ لکھا ہے کہ ایک ڈاکخانے کے متعلق کسقدر مواضعات ہیں۔ (یقین ہے کہ یہ نقص جلد رفع کیا جائیگا۔)

جہاں سے جہاں تک ڈاک کا سلسلہ تھا اُن تمام رستوں کی حفاظت بھی ناظم کے سپرد تھی اور تمام علاقے کے اندر جو قبائل آباد تھے اُنکی بھی خبر رکھنا پڑتی تھی کہ وہ برسر اطاعت ہیں یا آمادۂ بغاوت ہیں"۔ خلفاے عبّاسیہ میں

بقیہ نوٹ صفحہ ۲۶۸ - ہرون الرشید، معتصم باللہ، المتوکل، المعتضد کو محکمۂ ڈاک پر خاص توجہ تھی۔
دوسرا ذریعہ خاص شاہی ڈاک کی روانگی کا نامہ بر کبوتر تھے۔ اور ملکشاہ کے عہد میں بھی اُنسے کام لیا جاتا تھا مگر خواجہ نے معمولی بات خیال کر کے صرف عنوان قائم کر دیا ہی اور تفصیل نہیں لکھی ہی۔ لہذا ناظرین کی اطلاع کے لیے چند سطریں بطور تاریخی واقعہ کے لکھی جاتی ہیں۔ کہ نامہ بر کبوتر کس قسم کے ہوتے تھے۔ اور وہ کیا کام کرتے تھے مورخوں نے لکھا ہی کہ کبوتروں سے خبر رسانی کا کام اول یونان اور روم نے لیا ہی۔ لیکن مسعودی کی روایت سے ثابت ہی کہ جب خلیفہ المعتصم باللہ ابو اسحق محمد بن الرشید (۲۱۸ھ ۸۳۳ء - ۲۲۷ھ ۸۴۲ء) نے بابک کے مقابلے میں فتح پائی ہی تو بغداد میں سب سے پہلے یہ خبر کبوتر لایا تھا۔
چنانچہ اس واقعے کے بعد جو خلفا ہوئے انھوں نے اسپر خاص توجہ کی۔ اور یہ سلسلہ برابر جاری رہا یہانتک کہ نورالدین محمود بن زنگی نے توجہ کی (جسکی تفصیل یہ ہی) کہ نورالدین کی حکومت ایران کی مشرق سے نوبہ کی سرحد تک پھیل گئی تھی۔ مصر اور شام کے بندرگاہ جو بحر روم کے مشرقی اور جنوبی سواحل پر تھے آئے دن یورپ کی فوجیں حملہ آور ہوتی تھیں اور نورالدین کی قلمرو میں قتل و غارت کا سیلاب بہاتی تھیں اور اس سے پہلے کہ اُنکے حملے کی خبر ہو اور مدافعت کے لیے سرحد پر فوج کشی کیجائے اہل یورپ اپنا کام کر کے واپس چلے جاتے تھے ۵۶۶ھ ۱۱۷۱ء میں نورالدین نے اپنی وسیع قلمرو کا انتظام کرنے اور اُسکو یورپ کے حملوں سے محفوظ رکھنے کے لیے یہ تجویز کی کہ موصل کے نامہ بر کبوتروں سے جنکو مناسیب کہتے تھے پیغام رسانی کا کام لیا جائے اُسنے اپنے تمام ملک میں جابجا چوکیاں مقرر کیں اور انکی غور و پرداخت اور اُنسے مخبری کا کام لینے کے لیے ایک وسیع محکمہ قائم کیا۔ چوکیوں پر جو اخبار نویس تھے اُنکی بیش قرار تنخواہیں مقرر کیں اخبار نویس کو حکم تھا کہ جب کوئی غنیم اُس کی چوکی کے قریب حملہ آور ہو یا کوئی ضروری اور اہم واقعہ پیش آئے تو فوراً ایک کاغذ کے پرزے پر اُس کی خبر لکھے اور اگلی چوکی کے کبوتر جو اُسکے پاس ہیں اُن میں سے ایک کے بازو میں وہ کاغذ کا پرزہ باندھ کر چھوڑ دے کبوتر نہایت تیزی سے اُڑتا تھا اور سیدھا اگلی چوکی پر پہنچ جاتا تھا جہاں اُس کبوتر کا اصلی مقام ہی اس چوکی کا نگہبان اُس کبوتر کے بازو سے کاغذ کھولکر دوسرے کبوتر کے بازو میں باندھ دیتا تھا جو اُس سے اگلی چوکی کا ہوتا تھا۔ اسی طرح منزل بہ منزل ایک کبوتر کے بازو سے کاغذ کھولا جاتا اور دوسرے کبوتر کے بازو میں باندھ دیا جاتا اور نورالدین کے پاس نہایت سرعت سے خبر پہنچ جاتی تھی اور اس سے پہلے کہ غنیم اسکے ملک میں کسی قلعہ یا بندرگاہ پر حملہ آور ہو نورالدین کی فوج جو مقام حملہ سے قریب ہوتی تھی اسکا حکم پاتے ہی فوراً اس مقام پر

بقیہ نوٹ صفحہ ۲۶۹ - پہنچ جاتی تھی۔ اور دشمن کی غافل اور بیخبر فوج کو پسپا کر دیتی تھی۔ اس عمدہ تدبیر کا اثر
یہ ہوا کہ نورالدین کی تمام قلمرو اندرونی اور بیرونی خطروں سے بالکل محفوظ ہو گئی اور اُس کی حکومت اور سیاست
کا رعب خاص و عام کے دلوں میں دوڑ گیا۔

مصر میں خلفائے فاطمین نے اس محکمہ کی طرف خاص توجہ مبذول کی تھی۔ نامہ بر کبوتروں کے پالنے اور اُن کی غور
و پرداخت کے لیے ایک مستقل دفتر تھا۔ بہت سے دفتر تھے جن میں کبوتروں کے نسب نامے درج ہوتے تھے۔
ناصرالدین اللہ جو بغداد کے اخیر خلفا میں نامور ہوا ہے اُسنے بھی ۵۹۱ھ (۱۱۹۴ء) میں نامہ بر کبوتروں کے لیے ایک وسیع محکمہ
قائم کیا اور اپنی قلمرو میں اخبار نویس پھیلا دیے۔ اعلیٰ نسل کے کبوتر نہایت تلاش اور تحقیق سے خریدے جاتے
کتابوں میں انکے نسب نامے نہایت غور و تفتیش سے لکھے جاتے تھے۔ کبوتروں کے پالنے اور فروخت کرنیوالے
خوب جانتے تھے کہ انکے کبوتر کس کس نامی کبوتر کی نسل سے ہیں۔ اعلیٰ نسل کا ایک کبوتر ہزار دینار (۵ ہزار روپیہ)
تک قیمت پاتا تھا۔ ناصرالدین اللہ کی اس کوشش اور حسن تدبیر کا یہ اثر تھا کہ اُس کی تمام قلمرو میں اس سرے سے
اُس سرے تک کوئی نیا واقعہ یا حادثہ ایسا نہیں ہوتا تھا جسکی اُس کو خبر نہو۔ مصر اور ہندوستان والے اُس کے
نام سے ایسا ہی ڈرتے تھے جیسا کہ بغداد کے باشندے (جو اُس کی حکومت اور سلطنت کا مرکز تھا) چین کی سرحد
سے اندلس تک اُس کے نام کا خطبہ پڑھا گیا۔ اور اُسکا رعب حکومت تمام ملکوں پر چھا گیا تھا۔

قاضی محی الدین بن عبد الظاہر نے ایک مستقل کتاب نامہ بر کبوتروں کے حالات پر لکھی ہے جسکا نام تمائم الحمائم
ہے۔ اُس میں نامہ بر کبوتروں کے نسب نامے۔ اُن کی عادات و خصائل۔ پیغام رسانی اور پیغام نویسی کے طریقے
اور انکے متعلق بہت سے دلچسپ حالات قلمبند کیے ہیں۔ جلال الدین سیوطی نے حسن المحاضرہ فی اخبار مصر
والقاہرہ میں چند دلچسپ باتیں اس کتاب سے نقل کی ہیں وہ لکھتے ہیں کہ خبر جس کاغذ پر لکھی جاتی تھی اُسکو کبوتر کے
بازو میں باندھتے تھے تاکہ بارش سے محفوظ رہے۔ آئین سلطنت تھا کہ جب کبوتر آسمان سے شاہی محل پر اُترتا تھا
فوراً خلیفہ کو خبر کی جاتی تھی خود خلیفہ خبر کے پڑھنے میں ایک ساعت توقف نہیں کرتا تھا۔ کیونکہ اگر ایک لحظہ بھی
غفلت کیجاتی تو بہت سے مہمات ملکی کے فوت ہو جانے کا اندیشہ تھا۔ خود خلیفہ اپنے ہاتھ سے کاغذ کھولتا
اور پڑھتا تھا اُسوقت اگر خلیفہ کے سامنے خاصہ چنا ہوا ہوتا تو فوراً کھانے سے دست بردار ہوتا۔ حکم تھا کہ اگر
خلیفہ اُسوقت بستر خواب پر ہوں تو فوراً جگا دیے جائیں۔ سو کر اُٹھنے کا انتظار نہ کیا جاے۔ خبر ایک خاص قسم
کے کاغذ پر لکھی جاتی تھی جو ورق الطیر کے نام سے مشہور تھا۔ خبر لکھنے کے وقت کاغذ پر حاشیہ نہیں چھوڑتے تھے

عموماً خبر کے پہلے بسم اللہ نہیں لکھتے تھے۔ تاریخ دن اور وقت کے سوا سنہ بھی نہیں لکھتے تھے۔ مخاطب کی نسبت تعریف اور القاب کے لمبے چوڑے الفاظ نہیں لکھے جاتے تھے۔ صرف واقع کو مختصر الفاظ میں لکھتے تھے اور عبارت حشو و زوائد سے بالکل پاک ہوتی تھی۔ عبارت کے آخر میں بطور تفاؤل کے یہ الفاظ لکھے جاتے تھے "حسبنا و نعم الوکیل" اگر دو کبوتر ایک ساتھ چھوڑے جاتے تھے تو ایک کبوتر کا حال دوسرے کے کاغذ میں درج کرتے تھے تاکہ اگر اُن میں سے کوئی کبوتر وقت پر نہ پہنچے تو اُسکے آنے کا انتظار کیا جاے۔

قاضی محی الدین بن عبد الظاہر۔ قاضی فاضل اور عماد کاتب نے جو فن انشا کے امام خیال کیے گئے۔ نامہ بر کبوتروں کی تعریف اور اُنکے حالات میں قلم کا زور دکھایا اور رنگین مسجع طرز کی نہایت فصیح و بلیغ نثر میں لکھی ہیں۔ قاضی فاضل نے نامہ بر کبوتروں کو ملائکۃ الملوک۔ انبیاء الطیر۔ خطباء الطیر۔ وغیرہ کے القاب سے ملقب کیا ہے جو اُنکے لیے بہت موزوں ہیں۔ ابو محمد احمد بن علوی بن ابی عقبال قیروانی نے متعدد نظمیں ان کبوتروں کے حالات پر لکھی ہیں جسکا ایک مختصر نمونہ یہ ہے۔

یا بعد بین غدوھا و رواحھا	خضر تفرق الریح فی طیرانھا
لمسیر شہر تحت ریش جناحھا	تاتی باخبار الغداۃ و عشیۃ
نفث الھدایۃ منہ فی ارواحھا	وکانما الروح الامین بوحیہ

کبوتروں کی ڈاک مصر و شام میں نور الدین زنگی کے وقت سے حاکم بامر اللہ کے زمانہ تک جو مصر میں خلفاے عباسیہ کی یادگار تھا برابر دو سو برس تک جاری رہی ہے۔ ابن فضل اللہ دمشقی جو اس خلیفہ کے دربار میں تھا اور جس نے ۷۴۹ھ میں وفات پائی التعریف بالمصطلح الشریف میں لکھتا ہے کہ میرے زمانے میں مصر کے جنوب اور ملک نوبہ کی سرحد پر قوص۔ آسوان۔ عیذاب۔ تک جو کبوتروں کی ڈاک جاری تھی بند ہوگئی ہے۔ لیکن شام اور مصر میں اب بھی کبوتروں کی ڈاک کی بہت سی منزلیں آباد ہیں اور اُن میں ڈاک جاری ہے۔ اس کے بعد ابن فضل اللہ نے اپنے زمانے کی منزلیں گنوائی ہیں جنکو ضروری اور دلچسپ سمجھکر ہم یہاں نقل کرتے ہیں۔

کبوتروں کی ڈاک کی منزلیں

نام مقام	کیفیت
قاہرہ سے اسکندریہ تک۔	

نام مقام	کیفیت
قاہرہ سے دمیاط	
قاہرہ - سویز	
قاہرہ - بلبیس	بلبیس مصر کا شہر ہے اور شام کے راستہ پر فسطاط سے تیس میل کے فاصلے پر ہے
بلبیس - صالحیہ	
صالحیہ - قطیا	صالحیہ فرات اور دجلہ کے درمیان دوآبہ میں واقع ہے۔
قطیا - واردہ	قطیا مصر کی راہ میں ایک قصبہ ہے۔ جو ریگستان میں واقع ہے۔
واردہ - غزہ	
غزہ - بلد الخلیل	غزہ شام کی انتہائی سرحد پر ہے جو مصر سے ملتی ہے۔
غزہ - بیت المقدس۔	
غزہ - نابلس	نابلس فلسطین میں بیت المقدس سے ۳۰ میل پر ہے۔
غزہ - لد	
لد - قاقون	لد - بیت المقدس کے قریب ایک قصبہ ہے
قاقون - جنینین	قاقون۔ فلسطین میں رملہ کے قریب ایک قلعہ ہے۔
جنینیں - صفد	صفد حمص کی حد پر ایک پہاڑی قصبہ ہے
جینین - بیسان	بیسان صوبہ اردن کا ایک شہر ہے۔
اربد - طفس	اربد، طبریہ کے قریب صوبہ اردن میں ایک قریہ ہے۔
طفس - ضمین	
ضمین - دمشق	ضمین دمشق سے دو منزل کے فاصلہ پر ہے
بیسان - اذرعات	اذرعات ملک شام میں ایک قصبہ ہے۔
طفس - اذرعات	
دمشق - بعلبک	
دمشق - قارا	

نام مقام	کیفیت
دمشق سے قریتین	قریتین تدمر سے دو منزل کے فاصلے پر ہی
قارا ۔ حمص	اگر حمص سے دمشق کو جائیں تو قارا پہلی منزل پڑتا ہی
حمص ۔ حماہ	
حماہ ۔ معرہ	معرہ حلب کی نواح میں اُس سے پندرہ میل کے فاصلے پر ہی
معرہ ۔ حلب	
حلب ۔ بیرہ	بیرہ حلب کے قریب ایک قلعہ ہی
حلب ۔ قلعۃ المسلمین	
حلب ۔ بھسنی	بھسنی ایک قلعہ ہی جو دریاے فرات کے مغربی کنارے پر سمیاط کے قریب واقع ہی
قریتین ۔ تدمر	
تدمر ۔ سخنہ	تدمر حلب سے ۵ دن کی راہ پر قدیم شہر ہی۔ سخنہ تدمر کے قریب ہی
سخنہ ۔ قباقب	سخنہ اور قباقب کے درمیان چند روز سے کبوتروں کی ڈاک بند ہوگئی ہی۔ اور
قباقب ۔ رحبہ	تدمر سے قباقب ورقباقب سے رحبہ کیطرف کبوتر اڑائے جاتے ہیں۔ (ابن فضل اللہ)

اس میں شک نہیں کہ مصر وشام میں کبوتروں کی ڈاک ابن فضل اللہ کے زمانے تک جاری تھی اور اُس سے سلطنت کے انتظام میں برابر مدد کی جاتی تھی لیکن نہیں معلوم ہوا کہ کب بند ہوئی اور اسوقت سے کبتک جاری رہی"

خلاصہ یہ ہی کہ مسلمانوں نے بھی اپنے عہد سلطنت میں صدہا سال تک کبوتروں سے پیغام رسانی کا کام لیا ہی اور انتظام سلطنت کے لیے حُسن تدبیر کا کوئی دقیقہ نظر انداز نہیں کیا ہی۔ زمانہ موجودہ میں جرمنی اور فرانس وغیرہ کی نسبت جو شہرت ہی کہ وہ نامہ بر کبوتروں سے میدان جنگ میں کام لیتے ہیں۔ یہ کوئی نئی بات نہیں ہی۔

انتخاب ونقل از کتاب آثار الاول فی ترتیب الدول صفحہ ۱۰۰ و معید النعم سبکی صفحہ ۱۴۱۔ مسعودی صفحہ ۶۹۔ حاشیہ کامل اثیر جلد ۹۔ وحسن المحاضرہ فی اخبار مصر والقاہرہ۔ صفحہ ۱۸۶ جلد دوم۔ ان سائیکلوپیڈیا برطانیکا۔ اخبار جودھویں صدی نمبر ۲۲۔ مطبوعہ ۱۵ جون ۱۸۹۶ء بحوالہ علی گڈہ گزٹ مضمون نوشتہ مولوی وحید الدین سلیم پانی پتی۔ اڈیٹر معارف۔

(۱۶) وکیل خاص[۵۲]

باورچیخانہ، شرابخانہ، اصطبل، محلسرائے شاہی اور شاہزادوں کے محل کی نگرانی جس معتمد کے سپرد ہوا کرتی ہی۔ وہ وکیل خاص کہلاتا ہی۔ اس خدمت کے لیئے مشکل سے کوئی ملتا ہی۔ کیونکہ یہ کام نہایت نزاکت اور ذمہ داری کا ہی۔ اس عہدہ دار کا فرض ہی کہ وہ روزانہ دربار شاہی میں حاضر ہوکر تمام کاموں کی اطلاع کیا کرے اور بادشاہ کو چاہیئے کہ اُسکی عزت و حرمت قائم رکھے

(۱۷) ندیم و مصاحب[۵۳]

بادشاہوں کے لیے قابل مصاحبوں[۵۴] کا رکھنا بھی ضرور ہی۔ کیونکہ بادشاہ، اُمرا، دربار اور سپہ سالار ان

---

[۵۲] فصل ۱۷، صفحہ ۸۰۔ سیاست نامہ۔ وکیل خاص (۱۶) از روئے مرتبہ میں وزیر اور حاجب کا ہم پلہ ہی۔ عہد سلجوقیہ میں نامور اُمرا اس عہدے پر مقرر ہوا کرتے تھے۔ اور فرائض کی تفصیل خواجہ نے کردی ہی۔ لیکن خلفائے عباسیہ و سلاطین ایران و ہندوستان کے عہد حکومت میں مثل مشرف اور مستوفی کے وزارت کے ماتحت یہ بھی ایک عہدہ تھا۔ اور جو فرائض وکیل خاص کے خواجہ نے لکھے ہیں اُنپر جداگانہ افسر مقرر تھے جنکے نام حسب ذیل ہیں۔

۱ خوان سالار۔ میر بکاول۔ ۔۔ داروغہ باورچیخانہ ۲ شرابدار۔ شربتدار۔ آبدار ۔۔ داروغہ شراب وغیرہ

۳ میرآخور، آختہ بیگی۔ ۔۔ داروغہ اصطبل ۴ میر بخشی۔ ۔۔ داروغہ شترخانہ

۵ استادالدار ۔۔ ناظر حرم۔

تفصیلی خدمت کے واسطے آئین اکبری علامہ ابوالفضل و معید النعم سبکی و سلوک الممالک شہاب الدین دیکھنا چاہیئے۔

[۵۳] فصل ۱۷، صفحہ ۸۰۔ [۵۴] ظل اللہ فی الارض (زمین پر خدا کا سایہ) جیسا معزز خطاب بادشاہ کو دیا گیا ہی اسلیئے وہ شخص بھی بڑا خوش نصیب ہی جو بادشاہ کے سایہ میں ہو۔ لیکن اس سایہ میں پہنچکر راحت اُٹھانا معمولی آدمیوں کا کام نہیں ہے کیونکہ حقیقت میں بادشاہ کی ذات اونچے پہاڑ کی ایسی چوٹی سے مشابہ ہی جس کی سطح پر سبزۂ زمردیں کا فرش، اور

فوج کے ساتھ بے تکلفی ہی ربط ضبط نہیں کرسکتا ہی۔ اور اگر اس طرح پر ملے جُلے تو رُعب داب میں فرق پڑجائیگا۔

جنکو سرکاری خدمتیں سپرد ہوں وہ مصاحب نہ بنائے جائیں۔ اور جو مصاحب ہیں وہ مُلکی عہدوں پر نہ مقرر کیے جائیں۔ کیونکہ ایسے لوگوں سے رعایا کو بہت نقصان پہنچ جاتا ہی۔ عامل کی

بقیہ نوٹ صفحہ ۲۷۴۔ اور ہرے بھرے میوہ دار درختوں کی قطاریں بھی ہی۔ صاف وشفاف پانی کی نہریں بھی جاری ہیں۔ خوبصورت وخوشرنگ چڑیاں بھی اِدہراُدہر چہچہاتی پھرتی ہیں اور ہزاروں طرح کی دلچسپیاں ہیں۔ لیکن ہر گوشے میں شیروپلنگ اور صحرائی درندے بھی اپنی تاک میں بیٹھے ہوے ہیں۔ اسلیے مردہ دل اس منظر کو حسرت کی نگاہوں سے دیکھتے رہجاتے ہیں اور زندہ دل اپنی جوانمردی سے اس سرسبز اور سربفلک چوٹی تک پہنچ جاتے ہیں۔ اور وہاں پہنچکر حظ نفسانی اُٹھاتے ہیں"۔ غرضکہ یہی مثال بادشاہ اور ندیم کی ہی۔ اسلیے ندیم (اڈیکانگ) کا عہدہ نہایت نازک اور خطرناک ہی۔ کیونکہ بادشاہ خردسال بچوں کی طرح بگڑجاتے ہیں۔ اور شیروں کی طرح غضبناک ہوجاتے ہیں چنانچہ کسی حکیم کا قول ہی "من اراد صحبة الملوك فليدخل كالاعمى ويخرج كالاخرس فهو طريق السلامة"۔ یعنی بادشاہوں کے دربار میں حفظ وامن کا صرف یہی طریقہ ہی کہ اندہوں کی طرح داخل ہو اور گونگوں کی طرح نکلجائے خواجہ نے ندیم کی خدمات کی صراحت کی ہی۔ اور کتب اخلاق وسیاست میں طول طویل ہدایتیں مصاحبوں کیواسطے تحریر ہیں مگر چونکہ مشرق اور مغرب کے بادشاہوں کے آداب میں اختلاف ہی۔ اسلیے زیادہ لکھنے کی حاجت نہیں ہی البتہ ندیم میں اوصاف ذیل کا ہونا ضروری ہی اور یہ وہ صفات ہیں جو مشرق اور مغرب میں مشترک ہیں۔

(۱) خاندان اور شرافت کے لحاظ سے معزز ہو۔ دینداری اور پارسائی کے ساتھ فہمیدہ اور سنجیدہ ہو۔

(۲) صحیح الاعضا ہو۔ اور جسم میں اعتدال ہو۔ حُسن صورت کے ساتھ زندہ دلی کا بھی جوہر رکھتا ہو۔

(۳) خوش پوشاک۔ طیب الریح۔ اور معائب سے پاک ہو۔ اور لباس اخلاق وادب سے آراستہ ہو۔

(۴) رازدار ہو۔ غیبت سے متنفر ہو۔ اور اشاروں پر کام کرنے والا ہو۔

(۵) نحو، لغت، علم الاشعار، تاریخ، سیر، نوادرات، حکایات، ضرب الامثال اور لطائف کا ماہر ہو۔

(۱۶) وکیل خاص[لہ]

باورچیخانہ[عہ]. شتر خانہ. اصطبل. محلسرائے شاہی اور شاہزادوں کے محل کی نگرانی جس معتمد کے سپرد ہوا کرتی ہی. وہ وکیل خاص کہلاتا ہی۔ اس خدمت کے لیے مشکل سے کوئی ملتا ہی۔ کیونکہ یہ کام نہایت نزاکت اور ذمہ داری کا ہی۔ اس عہدہ دار کا فرض ہی کہ وہ روزانہ دربار شاہی میں حاضر ہوکر تمام کاموں کی اطلاع کیا کرے اور بادشاہ کو چاہیئے کہ اُسکی عزت و حرمت قائم رکھے۔

(۱۷) ندیم و مصاحب[سلہ]

بادشاہوں کے لیے قابل مصاحبوں[عہ] کا رکھنا بھی ضرور ہی۔ کیونکہ بادشاہ، اُمرا، دربار اور سپہ سالار لن

لہ فصل ۱، صفحہ ۹۰. سیاست نامہ۔ عہ وکیل خاص اعزاز و مرتبہ میں وزیر اور حاجب کا ہم پلہ ہی۔ عہد سلجوقیہ میں نامور امرا اس عہدے پر مقرر ہوا کرتے تھے۔ اور فرائض کی تفصیل خواجہ نے کردی ہی لیکن خلفائے عباسیہ و سلاطین ایران و ہندوستان کے عہد حکومت میں مثل مشرف اور مستوفی کے وزارت کے ماتحت یہ بھی ایک عہدہ تھا۔ اور جو فرائض وکیل خاص کے خواجہ نے لکھے ہیں اُنپر جداگانہ افسر مقرر تھے جنکے نام حسب ذیل ہیں۔

۱ خوان سالار۔ میر بکاول۔ ــ داروغہ باورچیخانہ ۲ شرابدار۔ شربتدار۔ آبدار۔ ــ داروغہ شرابخانہ وغیرہ

۳ میر آخور، آختہ بیگی۔ ــ داروغہ اصطبل ۴ میر بختی۔ ــ داروغہ شترخانہ

۵ استادالدار۔ ــ ناظر حرم۔

تفصیل خدمات کے واسطے آئین اکبری علامہ ابوالفضل و معید النعم سبکی و سلوک المالک شہاب الدین دیکھنا چاہیئے۔

سلہ فصل ۱، صفحہ ۹۰۔ عہ ظل اللہ فی الارض (زمین پر خدا کا سایہ) جیسا معزز خطاب بادشاہ کو دیا گیا ہی اسلیے وہ شخص بھی بڑا خوش نصیب ہی جو بادشاہ کے سایہ میں ہو۔ لیکن اس سایہ میں پہنچکر راحت اُٹھانا معمولی آدمیوں کا کام نہیں ہے کیونکہ حقیقت میں بادشاہ کی ذات اونچے پہاڑ کی اسی چوٹی سے مشابہ ہی جس کی سطح پر سبزۂ زمردیں کا فرش، اور

فوج کے ساتھ بے تکلفی سے ربط ضبط نہیں کرسکتا ہے۔ اور اگر اس طرح پر سلسلہ جنبانی ہو تو رعب و داب میں فرق پڑ جائیگا۔

جنکو سرکاری خدمتیں سپرد ہوں وہ مصاحب نہ بنائے جائیں۔ اور جو مصاحب ہیں وہ ملکی عہدوں پر نہ مقرر کیے جائیں۔ کیونکہ ایسے لوگوں سے رعایا کو بہت نقصان پہنچ جاتا ہے۔ عامل کی

بقیہ نوٹ صفحہ ۲۷۴۔ اور ہرے بھرے میوہ دار درختوں کی قطاریں بھی ہیں۔ صاف وشفاف پانی کی نہریں بھی جاری ہیں۔ خوبصورت و خوشرنگ چڑیاں بھی ادہر ادہر چہچہاتی پھرتی ہیں اور ہزاروں طرح کی دلچسپیاں ہیں۔ لیکن ہر گوشے میں شیر و پلنگ اور صحرائی درندے بھی اپنی تاک میں بیٹھے ہوے ہیں۔ اسلیے مردہ دل اس منظر کو حسرت کی نگاہوں سے دیکھتے رہجاتے ہیں اور زندہ دل اپنی جوانمردی سے اس سرسبز اور سر بفلک چوٹی تک پہنچ جاتے ہیں۔ اور وہاں پہنچکر حظ نفسانی اُٹھاتے ہیں"۔ غرضکہ یہی مثال بادشاہ اور ندیم کی ہے۔ اسلیے ندیم (ڈیکانگ) کا عہدہ نہایت نازک و خطرناک ہے۔ کیونکہ بادشاہ خردسال بچوں کی طرح بگڑ جاتے ہیں۔ اور شیروں کی طرح غضبناک ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ کسی حکیم کا قول ہے من اراد صحبة الملوك فليدخل كالاعمى وليخرج كالاخرس فهو طريق السلامة۔ یعنی بادشاہوں کے دربار میں حفظ وامن کا صرف یہی طریقہ ہے کہ اندہوں کی طرح داخل ہو اور گونگوں کی طرح نکلجائے خواجہ نے ندیم کی خدمات کی صراحت کی ہے۔ اور کتب اخلاق و سیاست میں طول طویل ہدایتیں مصاحبوں کیواسطے تحریر ہیں مگر چونکہ مشرق اور مغرب کے بادشاہوں کے آداب میں اختلاف ہے۔ اسلیے زیادہ لکھنے کی حاجت نہیں ہے البتہ ندیم میں اوصاف ذیل کا ہونا ضروری ہے اور یہ وہ صفات ہیں جو مشرق اور مغرب میں مشترک ہیں۔

(۱) خاندان اور شرافت کے لحاظ سے معزز ہو۔ دینداری اور پارسائی کے ساتھ فہمیدہ اور سنجیدہ ہو۔

(۲) صحیح الاعضا ہو۔ اور جسم میں اعتدال ہو۔ حسن صورت کے ساتھ زندہ دلی کا بھی جوہر رکھتا ہو۔

(۳) خوش پوشاک۔ عیب الرائحہ اور معائب سے پاک ہو۔ اور لباس اخلاق و ادب سے آراستہ ہو۔

(۴) رازدار ہو۔ غیبت سے متنفر ہو۔ اور اشاروں پر کام کرنے والا ہو۔

(۵) نحو، لغت، علم الاشعار، تاریخ، سیر، نوادرات، حکایات، ضرب الامثال اور لطائف کا ماہر ہو۔

یہ صفت ہے کہ وہ ہمیشہ بادشاہ سے خائف رہے اور ندیم کو یہ زیبا ہے کہ وہ شوخ وطرار ہو جس کی بذلہ سنجیوں سے بادشاہ کا دل بہلے۔ مگر ایسی باتوں کے لیے بھی فرصت کا وقت چاہیئے تاکہ سلطنت کے ضروری کاموں میں ہرج نہ واقع ہو۔

مصاحبوں اور ندیموں کا رکھنا فائدے سے خالی نہیں ہے۔ اول یہ کہ ندیم بادشاہ کا مونس ہوتا ہے۔ دوسرے یہ کہ وہ شب و روز ہمراہ رہتے ہیں اسلیئے حفاظت جان بھی کرتے ہیں۔ تیسرے یہ کہ اگر خدانخواستہ کوئی خطرہ پیش آئے تو وہ بادشاہ پر جان فدا کریں اور سپر کا کام دیں۔ چوتھے یہ کہ ندیموں سے ہر قسم کی گفتگو ہو سکتی ہے۔ پانچویں یہ کہ مثل جاسوس کے بادشاہوں کے حال سے خبردار رہتے ہیں۔ چھٹے یہ کہ بحالت مستی، و ہوشیاری، ندیم بہت سی اچھی بُری باتیں کہجاتے ہیں جو مصلحت سے خالی نہیں ہوتی ہیں۔

ندیم کے لیئے شرط ہے کہ وہ شریف، فاضل، خوش اخلاق، زندہ دل، رازدار، پاک مذہب، اور واقف قصص و حکایت ہو۔ نرد و شطرنج کا کھیل جانتا ہو، موسیقی کا بھی ماہر ہو۔ اور اگر مرد میدان ہو، تو اور بھی بہتر ہے۔ اور سب سے بڑی ضرورت یہ ہے کہ بادشاہ کے مزاج کے موافق اور اُس کا ہمخیال ہو۔ ندیم کو معلم نہ بننا چاہیے کہ بادشاہ کی ہر بات پر کہہ اُٹھے کہ حضور یہ کیجیئے اور یہ نہ کیجیئے اور یہ کیوں ہوا یا کیونکر ہوا۔ ایسی باتوں سے بار شاطر بار خاطر بنجاتا ہے۔

مجلس عیش و طرب سیر و شکار، اور چوگان بازی کے (پولو) تمام سامان مہیا کرنا ندیم کا فرض ہے علاوہ بریں سفر و حضر، جنگ وجدال، شادی بیاہ، اور دیگر ملکی معاملات میں بھی اگر وہ وزراء وغیرہ سے مشورہ کرنے کی تدبیر کریں تو بہتر ہے۔ بعض بادشاہ اپنے مصاحبوں میں منجم اور

طبیب بھی رکھتے تھے جس سے یہ تجربہ کرنا مقصود تھا کہ دیکھیں وہ اپنا اپنا کیا کام کرتے ہیں

۵۷ ارکان سلطنت میں طبیب (ڈاکٹر) موضوع فن اور علمی شرافت کے لحاظ سے ایک ضروری عنصر ہی، گو شاہان سلجوقیہ کو ذوق و التفات نہ ہو یہ دوسری بات ہی، مگر زمانہ گزشتہ کی تاریخ بتاتی ہی کہ ہر بادشاہ اور شہنشاہ کے دربار میں منتخب روزگار اطبا ہوتے تھے، شہادت کیواسطے مسلمان بادشاہوں میں صرف دربار بغداد اور اندلس کی تاریخ کافی ہی۔ ان دربارون میں ہندو، عیسائی، یہودی طبیب موجود تھے۔ اور جو اخلاقی برتاؤ انکے کیا جاتا تھا آج انکا کوئی ہم مذہب بھی اسقدر نہیں کرسکتا ہی۔ ان کی سوانح عمریاں اگر دیکھنا چاہتے ہو تو ابن ابی اصیبعہ کی کتاب طبقات الاطبا، دیکھو۔ بہرحال طبیب بادشاہوں کے دربار میں ایک ضروری رکن ہی۔ البتہ طبیب میں اوصاف ذیل کا ہونا لازمی ہی

(۱) طب کی علمی اور عملی شاخ اور تصنیفات قدیم پر عبور رکھتا ہو۔

(۲) کثیر العلاج ہو۔ اور غور و فکر کا عادی ہو۔

(۳) حاسد اور طامع نہو۔ مزاج کا فیاض ہو۔

(۴) خوش پوشاک ہو اور عطریات سے ذوق رکھتا ہو۔

(۵) عقاقیر (جڑی بوٹی) اور ادویہ، اغذیہ سے واقف ہو۔

(۶) مفردات اور مرکبات کی اعلیٰ اور ادنیٰ شاخوں سے ماہر ہو۔

(۷) موسم کی ہر فصل سے عموماً اور اعتدال کے زمانے سے خصوصاً باخبر ہو۔

(۸) پانی اور ہوا کے علم سے واقف ہو۔ اور کم از کم جغرافیہ کا وہ حصہ جانتا ہو جسکا تعلق علم طب سے ہی

(۹) بعض علما کے نزدیک طبیب کو نجوم کا جاننا بھی ضروری ہی (زمانہ حال کے اطبا کو ان امور کیطرف توجہ کرنا چاہیئے) اور تمام مہذب دنیا میں نہایت وسیع پیمانے پر آج نہ صرف محکمہ طبابت قائم ہی بلکہ ہر شاہی خاندان میں نامور اور مستند طبیب موجود ہیں۔ لیکن منجم کے معاملے میں جو اختلاف زمانہ سابق میں تھا۔ میری رسالے میں وہ آج بھی ہی۔ لیکن قول فیصل سے پہلے نجوم کی ماہیت پر چند سطریں لکھنا ضروری ہیں۔

علوم و فنون کی ہر تاریخ میں علم نجوم کا بھی مفصل تذکرہ ہی۔ لیکن علوم طبیعہ (سائنس) کی تاریخ میں حساب اور نجوم پر (جو لازم و ملزوم ہیں) حکما نے مفصل بحث کی ہی۔ جسکا خلاصہ یہ ہی کہ دار العلوم اسکندریہ میں جب علوم طبعی کا درس

کیونکہ طبیب کا تو یہ کام ہی کہ وہ بادشاہ کی صحت کو ہر وقت دیکھتا رہے۔ اور نجومی بتائے کہ

بقیہ نوٹ صفحہ ۲۷۷ - شروع ہوا اور علمی فوائد کا ظہور ہونے لگا تو ایک گروہ نے یہ جدت کی کہ عالم اسباب کے ہر واقعہ کو بجائے اسکے کہ محسوسات اور مشاہدے کے تغیرات سے مطابق کرتے۔ اُنھوں نے روحانیات اور علویات سے مطابق کرنا شروع۔ چنانچہ افلاطون نے نہایت بلند آواز سے اپنے شاگردوں کو تعلیم کیا کہ حقائق اعداد کا مطالعہ انسان کے دماغ کو پیچے تخیل کا عادی کرتا ہی اور اُس کی پرواز اشیا، مادّی اور اجسام سے بالاتر ہی تم علم الاعداد کو تجارت کی غرض سے نہ سیکھو بلکہ عالم ظاہری کے تغیرات سے قطع تعلق کر کے روحانیات کی طرف متوجہ ہو۔" متاخرین نے جو محض متقدمین کے روایت کش ہیں۔ ایک کو دس اور دس کو سو کر دکھایا۔ اور اعداد کو تقسیم کر کے ہر عدد کے خواص طبعی لکھنا شروع کر دیئے۔ مثلاً عدد کے چار مراتب احاد، عشرات، مآت، الوف، (اکائی دہائی سیکڑہ ہزار) قرار دیئے گو یہ تقسیم نہایت دانشمندی اور اُصولی طریقہ پر کی گئی تھی مگر شارحین نے عدد کی طبیعت میں چار مراتب کا ہونا لازمی قرار دیا اور اگر یہ نہ کہتے تو امور طبعیہ سے نہ عدد کے رموز کی مطابقت ہوتی اور نہ یہ کہنے کی جرأت ہوتی۔ کہ خدا کو چار کا عدد (مربعات) پسند ہی اور دلیل اس کی یہ ہی کہ عنصر چار ہیں (آتش، باد، آب، خاک) طبائع بھی چار ہیں (حرارت، برودت، رطوبت، یبوست) خلط بھی چار ہیں (دم، بلغم، صفرا، سودا) زمانے بھی چار ہیں (ربیع، خریف، صیف، شتا) سمت بھی چار ہیں (مشرق، مغرب، شمال، جنوب) علیٰ ہذا القیاس چار کی کوئی حد نہیں ہی اور بطور پہیلی کے بوجھو تو لاکھوں چار نکلینگے بقول شخصے "چار اگر چار سے جائیں تو رہیں چار کے چار"، غرض کہ اسی حیثیت سے ہر عدد کے خواص مرتب ہوئے۔ اور امور طبعیہ اور اُمور روحانیہ میں جہانتک ہو سکا مطابقت کی گئی۔ اور انھیں اعداد نے ہجراں نصیب عشاق کو اپنے معشوقوں سے ملا دیا۔ اور انہی نے جرار لشکروں کو آن کی آن میں پامال کر دیا اور خدا جانے کیا کچھ کیا۔ بہرحال یونان کے اس جدید فلسفے سے ہندوستان بھی نہ بچ سکا۔ اور ان اعداد نے نقش سلیمانی اور لوح سلیمانی کے رُوپ میں بڑے بڑے کرشمے دکھائے اور آخر کو علم الاعداد کا دوسرا نام سحر اور جادو قرار پایا۔

متاخرین کا طبقہ اگر متقدمین کے نقش قدم پر نہ چلتا تو علوم طبعی کو جو معراج اٹھارویں اور اُنیسویں صدی میں ہوئی ہی۔ یہ بات اب سے چھ سات سو برس پہلے حاصل ہو جاتی۔ اور موسیقی جیسے متعدد علوم و فنون انھی

کون کام کس ساعت میں کیا جائے جو مبارک ہو۔ لیکن بعض سلاطین اس کے خلاف ہیں اور

بقیہ نوٹ صفحہ ۲۷۸۔ اعداد سے پیدا ہوتے۔

اعداد کے بعد نجوم کا وقت آیا اور خلاف وضع و اضع کے اسکے ساتھ بھی وہی سلوک کیا گیا۔ اگرچہ نجوم کی ایجاد کا فخر بابل و رعراق عرب کو ہی۔ مگر چوتھی اور پانچویں صدی عیسوی میں یونانیوں نے اسکو اوج کمال پر پہنچا دیا۔ اور سب سے پہلے انھوں نے جنم پترہ بنایا۔ مگر زمانۂ مابعد میں جب مشاہدہ اور تجربہ کی ترقی ہوئی تو نجوم کی روشنی دُھندلی پڑنے لگی۔ چنانچہ اٹلی کی سلطنت (شخصی و جمہوری) نے نجومیوں کو خارج از بلد کرنیکا قانون پاس کیا۔ مگر چونکہ نجوم کا دلوں پر پورا قبضہ تھا اسلیے قانون کچھ نہ کر سکا۔ اور سلطنت روم کے اطراف و جوانب میں نجومی مثل سیاروں کے چلتے پھرتے رہے۔

بادشاہوں میں سے ٹائی برس اور حکیموں میں سینکا دونوں نجوم کے معتقد اور تاثیر کواکب کے قائل تھے لیکن سسرو نے عراق عرب (کالڈیا) کے نجومیوں پر متواتر اعتراض کیے۔ منجملہ اُنکے ایک یہ ہی کہ جب کہ ایک ہی ساعت میں بادشاہ، تاجر، کاشتکار اور فقیر کے گھر لڑکے پیدا ہوتے ہیں۔ اور باوجود اتحاد طالع (وقت) کے پھر ان سب کا حال مختلف ہوتا ہی جس سے ثابت ہی کہ کواکب کی سعادت اور نحوست کا کوئی اثر وقت ولادت پر نہیں ہوتا۔ اگر کواکب کا اثر سچا ہوتا تو تمام بچوں کی حالت یکساں ہوتی۔ دوسرا اعتراض یہ تھا کہ آفتاب اور ماہتاب کے مقابلے میں سیارے لاکھوں میل کے فاصلے پر ہیں اسقدر بُعد سے اُنکی تاثیر ہم تک متعدی نہیں ہو سکتی ہی۔ غرضکہ اسی قسم کے متعدد عقلی اعتراضات تھے۔ نجومیوں نے اسکے جواب بھی دیئے اور سب سے بڑھ کر جو جواب ہو سکتا تھا وہ یہ تھا کہ آیندہ کے متعدد واقعات پر اپنی تحریری رائیں دیں اور پیشین گوئیاں کیں جو اُنکے قول کے مطابق ہوئیں۔" اسکا یہ اثر ہوا کہ مخالفت کم ہوگئی اور کتنے ہی لوگوں کے عقائد متزلزل ہو گئے اور عام رائے یہ قرار پائی کہ بحیثیت ایک علم کے نجوم صحیح ہی اور اسپر غلطی کا اطلاق ظلم ہی۔ البتہ احکام میں جو غلطیاں ہوتی ہیں یہ نجومی کی بھول اور قوت عقلی کی کمزوری کا نتیجہ ہی۔ لیکن دنیا سے یہ فرقہ ناپید نہیں ہوا۔ البتہ اسلام نے نجوم کا قطعی استیصال کر دیا۔ اور یہ اثر اسدرجہ مستحکم تھا کہ باوجود انقضائے تیرہ سو برس کے مسلمانوں کے عقائد میں فرق نہیں آیا اور کبھی دل سے نجوم کے معتقد نہیں ہوئے۔ مگر باوجود اسکے بھی نجوم آجتک باقی ہی۔ اور اس سے قیاس کیا جا سکتا ہی کہ جب تک آسمان پر چاند، سورج اور

نکالا یہ مقولہ ہی کہ طبیب ہمکو نفیس اور خوش ذائقہ کھانوں اور دیگر لذائذ سے روکتا ہی اور بلا سبب بھی
دوائیں پلاتا ہی۔ اور نجومی عیش کو تلخ کر دیتا ہی اور اُن کاموں سے روکدیتا ہی کہ جو حقیقت میں
کرنے کے لائق ہیں۔ لیکن قول فیصل یہ ہی کہ دونوں اپنی اپنی ضرورت کیوقت بلائے جائیں"
اگر ندیم کہن سال صحبت یافتہ ہو تو بہت اچھا ہی۔ بادشاہوں کی عادت وخصائل کا اگر اندازہ
کرنا چاہو تو اُنکے مصاحبوں کو دیکھلو۔ ان لوگوں کی خوش طبعی۔ فروتنی، اور معاملات وغیرہ سے
بادشاہوں کے افعال کا اندازہ ہوجاتا ہی۔
ندیموں کے بھی مختلف درجے ہوتے ہیں۔ بعضوں کو بیٹھنے کی اجازت ہوتی ہی اور بعضے کھڑے
رہتے ہیں۔ شاہ غزنیں کے بیس مصاحب تھے جنمیں دس بیٹھنے والے اور دس کھڑے ہونے
والے۔ اور شاہان غزنیں نے یہ رسم سامانیوں سے سیکھی تھی۔ لیکن شاہان سلف اور خلفار
کا یہ دستور تھا۔ کہ وہ اسقدر ندیم رکھتے تھے جسقدر اُنکے بزرگوں کے عہد میں ہوا کرتے تھے۔
بادشاہ کے ندیم کو معاش سے مستغنی اور دیگر نوکروں کے مقابلے میں معزز ہونا چاہیئے۔ لیکن
زیادہ ضروری یہ ہی کہ ان میں خود داری، تہذیب، اور جاں نثاری کا مادہ ہو"

بقیہ نوٹ صفحہ ۲۷۹ ستارے قائم ہیں۔ علم نجوم بھی قائم رہیگا۔ خلفاء عباسیہ اور شاہان اسلام جنمیں ہندوستان
بھی داخل ہی ایمیں بھی دوگروہ پائے جاتے ہیں۔ ایک گروہ نجوم کا معتقد رہا ہی۔ اور ایک مخالف۔ خلاصہ یہ ہی کہ بادشاہوں
کے دربار میں نجومی اکثر رہا ہی، اور آج بھی مہذب سلطنتوں میں موجود ہیں مگر نہ وہ ضمیر بتاتے ہیں نہ انسان کے
واقعات زندگی پر پیشین گوئیاں کرتے ہیں۔ بلکہ انکا اصطرلاب، دوربین، اور کرۂ اجرام فلکی کے اصلی حقائق سے
آگاہ کرتا ہی اور علوم طبیعہ کے معارف اور حقائق دنیا پر ظاہر کرتا ہی جس کے فوائد اصطلاحی نجوم کے مقابلے میں
بہت زیادہ ہیں۔"

(۱۸) فوج خاصہ

ہمیشہ[۵۱] دو سو منتخب سواروں کو بارگاہ سلطانی میں حاضر باش رہنا چاہیئے جو قد و قامت شکل و صورت اور قوت و جسارت میں خاص طور سے ممتاز ہوں۔ اور یہ سپاہی خراسانی اور دیلمی ہوں اور دونوں کی تعداد برابر ہو۔ ہر حالت میں خواہ سفر ہو یا حضر یہ ساتھ رہینگے۔ انکی وردیاں خوبصورت ہوں، اور اسلحہ سے آراستہ ہوں۔ چنانچہ بیس ڈھال اور پرتلے طلائی ہوں اور انکے سوا اسی نقرئی اور نیزے بھی اعلیٰ قسم کے ہوں۔ اور پھر ہر پچاس پر ایک افسر مقرر کیا جاے جو اُنکو کام تقسیم کرے۔ اور پیدل بقدر چار ہزار کے ہوں۔ جنکا نام درج رجسٹر ہو۔ اور ہر ہزار کی جماعت ایک جداگانہ قوم سے ہو جنمیں سے ایک ہزار خاص بادشاہ کی خدمت کے لیے رہیں اور بقیہ امیروں اسپہ سالاروں کی ماتحتی میں دیدیئے جائیں تاکہ ضرورت کے وقت کام آئیں۔

---

[۵۱] روم اور یونان کی فوجی نظام کی ہم نے تحقیق نہیں کی ہے کہ ان شاہوں نے فوج خاصہ (باڈی گارڈ) مقرر کی تھی یا نہیں۔ لیکن یزدگرد شہنشاہ عجم کے حالات میں تحریر ہے کہ اسنے خاص اپنے واسطے دیلم کی فوج سے ایک دستہ مقرر کیا تھا۔ جس کی تعداد چار ہزار تھی۔ اور وہ جُند شاہنشاہ یعنی فوج خاصہ کہلاتا تھا۔ چنانچہ قادسیہ کی لڑائی کے بعد یہ فوج ایرانیوں سے علحدہ ہو کر اسلام کے حلقے میں آگئی۔ اور سعد بن ابی وقاص گورنر کوفہ نے اُنکو فوج میں داخل کر لیا اور کوفے میں آباد کرکے ان کی تنخواہیں مقرر کر دیں۔" اور حضرت فاروق اعظم کی فوج میں عجمی۔ رومی۔ یونانی۔ ہندی جاٹ یہودی، مجوسی، داخل تھے۔ گو یہ عام فوج تھی مگر فوج خاصہ کا پہلا عنوان اسی جگہ سے قائم ہوا۔ اور تمام قوموں کے اشخاص فوج میں داخل کیے گئے۔ ملک شاہ کے عہد میں ان سپاہیوں کا نام فوجی اصطلاح میں "مفردان" تھا۔

[۵۲] فصل ۱۹ صفحہ ۹۵۔

(۱۹) فرامین واحکام شاہی کی عظمت

بارگاہ[لہ] سلطانی سے فرمان بکثرت جاری ہوتے ہیں۔ اور جس چیز کی کثرت ہوتی ہی، پھر اُس کی عظمت باقی نہیں رہتی ہی۔ اسلیے جب تک کوئی خاص مہم نہو مجلس عالی سے کوئی فرمان شایع نہونا چاہیے اور اشاعت کے بعد اُس کی یہ عزت ہونا چاہیئے کہ جب تک حکم کی تعمیل نہوجائے کوئی شخص اُسکو ہات سے زمین پر نہ رکھ سکے۔

اگر یہ معلوم ہو کہ کوئی شخص فرمان شاہی کو بنظر حقارت دیکھتا ہی یا اُس کی تعمیل میں لیت ولعل کرتا ہی تو اُس شخص کو پوری سزا دینا چاہیئے اگرچہ وہ بادشاہ کا رشتہ دار ہی کیوں نہو۔

بادشاہ اور عوام کے مکتوبات میں جو فرق ہی اس کی نہایت صحیح مثال یہ ہی کہ "ایک عورت نے نیشاپور سے غزنیں پہنچکر سلطان محمود سے فریاد کی کہ تیرے عامل نے میری زمین چھین لی ہی اور اُسپر مالکانہ قبضہ کر لیا ہی۔ سلطان نے عامل کے نام پروانہ جاری کیا "کہ اس عورت کی زمین واپس کردے" لیکن عامل نے بجائے تعمیل حکم کے اُس عورت سے حجت کی اور کہا کہ "میں سلطان کو اس زمین کے حالات سے اطلاع دونگا۔ کیونکہ یہ تیری ملکیت نہیں ہی" مجبوراً اس عورت نے پھر سلطان سے جاکر عرض کیا۔ تب سلطان نے ایک غلام کو عامل کی گرفتاری کا حکمنامہ دیا۔ جب وہ حاضر ہوا تو حکم دیا کہ "ایکہزار ضرب بید کی سزا دیجائے"۔ عامل نے بہت کچھ عذر کیا اور اپنے شفیع پیش کیے اور ہر ضرب بید کو ایک دینار نیشاپوری کے عوض خریدنا چاہا۔ مگر سلطان نے

لہ فصل ۱۱ صفحہ ۶۶۔

ایک سماعت نہ کی۔ سزا کے بعد لوگوں نے عامل کو سمجھایا کہ "اگرچہ زمین تمہاری تھی تاہم سلطان کے حکم کی تعمیل کیوں نہ کی۔ زمین کی سپردگی کے بعد جو صحیح واقعہ تھا وہ عرض کرنا چاہیئے تھا۔ اُسپر حکم عالی صادر ہوجاتا۔" سلطان محمود نے یہ سزا اسیلیے دی تھی کہ دوسروں کو عبرت ہو۔ اور آیندہ عُمّال ایسی سرکشی نہ کریں۔

جو کام بادشاہ کا ہو وہ اُسکو خود کرنا چاہیے، یا حکم دینا چاہیئے۔ مثلاً سزا دینا۔ قتل کرنا وغیرہ اور اگر بغیر حکم بادشاہ کے کوئی شخص اپنے نوکر یا غلام کو بھی سزا دے تو بادشاہ کو چاہیئے کہ اُس کی تنبیہ کرے۔

بہرام چوبیں، خسرو پرویز کا بڑا پیارا وزیر اور سپہ سالار تھا۔ خلوت وجلوت میں ساتھ رہتا تھا ایک مرتبہ کا ذکر ہو کہ عامل ہرات اور سرخس نے تین سو اونٹ (سُرخ بال والے) جنپر بیش قیمت اور روزمرہ کی ضرورت کی چیزیں لدی ہوئی تھیں نذر کیے۔ پرویز نے سب بہرام کو بخشدیے تاکہ مصارف باورچیخانے میں وسعت پیدا ہو۔ اُسکے دوسرے دن پرویز کو اطلاع ہوئی کہ بہرام نے کل اپنے غلام کو بیس بید لگائے ہیں۔ یہ خبر سُنکر اُسی وقت بہرام کی حاضری کا حکم دیا۔ اور جب وہ سامنے آیا تو سلاح خانے سے پانسو تلواریں منگائیں۔ اور بہرام سے کہا کہ ان میں سے جو اعلےٰ درجے کی ہوں وہ علٰحدہ کرو۔ بہرام نے ڈیرہ سو پسند کیں۔ پھر حکم دیا کہ انکا بھی انتخاب کرو۔ غرضکہ اخیر میں صرف دو تلواریں رہ گئیں۔ تب پرویز نے حکم دیا کہ اب انکو ایک نیام میں رکھو۔ یہ سُنکر بہرام نے عرض کیا کہ "دو تلواریں ایک نیام میں ٹھیک طور سے نہیں آئینگی"۔ پرویز نے کہا کہ "پھر دو بادشاہ ایک ملک میں کیونکر رہ سکتے ہیں؟ چنانچہ بہرام فوراً سمجھ گیا اور خطا کا اقرار کیا

پرویز نے کہا کہ اگر تو میرا خدمت گزار اور آزودہ نہوتا تو میں کبھی معاف نکرتا۔ خدائے عزوجل نے زمین کی حکومت صرف مجھ کو مرحمت فرمائی ہو اور میں فیصلے کا مجاز ہوں، آیندہ اگر کسی غلام سے قصور ہو جائے تو اول مجھ سے کہو میں اُسکو مناسب سزا دونگا۔"

اور[1] مقتضائے احتیاط یہ ہو کہ شاہی فرامین صرف وہی شخص لیجائیں جو اس کام کے لیے مقرر ہیں۔ ایسا نہ کریں کہ اپنے نائبوں کو دیدیں۔

(۲۰) بادشاہ کو حکما اور عقلا سے مشورہ کرنا چاہیئے

جو[2] شخص کامل العقل تجربہ کار، اور اپنی رائے کا مستحکم ہو اُس سے مشورہ کرنا چاہیئے[3]۔ کیونکہ یوں تو ہر شخص میں عقل ہوتی ہو مگر کمی بیشی کا ضرور فرق ہوتا ہو۔ جو شخص عاقل، تجربہ کار ہو وہ عاقل

[1] فصل ۱۵، صفحہ ۸۱۔ [2] فصل ۱۹، صفحہ ۸۴۔ ۸۵۔ [3] جب انسان مشکلات میں گھر جاتا ہو تو اپنی مدد کے واسطے دوسروں کے خیالات سے فائدہ اُٹھانا چاہتا ہو اور تبادلۂ خیالات کے بعد جو رائے قائم ہوتی ہے اُسی کا نام مشورہ ہو۔ دنیا میں فقیر سے بادشاہ تک کوئی بھی ایسا نہیں ہو جسکو کم و بیش مشکلات کا سامنا نہوتا ہو بلکہ بادشاہ تو ہر دم نئی آفتوں میں مبتلا رہتا ہو۔ مذہب اسلام نے اپنے پیغمبر کو "شَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ" کی اسی وجہ سے ہدایت کردی ہو تاکہ پیغمبر کا فعل اُمت کیواسطے سنت قرار پاجائے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی طرز عمل یہ تھا کہ آپ اہم معاملات میں صحابہ کرام سے مشورہ فرماتے تھے۔ چنانچہ مشورے کے متعلق متعدد احادیث ہیں مثلاً المشورة حصن من الندامة وامان من الملامة" (۲) المستشیر ذالمستشار مؤتمن" اسی طرح پر حکما، علما، صحابہ کرام اور سلاطین وغیرہ کے متعدد اقوال کتب اخلاق میں تحریر ہیں۔ حضرت عمر ابن عبدالعزیز فرماتے ہیں کہ مشاورے اور مناظرے کو باب رحمت اور مفتاح برکت سمجھو ایک حکیم کہتا ہو کہ "من استعان بذوی العقول فاز بدرك المامول"

ناآزمودہ کار سے کہیں بڑھ کر ہی۔ جس کی یہ مثال ہی کہ ایک شخص نے کسی مرض کا علاج طب کی کتاب میں دیکھا ہی۔ اور دواوں کے نام سے بھی واقف ہی۔ مگر دوسرے شخص نے علاج کرکے تجربہ حاصل کیا ہی۔ یا ایک سفر کردہ اور تجربہ کار ہی اور دوسرے نے کبھی گھر سے باہر قدم نہیں نکالا ہی۔ اس صورت میں ان دونو میں بہت فرق ہی۔

بقیہ نوٹ صفحہ ۲۸۴ - بہرحال اس میں کوئی شک نہیں ہی کہ جو کام مشورہ سے کیا جاتا ہی اُس میں ناکامی اتفاقیہ ہوتی ہی اور اگر ہو تو ارشاد نبوی کے مطابق ندامت اور ملامت سے تو بلاشبہ چھٹکارہ ہو جاتا ہی۔ اور یہ ظاہر ہی کہ انسان کیسا ہی دانشمند اور فرزانہ کیوں نہو؟ لیکن اُس کی شخصی رائے تمام مشکلات کے اطراف وجوانب کا احاطہ نہیں کرسکتی ہی۔ چنانچہ یورپ میں مجلس شوریٰ عمومی (پارلیمنٹ) ومجلس الاشراف (ہاوس آف لارڈز) ومجلس العموم (ہاوس آف کامنز) کا وجود فقط بادشاہوں کی مشکلات اور مہمات کے آسان کرنے کے واسطے ہوا ہی۔ اور روزمرہ کا تجربہ شاہد ہی کہ ان مجالس کا فیصلہ ہر پہلو سے مفید، مستحکم اور صحیح ہوتا ہی۔ اور انھیں مشاہدات کا نتیجہ ہے کہ شاہنشاہ ایران نے بھی مجلس شوریٰ قائم کرنیکا حکم صادر فرمایا ہی۔ اور رعایاے روس بھی انعقاد مجلس کے واسطے بغاوتیں کر رہی ہی جو ایک روز کامیاب ہوگی۔

بہرام گور نے اپنے بیٹے کو وصیت کی تھی کہ ہر معاملے میں عقلا سے مشورہ کرنا کیونکہ جو تدبیر مشورہ سے ہوتی ہی وہ ضرور کامیاب ہوتی ہی اور اس کی مثال یوں ہی کہ ایک شکاری سے اکثر شکار بچکر نکلجاتا ہی اور نشانہ خطا کرتا ہی لیکن جب چند شکاری ہوتے ہیں تو اُسکو گھیر کر مار ہی ڈالتے ہیں۔"

بادشاہ کو جن لوگوں سے مشورہ کرنا چاہیئے اُنکی خواجہ نے صراحت کردی ہی۔ لیکن عام طور سے مشورہ میں امور ذیل قابل لحاظ ہیں

(۱) مشیر اپنا سچا دوست ہو۔ اور معاملات میں تجربہ رکھتا ہو۔

(۲) سلیم الفکر ہو۔ اور اُسکو نفس معاملے سے کوئی تعلق نہو۔

(۳) رائے دینے کے وقت اسقدر متوجہ ہو کہ اُسکا ذہن یا خیال کسی اور طرف منتقل نہو

(۴) حاسد۔ کاذب، معلم، اور جاہل عورتوں سے مشورہ نہ کیا جاے۔

عقلا کا قول ہی کہ ایک شخص کی تدبیر ایک مرد کی قوت اور دس کی تدبیر دس مردوں کی قوت کے برابر ہی۔ اور اسپر تو تمام دُنیا کا اتفاق ہی۔ کہ انسانوں میں کوئی بھی آنحضرتؐ سے زیادہ صائب الرائے نہیں ہوا لیکن باوجود اس عقل و دانش کے خداوند تعالےٰ فرماتا ہی کہ شَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ یا محمدؐ۔ جبکہ پیغمبر علیہ السلام مشورے سے بے نیاز نہ تھے تو پھر ما و شما کی کیا حقیقت ہی۔ اس لیے بادشاہ جب کوئی کام کرنا چاہے یا کوئی معاملہ پیش آجاے تو اُسکو اپنے کہن سال خیرخواہوں سے مشورہ کرنا چاہیئے لیکن عمل اُس راے پر کیا جاے جو متفق علیہ ہو۔ اور جو لوگ مشورہ نہیں کرتے ہیں اُنکو سمجھنا چاہیئے کہ وہ ضعیف الراے ہیں۔ اور ایسے ہی لوگ خودکام کہلاتے ہیں۔"

(۲۱) سفارت

ممالک[1] غیر کے سفیر یکایک آجاتے ہیں اور کسی کو خبر نہیں ہوتی ہی۔ اور نہ خود[2] بادشاہ اُنکی آمد و رفت کی اطلاع دیتے ہیں۔ بلکہ اسکو برا جانتے ہیں۔ اسیلیے والیان سرحد کو حکم دیا جاے کہ جب کوئی باہر سے اُنکے علاقے میں داخل ہو تو فوراً بذریعۂ خاص سوار کے مفصل حالات سے اطلاع دیں۔ کہ کون آیا ہی اور کہاں سے آیا ہی اور آنے کا مقصد کیا ہی؟۔ سوار و پیادوں کی تعداد کسقدر ہی۔ ظاہری شان و شوکت کا کیا حال ہی؟ اور اسی مقام سے سفارت کے ہمراہ اپنا

(بقیہ نوٹ صفحہ ۲۸۵۔ خلاصہ یہ ہی کہ عقلا کی راے کے مطابق محض اپنی راے پر بھروسہ کرنا داخل ضلالت ہی۔ انتخاب از کتاب ادب الدنیا والدین ابوالحسن بصری۔ و کتاب الذریعہ راغب اصفہانی وغیرہ۔

[1] فصل ۲۱ صفحہ ۱۲۰ سیاست نامہ۔ [2] سفارت پر جسقدر خواجہ نے لکھا ہے موجودہ زمانہ کی کوئی سفارت یا کمیشن بھی اس سے زیادہ تحقیقات نہیں کرسکتی ہی۔ لیکن کوئی سفارت بلا اجازت نہیں جاتی ہی۔ اور عہد قدیم میں کسی اطلاع کی ضرورت نہ تھی

ایک معتمد کر دے تاکہ وہ دوسری منزل تک پہنچا دے۔ غرضکہ اسی طرح سے ہر ہر شہر و ناحیہ کے حاکم اپنے معتمد کے ہمراہ سفارت کو دارالسلطنت تک پہنچا دیں۔ راستے میں خاطر و مدارات کی کوئی بات اٹھا نہ رکھی جاوے۔ اور واپسی کے وقت بھی یہی طریقہ برتا جاوے کیونکہ سفارت کے ساتھ اچھا یا برا جو برتاؤ کیا جائیگا وہ فی الحقیقت اُس ملک کے بادشاہ کے ساتھ سمجھنا چاہیے جس کی سفارت ہی۔

بادشاہوں کا ہمیشہ یہ اُصول رہا ہو کہ وہ اپنے ہمعصروں کی عزت اور اُنکے سفارت کی قدر کیا کرتے ہیں یہانتک کہ اگر لڑائی کے زمانے میں سفیر آیا ہی اور اُسنے اپنی سفارت کا ٹھیک حق ادا کیا ہی جیسا اُسکو حکم ملا ہی تب بھی اُسکو آزردہ خاطر نہیں کیا ہی کیونکہ سفارت کا آزردہ کرنا پسندیدہ نہیں ہی۔ اور خداوند تعالے ارشاد فرماتا ہی۔ وَمَا عَلَى الرَّسُولِ إِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِينُ۔

اور یہ بھی سمجھ لو کہ شاہوں میں جو ظاہر طور پر سفیر آیا جایا کرتے ہیں۔ اس سے انکا مقصد صرف نامہ و پیام ہی نہیں ہوتا ہی۔ بلکہ درپردہ سیکڑوں راز ہوتے ہیں۔ وہ یہ دریافت کرنا چاہتے ہیں کہ راستے، گزرگاہیں، گھاٹیاں، نہریں، اور تالاب کس قسم کے ہیں۔ فوج اس طرف سے گزر سکتی ہی یا نہیں۔ چارہ گھاس کہاں ملسکتا ہی اور کہاں نہیں۔ ان مقامات کا حاکم کون ہی اور فوج کی تعداد کسقدر ہی۔ اور دوسرے سازوسامان کے کیا اندازے ہیں۔ دربار کا کیا ڈھنگ ہی۔ علاوہ اسکے طریقہ نشست و برخاست، سیر و شکار، چوگان بازی، اور دیگر آداب سلطنت اور عام اخلاق و آداب کا بھی اندازہ کرتے ہیں۔ اور یہ دیکھتے ہیں کہ بادشاہ بوڑھا ہی یا جوان، عالم ہی یا جاہل، عام رقبہ حکومت آباد ہے یا ویران، فوج و رعیت اپنے بادشاہ

رضامند ہی یا ناراض۔ اور ملک کے متول کی کیا حالت ہی۔ بادشاہ فی نفسہ بیدار ہی یا غافل ہی۔ مزاج میں سخاوت ہی یا بخالت ہی۔ عام رجحان طبعی کا کیا حال ہی یعنی جد وجہد پر مائل ہی، یا ہزلیات کا شیدا ہی۔ عورتوں کی رغبت رکھتا ہی یا غلاموں کا شیدائی ہی۔ اسکے بعد وزیر کو دیکھتے ہیں کہ کس رتبے کا ہی؟ آیا عقل و تدبیر کے ساتھ متدین بھی ہی یا نہیں۔ سپہ سالاران فوج تجربہ کار ہیں یا نو آموز۔ مصاحبین کس رنگ ڈھنگ کے ہیں کس چیز کو دوست رکھتے ہیں اور کس کو دشمن جانتے ہیں۔

نتیجہ اس چھان بین کا یہ ہوتا ہی کہ اگر کسی وقت میں اُس بادشاہ سے مخالفت ہو جاے یا اُسکے ملک پر قبضہ کرنیکا ارادہ ہو تو آسانی سے کامیابی ہو سکتی ہی۔ اس موقع پر میں اپنا ذاتی واقعہ بیان کرتا ہوں، اور وہ یہ ہی کہ "سلطان سعید الپ ارسلان حنفی المذہب تھا۔ اور اکثر کہا کرتا تھا۔ کہ کاش! میرا وزیر بھی حنفی المذہب ہوتا۔ کیونکہ شافعی ہونے کی وجہ سے اس میں سیاست وہیبت نہیں ہی"۔

چونکہ سلطان متعصب تھا اسوجہ سے میں ہمیشہ اُس سے ڈرا کرتا تھا حُسن اتفاق سے سلطان کو شمس الملک نصر بن ابراہیم (خان سمرقند) کی سرکشی کی وجہ سے ماوراء النہر کا سفر درپیش آیا اور سلطان نے سفارت روانہ کی۔ چنانچہ مینے بھی اپنی جانب سے دانشومند اشتر کو سفیر کے ساتھ کر دیا تاکہ جو واقعات پیش آئیں وہ براہِ راست مجھے معلوم ہو جائیں، چنانچہ اسی سفارت پر شمس الملک نے اپنا سفیر سلطان کی خدمت میں روانہ کیا۔ چونکہ یہ بھی آئین سفارت میں داخل ہی کہ سفیر وزرا سے ملاقات کرکے عرض مطالب کرتے ہیں۔ تاکہ وزیر کے ذریعے سے بادشاہ تک

حالات پہنچ جائیں، اور رخصت کیوقت بھی ملکر جاتے ہیں۔ چنانچہ شمس الملک کا سفیر بھی مجھسے ملنے آیا۔ میں اُسوقت جلسہ احباب میں بیٹھا ہوا شطرنج کھیل رہا تھا۔ اور ایک بازی میں انگوٹھی جیت چکا تھا۔ مگر یہ انگوٹھی بائیں ہات کی انگلی میں ڈہیلی ہوتی تھی۔ اسلیے میںنے داہنے ہات میں پہن لی تھی۔ جب اطلاع ہوئی کہ سفیر دروازے پر پہنچ گیا ہی۔ اسوقت بساط اُلٹ دی گئی۔ اور سفیر بلالیا گیا۔ اِدہر اُدہر کی باتیں ہوا کیں۔ چونکہ میں اُس انگوٹھی کو اُنگلی کے چاروں طرف گھما رہا تھا سفیر نے بھی اُسکو دیکھا تھا۔ غرضکہ وقت خاص کا یہ معاملہ تھا۔ سفیر رخصت ہوکر چلا گیا۔ اور سلطان نے دوبارہ اپنا سفیر بجواب سفارت شمس الملک سمرقند روانہ کیا۔ اس مرتبہ بھی میں نے دانشمند اشتر کو ساتھ کردیا تھا۔ اور یہ دونوں شمس الملک کے روبرو دربار عام میں پیش ہوئے اُسوقت خان نے اپنے سفیر سے پوچھا کہ سُلطان کو عقل و تدبیر میں کیسا پایا، فوج کسقدر ہی۔ اور دیوان و دفتر کی ترتیب کا کیا حال ہی؟ سفیر نے ہر چیز کی مدح کرکے کہا کہ "میںنے صرف ایک عیب پایا۔ اگر یہ نہوتا تو کسی کو مجال سرکشی نہوتی، خاں نے پوچھا وہ کیا ہی؟ سفیر نے کہا کہ وزیر شیعی مذہب ہی۔ کیونکہ وقت ملاقات کے میںنے دیکھا کہ وہ انگوٹھی داہنے ہات میں پہنے ہوئے تھا اور اُسکو گھما رہا تھا اور مجھ سے باتیں کرتا جاتا تھا۔ جب اس واقعہ کی مجھے اطلاع ہوئی تو نہایت صدمہ ہوا۔ کیونکہ میں جانتا تھا کہ میرا شافعی المذہب ہونا ہی سلطان کو ناگوار ہی۔ اگر کہیں اُسکو یہ معلوم ہوجائیگا کہ میں شیعہ ہوں تو پھر وہ مجھے زندہ نہ چھوڑیگا۔ اسلئے میںنے تیس ہزار دینار صرف کیئے اور ہمیشہ کے لیے کچھ لوگوں کا وظیفہ مقرر کردیا کہ اس واقعہ کی سلطان تک اطلاع نہو"

نتیجہ اس حکایت کا یہ ہی کہ سفیر اکثر عیب جو ہوا کرتے ہیں۔ اور اُن کی نظر عیب و ہنر پر یکساں پڑتی ہی

جو بادشاہ عاقل ہیں وہ اس قسم کی نکتہ چینیوں سے اپنے اخلاق درست کر لیتے ہیں اور مہذّب ہو جاتے ہیں۔

سفیر ایسا شخص ہونا چاہیئے جسکو بادشاہوں کی صحبت میسر ہوئی ہو اور را دا سے مطلب میں نہ تو قاصر ہو اور نہ فضول گو ہو۔ کمال علمی کے ساتھ سفر کا تجربہ کار، اور وجاہت ظاہری سے آراستہ ہو۔ دیرینہ سال عالم کو دوسروں پر شرف ہی۔

اگر بادشاہ اپنے کسی مصاحب کو سفارت پر روانہ کرے تو زیادہ اعتبار کے قابل ہی۔ اگر سفیر نوجوان اور فوجی تجربہ کار ہو تو زیادہ مناسب ہی۔ کیونکہ اس ایک شخص سے ہم سب کا اندازہ ہو جائیگا خلاصہ یہ ہی کہ سفیر بادشاہ کی عقل و سیرت کا آئینہ ہوتا ہی۔

ایسے[1] موقعوں پر جب کسی ملک سے سفیر آئے اسوقت (کم ازکم) بیس غلاموں کو بیش قیمت لباس اور مرصع اسلحہ سے آراستہ کر کے تخت کے گرد کھڑا کرنا چاہیئے۔

بر داشت خانوں میں چارہ جمع کرنا

حالت[2] سفر میں جس منزل پر بادشاہ کا قیام ہونے والا ہی وہاں پہلے سے چارہ گھاس نہیں ملسکتا

---

[1] فصل ۲، صفحہ ۸۶۔ [2] ملک شاہ نے تمام ممالک محروسہ کا پانچ مرتبہ دورہ کیا تھا۔ اور بڑی شان و شوکت سے گھر سے نکلتا تھا۔ لہٰذا ان احکامات کا جاری کرنا ضروری تھا۔ مگر اس زمانے میں نہ بادشاہوں کو فوج و حشم کے ساتھ طولانی سفر کرنے کی ضرورت باقی ہی۔ اور نہ وہ اپنی مجبوریوں سے دار السلطنت سے باہر جاتے ہیں۔ انکی سب سے بڑی جولانگاہ چند منزل کی شکارگاہ ہوتی ہی۔ اور انکے واسطے تمام سامان دار الحکومت سے روانہ ہوتا ہی۔ البتہ فوجوں کے کوچ و مقام پر رسد رسانی کا انتظام نہایت وسیع پیمانے پر ہوتا ہی۔ ہر پڑاؤ پر وہی بندوبست کیا جاتا ہی جیسا کہ خواجہ نے لکھا ہی۔ اور تحصیلداروں کے

اور ایک دن کے چارہ گھاس کے لیے بڑی کوشش کرنا پڑیگی۔ لہذا جن رستوں سے آیندہ گزرنا ہو یا جن پڑاؤں میں ٹھہرنا ہو وہاں اسکا خاص انتظام پہلے سے کرنا چاہیئے۔ تاکہ اس نقص سے اصل مہم میں ناکامی نہ اٹھانا پڑے۔ اور اگر یہ ذخیرے کام نہ آویں تو بعد کو فروخت کرکے اُنکی قیمت مثل دیگر محاصل کے داخل خزانہ سرکاری کردی جاے۔ اس انتظام سے قطع نظر سہولت کے رعایا کو بھی آرام ملتا ہے

(۲۳) قاعدہ تقسیم تنخواہ فوج

تمام[سلہ] فوج کی تنخواہ نقد ادا کردیجاے جو جاگیردار ہیں اُنکو بھی فوج کے اندازے پر حساب کرکے نقد دیدیا جائے۔ اور یہ حکم کبھی نہ دیا جاے کہ خزانے سے اسقدر روپیہ برآمد کرلو۔ بہتر یہ ہے کہ تنخواہ بادشاہ اپنے ہات سے تقسیم کرے تاکہ دلمیں بادشاہ کی محبت پیدا ہو جاے اور وقت پر وہ اچھی طرح سے کام کریں۔

قدیم[سلہ] بادشاہوں کا دستور تھا کہ سپاہیوں کو تنخواہ کے عوض میں جاگیر نہیں دیا کرتے تھے بلکہ سال میں چار مرتبہ اُن کی تنخواہیں خزانے سے دیجاتی تھیں۔ جس سے وہ اپنی حالت کو درست رکھتے تھے۔ مُلکی حُکّام ہر قسم کی آمدنی خزانے میں داخل کیا کرتے تھے اور تین مہینے کے بعد اُنکی تنخواہ دیجاتی تھی۔ دفتر کی اصطلاح میں اسکو بیشگانی کہتے ہیں۔ یہ قاعدہ محمود غزنوی کے خاندان میں

بقیہ نوٹ صفحہ ۲۹۰۔ فرائض میں یہ اہم خدمت ہے؛ البتہ جو دشواریاں اس انتظام میں تحصیلداروں کو پیش آتی ہیں۔ اُسپر ایک مستقل مضمون کی ضرورت ہے۔

سلہ فصل ۲۳ صفحہ ۱۹۰۔ سلہ خواجہ نظام الملک نے بعد تحریر اس قانون کے یہ قاعدہ توڑ دیا تھا۔ اور سپاہیوں کو بجاے نقد تنخواہ کے جاگیریں دیدی گئی تھیں۔ یہ بحث خواجہ کے اولیات میں لکھدی گئی ہے۔

تک جاری ہے۔ اور جاگیرداروں کو ہدایت کیجاوے کہ اگر ایک گھوڑا مرجاوے یا کہیں غائب ہوجاوے تو اُس کی اطلاع کیا کریں۔ اور ہر مہم میں اُنکو مدد کرنا چاہیئے۔ اور اگر کوئی گریز کرے تو تنبیہ کے ساتھ اُنسے تاوان وصول کرلیا جاوے۔

(۲۴) فوج بھرتی کرنے کا قاعدہ

فوج[1] میں جب ایک جنس کے سپاہی ہونگے تو اُن میں خطرے کا احتمال ہے اور اُنسے جفاکشی بھی نہ ہوسکے گی۔ اسلیے فوج میں ہر جنس کے سپاہی یعنی دیلمی، خراسانی، گرجی وغیرہ ہونا چاہیئے چنانچہ[2] سلطان محمود غزنوی کی فوج میں ترکی، خراسانی، عربی، ہندی، دیلمی۔ غوری سپاہی بھرتی تھے۔ اور سفر کیحالت میں مختلف ممالک کے سپاہیوں کا پہرہ رہتا تھا۔ جسکا یہ اثر تھا کہ ہر گروہ دوسرے سے ڈرتا رہتا تھا۔ اور جس کی نوکری جس جگہ ہوتی تھی وہ صبح تک اسی مقام پر ڈٹا رہتا تھا اور جب اُن کو کوئی لڑائی ہوتی تھی تو ہر ملک کا سپاہی اپنی تعریف کے خیال اور بدنامی کے ڈرسے

[1] فصل ۲۴ صفحہ ۱۰۹۔ [2] مختلف اقوام سے فوج بھرتی کرنیکا اُصول نہایت مفید ہے۔ اور اسمیں متعدد ملکی حکمت عملیاں ہیں جسکی صراحت کا یہ موقع نہیں ہے لیکن شاہان اسلام اس اصول پر صدیوں سے عملدرآمد کرتے چلے آتے ہیں۔ چنانچہ ۱۰۳۳ء ۴۲۵ھ میں مسعود غزنوی نے سلجوقیہ کے مقابلے میں جو فوج بھیجی تھی اُس میں ہندستان کی ایک پلٹن موجود تھی جسکا نامور سپہ سالار جے سنگھ تھا۔ اسکے بعد مؤرخ نے یہ رائے لکھی ہے۔ ازیں روایت نیکو پیداست کہ دریں عہد سلاطین اسلامیہ افواج جنگی را از طبقہ ہندوان نگاہ داشتن آغاز کردہ بودند، و ہندوان در عبور کردن رود سندہ از برائے جنگیدن از طرف شاہان مظفر اسلامیہ باک نمیداشتند۔،، کتاب آثار الاول میں ایک پورا باب ان قوموں کے افعال و عادات اور خواص میں موجود ہے جنکو فوج میں بھرتی کرنا چاہیئے،، یورپ اور ہندوستان میں اسی اُصول کی پابندی کی جاتی ہے۔ الفاروق شبلی نعمانی بحوالہ فتوح البلدان۔ سیاست نامہ،، تاریخ ہندوستان مصنفہ جان سی مارشمن ترجمہ فارسی مولوی عبدالرحیم مطبوعہ کلکتہ صفحہ ۱۸۹۔

جان لڑا دیتا تھا تاکہ کسی فریق کے مقابلے میں غفلت و سستی کا الزام عائد نہو۔

جب فوج میں اُصول سے کام لیا جائیگا تو یقین ہی کہ ہر سپاہی تلوار کے قبضے پر ہات رکھکر قدم پیچھے نہ ہٹائیگا تا وقتیکہ وہ اپنے دشمن کو شکست نہ دیدے۔

اور یہ بھی قاعدہ ہی کہ جب فوج ایک دو مرتبہ نمایاں فتح حاصل کرلیتی ہی تو اُس فوج کے ایک سو سوار اپنے مقابلے میں ایک ہزار کو کوئی مال نہیں سمجھتے ہیں۔ اور دشمن کو بھی یکایک ایسے فتحیاب لشکر کے مقابلے کی جرات نہیں پڑتی ہی۔

[1] شیوخ عرب، سرداران کرد، دیلمی و رومی اور ایسے اشخاص جنھوں نے حال میں اطاعت کا حلف اُٹھایا ہو۔ اُنکو حکم دینا چاہیے کہ وہ اپنے لڑکوں اور بھائیوں کو (بطور اُول کے) حاضر دربار رکھا کریں۔ اور ایک سال کے بعد یہ رخصت کردیے جائیں لیکن جب تک اپنے قائم مقاموں کو حاضر نکریں ہرگز نہ جانے پائیں۔ اس اُصول کی پابندی سے بغاوت نہیں ہوسکتی ہی۔ اور بڑا فائدہ یہ ہی کہ ضرورت کے وقت ہر قبیلے کے سردار موجود ملینگے۔ یہ جماعت پانسو آدمیوں سے کم نہونا چاہئے

(۲۵) خدمتگار اور غلاموں سے کام لینے کا طریقہ

[2] ہر وقت اور بلاضرورت نوکروں کے پیچھے نہ پڑنا چاہیئے، کیونکہ کسی وقت اگر سب کے سب غائب ہوجاتے ہیں تو تھوڑی دیر بعد پھر آجاتے ہیں۔ ایک بار کام بگاڑیں تو دوسری مرتبہ اچھی طرح سمجھا دینا چاہیئے۔ تاکہ بار بار کہنا نہ پڑے۔ اور جو غلام، امیر حاجب وغیرہ کی ماتحتی میں ہوں

[1] فصل ۲۰۔ صفحہ ۹۳ [2] فصل ۲۷۔ صفحہ ۹۴۔ لغایت ۱۰۸

اُنکے افسروں کو حکم دیا جاے کہ ہر روز اسقدر غلام کار خدمت کے لیے بھیجے جائیں۔

زمانہ سابق میں جسدن غلام خرید ہو کر آتا تھا۔ اُسدن سے بڑہاپے تک ہر روز اُس کی تعلیم و تربیت کیجاتی تھی۔ اور بلحاظ تعلیم و تربیت اُنکے درجے مقرر ہوتے تھے۔ مگر ہمارے زمانہ میں اُن قاعدوں کی پابندی نہیں ہوتی ہی۔ مثال کے طور پر مختصراً بیان کرتا ہوں۔

سامانیوں میں یہ قاعدہ جاری تھا کہ آہستہ آہستہ خدمات اور شائستگی کے لحاظ سے غلاموں کا درجہ بڑہاتے تھے۔ چنانچہ جو غلام نیا خرید کیا جاتا تھا وہ ایک سال پیادہ رکھا جاتا تھا اور سواری کے ہمراہ زندیچی[۱] پہنکر چلتا تھا۔ اور اُنکو سخت تاکید تھی کہ چوری چھپے سے بھی ایک سال تک گھوڑے پر سوار نہو۔ اور بحالت خلاف ورزی اُنکو سزا دیجاتی تھی۔ ایک سال کے بعد وثاق باشی کی تحریر پر حاجب سواری کے لیے ترکی گھوڑا دیتا تھا۔ مگر لگام اور دوال سادہ ہوتی تھی۔ پھر ایک سال بعد قراچوری[۲] دی جاتی تھی کہ وہ کمر میں باندہیں۔ اور پانچویں سال عمدہ زین و لگام و قباے دارائی[۳] اور آہنی گُرز دیا جاتا تھا۔ چھٹے سال جامۂ عنوان[۴] ملتا تھا۔ اور ساتویں سال خیمۂ یکسری (جس کی طنابیں سولہ میخوں میں کھینچی جاتی تھیں) اور تین غلام اُسکو اور دیئے جاتے تھے۔ اور لقب وثاق باشی ہوتا تھا۔ نمد سیاہ کی ٹوپی ہوتی تھی۔ جس پر ہلکی سنہری تحریر کردی جاتی تھی۔ اور قباے گنجہ کا لباس ہوتا تھا۔ غرضکہ اسی طرح ہر سال درجہ بڑہتے بڑہتے خیل باشی سے حاجب کے مرتبے پر پہنچ جاتا ہی۔

---

[۱] زندیچی = سوزن کار سفید موٹا کپڑا۔ [۲] قراچوری = لانبی تلوار۔ [۳] دارائی = ایک قسم کا ریشمی کپڑا۔ [۴] جامۂ عنوان اس اصطلاح کے معنے لغت میں نہیں ملے۔ ۱۲

اگر ہر موقع پر اُسکے ہات سے بڑے بڑے کام ہوتے اور وہ اپنی شائستگی اور قابلیت کے جوہر دکھاتا تب کہیں پنتیس ۳۵ برس کی عمر میں امارت اور حکومت کا اعزاز بخشا جاتا تھا۔ الپتگین [۱] نے جو خاندان سامانیہ کا پروردہ تھا اسی عمر میں خراسان کی سپہ سالاری پائی تھی۔ عُقلا کا قول ہی کہ لائق خدمتگار اور شائستہ غلام بیٹے سے کہیں بڑھ کر ہی۔ اور خدا نکرے کہ اچھے نوکر اور تعلیم یافتہ غلام ہات سے نکلجائیں جیسا کسی شاعر کا قول ہی ؎

یک بندہ مطاوع بہ ازصد فرزند　　کین مرگِ پدر خواہد و آن عمرِ خداوند

غلاموں کی نگرانی اس امر میں بھی کیجاے کہ وہ بغیر حکم شاہی (اور وہ بھی بحالت خاص ضرورت) کسی مہم پر نہ روانہ کیئے جائیں کیونکہ ان کی ذات سے رعایا کو سخت تکلیف پہنچتی ہی۔ اگر کسی سے دو سَو دینار وصول کرنے کا حکم ہی تو یہ پانسو وصول کرلاتے ہیں۔" (فصل ۲۱ صفحہ ۶۸)

---

[۱] امیر احمد بن سمعیل سامانی کا پروردہ اور جاں نثار غلام تھا اور ترکی نسل سے تھا۔ جو طریقہ اس عہد میں غلاموں کی تعلیم اور تربیت کا تھا الپتگین اُسکا پورا نمونہ تھا۔ خراسان میں اس کی گورنری کا زمانہ یادگار ہی۔ سبکتگین (ترکی لفظ ہی "دو بیر پتے" اسکا ترجمہ ہی) کو اسی جگہ خرید کیا تھا۔ اور اسکا مختصر واقعہ یہ ہی کہ ایک دن تیس ۳۰ غلام بکنے کو آئے الپتگین نے سب کو خرید کرلیا ان میں سب سے ممتاز سبکتگین تھا۔ چنانچہ تیسرے دن حاجب نے اطلاع کی کہ ایک واق باشی مرگیا ہی۔ اُسوقت سبکتگین سامنے تھا۔ الپتگین نے کہا کہ اسی کو مقرر کردو۔ حاجب نے عرض کیا کہ یہ خدمت قبل از وقت ہی۔ الپتگین نے کہا کہ مینے حکم دیدیا ہی اور اسنے سُن لیا ہی اب میں اس عطیہ کو واپس کرنا نہیں چاہتا ہوں۔ غرضکہ اٹھارہ برس تک سبکتگین معزز درجوں پر مقرر ہوتا رہا اور ہر خدمت پر اعلیٰ درجے کی کارگزاری دکھائی۔ اور الپتگین کی موت تک ساتھ رہا۔ ۳۵۰ھ ۹۶۱ء میں جب امیر عبدالملک سامانی چوگان کھیلتے ہوے گھوڑے سے گر کر مرگیا۔ اُسوقت الپتگین نیشاپور میں تھا۔ اُمراے دار السلطنت نے قاصد بھیجکر الپتگین سے مشورہ کیا کہ آپ کی راے میں کس کو بادشاہ مقرر کیا جاے۔ الپتگین نے دو راٸیں دیں۔ قاصد ہنوز واپس نہیں آیا تھا کہ اُمرا نے منصور برادر عبدالملک کو تخت نشین کردیا۔ چونکہ منصور کا انتخاب الپتگین کے

(۲۶) دربار

دربار عام

دربار کی ترتیب[۱] اس طرح پر کیجائے کہ اول بادشاہ کے عزیز و اقارب آئیں اُسکے بعد ملک کے معزز سردار اور ارکان فوج۔ پھر دیگر اشخاص، اور جب تمام گروہوں کا داخلہ ایک ہی مرتبہ ہو، تو وضیع و شریف کا امتیاز کرلینا چاہیئے۔ جب دربار شروع ہو تو پردہ اُٹھا دیا جائے۔ اور حاجب کی روک ٹوک نہ رہے کیونکہ یہی شناخت دربار عام کی ہے۔ اور اس علامت کا ہونا ضرور ہے کیونکہ امرا کو بغیر شرف ملازمت بادشاہ واپس جانا نہایت گراں

بقیہ نوٹ صفحہ ۲۹۵۔ خلاف تھا اسوجہ سے اُمراء دربار نے پادشاہ کو الپتگیں سے ناراض کردیا۔ جب یہ خبریں خراسان تک پہنچیں تو از راہ دُور اندیشی الپتگیں نے خراسان چھوڑ دیا۔ اور ہندوستان کو غزوات کے ارادے سے روانہ ہوا۔ لیکن چونکہ غزنیں الپتگیں کا مولد اور منشاء تھا اسوجہ سے اسی کو دارالحکومت بنایا۔ اسوقت غزنین ایک معمولی گاؤں تھا۔ یہاں تک پہنچنے میں منصور کیطرف سے سخت رُکاوٹیں پیدا کی گئیں اور لڑائیاں ہوئیں مگر اخیر کو الپتگیں کامیاب ہوا۔ اور ساٹھ برس اپنے آقاؤں کی خدمت کرکے زائد از ستّر برس کا ہوکر ۳۵۲ھ میں فوت ہوا۔ آل سامان کا یہ وفادار، صادق القول، شجاع، مدبر، فیاض، خداترس اور خدمت گزار غلام تھا۔ خود مختار ہوکر صرف تیرہ برس زندہ رہا۔ چنانچہ غزنیں میں سلطنت کی بنیاد اس کی ذات سے پڑی۔ مورخوں کا بیان ہے کہ تین ہزار قواعد داں غلام خراسان سے الپتگیں کے ہمراہ چلے آئے تھے۔ اول انھیں کی ذات سے غزنیں کی آبادی ہوئی۔ اسکے بعد افغانی جرگے فوج میں بھرتی کیئے گئے۔ اسکے انتقال پر ابواسحاق اسکا بیٹا تخت نشین ہوا۔ لیکن یہ کمزور، ناتوان، اور عیاش شاہزادہ ۳۶۷ھ میں فوت ہوگیا اور ملک نے سبکتگیں کو اسکا جانشین بنا دیا۔ چنانچہ اسی نامور کا بیٹا محمود غزنوی ہے جو شاہان غزنیں میں سب سے نامور شاہنشاہ تسلیم ہوا ہے۔ سچ یہ ہے کہ اسلام کی تعلیم و تربیت نے اپنے عہد میں جس شان و شکوہ کے غلام تیار کیئے اور جس قدر کہ انھوں نے حکومت کی ہے اسکی نظیر آج آزاد بادشاہوں میں بھی نہیں مل سکتی ہے۔" انتخاب از تاریخ نامہ خسروان، علم انفنسٹن، سیاست نامہ"۔

[۱] فصل ۲۸ و ۲۹ ۔ صفحہ ۱۰۹۔

گزرتا ہی۔ اور دربار میں پہنچکر شرف حضوری حاصل نہواس سے بھی بادشاہ پر بدگمانیاں شروع ہوجاتی ہیں۔ اور بہت سے جھگڑے اُٹھ کھڑے ہوتے ہیں اور درباروں کے کم ہونیسے لوگوں کے کاروبار بند ہوجاتے ہیں۔ اس لیے بادشاہ کو اکثر دربار منعقد کرنا چاہیئے ہفتے میں ایک دو روز عام جلسہ ہونا چاہیئے اور داخلے میں کسی کی روک ٹوک نہ کیجائے۔ جسدن دربار میں خواص کے جانے کا دن ہو اُسدن عوام نہ جائیں۔ مگر دونوں کو ایسی تاریخوں سے اطلاع ہونی چاہیئے۔ تاکہ یہ نوبت نہو کہ ایک بُلایا جائے اور دوسرا نکالا جائے۔ اور آنے والوں کے ہمراہ ایک غلام سے زیادہ نہو۔

دربار خاص عیش[1] وطرب کی مجلس میں یہ نہایت ناپسندیدہ ہی کہ آنے والے جام وصراحی اور ساقی لیکر حاضر ہوں۔ کیونکہ یہ رسم قدیم سے چلی آتی ہی کہ تمام خورد ونوش کا سامان اُمرا بادشاہ کے گھر سے اپنے گھر لیجاتے ہیں نہ برعکس اسکے۔ کیونکہ بادشاہ اور رعایا میں آقا اور غلام کی نسبت ہی۔

اس مجلس کے ارکان صرف ندیم ہونا چاہئیں۔ مگر جیسا کہ میں اول بیان کرچکا ہوں، غلام، اور سپہ سالاران فوج یا معزز طبقہ کے لوگ اس زمرہ میں داخل نہ کیئے جائیں۔

بادشاہ کے حضور میں بیٹھنے اور کھڑے ہونے دونوں کی جگہیں مقرر ہیں۔ لہذا اس میں بھی پہلی ترتیب کا خیال رکھنا چاہیئے اور تخت کے گرد معزز طبقے کے ارکان کھڑے ہوں۔ اگر ان میں کوئی اور شامل ہوجائے تو حاجب کو چاہیئے کہ علحدہ کردے اسی طرح ہر درجے میں

[1] فصل ۳۰ صفحہ ۱۱۱۔

نظر رکھنا چاہیئے تاکہ کوئی نا اہل شریک[1] نہ ہوجائے۔

(۲۷) اہل فوج کی حاجتیں

تمام[2] سپاہیوں کی عرضداشتیں اور اُن کی خواہشات کی اطلاع افسروں کے ذریعے سے بادشاہ تک ہونا چاہیئے تاکہ جو نیکی ہو وہ اُنکے ہات سے ہو۔ اس کارروائی سے فوجی سرداروں کی عزت بڑھ جاتی ہی۔ اگر کوئی سپاہی اپنے افسر سے بدزبانی کرے تو اُسکو سزا دیجائے تاکہ چھوٹے بڑے کا فرق معلوم ہوتا رہے۔

(۲۸) صاحبان جاگیر و منصب

جن[3] امیروں کو بڑی بڑی جاگیریں اور منصب دیے جائیں اُنکو یہ بھی تاکید کیجائے کہ اعلے درجے کا فوجی سامان رکھیں۔ اور غلاموں کو خریدکریں، کیونکہ ان کی شان و شوکت کا یہی ذریعہ ہیں۔ اور محض اپنے مکان کی آرائش سے اُن کی زینت نہیں ہوسکتی ہی۔ جس جاگیردار کو اس بات کا خیال ہوگا۔ اُسکا قرب و اختصاص بادشاہ سے اپنے ہمچشموں کے مقابلے میں بڑہتا جائیگا

(۲۹) اُن لوگوں کے قصور کی سزا جنکو سلطنت نے درجہ ادنے سے اعلیٰ پر پہنچایا ہی

جن[4] لوگوں کو خود ہی بادشاہ درجہ ادنی سے اعلے پر پہنچاتا ہی۔ اُن کی تربیت میں ایک زمانہ دراز

---

[1] زمانہ حال میں دربارداری کے جو قواعد ہیں وہ عہد قدیم سے بالکل جدا گانہ ہیں اور ان آداب سے قریباً ہر تعلیم یافتہ واقف ہے لہذا کچھ لکھنے کی ضرورت نہیں ہی۔ [2] فصل ۳۱ صفحہ ۱۱۱۔ [3] فصل ۳۲ صفحہ ۱۱۲۔ [4] فصل ۳۳ صفحہ ۱۱۳۔

صرف ہوتا ہی۔ جب ایسے لوگوں سے کوئی قصور ہو جاے تو علانیہ عتاب کرنے سے انکی آبرو ریزی ہوتی ہی۔ اور پھر بہت کچھ عزت افزائی سے بھی وہ اپنے اصلی درجے پر نہیں پہنچ سکتے ہیں اسلیئے انسب طریقہ یہ ہی کہ اُن کی خطاؤں پر اول چشم پوشی کیجاے اور بلاکر سمجھا دیا جاے کہ سنو جی! تمنے یہ حرکت نہایت ناشائستہ کی ہی چونکہ ہم اپنے پرور دہ کو ذلیل نہیں کرتے ہیں اسلیئے درگزر کیجاتی ہی۔ مگر خبردار اب آیندہ ایسا نہو۔ ورنہ تم اپنے درجے سے نیچے اُتار دے جاؤگے۔ اور ہمیں ہماری طرف سے کوئی قصور نہو گا بلکہ وہ تمھارے ہی کرتوتوں کی سزا ہوگی۔ امیرالمومنین حضرت علی[1] کرم اللہ وجہہ سے کسی نے پوچھا کہ آپ کے نزدیک سب سے زیادہ جانبا

[1] امیرالمومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ ہاشم کے پوتے اور ابو طالب کے نامور بیٹے ہیں۔ آپ کی والدہ کا نام فاطمہ تھا (بنت اسد بن ہاشم) اور ہاشمیوں میں سے سب سے پہلے ہاشمی حضرت علیؓ ہیں۔ فضائل میں سب سے بڑی فضیلت یہ ہی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچیرے بھائی اور داماد ہیں اَنَامَدِینَۃُ العِلمِ وَعَلِیٌّ بَابُھَا آپ ہی کی ذات پاک کی تفسیر ہی۔ خلافت کے دنیاوی انتظام میں اگرچہ آپکا چوتھا درجہ ہی۔ مگر سلسلۂ امامت میں آپ رکن اول ہیں۔ عام الفیل کے تیسویں برس ۱۳ رجب کو بمقام مکہ معظمہ آپ کی ولادت ہوئی اور ۳۵ھ ۶۵۵ء میں مسند خلافت پر جلوہ فرما ہوے۔ آپ کے عہد کے اہم واقعات میں سے جنگ جمل اور جنگ صفین ہی۔ اور مسلمانوں کی بدنصیبی سے یہ پہلی نزاع تھی جو خانہ اسلام میں پیدا ہوئی۔ اگرچہ ملکی فتوحات میں اضافہ نہوا مگر روحانی فتوحات میں بڑی ترقی ہوئی۔ شجاعت، ہمت، فیاضی، اور صاف دلی میں آپ کی ذات عدیم المثال ہی۔ ۲۰ جنوری ۶۶۱ء ۴۰ھ میں بمقام کوفہ (۱۷۔ رمضان المبارک یوم جمعہ) جبکہ آپ نماز صبح کے واسطے مسجد جارہے تھے عبدالرحمن ابن ملجم نے زہرآلود تلوار سے زخمی کیا۔ اور اسی صدمہ سے شب یکشنبہ میں بتاریخ ۲۱ رمضان المبارک سفر آخرت قبول فرمایا۔ اور نجف اشرف میں دفن ہوے جو مسلمانوں کا مرجع و ماٰب ہے تاریخ وفات میں یہ شعر مشہور ہی ؎

ابن ملجم سر علی چو برید | سال فوتش ازاں عیاں گردید

از اتحاف و معارف ابن قتیبہ و سیوطی التوفیقات الالہامیہ۔

اور بہادر کون ہے؟ آپ نے فرمایا کہ جو غصے کی حالت میں اپنے تئیں سنبھالے اور ایسی حرکت نہ کر بیٹھے جسکے بعد پشیمانی اُٹھانا پڑے۔

انسان کی عقل کا منتہا یہ ہے کہ اول تو غصہ نہ آئے۔ اور اگر آجائے تو پھر عقل پر غالب نہونے پائے۔ کیونکہ جب خواہشات نفسانی کا عقل پر غلبہ ہوتا ہے تو آنکھوں پر پردے پڑ جاتے ہیں۔ اور اُس سے دیوانوں کے سے افعال سرزد ہونے لگتے ہیں۔ اس لیے سمجھدار آدمیوں کو ایسی حالت سے بچنا چاہیئے۔

(۱) روایت ہے کہ حضرت امام حسینؑ رضی اللہ عنہ معزز لوگوں کے ہمراہ خاصہ نوش فرما رہے تھے

لے امیرالمومنین علی کرم اللہ وجہٗ کے تیرہ۱۳ بیٹے اور اٹھارہ۱۸ بیٹیاں تھیں مگر حضرت امام حسنؑ اولاد اکبر اور حضرت امام حسینؑ فرزند ثانی سب سے مشہور تر ہیں۔ ۵ شعبان ۴ھ ۶۲۵ء میں بمقام مدینۂ منورہ آپ کی ولادت ہوئی۔ امیر معاویہ کے انتقال کے بعد اُسکے بیٹے یزید سے خلافت پر نزاع پیدا ہوئی جسکا آخری نتیجہ یہ ہوا کہ بمقام کربلا (ارض عراق ناحیہ کوفہ) بروز جمعہ ۱۰ محرم سنہ ۶۱ھ مطابق یکم اکتوبر ۶۸۰ء میں آپ مع کثیر رفقا و عزیزوں کے شہید ہوئے۔ شہادت سے تھوڑی دیر قبل آپ یہ رجز پڑھتے ہوئے میدان جنگ میں تشریف لائے ؎

انا ابن علیّ الحبر من آل ہاشم — کفانی بھذا مفخرا حین افخر
وجدی رسول اللہ اکرم من مشی — ونحن سراج اللہ فی الارض نزھر
وفاطمۃ امی سلالۃ احمد — وعمی یدعی ذا الجناحین جعفر
وفینا کتاب اللہ نزل صادقاً — وفینا الھدی والوحی والخیر یذکر

اس دردانگیز واقعہ پر علاوہ مورخین کے عرب، عجم، روم، شام اور ہند کے شعرائے جسقدر مرثئے لکھے ہیں اُسپر کسی اضافہ کی ضرورت نہیں ہے اور میر انیس اور مرزا دبیر مرحوم نے جسقدر لکھا ہے وہ عام طور سے مشہور ہے۔ مگر اعلیحضرت ناصرالدین مرحوم شاہ ایران نے اپنے شاہنشاہ کے غم میں چند اشعار لکھے ہیں اُسکے لکھنے کو بے اختیار دل چاہتا ہے۔

خنجر شمر بخون شہ خوباں تشنہ — حنجر شہ بدم خنجر بُراں تشنہ

اور نہایت بیش قیمت لباس پہنے ہوئے تھے۔ اور عمامہ بھی بہت موزوں اور خوبصورت بندھا تھا کہ پیچھے سے غلام نے ایک کھانے کا پیالہ اُٹھا کر سامنے رکھنا چاہا مگر اُسکے ہاتھ سے یکایک پیالہ چھوٹ گیا۔ جس سے تمام چہرہ اور سر مبارک آلودہ ہوگیا۔ بمقتضاے بشریت آپ کو غصّہ آیا اور چہرہ سرخ ہوگیا اور اُسی حالت میں غلام کی طرف دیکھا وہ کانپ کر فوراً بول اوٹھا کہ اَلْكَاظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ؕ خدا کا حکم سُنتے ہی آپ کا غصّہ جاتا رہا اور چہرہ سے فرحت اور مسرت کے آثار نمایاں ہوگئے۔ اور غلام سے فرمایا کہ جا میں نے تجھ کو آزاد کردیا۔ اب تو ہمیشہ کے واسطے میرے غصے اور تنبیہ سے بے خوف رہیگا۔

بقیہ نوٹ صفحہ ۳۰۰

من چو خضرم و فرات آگر آبحیات — خضر کے ماندہ لبِ چشمۂ حیواں تشنہ

آہ ازاں لحظہ کہ اصغر بسرِ دوشِ پدر — داد جاں در خنجر غنچۂ پیکاں تشنہ

کو دکانم کہ ہمہ شہد و شکر میخوردند — حال طوطی صفتند در شکرستاں تشنہ

گفت شاہِ شہدا با پسرِ سعدِ لعیں — آب در کوزہ روا داری و مہماں تشنہ

مہرِ زہرا بود ایں آب ہمہ اولادش — کشتہ گشتند و فتادند بمیداں تشنہ

دیو و دد جملہ ازیں آب ہمہ سیراب اند — کس ندیدست لبِ آب سلیماں تشنہ

گبر و ترسا و نصاریٰ ہمہ زیں آب خورند — بلبِ نہر جگر گوشۂ عمراں تشنہ

اکبرم کشتہ شد از تیغ شما در میداں — رفت در خلد بریں شاہ جواناں تشنہ

دستہا از تنِ عباس فگندند بجنگ — کس ندیدست کہ سقا سپرد جاں تشنہ

ناصرا آب خوری یاد کن از شاہِ شہید
زانکہ شد کشتہ شہنشاہِ شہیداں تشنہ

(۴) امیر معاویہ کی نسبت کہا جاتا ہی کہ وہ انتہا درجے کے حلیم تھے۔ ایک دن کا واقعہ ہی کہ دربار عام میں ایک نوجوان شکستہ حال آیا اور سلام کر کے گستاخانہ امیر کے سامنے ہو بیٹھا اور اس طرح گفتگو کرنے لگا۔

نوجوان امیر المومنین ایک نہایت مشکل کام لیکر آیا ہوں اگر آپ اُسکے ایفا کا وعدہ کریں تو عرض کروں"

امیر معاویہ ہاں! تم اپنی حاجت بیان کرو جہانتک ممکن ہوگا اُسکے پورا کرنے کی کوشش کرونگا۔

نوجوان میں ایک مفلس آدمی ہوں۔ اور میری بی بی نہیں ہی۔ اور آپ کی والدہ بیوہ ہیں۔ اگر آپ اُنکا عقد مجھ سے کردیں تو میں بی بی والا ہو جاؤں اور وہ شوہر والی۔ اور آپ داخل ثواب ہونگے"

اور ایک دو کلمے ایسے کہے جسکے لکھنے سے تہذیب مانع ہی۔ مگر امیر کے مزاج میں کسی طرح کا

لہ معاویہ بن ابو سفیان، اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہیں اور خدمت کتابت پر ممتاز رہے ہیں۔ مگر سفیان اور ان کی بی بی ہندہ نے جو بد سلوکیاں آنحضرت سے کی ہیں وہ ظاہر ہیں۔ معاویہ نے محض اپنی قابلیت سے سپہ سالاری سے امارت کا درجہ حاصل کیا۔ اور خلفاے امویہ میں سب سے پہلے امیر ہیں۔ امیر المومنین حضرت علی کے انتقال اور امام حسن کی شہادت کے بعد بلا مزاحمت امیر بن گئے۔ چنانچہ ۲۰ ربیع الثانی یوم یک شنبہ ۴۱ھ میں بمقام دمشق تخت نشین ہوئے۔ اور دار الخلافت کو دمشق سے شام میں منتقل کر دیا۔ ۱۹ برس ۳ ماہ ۵ یوم حکومت کر کے ۷۷ برس کی عمر میں ۶۰ھ میں فوت ہوئے اور یزید تخت نشین ہوا۔ سیاست اور تمدن میں ہزاروں قسم کی ترقیاں اسی عہد میں ہوئیں جس کی تفصیل کے واسطے ایک مستقل کتاب چاہیئے۔ فتوحات بھی بہت ہوئیں۔ کابل فتح ہوا۔ اور سندھ تک فوج آکر واپس ہو گئی۔ قسطنطنیہ پر حملہ ہوا بادشاہ یونان کو باجگذار بنایا۔ اور اس شرط پر صلح ہوئی کہ ۲۷ من ۲۰ سیر سونا سالانہ دیا کرے۔ سیوطی وغیرہ۔

تغیر واقع نہیں ہوا اور اپنی جگہ پر بیٹھا رہا۔ اور سب نے تسلیم کر لیا کہ امیر معاویہ سے زیادہ حلیم اب کون ہو سکتا ہے۔؟

عقلا کا قول ہے کہ حلم اچھی چیز ہے لیکن اقبال کے زمانے میں اولیٰ تر ہے۔ اور نعمت بھی عمدہ شے ہے لیکن بحالت شکرگزاری اعلےٰ تر ہے۔ مگر جب علم اور خدا ترسی بھی ہو تو سبحان اللہ

(۳۰) پاسبان اور دربان

پاسبان[۵۱] اور دربان اور نوبت بجانے والوں پر جو ناظر ہو اُسے چاہیئے کہ ان لوگوں کے معاملات میں خاص احتیاط رکھے اور سب کو پہچانے۔ اور روزانہ اندرونی طور پر تحقیقات کرتا رہے۔ کیونکہ یہ معمولی آدمی ہیں ذرا سے لالچ میں آجاتے ہیں، جب کوئی غیر شخص اس گروہ میں پایا جائے تو فوراً اُس کی تحقیقات کر لیجائے اور شب کے وقت ہر نوبت والے کو بنظر تجسس دیکھ لینا چاہیئے۔ اور کسی وقت بھی غافل نہ ہونا چاہیئے۔ کیونکہ یہ خدمت نازک اور خطرناک ہے۔

(۳۱) دسترخوان شاہی

پادشاہوں[۵۲] کے سامنے طرح طرح کے کھانوں کے خوان سجائے جاتے ہیں اور وہ ہمیشہ اُسکے پر تکلف کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ جو لوگ صبح کو حاضر خدمت ہوں اُنکو ہمیشہ بادشاہ کے ساتھ ناشتے میں شریک ہونا چاہیئے، اور اگر کسی وجہ سے کوئی شریک نہ ہو تو بطور خود

---

۵۱ فصل ۲۴-صفحہ ۱۱۴- ۵۲ فصل ۳۰-صفحہ ۱۱۵-

وقت مقررہ پر بادشاہ کو کھانا چاہیے۔ لیکن یہ کسی طرح نہیں ہوسکتا ہی کہ صبح کے وقت عام دسترخوان نہ بچھایا جائے۔

سلطان طغرل سلجوقی[ك] صبح کے کھانے میں خاص تکلف کیا کرتا تھا۔ حتےٰ کہ اگر جنگل میں شکار کھیلتا ہوتا تو اُسی جگہ پر دسترخوان بچھایا جاتا۔ اور اس کثرت سے خوان لگائے جاتے تھے کہ دیکھنے والے حیرت زدہ رہجاتے تھے۔ یہی اُصول خوانین ترکستان کا تھا اور اُن کے باورچیخانے کا دروازہ ہر وقت کھُلا رہتا تھا تاکہ سب فیضیاب ہوں۔ اور یہ ظاہر ہے کہ ہر شخص کی ہمت اور مروت اُسکے درجے کے مطابق ہوا کرتی ہی۔ اور بادشاہ کا مرتبہ ظاہر ہی لہذا اُسکو اپنی شان کے موافق دسترخوان رکھنا چاہیئے۔ بلکہ اس معاملے میں اگلے بادشاہوں سے سبقت لیجانا چاہیئے۔

حدیث شریف میں ہی کہ بندگان خدا کو جو بادشاہ فراخ حوصلگی سے کھانا کھلاتے ہیں اُنکے

ك شاہان عجم کا دسترخوان جیسا وسیع اور پرتکلف ہوتا تھا اس کی تقلید تو کسی سے نہیں ہوسکی۔ لیکن اسلامی تاریخ میں امیر معاویہ کے عہد سے خلفاے عباسیہ تک اور اُنکے بعد اُنکے جانشین حکمرانوں میں یہ صفت باستثنا بعض مسلسل پائی جاتی ہی اور انکے واقعات سے تاریخ کے صفحے مزین ہیں۔ حجاج ابن یوسف (جسکا ظلم، حاتم کی سخاوت سے زیادہ مشہور ہی) جو ولید ابن عبدالملک اموی کی طرف سے عراق کا گورنر تھا۔ اسکے دربار میں ہزار خوان نفیس کھانوں کے اہل مجلس کے سامنے چنے جاتے تھے۔ حالانکہ یہ صرف ایک صوبے کا حاکم تھا۔ امیر معاویہ کے حالات میں لکھا ہے کہ کھانے کے وقت دربان و حاجب کا عمل دخل اُٹھ جاتا تھا اور صلاے عام ہوتا تھا۔ اور آج بھی غازی سلطان عبدالحمید خاں اور مظفرالدین شاہنشاہ ایران خلداللہ ملکہم کا دسترخوان عہد قدیم کی فیاضیوں کا اصلی نمونہ ہی۔ اور چھوٹے پیمانے پر مسلمان حکمرانوں میں بکثرت نظائر موجود ہیں۔

ملک و مال اور عمر میں ترقی ہوتی ہے۔

یہ تاریخی واقعہ ہے کہ فرعونؔ[1] بادشاہ مصر کے باورچیخانے میں روزانہ چار ہزار بکریاں اور چار سو بیل اور دو سو اونٹ ذبح ہوتے تھے۔ اسکے علاوہ طرح طرح کے حلوے اور غذائیں ہوتی تھیں اور تمام اہل مصر اور فوج والے شریک دسترخوان ہوتے تھے۔ اور جب تک اس کی سلطنت رہی یہی طریقہ جاری رہا۔

حضرت موسیٰؑ[2] علیہ السلام کے حالات میں مورخوں نے لکھا ہے کہ خداوند تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کی دُعا پر وعدہ فرمایا تھا کہ "میں فرعون کو دریائے نیل میں غرق کر کے اُسکی سلطنت کا تمکو مالک بنا دونگا" چنانچہ جب اس وعدے کو کئی برس گزر گئے اور فرعون کی فرعونیت میں کچھ کمی نہ ہوئی۔ تب حضرت موسیٰ نے چالیس دن روزے رکھے اور طور سینا پر جاکر مناجات کی اور عرض کیا کہ خداوند عالم تیرا وعدہ کب پورا ہوگا۔؟

---

[1] جس طرح فی زماننا شاہان مصر کا لقب خدیو ہے ویسے ہی زمانہ قدیم میں اُنکا لقب فرعون تھا۔ جسکے معنی متکبر اور سرکش کے ہیں۔ فراعنہ یکے بعد دیگرے دس ہوئے ہیں۔ بنی اسرائیل کو انھوں نے سخت تکلیف دی اور مصر میں دو سو سولہ برس قید رکھا (یہ زمانہ حضرت یعقوبؑ کی آمد سے خروج حضرت موسیٰؑ تک ہے) فراعنہ کا سلسلہ نسب عملیق بن عوج بن عاد پر ختم ہوتا ہے۔ کلام مجید میں فرعون اور حضرت موسیٰ کا جسقدر واقعہ ہے وہ صرف ایک ہی فرعون سے متعلق نہیں ہے۔ لیکن یہ ضرور ہے کہ بڑا حصہ ولید بن مصعب کے متعلق ہے اور بحر احمر میں یہی فرعون غرق ہوا ہے ناسخ التواریخ جلد اول۔

[2] موسیٰ بن عمران بن قاہث بن لاوی بن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم علیہ السلام۔ خدا کے ان جلیل الشان رسولوں میں سے ہیں کہ جنپر توراۃ مقدس نازل ہوئی۔ (والدہ کا نام یوکبد، یُوحاند، اباحنہ، یا یوخابث تھا) عمران کے آپ دوسرے بیٹے تھے جو ہارون کے بعد اسی برس میں پیدا ہوئے تھے۔ اور حضرت موسیٰ کو اسّی برس کی عمر میں

غیب سے آواز آئی کہ اے موسیٰ! تم فرعون کو جلد ہلاک کرنا چاہتے ہو۔ لیکن اُسکے دم سے میرے ہزارہا بندے پرورش پاتے ہیں۔ قسم ہے مجھے اپنے عزت وجلال کی جب تک اُسکا دسترخوان وسیع رہیگا، یاد رکھو! کہ میں اُسکو ہلاک نکرونگا۔ اور جب اس میں کمی دیکھو تو سمجھ لینا کہ اُس کی موت قریب ہے۔" چنانچہ جب حضرت موسیٰ نے فرعون کے مقابلے کی طیاریاں شروع کیں، اور یہ خبر فرعون کو پہنچی تو اُسنے ہامانؔ سے کہا کہ "موسیٰ بنی اسرائیل کو میرے

بقیہ نوٹ صفحہ ۳۰۵۔ نبوت مرحمت ہوئی تھی اور چالیس برس بنی اسرائیل کو ہدایت وتلقین مذہب کرکے ایکسو بیس برس کی عمر میں انتقال فرمایا۔ اسوقت مصر کے تخت پر فراعنہ میں سے ولید بن مصعب حکمراں تھا۔ جو مصر کا اخیر فرعون تھا اور ایران میں اسوقت منوچہر کی حکومت تھی حضرت موسیٰ کی شادی شعیبؑ کی بیٹی صفورا سے ہوئی تھی۔ قارون بن صافر بن قاہث بن لاوی آپ کا چچا زاد بھائی تھا جو اسوقت کے دولتمندوں میں سب سے بڑھکر تھا اور سامری جسکا نام موسیٰ بن ظفر تھا۔ یہ بھی اسی زمانے میں تھا۔ تفسیر اور تاریخ کی کتابوں میں ان سب کے حالات مفصل تحریر ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام طویل القامت تھے۔ اور بال گھونگروالے۔ مزاج میں غصہ بہت تھا اور زبان میں لکنت تھی۔ از معارف ابن قتیبہ وناسخ التواریخ جلد اول ابن خلدون خیبار بنی اسرائیل لہ ولید بن مصعب کا نامور وزیر ہے جس طرح یہ فرعون دعوی الوہیت میں سرشار تھا ویسا ہی یہ زیر کفر و زندقہ میں مبتلا تھا۔ حضرت موسیٰ کے وعظ سے فرعون ایمان لانے پر رضامند ہوگیا تھا۔ مگر ہامان نے کہا کہ بڑے افسوس کی بات ہے کہ آج تک تو خدائی کرتا تھا اور لوگ تیرے سامنے سجدہ کرتے تھے اور اب تو موسیٰ کے کہنے سے فرضی خدا کی عبادت کریگا۔ اور خدائی کرکے بندوں میں شامل ہوگا۔" اور اسی طرح سے موسیٰ کے ہر معجزے کی تردید کرتا تھا۔ بحر احمر میں فرعون کے غرق ہونے کا سبب بھی یہی ہامان تھا۔"

سیاہ خضاب کا موجد بھی یہی ہامان ہے۔ کیونکہ حضرت موسیٰ نے فرعون سے وعدہ کیا تھا کہ اگر تو خدا پر ایمان لائے تو تیرا شباب لوٹ آئیگا۔ جب ہامان نے سُنا تو کہا یہ تو میں کرسکتا ہوں اور خضاب لگاکر سفید بالوں کو سیاہ کردیا۔ چنانچہ سیاہ خضاب لگانے والے فرعون کی سنت ادا کرتے ہیں۔ اور انصافاً ہے بھی فضول کیونکہ ؎

خضاب پردۂ پیری نمی شود صائب   بہ مکر و حیلہ خزاں را بہار نتواں کرد

مقابلے کے لیے جمع کر رہے ہیں۔ انجام کی خبر نہیں ہی کہ کیا ہو۔ اسلئے خزانے کو معمور رکھنا چاہئے
تاکہ کسی وقت ہماری قوت کم نہو۔ اور اس کی تدبیر یہی ہی کہ باورچیخانے کا خرچ نصف کر دیا جائے
چنانچہ اس خرچ میں کمی ہوتی گئی۔ حضرت موسٰی اس خبر کو سُنکر نہایت خوش ہوئے اور خدا کا
وعدہ یاد آگیا۔ چنانچہ جس روز فرعون دریائے نیل میں غرق ہوا ہی اُسدن اُسکے باورچیخانے میں
صرف دو بھیڑیں ذبح ہوئی تھیں"۔ اور اسی مہمان نوازی کے سبب سے حضرت ابراہیم علیہ السلام
کی خداوند تعالے نے تعریف کی ہی۔

حاتم طائی کا نام دنیا میں صرف اسی صفت سے زندہ ہی۔ حق تعالی سب کو اسی صفت سے
بہرہ یاب کرے۔ آمین وَلِلّٰہِ دَرُّ مَنْ قَالَ۔

جوانمردی از کارہا بہتر است   جوانمردی از خوئے پیغمبر است
دو گیتی بود بر جوانمرد راست   جوانمرد باش و دو گیتی تراست

لہ تاریخ اسلام میں چند نامور حاتم گزرے ہیں، مگر سب میں ممتاز اور ضرب المثل حاتم طائی ہی۔ اور حاتم کو صرف
فیاضی، مروت اور خلق نے عوام وخواص میں روشناس کر دیا۔ حالانکہ وہ ایام جاہلیت کا نامور شاعر بھی ہی۔
یہ نامور عرب کے مشہور قبیلے طے میں پیدا ہوا۔ عبداللہ کا بیٹا اور سعد کا پوتا اور حشرج کا پروتا تھا۔ حاتم کی ماں عتبہ بھی
فیاضی میں مشہور رہی۔ اسلئے یہ کہنا مبالغہ نہیں ہی کہ حاتم مادرزاد فیاض تھا۔ حاتم کا باپ اپنے نونہال کو شیرخوار چھوڑکر
مرگیا تھا۔ اسلئے دادا نے پرورش کیا ہوش سنبھالنے پر دادا نے اونٹوں کی نگرانی سپرد کر دی اور حاتم جنگل میں
رہنے لگا لیکن حضرت نے پہلی ہی فیاضی میں ۳۰۰ اونٹ عبید بن ابرص، بشر بن ابی حازم اور نابغہ ذبیانی
کو بہ حصّہ برابر تقسیم کر دیئے اور اس جرم پر دادا نے گھر سے نکالدیا۔ مگر خدا نے حاتم کو مال و دولت سے بہرہ ور
کر دیا۔ اور تمام عمر فیاضی کرتا رہا۔ اور اس کی فیاضی کا ہر واقعہ عجیب و غریب ہی۔ یہ زمانہ جاہلیت کے مشاہیر
میں سے ہی۔ ظہور اسلام سے قبل فوت ہوا۔ ولادت اور فوت کی تاریخ کا پتہ نہیں لگا۔ حاتم کا دیوان بیروت میں

(۳۴) خدمتگار اور شائستہ غلاموں کے حقوق

خدمتگاروں[لہ] میں جو اچھا کام کرے اُسکو صلہ ملنا چاہیئے۔ اور جو قصور کرے اُسکو باندازہ قصور سزا دیجائے تاکہ اوروں کو عمدہ کام کرنے کی رغبت پیدا ہو اور یہ دستور ہی کہ سزا یافتہ زیادہ ڈرتا ہی۔ اسیلیے سب کام ٹھیک ہوجاتے ہیں۔

حکایت خردادیہ راوی ہی کہ ملک پرویز اپنے ایک مقرب خاص سے ناراض ہوگیا اور اُسکو اپنے پاس آنے سے روک دیا اور حکم دیا کہ کوئی شخص اس سے نہ ملنے پائے"۔ مگر باربد[ع] مطرب

بقیہ نوٹ صفحہ ۳۰۷ - ۱۸۸۸ء میں چھپکر شائع ہوا ہی۔ سفّانہ اس کی بیٹی بھی نہایت مشہور فیاض عورت تھی اور جو آنحضرتؐ کے عہد میں گرفتار ہوکر آئی تھی اور آنحضرت کے روبرو ایسی فصیح وبلیغ تقریر کی جو اس کی قوم کی رہائی کا سبب ہوئی حاتم کی تعریف میں جو فقرے سفّانہ نے استعمال کیئے تھے اُسکو سُنکر آپ نے فرمایا تھا کہ "ھذہ صفات المومنین حقا"۔ شیخ سعدی نے بوستان میں یہ حکایت لکھی ہی۔ اولاد ذکور میں صرف ایک بیٹا تھا جسکا نام عدی تھا۔ اور جو اپنی بہن سفّانہ کی تحریک سے مسلمان ہوا۔ اور رواۃ احادیث میں سے ہی۔ انتخاب از بلوغ الارب فی احوال العرب جلد اول صفحہ ۳ مطبوعہ بغداد و تذکرہ شعراء عرب۔ و درالمنثور فی طبقات ربات الخدور صفحہ ۴۴۲ مطبوعہ مصر۔

لہ فصل ۶-۳-صفحہ ۱۱۷ ۵ع خسرو پرویز کا نامور مغنی ہی۔ واد آفرید۔ پیگار گردش خسروانی وغیرہ راگنیوں کا موجد ہی۔ جہرم (فارس) کا باشندہ تھا۔ خسرو کا امیر مغنی جسکا نام "سرکش" تھا وہ نہیں چاہتا تھا کہ باربد دربار میں داخل ہو۔ لیکن ایک باغبان کی مدد سے جسکا نام مردوی تھا اسکو خسرو کی حضوری نصیب ہوئی۔ اور ایک ہی ترانے کے صلے میں پہلے ہی مرتبہ موتیوں سے مونھ بھر دیا گیا۔ دربار کا دوسرا مغنی نکیسا تھا۔ نظامی ؎

نکیسا چنگ ُاکردہ خوش آواز قلندہ ارغنوں را پردہ ساز

ناسخ التواریخ جلد دوم صفحہ ۴۰۰ تفصیل کے لیئے دیکھو شاہنامہ فردوسی حالات خسرو پرویز۔

ہرروز اُسے شراب و طعام پہنچا دیا کرتا تھا۔ جب پرویز کو یہ خبر ہوئی تو بار بد سے کہا کہ جو شخص میری حراست میں ہو اُس کی خبر گیری کا تجھ کو کیا حق ہی۔ باربد نے عرض کیا کہ جو احسان حضور نے اُسکے ساتھ کیا ہی اتنا تو مجھ سے نہیں ہو سکتا ہی۔ پرویز نے پوچھا وہ کیا ہی؟ باربد نے کہا کہ حضور نے اُس کی جان بخشی کر دی ہی" یہ سُنکر خوش ہوا اور امیر کو چھوڑ دیا۔

آل ساسان کا یہ دستور تھا کہ اُنکے سامنے اگر کوئی اچھی بات کہتا یا کوئی جوہر دکھاتا اور وہ کہتے کہ بہت خوب تو اُسی وقت خزانچی ایک ہزار درہم دیدیتا تھا۔

اور شاہان اکاسرہ عدل، مروت، ہمت میں تمام شاہان سلف سے فائق تھے اور اُن میں بھی نوشیرواں عادل سب سے افضل تھا۔

(۳۳) عمال کی شکایت کی خفیہ تحقیقات

اگر کسی گوشۂ ملک سے یہ خبر پہنچے کہ وہاں کی رعایا پریشان ہی اور شبہ ہو کہ مخبر خود غرض ہیں تو بادشاہ کو اپنے معتمدین میں سے کسی شخص کو نامزد کر کے اس طرف خاموشی سے بھیجدینا چاہیئے تاکہ کسی کو معلوم نہ ہو کہ وہ کس کام کے لیئے جاتا ہی۔ اور وہ ایک مہینے تک اُن اطراف میں پھر کر شہر اور گاؤں کی آبادی اور ویرانی کی حالت دیکھے اور عامل کے متعلق جو خبریں سنائی دیں اُس کی جانچ کرے۔ کیونکہ عمال کا یہ بھی دستور ہی کہ ایسے موقع پر وہ کہا کرتے ہیں کہ مجھ سے لوگ رنج و عداوت رکھتے ہیں۔ لہذا اُن کی باتیں قابل سماعت نہیں۔ اگر ان کے

۵۲ فصل ۳۰۔ صفحہ ۱۱۹۔

اقوال پر توجہ کیجائیگی تو وہ اور سرکش ہوجائینگے"۔ ایسے خود غرضوں کی باتوں میں آجانیسے رعایا تباہ و برباد ہوجاتی ہی

(۳۴) امور سلطنت میں بادشاہ کو جلدی نکرنا چاہیئے

بادشاہ[۱] تک جب کوئی خبر پہنچے یا کوئی معرکہ پیش آئے۔ تو اُس میں عجلت سے کام نہ لیا جائے بلکہ آہستگی سے جانچ کرنا چاہیئے تاکہ جھوٹ اور سچ کی تصدیق ہوجائے۔
جب دو فریق حاضر ہوں اور اپنی روداد بیان کریں اسوقت کسی طرح فریقین پر یہ ظاہر نہ ہونے پائے کہ بادشاہ کا میلان کس جانب ہی۔ کیونکہ درصورت اظہار جو فریق سچائی پر ہی وہ ڈر جائیگا اور عرض مدعا سے قاصر رہیگا مگر جھوٹے کا حوصلہ بڑھ جائیگا۔ چنانچہ یہی قرآن مجید میں ہے۔
یَاأَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اِنْ جَاءَکُمْ فَاسِقٌ بِنَبَاٍ فَتَبَیَّنُوْا۔ بزرگان دین کا مقولہ ہی کہ اَلْعَجْلَةُ مِنَ الشَّیْطَانِ وَالتَّاَنِّیْ مِنَ الرَّحْمٰنِ۔ بزرجمہر کہتا ہی کہ کسی کام میں جلدی کرنا ہلکے پن کی دلیل ہی اور ایسے لوگ ہمیشہ پشیمان و غمناک ہوا کرتے ہیں اور اپنی حرکتوں پر خود ہی نادم ہوکر بار بار استغفار کرتے ہیں۔

(۳۶) امیر حرس و چوبدار کی خدمات

ہر[۲] دور سلطنت میں امیر حرس کا عہدہ نہایت مقتدر شمار کیا گیا ہی۔ اور حاجب کے بعد اس عہدہ دار کا مرتبہ ہی، کیونکہ امور سیاسی سے اسے زیادہ تعلق ہی۔ جب بادشاہ کسی پر غصہ

[۱] فصل ۳۸ صفحہ ۱۲۰۔ [۲] فصل ۳۹ صفحہ ۱۲۱۔

ہوتا ہی تو وہ اس عہدہ دار کو حکم دیتا ہی کہ فلاں شخص کو قتل کر، ہات پاؤں کاٹ ڈال، پھانسی دے، بید لگا، جیلخانے میں لیجا، یا کنوئیں میں قید کر، اسوجہ سے سب لوگ امیر حرس سے ڈرتے ہیں اور جان کے خوف سے مال و دولت اسپر نثار کرتے ہیں۔

امیر حرس ہمیشہ صاحب نقارہ و نشان رہتا ہی۔ اور اس کی سیاست کا لوگوں پر بادشاہ سے زیادہ خوف ہوتا ہی اور یہ عزت اسکے عہدے کے لیے ضرور ہی۔

چوبدار | بارگاہ سلطانی میں کم ازکم پچاس چوبدار ہر وقت حاضر رہنا چاہیے جنمیں سے بیس کے عصا نقرئی ہوں اور بیس کے طلائی اور دس بہت ہی شاندار رہوں۔

(۳۶) خطاب و القاب

بادشاہوں نے ہمیشہ کثرت سے القاب کے دینے میں بخل کیا ہی۔ کیونکہ جو چیز بافراط ہوتی ہی اُس کی قدر و قیمت گھٹجاتی ہی ہر شخص کے درجے و مرتبے کا خیال رکھنا اور اُسکو اسی حیثیت کا خطاب دینا معمولی بات نہیں ہی بلکہ یہ ناموس سلطنت میں داخل ہی۔ کیونکہ اگر گنوار اور شہری کو ایک ہی لقب سے یاد کریں یا جاہل اور عالم دونوں ایک ہی خطاب سے پکارے جائیں تو پھر اُنکے درجے میں کیا فرق ہوگا۔ اس لیئے بادشاہ کے لیئے جائز نہیں ہی کہ عطاے خطاب میں فرق امتیاز باقی نہ رکھے۔ پہلے زمانے میں اُمرا اور ترکوں کا لقب حسام الدین سیف الدولہ وغیرہ ہوا کرتا تھا۔ اور ارکان سلطنت کا عمید الدولہ ظہیر الملک قوام الملک وغیرہ۔ لیکن ہمارے

ﮱ سیاست نامہ صفحہ ۱۳۱ لغایت ۱۳۷ فصل چہلم۔

زمانے میں یہ فرق اُٹھ گیا۔ اور ایک دوسرے کے لقب باہم خلط ملط ہو گئے ہیں۔ ذیل کے واقعہ سے معلوم ہو جائیگا کہ القاب و خطاب کیسی عزت کی چیز ہے۔

دارالسلطنت غزنیں میں جب سلطان محمود تخت نشین ہوا تو امیر المومنین اَلْقَادِرُ بِاللّٰہِ[51] عباسی سے عطائے خطاب کی استدعا کی۔ چنانچہ دربار خلافت سے یمین الدولۃ کا خطاب مرحمت ہوا۔ لیکن جب سُلطان نے ولایت نیمروز، خراسان، ہندوستان (سومنات) تک مع تمام عراق کے فتح کر لیا۔ اُسوقت دربار کو ایک سفارت مع گراں بہا تحائف کے روانہ کی۔ اور خلیفہ سے خواہش ظاہر کی کہ یمین الدولۃ کے لقب پر کچھ اور اضافہ کیا جائے مگر درخواست نامنظور رہوئی۔ حتّٰی کہ سلطان نے دس مرتبہ اپنا قاصد بھیجا مگر کچھ کامیابی نہوئی اور سُلطان محمود کی بیتابی کا یہ سبب تھا کہ خاقان سمرقند کو خلیفہ نے تین لقب دیئے تھے یعنی ظہیر الدولہ، مُعین خلیفۃ اللہ، مَلِکُ الشرق والصّین اور سلطان کو صرف یمین الدولہ کا تمغہ دیا گیا تھا۔ اسلیئے سلطان نے پھر خلیفہ کو پیغام بھیجا کہ خاقان کو (جس کو مینے تخت پر بٹھایا ہے) حضور سے تین لقب عطا ہوئے ہیں اور مجھ کو صرف ایک حالانکہ مینے بڑا کفر توڑا ہے بلحاظ خدمات لحاظ فرمایا جاے۔ خلیفہ نے جواب میں کہلا بھیجا کہ "لقب حقیقت میں ایک خلعت ہے جس سے مرد کی عزّت و عظمت بڑھ جاتی ہے۔ لیکن چونکہ تم خود ہی شریف اور معزز ہو

---

[51] القادر باللہ ابو العباس احمد بن اسحاق بن مقتدر ۳۸۱ھ/۹۹۱ء میں تخت نشین ہوا۔ اسنے اپنی حکمت عملی سے اُمراء آل بویہ کا زور توڑا اور عنان حکومت اپنے ہات میں لیکر دولت عباسیہ کو زندہ کر دیا۔ بہاء الدولہ بن عضد الدولہ کی بیٹی سے اس خلیفہ نے بعوض ایک لاکھ دینار عقد کیا۔ یہ پہلا موقع تھا کہ دربار خلافت سے محمود کو سلطان اور یمین الدولہ کا خطاب اور خلعت مرحمت ہوا۔ ۴۲۲ھ/۱۰۳۰ء میں یہ خلیفہ فوت ہوا" طبقات ناصری و الفخری۔

لہذا تمہارے واسطے ایک لقب کافی ہے۔ رہا خان سمرقند کا مقابلہ۔ تو وہ ایک نادان ترک ہے اسلیئے مینے اُس کی درخواست کو منظور کر لیا ہے۔ اور تمہاری جو عزت میرے دل میں ہے اُس کا اندازہ میں خود ہی کر سکتا ہوں"۔ لیکن سلطان کی اس جواب سے تشفی نہوئی بلکہ سخت صدمہ ہوا اور محل میں آکر ایک ترکی خواص سے جو اکثر اپنی خوش بیانی سے سلطان کو خوش رکھا کرتی تھی شکایتاً کہا کہ "مینے اس امر میں کہ خلیفہ میرے لقب پر کچھ اضافہ کرے بہت کوشش کی مگر کامیابی نہوئی اور خاقان سمرقند جو در اصل میری رعیت ہے۔ وہ کئی لقب سے ممتاز ہے۔ اسلیئے چاہتا ہوں کہ خاقان کے گھر سے وہ تمام سندیں جو امیر المومنین نے وقت عطائے لقب مرحمت فرمائی ہیں۔ کوئی چُرا لاے۔ اسکا صلہ میں خاطر خواہ دونگا"۔ چنانچہ اس خواص نے اقرار کیا کہ میں اس کام کو پورا کر دونگی۔ سلطان نے خوش ہوکر سامان سفر درست کر دیا اور یہ خواص روانہ ہوگئی اور واپسی کے بعد سلطان سے اپنا سفرنامہ اس طرح سے بیان کرنا شروع کیا کہ "میں حضور سے رخصت ہوکر غزنین سے کاشغر گئی اور وہاں سے چین و خطا کے ریشمی کپڑے وغیرہ خرید کرکے مع چند کنیز اور ترکی غلاموں کے ایک قافلے کے ہمراہ سمرقند روانہ ہوئی۔ اور منزل مقصود پہنچکر تین روز کے بعد خاتون (بیگم خاقان سمرقند) کی خدمت میں سلام کے لیے حاضر ہوئی اور حضور میں پہنچکر ایک خوبصورت کنیز پیش کی اور بولی کہ میں ایک سوداگر کی بی بی ہوں وہ مجھ کو اپنے ساتھ سفر میں رکھتا تھا۔ شہر خطا جانیکا قصد تھا۔ مگر ختن پہنچکر اُسنے عالم آخرت کا سفر اختیار کیا تب میں ختن سے کاشغر چلی گئی خان موصوف کو مینے نذر دی اور عرض کیا کہ میرا شوہر خاقان سمرقند کا غلام تھا۔ اور میں اُس کی کنیز چنانچہ یہ لڑکا اُس مرحوم کا یادگار ہے اور جسقدر سرمایہ باقی ہے وہ بھی

خاقان کا عطیہ ہے۔ ذرّہ نوازی ہوگی اگر چند نیک آدمیوں کے ہمراہ مجھ بیوہ اور اس یتیم بچے کو حضور یوزکند اور سمرقند تک پہنچا دیں میں تمام عمر آپ کی دعاگو رہونگی۔ چنانچہ خان کا شغر نے ایک رہبر ساتھ کر دیا۔ اور حاکم یوزکند کو حکم دیا کہ وہ مجھے اچھی طرح سے سمرقند پہنچا دے چنانچہ حضور کے صدقے میں خدا خدا کر کے یہاں تک پہنچ گئی ہوں۔ اب میری یہ آرزو ہے کہ سرکار مجھ پر شفقت کا ہات رکھیں اور اپنی لونڈی سمجھکر حضور میں پڑا رہنے دیں۔ اور میرے شوہر کی بھی یہی آرزو تھی کہ سمرقند پہنچکر تمام عمر یہاں سے قدم نہ نکالونگا۔ اور میرے پاس جو سرمایہ ہے اسکو بیچکر کوئی جائداد خرید لوں گی جو میرے اور اس یتیم بچے کے واسطے کافی ہوگی" خاتون نے کہا کہ "بی بی اطمینان سے رہو جو کچھ مجھ سے ہوسکیگا تمھارے لیئے اٹھا نہ رکھوں گی۔ مکان اور کھانے کپڑے کا صرفہ میرے ذمّے ہے۔ تم شوق سے میرے پاس رہا کرو۔ اور میں خاقان سے بھی تمھاری سفارش کرونگی" چنانچہ پہلے دن بیگم سے بات چیت کر کے چلی آئی اور دوسرے دن پھر حاضر خدمت ہوئی۔ بیگم کے ذریعے سے خاقان کا بھی سلام میسر ہوا۔ مینے اول ایک ترکی غلام اور ایک خوبصورت گھوڑا انذر کیا۔ اسکے بعد اپنا مختصر حال خاقان سے کہا پھر آہستہ آہستہ تحفے تحائف اور لطائف و ظرائف سے مینے دونوں کو اپنا کر لیا۔ اور خاقان سے باوجود اُسکے اصرار و تاکید کے کچھ نہیں لیا جب چھ مہینے گزر گئے تو ایک دن مینے خاقان اور اُس کی بیگم کے سامنے بعد تمہید دعا و ثنا کے عرض کیا کہ ایک حاجت رکھتی ہوں اگر قبول ہو تو عرض کروں۔ دونوں نے کہا "یہ تو ہماری عین خوشی ہے" مینے کہا کہ میری بڑی پونجی صرف میرا ایک بیٹا ہے۔ مینے اسکو علم القرآن اور علم ادب کی تعلیم دی ہے۔ باقبال خداوند یقین ہے کہ وہ صالح ہوگا

اور یہ مسلمات میں سے ہی کہ خدا اور رسول کے احکام کے بعد امیر المومنین کے فرمان کا درجہ ہی اور دربار خلافت کا کاتب نہایت نامور ادیب ہی اگر مرضی مبارک ہو تو دو تین روز کے واسطے وہ فرامین مرحمت ہوں تاکہ کسی ادیب سے حضور کا غلام اسکو پڑھ لے" میری استدعا سنکر دونوں نے کہا کہ یہ تو محض معمولی بات ہی۔ تمکو کوئی شہر اور جاگیر طلب کرنا چاہیے تھا۔ اور فرامین تو ماں دولت کے یہاں پچاس ہونگے چاہو تو سب لیلو میںنے کہا نہیں صرف ایک کافی ہی۔ چنانچہ حسب الحکم خزانے سے وہ دستاویز برآمد ہو کر میرے حوالے کر دی گئی۔ جب میں حصول مدعا میں کامیاب ہوئی تو میںنے سفر کا سامان کیا اور اُنٹوں پر اسباب لاد کر اہل محلہ سے ظاہر کیا کہ ایک ہفتہ کے واسطے پرگنہ میں دیہات خریدنے جاتی ہوں۔ چنانچہ کڑی منزلیں طے کرتی ہوئی ایک ہفتہ میں غزنین پہنچی اور اب سلطان کی خدمت میں وہ فرمان پیش کرتی ہوں سلطان محمود نے اس فرمان کو ایک عالم کے ہات خلیفہ قادر باللہ کے حضور میں بھیجدیا۔ اور عریضے میں لکھا کہ میرا ایک نوکر سمرقند گیا تھا وہاں کے کسی مکتب میں ایک لڑکا یہ پڑھ رہا تھا اُسنے لڑکے سے چھین کر میرے سامنے پیش کیا ہی۔ حقیقت یہ ہی کہ نامہ و فرمان ایسے شخص کے پاس بھیجنا چاہیئے جو اُسکو عزیز سمجھے اور اپنے سر کا تاج بنائے۔"

خلیفہ قادر باللہ کو جب یہ حال معلوم ہوا تو اُسنے خاقان کو نہایت غصے سے لکھا اور سلطان محمود کا سفیر چھ مہینے تک بغداد میں پڑا رہا۔ اسکو اور کوئی جواب نہیں دیا گیا۔ تب سفیر نے جو کہ خود بھی بڑا عالم تھا قاضی القضاۃ سے یہ مسئلہ پوچھا کہ "ایک مسلمان بادشاہ جسنے محض دین کے واسطے کفار پر جہاد کیا ہو اور جسنے دار الکفر کو دار الاسلام بنایا ہو۔ اور وہ خلیفہ سے ملنا چاہے

لیکن بُعد مسافت مانع ہو تو اس صورت میں وہ کسی عباسی کو تخت پر بٹھا کر بطور خلیفہ کے اُسکی پیروی کر سکتا ہی یا نہیں۔ قاضی القضاۃ نے لکھدیا کہ ہاں وہ ایسا کر سکتا ہی"

اب اس سفیر نے اپنی عرضداشت کے ہمراہ فتوے کو خلیفہ کے حضور میں پیش کیا اور لکھا کہ "میں عرصے سے در دولت پر پڑا ہوں سلطان محمود نے لاکھوں ہی منت سماجت سے اضافۂ لقب کی درخوہست کی۔ مگر افسوس ہی کہ وہ نامنظور ہوئی۔ اگر سلطان قاضی القضاۃ کے فتوے پر (جو شرع کا حاکم ہی) عملدرآمد کرے تو امیر المومنین کے نزدیک وہ معذور سمجھا جائیگا یا نہیں؟

خلیفہ نے عرضداشت پڑھنے کے ساتھ ہی حاجب کو حکم دیا کہ سفیر کو پیش کرو اور اُسے مطمئن کردو کہ وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہوگا۔ اور محمود کو خطاب ملیگا۔"

غرضکہ محمود جیسے شخص کو باوجود خدمت ہائے پسندیدہ اَمِیْنُ الْمِلَّۃ کا لقب کن مشکلوں سے ملا تھا۔ سلطان جب تک زندہ رہا وہ یَمِیْنُ اللّٰہ وَلَۃ اَمِیْنُ الْمِلَّۃ کے لقب سے مشہور رہا[۵]۔

---

[۵] ایک مورخ نے لکھا ہی کہ سلطان محمود نے خلیفہ قَادِرُبِاللّٰہ سے علاوہ اضافہ القاب کے یہ بھی خواہش کی تھی کہ دار الخلافۃ بغداد کے سکّے اور خطبے میں میرا نام بڑھایا جائے لیکن خلیفہ نے یہ درخوہست نامنظور کی تب محمود نے غصّہ ہو کر لکھا کہ میری درخواست منظور کیجائے ورنہ بغداد کی اینٹ سے اینٹ بجادونگا اور عمارت کا ملبہ ہاتھیوں کی پیٹ پر لاد کر غزنیں لاؤنگا۔ چنانچہ خلیفہ نے بجواب اسکے ایک خط سربمہر بند کر کے محمود کے پاس بھیجدیا جب خط کھولا تو اسمیں بِسْمِ اللّٰہِ کے بعد اوّل الف ممدودہ (آ) اور وسط میں لام (ل) اور آخر میں میم (م) لکھا ہوا تھا۔ اور خاتمے پر تحریر تھا وَالصَّلٰوۃُ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ۔ یہ تحریر دیکھکر محمود اور اُسکے ارکان حیرت زدہ رہ گئے۔ لیکن اتفاق سے اسوقت ابوبکر قہستانی دربار میں تشریف لائے اور اُنھوں نے محمود سے خط کا مضمون پوچھا جسکے جواب میں تحریر آئی ہی تو علاّمۂ قہستانی نے بیان کیا کہ اس خط میں سورۂ اَلَمْ تَرَکَیْفَ۔ الخ پر اشارہ ہی۔ یہ برجستہ جواب محمود کی سمجھ میں آگیا اور اُسکے دل پر خوف چھا گیا اور اپنی تحریر پر نادم ہو کر خلیفہ سے بادب پیش آیا (آثار الاول حسن بن عبداللہ صفحہ ۸۱) اس قسم کی تحریر کا نام "رمز" ہی۔ اور خود سلاطین اسلام اور اُنکے کاتب رازداری کے مواقع پر ایسی تحریریں لکھا کرتے تھے جنکے نظائر تاریخوں میں موجود ہیں۔

آل سامان جنھوں نے عرصے تک سلطنت کی ہے۔ ان میں سے ہر ایک کا صرف ایک لقب تھا مثلاً امیر نوح کا شہنشاہ، اور اُسکے باپ کا امیر سدید، اور اُسکے دادا کا امیر حمید، اور سمٰعیل بن احمد کا امیر عادل۔

قضاۃ اور ائمہ کے لقب اس طرح ہوا کرتے تھے۔ جیسے مجدُ الدِّین، شرفُ الاِسلام، سَیفُ السُّنَّۃ، زَینُ الشَّرِیعَۃ، فخرُ العُلَماء وغیرہ چونکہ شریعت کا تعلق خاص علما سے ہے لہٰذا اُن کو ایسے لقب دیے جاتے تھے۔ اور اگر کوئی جاہل خود ہی صاحب لقب بنجائے تو اُسکو سلطنت کیطرف سے سزا دیجائے سپہ سالاران فوج اور عمّال کو دولہ کا خطاب دینا چاہیئے۔ مثلاً سیف الدولہ، حسام الدولہ، ظہیر الدولہ اور وزیروں کو شرف الملک، عمید الملک، نظام الملک، کمال الملک وغیرہ۔

سلطان الپ ارسلان کے عہد حکومت تک خطابات باقاعدہ تقسیم ہوا کرتے تھے۔ لیکن اس عہد کے بعد پھر امتیاز اُٹھ گیا۔ اور خطاب گڈمڈ ہوگئے۔ اور اسی کثرت کی وجہ سے کوئی خطاب کا طالب نہیں رہا۔ حکمرانان عراق (قونیہ) کا لقب عضد ولۃ اور رکن الدولۃ تھا۔ اور انکے وزیر استاد جلیل اور استاد خطیر کے لقب سے سرفراز تھے۔

طبقہ وزرا میں سب سے زیادہ فاضل اور بزرگ صاحب بن عباد تھا۔ اسکا لقب صاحِب کافِی الکُفَاۃ تھا سلطان محمود کے وزیر کا لقب شمس الکفاۃ تھا۔

بادشاہوں کے القاب میں دنیا اور دین کا لقب زمانہ سابق میں نہ تھا لیکن سب سے پہلے خلیفہ اَلمُقتَدِی بِاَمرِ اللہ[۱] نے سلطان ملک شاہ کو مُعِزُّ الدُّنیَا وَالدِّین کا لقب عطا فرمایا لیکن سلطان

---

[۱] المقتدی بامر اللہ ابو القاسم عبد اللہ ۴۶۷ھ / ۱۰۷۴ء میں اپنے باپ القائم بامر اللہ کے انتقال پر تخت نشین ہوا۔ اس خلیفہ کے

کے انتقال کے بعد یہ لقب موروثی تمغہ ہوگیا۔ کیونکہ سلطان برکیارق رُکنُ الدُّنیا وَالدِّین او محمود غِیَاثُ الدُّنیا وَالدِّین کے لقب سے پکارا جاتا تھا۔ علی ہذا القیاس نَاصِرُ الدُّنیا وَالدِّین اور مُحْیُ الدُّنیا وَالدِّین بھی القاب تھے۔ اور بیگمات کو بھی لقب الدُّنیا وَالدِّین دیا جاتا تھا۔ مگر حقیقت حال یہ ہو کہ یہ القاب و خطاب بادشاہوں کو سزاوار ہیں کیونکہ دین و دنیا کی مصلحت انھیں کی ذات سے وابستہ ہیں۔ مجھے نہایت تعجب ہوتا ہو جب میں ایک معمولی غلام کا لقب معین الدین و تاج الدین سُنتا ہوں۔ حالانکہ مذہب کو ان حضرات سے نہایت نقصان پہنچتے ہیں اور اُنسے زیادہ بدمذہب کوئی دوسرا نہیں ہو۔

ماحصل اس بیان کا یہ ہو کہ صرف چار گروہوں کو لقب دین و اسلام کے سزاوار ہیں۔ (۱) بادشاہ۔ (۲) وزیر۔ (۳) عالم۔ (۴) امیر" اور امیر بھی عام طور سے نہیں بلکہ وہ جو جہادی لڑائیوں میں مشغول رہتا ہو۔ اور اُنکے علاوہ جو کوئی دین و اسلام اپنے لقب میں اضافہ کرے اُسکو سزا دیجائے تاکہ دوسروں کو عبرت ہو۔ اور عطاے خطاب سے صرف یہی غرض ہو کہ وہ شخص عوام سے ممتاز سمجھا جائے۔ مثلاً ایک مجلس میں دس آدمیوں کا نام محمد ہو اب اگر ہم اُن میں سے صرف ایک کو پکاریں تو سب کے سب پکار اُٹھینگے کہ لبیک گو خطاب ایک ہوگا مگر ہر شخص سمجھیگا کہ مجھ کو بلاتے ہیں۔ اور جب اُن میں سے ایک کا موفق۔

بقیہ نوٹ صفحہ ۳۱۷۔ وقت میں دولت بنی بویہ کا تو خاتمہ ہوچکا تھا۔ مگر آل سلجوق اب بجاے اُنکے حکومت کرتے تھے خلفاء عباسیہ میں المقتدی ایک عالی ہمت اور دانشمند شخص تھا۔ مذہبی احکام کی اشاعت پر خاص توجہ تھی ۴۸۷ھ ۱۰۹۴ع میں یکایک انتقال کیا۔ سلطان ملک شاہ اور المقتدی کے تعلقات کو ہم نے کسیقدر حصہ اول کے صفحہ ۱۷۴ و ۱۷۵ و ۱۷۶ میں لکھدیا ہو۔ لہذا اس موقع پر تشریح کی ضرورت نہیں ہو۔

دوسرے کا کامل تیسرے کا سدید۔ چوتھے کا رشید لقب ہوگا تو آواز دینے پر صرف وہی ایک شخص بولیگا۔ اور لقب ہی ایک ایسی چیز ہے کہ جس سے ہر ایک درجے و مرتبے میں بلحاظ خرد و بزرگ تمیز ہوتی ہی۔ شاہان بیدار و عادل کو چاہیئے کہ آئین قدیم پر بھی نظر ڈالتے رہیں اور کوئی کام بغیر خوض و فکر نہ کریں۔

۵۱ جو شکایت پانچویں صدی ہجری میں خواجہ نظام الملک نے اپنی سلطنت سے کی ہی بجنسہ وہی شکایت آج بھی موجود ہی کیونکہ شاہی تقریبات پر جب خطاب پانیوالوں کی فہرست چھپتی ہی تو اُس میں عجیب قسم کا ذوق نظر آتا ہی۔ اور کوئی خاص اُصول خطاب ملنے کا سمجھ میں نہیں آتا ہی۔ کیونکہ عام نگاہوں میں جو شخص ہمہ وجوہ خطاب کا مستحق ہوتا ہی وہ گورنمنٹ کی عزت افزائی سے محروم رہ جاتا ہی اور ایسے شخص کو خطاب ملجاتا ہی جس کی نسبت وہم و گمان بھی نہیں ہوتا ہی۔ ہاں یہ اور بات ہی کہ سلطنت نے عطاے خطاب کیواسطے کسی خاص سفارش پر لحاظ فرمایا ہو جسکی عوام کو خبر نہو۔ دوسری غلطی یہ ہوتی ہی کہ جو جس خطاب کا مستحق ہی اُسکو وہ خطاب نہیں ملتا ہی بلکہ دوسرا خطاب دیاجاتا ہی جسکو پانے والا بھی پسند نہیں کرتا ہی۔ مثلاً علما کو بجاے شمس العلما کے خان بہادر کا خطاب ملتا ہی اور جو خان بہادری کے مستحق ہیں وہ شمس العلما ہو جاتے ہیں۔ تمام ہندوستان اور عموماً ہر طبقے میں اسوقت ایسے باکمال اور خیر خواہ سلطنت موجود ہیں جو قدر دانی کے مستحق ہیں مگر وہ حکام ماتحت کے غلط انتخاب کی وجہ سے ہمیشہ محروم رہجاتے ہیں۔

ایسی ہی شکایت ہم کو اپنے علما سے بھی ہی کہ وہ خود اپنے لیے چوڑے القاب تجویز کرلیتے ہیں اور بجاے مختصر ناموں کے اُنھیں طولانی عبارتیں نظر آتی ہیں۔ اور اُنسے زیادہ اُنکے حال پر افسوس ہوتا ہی جنکے ناموں کے قبل علامہ اور ابوالفضل وغیرہ لکھا جاتا ہی۔ کیونکہ یہ القاب نہ سلطنت کی طرف سے عطا ہوئے ہیں نہ ملک کی طرف سے دیئے گئے ہیں بلکہ خود اُنھیں کے دماغ اور قلم کا نتیجہ ہے۔ یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ مسلمانوں نے اپنے عروج کے زمانے میں بھی عطاے القاب میں نہایت ہی بخل سے کام لیا ہی۔ ہمارے زمانے کے فرضی علامہ اور ابوالفضل ، بوعلی سینا سے بڑھ کر نہیں ہیں۔ جسکو باوجود اس فضل و کمال کے صرف ایک مختصر خطاب دیا گیا تھا۔ یعنی "شیخ"، مگر انصاف یہ ہی کہ جو عظمت و جلال "شیخ" کے لفظ سے ہویدا ہی وہ مطلّا و مینا کار تمغوں میں بھی ڈھونڈنے سے نہیں ملسکتی ہی۔

(۳۷) ہر کسی را بہر کاری ساختند

لِکُلِّ عَمَلٍ رِجَالٌ[1]

شاہان بیدار اور وزرائے تجربہ کار نے کسی زمانے میں یہ نہیں کیا ہی کہ ایک شخص کو دو خدمتیں سپرد کی ہوں۔ کیونکہ اس صورت میں دو کاموں میں سے حسن و خوبی کے ساتھ صرف ایک ہی ہوگا اور ایک یا تو کلیۃً خراب ہو جائیگا یا اُس میں کوتاہی ہوگی۔ غرضکہ با اُصول نہ یہ ہو اور نہ وہ۔ اور جب تم خود غور سے دیکھو گے تو اس قسم کے عہدے دار کو ہمیشہ جنجال میں پھنسا ہوا پاؤ گے اور خرابی کام پر تم اُسکا یہ بھی عذر سنو گے کہ میں کیا کیا کروں؟ اور اس کی ٹھیک مثال یہ ہی کہ جس گھر میں دو بی بیاں ہوتی ہیں وہاں اچھی طرح جھاڑو نہیں دیجاتی ہی۔ (خانہ بدو کد بانو نا رفتہ بود) سلطان کی غفلت اور وزیر کی نا قابلیت کی ایک یہ بھی پہچان ہی کہ دفتر وزارت سے ایک عامل کو دو خدمتوں کا پروانہ دیا جاے۔ اس انتظام سے علاوہ دیگر مشکلات کے ایک دقت یہ بھی پیش آتی ہی کہ بہت سے کام والے بیکار بیٹھے رہتے ہیں۔ زمانہ سابق میں ایک خاص اہتمام یہ بھی تھا کہ جو لوگ شریف خاندان، پارسا، اور مذہب میں راسخ الاعتقاد ہوتے تھے انھیں کو خدمتیں دیجاتی تھیں۔ اس معاملے میں میں پھر کہونگا کہ ملک کا سب سے بڑا گروہ دشمن ہی کہ دس آدمی بیکار پڑے رہیں اور اُنکا کام تنہا ایک شخص کرتا ہے سلطنت کے ایسے دشمن کی مثال یہ ہی کہ ایک شخص بادشاہ سے یہ کہتا ہی کہ خداوند نعمت

[1] صفحہ ۱۴۸۔ لغایت ۱۵۲ فصل ۴۴۔

ملک میں ہر طرف امن و امان ہی۔ اسوقت کوئی دشمن مقابلے پر آمادہ نہیں ہی۔ شاہی فوج کی تعداد قریب چار لاکھ کے ہی۔ مگر میرے نزدیک صرف ستر ہزار کافی ہی۔ اگر بقیہ رسالے اور پلٹنیں توڑ دی جائیں تو خزانے میں اسقدر روپیہ کی توفیر ہو جائیگی اور چند سال کے بعد خزانہ پورے طور سے معمور ہو جائیگا۔"

مثال کے طور پر سمجھ لو کہ ہمارے خداوند نعمت کے قبضۂ حکومت میں آج ملک خراسان، ماوراءالنہر کاشغر، بلاساغون، خوارزم، نیمروز، عراق، فارس، شام، آذربائیجان، ارمن، انطاکیہ اور بیت المقدس ہی۔ اور فوج کی تعداد صرف چار لاکھ ہی۔ اگر بجائے چار لاکھ کے سات لاکھ سوار ہوتے تو سندھ، ہند، ترکستان، چین، ماچین، حبش، بربر اور اقصائے مغرب پر ہمارا قبضہ ہوتا۔ اب ہم اگر ان میں سے بھی تین لاکھ تیس ہزار سواروں کے نام کاٹ دیں تو بتائیے کہ آخر یہ لوگ کہاں جائینگے ضرور ہی کہ دوسری سلطنت میں رجوع کرینگے۔ یا کسی کو اپنا افسر بنا کر سارے ملک میں تاخت و تاراج شروع کرینگے اور اُن کی ذات سے اسقدر شورش پیدا ہو گی کہ بزرگوں کے جمع کیے ہوئے خزانے بھی خالی ہو جائینگے۔ جیسا کہ فخر الدولہ کے عہد میں ہوا تھا۔

حقیقت یہ ہی کہ سلطنت کا قیام فوج سے ہی اور فوج روپیہ کے بل پر رکھی جاتی ہی۔ اب جو شخص اسکے خلاف ہو گا وہ ملک کا دشمن ہی۔

جس طرح فوج کی نگہداشت ضروری ہی اسی طرح اُن عمّال کی بھی جو اپنے فرائض سے سبکدوش کر دیے گئے ہیں۔ بڑے عہدہ داروں سے جب اُن کی خدمتیں لے لیجائیں تو اُن کی خورد و نوش کا بھی خیال رکھنا چاہیئے۔ کیونکہ اُنکے حقوق کو نظر انداز کرنا مصلحت ملکی اور اخلاق و مروت کے بھی خلاف ہے،

تیسرا گروہ علما و فضلا کا ہے۔ یہ بھی بیت المال سے وظیفہ پانے کے مستحق ہیں۔ میں اُس وزیر کو اچھا نہیں سمجھتا ہوں جو اس گروہ کے حالات سے بادشاہ کو مطلع نہ کرتا ہے۔ کیونکہ جب انکا وظیفہ بند ہوجائیگا تو پھر سلطنت کے خیرخواہ نہ رہینگے اور (ارباب عدالت پر علاوہ طعنہ زنی کے) ملک کے بیرونی دشمنوں سے سازش کرجاینگے۔ بزرگوں کا قول ہے کہ "لِکُلِّ عَمَلٍ رِجَالٌ" اسکا مطلب یہ ہے کہ سلطنت میں ادنیٰ، اوسط، اعلےٰ، درجے کے کام ہوتے ہیں اسلئے ہر عامل اور حکمراں کو بلحاظ اُسکے علم و فضل و شائستگی کے عہدہ دینا چاہیئے۔ اگر کوئی عہدہ دار ایک کام کے ہوتے ہوئے دوسری خدمت کی درخواست کرے تو وہ ہرگز منظور نہ کیجائے۔

اس انتظام سے یہ فائدہ ہوتا ہے کہ لائق اشخاص برسر کار ہوجاتے ہیں اور ملک کی سرسبزی میں ترقی ہوجاتی ہے۔

وزیر جو تمام عمال اور والیان ملک کا افسر اعلےٰ ہے۔ اسکے لیے بھی یہ شرط ہے کہ مرتشی اور خائن نہو کیونکہ افسر کا اثر ماتحتوں پر پڑتا ہے جو وزیر نیک نام اور نیک سیرت ہوتے ہیں۔ وہ بادشاہ کو اپنا جیسا کرلیتے ہیں، اور جن بادشاہوں کا آج ذکر خیر کیا جاتا ہے درصل وہی ہیں جنکے وزیر نیک تھے مثلاً۔

	نام بادشاہ		نام وزیر
۱	حضرت سلیمان علیہ السلام	۱	آصف بن برخیا
۲	حضرت موسیٰ علیہ السلام	۲	ہٰرون علیہ السلام
۳	حضرت عیسیٰ علیہ السلام	۳	شمعون

نام بادشاہ	نام وزیر
۴ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	۴ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ
۵ کیخسرو	۵ گودرز
۶ منوچہر	۶ سام
۷ افراسیاب	۷ پیران پسرویسہ
۸ گشتاسپ	۸ جاماسپ
۹ بہرام گور	۹ خوردہ روز
۱۰ نوشیرواں	۱۰ بزرجمہر
۱۱ ہرون الرشید	۱۱ برامکہ (یحیٰ، فضل، جعفر)
۱۲ سلطان محمود	۱۲ شمس الکفاۃ احمد حسن میمندی
۱۳ فخرالدولہ دیلمی	۱۳ اسمٰعیل عباد (ملقب بہ صاحب)
۱۴ سلطان طغرل سلجوقی	۱۴ ابونصر کُندری

یہ چند نام مینے بطور مثال کے لکھدیئے ہیں۔ حالانکہ اس قسم کی طولانی فہرست طیار ہوسکتی ہے۔

سلہ وزراءِ اسلام وغیرہ کی یہ ایک مختصر فہرست ہی۔ اگر ملک کے نامور مصنف ان میں سے ایک ایک وزیر کی سوانح عمری لکھنا شروع کریں تو نہایت بیش قیمت تاریخی ذخیرہ جمع ہو جائے۔ خواجہ نظام الملک بھی اسی فہرست میں داخل ہی اور برامکہ کی مکمل سوانح عمری اسکے قبل شایع ہو چکی ہی۔

اس دفعہ میں جو بحث خواجہ نظام الملک نے کی ہی وہ زمانہ حال میں بھی مباحثہ طلب ہی اور ہندوستان کی مشہور و معروف انجمن "نیشنل کانگریس" کا بھی یہی دعویٰ ہی کہ جو حکّام دو قسم کے اختیارات رکھتے ہیں انکا جُداگانہ بندوبست کیا جائے۔"

وزیر کے واسطے یہ بھی شرط ہے کہ وہ مذہب کا پکا، عقائد کا مستحکم، اور بادشاہ کا جان نثار ہو، اور اگر وزیر خاندان وزارت سے ہو تو سبحان اللہ!

چنانچہ اردشیر بابکان کے زمانہ سے یزدجرد اخیر شہنشاہ عجم تک یہی سلسلہ جاری رہا جس طرح بادشاہ ابن بادشاہ ہوتا تھا۔ اسی طرح سے وزیر ابن وزیر ہوا کرتا تھا۔ لیکن زوال سلطنت کے ساتھ ہی وزراء عجم کے خاندان سے وزارت بھی جاتی رہی۔

خلاصہ یہ ہے کہ جو کام جسکے سپرد کیا جاوے وہ اُسکا اہل ہو۔ اور دو خدمتیں ایک شخص کو نہ دیجائیں بادشاہ ہمیشہ رعایا کے حالات کی تفتیش کرتا رہے اور لڑکوں کو کبھی اعلےٰ درجہ ندیوے اور بوڑہے اور عقیل لوگوں سے صلاح اور مشورہ کرتا رہے اور عدل و سیاست کی ترازو سے تمام کاموں کو تولتا رہے۔

(۳۸) بیگمات شاہی کے اختیارات

بادشاہ کو چاہیئے کہ وہ اپنے زیر دستوں کو حاوی نہونے دے کیونکہ اس سے بڑی خرابیاں پیدا ہوجاتی ہیں۔ اور بادشاہ کی عزت و منزلت گھٹجاتی ہے خصوصاً بیگمات کہ یہ پردہ نشینوں کا گروہ ہے اور ان میں اعلےٰ درجے کی عقل نہیں ہوتی ہے اور یہ سیپیاں صرف موتیوں کے گون کی ہیں۔ (گوہر نسل مقصود ہے) چنانچہ مشہور قول ہے۔ کہ ہرچہ اصیل تر شائستہ تر، ہرچہ مستور تر ستودہ تر۔ بیگمات شاہی جو حکم دیتی ہیں یہ ہمیشہ وہی ہوتے ہیں جو اہل غرض اُنکو سمجھا دیتے ہیں۔ کیونکہ مردوں کی طرح عورتوں کو برائے العین دیکھنے کا موقع نہیں ملتا ہے بلکہ اُن کی پیش خدمتیں،

سلے دفعہ ۴۲ ۔صفحہ ۱۵۶ -

کان بھرتی رہتی ہیں۔ اسلیئے عورتوں کے احکام اکثر راستی کے خلاف ہوتے ہیں، جنسے فتنے اُٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔

زمانۂ سابق میں بھی جب عورتوں کا سلطنت پر غلبہ ہوا ہی تو ایسے شور و شر پیدا ہوئے ہیں جسکی نظیر سودابہ[1] اور کیکاؤس کا معاملہ ہی۔

بادشاہوں کا ہمیشہ یہ اُصول رہا ہی کہ وہ کبھی عورتوں کے فرمانبردار نہیں ہوئے ہیں اور کبھی اُنکے راز عورتوں کے کانوں تک پہنچے ہیں۔

سکندر[2] اعظم نے جب دارائے[3] عجم پر فتح پائی اور دارا کو اُسکے ایک نمکحرام خدمتگار نے قتل کر ڈالا

---

[1] شاہ ہاماوران کی بیٹی اور کیکاؤس کی بی بی کا نام ہی۔ یہ اپنے سوتیلے بیٹے سیاؤش پر فریفتہ ہوگئی تھی۔ پورا قصہ شاہنامۂ فردوسی میں درج ہی۔ [2] دنیا کے مشہور ترین بادشاہوں میں سے ایک سکندر اعظم بھی ہی یہ نامور اور بلند اقبال فاتح صوبۂ مقدونیہ (یونان کے شمال میں ہی) کے شہر پلا میں ۳۵۵ برس قبل مسیح علیہ السلام پیدا ہوا۔ اسکا باپ فیلقوس مقدونیہ کا بادشاہ تھا۔ اور اُس کی ماں کا نام المپیاس تھا۔ سکندر بچپن ہی سے ہونہار معلوم ہوتا تھا۔ اور اسکی تعلیم و تربیت شاہانہ طریقے سے کی گئی تھی۔ سکندر کی پہلی معلمہ اسکی دایہ (لے نیکا) تھی اسکے بعد لیونڈس، سیمالوس، اتالیق مقرر ہوئے۔ اور تکمیل ارسطو کی تعلیم سے ہوئی جس میں بڑا حصہ فلسفہ اور ریاضی کا تھا۔ سکندر کی سوانح عمری میں سب سے تعجب انگیز یہ امر ہی کہ اُسنے بیس[20] سال کی عمر میں سلطنت شروع کی اور بتیس[32] سال کی عمر میں فوت ہوگیا اور صرف ۱۲ بارہ سال میں دنیا کا اسقدر حصہ فتح کر لیا جو آج ایک صدی میں بھی دشوار ہی۔ سکندر کی فتوحات میں سب سے عظیم الشان دارا کا مقابلہ ہی جس میں گیارہ لاکھ پیدل اور دس ہزار ایرانی سوار تھے اور سکندر کی کُل فوج پچاس ہزار تھی مگر دارائے عجم کو بمقام اربیلا (اردبیل) ۳۳۳ قبل مسیح میں شکست ہوئی۔ اس فتح سے کل مغربی ایشیا پر سکندر کا قبضہ ہوگیا۔ اسکے بعد سکندر نے اُس علاقے پر قبضہ کر لیا جو دریائے ڈینوب اور دریائے اندس کے درمیان واقع ہی اور آخر میں فتوحات کا سیلاب بیاس اور ستلج کے سنگم تک پہنچا۔ اسوقت سکندر کی عمر ۲۶ برس کی تھی۔ فتوحات سے سکندر کا غرور بڑھتا جاتا تھا۔ اور مزاج سے سپاہیانہ پن، سادگی، اعتدال، انصاف پسندی، رخصت ہوتی جاتی تھی (بقیہ بر صفحہ آیندہ)

[3] شاہان عجم کے سلسلۂ کیان میں دارا نواں[9] تاجدار ہی۔ یہ داراب کا بیٹا تھا۔ دنیا کی عظیم الشان سلطنت پر حکمرانی کرتا تھا۔ چودہ[14] برس حکومت کر کے دنیا سے سدھارا۔

تو مصاحبوں نے سکندر سے کہا کہ دارا کا محل پریوں کا مسکن ہی اور اُس کی بیٹی[۱] تو اس بلا کی خوبصورت ہی کہ جس کی نظیر دنیا میں نہیں ہی۔ سکندر نے جوابدیا۔ کہ میں نے اُنکے مردوں پر فتح پائی ہی ایسا نہو کہ اُنکی عورتیں مجھے شکست دیں۔ چنانچہ محض اسی خیال سے سکندر نے دارا کے حرم سرا کی سیر نہیں کی علیٰ ہذالقیاس زمانہ بنی اسرائیل[۲] میں یوسف و کرسف اور عجم میں شیریں خسرو اور فرہاد کا قصہ مشہور ہے بزرجمہر سے لوگوں نے پوچھا کہ آل ساسان میں تجھ ایسا مدبّر اور فرزانہ وزیر موجود تھا تو پھر اُن کی بربادی کا باعث کیا ہوا؟ حکیم نے جواب دیا کہ اس زوال کے دو سبب تھے ایک یہ کہ آل ساسان نے بڑے کام چھوٹوں کے سپرد کر رکھے تھے دوسرے یہ کہ ارباب دانش کا کوئی خریدار نہ تھا اور سلطنت کے کام[۳] عورتوں اور لڑکوں پر چھوڑ دیے گئے تھے۔ اور جب اُمور سلطنت اس

بقیہ نوٹ صفحہ ۳۲۵۔ لباس و پوشاک، طرز معاشرت، اور عیش و عشرت میں سکندر ایرانیوں کا مقلد ہوگیا تھا۔ اور قومی شعار آہستہ آہستہ رخصت ہورہے تھے۔ سکندر کی سوانح عمری سے انسان کو نہایت مفید سبق حاصل ہو سکتے ہیں۔ سکندر نے یونانی تہذیب اور زبان کو فتوحات کے ساتھ ساتھ ترقی دی۔ علم جغرافیہ اور خواص الاشیا کے عجیب و غریب نکات قدیم دنیا کو صرف سکندر کے ذریعہ سے معلوم ہوے ہیں۔ اسنے کم از کم ستّر شہر آباد کیئے اور ایسے موقع پر جسکے ذریعے سے تجارت اور شائستگی میں ازحد ترقی ہوئی۔

[۱] دارا کی بیٹی کا نام روشنک تھا۔ اور حقیقت میں یہ حسن و جمال کی دیوی تھی۔ اگرچہ لڑائی کے موقع پر سکندر نے دارا کے محلسرا کو نہیں دیکھا لیکن بعد میں دارا کی وصیت کے مطابق روشنک کو بی بی بنایا۔

[۲] یوسف و کرسف کا قصہ مثنوی مولانا روم میں مفصل تحریر ہی۔ اور اُردو میں قدر بلگرامی مرحوم کی ایک مثنوی اس پر موجود ہے جو چھپ گئی ہی، شیریں، خسرو، فرہاد، کے حالات بھی مشہور ہیں حاشیہ کی ضرورت نہیں ہی۔

[۳] ہمارے زمانے کے سعدی اور عمر خیام شمس العلما خواجہ الطاف حسین صاحب حالی مدظلہ العالی نے اس مضمون کو ایک رباعی میں نہایت ہی خوبی سے ادا کیا ہی۔ فرماتے ہیں۔

دیکھو جس سلطنت کی حالت برہم　سمجھو کہ وہاں ہی کوئی برکت کا قدم
یا تو کوئی بیگم ہی مشیر دولت　یا ہی کوئی مولوی وزیر اعظم

گروہ کے سپرد ہوں تو جان لو کہ اب سلطنت اس گھر سے رخصت ہوا چاہتی ہے۔
مامون الرشید عباسی کا قول ہے کہ "کوئی بادشاہ ایسا ہونا چاہیئے جو پردہ نشینان حرم کو سلطنت اور فوج اور خزانے کے معاملات میں گفتگو یا مداخلت کرنے کی اجازت دے۔ یا وہ کسی کی حمایت کریں یا ایک کو مقرر اور دوسرے کو برطرف کریں یا کسی کو سزا دیں۔ کیونکہ جب ایسی صورت ہوگی تو مردوں کا اس دربار میں ہجوم ہوگا۔ اسوقت اُس کے دماغ میں طرح طرح کے خیالات پیدا ہونگے۔ اور اسکا اثر سلطنت پر پڑیگا"
کیخسرو کا قول ہے کہ جو بادشاہ یہ چاہتا ہے کہ اس کی سلطنت قائم رہے اور ملک تباہ نہ ہو اُسکو چاہیئے کہ بیگمات کو سر نہ چڑہائے اور سوائے اپنی لونڈی باندیوں کے اُنکو اسقدر موقع ندیا جائے کہ وہ کسی اور معاملے میں گفتگو کریں"
امیر المؤمنین فاروق اعظم فرماتے ہیں کہ "عورتوں کا کلام بھی مثل عورتوں کے پردے میں رہنا چاہیئے یعنی جس طرح علانیہ کوئی اُنکو نہیں دیکھ سکتا ہے۔ اسی طرح کُھلم کُھلا کوئی اُن کی بات بھی نہیں سُن سکتا ہے"۔ یہ چند نظائر اس مضمون میں کافی ہیں۔ زیادہ لکھنے کی حاجت نہیں ہے۔
اب یہ سمجھ لو کہ زبردست اور زیردست کے کیا معنی ہیں۔ خلّاق عالم نے سب سے زبردست بادشاہ کو پیدا کیا ہے اور ساری دنیا اس کے ماتحت (زیردست) اور وظیفہ خوار ہوتی ہے۔ لہذا انکے ساتھ ایسا برتاؤ رکھنا چاہیئے کہ وہ ہمیشہ فرمانبردار رہیں اور حد سے زیادہ نہ بڑھنے پائیں
ایک دن حکیم بزرجمہر[1] نے نوشیروان عادل سے کہا کہ ملک و سلطنت بادشاہ کے لیے ہے۔ لیکن

[1] بزرجمہر (بوزرجمہر، ابوزرجمہر، زرجمہر، بزرگ مہر) نوشیروان عادل کا مشہور وزیر ہے جو عام طور پر حکیم بزرجمہر کے

بادشاہ نے ملک فوج کو دے رکھا ہی۔ حالانکہ یہ حق اہل ملک کا ہی۔ اگر فوج والے رعایا پر مہربان نہوں اور صرف اپنے قدح کی خیر منائیں اور اُنکو ہر قسم کی سیاست کا حکم دیدیا جائے تو پھر بادشاہ اور فوج میں کیا فرق باقی رہیگا۔ احکام سیاست ہمیشہ بادشاہ سے متعلق ہوتے رہے ہیں۔ فوج کو کبھی حد سے زیادہ اختیار نہ دیا جائے۔

بقیہ نوٹ صفحہ ۳۲۷ - نام سے مشہور ہی۔ اسکے باپ کا نام "سوخرا" ہی اور لقب "بختگان" اور اسی مناسبت سے بزرجمہر کو ابن بختگان کہتے ہیں۔ سوخرا کا سلسلۂ نسب طوس بن نوذر تک پہنچتا ہی۔

آثار الوزرا کی روایت ہی کہ دربار نوشیرواں میں بزرجمہر کی رسائی اس تقریب سے ہوئی تھی کہ نوشیرواں نے ایک شب میں تین مرتبہ خواب دیکھا کہ "اسکے سامنے ایک پیالہ شراب کا بھرا ہوا رکھا ہی۔ اور ایک سور (خوک) آکر اُس کو پی جاتا ہی" یہ خواب دیکھکر وہ بدحواس ہوگیا۔ اور موبدوں سے جو ملازم دربار تھے کوئی اس خواب کی صحیح تعبیر نہ بتا سکا۔ تب اطراف ملک سے اور معبر طلب ہوے۔ چنانچہ سرو آزاد نامی ایک موبد بزرجمہر کو مرو سے لایا۔ اور اسنے نوشیرواں کو بتایا کہ حرم سرا میں خواجہ سراؤں کے لباس میں ایک مرد چھپا ہوا ہی اور کوئی بیگم اُس سے ناجائز تعلق رکھتی ہی۔" چنانچہ تحقیقات سے قیصر روم کی بیٹی پر (جو نوشیرواں کی ایک بیگم تھی) یہ جرم ثابت ہوا۔

اس واقعہ کے بعد نوشیرواں نے بزرجمہر کو اپنا مصاحب بنالیا اور پھر آہستہ آہستہ ترقی دیکر درجۂ وزارت تک پہنچایا۔

نوشیرواں کو خوش نصیبی سے جیسے ارکان سلطنت ملگئے تھے اس کی نظیر سے ساسانیوں کا اخیر دور خالی ہی۔ اس نامور اور مدبر وزیر کے مشورے سے نوشیرواں نے بہت سے ایسے کام کیے ہیں جسکے سبب سے نوشیرواں کا نام ہمیشہ زندہ رہیگا۔ چنانچہ مزدک کا قتل اور مذہب مزدکیہ کا استیصال بھی اسی وزیر کے مشورے سے ہوا تھا۔

ہندوستان کے راجہ پرتاب چند نے بزرجمہر کے زمانے میں نوشیرواں کو شطرنج روانہ کی تھی جسکے جواب میں بزرجمہر نے "نرد" ایجاد کرکے بھیجدی تھی۔ اخیر زمانے میں ایک قصور پر نوشیرواں نے بزرجمہر کو پھانسی دیدی۔ اس حکیم کے اقوال کتب تواریخ اور کتب ادب میں بکثرت تحریر ہیں۔ چنانچہ علامہ بہاء الدین عاملی نے اپنی کتاب کشکول اور المخلاط میں بہت سے اقوال نقل کیئے ہیں۔

انتخاب از کتاب آثار الوزرا سیف الدین۔ و ناسخ التواریخ جلد دوم صفحہ ۳۸۷۔

اگر کوئی بادشاہ چاہتا ہی کہ سلاطین سابق پر سبقت لیجائے تو اُسکو اپنے اخلاق درست کرنا چاہیے۔ اور یہ اس طرح پر ممکن ہی کہ کینہ، حسد، کبر، غضب، شہوت، حرص، لجاجت، بخل، ظلم، خود کامی، ناسپاسی، اور دروغگوئی، کو چھوڑ دے۔ اور حیا، حلم، عفو، تواضع، سخاوت، راستی، صبر، شکر، عدل، انصاف، کو اپنا شعار بنائے۔ جو بادشاہ ان صفات سے آراستہ ہوتا ہی اُسکو کبھی مشیر سلطنت کی حاجت نہیں ہوتی ہی۔

(۳۹) خزانہ

بادشاہوں کے ہمیشہ دو خزانے ہوا کرتے تھے۔ ایک خزانہ اصلی یعنی سرمایۂ دوامی اور دوسرا خزانہ خرچ، جس سے روزمرہ صرف ہوتا تھا۔ ملک کا خراج اور تمام آمدنیاں سرمایۂ دوامی میں جمع کیجاتی تھیں اور بغیر خاص مجبوری کے اس خزانے سے نہیں لیا جاتا تھا اور اگر لیا جاتا تھا تو قرض کے طور پر اور جس بادشاہ کو یہ خیال نہو گا اُسکا خزانہ ہمیشہ خالی رہیگا اور مہم کیوقت وقت اُٹھانا پڑیگی۔

خزانے کے معاملے میں یہ بھی احتیاط رکھنا چاہیئے کہ جو محصول وقت پر آنے والے ہوں اُنکو کسی دوسری رقم میں محسوب نہ کیا جائے ورنہ اخراجات میں دشواری پیش آئیگی چنانچہ ایک تاریخی واقعہ بیان کرتا ہوں۔

سلطان محمودؒ نے اپنے حاجب امیر التونتاش کو ولایت خوارزم پر نامزد کیا۔ سالانہ خراج خوارزم کا ساٹھ ہزار دینار تھا اور التونتاش کا سالانہ وظیفہ ایک لاکھ چوبیس ہزار۔ امیر مذکور کو جب ایکسال ہوگیا۔ تو سلطان کی خدمت میں عرضداشت روانہ کی کہ ساٹھ ہزار دینار جو خوارزم کا خراج ہی

وہ میرے وظیفے میں محسوب کر دیا جائے بجائے اسکے کہ خزانے سے یہ قم ادا کی جائے۔"
وزارت پر اسوقت شمس الکفاۃ احمد حسن میمندی تھا۔ اُسنے عرضی کو پڑھ کر یہ جواب لکھا۔
بسم اللہ الرحمن الرحیم! امیر التونتاش کو واضح ہو کہ یہ امر کسی طرح پر بہتر نہیں ہی۔ جسقدر خراج کی ادائی تمہارے ذمے ہی وہ کبھی چھوڑا نہیں جا سکتا ہی۔ لہذا محصول مُلکی خزانے میں داخل کرو اور تمہارے وظیفے کی دہانید ملک سیستان سے کرائی جائیگی تاکہ آقا اور غلام میں فرق باقی رہے۔
مجھے امیر خوارزم کی عقل پر تعجب آتا ہی کہ اسنے ایسی درخواست کرنے کی کیونکر جرأت کی یا تو اُسنے محمود کو بنظر حقارت دیکھا ہی۔ یا احمد حسن کو غافل اور ناتجربہ کار سمجھ رکھا ہی۔ بہرحال اس خیال سے توبہ کرنا چاہیئے۔ غلام کا اپنے آقا سے ساجھا کرنا نہایت خطرناک ہی۔"
چنانچہ احمد حسن نے ایک سپاہی کے ہات یہ خط بھیجدیا اور خوارزم شاہ نے ساٹھ ہزار دینار خزانے میں داخل کیے اور عامل سیستان کو لکھا گیا کہ وہ مازوا اور پوست انار اور روئی خوارزم کو بھیجدے۔[1]

(۴۰) فیصلہ مقدمات

بادشاہ کے دربار میں ہمیشہ فریادی جمع رہا کرتے ہیں، اور جب تک اُن کی دادرسی نہیں ہوتی ہی وہ موجود رہتے ہیں۔ کوئی مسافر یا کسی ملک کا سفیر جب یہ حالت دیکھیگا تو وہ خیال کریگا کہ اس ملک میں یقیناً ظلم وستم ہوا کرتے ہیں۔ اسلیئے ظلم کا دروازہ بند ہونا چاہیئے۔ بعد سماعت

[1] فصل ۴۹۔ صفحہ ۲۰۷۔

واقعہ اور اجرائے احکام فریادی فوراً رخصت کردیئے جائیں۔

مشہور ہی کہ یزدگرد شہنشاہ عجم نے امیر المومنین فاروق اعظم کے دربار میں اپنا سفیر بھیجا۔ اور یہ کہلا بھیجا کہ "ساری دنیا میں میرے دربار سے زیادہ شان وشوکت کسی دربار میں نہیں ہے نہ مجھ سے زیادہ کسی کے پاس لشکر و خزانہ ہی۔ اور جسقدر ساز و سامان ہی وہ بے نظیر ہے"

امیر المومنین نے جواب میں کہلا بھیجا کہ "تیرا یہ کہنا سچ ہی کہ دربار میں لوگوں کی کثرت ہی، مگر وہ ستم رسیدہ فریادی ہیں۔ تیرا خزانہ بھی آباد ہی مگر وہ حرام کا مال ہی۔ فوج کے سپاہی دلیر ضرور ہیں، مگر نافرمان ہیں۔ یاد رکھ جب سلطنت جاتی رہیگی۔ تو کوئی ساز و سامان کام نہ آئیگا۔ جن چیزوں پر تجھے فخر ہی۔ یہ تیری بداقبالی اور زوال کی علامتیں ہیں"

بادشاہ کو چاہیئے کہ خود عادل ہو اور طمع نہ کرے تب دوسروں پر اُسکا اثر پڑیگا۔ جیسا کہ سلطان محمود[1] غزنوی کا واقعہ ہی کہ ایک سوداگر نے سر دربار سلطان محمود سے شہزادہ مسعود کی شکایت کی اور کہا کہ "میں پردیسی سوداگر ہوں۔ اور مدّت سے اس شہر میں پڑا ہوا ہوں، گھر جانا چاہتا ہوں

---

[1] اس نامور سلطان کا پورا نام بصراحت نسب نامہ یہ ہی "یمین الدولہ نظام الدین ابوالقاسم سلطان محمود غازی بن امیر ناصر الدین سبکتگین بن جوق قراالحکم بن قرا ارسلان بن قراملت بن قراالنعمان بن فیروز بن یزدجرد شہریار فارس" یہ بہادر فاتح جمعرات کی شب کو (شب عاشورا) بتاریخ نویں محرم الحرام ۳۶۱ھ (مطابق یکم اکتوبر ۹۷۱ء) پیدا ہوا۔ اور امیر سبکتگین کے سائہ عاطفت میں سن رُشد کو پہنچا۔ اور امیر مذکور کے انتقال پر چھبیس ۲۶ برس کی عمر میں بمقام غزنین ۳۸۷ھ ۹۹۷ء میں تخت نشین ہوا۔ خراسان، بخارا، اور بلخ کی فتوحات کے بعد بروز یکشنبہ بماہ صفر ۳۸۹ھ (مطابق ۲۲ جنوری ۹۹۹ء) سلطان نے امیر الامرائی کے درجے سے (یہ منصب سلاطین سامانیہ کیطرف سے تھا) اپنی خود مختاری کا اعلان کیا۔ اور خطبے سے عبدالملک بن نوح سامانی کا نام خارج کرا کے اپنے نام کا خطبہ پڑھوایا۔ اور اسی سال خلیفہ القادر باللہ عباسی نے

وہ میرے وظیفے میں محسوب کر دیا جائے بجائے اسکے کہ خزانے سے یہ رقم ادا کی جائے"۔

وزارت پر اسوقت شمس الکفاۃ احمد حسن میمندی تھا۔ اُسنے عرضی کو پڑھ کر یہ جواب لکھا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم! امیر التونتاش کو واضح ہو کہ یہ امر کسی طرح پر بہتر نہیں ہے۔ جسقدر خراج کی ادائی تمہارے ذمے ہے وہ کبھی چھوڑا نہیں جا سکتا ہے۔ لہذا محصول مُلکی خزانے میں داخل کرو اور تمہارے وظیفے کی وہا نید ملک سیستان سے کرائی جائیگی تاکہ آقا اور غلام میں فرق باقی رہے۔

مجھے امیر خوارزم کی عقل پر تعجب آتا ہے کہ اسنے ایسی درخواست کرنے کی کیونکر جرأت کی یا تو اُسنے محمود کو بنظر حقارت دیکھا ہے۔ یا احمد حسن کو غافل اور ناتجربہ کار سمجھ رکھا ہے۔ بہر حال اس خیال سے توبہ کرنا چاہیئے۔ غلام کا اپنے آقا سے ساجھا کرنا نہایت خطرناک ہے"۔

چنانچہ احمد حسن نے ایک سپاہی کے ہات یہ خط بھیجدیا اور خوارزم شاہ نے ساٹھ ہزار دینار خزانے میں داخل کیے اور عامل سیستان کو لکھا گیا کہ وہ ماز وا اور پوست انار اور روئی خوارزم کو بھیجدے۔

(۴۰) فیصلہ مقدمات

بادشاہ کے دربار میں ہمیشہ فریادی جمع رہا کرتے ہیں' اور جب تک اُن کی دادرسی نہیں ہوتی ہے وہ موجود رہتے ہیں۔ کوئی مسافر یا کسی ملک کا سفیر جب یہ حالت دیکھیگا تو وہ خیال کریگا کہ اس ملک میں یقیناً ظلم وستم ہوا کرتے ہیں۔ اسلیئے ظلم کا دروازہ بند ہونا چاہیئے۔ بعد سماعت

سلہ فصل ۹۔۴۲۔ صفحہ ۲۰۷۔

واقعہ اور اجرائے احکام فریادی فوراً رخصت کردیئے جائیں۔

مشہور ہی کہ یزدگرد شہنشاہ عجم نے امیر المومنین فاروق اعظم کے دربار میں اپنا سفیر بھیجا۔ اور یہ کہلا بھیجا کہ "ساری دنیا میں میرے دربار سے زیادہ شان و شوکت کسی دربار میں نہیں ہے نہ مجھ سے زیادہ کسی کے پاس لشکر و خزانہ ہی۔ اور جسقدر ساز و سامان ہی وہ بے نظیر ہے"

امیر المومنین نے جواب میں کہلا بھیجا کہ "تیرا یہ کہنا سچ ہی کہ دربار میں لوگوں کی کثرت ہی، مگر وہ ستم رسیدہ فریادی ہیں۔ تیرا خزانہ بھی آبادہی مگر وہ حرام کا مال ہی۔ فوج کے سپاہی دلیر ضرور ہیں، مگر نافرمان ہیں۔ یاد رکھ جب سلطنت جاتی رہیگی۔ تو کوئی ساز و سامان کام نہ آئیگا۔ جن چیزوں پر تجھے فخر ہی۔ یہ تیری بداقبالی اور زوال کی علامتیں ہیں"

بادشاہ کو چاہیئے کہ خود عادل ہو اور طمع نہ کرے تب دوسروں پر اُسکا اثر پڑیگا۔ جیسا کہ سلطان محمود[1] غزنوی کا واقعہ ہی کہ ایک سوداگر نے سر دربار سلطان محمود سے شہزادہ مسعود کی شکایت کی اور کہا کہ "میں پردیسی سوداگر ہوں۔ اور مدت سے اس شہر میں پڑا ہوا ہوں، گھر جانا چاہتا ہوں

[1] اس نامور سلطان کا پورا نام بصراحت نسب نامہ یہ ہی "یمین الدولہ نظام الدین ابو القاسم سلطان محمود غازی بن امیر ناصر الدین سبکتگین بن جوق قرا بحکم بن قرا ارسلان بن قرا ملت بن قرا النعمان بن فیروز بن یزدجرد شہریار فارس" یہ بہادر فاتح جمعرات کی شب کو (شب عاشورا) بتاریخ نویں محرم الحرام ۳۶۱ھ (مطابق یکم اکتوبر ۹۷۱ء) پیدا ہوا۔ اور امیر سبکتگین کے سایۂ عاطفت میں سن رُشد کو پہنچا۔ اور امیر مذکور کے انتقال پر چھبیس ۲۶ برس کی عمر میں بمقام غزنین ۳۸۷ھ ۹۹۷ء میں تخت نشین ہوا۔ خراسان، بخارا، اور بلخ کی فتوحات کے بعد بروز یکشنبہ ماہ صفر ۳۸۹ھ (مطابق ۲۲ جنوری ۹۹۹ء) سلطان نے امیر الامرائی کے درجے سے (یہ منصب سلاطین سامانیہ کیطرف سے تھا) اپنی خود مختاری کا اعلان کیا۔ اور خطبے سے عبدالملک بن نوح سامانی کا نام خارج کرا کے اپنے نام کا خطبہ پڑھوایا۔ اور اسی سال خلیفہ القادر باللہ عباسی نے

لیکن نہیں جا سکتا کیونکہ شہزادے نے ۶۰ ہزار دینار کا مجھ سے سودا خرید اہے اور قیمت نہیں ادا کرتا ہے، میں چاہتا ہوں کہ میرے مقابلے میں شہزادہ مسعود قاضی کے سامنے بھیجا جائے" محمود کو سوداگر کا واقعہ سنکر نہایت رنج ہوا اور مسعود سے کہلا بھیجا کہ "یا تو سوداگر کا تصفیہ کرو،

بقیہ نوٹ صفحہ ۳۳۱۔ سلطان کو یمین الدولہ کا خطاب مرحمت فرمایا جب ملک کے اندرونی انتظامات سے اطمینان ہو گیا تو سلطان نے ہندوستان کا رخ کیا اور متواتر حملے کر کے کامیابیاں حاصل کیں۔ چنانچہ فتوحات ہند میں سب سے مہتم بالشان سومنات کا کارنامہ ہے۔ سلطان اس مہم پر ستمبر ۱۰۲۴ء ۴۱۵ھ میں غزنین سے روانہ ہوا تھا اور اکتوبر ۱۰۲۴ء میں بمقام ملتان پہنچا تھا۔ چنانچہ مسلسل لڑائیوں کے بعد بروز دوشنبہ ماہ شعبان ۴۱۶ھ (مطابق ۲۷ دسمبر ۱۰۲۵ء) سومنات کا مندر فتح ہوا۔ شعرا نے مبارکباد کے قصائد پڑھے۔ عسجدی فروزی کے چند شعر پر ہم یہاں اکتفا کرتے ہیں

تا شاہِ خسرواں سفرِ سومنات کرد | آثارِ غزو را علمِ معجزات کرد
نبرو نامِ کفر بہار از لوحِ دیں | شکرِ دعائے خویشتن از واجبات کرد
شطرنج ملک باخت ملک با ہزار شاہ | ہر شاہ را بلعب دگر شاہ مات کرد
محمود شہریار ملک آنکہ ملک را | بنیاد بر محامد و بر مکرمات کرد
شاہا تو از سکندر بیشی بداں جہت | کو ہر سفر کہ کرد بدیگر جہات کرد
عین الرضائے ایزد جوئے تو در سفر | بازا و سفر بجستن عین الحیات کرد

تو کارہا بہ نیزہ و تیر و کماں کنی
او کارہا بحیلہ و کلک و دوات کرد

سلاطین غزنویہ میں محمود سے زیادہ جاہ و جلال والا کوئی اور بادشاہ نہیں گزرا ہے۔ خراسان، خوارزم، طبرستان، عراق، بلاد نیمروز، فارس، جبال، غور، طخارستان (ہندوستان صوبہ پنجاب) پر اسکی حکومت تھی۔ اور ملوک ترکستان اسکے فرمانبردار تھے۔ دربار میں ہر علم و فن کے اہل کمال موجود تھے۔ ۳۶ برس سلطنت کر کے چہار شنبے کے دن بماہ ربیع الثانی ۴۲۱ھ (مطابق ۸ اپریل ۱۰۳۰ء) میں بمقام غزنین انتقال کیا"

انتخاب از طبقات ناصری صفحہ ۹-۱۱ و مجمع الفصحا صفحہ ۳۴۰، تاریخ الفنسٹن حالات محمود، و التوفیقات الالہامیہ"

یا اُسکے ساتھ کچہری میں قاضی کے سامنے حاضر ہو۔ تاکہ شرعی حکم جاری کیا جاے" چنانچہ سوداگر قاضی کے سامنے حاضر ہوا۔ جب سلطان کا پیام مسعود تک پہنچا۔ اُسنے فوراً تحویلدار سے پوچھا کہ خزانے میں کسقدر نقد موجود ہی؟ اُسنے عرض کیا کہ بیس ہزار دینار۔ شہزادے نے کہا کہ یہ رقم سوداگر کو دیکر بقیہ کے لیے تین دن کی مہلت مانگو۔ اور سلطان کی خدمت میں کہلا بھیجا کہ بیس ہزار دینار مینے اسوقت ادا کردیئے اور تین دن میں بقیہ بھی ادا کردونگا۔ میں کپڑے پہنکر طیار بیٹھا ہوں کیا حکم صادر ہوتا ہی۔ آیا میں دارالعدالت کو جاؤں یا نجاؤں" سلطان نے کہلا بھیجا کہ "میں کچھ نہیں جانتا۔ جبتک سوداگر کا روپیہ بیباق نکرگا میں تیری صورت دیکھنا نہیں چاہتا" مسعود بھی ان باتوں کی تاب نہیں رکھتا تھا۔ اِدھر اُدھر سے قرض لیکر دوسری نماز کے وقت تک ساٹھ ہزار دینار نقد سوداگر کو ادا کردیئے۔ جب یہ خبر سوداگروں کے ذریعے سے ملک چین، خطا، مصر، اور دیگر اطراف عالم میں پہنچی۔ تب ہر طرف کے سوداگر غزنیں میں جھک پڑے اور دنیا کی کوئی چیز ایسی نہ تھی جو غزنیں کے بازار میں موجود نہو۔

شہر حمص کے عامل نے حضرت عمر ابن عبدالعزیز کو درخواست بھیجی کہ شہر کی فصیل گر گئی ہی مرمت کے لیے جیسا حکم ہو اُسکی تعمیل کیجاے۔ خلیفہ نے جواب میں لکھا کہ پتھر، اینٹ وچونے سے دیوار کا

۱۵ عمر بن عبدالعزیز بن مروان، سلسلۂ خلفاے بنی امیہ میں ساتویں خلیفہ ہیں۔ لیکن بلحاظ صفات وتقدس آپکا درجہ خلفاء راشدین کے بعد سمجھا جاتا ہی۔ چنانچہ سفیان ثوری حضرت علی کرم اللہ وجہ کے بعد آپ کو پانچواں خلیفہ قرار دیتے ہیں ۶۲ھ ۶۸۱ء میں حضرت عمر کی ولادت موضع حلوان (مصر کا ایک مشہور گاؤں ہی) میں ہوئی۔ آپ کی والدہ ام عاصم، فاروق اعظم کی پوتی تھیں۔ اور حضرت فاروق کی پیشین گوئی کہ میری اولاد میں ایک شخص ایسا عادل پیدا ہوگا کہ جسکے عدل سے دنیا بھر جائیگی" وہ عمر ابن عبدالعزیز کے ذریعے سے پوری ہوئی۔ خلیفہ عبدالملک نے اپنی بیٹی فاطمہ سے بمقام دمشق آپکا

بنانا فضول ہی۔ شہر کی چاردیواری عدل و انصاف سے بنا اور رستوں کو ظلم و خوف سے پاک کر۔ خداوند تعالےٰ نے حضرت داوٗد سے فرمایا ہی یَا دَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنَاکَ خَلِیْفَةً فِی الْاَرْضِ فَاحْکُمْ بَیْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ۔ یعنی اے داوٗد ہمنے تمکو اپنا خلیفہ بنایا ہی کہ تم میرے بندوں پر سچائی سے حکومت کرو۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں مَنِ اسْتَعْمَلَ عَلَی الْمُسْلِمِیْنَ عَامِلًا وَهُوَ یَعْلَمُ اَنَّ فِی الْمُسْلِمِیْنَ مَنْ هُوَ خَیْرٌ مِّنْهُ فَقَدْ خَانَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ تفسیر

بقیہ نوٹ صفحہ ۳۳۳۔ عقد کیا۔ اور سلیمان ابن عبد الملک کے انتقال پر ۹۹ھ (۷۱۷ء) میں تخت نشین ہوے۔ حکمرانی میں فاروق اعظم کے مشابہ تھے اور سلطنت سے اپنے اہل و عیال کے واسطے صرف دو درہم (آٹھ انہ) روز لیا کرتے تھے۔ بیت المال مسلمانوں پر وقف تھا۔ اور اُس میں یہان تک احتیاط تھی کہ جب تک سلطنت کا کام انجام دیتے تھے اُسوقت تک شمع سامنے جلتی تھی اور بعد ختم کام گل کردی جاتی تھی۔ آپ کی بی بی فاطمہ کو ہمیشہ تنگدستی کی شکایت رہی مگر آپ پند و نصائح سے راضی کر دیا کرتے تھے۔ ایک دن تر و تازہ انگور بکنے آئے بی بی سے کہا کہ ایک دینار ہو تو لاوٗ۔ اُنھوں نے جواب دیا کہ جب آپ خلیفہ ہو کر ایک دینار پر قادر نہیں ہیں تو میں کہاں سے لاؤں؟ تقوی کا یہ عالم تھا کہ اپنے عزیزوں میں سے کسی سے ایک سیب تک ہدیے میں قبول نہیں کیا۔ جو لباس زیب تن رہتا تھا اُسمیں اکثر پیوند ہوتے تھے۔ اور انتقال کے وقت جو قمیص پہنے ہوئے تھے بجز اُسکے دوسرا موجود نہ تھا۔ ذمیوں کے ساتھ جو برتاوٗ اس عہد میں ہوا وہ ضرب المثل ہی۔ مسجد نبوی کو بہت وسیع کیا۔ باغ فدک بنی فاطمہ کو دیدیا۔ اور امیر معاویہ کے وقت سے حضرت علی اور اُنکے طرفداروں کی خطبہ میں جو لعن طعن ہوا کرتی تھی وہ حکماً بند کردی اور یہی موت کا سبب ہوا۔ لوگوں نے غلام کو ایک ہزار دینار دیکر زہر دلوا دیا۔ چنانچہ غلام نے جب تنہائی میں یہ واقعہ بیان کیا تو دینار لیکر بیت المال میں بھیجدیے اور غلام کو آزاد کر کے حکم دیا کہ بھاگ جا ورنہ لوگ تجھے قتل کر ڈالینگے۔ دیر سمعان میں بتاریخ ۲۵ ماہ رجب ۱۰۱ھ (مطابق ۱۰ جنوری ۷۲۰ء) میں ۳۹ برس کی عمر میں انتقال فرمایا۔ ۲ برس ۵ مہینے ۱۴ دن حکمرانی کی۔ آپ کی مفصل سوانح عمری "سیرۃ العمرین" ہالینڈ میں چھپ چکی ہی خدا کسی مسلمان کو توفیق دے تو اُردو میں بھی ایک مکمل سوانح تیار ہو سکتی ہی۔ آپکی بی بی کی مدح میں یہ شعر مشہور ہی ؎ "بنت الخلیفہ والخلیفہ جدھا * اخت الخلائف والخلیفہ زوجھا"۔ انتخاب تاریخ سیوطی و مختصر الدول وغیرہ

اس کی یہ ہی کہ پارسا لوگوں کو عامل مقرر کرنا چاہیے تاکہ بندگان خدا کو نہ ستائیں۔ اور اگر کوئی جان بوجھ کر ایسا نہ کرے تو گویا وہ خدا اور رسول کے ساتھ خیانت کرتا ہی۔

یہ دنیا حقیقت میں بادشاہوں کا روزنامچہ ہی اگر وہ یہاں نیکی کرینگے تو نیکی سے یاد کیے جائنگے اور اگر بد ہیں تو برائی سے یاد کیے جائینگے۔ اور لوگ اینر نفریں کرینگے۔ حکیم عنصری نے خوب لکھا ہی

ہم سخن خواہی شدن گر بندی از گردوں کمر   ہم سمر خواہی شدن گر سازی از گردوں سپر

رنج بر تا چوں سمر گردی نکو باشد سمر   جہد کن تا چوں سخن گوی توی باشد سخن

(۴۱) مداخل و مخارج

ملک کی آمدنی و خرچ قلمبند کرنا چاہیئے، خاصکر خرچ کی رقموں کو بنظر تامل دیکھنا چاہیئے۔ جو رقم قابل مجرائی نہو وہ کاٹ دیجائے۔ اور اگر آمدنی میں تو فیر ہو یا کمی تو عامل سے بازپرس کیجائے اگر اُس کا بیان صحیح نہو تو درصورت کمی مطالبہ کرنا چاہیئے۔ دنیاوی مال کے حصول میں بادشاہ کو منصفی کے ساتھ میانہ روی اختیار کرنی چاہیئے اور حتی الوسع آئین ملک اور قدیم اصولوں پر چلنا چاہیئے۔ اور خود کسی بدعت کا موجد نہو۔ بادشاہ کا فرض ہی کہ وہ عمّال کی جانچ کرے اور آمدنی و خرچ پر نظر رکھے۔ اور دشمنوں کی حفاظت و بچاؤ کی غرض سے خزانہ معمور رہے بادشاہ کی زندگی ایسی ہونا چاہیئے کہ نہ تو کوئی اُسکو بخیل کہے۔ اور نہ اسقدر صرف کرے کہ لوگ اُسکو فضول خرچ کہیں۔ فیاضی کے موقعے پر لینے والے کی حیثیت پر نظر رہے۔ جو شخص ایک دینار کا مستحق ہی اُسے سو دینار نہ دینا چاہیے۔ اور جو سو کا مستحق ہی اُسے ایک دینار نہ دینا چاہیے

کیونکہ اس سے بزرگوں کی قدر و منزلت میں امتیاز نہیں رہتا ہی۔ اور لوگ یہ کہنے لگتے ہیں کہ بادشاہ اہل فضل اور ارباب دانش کو نہیں پہچانتا۔ اور بلا سبب بخیدگی بڑہ جاتی ہے اپنے دشمنوں سے اس طرح لڑے کہ صلح کی جگہ باقی رہے اور دوست دشمن سے ایسا ملا جُلا رہے کہ جب چاہے الگ ہوجائے۔ اور جب چاہے ملجائے۔ نہ ہمیشہ خوش طبعی کرے اور نہ ایک دم سے ترشرو ہوجائے اور اگر کبھی سیر و شکار و لذات دنیاوی میں مشغول ہوجائے تو کبھی کبھی خدا کا شکر ادا کرے، صدقہ دے روزے رکھے، قرآن شریف کی تلاوت کرے تاکہ دین و دنیا میں برابر حصہ لیتا رہے اور ہمیشہ خیر الامور اوسطھا پر عمل کرے۔
حتی الامکان ایسی کوشش کرتا رہے کہ اُسکا ہر کام دنیا میں یادگار رہجائے۔ اور انصاف یہ ہی کہ دنیا کی ساری تکلیفیں صرف نیکنامی کے واسطے ہیں۔ مذہب کے معاملات میں بھی پوری کوشش کرتا رہے۔ تاکہ خداوند تعالےٰ اُسکے سارے مقصد پورے کرے۔

خاتمہ قانون سلطنت ختم ہوچکا۔ قبل اسکے کہ اس مضمون پر ہم کچھ لکھیں۔ بطور یادگار ایک شاعر کے قصیدے سے چند اشعار نقل کرتے ہیں جسکو نظم میں مختصر تقریظ کہنا چاہیئے وہو ہذا۔

بحریست این کتاب پُر از گونہ گوں گہر	یا باغ جاں فزاے پر از گونہ گوں ثمر
باغ ست گر بباغ بود موضع شمار	بحر ست گر بہ بحر بود موضع دُرر
ہر فصل اندر و چو درختے ست از نہاد	بارش ہمہ غرائب و برگش ہمہ غُرر
گنجے ست پر عجائب و کانیست پر طرف	در حبیست پر بدائع و درجے ست پر گہر
اصلش ہمہ نوادر و فرعش ہمہ مفید	فصلش ہمہ معانی و شرحش ہمہ عبر

جدّت بہ پند و حکمت و امثال و داستاں — بے حد درو حکایت وبیر درو سمر

الفاظ او مہذب و عالی چو آسماں — معنی ازو چو زہرۂ تاباں گہِ سحر

آئین و رسم و سیرتِ شاہانِ تاجدار — ترتیبِ ملک و ملت و تقدیرِ خیر و شر

بینی درو عیاں صفتِ بزم و بارگاہ — یابی درو نہاں صفتِ رزم و کرّ و فرّ

تحصیلِ مال و مملکت آئین و داد و دیں — تدبیرِ کارِ لشکر و تقدیرِ روزگر

پیدا درو طریقتِ بدخواہ و نیک خواہ — ہنجارِ جرِّ منفعت و رائے دفعِ ضر

ہر لفظ و ہر معانی کاندر فصولِ اوست — نیکوتر از جوانی و شیریں تر از شکر

صافی ز ہزل و بدعت و پاکیزہ از ہوا — شائستہ ہمچو دانش و بائستہ چوں مطر

از خواندنش نگیرد خوانندہ را ملال — گردد بصیر ہر کہ گمارد برو بصر

ہر قصّہ را ز آیتِ قرآں یکے دلیل — ہر فصل را ز قولِ پیمبر یکے خبر

از ہر سخن کہ یاد کنے اندرو نشان — از ہر ہنر کہ نام بری اندرو اثر

قانونِ رسمہائے بزرگانِ نامدار — فہرستِ کارنامۂ شاہانِ تاجور

ہر کس کہ ایں بخواند و بود کاربند ایں — اقبالِ جاوداں بودش بگیان بر

اندر خورِ شہنشہِ دیندار و دادگر — تالیفِ یادگار ز نظامِ نکوسیر

ہرگز بشہ ندید و زیرے دگر چنیں — ہرگز کسے نہ کرد کتابے چنیں دگر

ایں دفترِ مبارک و دستورِ خسرواں — فرخندہ باد بر شہِ دیندار و دادگر

تمت

خاتمہ

سیاست ملکی، اور نظم و نسق سلطنت پر، خواجہ نظام الملک نے جسقدر لکھا ہی۔ اگرچہ اس عہد ترقی میں اسکو کسی خاص صیغہ کا قانون یا ضابطہ نہیں کہہ سکتے ہیں۔ تاہم سلطنت اور رعایا کے جو حقوق ایک دوسرے پر ہیں، اُن کی صحیح تفسیر ان اوراق میں موجود ہی۔ اور نظام حکومت کے لیے جن محکموں کی ضرورت ہی بالاجمال وہ بھی خواجہ نے بتا دیے ہیں۔ البتہ وزرات اور اور اُس کی مشکلات و متعلقات پر خواجہ نے بحث نہیں کی ہی۔ بلکہ اس[1] موضوع پر کتاب الوصایا میں اپنے خیالات ظاہر کیے ہیں۔ لہذا کتاب مذکور کا ترجمہ پیش کیا جاتا ہی۔ جس کے مطالعے کے بعد، قانون سلطنت اور وزارت پر تفصیل سے گفتگو کرنے اور نتائج اخذ کرنیکا موقع ملیگا

---

[1] دیکھو صفحہ ۳، حصہ اول کتاب ہذا۔

دستور الوزراء

مرتبہ

خواجہ نظام الملک طوسی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فرزند ارجمند! میں تجھے چند نصیحتیں کرنا چاہتا ہوں۔ گو میں جانتا ہوں کہ تو انھیں کان لگا کر نہ سنیگا اور نہ کسی طرح سے تیری طبیعت اُن کو قبول کریگی (لیکن پھر بھی میں تجھ کو معذور سمجھتا ہوں) کیونکہ سمجھ بوجھ کا زمانہ اخیر عمر میں ہوتا ہی۔ جب میں عمر میں تمہاری برابر تھا اگر اسوقت مجھ کو بھی سو مخبر عادل اور مشیر صادق سمجھاتے تو بھی میں اُن کی بات کو ہرگز ہرگز نہ سنتا اور نہ کچھ مجھے احساس ہوتا۔ لیکن تم میرے فرزند ہو! بلحاظ مروّت اور رشتہ پدری میرا فرض ہی کہ میں تمکو ان حقائق سے آگاہ کرکے اپنے فرض سے سبکدوش ہو جاؤں۔ لہذا ہر امر کو تفصیل سے بیان کرتا ہوں

(۱) **ترک وزارت** پہلی بات تو یہ ہی کہ میرے بعد وزارت اختیار نکرنا اور جہانتک ہوسکے دولت جاوید یعنی قناعت کے دامن کو ہات سے نہ چھوڑنا اور دنیا کی چاپلوسی پر شیدا و فریفتہ نہوجانا، کیونکہ اوّل کی لذّتیں آخر کی حسرتوں کی برابر قیمت نہیں رکھتی ہیں۔ اور حقیقت میں دنیا ایک خواب کا خیال یا شراب کا غرور ہی کہ ذرا دیر میں سب کچھ ہی اور پھر کچھ بھی نہیں۔ اور آخرت کا مواخذہ صرف دنیا کی وجہ سے ہی لہذا خدا سے پناہ مانگنا چاہیئے۔

چونکہ اس مضمون کو بزرگان دین نے اپنی تصنیفات میں نہایت تفصیل اور تحقیق سے لکھا ہے، لہذا مجھے تفصیل کی ضرورت نہیں ہے صرف مقصود اصلی تمہیداً بیان کرتا ہوں۔

علی العموم ہر منصب میں ضرر اور خطر ہے خصوصاً **وزارت** کہ وہ مناصب کا مجموعہ ہے اسلئے چاہتا ہوں کہ تمکو وزارت کی مضرتوں سے آگاہ کروں۔

یہ تو سب ہی جانتے ہیں کہ دنیاوی مراتب میں انسان کے لیے **سلطنت** کے بعد سب سے بڑھ کر **وزارت** کا درجہ ہے مگر ساتھ ہی اسکے یہ منصب بے انتہا خطرناک بھی ہے۔ اگر الگ الگ ہر خطرے کی تفصیل کیجائے تو طوالت ہوگی۔ لہذا ایسی کلیات بیان کرتا ہوں کہ جس کی ہر کُلّی میں بکثرت جزئیات شامل ہیں۔ اور مجھے یقین ہے کہ اس مختصر بیان سے نہایت عمدہ نتیجے پیدا ہونگے "انشاء اللہ تعالیٰ"

(۱) **پہلا خطرہ** صبح سے شام تک بلاناغہ لوگوں کے معاملات میں وزیر کو مختلف احکام صادر کرنا پڑتے ہیں اور حکم الٰہی یوں ہے "فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْعَدْلِ" یعنی جو حکم ہو وہ کانٹے کی تول ہو۔ ایسی صورت میں خدانخواستہ اگر اُن میں سے کوئی ایک بھی حکم خداوندی کے خلاف صادر ہوجائے تو اس ایک لحظہ کے نقصان کی تلافی سو برس کی حکومت میں بھی نہیں ہوسکتی ہے۔

فیصلۂ مقدمات میں عدل و انصاف۔

اگرچہ عقلاً یہ ممکن ہے کہ تائید الٰہی سے تمام احکام انصاف پر مبنی ہوں لیکن ہر موقعے پر عدل کا قائم رہنا قریب قریب محال کے ہے۔ چنانچہ میں اپنا ایک واقعہ بیان کرتا ہوں۔

(۱) مجھے ہمیشہ یہ خوف رہتا تھا کہ معاملات میں کوئی حکم شرع کے خلاف نہ صادر ہو۔ سلطان الپ ارسلان سلجوقی کے عہد میں بھی اگرچہ یہ خیال تھا۔ لیکن سلطان ملکشاہ کے زمانے میں یہ خیال بہت کچھ ترقی کرگیا تھا۔ اور اُسکا یہ سبب ہوا کہ "ایک عامل کے ذمّے سرکاری مطالبہ تھا۔

اور وہ فوت ہوگیا۔ چنانچہ بعلت بقایا اُسکا ایک انگور کا باغ ضبط کرلیا گیا۔ لیکن اُسکے لڑکوں نے
دعوی کیا کہ یہ باغ ہمکو ماں کی طرف سے وراثتاً ملا ہی۔ اور اپنے ثبوت میں دستاویزات پیش کیں
تب میں نے حکم دیا کہ یتیموں کے حق میں باغ واگزار کر دیا جائے کیونکہ انگور کی پھلت سے سرکار
فائدہ اُٹھا چکی ہی۔ لیکن پھر مجھے خیال آیا کہ انگوروں کا معاوضہ بھی یتیموں کو ملنا چاہیئے لیکن چند
روز کے بعد یہ خیال دل سے جاتا رہا۔ اور مینے خواب دیکھا کہ گویا میں حشر کے میدان میں کھڑا
ہوں اور نہایت سختی سے پوچھا جاتا ہی کہ تو نے یتیموں کا حق کیوں باطل کر دیا۔ اسکے بعد عذاب کے
فرشتے مجھ کو ایک غار کے کنارے گھسیٹ کرلے گیے جو حد سے زیادہ تاریک ہولناک اور عمیق
تھا۔ اور وہ چاہتے تھے کہ مجھے اُس غار میں ڈھکیل دیں تب مینے اُنسے پوچھا کہ یہ کون مقام ہی؟
اُنھوں نے کہا کہ اسکو ویل کہتے ہیں (نام طبقۂ جہنم) ویل کا نام سُنکر میں چیخ اُٹھا اور فوراً آنکھ کھلگئی۔
ویل کی خوفناک تصویر چند روز تک میرے سامنے رہی۔ اسلیے میں بیمار ہوگیا۔ اچھے ہونے پر
بہت کچھ صدقہ اور خیرات دیا اور اُن یتیموں کو انگوروں کا بھی معاوضہ دلا دیا گیا۔ لیکن اس خواب کا
مینے کسی سے ذکر نہیں کیا۔

اس عہد میں (ایّام حکومت ملکشاہ) عدالت کا کام بہت بڑھ گیا ہی۔ اور جب تک معاملے کی تحقیقات
انتہا پر نہیں پہنچ جاتی ہی میں قطعی فیصلہ نہیں سُناتا ہوں۔ اور جب کسی مقدمے میں زیادہ اُلجھن ہوتی
ہی تو اُمرا سے مشورہ کرلیتا ہوں۔

چونکہ میں شیخ ابو اسحٰق فیروزآبادی[1] کا معتقد تھا اسلیے ایک دن اُنسے عرض کیا کہ قبلۂ عالم! میں

---

[1] شیخ کے حالات صفحہ ۱۲۳۔ حصہ اول میں تحریر ہیں۔

ان دنوں سخت تشویش میں مبتلا ہوں اور دن رات میرے دل پر خوف چھایا رہتا ہی۔ شیخ نے فرمایا کیا فکر ہے بیان کرو؟ میںنے عرض کیا کہ سلطنت کی وجہ سے مشرق و مغرب کے معاملات میرے سامنے پیش ہوتے ہیں اور ہر معاملے میں مجھے حکم کرنا پڑتا ہی۔ ڈرتا ہوں کہ کہیں انصاف کا خون نہو جاے۔"

شیخ نے فرمایا کہ اے خواجہ اگر یہ عقدہ درمیان میں نہوتا تو وزیر بھی طبقہ اولیا اللہ میں شمار ہوتا۔ اور وزارت کرنا حقیقت میں خدا کے نیک بندوں کا کام ہی اسلیے کہ ایک حکم (جو انصاف کے ساتھ دیا گیا ہے) عمل میں دو رکعت نفل کے برابر ہے لیکن سخت مشکل ہی کہ کبھی ایک آدمی صرف انگور کے غلط فیصلہ کرنے کے جرم میں جہنم کے طبقہ وَیل کیطرف بھیجا جاتا ہی۔ اور اگر وہ کہیں باغ کا بھی حکم دیدیتا تو ضرور قعر جہنم میں ڈالدیا جاتا اور پھر کبھی رہائی نصیب نہوتی۔"

چونکہ شیخ نے میرا ہی معاملہ اپنے صفاے باطن سے بیان کر دیا تھا۔ لہذا میںنے انکے مبارک ہاتوں کا بوسہ لیا اور معلوم ہوگیا کہ شیخ بھی اصحاب مقامات اور ارباب کرامات میں سے ہیں اور صرف یہی واقعہ میرے مزید ارادت کا باعث ہوا۔

دوسرا خطرہ سب سے بڑہ کر یہ خطرہ ہی کہ بعض اوقات محض ایک فرد واحد کی رضامندی کے خیال سے ہزاروں آدمیوں کو (جن میں ہر درجے اور مرتبے کے لوگ شامل ہوتے ہیں اور جو مختلف ملک و دیار میں رہتے ہیں) آزردہ اور رنجیدہ کرنا پڑیگا اور پھر بھی یہ اطمینان نہوگا کہ دراصل وہ شخص دل سے بھی رضامند ہی یا نہیں؟ بلکہ بجاے عاطفت و عنایت کے ہمیشہ بلا وجہ ناراضی اور کدورت ہی پائی جائیگی اور یہی پلہ ہمیشہ گراں رہیگا۔"

رضا جوئی سلطان

ایک دن مینے ابو المعالیٔ امام الحرمین عبدالملک جوینی سے جن کی خدمت میں مجھے عالم شباب سے قرب و محبت کا اعزاز حاصل تھا۔ عرض کیا کہ "لے امام مسلمانان! مجکو آپ کی کمال ذکاوت و ذہانت میں کچھ بھی شبہ نہیں ہی۔ اسلئے اپنی ایک مشکل جسمیں عرصہ دراز سے گرفتار ہوں (اور جسکو مینے آج تک کسی سے کہا بھی نہیں ہی) حل کرنا چاہتا ہوں۔ اور وہ یہ ہی کہ ایک زمانہ دراز سے میں اس بادشاہ کی (ملک شاہ سلجوقی) خدمت کرتا ہوں اور انجام فرائض میں اسقدر سعی کرتا ہوں کہ جو طاقت بشری سے زیادہ ہی۔ اور اپنی کارگزاریاں اسدرجہ دکھلاتا ہوں کہ جو دوسرے سے نہیں ہوسکتی ہیں۔ اور جہانتک غور و تامل سے دیکھتا ہوں تو مہمات ملکی میں (ظاہر و باطن) کسی قسم کی کوتاہی بھی نہیں پاتا ہوں، اور سلطان اظہار عنایت میں بھی کمی نہیں کرتا ہی بلکہ سالہا سال سے ایسی عظیم الشان سلطنت کا انتظام میرے سپرد کردیا ہی اور اپنی مہربانیوں سے مجھے محسود خلائق بنا دیا ہی۔ اور یقین واثق ہی کہ اس حالت میں بھی ہرگز تغیر و تبدل نہوگا۔ لیکن جب میں نے گہری نظر سے جانچ کی تو معلوم ہوا کہ طبیعت سلطانی میں میری طرف سے کچھ غبار ہی۔ مگر اس دیقیقے سے سوائے میرے کوئی اور واقف نہیں ہی۔ اب فرمائیے کہ آپ کی رائے میں اسکا کیا باعث ہی؟

امام نے فرمایا کہ "اے خواجہ! اگرچہ تو اوروں سے فضل و عقل میں بہت بڑھ کر ہے۔ لیکن تعجب ہے کہ تو نہیں سمجھتا کہ مال و ملک پر ہر انسان اپنا دل فدا کرتا ہی۔ خاص کر ملوک و سلاطین! پس جبکہ تو نے کسی کے معشوق و محبوب پر قبضہ کرلیا ہی تو پھر کیونکر ممکن ہی کہ اُسکا دل تجھ سے صاف ہو؟ اور خوب سمجھ لو! کہ ہر وقت بادشاہ کے دل میں یہ خیال گزرتا رہتا ہی کہ جو چیز میری ہی وہ تمام و کمال فلاں

ﻪﻟ امام الحرمین کے حالات صفحہ ۱۳۰ حصہ اول میں تحریر ہیں۔

شخص کے قبضہ تصرّف میں ہی۔ کہیں ایسا نہو کہ اس میں خیانت کر جاے۔ چنانچہ اس تصوّر کے آتے ہی ایک ہلکا سا غبار اُسکے آئینہ دل پر چھا جاتا ہی۔ اور پھر جسقدر دن گزرتے جاتے ہیں یہ تصوّر تصدیق صفت ہوتا جاتا ہی۔ یہانتک کہ رضامندی پر بُرائی اور صفائی پر کدورت غالب آجاتی ہی۔ مثلاً بیماری کہ ابتدا میں وہ طبیعت کا مقابلہ نہیں کر سکتی ہی اور بہت کچھ دبی رہتی ہی لیکن جب کہنہ ہو کر طول پکڑ جاتی ہی تو پھر ہر چند طبیعت اُسکو دفع کرتی ہی، لیکن اُسکا اثر آہستہ آہستہ بڑہتا جاتا ہی اور یہ ایسی صورت ہی کہ وزیر اپنی کفایت شعاری اور توفیر خزانہ دکھلا کر بھی اسکا تدارک نہیں کر سکتا ہی۔ بلکہ یہ مادّہ روز افزوں ترقی کرتا جاتا ہی۔ مثلاً بادشاہ کے کسی مد میں پچاس ہزار دینار کا خرچ ہی۔ لیکن اُسکو یقین ہی کہ اس میں سے پانچہزار دینار اُڑا لیے گئے ہیں۔ گو پانچ ہزار کی رقم بھی افسردگی خاطر کے لیے کچھ زیادہ نہیں ہی۔ لیکن اگر یہ خیال پانچہزار سے بڑہتے بڑہتے ایک لاکھ تک پہنچ جاے تو خیال کرو کہ رنج کسقدر ترقی کر جائیگا"۔

(۱) اور ایک بڑی دشواری یہ ہی کہ سلاطین بعض کام وزراء سے ایسے لینا چاہتے ہیں کہ جو منزلہ محال کے ہوتے ہیں مثلاً وہ چاہتے ہیں کہ اعیانِ حضرت اور مقرّبان دولت ملک و سلطنت کے معاملے میں دخیل ہونے پائیں اور شہزادے وغیرہ بھی مالی تصرفات سے روکے جائیں اور ان میں سے اگر کسی معاملے کی وزیر کو اطلاع ہو تو وہ اُنسے بازپرس بھی کرے۔ اور باوجود اسکے یہ شرط ہی کہ کوئی ناراض نہو اور نہ بادشاہ سے شکایت ہو۔

(۲) دوسرے یہ کہ اگر کسی شخص سے متعدد ابواب میں عمدہ کام انجام پائیں اور اُسکی خدمات کے نتائج بھی سامنے ہوں اور بدیہی طور پر یہ بھی معلوم ہو جاے کہ اس شخص کی درایت و فراست سے

مثلاً ایک سو ملکی انتظامات سُدھر گئے ہیں اور اس کی حسن تدبیر سے خزانے میں بھی توفیر ہوئی ہے تب بھی اسکا شکریہ نہیں ادا کیا جاتا ہی۔ اور اگر کبھی اتفاقیہ کیا بھی تو اوپری دل سے۔ اور اگر شاذ و نادر حسن خدمات کا تذکرہ کیا بھی جاتا ہی تو وہ دیرپا نہیں ہوتا ہی۔ اور اگر بادشاہ کی زبان پر اسکی خدمات کا ذکر آگیا تو ارکان مجلس خاموش بیٹھے رہتے ہیں۔ اور خدانخواستہ اگر اسکے برخلاف کوئی صورت ہوئی اور ذرا سا بھی اوضاع ملکی میں خلل پڑا یا جزئی نقصان اُمور مالی میں ہوگیا تو پھر شکایت کے دفتر کھلجاتے ہیں۔ اور رُند تو نہیں بھولتے ہیں، بلکہ بادشاہ کو بھولی بسری کہانیاں یاد دلائی جاتی ہیں۔ غرضکہ یہ وہ حالتیں ہیں جنکا اخیر نتیجہ نقصان و مضرت ہی۔ اسلیئے قناعت بہتر ہی۔ کیونکہ اسکے صدقے میں تمام تردّدات سے کامل استغنا میسّر ہو جاتا ہی۔ اور اگر قناعت کے ساتھ عبادت بھی شامل ہو تو زہے قسمت۔

(۳) "فضل[۵۱] بن ربیع" کچھ دنوں کے لیے خلیفہ ہرون الرشید عباسی کا وزیر مقرر ہوگیا تھا۔ اتفاق سے اُسی زمانے میں حج کا موسم قریب آگیا۔ خلیفہ نے فضل سے مشورہ کیا کہ امسال صاحب محمل (قافلہ سالار حج) کون ہوگا؟ فضل نے کہا کہ اس میں مشورے کی کیا حاجت ہی۔ خلیفہ نے کہا کہ سالار قافلہ ایسا ہونا چاہیئے کہ جسپر اعتبار ہو، کیونکہ ناموس امیر المومنین اور بیگات شاہی کے محمل بھی ساتھ ہونگے۔ اور عراق سے مکہ معظمہ تک کا سفر ہی" فضل نے عرض کیا کہ سچ پوچھیئے تو مجھسے زیادہ اور کون اس عزّت کا مستحق ہوسکتا ہی؟ امیر المومنین اپنی فیاضی سے اگر اجازت مرحمت فرمائیں تو ایک

[۵۱] ابو العباس فضل بن ربیع بن یونس بن محمد بن عبداللہ دربار ہرون الرشید عباسی کا ایک نامور رکن ہی۔ برامکہ کے عہد وزارت میں حاجب کے درجے پر ممتاز تھا۔ بعد کو چند روز کیواسطے وزیر بھی ہوگیا تھا۔ برامکہ کی تباہی و بربادی میں فضل نے خاص طور پر حصہ لیا تھا۔ (تفصیل کے لیے دیکھو البرامکہ و ابن خلکان جلد اول۔) ذیقعدہ ۲۰۸ھ (۸۲۳ء) میں انتقال کیا۔

قرض بھی ادا ہوجائیگا۔ غرضکہ بڑی منت سماجت سے فضل کی درخواست منظور ہوئی۔ لیکن بعد واپسی حج کے فضل کی حالت کچھ اور ہی ہوگئی۔ اُسنے وزارت چھوڑ دی تھی اور یاد الٰہی میں مصروف ہوگیا تھا۔

خلیفہ کا دستور تھا کہ وہ ایام متبرکہ میں درویشوں اور گوشہ نشینوں سے ملا کرتا تھا۔ چنانچہ ایک دن اُسکو یہ خیال ہوا کہ فضل میرا قدیم خدمت گزار ہی اگر میں اس زاویہ نشین سے جاکر ملوں تو مرحمت شاہانہ سے کچھ بعید نہو گا۔ چنانچہ خلیفہ فضل کے مکان پر گیا اور اثنائے گفتگو میں فضل سے پوچھا کہ تمھارے ترک وزارت کا کیا سبب ہی۔ فضل نے اسکا کوئی جواب نہیں دیا۔ پھر پوچھا کہ اچھا بتاؤ اب تمھاری کیسی گزرتی ہی؟ فضل نے کہا بہ نسبت پہلے کے اب بہت اچھا رہتا ہوں۔ عہد وزارت میں جس بادشاہ کا میں فرمان بردار تھا وہ میری دس خدمتوں کا صرف ایک صلہ دیتا تھا اور اب ایسے شہنشاہ کی اطاعت کرتا ہوں۔ کہ جو ایک خدمت کا دس گنا اجر دیتا ہی "مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا" پہلے جب میں دربار خلافت میں کچھ عرض کرنا چاہتا تھا تو موقع و محل کی دیکھ بھال میں بہت کچھ سختیاں اُٹھانا پڑتی تھیں۔ اور آج اس کی کچھ پابندی نہیں ہی۔ جو میرے دل میں ہی وہ خود جانتا ہی "اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ" پہلے مجھکو بادشاہ کے مہمات اُمور کی تکمیل کرنا پڑتی تھی اور اب وہ خود میرے کاموں کا ذمہ دار ہی۔ پہلے جب بادشاہ خواب راحت میں ہوتا تھا تو مجھے جاگنا پڑتا تھا۔ اب میں بے خبر سوتا ہوں اور وہ میری حفاظت کرتا ہی "لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ" پہلے میں یہ جانتا تھا کہ میرا رزق اس بادشاہ کے ہات میں ہی۔ لیکن اب معلوم ہوا کہ ہم دونوں کا رزق اُس بادشاہ کے ہات میں ہی "وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ

الا علی اللہ رزقہا" جب فضل نے ایسی طولانی تقریر کی تو خلیفہ ہرون الرشید کو رقت طاری ہوئی اور فضل کا ہات پکڑ کر کہا کہ خدا کی قسم! پہلے تو میرا خدمتگار تھا لیکن آج تو میرا بھائی ہے"
فضل نے کہا "خدا کا شکر ہی کہ آج میرے سوال کا جواب مرحمت ہوا۔ اگر میں تمام عمر نوکری کرتا تو بھی مجھ کو یہ عزّت حاصل نہ ہوتی۔

اسلیے اے فرزند! قناعت کو غنیمت جان اور دنیا کی ابتدائی شیرینی پر آخرت کی تلخی کو قربان نہ کر۔ واللہ الموفق والمعین"۔

تیسرا خطرہ شاہزادوں کے ملال اور آزردگی کا تدارک کرنا سخت مشکل ہی۔ کیونکہ بادشاہوں کا دستور ہی کہ وہ اپنی اولاد کی تکمیل اور اُن کی نگرانی خود کرتے ہیں۔ اور اُنکے عروج و کمال کا ایک خاص وقت ہوتا ہی اسلیے شروع زمانے میں جب اُن کی کامیابی میں دیر ہوتی ہی۔ (مثلاً مالی و ملکی اختیارات کا نہ ملنا جسکا اجرا خاص بادشاہ کے ہات میں ہی) تو وہ سمجھتے ہیں کہ یہ سارا قصور وزیر صاحب کا ہی۔ جس طرح طبیب تشخیص مرض میں مادّے کو بیرونی اسباب سے تمیز نہیں کرتا ہی۔ عیاذاً باللہِ منہا۔

شہزادوں کا میلانِ خاطر ہر روز کسی نہ کسی مقصد کیطرف ہوتا ہی۔ اور جب اُن کی مُراد پوری نہیں ہوتی ہی تو وہ خفا ہو جاتے ہیں۔ غرضکہ ہر خواہش کے بڑھنے پر رنج و ملال کا درجہ بڑھتا جاتا ہی اور بعض اوقات شہزادے کو کسی شخص سے بدگمانی نہیں ہوتی ہی لیکن نوجوان اور ناتجربہ کار ملازم اپنے بیہودہ مقاصد کی کامیابی کی وجہ سے بہکا کر سیدھے راستے سے پھیر لاتے ہیں۔ بہر حال اس میں کوئی شبہہ نہیں ہی کہ شاہزادوں کی تالیف قلوب اور اُنکی رضامندی حاصل کرنا

بہت مشکل ہی۔ کیونکہ ان کی اکثر خواہشیں ممکن الحصول نہیں ہوا کرتی ہیں۔ مثلاً وہ چاہتے ہیں کہ یکبارگی ادنی درجے سے مقربان حضرت پناہی کے مرتبے میں پہنچ جائیں یا مدارج مال و جاہ میں اُنکے ہم پلہ بنجائیں۔ علی ہذالقیاس اور معاملات بھی ہیں۔

خلاصہ یہ ہی کہ اگر شہزادوں کی کامیابی کی کوشش کیجاے تو پھر وزارت کی بڑی تعریف ہوتی ہی لیکن تجربے سے ثابت ہی کہ اس گروہ کی متابعت ہمیشہ بادشاہ کی ناراضی کا باعث ہوئی ہی

حکایت سلطان ملکشاہ نے شمس الملک[1] خاقان ترکستان کو بمقام ترمذ[2] شکست دیکر یہ ارادہ کیا کہ ترکستان پہنچکر پورے طور سے خاقان کی قوت کا خاتمہ کردیا جاے لیکن جب برہان الدولہ تگین سلطان نے ملکشاہ کا نخشب[3] تک استقبال کیا۔ اور خاقان کی جانب سے معذرت کے ساتھ ازسرنو معاہدہ کیا۔ اُسوقت سلطان کا غصہ دھیما ہوا۔ اور نخشب سے ملک شام کا قصد کیا۔ لیکن ملکی ضرورتوں سے یہ رائے قرار پائی، کہ موسم سرما رَے میں بسر کیا جاے، اور اسی مقام پر ہر طرف سے فوجیں آکر جمع ہوجائیں اور شروع فصل بہار میں شام کا سفر کیا جاے۔ خیر یہ تمہید تو ایک جملہ معترضہ تھا۔ نفس مطلب یہ ہی کہ اسی زمانے میں بمقام بسطام[4] شہزادہ محمد کے یہاں بیٹا

---

[1] شمس الملک ابو اسحق ابراہیم بن نصر ایلک خان بادشاہ ماوراءالنہر کا بیٹا تھا جسکو ملکشاہ نے اپنا باجگذار بنا لیا تھا۔ یہ واقعہ ۴۶۶ھ ۱۰۷۳ء کا ہی۔ الوافی جلد اول صفحہ ۲۷۰ و کامل اثیر صفحہ ۳۲ جلد ۱۰ [2] ترمذ دریاے جیحوں کے کنارے ماوراءالنہر کے شہروں میں سے نہایت قدیم اور مشہور ہی، اس شہر کی آب و ہوا ضرب المثل ہی ؎ گفتم اے بخت بہشت ست سواد ترمذ + گفت راضی مشو از روضۂ رضواں بگیاہ + بازاروں کا فرش اینٹ کا کھرنجہ تھا۔ ابوعیسی محمد بن عیسی بن سورۃ ترمذی صاحب صحیح اسی خاک سے ہیں مراصد الاطلاع صفحہ ۹۴ و گنج دانش صفحہ ۱۴۴ و معجم البلدان یاقوت صفحہ ۳۸۲ جلد ۲ [3] نخشب ماوراءالنہر کا مشہور شہر ہی دریاے جیحون اور سمرقند کے درمیان میں ہی۔ مراصد الاطلاع صفحہ ۳۹۵ و معجم البلدان صفحہ ۲۷۳ جلد ۸ [4] بسطام کو تقویم البلدان ابوالفدا میں

پیدا ہوا۔ سلطان نے خوش ہو کر لڑکے کا نام پوچھا شہزادے نے کہا میں نے سلطان بایزید نام رکھا ہی۔ چنانچہ یہ نام پسند فرمایا اور حکم دیا کہ لڑکے کی کھلائی اور دائی اور گھوارہ وغیرہ کے مصارف کے لیے بسطام کی آمدنی مرحمت کیجاتی ہی۔ لیکن اتفاق سے دو دن کے بعد لڑکا فوت ہو گیا۔ اور آج حساب سے پورے سات برس اس واقعہ کو ہو چکے ہیں۔ لیکن شاہزادہ محمد چاہتا ہی کہ بحوالۂ فرمان سابق، اس آمدنی سے نفع اُٹھاتا رہے۔ لیکن خود اسقدر جرأت نہیں رکھتا کہ سلطان سے عرض کرے۔ اور نہ ارکان سلطنت سے کہنا چاہتا ہی (کیونکہ کھٹکا ہی کہ جواب باصواب نملیگا) اور نہ اسپر رضامند ہی کہ میں سلطان سے عرض کروں۔ اور مجھے بھی یہی مصلحت معلوم ہوتی ہی کہ سلطان سے اسکا کچھ ذکر نہ کروں کیونکہ سلطان کا جواب شاہزادے کے خلاف ہوگا اور وہ سمجھیگا کہ مینے کچھ سعی نہیں کی ہی۔ بلکہ سلطان سے اُلٹی شکایت کی ہی۔ غرضکہ ہر سال اپنی جاگیر قومس[1] سے بسطام کی آمدنی شہزادے کے نذر کیا کرتا ہوں لیکن پھر بھی

بقیہ نوٹ صفحہ ۳۴۸۔ کورہ قومس کے مشہور شہروں میں شمار کیا ہی اور بعض نے خراسان کے شہروں میں شمار کیا ہے۔ نیشاپور کی سڑک پر واقع ہی ایران کے آباد شہروں میں ہی قطب العارفین حضرت بایزیدؒ کا مولد و مدفن یہی شہر ہی شیخ کے حالات تذکرۂ صوفیہ میں دیکھو آپ کی رباعیات مشہور ہیں مثلاً ؎ اے عشق تو کشتہ عارف و عامی را + سودائے تو کم کردہ نکونامی را ذوق لب میگوں تو آوردہ برون + از صومعہ بایزید بسطامی را + تفصیلی حالات کے دیکھو سفرنامہ خراسان ناصرالدین شاہ مرحوم۔ از مراصد و مرآۃ البلدان ناصری و معجم البلدان صفحہ ۱۸۰ جلد دوم۔

[1] قومس۔ اصلی نام کومس ہی عربوں نے قومس کر دیا ہی جبل طبرستان کے ذیل میں ہی۔ اس میں متعدد شہر اور قصبے ہیں جنمیں سے رَے اور نیشاپور کے مابین قصبۂ دامغان بہت مشہور ہی۔ اور دامغان سے دو منزل بسطام ہی مراصد و معجم البلدان صفحہ ۱۸۵ جلد ۷۔

میری طرف سے اُسکے تیور اچھے نہیں ہیں۔

میرے بیٹے! تجھے یہ خیال پیدا ہوا ہوگا کہ شہزادوں کے حصول مقاصد کے لیے تکلیف اُٹھانا چاہیے اور کسی طرح کا خیال نہ کرنا چاہیے تاکہ اُنکے ملال کا سمندر موجزن نہو۔

سنو! اگرچہ عقلاً یہ محال نہیں ہی، لیکن عادتاً ممتنعات سے ہی۔ کیونکہ جو صورتیں اُن کی رضامندی کی ہیں۔ اکثر انھیں سے اپنی کساد بازاری ہوتی ہی۔ اور کوئی انسان اپنے ہاتوں برباد ہونا پسند نہیں کرتا ہی۔ جس کی نظیر ذیل کا واقعہ ہی

جب سلطان الپ ارسلاں[1] کو معلوم ہوا کہ شام و روم اور فرانس کے عیسائیوں نے قیصر روم کے بل پر مسلمانوں کے خلاف یہ عہد کیا ہی کہ بغداد سے دولتِ عباسیّہ کے تاجدار کو خارج کر کے بجاے اُسکے کسی جاثلیق[2] کو تخت نشین کریں۔ اور دارالسلام بغداد کی تمام مسجدیں، دیر و کلیسا کردی جائیں، اور اسپر بھی بس نکیا جاے، بلکہ تمام ممالک اسلام

[1] قیصر ارمانوس اور الپ ارسلاں کا یہ تاریخی واقعہ بہت مشہور ہی۔ ذی قعدہ ۴۶۳ھ ۱۰۷۱ء میں یہ لڑائی ہوئی تھی تمام عربی تاریخوں میں تفصیل سے تحریر ہی اور مسٹر گبن نے بصراحت لکھا ہی۔

[2] جاثلیق = یونانی کٹلکوس - Katholikos - فرقہ ایست از نصاری کہ بمذہب قدیم ست بفارسی کاتولیک (کیتھلک) خوانند۔ سواء السبیل الی معرفۃ المعرب والدخیل صفحہ ۳۶" عیسائی علما اور مجتہدین کے متعلق حسب ذیل الفاظ یاد رکھنے کے قابل ہیں۔

(۱) بطرک و بطریق (معرب رومی) Patricius سردار اعظم، پوپ روم، دس ہزار پر افسر۔
(۲) جاثلیق۔ بلاد اسلام میں عیسائیوں کا مذہبی پیشوا، بطریق کا نائب۔
(۳) مطران رئیس الکہنہ۔ (۴) اسقف، مطران کا نائب (۵) طرخان، پانچہزار پر افسر
(۶) قومس، دو سو پر افسر معرب Comes = از فرائد اللغہ جلد اول مصنفہ ہنری کوس مطبوعہ بیروت ۱۸۸۹ء صفحہ ۳۲-۳۳

مساجد کے ساتھ یہی سلوک کیا جاے، اُسوقت سلطان نے عیسائیوں کی مدافعت کے لیے دوبارہ روم کا قصد کیا۔ اور قیصر روم پر فتحیاب ہوکر اُسکو گرفتار کرلیا۔ جب قیصر سامنے آیا تو سلطان بہت دیر تک اُس سے مذاق کی باتیں کرتا رہا۔ قیصر کا مکالمہ تاریخوں میں لکھا ہوا ہی اور اُسکا یہ فقرہ جو اپنی رہائی کے واسطے سلطان سے کہا تھا۔ بہت مشہور ہی کہ "اگر تو قصاب ہی تو ذبح کرڈال، اور اگر سوداگر ہی تو بیچڈال، اور اگر بادشاہ ہی تو بخشدے"۔ چنانچہ سلطان مرحمت شاہانہ سے پیش آیا۔

ایک دن قیصر نے جبکہ فوجیں دارالسلطنت کو واپس جارہی تھیں سلطان سے کہا کہ میں تو یہاں قید میں پڑا مر رہا ہوں۔ اور اس میں شک نہیں کہ کوئی ملک بغیر بادشاہ کے نہیں رہ سکتا ہی۔ اس صورت میں میرے ملک پر دوسرے کا قبضہ ہوجائیگا اور اُسکے دفع کرنے میں سلطان کو دوبارہ تکلیف اٹھانا پڑیگی۔ اور ابھی تو خیریت ہی کہ تمام ممالک میرے قائم مقاموں کے ہات میں ہیں۔ اگر مجھ کو سلطان جانے کی اجازت مرحمت فرمائیں تو مثل دیگر فرمانبرداروں کے میں بھی خراج ادا کرتا رہونگا"۔

چنانچہ سلطان نے نہایت اعزاز سے قیصر کو رخصت کیا اور قیصر بھی مطابق معاہدے کے ہرسال مقررہ خراج بھیجا کرتا تھا۔ اور اُسکے وزرا علحدہ بیش قیمت رومی تحائف اور زر نقد بھیجتے تھے۔

میری غرض اس تاریخی واقعہ کے بیان سے یہ ہی کہ ایک سال یہ خراج اور تحائف روم سے آرہے تھے اور سلطان الپ ارسلاں اُسوقت مرو میں مقیم تھا۔ اسلیئے شہزادہ ملک شاہ (یہ واقعہ

عہد شباب کا ہی مصلحت ملکی کی وجہ سے مع مختصر فوج کے بمقام رَے موسم سرما بسر کر رہا تھا۔ اور شہزادے کو حکم تھا کہ جب تک وہ رَے میں ہے، جو لوگ ممالک روم، ولایت کرخ، دیارِ شام اور بلاد عراق سے آویں اُنکے حالات کی تفتیش کرے اور اُن کی معروضات کو سُنتا ہے اور اپنے معتمد کے ہمراہ اُنکو میرے پاس بھیجدیا کرے۔

چنانچہ اُس زمانے میں ملک شاہ کا کاتب عمید منصور تھا۔ یہ شخص حد سے زیادہ نادان اور ناتجربہ کار تھا۔ اور اسپر بھی اپنی عقل و دانش پر اُسکو بڑا ناز تھا۔ غرضکہ اسی زمانے میں قیصر کی سفارت حسب معمول پہنچی۔ یہ زمانہ فصل بہار کا تھا۔ اور شہزادہ سلطان کیخدمت میں حاضری کے ارادہ سے روانہ ہو چکا تھا۔ اسلیے عمید منصور کو حکم دیا کہ سفارت کے ہمراہ سلطان کے حضور میں روانہ ہوجاے اور تحائف کو دیکھ لے۔ چنانچہ عمید نے ہر چیز کو دیکھنا شروع کیا۔ تو تحائف میں ہر قسم کے صوف بھی تھے۔ اور ہر رنگ کے صوف کی گٹھریاں علیحدہ علیحدہ تھیں۔ چنانچہ اس کوتاہ اندیش نے سفید رنگ کا ایک صوف نکال لیا اور خیال کیا کہ یہ شہزادے کے واسطے کافی ہی۔ (مجھے یہ نہیں معلوم ہوا کہ شہزادے سے اس واقعہ کی اطلاع بھی کردی تھی یا نہیں) لیکن سفارت کو کسی نہ کسی طرح رضامند کرلیا تھا کہ اسکا ذکر کسی سے نہ کریں گویا اسکو بھول جائیں۔ اور اس واقعہ سے پہلے مجھے رَے کے کاتبوں (پرچہ نویس) نے یہ اطلاع دی تھی کہ "شہزادے کی مجلس میں ایک شب میری کارگزاری اور کفایت شعاری کا ذکر ہو رہا تھا۔ شہزادے نے فرمایا کہ نہایت تعجب ہی کہ باوجود اسقدر وسعت سلطنت کے یہ ممکن نہیں ہی کہ کسی گوشہ ملک میں کوئی ایک دینار پر تصرف کرلے اور وہ خواجہ (نظام الملک) کو معلوم نہ ہوجائے۔" عمید نے کہا کہ یہ سب سلطان الپ ارسلان کے

اقبال کا نتیجہ ہے۔ ورنہ اگر کوئی اس طوس کے بیل (گاؤطوسی) کو بیچ بھی ڈالے تو اسے خبر نہو۔،،
غرضکہ عمید سفارت کے ہمراہ مرو تک پہنچ گیا اور سلطان کے حضور میں نذر لائے اور تحفے پیش
ہونے لگے۔ چنانچہ جب صوف کے تھان پیش کیے گئے اُسوقت مجھے خیال آیا کہ اور تو سب
رنگ ہیں مگر سفید رنگ کیوں نہیں ہے۔ چنانچہ مینے ایلچی سے اسکا سبب پوچھا۔ اُسنے جواب دیا
کہ میں کچھ نہیں جانتا۔ بھیجنے والے جانیں؟ تب میں عمید کیطرف متوجہ ہوا تو اُسکے چہرے پر مجھے
کسی قدر تغیر محسوس ہوا۔ اور آپ ہی آپ بڑبڑانے لگا کہ رنگوں میں سفید کوئی رنگ نہیں ہے۔
مینے کہا کہ خواجہ صاحب! اسوقت مسائل حکمت سے کوئی بحث نہیں ہے کہ حکما نے بیاض (سفیدی)
کو الوان میں شمار کیا ہے یا نہیں؟ بلکہ اسوقت تو گفتگو اسپر ہے کہ جبکہ ایک بادشاہ نے محض زیب و
زینت کے خیال سے ہر رنگ کے نفیس صوف بھیجے ہیں تو سفید رنگ کا ہونا بھی ضرور تھا۔ اور
یہ محض میرا خیال ہے جو دل میں کھٹک رہا ہے۔ چنانچہ بعد از رخصت سفارت مینے فوراً دو ایک آدمی
اُنکی قیام گاہ پر بھیجے اور فہرست تحائف لیکر اُن میں سے ایک شخص میرے پاس آیا۔ اور نہایت
احتیاط سے باتوں باتوں میں مینے پوچھا مگر کوئی بات ایسی نہ معلوم ہوئی جس سے خیانت پائی جاتی
غرضکہ مینے معذرت کے بعد اُسکو واپس کیا۔ لیکن عمید مغرور نے دربار کے واقعہ سے شہزادے
کو باین الفاظ اطلاع کی کہ" طاؤس آنحضرت بجبرئیل امین مناقشہا نمود وبسے دیگر از ہدایات
بآں اضافہ کردہ،،
چونکہ میں اس تحقیقات میں ناکامیاب رہا تھا اسوجہ سے تمام شب اسی اُدھیڑبن میں تا صبح کی نماز
پڑھ کر میں مصلے پر متفکر بیٹھا ہوا تھا۔ کہ میرے دل میں یہ خیال آیا کہ قیصر روم نے سلطانہ (بیگم

الپ ارسلاں) کے لیے علٰحدہ تحائف روانہ کیے ہیں۔ اور تحائف کی ایک فہرست بھی ان لوگوں کے پاس ہی۔ کہیں ایسا نہو کہ سفید صوف کا تذکرہ یہ لوگ اُس جماعت سے کردیں اور کچھ ردوبدل ہوجاے۔ سلطانہ اندنوں مرغزار ردکان[1] میں جلوہ فرما تھیں۔ کیونکہ اُنھیں ضعف قلب ہوگیا تھا اور پہلے بھی یہ عارضہ اسی پرفضا جگہ میں جاتا رہا تھا۔ چنانچہ مینے فوراً ایک تیزرفتار قاصد طوس کو روانہ کیا اور وہاں سے وہ اُردوے حرم میں داخل ہوا۔ چنانچہ نواب حرم نے تمام کاغذات ایک خریطے میں سربمہر کرکے میرے پاس بھیجدیے اور سفارت کا ایک آدمی بھی ہمراہ کردیا۔ سب سے پہلا کاغذ جو خریطے سے برآمد ہوا وہ تحائف کی مفصل فہرست تھی۔ اُسمیں بھی تمام صوف باعتبار رنگوں کے تھے۔ تب مین نے افسر سفارت کو طلب کرکے خلوت میں صحیح صحیح حال پوچھا۔ اب چونکہ انکار کا موقع باقی نہ تھا اسلیے اُسنے صاف صاف بتادیا۔ لیکن مینے خود اس معاملے کے اخفا اور اظہار میں تامل کیا۔ کیونکہ معاملے کے اظہار میں ولی عہد سلطنت کی ناراضی کا خوف تھا۔ لیکن یہ وہ فعل شنیع تھا کہ اسکا چھپانا بھی مجھپر مشکل تھا۔ پھر مینے خیال کیا کہ یہ سفید صوف کیا عجب ہی کہ عمید کے تحت میں ہو۔ لہذا مینے خصومت کا پہلو بچاکر عمید کو یہ رباعی لکھ بھیجی ؎

ازنسبت این نخوت کاوسی را	بگزار حبرئیل طاوسی را
یعنی ہمہ صوفہاے قیروسی را	پیش آر۔ دگر گاؤ مگو طوسی را

[1] دیکھو حاشیہ صفحہ ۲۶ حصہ اول کتاب ہذا۔ معجم البلدان میں اس کو راذکان لکھا ہی۔ ابو محمد عبداللہ بن ہاشم و حسن بن احمد بن محمد راذکانی مشہور محدث و فقیہہ یہاں گزرے ہیں۔ دیکھو صفحہ ۲۰۴ جلد ۴۔ معجم البلدان۔

باوجود ثبوت کے پھر بھی عہد کا وہی انکار رہا اور اپنی ہی کہے گیا۔ آخر میں نے مجبور ہو کر یہی فیصلہ کیا کہ یہ قصہ جوں کا توں طے کر دیا جائے کیونکہ زیادہ چھیڑ چھاڑ میں ولیعہد کی ناراضی کا کھٹکا تھا۔

چوتھا خطرہ ہمیشہ دیوان و دفتر کے مہتم بالشان معاملات ارکان سلطنت اور اُمرا دولت سے وابستہ رہا کرتے ہیں اور وہ مجلس میں برابر اُٹھتے بیٹھتے ہیں اور گفتگو کرتے ہیں اگر اُنسے ان اُمور میں وزیر تکلف کرے تو یہ ممکن نہیں ہے اور بڑی مشکل یہ ہے کہ اس گروہ سے نہ تو پوری پوری دوستی ہی ہو سکتی ہے اور نہ دشمنی کیجا سکتی ہے۔ بلکہ ان کی دوستی اور دشمنی دونوں پر خطر ہیں لہذا میں ہر دو پہلوؤں پر الگ الگ بحث کرونگا۔

دوستی کے خطرے یہ خوب سمجھ لو کہ سچے عشق، اور خالص محبت کی بنیاد صرف انہیں لوگوں میں مستحکم طور پر پڑ سکتی ہے جنکے دلوں میں فی نفسہ وفاداری، سچائی اور نباہ کا خیال ہو۔ لیکن جنکو ہمیشہ اوروں کی زوال نعمت اور نقصان دولت کی فکر دامنگیر رہتی ہے۔ اُن میں یہ رشتہ کیونکر جوڑ سکتا ہے؟ سچی محبت نہ تو کُل ایسے اشخاص سے ہو سکتی ہے اور نہ کسی فرد واحد سے۔ کیونکہ دوستی کا تو یہ تقاضا ہے کہ اپنے دوست کے دشمن کو بھی دشمن ہی سمجھے۔ لیکن چونکہ یہ سب اصل مزاج میں ایک دوسرے سے بلحاظ غیرت و نفرت الگ تھلگ رہتے ہیں۔ اسلیے عقلاً اس گروہ سے میل ملاپ کرنا گویا میٹھے بٹھائے عداوت مول لینا ہے۔ یعنی جس طرح جمع بین الضدین ممتنع ہے اسی طرح ان میں محبت کا ہونا بھی محال ہے۔ اور نفاق خود ہی کیا کم بُری خصلت ہے۔ اور جب کوئی اُسپر آمادہ ہو جائے تو وہ زیادہ عرصہ تک چھپ نہیں سکتی ہے۔

مجموعی حیثیت سے جو نقصان اس محبت میں ہیں وہ میں بیان کر چکا۔ اب اُس محبت کی مضرت کا

ارکان دولت کی دوستی و دشمنی

بیان کرتا ہوں جو بالفراد کیجاتی ہی۔

جب کسی ایک شخص سے محبت ہوجاتی ہی تو دوسرے لوگ خود اُس کی عداوت پر تُلجاتے ہیں اور قبل اسکے کہ اس دوستی سے کوئی ثمرہ مترتب ہو اس دشمنی سے سو طرح کے نقصان پہنچ جاتے ہیں۔ اور سب سے بڑھ کر جو نقصان اس میں ہی وہ یہ ہی کہ بادشاہ کا مزاج بدل جاتا ہی۔ کیونکہ کبھی کوئی بادشاہ وزیر اور اعیان دولت کے میل جول سے راضی نہیں ہوا ہی بلکہ اُن کے اتحاد کو شک اور بدگمانی کی نظر سے دیکھتے رہے ہیں

حکایت الپ ارسلان کے ابتدائی دورِ حکومت میں قتلمش سلجوقی[1] نے باغی ہو کر تمام ملکِ رے پر قبضہ کر لیا تھا۔ اسلیے سلطان نیشاپور سے اس بغاوت کے فرو کرنے کو روانہ ہوا۔ جب لشکر وادی الملح میں پہنچا تو حکم دیا کہ تمام خزانہ، جو فوج کے ساتھ جارہا ہی وہ سپاہیوں کو تقسیم کر دیا جائے۔ میں سعید عارض کے ہمراہ فوج نظام کی جانچ پڑتال میں ہر طرف گھومتا پھرتا تھا کہ اتفاق سے امیر التونتاش کے خیمے کی طرف جا نکلا۔ چونکہ درباریوں میں یہ امیر نہایت محترم اور معزز تھا اسلیے تعظیماً اور نیز امیر کے فرمانیسے تھوڑی دیر کے لیے میں وہاں ٹھہر گیا۔ چنانچہ اس کی اطلاع اُسی وقت سلطان کو کر دی گئی۔ اور میرے اس ذرا دیر کے قیام سے وہاں کچھ اور ہی خیالات پیدا ہوا۔ حالانکہ التونتاش ایک ناتجربہ کار، کم عقل، اور سیدھا سادہ ترکمان تھا۔ اور اکثر معاملات میں میری اور اُس کی یہانتک نوبت پہنچی کہ میںنے قلمبندان وزارت اُٹھا دیا۔ اور اُس نے

[1] قتلمش بن ارسلان بن سلجوق۔ الپ ارسلان کا چچازاد بھائی تھا۔ طغرل بیگ نے اسکو اپنی حیات میں روم پر بغرض فتوحات روانہ کیا تھا۔ چنانچہ شاہان قونیہ، قیصریہ، ملطیہ، واقصرا کا یہ مورثِ اعلیٰ تھا۔ الپ ارسلان و قتلمش میں ۴۵۶ھ ۱۰۶۴ع میں یہ لڑائی ہوئی تھی۔ ابوالفدا کی روایت ہی کہ علم نجوم میں اسکو بڑا ملکہ تھا۔ تفصیلی حالات تاریخ آل سلجوق و کامل اثیر میں تحریر ہیں۔

کمر سے تلوار کھولکر سلطان کے سامنے رکھدی۔ مگر سلطان کو یقین نہ آتا تھا اور وہ بناوٹ سمجھتا تھا۔ اور میری طرف سے جو بدگمانی ہو چکی تھی وہ بدستور قائم رہی اور اُسکے نقصان کا اثر بھی مجکو محسوس ہونے لگا۔

عداوت کا نتیجہ جس طبقے میں دشمنی اور عداوت کا ظہور ہوتا ہی وہ کبھی سرسبز نہیں ہوتا اور گو معمولی آدمیوں کی بھی عداوت کا خمیازہ بھگتنا پڑتا ہی۔ لیکن زبردست کی عداوت تو اور بھی خطرناک ہوتی ہی۔ اور خاص کر ایسی جماعت جسکو دربار شاہنشاہی میں وثوق اور اعتماد کا درجہ حاصل ہو۔ ایسے لوگوں سے دشمنی کرنا گویا جان بوجھکر اپنی جان، مال اور عزت کا برباد کرنا ہی۔ کیونکہ معزز طبقے کے لوگوں کو جب غصہ آتا ہی یا کوئی بڑی ضرورت پیش آجاتی ہی تو وہ اپنے دشمن پر غالب ہونے کے لیے تمام عمر کی دولت صرف کر ڈالتے ہیں۔ اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ خود بادشاہ اس شخص کی غرض و غایت سے واقف ہو جاتا ہی اور دشمن کو شکایت کا موقع نہیں ملتا اس ذریعہ سے کچھ دنوں تک امن و امان رہتا ہی۔ لیکن آخر کو برے نتائج ضرور پیدا ہوتے ہیں

حکایت سلطان محمود غزنوی کے ابتدائی دور حکومت میں خواجہ ابوالعباس فضل بن احمد اسفرائنی[1] عہدۂ وزارت پر ممتاز تھا۔ اور سلطان کا ایک نہایت معتبر اور معتمد رشتہ دار امیر علی خویشاوند حاجب تھا۔ چونکہ خواجہ سے امیر علی دشمنی رکھتا تھا اور سلطان بھی اس عداوت

---

[1] خواجہ ابوالعباس فضل بن احمد، اسفرائنی، دربار عمید الملک فائق میں عہدہ کتابت پر مامور ہوا تھا۔ لیکن بعد زوال دولت فائق، امیر ناصر الدین سبکتگین کے دربار میں آیا اور درجہ وزارت پر ممتاز ہوا۔ اور سلطان محمود نے بھی خلعت وزارت سے مشرف کیا۔ علاوہ علمی فضل و کمال کے نہایت نامور مدبر تھا۔ لیکن امراء کی سازش اور جوڑ توڑ سے عہد وزارت جلد ختم ہو گیا جیسا کہ خواجہ نے لکھا ہی۔

واقف تھا اسلیے امیر علی کی گہری چالیں خالی جاتی تھیں اور سلطان پر کوئی اثر نہیں پڑتا تھا۔ یہانتک کہ اگر کوئی شخص خواجہ کی انتظامی غلطیاں بھی دکھلاتا تو سلطان اُسکو حاجب کی شرارت سمجھتا تھا۔ غرضکہ جب امیر کو یقین ہوگیا کہ اب اس کی کوئی تدبیر کارگر نہیں ہوسکتی ہی تب خاموش ہوکر موقع کا منتظر رہا۔ یہانتک کہ خواجہ کیحالت خود ہی درجۂ تنزل کو پہنچ گئی۔ اور اس تنزل کا سبب یہ ہوا کہ خواجہ نے تمام اطراف سلطنت میں ظالم عمال مقرر کر رکھے تھے جنھوں نے رعایا کو انکی طاقت اور قوت سے زیادہ ستا رکھا تھا۔ خصوصًا صوبۂ خراسان کی حالت نہایت ابتر تھی۔ علاوہ مظالم کے قحط کی شدائد نے وہ مصیبتیں برپا کی تھیں کہ العظمۃ للہ! غرضکہ جسقدر محاصل درج جمعبندی تھے اُن سے ایک جبہ بھی سرکار کو وصول نہیں ہوا اور رعایا آوارہ وطن ہوکر خانہ بدوش ہوگئی۔ ان حالات کو دیکھکر ابو العباس خود بھی پریشان ہورہا تھا مگر وہ کیا کرسکتا تھا بجز اسکے کہ اپنی تدبیر میں ناکامیابی کا اقرار کرے۔ اور چونکہ آمدنی داخل خزانہ نہیں ہوئی تھی اسلیے سلطان کی ناراضی کی متواتر خبریں خواجہ تک پہنچ رہی تھیں اخیر کو بیقرار اور حیرت زدہ ہوکر خواجہ نے سلطان کی حضور میں وزارت سے استعفا بھیجدیا۔ سلطان نے فرمایا کہ "خواجہ سے کہدو کہ میں تمپر نہ تو ظلم کرتا ہوں نہ کسی قسم کا دباؤ ڈالتا ہوں بلکہ صرف یہ کہتا ہوں کہ جسقدر رقم وصول کی گئی ہی اور جس کی تصدیق دفتر وزارت سے ہوتی ہی وہ خزانہ شاہی میں داخل کردی جائے۔ اور وزارت سے علٰحدہ ہوجائیے" لیکن اسکے بعد خواجہ ابو العباس سے وزارت کا قلمدان ابو اسحٰق محمد بن الحسن رئیس بلخ کو دلا دیا گیا۔

شمس الکفاۃ خواجہ احمد حسن میمندی سلطان اور وزیر کے مابین سفارت کا کام کرتا تھا۔ غرضکہ بڑی کوششوں سے یہ طے پایا کہ خواجہ ابو العباس ایک لاکھ دینار طلائی داخل خزانہ کرے۔ چنانچہ

عہد نیابت عمید الملک فائق سے ولایت خراسان، اور ایام وزارت تک جسقدر نقد اور لونڈی و غلام اور دیگر جائدا د منقولہ و غیر منقولہ پیدا کی تھی وہ سب تاوان میں سلطان کے نذر ہوگئی جب خواجہ ابو العباس مفلس ہوگیا۔ اور نوبت فاقے کی پہنچگئی تب سلطان سے اپنی تباہ حالت کا اظہار کیا۔ سلطان نے نوازش شاہانہ فرمائی اور اپنے روبرو طلب کرکے کہا کہ "ابو العباس میری جان اور سر کی قسم کھا کر بیان کرو کہ اب تم بالکل محتاج ہوگئے ہو اور تمھارے پاس کچھ باقی نہیں ہی اگر سچ سچ کہدو تو پھر تم سے بقیہ مطالبے کا کچھ مواخذہ نہ کیا جائیگا" خواجہ نے کہا کہ اسوقت قسم کھانے سے معافی چاہتا ہوں دوبارہ اپنے اہل و عیال سے تحقیق کرلوں اگر اُنکے پاس کچھ بھی ہوگا تو میں داخل کردونگا، اسکے بعد قسم کھاؤنگا۔ چنانچہ گھر جاکر سب کو ڈرا دہمکا کر اور بڑی بڑی قسمیں دیکر دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ ایک نا کتخدا لڑکی کا اسباب جہیز کسی سوداگر کے یہاں امانتاً رکھا ہی چنانچہ وہ بھی لاکر داخل خزانہ کردیا اور پھر بادشاہ کی جان و سر کی قسم کھائی کہ اب میرے پاس کچھ نہیں ہی۔ لیکن امیر علی خویشاوند کو ہنوز عنا د باقی تھا، اور وہ اس قسم کا حال بھی سُن چکا تھا۔ اسلیے ایک دن تخلیے میں جبکہ سلطان ہندوستان کا سفر کررہا تھا۔ عرض کیا کہ مجھے مُدت سے ابو العباس کی خیانت کا حال معلوم ہی اور ہر وقت میں اسکے اظہار کی کوشش کرتا تھا لیکن سلطان کے نزدیک شکایت خود غرضی پر محمول سمجھی جاتی تھی۔ لیکن باقبال حضور بلا وساطت میرے ابو العباس کی خیانت کھُل گئی۔ اور اسپر بھی وہ شہنشاہ کی جھوٹی قسم کھاچکا ہی۔ حالانکہ چند چیزیں اسوقت بھی ایسی نادر الوجود اُسکے پاس ہیں جنسے اکثر بادشاہوں کے خزانے خالی ہیں۔ یہ سُنکر سُلطان نہایت متاثر ہوا۔ اور کہا کہ اگر تمھاری بات سچ ہوئی تو ابو العباس

ضرور سیاست کا مستوجب ہوگا۔ امیر نے کہا کہ اگر ان چیزوں کے برآمد کرنیکا مجھ کو اختیار دیدیا جاے تو میں اپنے دعوے کو ثابت کر سکتا ہوں سلطان نے فرمایا منظور ہے مگر شرط یہ ہی کہ جب تک تمہارے قول کی سچائی ثابت نہو جاے اسوقت تک اُس کی جان کے خواہاں نہونا۔ چنانچہ معاہدے کے بعد امیر رخصت ہوگیا اور اس زمانے میں خواجہ ابوالعباس ایک قلعے میں قید تھا۔ اب امیر کا حال سُنیئے کہ ہندوستان کی کسی لڑائی میں اُسکو ایک خنجر ملگیا تھا جسکے قبضے پر ساڑھ مثقال کا یاقوت رمانی جڑا ہوا تھا۔ اور بنی سامان کے دفینے سے ایک پیالہ فیروزے کا اڑا لیا تھا جس میں ایک سیر شربت آجاتا تھا۔ اور بادشاہ کے خوف سے یہ دونوں چیزیں مخفی رکھتا تھا۔ غرضکہ ان چیزوں کو اپنے ہمراہ قلعے میں لیتا گیا اور خواجہ کو حراست میں لیکر اپنے سپاہیوں کے سپرد کر دیا۔ اور چند روز کے بعد سلطان کے حضور میں خنجر اور پیالہ پیش کیا اور کہا کہ نہایت آسانی سے بغیر سختی اور تدارک کے یہ چیزیں مل گئیں ہیں جن میں سے ایک شاہان ہند کا تحفہ ہی جو حضور میں پیش نہیں کیا گیا۔ اور دوسرا وقت ملنے دفینے بنی سامان کے خیانت کیا گیا ہی۔ اب بقیہ مال کے لیے اگر حکم ہو تو سختی کیجاے سلطان نے ناراض ہوکر یہ چیزیں امیر علی خویشاوند کو بخشدیں اور حکم دیا کہ جس طرح ہو بقیہ مطالبہ اس سے وصول کیا جائے۔ چنانچہ جب سلطان ہندوستان کو روانہ ہوگیا اُسوقت امیر علی نے خواجہ کو اُسکے دشمنوں کے سپرد کر دیا اور اسی کشاکش میں وہ مرگیا۔ اس واقعہ کے بیان کرنے سے میرا مطلب یہ ہے کہ بڑے آدمیوں سے عداوت کرنے کا نتیجہ منجر بفساد ہوا کرتا ہی۔ واللہ الحافظ

پانچواں خطرہ وزیر کو ضرورتاً منافع ملکی اور اپنے مالی فوائد میں جن لوگوں کو اپنے سے زیادہ کا حصہ دار بنانا چاہیے وہ عامل، کاتب، سفیر، دبیر، اور اہلکاران دفتر ہیں۔ کیونکہ جس طرح نظام سلطنت بغیر سپاہیوں اور سپہ سالاروں کے محال ہے۔ اسی طرح وزارت کے مشکلات کا حل بغیر اس فرقے کے ممتنع ہے۔ اگر اس جماعت سے رعایت نہ کیجائے تو یہ جان کے خواہاں ہو جاتے ہیں۔ عزت و دولت کا تو ذکر کرنا ہی فضول ہے۔ لہٰذا دوسرے گروہ کے مقابلے میں یہی مناسب ہے کہ ان لوگوں کا فقر، ثروت سے۔ عجز، قوت سے۔ محنت، دولت سے اور گمنامی شہرت سے تبدیل کر دی جائے اور انواع و اصناف کے انعام و اکرام سے یہ مالا مال کر دیے جائیں تاکہ ہلاکت اور استیصال کے درپے نہوں۔ اور اگر کبھی انسے رعایتیں نہ کیجائیں یا انکے جائز حقوق ہمیشہ کے لیے میٹ دیے جائیں تو بلاشبہ یہ سب کے سب نفاق و خلاف پر آمادہ ہو جاتے ہیں اور ان کی دیکھا دیکھی اور لوگ بھی اُٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔ اور اُنکو بھڑکا کر آمادۂ فساد کر دیتے ہیں اور ایک شخص کے ٹوٹ جانے سے پھر اکثر متحد اور متفق ہو جاتے ہیں۔

میرے بیٹے! تمھارا یہ خیال کہ جب حکومت کی باگ عزیزوں، رشتہ داروں، اور معتمدان خاص کے ہات میں ہو گی تو اس قسم کی خیانت نہ پیدا ہو گی اور یہ نقصانات وجود پذیر نہونگے؟ سراسر غلط ہے۔ کیونکہ عزیز و اقارب سے خدمات و مہمات ملکی کا سرانجام ہونا غیروں کی خدمات سے کہیں بڑھ کر خطرناک ہے۔ تم دیکھتے ہو کہ مینے بسبب مزید اعتقاد امانت و دیانت کے تمھارے بھائیوں پر تمام سلطنت تقسیم کر دی ہے اور اُنکو بڑے عہدوں پر مقرر کر دیا ہے جس سے صرف یہی غرض ہے کہ وہ تمام مصالح و مفاسد سلطنت سے مجھے آگاہ کرتے رہیں اور ضرور ہے کہ وہ اپنے نام اور

خاندانی عزت میں داغ نہیں لگائینگے۔

بادشاہ بیگم[۱] (ترکان خاتون) ایک عرصے سے مجھ سے ناراض ہیں اور وہ چاہتی ہیں کہ سلطان اُنکے بیٹے محمود کو ولیعہد سلطنت قرار دیں۔ مگر اس ارادے میں کامیاب نہیں ہوتی ہیں، کیونکہ سلطان کے نزدیک شہزادہ برکیارق میں عقل و دانش کی علامتیں اور جہانداری کے آثار بہت زیادہ ہیں۔ اور بادشاہ بیگم سمجھی ہوئی ہیں کہ میں اس ولیعہدی میں حارج ہوں۔ اسیلیے وہ خفا ہیں اور چاہتی ہیں کہ کوئی الزام میرے سر منڈھ دیں جس سے سلطان کا مزاج برہم ہو جائے اور میرے مخالفوں سے اس قسم کی ٹوہ لیا کرتی ہیں۔ اور ایسی ہی باتیں پوچھا کرتی ہیں لیکن ابھی تک کوئی نقص نہیں ملا ہی۔ اور وہ سلطان سے بجز اسکے اور کچھ کہہ نہیں سکتی ہیں کہ مینے سلطنت کو اپنے بیٹوں پر تقسیم کر رکھا ہی۔ مگر یہ وہ راز ہی کہ جسکو سوائے میرے کوئی نہیں جانتا ہی۔ لیکن مجھے معلوم ہو گیا ہی کہ صرف اسی ایک بات نے سلطان کے دل میں گھر کر لیا ہی خدا انجام بخیر کرے۔

خلاصہ یہ ہی کہ عزیز و رشتہ داروں کو خدمات سلطنت سپرد کر کے خود اپنی ذات کو اتہام کا نشانہ بنانا ہی۔ اور لوگ اسکو امانت کے خلاف سمجھتے ہیں۔

اور اگر غیروں کو انتظام سپرد کر دیا جائے تو اُس کی بھی مضرتیں بہت ہیں چنانچہ حسن بن صبّاح کی ذات سے مجھے جو مصیبتیں پہنچیں اور پہنچ رہی ہیں اور آیندہ معلوم نہیں کہ اور کیا پیش آئیں وہ تم خود اپنی آنکھوں سے دیکھ چکے ہو۔

[۱] دیکھو نوٹ مندرجہ حاشیہ صفحہ ۷۰ حصہ اول جسمیں محمود اور برکیارق کی ولیعہدی کی بحث ہی

اسباب وزارت

ابتک میں نے جسقدر بیان کیا ہی چونکہ وہ تمہارے عقیدے اور ارادے کے خلاف ہے (یعنی ترک وزارت کا وعظ) اسلیے اسکا کوئی اثر تم پر نہ پڑیگا۔ لیکن اب میں ایسے چند اسباب بیان کرونگا کہ جو لوازمۂ وزارت ہیں اور انشاء اللہ تم اُنسے بہت کچھ فائدہ اُٹھاؤ گے۔

کوئی کام کتنا ہی چھوٹا کیوں نہو۔ لیکن پھر بھی وُہ اصول سے خالی نہوگا۔ خصوصاً وزارت کا کام کہ جسپر ملک وملت، اور دین و دولت کا انحصار ہے۔ اس میں بدرجۂ اولی شرائط کی پابندی چاہیئے۔

منصب وزارت میں چار شرطیں ہیں جس کی بجاآوری واجب، اور جسکا لحاظ رکھنا فرض ہی اور وہ یہ ہیں
(۱) خداوند تعالےٰ کے احکام کی حفاظت (۲) بادشاہ کے احکام کی تعمیل (۳) بادشاہ کی ملنے والوں کی رعایت (۴) عامۂ خلائق کے حفظ مراتب کا خیال۔

سُنو! انسان بمقتضائے فطرت کبھی ایسی چیز کی طرف متوجہ نہیں ہوتا ہی، کہ جس میں اُسکا کوئی مطلب نہو۔ اور عقلاً مقصود ہر کام سے اُسکا مناسب حال ہوا کرتا ہی۔ کوئی کام کرنے والا فضول محنت کرنا نہیں چاہتا ہی۔ اور حقیقت یہ ہی کہ دس روز کے سفر سے جو قلیل منافع حاصل ہوسکتا ہی اسکے واسطے کوئی ہوشیار آدمی ایک سال کا سفر گوارا نہیں کریگا۔ لہذا ایسے بڑے منصب میں (جیسا کہ وزارت ہی) لباس، سواری، اور کھانے پینے کے تکلفات پر نظر نہ ڈالنا چاہیئے کیونکہ ادنے ترین شخص کو بھی یہ چیزیں کوشش سے مل سکتی ہیں۔ لیکن مقصود اس منصب عالی سے

یہ ہی کہ دین و دنیا کی نیکنامی حاصل ہو اور اُسکا حصول بغیر پابندی شرائط مذکورہ بالا محال ہی

مذہب کے احکام اور ان کی تعمیل

پہلی شرط۔ ۱ اگر آج اس شرط کی تعمیل میں قصور و تقصیر ہو جاے تو کل قیامت کے دن حسرت و ندامت سے کہنا پڑیگا۔ "یَاحَسْرَتیٰ عَلٰی مَا فَرَّطْتُ فِیْ جَنْبِ اللّٰہِ"

اس شرطین جو چیز سب سے مہتم بالشان ہی وہ یہ ہی کہ اپنے مذہبی عقائد میں مستحکم و مضبوط ہو۔ ایسا نہو کہ اہل بدعت کی ملمع ساز گفتگو اور گمراہ فرقوں کی سخن آرائی سے مرکز راستی سے دور جا پڑو کیونکہ ارباب دولت کی مجلس میں حکیم، صوفی، عارف، موحد وغیرہ سب ہی قسم کے لوگ ہوتے ہیں لیکن بہت ایسے ہوتے ہیں کہ اپنے کو محقق کہتے ہیں۔ اور حکمت، عرفان، توحید اور تحقیقات مذہب کے پیرایے میں بہت سے معتقدات باطلہ بیان کرجاتے ہیں۔ جسکے سُننے سے آہستہ آہستہ عقائد میں خلل پڑجاتا ہی۔ لہذا۔ اس امر کی ضرورت ہی کہ تم راسخ العقیدت بنجاو۔ اور فرض و سُنن کی پابندی میں مستعدی کرو۔ طاعت و عبادت میں کبھی کوتاہی نہو۔ اور رواج دین کی ترقی اور شریعت کے زندہ رکھنے میں خوب ہی کوشش کرو۔ لوگوں کی تعریف و توصیف پر اپنے خالق کی رضامندی کو مقدم سمجھو۔ اور خوب سمجھ لو! کہ جب تک عمدہ اخلاق نہوں اور بُری خصلتوں سے پرہیز نہ کیا جاے اُسوقت تک خدا ے پاک کی رضامندی حاصل نہیں ہوسکتی ہی اور ان اُمور میں کسی معلم و مرشد کی ضرورت نہیں ہی۔ کیونکہ یہ تو سب جانتے ہیں کہ علم اچھا ہی۔ جہل بُرا ہی۔ عدل محمود ہی، ظلم مذموم ہی، سخاوت مقبول ہی، اور بخل مکروہ ہی۔ اور نہ اس میں کوئی شبہ ہی کہ اخلاق حمیدہ سے آراستہ ہونا حیات جاوید کی دلیل ہی۔ اور ناپسندیدہ خصائل کا اختیار کرنا ہلاکت اور ابدی عذاب کا باعث ہی"

حکایت جب سلطان ملک شاہ کی شادی[1] خلیفہ بغداد کے یہاں قرار پاگئی اور سب جھگڑے طے ہو گئے، تب سلطان نے حکم دیا کہ اطراف عرب و عجم میں تمام اکابر و اشراف کو نیوتہ دیا جائے کہ وہ مجلس عقد میں شریک ہوں۔ چنانچہ مکۂ معظمہ، مدینۂ طیبہ، بلاد شام، روم، عراق، فارس، خراسان، ماوراء النہر وغیرہ میں قاصد بھیجے گئے کہ معزز میہمان براہ راست بغداد تشریف لائیں۔ چنانچہ اسقدر مجمع ہوا کہ کوئی زمانہ اس کی نظیر نہیں لا سکتا۔ بغداد کے مغربی حصے میں خیام سلطانی نصب ہوئے تھے، اور مشرقی حصے میں قصر خلافت واقع تھا۔ چنانچہ نکاح کے دن سلطان نے حکم دیا کہ اول تمام اعیان دولت دار الخلافہ کو روانہ ہوں اور ترکوں کے دستور کے موافق خلیفہ سے عقد کی رضامندی حاصل کریں (ترکوں کا دستور تھا کہ عین برات کے دن بیٹے کی طرف سے کچھ لوگ بیٹی والے کے گھر جا کر نہایت منت و سماجت سے عقد کی منظوری حاصل کرتے تھے اور اجازت کے بعد برات روانہ ہوتی تھی) چنانچہ اس رسم کے ادا کرنے کے لیے، ارکان دولت بلحاظ عظمت حریم خلافت تک پیادہ روانہ ہوئے۔ جب خلیفہ کو اطلاع ہوئی تو فوراً ایک خادم سے کہلا بھیجا کہ "نظام الملک سوار ہو کر آئے"، چنانچہ صرف میں سوار تھا اور جملہ اکابر میرے ساتھ پیدل تھے۔ جب آستانۂ خلافت پر

---

[1] المقتدی بامر اللہ ابو القاسم عبد اللہ عباسی سے ملک شاہ نے ۴۷۵ھ/۱۰۸۲ء میں اپنی بیٹی کا عقد کیا تھا۔ اور اس شادی کے تفصیلی حالات ہم نے نظام الملک کے واقعات قتل میں لکھے ہیں۔ مگر خود ملک شاہ کی شادی کا واقعہ صرف خواجہ کی روایت پر لکھا گیا ہے۔ کیونکہ تاریخ کامل اثیر وغیرہ میں اس شادی کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ لیکن قرینے سے معلوم ہوتا ہے کہ شادی المقتدی کے خاندان میں ہوئی تھی۔ خلفاے عباسیہ میں المقتدی اٹھائیسواں خلیفہ تھا جسکا عہد حکومت ۴۶۷ھ/۱۰۷۵ء لغایت ۴۸۷ھ/۱۰۹۴ء ہے

پہنچے تو مجھے ایک مسند پر بٹھایا اور بقیہ حضرات میرے دائیں بائیں کھڑے ہوئے۔ خلیفہ کی جانب سے سب کو خلعت تقسیم ہوئے اور جو خلعت مجھے مرحمت ہوا اُسپر نقش تھا "الوزیر العالم العادل نظام الملک رضی امیرالمومنین"۔

ابتدائے دولت اسلام سے اسوقت تک کسی وزیر کو "رضی امیرالمومنین" کا خطاب نہیں ملا تھا۔ میرا مطلب اس واقعہ کے بیان سے یہ ہے کہ اُسوقت شیطان میرے نفس میں عظمت اور جبروت کے خیالات پیدا کر رہا تھا اور میں ان چیزوں کی بیوفائی اور ناپائداری کے خیال میں ڈوبا ہوا تھا۔ اور باوجود اس اعزاز کے مجھے اپنا ضعف اور عجز نظر آرہا تھا۔ اور یہ تو میں اچھی طرح جانتا تھا کہ یہ منصب یا اسی قسم کے ایک لاکھ۔ ایک درجہ (ڈگری) بخار یا ایک مرتبہ کے دردسر کے لیے وجہ تسکین نہیں ہوسکتے ہیں۔ اور میری زبان پر اُسوقت کلمۂ لاحول جاری تھا۔ یہ واقعہ تو دن کا تھا جب رات ہوئی۔ تو مینے خواب میں دیکھا کہ وہی مسند ایک بلند مقام پر بچھی ہوئی ہے۔ اور میں اُسپر وہی خلعت پہنے ہوئے بیٹھا ہوں۔ مگر تنہائی کی وجہ سے خوف دحشت میں مبتلا ہوں۔ ناگاہ کیا دیکھتا ہوں کہ ایک بدشکل اور کریہ منظر آدمی میرے برابر آنکر بیٹھ گیا جس کی بدبو سے میرا دم گھٹا جاتا تھا۔ اسکے بعد اور لوگ بھی اُسی شکل وصورت کے آئے اور مسند پر بیٹھتے چلے گئے، اور یہ آنے والے بدصورتی میں اگلوں سے بھی فوق رکھتے تھے۔ غرضکہ اسقدر ہجوم ہوا کہ میں کشمکش میں پڑگیا۔ بلکہ قریب تھا کہ میں مسند سے سر کے بل گر پڑوں اور اُن کی بدبو سے دم نکلجائے۔ چنانچہ غایت اضطراب سے میں جاگ اُٹھا اور خدا کا شکر کیا، اور صبح کو صدقہ دیا گیا۔ لیکن جب رات آئی تو پھر وہی اگلا سماں پیش نظر تھا۔ اور آج میں سقدر

بر جواس ہوا کہ بدن کانپنے لگا اور اگر جاگ نہ پڑتا تو یقین تھا کہ تمام عمر سوتا ہی رہجاتا۔ القصہ جب تیسری رات آئی تو میں ڈر کے مارے قصداً جاگتا رہا۔ لیکن پچھلے پہر نیند کے حملوں نے مجھے مغلوب کر دیا اور وہی گزشتہ نظارہ سامنے آگیا۔ اور میں اپنے کو مسند سے گرایا ہی چاہتا تھا کہ ایک خوبصورت اور عطر میں ڈوبی ہوئی روحانی اور نورانی جماعت جلوہ فرما ہوئی۔ اور جیسے ہی اس جماعت کا ایک شخص سلام کر کے میرے پاس بیٹھا ویسے ہی اُن میں سے ایک شیطان رفوچکر ہوا، اور تھوڑی دیر میں آہستہ آہستہ سب سرک گئے اور نئے مہمانوں کی ہم نشینی سے مجھ میں تازگی اور زندہ دلی پیدا ہوگئی۔ جب خاطر خواہ سکون ہوگیا تو مینے پوچھا کہ آپ کون ہیں۔ اور وہ کون لوگ تھے؟ جواب دیا کہ ہم تمہارے اخلاق حمیدہ اور وہ عادات ذمیمہ تھے۔ ہم دونوں کی مدّت قیام کی کوئی میعاد نہیں ہی۔ بلکہ تمام عمر کا ساتھ ہی۔

اب یہ فیصلہ کرنا آپ کا کام ہی کہ "ہم میں سے کون رہے اور کون جائے؟ خواب وخیال کی باتوں میں جو لطف مینے اُٹھایا اُسکا پورا بیان کیونکر کروں۔

مختصر ہی کہ یہ واقعہ کچھ ایسا عجیب وغریب تھا کہ اس سے پہلے مینے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ اور اسی حالت میں پڑا ہوا تھا کہ نوکروں نے سوتے سے جگا دیا"

خلاصہ یہ ہی کہ صاحبان مسند وزارت، اخلاق حمیدہ کے حصول میں کوشش کریں، اور اُسکو لوازمۂ وزارت سمجھیں اور بُری عادتوں سے ہمیشہ بچتے رہیں

طریق عبودیت ۲ دوسری بات واجب العمل یہ ہی کہ اتفاقات حسنہ کو اپنی تدبیر کا نتیجہ سمجھے گو حصول اسکا تدبیر کے بعد ہی کیوں نہ واقع ہوا ہو۔ بلکہ اُسکو خدا کے فضل وکرم پر محمول کرنا چاہیے

لیکن میرا یہ قول بھی نہیں ہو کہ کسی قسم کی تدبیر ہی نہ کیجاے بلکہ میں علانیہ کہتا ہوں کہ کیسا ہی چھوٹا کام کیوں نہو قواعد عقلیہ سے جانچ کر اُس کی تدبیر کیجاے۔ اگر نتیجہ خاطر خواہ نکلے تو سمجھو لو کہ یہ بھی خدا کی مہربانی ہی۔ اس خیال کو اگر انسان اپنی سیرت بنالے تو ایک مبارک خاصیت بلکہ تکمیل ایمان کی علامت ہی۔ کیونکہ ہر مقصد میں تدبیر سے کامیابی نہیں ہوتی ہی اور یہ بھی بدیہی ہی کہ اگرچہ بغیر تدبیر کے کوئی کام نہیں ہوتا۔ لیکن بااوقات مجھے تجربہ ہوا ہی کہ وہ بغیر تدبیر کے ہوے ہیں جسکو میں "اتفاق حسنہ" سے تعبیر کرتا ہوں۔

حکایت (۱) قزل ارسلان[1]، امیر فارس و کرمان کی بغاوت کا حال سُنکر جس سال سلطان الپ ارسلان نے فارس و کرمان کا سفر کیا ہی۔ اُسوقت طبخہ کا حاکم فضلویہ تھا۔ چونکہ اُسنے اپنی اطاعت سے سلطان کو رضا مند کرلیا تھا۔ لہذا حکومت فارس کی سند بھی فضلویہ کو لکھدی گئی تھی۔ لیکن جب سلطان کرمان ہوکر خراسان کو روانہ ہوگیا تو فضلویہ فارس کے ایک مستحکم قلعے میں اپنا تمام خزانہ اور خرچ لیکر چلا گیا۔ اور سلطان سے بغاوت پر آمادہ ہوا۔ لہذا سلطان نے اس شورش کے مٹانے کے لیے مجھے مامور کیا۔ چنانچہ ہماری فوجیں فصیل قلعے کے نیچے بہت جلد پہنچگئیں لیکن خیر خواہان سلطنت میں سے جو اس صوبے اور نیز قلعے کے حالات سے آگاہ تھے اُنھوں نے عرض کیا کہ قلعے کا محاصرہ کسی طرح مناسب نہیں ہی، کیونکہ یہ قلعہ ناقابل فتح ہی۔ بلکہ مناسب یہ ہی کہ فضلویہ کو خوف دلایا جاے، اسوقت باہستگی انتظام ہوجائیگا۔ چنانچہ مینے بہت کچھ غور کیا اور دل ہی دل میں فیصلہ کرتا رہا کہ فضلویہ کے پاس جانا چاہیئے یا سفر کرنا

[1] قزل ارسلان و فضلویہ کے واقعات، نہایت تفصیل سے فتوحات ملکی کے ذیل میں تحریر ہیں۔

لیکن میرا یہ قول بھی نہیں ہو کہ کسی قسم کی تدبیر ہی نہ کیجاے بلکہ میں علانیہ کہتا ہوں کہ کیسا ہی چھوٹا کام کیوں نہو قواعد عقلیہ سے جانچ کر اُس کی تدبیر کیجاے۔ اگر نتیجہ خاطر خواہ نکلے تو سمجھ لو کہ یہ بھی خدا کی مہربانی ہی۔ اس خیال کو اگر انسان اپنی سیرت بنالے تو ایک مبارک خاصیت بلکہ تکمیل ایمان کی علامت ہی۔ کیونکہ ہر مقصد میں تدبیر سے کامیابی نہیں ہوتی ہی اور یہ بھی بدیہی ہی کہ اگرچہ بغیر تدبیر کے کوئی کام نہیں ہوتا۔ لیکن بااوقات مجھے تجربہ ہوا ہی کہ وہ بغیر تدبیر کے ہوے ہیں جسکو میں "اتفاق حسنہ" سے تعبیر کرتا ہوں۔

حکایت (۱) قزل ارسلان، امیر فارس و کرمان کی بغاوت کا حال سُنکر جس سال سلطان الپ ارسلان نے فارس و کرمان کا سفر کیا ہی۔ اُسوقت طنجہ کا حاکم فضلویہ تھا۔ چونکہ اُسنے اپنی اطاعت سے سلطان کو رضامند کرلیا تھا۔ لہذا حکومت فارس کی سند بھی فضلویہ کو لکھدی گئی تھی۔ لیکن جب سلطان کرمان ہوکر خراسان کو روانہ ہوگیا تو فضلویہ فارس کے ایک مستحکم قلعے میں اپنا تمام خزانہ اور فوج لیکر چلا گیا۔ اور سلطان سے بغاوت پرآمادہ ہوا۔ لہذا سلطان نے اس شورش کے مٹانے کے لیے مجھے مامور کیا۔ چنانچہ ہماری فوجیں فصیل قلعے کے نیچے بہت جلد پہنچگئیں لیکن خیرخواہان سلطنت میں سے جو اس صوبے اور نیز قلعے کے حالات سے آگاہ تھے اُنھوں نے عرض کیا کہ قلعے کا محاصرہ کسی طرح مناسب نہیں ہی، کیونکہ یہ قلعہ ناقابل فتح ہی۔ بلکہ مناسب ہی کہ فضلویہ کو خوف دلایا جاے، اسوقت آہستگی انتظام ہو جائیگا۔ چنانچہ مینے بہت کچھ غور کیا اور دل ہی دل میں فیصلہ کرتا رہا کہ فضلویہ کے پاس جانا چاہیئے یا سفر کرنا

لہ قزل ارسلان و فضلویہ کے واقعات، نہایت تفصیل سے فتوحات ملکی کے ذیل میں تحریر ہیں۔

چاہیے؟ لیکن مرجح پہلو نہ نکلا۔ تب مینے فیصلہ کیا کہ اس صورت میں سلطان کا حکم مقدم ہے، اگر میری کوشش کامیاب ہوگئی تو بہتر ہی ورنہ عدول حکمی کے مواخذے سے بری رہونگا۔
غرضکہ یہ رائے قطعی ہوگئی اور قلعے کا محاصرہ کرلیا گیا۔ محصورین مستغنی تھے اور وہ کسی طرف سے نظر نہ آتے تھے اور مینے بھی مستحکم ارادہ کرلیا تھا کہ محاصرہ نہ اٹھاؤنگا۔ بلکہ اسی غرض سے ایکسال کی رسد کے لیے احکام جاری کردیے تھے۔ مختصر یہ کہ صرف ایک رات محاصرہ رہا اور صبح کو چاشت کے وقت یکایک قلعے سے الامان کی صدا آنے لگی۔ تب مینے امن و امان کا حکم جاری کیا۔
فضلویہ نے سالانہ خراج ادا کرنا منظور کیا۔ اور بہت سے تحفے تحائف روانہ کیے۔ ہم لوگوں کو نہایت استعجاب تھا۔ اور وہاں کے باشندوں کو بھی حیرت تھی۔ کیونکہ یہ وہ قلعہ ہی جو برسوں کی لڑائی میں بھی فتح نہیں ہوسکتا تھا پھر کیا سبب ہوا کہ اسقدر جلد قبضے میں آگیا؟ لیکن تحقیقات سے معلوم ہوا کہ جس شب کا یہ واقعہ ہی اس رات کو خود بخود قلعے کے تمام تالاب اور حوض خشک ہوگئے تھے۔ اور کنوؤں کا بھی پانی سوکھ گیا تھا۔ اور ایک گھونٹ پانی بھی کہیں میسر نہیں آسکتا تھا۔ اسلیے محصورین امان کے طالب ہوے تھے جب مجھے یہ معلوم ہوا تو مینے خدا کا شکر کیا اور سمجھ لیا کہ سب تدبیریں تقدیر الٰہی کے ماتحت ہیں۔ کیونکہ جو تدابیر فتح قلعے کے لیے کی گئیں تھیں اور جو واقعہ پیش آیا اُس میں مشرق و مغرب کا فاصلہ تھا۔ مینے ایسے بہت کرشمے دیکھے ہیں مگر مناسب حال اسی قسم کا ایک واقعہ اور ہی۔

حکایت ۲ ۴۵۶ھ ۱۰۶۴ء میں سلطان الپ ارسلان سلجوقی نے خراسان سے روم کا سفر کیا اور نواح کرخ میں پہنچکر سلطان تو روم کو روانہ ہوگیا۔ اور چونکہ کرخ کی فتح کا اہتمام شاہزادہ

ملک شاہ کے سپرد کیا گیا تھا، لہٰذا شاہزادہ کرخ کی طرف بڑھا۔ اور ایک قلعے کے قریب پہنچ گیا یہ نہایت بلند اور مستحکم قلعہ تھا۔ اور اسکے چاروں طرف نہریں تھیں، نام اس قلعہ کا "مریم نشین"[1] تھا" اور ملک کے مشہور علما، و مشائخ (قسیس و رہبان) وہاں موجود تھے۔ لوگ کہتے تھے کہ یہ قلعہ بھی عیسائیوں کا ایک گرجا ہی۔ اور کرخ والے بھی اکثر عیسائی تھے۔ غرضکہ اس قلعے کے چاروں طرف گرداوری کی گئی تو معلوم ہوا کہ سوار و پیادے دونوں قلعے کی برجیوں تک نہیں پہنچ سکتے ہیں۔ یہ حال دیکھکر ملک شاہ کو بہت رنج ہوا۔ کیونکہ قلعہ کا بحال خود چھوڑ دینا اور اہالیان کرخ سے کسی قسم کی مزاحمت نکرنا، اور سلطان سے مدد مانگنا، اور قلیل فوج سے قلعے پر حملہ کرنا، یہ سب صورتیں تکلیف سے خالی نہ تھیں۔ اور جدال و قتال کا کوئی مفید نتیجہ نہیں نکلتا تھا۔ اور بے عزتی کا خیال ان سب پر مستزاد تھا۔ اسلیے مینے ملک شاہ کو سمجھایا کہ آپ پریشان نہوں بادشاہوں کی مہمات اور ہی صورت سے سر ہوا کرتی ہیں۔ اور اُن کو عامۂ خلائق کے کاموں سے کوئی مناسبت نہیں ہوتی ہی۔ کیونکہ اگر بادشاہوں کے کام معمولی آدمیوں کی طرح ہوجایا کریں تو پھر تائید ذوالجلال کیونکر معلوم ہو، اور کافۂ انام پر ترجیح کا پہلو کیونکر نکلے؟

القصہ دوسرے دن مقابلے کی طیاری کی گئی۔ اور بہادروں نے بذریعہ کشتیوں کے خندق سے عبور کیا، اور بڑی کوششیں کیں، لیکن کچھ فائدہ نہوا۔ بلکہ بہت سے بہادر سپاہی ضائع ہوگئے اور ملک شاہ بغیر میری اطلاع چند آدمیوں کے ہمراہ ایک برج کے نزدیک چلا گیا اور قلعہ سے

[1] اس قلعے کے تفصیلی حالات اور اس جنگ کا پورا خلاصہ فتوحات کے ذیل میں درج ہی۔

کمندیں پھینکی گئیں یہ موقع نہایت خطرناک تھا۔ مگر خدا نے بچا لیا۔ اور برج کے نیچے سے نکل کر یہ لوگ دور چلے گئے۔ شاہزادے کی یہ حالت دیکھکر میں حیرت زدہ رہ گیا اور مجھ سے کوئی تدبیر نہ بن پڑی۔ ہنوز حیرانی رفع نہیں ہوئی تھی کہ زور شور سے آندھی آئی اور تاریکی نے ساری دنیا کو ظلمتکدہ بنا دیا۔ اور اسکے بعد ہولناک زلزلہ آیا۔ اور یہ معلوم ہوا کہ گویا قیامت آگئی ہے۔ جب مطلع صاف ہوگیا اور روشنی نمودار ہوئی تو دیکھا کہ قلعے کا مشرقی حصہ گر گیا ہے اور دیوار کے گرنے سے سارا خندق اٹ گیا ہے۔ چنانچہ فوج بلا تکلف قلعے میں داخل ہوگئی۔ فتح نصیب ہوئی اور اکثر عیسائی مسلمان ہوگئے۔ اور صرف اسی ایک فتح سے بقیہ بلاد کرخ پر قبضہ ہوگیا۔

میرا مطلب اس واقعے کے بیان سے یہ ہے کہ سارے مقاصد تدبیر پر موقوف نہیں ہیں۔ بلکہ تائید آسمانی اور تقدیر ربانی بھی کوئی چیز ہے۔

(۳) اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ اللہ جلشانہ کی اطاعت، اور بادشاہ وقت کی اطاعت فرض ہے۔ اور جبکہ یہ فرمانبرداری عامۂ خلائق پر عموماً فرض کی گئی ہے۔ تو جو لوگ مقربین اور خاص الخاص ہیں۔ اُنپر تو بدرجۂ اولے ہونا چاہیئے۔ اور سب سے بڑھ کر اُس شخص پر جس کے ہات میں مالی و ملکی اختیارات اور حکومت کی باگ دیدی گئی ہو، اور جو سلطنت کے گھٹاؤ بڑھاؤ اور اُمور مملکت کی پیچیدگیوں کے سلجھانے کا ذمہ دار ہو۔ اس قسم کی اطاعت اسوقت تک نہیں ہوسکتی ہے جب تک کہ بادشاہ وقت کی عظمت وجلال کا سکہ دل پر نہ بیٹھ جاے۔ اور جبتک ایسا نہوگا وہ خالص محبت کہ جو حقیقت میں اطاعت اور تعظیم و تکریم کا نتیجہ ہے طرفین میں پیدا نہوگی

اور انجام کار غیر مستحسن نتائج ظہور پذیر ہونگے۔ اب رہے تعظیم سلاطین کے اسباب وہ کئی نوع پر تقسیم ہیں۔

(۱) سب سے پہلے دفع مضرت ہی یعنی بادشاہ سے ہروقت ڈرتے رہنا چاہیے۔ لیکن یہ صفت عامۂ خلائق میں مشترک ہی۔ اسلیے وزیر کو سب سے زیادہ بادشاہ کی تعظیم کرنا کوئی خاص فائدہ نہیں بخشتا ہی۔

(۲) دوسرے جذب منفعت ہی جسکو کنایۃً اُمّید کہتے ہیں اور جس طرح نوع اول میں ساری خلقت سہیم و شریک تھی اسی طرح اس نوع میں دربار کے تمام خاص و خواص مشترک ہیں اسلیے جب تک خوف و رجا کا پردہ درمیان سے نہ اُٹھ جائے، اور خالص محبت اور سچی ارادت نہ پیدا ہو، اُسوقت تک خاطرخواہ ثمرہ مترتب نہیں ہوتا ہی۔ اور جب عقیدت اس درجے پر پہنچ جاے اور پھر کسی مقصد میں خلل پڑ جاے تو نقصان کا خوف نہیں ہوتا ہی۔ بلکہ کامیابی جلد ہو سکتی ہی۔

اب میں وہ تدبیریں بتاتا ہوں کہ جسکے ذریعے سے انسان راسخ العقیدت بنجاتا ہی۔

(۱) خوب سمجھ لو کہ بغیر توفیق الٰہی اور تائید سماوی کے کوئی شخص بادشاہ نہیں بن سکتا ہی۔ اور نہ ساری دنیا کو وہ اپنا فرمانبردار بنا سکتا ہی، اگرچہ غلبہ اور تسلّط کے کتنے ہی اسباب موجود کیوں نہوں؟ لیکن فی الحقیقت سب کا مرجع تائید غیبی ہی۔ اور صرف اس ایک سبب کے وجود پذیر ہونے پر دیگر اسباب خود بخود مہیا ہو جاتے ہیں۔ اور یہ نتیجہ ارادت الٰہی سے حاصل ہوتا ہی۔ اور اس میں بھی شبہ نہیں ہی کہ سلطان عادل کی اطاعت فرض ہی کیونکہ وہ زمین پر خدا کا سایہ ہی۔

(ظل اللہ فی الارض)

حکایت روایت ہی کہ ابن[1] اعلم رصدی سے جو مشاہیر منجموں سے تھا خلیفہ ہمیشہ ضمیر[2] کے سوالات کیا کرتا تھا۔ اور استخراج ضمیر میں کوئی منجم ابن اعلم کا ہمپلہ نہ تھا۔ اگر تھا تو صرف ناصر[3] بنانی جو ابن اعلم کا ایک نہایت ذکی الطبع شاگرد تھا۔

ایک دن خلیفہ نے ایک پرچہ کاغذ پر کچھ لکھکر قالین کے نیچے (جسپر بیٹھا ہوا تھا) دبا دیا اور ابن اعلم سے

---

[1] مامون الرشید عباسی کے بعد خلافت کی شان و شوکت میں زوال آگیا تھا اور عنان حکومت مختلف شخصوں کے ہات میں تھی۔ چنانچہ خلیفہ القاہر باللہ ابو منصور محمد کے زمانے میں بنی بویہ کی ابتدا ہوئی ابو شجاع بویہ بن فنا خسرو جو یزدجرد کی اولاد میں تھا اسکے تین بیٹے عماد الدولہ علی اور رکن الدولہ حسن اور معز الدولہ احمد بڑے نامور ہوے اور انکا اقتدار دربار میں بڑہنے لگا چنانچہ المستکفی باللہ کے دربار سے احمد کو امیر الامرا کا عہدہ ملا اور آیندہ یہی خاندان تخت بغداد کا مالک تھا جس کو چاہتے تھے تخت نشین کرتے تھے اور جسکو چاہتے تھے اُتار دیتے تھے۔ چنانچہ رکن الدولہ کا بیٹا عضد الدولہ بنی بویہ میں سب سے بڑھ کر نامور ہوا ہی۔ اور یہ فارس کا حکمران تھا (اسکا عہد حکومت ۳۳۸ھ ۹۴۹ء لغایت ۳۷۲ھ ۹۸۲ء ہی) اسکا زمانہ علمی ترقیوں میں نہایت ممتاز تھا۔ اگر یہ بہادر حمایت علم کا عَلم لیکر نہ اُٹھتا تو دسویں صدی عیسوی کے خاتمے پر علم کا چراغ گُل ہوجاتا۔ چنانچہ اسکے دربار میں منجملہ مشاہیر علماے ہیئت کے ایک ابن اعلم بھی تھا۔ اس شریف علوی کا نام ابو القاسم علی بن حسین بن محمد بن عیسیٰ تھا۔ اور تاریخ میں ابن اعلم کے نام سے مشہور ہی۔ ہیئت میں عضد الدولہ ابن اعلم کا شاگرد تھا۔ اور ہمیشہ اس شاگردی پر فخر کیا کرتا تھا۔ عضد الدولہ کے انتقال کے بعد صمصام الدولہ اُسکے بیٹے نے ابن اعلم کی کچھ قدر نہ کی اور وہ ناراض ہوکر چلا گیا اور ۳۷۵ھ میں حج کو روانہ ہوا اور واپسی کے وقت بمقام عسیلہ انتقال کیا۔ خواجہ نظام الملک نے جس واقعہ کو لکھا ہی یہ خلیفہ المطیع یا الطائع کے وقت کا ہی" انتخاب از مختصر الدول عبری ۳۰۴ و تاریخ عرب مسیو سید یو فرنسیسی۔ بیان ترقی علم ہیئت" [2] ضمیر = سائل کا ما فی الضمیر جب خود نجومی بیان کرتا ہی تو اس سوال کو ضمیر کہتے ہیں" [3] بنان = مرو شاہجہاں کا ایک مشہور قریہ ہی" مراۃ البلدان ناصری صفحہ ۲۹۰۔ معجم البلدان جلد ۲ صفحہ ۲۸۸

پوچھا کہ بتاؤ مینے کیا لکھا ہی؟ (اسوقت ناصر بھی موجود تھا) ابن اعلم نے استخراج ضمیر کے قاعدے سے بتایا کہ "اس کاغذ پر خداوند جل جلالہ کا نام لکھا ہوا ہی" لیکن ناصر نے ابن اعلم سے اختلاف کیا اور کہا کہ "اسپر بادشاہ کا نام نامی ہی" تب خلیفہ نے ابن اعلم سے پوچھا کہ "تم کس قاعدے سے کہتے ہو کہ خدا کا نام ہی؟ اُسنے جواب دیا کہ "دلائل اور علامات سے معلوم ہوتا ہی کہ کوئی رفعت وشان کا نام ہی اور تمام علامتوں سے خاص ہیبت ٹپکتی ہی۔ اس لیے مینے عرض کیا کہ وہ خدائے تعالےٰ کا نام ہی" پھر خلیفہ نے ناصر سے دریافت کیا کہ تمھاری کیا دلیل ہی؟ اُسنے کہا کہ "جناب استاذی جو کچھ فرماتے ہیں اور جن دلائل کی بنا پر حکم لگایا ہی وہ مجھے بھی معلوم ہیں۔ اور میں بھی کہنا چاہتا تھا کہ خدا کا نام ہی۔ لیکن یہ دعویٰ صفات الٰہی کے مقابلے میں کچھ ٹوٹتا ہوا معلوم ہوا۔ پھر مینے سوچا کہ اگر خدا کا نام ہوتا تو امیرالمومنین اُسکو قالین کے نیچے نہ دباتے۔ اسلیے مینے نہایت یقین سے کہا کہ اسپر بادشاہ کا نام ہی" اس مباحثے کے بعد خلیفہ نے وہ کاغذ نکالا تو اُسپر تحریر تھا "سلطان عادل" اُس معرکہ آلآرا حکم پر ساری مجلس کو تعجب ہوا۔ اور ناصر نبانی کو خلیفہ نے صلہ وانعام سے مالامال کر دیا۔

اس روایت سے تمکو معلوم ہوا ہوگا کہ سلطان عادل کا یہ درجہ ہی کہ عقل نے صفات الٰہی سے اوصاف بادشاہی پر استدلال کیا۔ اور اقبال ربانی کی علامتوں کو اُسنے اوضاع سُلطانی سمجھا اسلیے اُس شخص کو جس کی دانشمندی وفرزانگی پر سلطان عادل نے اعتماد کرکے دنیا کا سب سے بلند ترین درجہ (یعنی وزارت) سپرد کر دیا ہو، زیبا ہی کہ وہ سچائی اور امانت کا مسلک

اختیار کرے۔ اور ایسے کام کرے جس میں سلطنت کی مالی حالت ترقی پذیر ہو۔ لیکن شرط یہ ہے کہ عدل و انصاف قائم رہے۔ اور دلچسپی کے بیہودہ خیالات دل سے مٹا دیئے جائیں خصوصاً وہ کام جسکو شریعت نے منع کیا ہے کیونکہ ذراسی عیش پرستی میں بڑے بڑے کام بگڑ جاتے ہیں۔ اور تھوڑی سی جد وجہد میں معلوم نہیں کہ کیا کچھ ہوجاتا ہے۔

وزیر کو چاہیے کہ اپنے عیش وعشرت کو صرف بادشاہ کی رضامندی پر منحصر رکھے۔ اور یہ یقین کرلے کہ خدام کی کوئی خوشی بادشاہ کی خوشنودی مزاج کی برابر نہیں ہوسکتی ہے۔ کیونکہ دنیا کی ساری لذتوں کا سرچشمہ یہی ہے۔ اور ساری کوشش اسی کے حصول کے لیے کی جاتی ہے، ابتدائے ملازمت میں دل لگاکر کام کرنا چاہیے، کیونکہ آگے چلکر اُس کی لیاقت اور کارگزاری سے ہر قسم کی توفیر اور مالی ترقیاں ہوں گی جسکی اطلاع بادشاہ تک پہنچیگی۔ لیکن حکومت ملنے پر فوراً ہی اُن تمام تجاویز پر عملدرآمد کرنا چاہیئے جو ترقی ملک کے لیے سوچی گئی ہوں بلکہ اُن کا نفاذ آہستہ آہستہ کیا جاے۔

(۲) جب معلوم ہوجاے کہ کسی خاص وجہ سے بادشاہ پریشان ومتردد ہے تو اُسکی اصلاح کی فوراً فکر کیجاے اگر کامیابی ہوجاے تو وزیر کی یہ سعی قابل شکرگزاری ہوگی۔

ایسے تفرقے جو وزیر کی تدبیر سے علاج پذیر ہوسکتے ہیں وہ دو نوع پر تقسیم ہیں ایک ملکی دوسرا مالی

تفرقہ ملکی۔ ۱ تفرقہ ملکی کی تفصیل ایسے مختصر مضمون میں نہیں ہوسکتی ہے۔ لیکن بسبیل اجمال سمجھ لینا چاہیئے کہ جس چیز پر ساری ملکی تدبیریں منحصر ہیں وہ یہ ہے کہ اپنے دوستوں کو رضامند رکھے اور دشمنوں سے ہمیشہ بچتا رہے۔ دوستوں کو تالیف قلوب اور مہربانی سے اس طرح

رکھنا چاہیئے کہ وہ دن بدن خیر خواہ ہوتے جائیں اور کسی وقت میں بھی مخالف نہوں، باقی رہے دشمن وہ حصر عقلی کے مطابق تین قسم کے ہوتے ہیں اعلیٰ، مساوی۔ آدنی۔
جو دشمن درجۂ اعلیٰ کا ہی اُس سے حتی المقدور ہوشیار اور پُرحذر رہنا چاہیے۔ اور جو درجۂ اُدنی کا ہی نہ اُسکو باقی رکھنا چاہیئے نہ مہلت دینا چاہیئے۔ اور برابر والے سے جہانتک ہوسکے صلح و آشتی قائم رکھی جاے۔

بادشاہ کو عموماً بدعہدی اور نقض معاہدے سے بچانا چاہیئے اور اہل اسلام سے خصوصاً۔ کیونکہ بدعہدی کا نتیجہ ہر عہد میں نامبارک ہوا ہی۔ جو بادشاہ مضبوطی سے معاہدے پر قائم رہے ہیں اُنکو بمقابلے اُن فوائد کے جو نقض معاہدے سے حاصل ہوتے، اپنے قول پر قائم رہنے سے (منجانب اللہ) کہیں بڑھ کر فائدہ ہوا ہی۔

حکایت نواح بلخ میں جب امیر اسمٰعیل سامانی[لہ] اور عمرو لیث کا مقابلہ ہوا تو یہ مشہور ہے کہ امیر اسمٰعیل نے عمرو لیث کو گرفتار کر لیا تھا۔ اور اُسکے خزانے کی تلاش شروع ہوگئی تھی لیکن جب کہیں سراغ نہ چلا تو خود عمرو لیث سے پوچھا۔ اُسنے کہا کہ "مہتمم خزانہ میرا ایک عزیز تھا جسکا نام سام ہی۔ اگر وہ ہرات میں لوٹ آیا ہی تو معلوم ہوگا" چنانچہ چند روز کے بعد امیر اسمٰعیل ہرات

لہ آل سامان۔ خراسان اور ماوراء النہر میں سامانیوں کی حکومت ۲۶۱ھ ۸۷۴ء لغایت ۳۸۹ھ ۹۹۹ء رہی ہی۔ اس خاندان میں نو پادشاہ ہوے ہیں۔ چنانچہ کسی شاعر کا قول ہی

نہ تن بودند ز آل سامان مشہور — ہر یک بحکومت خراسان مغرور
اسمٰعیلی و احمدی و نصری — دو نوح و دو عبدالملک و دو منصور

چنانچہ امیر اسمٰعیل اسی خاندان کا حکمران تھا اور عمرو لیث صفاریہ خاندان سے تھا۔ از نگارستان

پہنچا۔ تو رعایاے ہرات امن وامان کی طالب ہوئی اور اُن کی درخواست منظور کی گئی لیکن جب اُسنے سامان اور خزانے کا حال دریافت کیا گیا تو تمام رُوسا نے قسمیں کھائیں اور کہا کہ ہمکو کچھ علم نہیں ہی۔ غرضکہ جب خزانہ ہات نہ لگا تو فوج میں بیدلی پھیلنے لگی۔ کیونکہ شروع لڑائی سے ابتک کہیں ایسا مال غنیمت نہیں ملا تھا کہ جس سے اُنکے دل خوش ہوتے۔ اور نہ اہالیان ہرات نے نذرانہ پیش کیا۔ لہذا سب کی یہ رائے ہوئی کہ ہرات والے حقیقت میں مطیع نہیں ہوئے ہیں، بلکہ آخر میں یہ ضرور بغاوت کرینگے۔ چنانچہ ارکان دولت نے متفق ہوکر امیر اسمعیل سے عرض کیا کہ اسوقت ہرات کی مردم شماری تخمیناً ایک لاکھ ہی۔ بطور امداد اگر ہر شخص سے دو مثقال سونا لیا جاے تو تیئیس[۲۳] من سترہ سیر[۵۱] آٹھ چھٹانک سونا وصول ہوگا اور اگر اسکا نصف فوج کو دیدیا جاے تو بہت کچھ انکی حالت درست ہوسکتی ہی۔ امیر نے فرمایا "کہ میں نے مسلمانوں کو امان دی ہی اور قسم کھاچکا ہوں اب اسکے خلاف کوئی تاویل نکرونگا" اور فوراً ہرات سے کوچ کر دیا تاکہ وہ شیطان کے مکروفریب سے بچیں اور پھر اس قسم کا ذکر نہ کریں کہ جو نقض معاہدے کا باعث ہو؟ دوسری منزل پر پہنچکر اعیان سلطنت نے پھر وہی ذکر شروع کیا۔ اور کہنے لگے معلوم نہیں اس مُلک پر ہمارا قبضہ رہے یا نہ رہے۔ اس حالت میں یہاں سے ناکام جانا مصلحت ملکی سے بعید ہی۔ لیکن امیر نے پھر وہی جواب دیا اور کہا کہ جس قادر مطلق نے عمرولیث کو تازیانہ تقدیر کے بل پر میرے سامنے دوڑایا اور اُسکو گرفتار کرادیا۔ وہ اسپر بھی قادر ہی کہ بغیر کسی قسم کی تاخت وتاراج کے میری فوج کا کفیل ہو جاے۔ یہ مایوسی کا

[۵۱] بشرح نرخ موجودہ ستائیس[۲۷] روپیہ فی تولہ بیس لاکھ پچپن ہزار روپیہ ہوا

جواب سُنکر ارکان دولت رخصت ہوگئے، اور اُسی وقت یہ معاملہ پیش آیا کہ ایک کنیز غسلخانے میں تھی اور اس کی مرصع حمائل کپڑوں کے اوپر رکھی ہوئی تھی کہ ایک چیل حمائل کے لعلوں کو گوشت کا ٹکڑا سمجھکرلے اُڑی۔ چنانچہ اسی وقت سوار دوڑلے گئے۔ اُنھوں نے چیل کا تعاقب کیا۔ جب وہ ایک جگہ جاکر ٹھہری توسواروں نے اُسکو گھیر لیا اور حمائل پنجے سے چھوٹ گئی لیکن اس جگہ کنواں تھا وہ اُس میں جا گری۔ چنانچہ ایک شخص (رسیوں کے ذریعے سے) کنوئیں میں اُتارا گیا۔ تو معلوم ہوا کہ ایک دوسرا کنواں اُسکے اندر اور ہے اور اس میں صندوق رکھے ہوے ہیں، پاس جاکر دیکھا تو خزانہ نکلا۔ اور معلوم ہوا کہ سامؔ مذکور بلخ سے بھاگ کر لوگوں کی نظروں سے بچتا ہوا پہاڑی راستے سے اس طرف آیا اور اس مقام پر خزانہ لاکر چھپا دیا۔ غرضکہ جسقدر عمر ولیث کے خزانے کی اُمید تھی اور جتنا کہ فوج رعایاے ہرات سے وصول کرنا چاہتی تھی اُسکا دوچند ملگیا۔ اور یہ عہد وپیمان پر قائم رہنے کا صلہ تھا۔

تفرقہ مالی - ۲ اگر بادشاہ مالی مشکلات سے متردد ہو۔ مثلاً فوجی مصارف زمانہ جنگ میں، یا اسی قسم کے دیگر اخراجات۔ اسوقت وزیر کو سعی کرنا چاہیے کہ عمدہ ذریعوں سے یہ مصارف نکل آئیں۔ بلکہ وزیر کی غیبت میں اگر کوئی خیر خواہ اُن تدابیر کا بادشاہ سے ذکر کردے تو بہت ہی مناسب ہے۔

حکایت سلطان الپ ارسلان سلجوقی کا منجملہ خزانوں کے ایک مخزن قلعہ گیو تھا یہ قلعہ نواح فراہان[لہ] میں واقع تھا اور سلطان کی اس خزانے پر خاص توجہ تھی۔ چنانچہ جب کبھی

[لہ] فراہان جسکو فرہان بھی کہتے ہیں نواح ہمدان میں ایک مشہور گاؤں ہے، ابونصر صاحب نصاب اسی گاؤں کا باشندہ تھا

خراسان سے عراق یا عراق سے خراسان جانیکا اتفاق ہوتا۔ تو اس خزانے کا ضرور ملاحظہ ہوتا تھا۔ اور اس میں جسقدر کمی معلوم ہوتی اسکا فوراً تدارک کر دیا جاتا تھا۔
چنانچہ دوسری مرتبہ جب دیلم پر فوج کشی ہوئی۔ اور فوجیں بمقام رَے پہنچیں اسوقت فوج کی تنخواہ اور وظیفے باقی تھے۔ اور چونکہ سلطان نے کئی بار فرمایا تھا کہ جب تک ممالک دیلم پر پورا قبضہ نہو جائیگا واپسی نہوگی اور کم سے کم تین برس تک ان ممالک میں رہنا پڑیگا۔ اس لیے مشورہ کامل کے بعد سلطان نے حکم صادر فرمایا کہ قلعہ گیو سے یہ مصارف ادا کیے جائیں۔
چنانچہ جب یہ مہم ختم ہوگئی تو واپسی کے وقت سلطان نے نواح خزاہان میں قیام کیا۔ اور فرمایا کہ یہ بڑا بیش قیمت ذخیرہ تھا اور اس میں سے کثیر رقم نکلگئی ہے۔ اور جب دفتر سے حساب پیش کیا گیا تو معلوم ہوا کہ دس لاکھ صرف ہو چکے ہیں۔ لہٰذا سلطان نے حکم دیا کہ یہ کمی فوراً پوری کیجاے
چنانچہ سلطان کو پریشان دیکھکر میں خیمے سے باہر نکل آیا۔ اور جاگیر خالصہ کے ایک سو عمال کی فہرست مرتب کر کے اُنکے نام یہ حکم بھیجدیا کہ ہر عامل دس ہزار درہم (یہ جدید اضافہ داخل جمعبندی نہ تھا بلکہ متفرقات سائر پر جمع تشخیص کر دی گئی تھی۔ جو بندوبست سے چھوٹی ہوئی تھی) بمیعاد تین ماہ داخل کرے اور چونکہ مسلسل فصلوں (فصل زائد یا دو فصلا) کی ادائے لگان کا زمانہ تھا لہٰذا میعاد کے اندر خزانہ عامرہ میں یہ رقم داخل ہوگئی"
اسکے بعد میں ایک ضرورت سے رَے چلا گیا۔ اور میری غیبت میں سعید حاجب نے یہ وقعہ

بقیہ نوٹ صفحہ ۳۷۸۔ حقیقت میں یہ ایک جھیل کا نام ہے جو ۱۲ میل کی لمبی چوڑی ہے۔ ایام خریف میں یہ پانی سے پُر رہتی ہے۔ اسکے بعد جب خشک ہوجاتی ہے تو نمک کا ذخیرہ چھوڑجاتی ہے۔ صفحہ ۲۷۳ جلد ۶۔ معجم۔

بیان کیا۔ تو وہ از حد خوش ہوا اور خواجہ ابو علی شاداں کو کلمات خیر سے یاد کیا۔

دوسری شرط۔۲ بادشاہ کے ساتھ یہ بھی بھلائی ہو کہ اُسکے حق میں وزیر کی سعی سے نیک دعاؤں کا ذخیرہ ہوتا رہے۔ مگر یہ مقصد عدل واحسان کی فیاضی سے حاصل ہوتا ہے۔ اور یہ بھی کوشش کرے کہ صفحہ ہستی پر سلطان کا ذکر جمیل باقی رہے۔ لیکن یہ بقاے دوام حسن سیرت، عدالت اور سچائی سے ممکن ہی جن بادشاہوں کا نام صفحات ایام پر ثبت ہی اور وہ نیکی سے یاد کیے جاتے ہیں یہ وزیر کے عدل کی برکت کا نتیجہ ہے۔ اور اگر برعکس ہو تو خود ہی قیاس کر لو۔

اور یہ بھی قابل لحاظ ہی کہ بادشاہ کتنا ہی مہربان ہوتا ہم اُسکے لطف وعنایت پر کسی طرح اعتماد نکرنا چاہیے بلکہ جہانتک ہوسکے ان امور میں احتیاط کیجاے۔ اور جو اسباب بادشاہ کی مہربانیوں کا باعث ہوں اُسکے بڑہانے کی فکر کیجاے۔

وزیر کو ہمیشہ یہ فکر رکھنا چاہیئے کہ بادشاہ کا میلان خاطر کس جانب ہی اور جب معلوم ہوجاے تو اپنی پوری قوت حصول مقصود میں صرف کر دے، اس سعی سے بادشاہ رضامند ہوگا۔

تم جانتے ہوا کہ اُس بادشاہ حقیقی جلشانہ کی جس کی ذات میں غایت درجے کا استغنا، اور انتہاے مرتبہ کا تقدس ہی، خوشنودی بھی بغیر اس سیرت کے میسر نہیں ہوسکتی ہی، چہ جائیکہ بادشاہ مجازی، جو فی نفسہ ہر قسم کی حاجت اور احتیاج رکھتا ہی؟

جب بادشاہ کی نیت مصلحت ملکی یا انصاف پسندی کے مغائر معلوم ہو تو اُسکو کھلے ہوئے لفظوں میں نصیحت نکرنا چاہیئے۔ بلکہ اوپری مثالوں اور نظائر سے نقصان ومضرت سمجھا دینا چاہیئے

تاکہ بادشاہ کا ادب بھی قائم رہے اور اُسکے مزاج کا رُخ بھی ادہر سے اودہر ہو جاوے۔

حکایت ایک زمانے میں سلطان الپ ارسلاں کے عزیز و رشتہ داروں کا دربار میں مجمع ہو گیا تھا۔ اور اُنکے انعامات و مصارف کی وجہ سے خزانے پر بار پڑا جاتا تھا۔ لہذا اُمراے دربار کی یہ رائے قرار پائی کہ ہر عزیز کو کسی نہ کسی ضلع کی حکومت پر بھیجدیا جاوے اس کارروائی سے اُنکو بھی فارغ البالی نصیب ہو گی اور سالانہ خراج بھی خزانہ شاہی میں داخل کرتے رہینگے اور مصارف بھی گھٹ جائینگے۔ اس راے کو سلطان نے بھی مصلحتاً منظور فرمالیا۔ لیکن جب مجھ سے مشورہ کیا تو مجھے تامل ہوا۔ کیونکہ یہ وہ لوگ تھے جو نہ اُصول حکومت سے واقف تھے اور نہ اُنکے اخلاق ہی عمدہ تھے (بلکہ وحشی ترکوں کا ایک گروہ تھا) میری راے میں اُن کی حکومت سے اُس ملک کی رعایا کی کامل بربادی و تباہی متصور تھی اور خزانہ اُنکے ہاتوں میں دیدینا آیندہ کی خرابیوں کا باعث تھا۔ لیکن چونکہ میں سلطان کے مستحکم ارادے سے واقف تھا۔ اس لیے تردد ہوا کہ آیا سلطان سے صاف صاف اس معاملے کو کھوں یا نہ کھوں؟

جب جواب دینے میں وقفہ ہوا تو سلطان نے فرمایا کہ آخر اس مسلے میں تمھاری کیا رائے ہی؟ مینے عرض کیا کہ اسی کا ہمشکل ایک واقعہ خلیفہ منصور عباسی کا یاد آگیا ہی وہ عرض کرتا ہوں علامہ اصمعی[1] کی روایت ہی کہ عمرو بن عمید بغداد کے مشہور مشائخوں میں سے تھا۔ اور خلیفہ

[1] ابو سعید عبد الملک بن علی بن اصمع مشہور بہ اصمعی بصری۔ لغت۔ نحو۔ اخبار۔ نوادرات کا امام ہی ۱۲۳ھ ۷۴۰ء میں پیدا ہوا ۲۱۶ھ ۸۳۱ء میں فوت ہو گیا۔ عربی علم لغت کا ایک خمس اسی کی روایت سے مدون ہوا ہی۔ بلا کا ذہین تھا۔ علاوہ متفرق مضمون کے اشعار میں صرف رجز کے بارہ ہزار شعر یاد تھے۔ تصنیفات میں سے ۳۵ مفید کتابوں کی فہرست ابن خلکان میں درج ہی تذکرہ شعراے عرب صفحہ ۱۰۴۔

منصورؒ عباسی اسکا مرید تھا۔ اور سلطنت کے تمام معاملات میں شیخ کے مشورے پر عمل کرتا تھا اور یہ وہ زمانہ تھا جبکہ تمام مملکت میں آل عباس حکمراں تھے۔ اور ہمیشہ اُنکے ظلم وستم کی شکائتیں ہوا کرتی تھیں لیکن رشتے کے سبب سے خلیفہ منصورؔ اُنکے تدارک میں سستی کیا کرتا تھا۔

اُسی زمانے میں شیخ نے منصورؔ کے مشورے اور اجازت سے براہ بیت المقدس حجاز کا سفر کیا جب شیخ قدس شریف پہنچ گیا۔ تو وہاں کی رعایا نے بمنت وسماجت شیخ کو ٹھہرالیا۔ اس درمیان میں متواتر قاصد خلیفہ کے آئے۔ مگر شیخ نے بغداد کا قصد نہیں کیا۔ تب مجبور ہوکر خلیفہ نے اپنا ایک معتمد روانہ کیا اور کہلا بھیجا کہ حضور کی نسبت میرا یہ عقیدہ ہی کہ جو آپ کے دل میں ہو وہی آپ کی زبان پر ہوگا۔ لہذا ارشاد فرمایئے کہ بغداد سے بیزاری کا باعث کیا ہی؟ جب معتمد حق سفارت ادا کرچکا اور شیخ کی خدمت میں چند روز تک حضوری رہی تو ایک دن عرض کیا کہ بغداد جناب کا اصلی وطن ہی۔ پھر کیا وجہ ہے کہ سفر کی غربت کو وطن کی مفارقت پر ترجیح دی گئی ہی؟ شیخ نے فرمایا کہ "رقت طبع اور ضعف قلب میں مبتلا ہوں۔ اور وہاں ہمیشہ فریادی آیا کرتے ہیں۔ اب مجھ میں اسقدر قوت نہیں ہی کہ بالتصریح منصور سے اُس کی شکایت کردں، اور عمال کے ظلم سے مظلوموں کو بچاؤں۔ اور فی سبیل اللہ منصورؔ کی خیر خواہی کا جسقدر خیال ہی اِس اعتبار سے

[1] ابوجعفر منصور دوانیقی خلافت عباسیہ میں دوسرا تاجدار تھا۔ ۱۳۶ھ؁ میں بعد انتقال اپنے بھائی سفاح کے تخت نشین ہوا۔ یہ خلیفہ نہایت بہادر، منتظم، اور شائق علم وکمال تھا۔ مورخین نے اسکو فاتحۃ الخلفاء کا لقب دیا ہی۔ اسکے عہد میں ملک اور فوج کا باقاعدہ بندوبست ہوا ہی۔ مزاج کا سخت اور خونریز تھا۔ انتہاے بخل کی وجہ سے دوانیقی کہلاتا تھا۔ مگر اہل علم کے واسطے فیاض تھا۔ اسنے اس عقیدے پر بہت زور دیا کہ خلیفہ نائب خدا ہی۔ اسکے عہد کا مشہور واقعہ بغداد کی تعمیر ہے ۱۵۸ھ؁ میں فوت ہوا۔

اشارتاً وکنایتاً بھی کہتا ہوں مگر منصور نہ اسپر التفات کرتا ہی اور نہ توجہ سے سنتا ہی چند مرتبہ تنبیہاً مینے کہا کہ یہ ہوسکتا ہی کہ ایک ظالم اپنے طریقے سے دست کش نہو مگر وہ دوسروں کو منع کرسکتا ہی کہ تم ظلم نہ کرو۔ اور جو شخص دفع ظلم پر قادر ہوکر تدارک نکرے وہ قیامت کے دن جواب دہ ہوگا اور سزا پائیگا۔ اور عالم آخرت میں سب سے بڑی حسرت کی یہ بات ہوگی کہ کسی کو اوروں کے قصور میں سزا بھگتنا پڑے،،

القصہ خلیفہ کا معتمد واپس گیا۔ اور جب شیخ کا یہ واقعہ بیان کیا تو خلیفہ نے معتمد کو پھر واپس کیا اور بڑی معذرت کی اور پچھلے جرائم سے توبہ کی اور قول وقسم کے بعد کہلا بھیجا کہ آیندہ شیخ کی تمام تعریضوں اور اشارات پر فوراً عمل کیا جائیگا۔ اور جیسا کہ مریدوں کا دستور ہے۔ ہمیشہ شیخ کے مقصود کے مطابق عمل کریگا،، شیخ حرم اور اکابرین قدس سے بھی سفارش کرائی کہ وہ حضرت کو واپسی بغداد کے لیے مجبور کریں۔ غرض خدا خدا کرکے عمرو بن عمید نے بغداد کا قصد کیا۔ اور جسدن تشریف لاے اُسی دن خلیفہ زیارت کے واسطے حاضر ہوا۔ اور ادہر اُدہر کی باتوں کے بعد جو پچھلے زمانے میں پیش آئی تھیں، خلیفہ نے شیخ کے ہمراہیوں اور راستے کا حال دریافت کیا (شیخ کی عادت تھی کہ وہ ہمیشہ پیادہ پا چلتا تھا) شیخ نے فرمایا کہ میرے ہمراہ اس سفر میں تین چار رفیق تھے۔ نہایت افسوس ہی کہ ان میں سے ایک ضائع ہوگیا۔ اور باقی خیر وعافیت سے منزل مقصود تک پہنچ گئے۔ جب ہم لوگ قدس شریف سے باہر نکل آئے تو ہر شخص اپنا اسباب خود اُٹھاے تھا۔ لیکن وہ عزیز دوسروں کا بھی اسباب لیے ہوے تھا۔ چند روز تک تو اچھی طرح چلا گیا لیکن ایک پڑاو پر جہاں پانی نایاب تھا وہ خستہ ہوکر گر پڑا۔ چونکہ

وہ ہمارا ہم سفر تھا لہذا اُس کی خاطر سے ہم بھی ٹھہر گئے۔ ہرچند اُسنے سمجھایا کہ یہ منزل خطرناک ہی میرے واسطے آپ تکلیف نہ اُٹھائیں۔ بہرحال وہ اُسی جگہ رہ گیا اور معلوم نہیں کہ اسکا کیا نتیجہ ہوا خلیفہ نے کہا ایسے شخص پر آپ کو افسوس کیوں آتا ہی جبکہ وہ اپنے ہی اسباب سے گراں بار ہو رہا تھا تو اُسنے دوسروں کا بار کیوں اُٹھایا۔؟

شیخ نے خلیفہ کا جواب سُنکر تبسم فرمایا اور کہا کہ الحمدللہ کیا خوب بات کہی۔

اب خلیفہ کو اپنی غلطی معلوم ہوئی اور متنبہ ہو گیا۔ اور ظالم عاملوں کے اختیارات چھین لیے اور آیندہ جب تک امانت و دیانت کی تصدیق نہو جاتی۔ کوئی شخص ملکی عہدے پر مقرر نہ کیا جاتا۔

جب مینے سلطان الپ ارسلاں سے یہ واقعہ بیان کیا تب وہ سوچتا رہ گیا۔ پھر مجھ سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ عمرو بن عمید خدا کا نیک بندہ تھا۔ مجھے اُسکا قول نہایت پسند ہی۔ اس کے بعد اپنے ارادے کو فسخ کر دیا۔"

میرا مطلب اس تذکرے سے یہ ہی کہ جب کسی کام کا نفع و نقصان اچھی طرح سے سمجھا دیا جاتا ہی تو اُس کا نتیجہ ضرور مطلب کے موافق ہوتا ہی۔

وزیر میں اسقدر استعداد اور قابلیت ہونا چاہیے کہ اگر دربار شاہی میں کسی علم و فن کا ذکر چھڑ جائے تو وہ اُس میں بقدر ضرورت دخل رکھتا ہو۔ کیونکہ دربار عام میں بادشاہ یا کوئی درباری وزیر سے مخاطب ہو کر کوئی سوال کرے تو وہ جواب دینے میں عاجز نہ ہو۔ گو ندیم کے لیے یہ صفت ضروری ہی لیکن جسکو دربار سے تعلق ہو اور خاص کر اُس شخص کے لیے جسکو متعدد مقدمات اور مہمات کے لیے سر دربار گفتگو کرنا پڑتی ہی بدرجۂ اولیٰ واجب ہی۔

اگرچہ تمام کمالات علمیہ کا حاصل کرنا وزیر کے لیے لازم نہیں ہی۔ مگر دو فن میں اعلےٰ درجے کا کمال ہونا ضروری ہی اور اُمورِ مالی وملکی میں بغیر اسکے چارہ نہیں ہی۔ اور وہ فنِ حساب اور تاریخ ہے۔

حساب کی اُمورِ مالی میں جسقدر حاجت ہی وہ محتاجِ بیان نہیں ہی۔ اور اس فن کے فوائد و ثمرات بھی بدیھی ہیں

تاریخ کو تدابیرِ ملکی میں بہت کچھ دخل ہی۔ کیونکہ عالمِ اسباب میں کبھی کسی نئے واقعہ کا ظہور نہیں ہوتا ہی بلکہ وہی ہوتا ہی جو بارہا ہوچکا ہی اور جسکے نظائر موجود ہیں۔ اور چونکہ پچھلے واقعات پڑھے ہوئے، سمجھے ہوے، سُنے ہوے ہوتے ہیں کہ فلاں کام کا خاتمہ یوں ہوا تھا۔ اور جب کوئی ویسا ہی معاملہ سامنے آجاتا ہی تو یقین رکھو کہ اسکا بھی انجام ویسا ہی ہوگا۔ مثلاً جس شخص[1] کو شاہ بخارا کی فوجی حالت، اور الپ تگیں کا حیلہ معلوم ہی کہ کیونکر لشکر بخارا کو شکست ہوئی تھی تو

---

[1] پورا واقعہ تاریخوں میں بالتفصیل تحریر ہی۔ خلاصہ یہ ہی کہ منصور سامانی کی پندرہ ہزار فوج نے الپ تگیں کے سات سو سپاہیوں کا تعاقب کیا تھا۔ لیکن الپ تگیں اسوقت کوہ ہندوکش کے ایک درّے میں مقیم تھا۔ الپ تگیں نے دو سو جوان درّے پر پھیلا دیئے اور پانچسو کی پانچ صفیں بنا کر مقابلہ کیا اور میدان کارزار میں برائے نام مقابلہ کر کے قصداً درّے کیجانب مع فوج کے چلا گیا۔ منصور کے سپہ سالار نے تعاقب کا حکم دیا۔ چونکہ درّہ تنگ اور عمیق تھا۔ لہذا بڑا حصہ فوج کا یوں ضائع ہوگیا اور جو باقی رہے اُنکو پھیلکر لڑنیکا موقع نہیں ملا اور الپ تگیں نے درّے کے اوپر سے تیر اور پتھروں کی بارش شروع کر دی چنانچہ جو فوج باقی رہ گئی تھی وہ یوں تلف ہوگئی۔ خواجہ کا مطلب یہ ہے کہ جو اس واقعہ سے واقف ہوگا وہ ہرگز ایسی تنگ گھاٹی میں دشمن کے تعاقب کا حکم نہ دیگا۔ انتخاب از نگارستان صفحہ ۱۱۰۔ حالات آل سامان۔ خواجہ نظام الملک نے بھی الپ تگیں کے حالات میں اس لڑائی کا تفصیل سے ذکر کیا ہی۔ اور لکھا ہی کہ خُلم اور بلخ کے درمیان جو مشہور ومعروف پہاڑی درّہ ہی وہاں لڑائی ہوئی تھی اور سب سے زیادہ نمایاں کارروائی سبک تگیں نے کی تھی جو الپ تگیں کا نامور غلام تھا۔" سیاست نامہ باب ۲۷

ایسے موقع پر دشمن اُسکو شکست نہیں دیکھتا ہی۔ اور اسی قسم کے اکثر نظائر ہیں۔ بہرحال گزشتہ تاریخ کے واقعات سے ملازمان شاہی کو (جنکو دربار سے تعلق رہتا ہو) بڑے فوائد حاصل ہوسکتے ہیں۔ اور اکثر ایسا ہوتا ہی کہ ایک برجستہ مثال خود بادشاہ سے صدائے آفریں ونعرۂ تحسین بلند کرا دیتی ہی۔

حکایت رمضان المبارک میں، نماز عصر کے بعد سلطان الپ ارسلان کی مجلس میں نامور علماء کا مجمع ہوا کرتا تھا۔ اور مذاکرۂ علمیہ کے بعد قریب افطار یہ جلسہ برخاست ہوجاتا تھا چنانچہ انھی دنوں میں امام جمال الدین جندی (یہ ماوراءالنہر کے مشہور عالم تھے اور خاقان ترکستان کے دربار میں معزز عہدہ رکھتے تھے) بقصد سفر حجاز ترکستان سے مرو میں تشریف لاے ایک دن امام صاحب بھی مجلس میں شریک ہوے اور قاضی مرو سے مباحثہ شروع ہوا لیکن بڑھتے بڑھتے مناقشے کی نوبت پہنچگئی۔ مضمون زیر بحث یہ تھا کہ الخالق، البارئ المصور متحد المعنی الفاظ ہیں۔ اور یہ دعوی امام صاحب کا تھا۔ لیکن قاضی صاحب فرماتے تھے کہ ہر لفظ کے معنی الگ الگ ہیں۔ چنانچہ آداب مناظرے کیموافق بحث ہورہی تھی اور ہر فریق اپنے ثبوت میں دلائل عقلیہ اور نقلیہ بیان کررہا تھا۔ لیکن قطعی فیصلہ نہوتا تھا اور بحث طول پکڑتی جاتی تھی۔ امام صاحب اپنے دعوے پر جمے ہوے تھے اور وہ آفرینندہ، ہست کنندہ اور نگارندہ کے معنی میں کسی قسم کی تفریق اور مغائرت نہیں سمجھتے تھے۔ لیکن قاضی صاحب کا قول تھا کہ عدم مفارقت مانع مغائرت نہیں ہی۔ اور سلطان بھی قاضی کا طرفدار تھا۔ اور چاہتا تھا کہ قاضی کی جیت ہوجاے۔ (اگرچہ بحث کو اچھی طرح نہ سمجھا تھا) جب مینے سلطان کے

تیور دیکھے تو عرض کیا کہ "تینوں الفاظ کے معنے میں جو فرق ہی وہ ذیل کی مثال سے معلوم ہو سکتا ہی"

مثال سب سے پہلے جس بادشاہ کے سر پر چتر نے اپنا سایہ ڈالا وہ بہمن تھا۔ اور اس کی ابتدا یوں ہوئی کہ جب بہمن اپنے باپ کے خون کا بدلہ لینے ملک نیمروز[1] کو روانہ ہوا۔ تو یہ موسم کڑی دہوپ کا تھا اور شدت سے لو چلتی تھی۔ اور بعض بعض راستے حد سے زیادہ آتش انگیز تھے۔ اُسوقت بہمن نے حکم دیا کہ ایک سوار دائیں جانب سے اور دوسرا بائیں طرف سے میرے سر پر سایہ کرے۔ آردشیر (ایک نامور مصاحب) نے دیکھا کہ دو شخص اس ذریعے سے بادشاہ کے قریب ہوے جاتے ہیں، تب اُسنے حکم دیا کہ سپر بالاے نیزہ رکھکر ایک شخص ہمرکاب چلے پشوتن جو ایک نامور مہندس تھا اسنے خیال کیا کہ سایئے کے واسطے ایک جدا آلہ تجویز کیجاے۔ چنانچہ سپر سے ملتا جلتا ہوا اُسنے چتر بنایا۔ اسلیے مجازاً بہمن کو باری چتر (یعنے ہست کنندہ) اور آردشیر کو مصوّر (یعنی نگارندہ) کہینگے کیونکہ چتر کی خاص صورت کا خیال

---

[1] ملک نیمروز، ولایت سجستان کا نام ہی جسکو عام طور سے سیستان کہتے ہیں۔ یہ ولایت اقلیم سوم میں واقعہ ہی جسمیں متعدد شہر آباد ہیں، مگر عموماً ریگستان ہی۔ اس کا مشہور شہر زرنج ہی (ہرات کے جنوب میں) جس کو گرشاسف پہلوان نے آباد کیا تھا۔ اسکا فارسی نام زریک ہی اور چونکہ اس شہر کے متصل ریگ رواں کا دریا تھا۔ لہذا ایک زبردست بند ریگ سے بچاؤ کے لیئے بنا دیا گیا۔ بہمن نے اپنے زمانہ سلطنت میں اس شہر کو از سر نو آباد کیا اور رُستگان نام رکھا۔ جسکو عوام شکستگان کہنے لگے۔ یہی لفظ عربی میں جاکر سجستان اور فارسی میں سیستان بن گیا ہی اور بجاے ایک شہر کے نام ہونے کے پورا صوبہ اسی نام سے موسوم ہو گیا۔ انتخاب از نزہت القلوب حمد اللہ مستوفی۔ تفصیل کے لیے دیکھو معجم البلدان جلد ۵ صفحہ ۳۷ و جلد ۶ صفحہ ۳۶۸

اسی کے دل میں پیدا ہوا اور رشوت آفرینندہ قرار پایا۔"

جب میں نے یہ مثال بیان کی تو ساری مجلس نے نعرۂ تحسین بلند کیا۔ اور سلطان الپ ارسلان حد سے زیادہ خوش ہو۔ اور جب مجھپر خاص مہربانی ہوتی تھی تو اُس کی یہ شناخت تھی کہ خواجہ علی شاداں کو ذکر خیر سے یاد کرتا تھا۔ چنانچہ اُسوقت بھی فرمایا کہ خواجہ علی پر خدا کی رحمت ہو۔

تیسری شرط۔۳ بادشاہ کے حفظ مراتب کے متعلق چند امور بدلائل عقلی بیان کرچکا ہوں اب اس مسئلہ کے متعلق مختصراً بیان کرتا ہوں۔ کیونکہ ہر قسم کے فتنے جنکے اُٹھنے کا اندیشہ ہوسکتا ہے اسکے بانی یہی لوگ ہوتے ہیں۔ اسلیے اس طرف زیادہ توجہ رکھنا چاہیئے۔ اور جن لوگوں کو بادشاہ کا قرب میسر ہو وہ حسب ذیل ہیں۔

بیگمات۔ (۲) **شاہزادے**۔ (۳) **امیر الامرا** (۴) **باقی ملازمان**۔ ان لوگوں کی موافقت کے نتایج اور مخالف گروہ سے احتراز کے شرائط اجمالاً و تفصیلاً بکثرت ہیں۔ لیکن شرط کلی اجمالی یہ ہے کہ مہمات سلطنت میں اسدرجہ استقامت اور سچائی ہو کہ کسی کو اعتراض کا موقع نہ ملے یعنی اگر کسی مقام پر چند احباب اُسکا تذکرہ کررہے ہوں تو کوئی اُنپر یہ الزام نہ لگا سکے کہ فلاں بات تم جھوٹ کہتے ہو۔ اور نہ دشمنوں کو ایسا پہلو ہات آئے کہ وہ اپنے قول میں سچے نکلیں۔ اور خدا اُسوقت سے بچاے کہ اپنے ہوا خواہ مضرت کے درپے ہوں۔ اور دشمنوں کا عروج ہو۔ خلاصہ یہ ہے کہ جب کوئی شخص مسلک راستی سے پھر جائیگا تو اُسکا یہی انجام ہوگا۔ یعنی وہ احباب کہ جو ہماری حالت کے سنوارنے کی فکر میں ہونگے وہ جھوٹے سمجھے جائینگے (اور یہ زوال کی کھلی ہوئی علامت ہے) اور جو دشمن ہماری بُرائی چاہتے ہیں اور ہجو کرتے ہیں وہ سچے

مانے جائینگے (اور یکحال کی شناخت ہوگی) غرض کہ سچائی اور دیانت کا جب عالمگیر شہرہ
ہوجاتا ہی تب دوستوں کو خیر خواہی کا بڑا موقع ملتا ہی۔ اور دشمنوں پر بداندیشی کا میدان تنگ
ہوجاتا ہی۔ اسلیے اکثر معاملات کی بنیاد اسی اصول موضوعہ پر رکھنی چاہیئے کہ حصول مقاصد
میں کامیابی ہوتی جائے۔ مذکورہ بالا اصناف اربعہ کے شرائط کی تفصیل ترتیب وار حسب ذیل ہی

رعایت بیگمات حرم۔ ۱ عہد قدیم میں اور خصوصاً شاہان عجم کے دور سلطنت میں بیگمات
وخواتین حرم کو امور سلطنت میں کچھ دخل نہ تھا۔ اور نہ اُنسے کسی امر میں مشورہ کیا جاتا تھا لیکن
خواتین ترکستان کا یہ قاعدہ تھا کہ وہ تمام امور میں بیگمات سے مشورہ کرتے تھے اور بالآخر
اُن کی رائے سب پر غالب ہوتی تھی۔ اور چونکہ سلاطین ترکمان بھی اُسی خاندان کے پروردہ
ہیں لہذا وہ بھی انہی اُصول کے پابند ہیں اسلیے بیگمات کی حمایت میں رہنا بہت ضرور ہی۔
اب رہی یہ بات کہ انپر قبضہ کیونکر ہو؟ اسکا آسان طریق یہ ہی کہ محل کی خواصوں سے ملتا جلتا
رہے اور اُنکو انعامات سے خوش کرتا رہے۔ لیکن اس میں بھی یہ شرط ہی کہ عام طور پر نہ ملے بلکہ
جسکو قرب اختصاص زیادہ ہو اُسے ملائے رکھے۔ اور کسی کو مطلق خبر نہو۔ اور جسکے ساتھ
احسان وسلوک کیا جاے وہ یہی سمجھے کہ مجھ سے زیادہ کوئی عزیز نہیں ہی۔ اس قسم کی فیاضی
سے بڑے کام نکلجاتے ہیں۔ اور یہ فیاضی صرف اسی جگہ کام نہیں آتی ہی۔ بلکہ اصناف اربعہ
میں ہر جگہ اور ہر شخص کے ساتھ مفید ہی۔ میں آگے چلکر اسی کی صراحت کرونگا۔

جب اس گروہ پر قبضہ ہوجاے تو دیکھو کہ وہ کونسے اسباب ہیں، جسکے سبب سے ہمپر یہ
مہربانیاں قائم رہ سکتی ہیں۔ اور معلوم ہونے پر اسکے حصول میں کوشش کرو۔ اور جب

تمھاری حمایت کرنے لگیں تو پھر آہستہ آہستہ اپنا رسوخ بڑھاتے جاؤ اور اس میں غفلت نکرو کیونکہ زمانہ سابق میں اکثر ہوا ہی کہ بڑے بڑے اُمرا ایک ادنے کنیز کی فتنہ پردازیوں کے مقابلے میں عاجز آ گئے ہیں۔

حکایت سلطان محمود غزنوی کا ملک خوارزم پر جب پورا قبضہ ہو چکا۔ تو ارکان سلطنت کو حکم دیا کہ وہاں کی حکومت کے لیے جو شخص سب سے زیادہ قابل ہو اُسکو پیش کرو۔ چنانچہ چند روز تک امرا میں مشورہ ہوتا رہا۔ آخر سب سے بڑے سردار امیر التونتاش نے ضمناً و کنایتاً خود اپنے واسطے تحریک کرائی۔ لیکن بظاہر دبی زبان سے انکار کرتا رہا۔ اور چونکہ خواجہ احمد حسن میمندی کو امیر مذکور سے از حد محبت تھی لہذا اُسنے بھی اس رائے کو پسند کیا۔ اور عطائے سند میں ساعی ہوا۔ (کیونکہ امیر کی بھی دلی آرزو یہی تھی) لیکن سلطان کیجانب سے اس حکم کی منظوری میں سب کو تعجب تھا۔ کیونکہ التونتاش امیر الامرا کے منصب پر فائز تھا۔ لیکن خوارزم چونکہ سب سے بڑا صوبہ تھا۔ اسلیے سلطان بھی راضی ہو گیا اور سند ولایت دیکر التونتاش کو رخصت کر دیا۔

امیر التونتاش اور امام ناصر الدین گرامی (غزنیں کا ایک نامور رئیس) میں بڑی محبت تھی۔ چنانچہ کچھ دنوں کے بعد امیر نے خوارزم سے ناصر الدین کی خدمت میں پیام بھیجا کہ مجھے شرف ملازمت کی از حد آرزو ہی مگر میرا غزنیں آنا نہیں ہو سکتا ہی لہذا بنظر حقوق محبت اور بقصد زیارت مقابر بزرگان خوارزم آپ ہی تشریف لائیں۔ چنانچہ ناصر الدین کو بھی خوارزم کی سیر اور التونتاش کی ملاقات کی آرزو تھی لہذا فوراً روانہ ہو گیا۔ امیر نے بڑے اعزاز سے لیا اور اپنا مہمان رکھا

ایک دن ناصرالدین نے امیر سے سوال کیا کہ "جب سلطان کی عزت افزائی سے آپ کا آستانہ مرجع خلائق تھا۔ اور وہ اعزاز بلحاظ مال و دولت وشہرت خوارزم کی حکومت سے سوگنا زیادہ تھا۔ تو پھر ایسے اقتدار کو چھوڑ کر ایک صوبے کی حکومت اختیار کرنے کا کیا باعث تھا؟ امیر التونتاش نے قسم کھا کر کہا کہ میرے معزز دوست یہ وہ راز ہے کہ جسکو مینے آج تک اپنے عزیزوں سے بھی مخفی رکھا ہے۔ لیکن آپ سے سچ سچ عرض کرتا ہوں۔ مینے صرف جمیلہ قندہاری کیوجہ سے یہ حکومت اختیار کی ہے۔ اس وسیع سلطنت کا انتظام برسوں سے میرے ہات میں ہے مگر یقین جانیے کہ اس عرصے میں جو انتظام مینے کیا کہ وہ اُسنے پلٹ دیا لیکن جو اُسنے کیا میں اُسکو درہم برہم نہ کر سکا۔ چنانچہ اس پیچ وتاب سے دنیا مجھپر تاریک ہو رہی تھی مگر مجھ سے کوئی تدارک نہو سکتا تھا اور اسی وجہ سے مینے گوشہ گیری اختیار کر لی ہے اب انشاء اللہ اُسکے شر سے محفوظ رہونگا۔

یہ واقعہ تو بیگاتِ حرم کی مخالفت کی تائید میں تھا۔ اب اُنکی موافقت کے منافعے بیان کرتا ہوں۔ جو شخص انکا رفیق ہے وہ گویا سب سے بڑا مربی اور حامی رکھتا ہے اور یہ مسلم ہے کہ بادشاہوں کے دربار میں کسی کی حمایت اُسیقدر مؤثر ہوتی ہے کہ جسقدر اُسکو بادشاہ کے مزاج میں دخل وتصرف ہوتا ہے۔ اور اس امر میں بیگات کے برابر کون ہو سکتا ہے؟ لہذا ان کی حمایت کی چار دیواری ایک چلتا ہوا تعویذ، اور ان کی محافظت کا ایک گوشہ مستحکم قلعے کی برابر ہے۔ اور صحیح نظیر اس کی ذیل کا واقعہ ہے۔

حکایت سلطان محمود کا مزاج اخیر زمانے میں خواجہ احمد حسن سے بگڑ گیا تھا۔ اور خواجہ پر

ہر طرف سے دشمنوں کا زغہ تھا۔ چنانچہ اس دور انقلاب میں خواجہ حسنک میکال[51] وزارت کا امیدوار تھا۔ اور ہر روز یہی خبریں اڑا کرتی تھیں کہ میکال کا بجائے خواجہ احمد تقرر ہو گیا۔ مگر چونکہ سلطان کی نئی بیگم مشہور بہ "مہد چگل" (یہ خان ترکستان کی بیٹی تھی) خواجہ احمد کی حامی تھی۔ اسوجہ سے کوئی نقصان نہ پہنچتا تھا۔ جمیلہ قندہاری جو مہد چگل[52] کی ایک خواص تھی اسکی مدد سے خواجہ مدتوں بلاؤں سے محفوظ رہا۔ اور امیر التونتاش۔ جسکو لوگ امیر سبکتگین کا قائمقام سمجھتے تھے۔ جب کبھی خواجہ کے مقابل ہوتا شکست پاتا تھا۔

جن ایام میں کہ سلطان نواح کابل میں خیمہ زن تھا۔ انہی دنوں میں خواجہ احمد بعض مہمات سلطنت کے انصرام کے لیے غزنیں گیا ہوا تھا وہاں معلوم ہوا کہ ایک قافلہ خریداری پشمینہ کے لیے ترکستان جانیوالا ہی۔ اور شروع موسم سرما میں غزنیں لوٹ آئیگا۔ چنانچہ خواجہ نے محض اس خیال سے کہ ہر سال خاندان کے لیے بہت سے اونی کپڑوں کی ضرورت پڑتی ہی یہ ارادہ کیا کہ اپنا ایک معتمد قافلے کے ہمراہ بھیجدیا جاے۔ اور وہ غزنیں سے چند اقسام کا مال ترکستان لیجاے اور اُسکے معاوضے میں وہاں سے پشمینہ خرید کر لائے تو

[51] سلطان محمود کے دربار کا ایک نامور امیر ہی جسکا نام ابو علی حسن بن محمد ہی۔ مگر تاریخ میں حسنک میکال کے نام سے مشہور ہی حسنک میکال خاص سلطان کا پروردہ تھا۔ سلطان اس کی شیریں کلامی، لطیفہ گوئی، اور حاضر جوابی سے بہت خوش رہتا تھا۔ خواجہ احمد کا سخت دشمن تھا۔ چنانچہ خواجہ کی معزولی کے بعد وزیر ہوا اور سلطان کی حیات تک وزیر رہا۔ کفایت شعاری اسکا خاص اصول تھا"

[52] چگل کبسر تین چنانچہ شاعر کہتا ہی ع ایں لالہ رخاں کہ اصل شاں از چگل است * یارب کہ سرشت پاک شاں از چہ گل ست"۔ ترکستان کا مشہور شہر ہی یہ شہر حسن اور تیراندازی میں ضرب المثل ہی۔ مہد چگل سلطان محمود کی بیگم کا لقب تھا

فائدے سے خالی نہوگا۔

چنانچہ خواجہ نے انتخابی اور تجارتی اسباب اپنے معتمد کے ہمراہ روانہ کردیا۔ مگر مخبروں نے اُسی دن خواجہ حسنک سے اطلاع کی۔ اور اُسنے التونتاش کے گوش گزار کردیا۔ یہ خوشخبری سُنکر التونتاش پھڑک اُٹھا اور خواجہ حسنک سے کہا کہ احمد کی ذلت اور رسوائی کے واسطے اس الزام سے بڑھکر اور کیا ہوسکتا ہی؟ کیونکہ وہ روزانہ فخریہ بڑ لگایا کرتا ہی کہ مجھے دنیوی اُمور سے کوئی تعلق نہیں ہی۔ اور جسقدر ہی وہ صرف سلطان کی مصلحت کی وجہ سے ہی۔ اور اب حضرت تجارت کی غرض سے قافلہ روانہ کرتے ہیں۔ مگر خوب تحقیق کرلو، ایسا نہو کہ جھوٹی خبر ہو، اور اُلٹی ندامت اُٹھانا پڑے؟ خواجہ حسنک نے کہا نہیں یہ بالکل سچی بات ہی۔ لاریب فیہ اور حقیقت یہ ہی کہ اگر یہ راز کھُلجاتا تو خواجہ احمد کو ایسی شکست ہوتی کہ پھر اُسکا دفعیہ دشوار تھا۔

غرضکہ جب خواجہ کو یہ حال معلوم ہوگیا تو اُسنے جمیلہ خاتون سے صاف صاف کہدیا (اب ان دونوں کے ملنے جلنے کا حال سُنو، کبھی تو ایسا ہوتا کہ سال میں صرف ایکبار ملاقات ہوتی تھی اور کبھی دن میں دس مرتبہ اور پھر کسی کو معلوم نہ ہوتا تھا کہ کون آیا اور کون گیا) چنانچہ جمیلہ نے خواجہ سے کہلابھیجا کہ آپ مطمئن رہیں اس سازش کا توڑ بہت آسان ہی اور خود بیگم سے جاکر سارا قصّہ کہدیا۔ جب بیگم نے پوچھا کہ کیوں جمیلہ؟ اب اس کی تدبیر کیا ہی۔ تو عرض کیا کہ ایک فہرست مرتب کیجاے اور جو اسباب خواجہ نے اپنے معتمد کو دیا ہی وہ بطور تحفہ وہدیہ کسی نہ کسی شخص کے نام نامزد کردیا جاے۔ اور علاوہ اسکے چند چیزیں

ہر طرف سے دشمنوں کا زغہ تھا۔ چنانچہ اس دورانقلاب میں خواجہ حسنک میکال[1] وزارت کا امیدوار تھا۔ اور ہر روز یہی خبریں اڑا کرتی تھیں کہ میکال کا بجائے خواجہ احمد تقرر ہو گیا۔ مگر چونکہ سلطان کی نئی بیگم مشہور بہ "مہد چگل" (یہ خان ترکستان کی بیٹی تھی) خواجہ احمد کی حامی تھی۔ اسوجہ سے کوئی نقصان نہ پہنچتا تھا۔ جمیلہ قندہاری جو مہد چگل کی ایک خواص تھی اسکی مدد سے خواجہ مدتوں بلاؤں سے محفوظ رہا۔ اور امیر التونتاش جسکو لوگ امیر سبکتگین کا قائمقام سمجھتے تھے۔ جب کبھی خواجہ کے مقابل ہوتا شکست پاتا تھا۔

جن ایام میں کہ سلطان نواح کابل میں خیمہ زن تھا۔ انہی دنوں میں خواجہ احمد بعض مہمات سلطنت کے انصرام کے لیے غزنین گیا ہوا تھا وہاں معلوم ہوا کہ ایک قافلہ خریداری پشمینہ کے لیے ترکستان جانیوالا ہے۔ اور شروع موسم سرما میں غزنین لوٹ آئیگا۔ چنانچہ خواجہ نے محض اس خیال سے کہ ہر سال خاندان کے لیے بہت سے اونی کپڑوں کی ضرورت پڑتی ہے یہ ارادہ کیا کہ اپنا ایک معتمد قافلے کے ہمراہ بھیجدیا جائے۔ اور وہ غزنین سے چند اقسام کا مال ترکستان لیجائے اور اُسکے معاوضے میں وہاں سے پشمینہ خرید کر لائے تو

---

[1] سلطان محمود کے دربار کا ایک نامور امیر ہے جسکا نام ابو علی حسن بن محمد ہے۔ مگر تاریخ میں حسنک میکال کے نام سے مشہور ہے حسنک میکال خاص سلطان کا پروردہ تھا۔ سلطان اس کی شیریں کلامی، لطیفہ گوئی، اور حاضر جوابی سے بہت خوش رہتا تھا۔ خواجہ احمد کا سخت دشمن تھا۔ چنانچہ خواجہ کی معزولی کے بعد وزیر ہوا اور سلطان کی حیات تک وزیر رہا۔ کفایت شعاری اسکا خاص اصول تھا"

[2] چگل بکسر تین چنانچہ شاعر کہتا ہے ؎ ایں لالہ رخاں کہ اصل شاں از چگل ست * یارب کہ سرشت پاک شاں از چہ گل ست"۔ ترکستان کا مشہور شہر ہے یہ شہر حسن اور تیر اندازی میں ضرب المثل ہے۔ مہد چگل سلطان محمود کی بیگم کا لقب تھا۔

فائدے سے خالی نہوگا۔

چنانچہ خواجہ نے انتخابی اور تجارتی اسباب اپنے معتمد کے ہمراہ روانہ کر دیا۔ مگر مخبروں نے اُسی دن خواجہ جنک سے اطلاع کی۔ اور اُسنے التونتاش کے گوش گزار کر دیا۔ یہ خوشخبری سُنکر التونتاش پھڑک اُٹھا اور خواجہ جنک سے کہا کہ احمد کی ذلت اور رسوائی کے واسطے اس الزام سے بڑہ کر اور کیا ہو سکتا ہی؟ کیونکہ وہ روزانہ فخریہ بڑ لگایا کرتا ہی کہ مجھے دنیوی اُمور سے کوئی تعلق نہیں ہی۔ اور جسقدر ہی وہ صرف سلطان کی مصلحت کی وجہ سے ہی۔ اور اب حضرت تجارت کی غرض سے قافلہ روانہ کرتے ہیں۔ مگر خوب تحقیق کر لو ایسا نہو کہ جھوٹی خبر ہو، اور اُلٹی ندامت اُٹھانا پڑے"۔ خواجہ جنک نے کہا نہیں یہ بالکل سچّی بات ہی۔ لاکہہ یہ بڑفیۂ اور حقیقت یہ ہی کہ اگر یہ راز کُھلجاتا تو خواجہ احمد کو ایسی شکست ہوتی کہ پھر اُسکا دفعیہ دشوار تھا۔

غرضکہ جب خواجہ کو یہ حال معلوم ہوگیا تو اُسنے جمیلہ خاتون سے صاف صاف کہدیا (اب ان دونوں کے ملنے جُلنے کا حال سُنو، کبھی تو ایسا ہوتا کہ سال میں صرف ایکبار ملاقات ہوتی تھی اور کبھی دن میں دس مرتبہ اور پھر کسی کو معلوم نہ ہوتا تھا کہ کون آیا اور کون گیا) چنانچہ جمیلہ نے خواجہ سے کہلا بھیجا کہ آپ مطمئن رہیں اس سازش کا توڑ بہت آسان ہی اور خود بیگم سے جاکر سارا قصّہ کہدیا۔ جب بیگم نے پوچھا کہ کیوں جمیلہ؟ اب اس کی تدبیر کیا ہی۔ تو عرض کیا کہ ایک فہرست مرتب کیجاے اور جو اسباب خواجہ نے اپنے معتمد کو دیا ہی وہ بطور تحفہ و ہدیہ کسی نہ کسی شخص کے نام نامزد کر دیا جاے۔ اور علاوہ اسکے چند چیزیں

ایسی بھی بھیجدی جائیں کہ جو خاص بیگمات کے پہناوے سے تعلق رکھتی ہیں اور ایک دوسرے راستے سے یہ چیزیں راتوں رات پہنچادی جائیں۔ اور زبانی پیام دیا جاوے کہ جب امیر التونتاش کے سپاہی اس قافلے کو راستے سے واپس کریں تو چپ چاپ چلے آئیں۔ لیکن دربار میں پہنچکر میر قافلہ ظاہر کرے کہ میں سلطانہ مہد چگل کا فرستادہ ہوں۔ اور جو تحائف خواتین کے نامزد ہیں وہ مع تحریر کے سلطان کے روبرو پیش کردے"

المختصر خواجہ حسنک کے یقین دلانے پر التونتاش نے سلطان سے حسب ذیل گفتگو کی۔

سلطان۔ (التونتاش کی گفتگو سُنکر) ایسا نہو کہ خلاف واقع ہو

التونتاش۔ نہیں! مینے خوب اطمینان کرلیا ہے معاملہ مطابق واقعہ کے ہے

سلطان۔ اس واقعہ کی سچائی کیونکر ظاہر ہوسکتی ہے۔

التونتاش۔ اگر فرمان عالی شرف نفاذ پائے تو تاجر مع مال کے دربار میں حاضر کردوں

سلطان۔ بہت خوب۔

چنانچہ حکم ہوتے ہی التونتاش نے ایک افسر قافلے کے واپس لانے کے لیے روانہ کیا اور وہ قافلے کو واپس لایا لیکن افسر قافلے نے راستے میں حسب ہدایت کچھ نہ کہا اور جب حاضر دربار ہوا تو چیخ اٹھا کہ میں فرستادۂ سلطانہ ہوں اور لفافہ سر بمہر پیش کیا۔ اور مقنعہ اور حمائل وغیرہ جو خاص عورتوں کی چیزیں ہیں وہ ملاحظہ کرائیں۔ اُسوقت امیر التونتاش کی جماعت کو ازحد شرمندگی ہوئی۔ اور سب کے سب خوف زدہ ہوگئے اور اُنسے کوئی بات بنائے نہ بن پڑی۔ جب سلطان محل میں تشریف لے گئے تو مہد چگل سر ہوگئی اور تیوریاں چڑھا کر بولی" کہ

برسوں کے بعد میں نے اپنے عزیزوں کو تجھ ایسے جلیل القدر بادشاہ کی طرف سے چند معمولی تحائف بھیجے تھے اور اُسپر بھی میرے بھیجے ہوئے آدمی کو یوں خجالت اور ندامت اُٹھانا پڑے اور میری حمائل اور مقنعہ سب کے سامنے کھولا گیا۔ اور اسی قسم کی بہت سی الٹی سیدھی باتیں سُنائیں۔

سلطان بیگم کی تقریر سے بہت متاثر ہوا اور اسی حالت میں اس جماعت کے قتل کا حکم صادر فرمایا (جو اس فتنے کے بانی تھے) لیکن چونکہ بیگم کو یقین تھا کہ یہ لوگ بیگناہ ہیں۔ لہذا اُسے بھی یہ گوارا نہوا کہ خون ناحق ہوں۔ اور سلطان سے کہدیا کہ اِن لوگوں سے آیندہ اور بھی بہت سے قصور سرزد ہونگے۔ لہذا ابھی مجھے منظور نہیں ہی کہ میرے باعث سے یہ قتل کیے جائیں۔ غرض التونتاش کو بہت بڑی زک ملی اور خواجہ حسنک بھی ذلیل و رسوا ہوا۔ اُسپر یہ طرّہ ہوا کہ وہ تاجر بڑے زک واحتشام سے ترکستان کو روانہ کیا گیا۔

اس مثال سے تمکو واضح ہوا ہوگا کہ بیگمات کی حمایت کے کیا کچھ نتائج ہیں۔

رعایت شاہزادگان عالی تبار۔۲ یہ عقل وتجربے سے ثابت ہوچکا ہی کہ شاہزادوں کی رضامندی اور ناراضی پر وزیر کا نفع ونقصان موقوف ہی (خواہ اسکا ظہور کسی وقت میں ہو) ان کی ذراسی توجہ اور التفات خاطر سے بڑے فائدے ہوتے ہیں۔ اور ادنے تغیر مزاج سے ویسے ہی نقصان پہنچ جاتے ہیں۔

گو سلاطین ابتدا میں کسی وجہ سے علانیہ شاہزادوں کو حکمرانی اور اختیارات میں پوری آزادی نہ دیں لیکن اس میں شبہہ نہیں ہی کہ درپردہ انہی پر نظر رہتی ہی۔ کیونکہ یہی ملک ومال کے

وارث ہوتے ہیں اور جبکہ عامۂ خلائق میں یہ صفت پائی جاتی ہی تو بادشاہوں میں تو بدرجہ اولیٰ ہونا چاہیئے۔

اس گروہ کی محافظت کا مجمل قاعدہ یہ ہی اور احتیاط او دور اندیشی کا مقتضا بھی یہی ہی کہ سب چھوٹے بڑوں کی اطاعت کرتا رہی۔ بلکہ چھوٹوں کی خاطر داری کی کچھ اور ہی خاصیتیں ہیں۔ کیونکہ بادشاہ ان کی خاطر داری کو عین محبت سمجھتا ہی اور کسی قسم کے خوف اور امید کا خیال نہیں کرتا ہے (خصوصاً وہ بچہ جو خود بادشاہ کا لاڈلا اور منظور نظر معلوم ہو)

بادشاہوں کے بچے بہت جلد بڑے ہو جاتے ہیں اور خدا نکرے کہ وہ کسی سے ناراض ہو جائیں یہ کمسن بچے کیونکر رضامند رکھے جائیں۔ اسکا کوئی کلیہ قاعدہ نہیں ہی؛ بلکہ جیسا زمانے کا چلن ہو اُس کی پیروی کیجاے۔ البتہ جو شاہزادے بڑے ہوں اُنکے حصول مقصد میں جہانتک ممکن ہو کوتاہی نکرنا چاہیئے۔ جس چیز کی انھیں ضرورت ہو وہ ان کی مجلس میں پہنچ جاے اگر کُل نہو سکے تو جزو ہی سہی۔ اور وہ بھی اس خوبصورتی سے کہ وہ یہ نہ سمجھیں کہ ہماری فرمائشات کی تعمیل میں مضائقہ کیا جاتا ہی۔

بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہی کہ پہلی صورت میں زیادہ فائدہ ہوگا۔ لیکن دوسری صورت بہت مفید ہی کیونکہ اول میں گو فوائد ہیں مگر برائیاں بھی ہیں۔ بخلاف دوسری صورت کے؟۔

دوسری شکل ان کی رضامندی کی یہ ہی کہ جو نوکر موتھ لگے ہوں اور جن کی باتیں بقدر اُنکے اعزاز کے سُنی جاتی ہوں اُنکو اپنی فیاضیوں سے خوش رکھا جاے (جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہی)

خلاصہ کلام یہ ہی کہ جہانتک ممکن ہو شاہزادوں کی خوشنودی مزاج کی فکر رکھے اور موجبات

ملال سے الگ تھلگ رہے۔"

حکایت سلطان محمود غزنوی اپنے بیٹے مسعود سے اکثر ناراض رہا کرتا تھا۔ خواجہ احمد حسن[1]
اگرچہ اس حزن و ملال کو پورے طور سے دفع نہیں کرسکتا تھا۔ لیکن اُس کی حسن سعی سے
زیادہ بھی نہ ہونے پاتا تھا۔ اور تمام سال میں ایک مرتبہ بھی خواجہ کی مسعود سے ملاقات نہوتی
تھی، مگر باوجود اسکے کوئی دن ایسا نہ تھا جس میں خواجہ کو مسعود کی رضامندی کا خیال نہ رہتا ہو
جب خواجہ معزول ہوگیا۔ تو اس کی جگہ حسنک میکال مقرر ہوا۔ لیکن یہ نوجوان محض ناتجربہ کار
تھا اور اسکو یہ بھی غرور تھا کہ میں سلطان کا طرفدار رہوں۔

سلطان کا مزاج اگرچہ مسعود سے برہم تھا مگر مدتوں کسی کو معلوم نہ ہوا۔ مگر شاہزادہ محمد کی ولیعہدی
پر یہ راز کھُلگیا۔

مُدعائے بیان یہ ہے کہ حسنک میکال نے مسعود کی خوشنودی مزاج کی کچھ پروا نہ کی۔ اور
شاہزادے کے ماتحتوں اور جاگیر کے ٹھیکہ داروں کو تنگ کرنے لگا اور جیسا کہ عدالت و انکا

[1] سلسلۂ وزراء اسلام میں احمد بن حسن میمندی بھی نہایت نامور وزیر گزرا ہے۔ سلطان محمود نے اس کی ماں کا دودھ
پیا تھا۔ خواجہ احمد ابتدا سے شاہزادہ مسعود کا طرفدار تھا۔ لیکن وزارت کے ۱۸ برس بعد جب شاہزادہ محمد کی
ولیعہدی ہوئی تو عام طور پر یہ ثابت ہوگیا کہ درحقیقت خواجہ، شاہزادہ محمد کا بدخواہ ہے۔ اسلئے امیر التونتاش علی
خویشاوند، اور حسنک میکال وغیرہ نے جو دربار میں امیر الامرا کا درجہ رکھتے تھے اپنی متفقہ کارروائیوں سے سلطان
محمود اور خواجہ احمد میں بگاڑ کرا دیا۔ اور آخر کو سلطان سخت ناراض ہوگیا۔ مگر حمایت عہد چگل سے خواجہ کو
نقصان نہیں پہنچا۔ لیکن باہمی عداوت کا نتیجہ آخر کو ظاہر ہوا اور خواجہ قلعہ کالنجر میں قید کردیا گیا۔ اور حسنک میکال
وزیر ہوا۔ خواجہ احمد اُن باکمال وزراء میں ہے جس کی مستقل سوانح عمری لکھی جاسکتی ہے۔

دستور ہی ہر معاملے میں جھگڑے پیدا کر دیے، جس سے مسعود رنجیدہ ہوگیا۔ انھیں دلوں کا واقعہ ہے کہ ہندوستان کے کسی راجہ نے ایک تلوار بطور تحفہ روانہ کی شہزادے نے اپنی مجلس میں اس کی بڑی تعریف کی اور فرمایا کہ یہ نہایت تیز اور جوہر دار ہی اور لوہے کو کاٹ جاتی ہی۔ جب درباری رخصت ہوگئے اور چند مصاحب رہ گئے تو اُسنے پوچھا کہ یہ تلوار کس لائق ہے؟ کسی نے کہا کہ جہاد کے لیے، کسی نے کہا کہ اعدائے دولت پروار کے لیے موزوں ہی۔

غرضکہ ہر ایک نے ایک بات کہی شاہزادے نے کہا میرا جی چاہتا ہی کہ صبح کو کمر سے باندھوں اور جب حسنک سلام کے لیے حاضر ہو تو اُسکے سر پر ایسا ہاتھ لگاؤں کہ سینے تک کاٹتی ہوئی چلی جائے سلطان قصاص میں مجھے مار ڈالنے سے رہے اور اسپر پورے طور سے آمادہ ہوگیا لیکن ہم نشینوں نے بمنت عرض کیا کہ اس قتل سے فتنہ اُٹھ کھڑا ہو گا۔ اور معلوم نہیں کہ سلطان کس درجہ برہم ہوں لہذا اس فعل کا اقدام کسی طرح مناسب نہیں ہی۔

جب خواجہ احمد حسن تک یہ واقعہ پہنچا تو اُسنے کہا کہ خدا نے بڑا فضل کیا۔ اور خیر ہوگئی۔ کیونکہ عزت اور دولت تو اول ہی رخصت ہوچکی تھی جسم میں دہی جان باقی تھی وہ خواجہ حسنک کے نذر ہوجاتی۔ غرضکہ تھوڑے زمانے میں سلطان محمود غزنوی کا انتقال ہوگیا اور سلطان محمد تخت وتاج کا مالک ہو کر بمقام غزنیں سرآرائے حکومت ہوا۔ باپ کے انتقال کے وقت مسعود اصفہان میں تھا۔ فوراً آیا اور بھائی سے آمادۂ پیکار ہوگیا۔

سلطان مرحوم کے ارکان نے مسعود کو حکمرانی کے لیے زیادہ موزوں سمجھا اسلیے شہزادۂ محمد کو خود ہی گرفتار کرکے ایک قلعہ میں قید کر دیا۔ اور ہرات تک مسعود کے استقبال کے لیے

گئے۔ اور شہزادے کے پہنچنے کے بعد حسنک میکال جیسے ہی گھوڑے سے اترا طرفداران مسعود نے اسکو سولی پر چڑہا دیا۔ اور خواجہ احمد حسن کو وزیر مقرر کر دیا۔ گو یہ وزارت زیادہ مدت تک قائم نہ رہی۔ مگر خواجہ کا اعزاز بہت بڑہ گیا۔

خواجہ اکثر کہا کرتا تھا کہ الحمد للہ میری حکومت کا خاتمہ ایسا ہوا کہ دوستوں کو خوشی کا اور دشمنوں کو غم سے گھلنے کا موقع ملا۔

نتیجہ اس تمہید کا یہ ہی کہ شہزادوں کی مہربانی کا ثمرہ اور اُنکے قہر کا نتیجہ یقینی ملتا ہی گو کتنا ہی زمانہ گزر جاے۔

امیروں کی خاطر تواضع۔۳ جس زمانے سے سلطنت کی بنیاد پڑی اُسوقت سے یزدگرد کے عہد تک مالی اور ملکی تدابیر وزرا کیا کرتے تھے۔ اور صرف زیردست بادشاہ یا اُسکا قائم مقام ہوا کرتا تھا۔ اور یہ اقتدار خواہ ایک وزیر ہو یا دو انھیں میں محدود رہتا تھا لیکن سلاطین تُرک کے عہد میں امور سلطنت کے دو حصے ہو گئے ہیں۔ پس جس گروہ کے مالی انتظام سپرد رہے وہ اُمرا کہلاتے ہیں اور جس فرقے کے ملکی اہتمام سپرد رہی وہ وزرا کہلاتے ہیں۔

خواجہ احمد حسن نے سلطان محمود کے عہد میں قدیم اُصول پر عملدرآمد کیا تھا۔ اور تمامی اُمور سلطنت میں وزرا عجم کا پیرو تھا۔ چنانچہ ایک واقعہ بیان کیا جاتا ہی۔

ایک مرتبہ سلطان محمود نے سفر کا قصد کیا، علی خویشاوند، ارسلان حاجب اور بگتگین حاجب کو جو امیر کبیر کا درجہ رکھتے تھے مشورے کے واسطے طلب کیا۔ علی خویشاوند نے جو ان میں سب سے بالاتر تھا، عرض کیا کہ ہم لوگ اہل سیف ہیں تدبیر مملکت کیا جانیں؟ اگر حکم ہو تو

دہکتی ہوئی آگ میں گر پڑیں، بہتے دریا میں کود پڑیں، ہوا میں گرہ لگا دیں۔ پہاڑ کو جڑ سے اکھاڑ کر پھینک دیں۔ لیکن سفر کے معاملے میں حضور خواجہ سے مشورہ فرمائیں یہ اُسکا کام ہے۔

باوجود اس وقار کے امرا کی عداوت سے خواجہ کی وزارت کا ڈھچر ڈھیلا پڑ گیا تھا۔ اسلیے ضرورت ہے کہ اُمراء کی اعزاز و تکریم میں بقدر اُنکے مراتب کے کوتاہی نہ کیجاے۔ گو بادشاہ وقت کی عنایت بھی شامل حال ہو۔ تاہم عاقبت اندیشی کا تقاضا یہ ہے کہ معاملات میں اُن سے رجوع کرتا رہے۔

یہ آداب وزارت میں داخل نہیں ہے کہ دربار شاہی کے سوا وزیر کہیں اور جاے۔ لیکن پھر بھی کبھی نہ کبھی کسی مہم سلطانی کا حیلہ کر کے کسی امیر کے گھر جانا چاہئیے۔

دوسرے یہ کہ خفیہ طور پر جہانتک ممکن ہو سارے حالات سے واقفیت پیدا کرے لیکن اُمراء کے جمع خرچ کے جو ذریعے ہوں انکی فکر نہ کرے اور حتی الوسع ٹال جاے۔

تیسرے یہ کہ سب کے سامنے اُمرا کے قصور نہ بیان کیے جائیں۔ اور خدانخواستہ اگر ضرورت آپڑے تو اپنی زبان سے کچھ نہ کہے بلکہ خوشنما پیرایے میں بلطائف الحیل کہہ گزرے اور حتی الامکان نرمی کا برتاؤ رکھے۔

جو بڑے درجے کے امیر ہوں اُنکو اعلےٰ خدمتیں برابر دی جائیں۔ اور فائدوں کے دروازے اُنپر بند نہ کیے جائیں۔ اور جہانتک ہو سکے اُنسے نہ اُلجھے۔ اور اگر اتفاقیہ کوئی اُن میں سے مقابلے پر آجائے تو بجاے سختی کے نرمی سے تدارک کیا جاے۔

دوسرے یہ بھی ضرور ہے کہ بلا سبب عداوت نہ پیدا کرے۔ اور نہ اُنکی خرابی کے درپے ہو،

خصوصاً ایسے امیر سے جو قابلیت اور مرتبے میں ہم پلہ ہو۔
جسکو خدا نے عظمت و عزت دے رکھی ہو اُس کی ہر ادا سے شائستگی ٹپکتی ہو۔ اور کبھی ایسوں سے عداوت پھلتی نہیں ہو اور تجربہ ہو چکا ہو کہ خود محرکِ عداوت کو اسکا خمیازہ بھگتنا پڑتا ہو۔ اور فریق مخالف دولت سعادت سے مالا مال ہو جاتا ہو۔ جسکی ٹھیک نظیر داشلیم ہندی کا واقعہ ہو

حکایت سومنات[۱] کی فتح کے بعد سلطان محمود کا ارادہ ہوا کہ ایک سال تک وہاں قیام کرے۔ کیونکہ یہ ایک وسیع ملک تھا۔ اور قطع نظر از اطنا درونایاب اشیا کے نواحِ سومنات میں سونے کی کانیں تھیں اور سراندیپ جو تمام ہندوستان میں یاقوت کا معدن تھا وہ سومنات کی قسمت میں تھا۔
ارکان دولت نے عرض کیا کہ خراسان کا ملک جو بڑی لڑائیوں کے بعد قبضے میں آیا ہو اُس کو چھوڑ کر سومنات کو دارالسلطنت بنانا مناسب نہیں ہو۔ چنانچہ سلطان نے واپسی کا عزم کیا۔ لیکن اُنسے پوچھا کہ اس ملک کی حکومت کا کیا انتظام کیا جاوے؟
سب نے کہا کہ غیر قوم کی حکومت کو استحکام نہوگا۔ لہذا اس دیس کے راجاؤں میں سے کسی کو تفویض کر دیا جاوے۔ چنانچہ اس تجویز پر مشورہ ہونے لگا۔ بعض نے عرض کیا کہ حسب ونسب کے لحاظ سے ملکی سرداروں میں کوئی داشلیم کی برابری نہیں کر سکتا ہو۔ اور ابھی ایک شخص ان میں

---

[۱] سومنات = جزیرہ نما گجرات (کاٹھیاوار) کے جنوبی کنارے پر سومنات ایک بہت بڑا شہر تھا۔ جو سومنات دیوتا کے نام سے مشہور تھا اور سومنات کی مورت ایک عالیشان قلعے کے اندر تھی۔ جسکا ایک ایک برج سر بفلک تھا اور دریا کی لہریں قلعے کی ہر وقت قدمبوسی کیا کرتی تھیں۔ عہد قدیم میں سومنات دیوتا کا مندر ہندوستان کا سب سے مشہور تیرتھ تھا۔ چندر گرہن اور سورج گرہن کے ایام میں دو دو تین تین لاکھ جاتری اس مندر میں جمع ہوتے تھے

موجود ہی۔ جو برہمنوں کے طریقے سے حکمت و ریاضت میں مشغول ہی اور وہی یہاں کا رئیس ہوسکتا ہی۔ اس رائے سے بعضوں نے اختلاف کیا اور کہا کہ وہ بداخلاق ہی اور غضب الٰہی مبتلا ہی۔ اُس کی گوشہ نشینی حقیقتاً نہیں ہی۔ بلکہ چند مرتبہ وہ بھائیوں کے ہات میں گرفتار ہوا اور اُنسے جان کی پناہ مانگ کر ایک جگہ بیٹھ رہا ہی۔ لیکن اس خاندان میں ایک شخص اور بھی ہی جو بڑا عاقل اور عالم بھی ہی۔ اور برہمن اُس کی حکمت کے معتقد ہیں۔ اور ایک حصہ ملک پر اُس کی حکومت بھی ہی۔ اگر سلطان کی طرف سے سند حکومت اس شخص کو دیجاے تو وہ ملک کو آباد رکھیگا اور چونکہ قول کا سچا اور عہد کا پورا ہی لہذا جسقدر سالانہ خراج طے پائیگا وہ باوجود بُعد مسافت کے ہرسال غزنیں بھیجتا رہیگا۔ سلطان نے فرمایا" اگر وہ حضور میں آکر استدعا کرتا تو اُس کی درخوست قبول کیجاتی۔ لیکن جس نے اپنی خیر خواہی کا اظہار نہ کیا ہو، اور ہندوستان

بقیہ نوٹ صفحہ ۴۰۱۔ اور عقیدتمند راجاؤں نے دو ہزار گاؤں اخراجات کے لیے وقف کردیے تھے۔ دو ہزار برہمن اور پانسو ناچنے والے اور تین سو بھجن گانے والے مستقل طور پر ملازم تھے۔ دیوتا کا ہر روز تازہ گنگا جل سے اشنان ہوتا تھا۔ گنگا اس مقام سے چھ سو کوس کے فاصلے پر ہی جس مقام پر سومنات کا مجسمہ (اسٹیچو) نصب تھا۔ قلعہ کا وہ حصہ تمام عمارت کی جان تھا۔ یعنی چھپن ستونوں پر بیضۂ عنقا کی طرح گنبدی چھت دہری ہوئی تھی۔ اور ہر ستون ایک ڈال سنگ مرمر کا تراشا ہوا تھا۔ اور از سرتا پا جواہرات سے مرصع تھا۔ پچی کاری کی گلکاری چین کے نقش و نگار منا تی تھی اور کندن کی ڈلک ستاروں پر آنکھ مار تی تھی۔ وسط میں ایک جڑاؤ زنجیر لٹکی تھی۔ اس میں ایک سونے کا چراغ دن رات دہڑ دہڑ جلتا تھا۔ اور خدا جانے کن وقتوں سے اسی طرح روشن چلا آتا تھا جس کی قسمت میں محمود کے حملے سے گل ہونا لکھا تھا۔ دروازے کے سامنے دیوتا کھڑے تھے جنکا قد پورے پانچ گز کا تھا۔ دو گز زمین میں اور تین گز باہر نمودار تھے۔ اور جس طلائی زنجیر میں گھنٹہ لٹکتا تھا۔ اُس کی قیمت کا اندازہ دس لاکھ روپیہ کیا جاتا ہی۔ محمود کا یہ حملہ سلاطین اسلام کے اُن مشہور واقعات میں شمار کیا جاتا ہی جس سے ہندوستان میں اسلامی حکومت قائم ہوئی،، (انتخاب از الفنسٹن قصص ہند آزاد۔)

جیسے ملک میں حکومت نہ کی ہو اُسکو اتنی بڑی سلطنت کیسے دیجا سکتی ہی؟
القصہ داشلیم مرتاض طلب ہوا اور سومنات کی حکومت اُس کی سپرد کر کے خراج ٹھہرالیا گیا چنانچہ
داشلیم[۱] نے اقرار کیا کہ" تمام عمر اطاعت کرونگا، اور سونا، اور یاقوت اور دیگر معدنی اشیاء
خزانۂ سلطانی میں بھیجتا رہونگا۔ لیکن میرے عزیزوں میں ایک شخص ہی جو مجھ سے انتہا درجے
کی عداوت رکھتا ہی۔ اور چند مرتبہ ہنگامۂ کارزار بھی گرم ہو چکا ہی اور اس میں کوئی شبہ نہیں ہی کہ
سلطان کے واپسی کی جب اُسکو اطلاع ہوگی تو وہ مجھ پر حملہ آور ہوگا۔ اور میری موجودہ حالت محض
بیسروسامانی کی ہی میں مغلوب ہوجاؤنگا اور وہ کل ملک پر غالب ہوجائیگا۔ اسیلئے حضور عالی
اس طرف کوچ فرمائیں اور اُسکے شر کو دفع کردیں تو کابلستان، زابلستان اور خراسان کے
برابر سالانہ خراج، خزانے میں بھیجتا رہونگا"۔ اور یہ وہی شخص ہی جسکا ہم پہلے ذکر کرچکے ہیں اور
جس کی بابت لوگوں نے کہا تھا کہ داشلیم مرتاض سے زیادہ مستحق ہی۔ سلطان نے ارشاد فرمایا کہ
دو میں غزوات کی نیت سے گھر سے نکلا ہوں۔ تین برس ہو چکے ہیں کہ غزنیں پہنچنے کی نوبت
نہیں آئی ہی۔ گو چھ مہینے اور گزر جائیں مگر اس مہم کا سر کرنا ضرور ہی"۔ چنانچہ مہم پر روانہ ہوگیا۔ اُس
ملک کے لوگوں نے داشلیم سے کہا کہ تو نے بُرا کیا کہ سلطان کو اپنے عزیز کے برباد کرنے کی تحریک
کی خدا نے جسکو معزز کیا ہی وہ تیری چغلی اور کوشش سے ذلیل نہیں ہوسکتا ہی۔ چنانچہ اس واقعہ
کو بھی لوگوں نے سلطان سے کہدیا۔ اگرچہ سلطان بھی متردد تھا لیکن چونکہ سامان سفر کرچکا تھا

---

[۱] تاریخ ہندوستان میں داشلیم کے حالات تحریر ہیں۔ یہ داشلیم گجرات کے قدیم راجہ کی اولاد میں تھا۔ اور غالب یہ ہی کہ چاؤرا خاندان سے تھا۔

اسلیے نقض سفر پر رضا مند نہوا۔ اور اُس ملک کو فتح کرکے راجہ کو گرفتار کیا اور داشلیم مرتاض کے سپرد کردیا۔ داشلیم نے کہا کہ "ہمارے مذہب میں بادشاہوں کا قتل کرنا عیب میں داخل ہی اور تمام فوج اُس بادشاہ سے مخالف ہوجاتی ہی جو بادشاہ کے قتل کا فتوی دے۔ اور اس ملک کا یہ دستور ہی کہ جب دشمن پر قابو پاتے ہیں تو اپنے ملک میں لاکر اُس جگہ جہاں تخت شاہی ہوتا ہی ایک سرداب بناتے ہیں اور اُسکو وہاں قید رکھتے ہیں، اور آمد و رفت کے دروازے بند کردیتے ہیں مگر ایک جھروکا اتنا بڑا رکھا جاتا ہی جس سے ہر روز کھانے کا تھال جاسکے اور یہ قیدی اسوقت تک حوالات میں رہتا ہی کہ جب تک اُسکا فاتح حکمراں رہے۔ چونکہ مجھمیں طاقت نہیں ہی کہ اسکو اس طرح قید رکھوں۔ اسلیے اگر سلطان اپنے ہمراہ غزنین لیجائیں تو مناسب ہی۔ جب ملک کا خاطر خواہ بندوبست ہوجاے اُسوقت سلطان کو اختیار ہے کہ میرے پاس بھیجدے۔ تاکہ وہ دستور کے موافق قید رکھا جاے"

سلطان نے منظور کیا۔ اور غزنین کو روانہ ہوگیا۔ داشلیم سومنات کے تخت پر بیٹھا۔ اور سلطان کو ہندوستان کے تحفے بھیجتا رہا، اور ارکان سلطنت کو بھی انواع نفائس، اور تحفہ تحائف سے رضامند رکھا۔ جب ملک پر اقتدار ہوگیا تب اپنے دشمن کو طلب کیا۔ لیکن سلطان کو راجہ کی سپردگی میں تردد تھا۔ اُسکا دل نہیں چاہتا تھا کہ وہ دشمن کے سپرد کیا جاے لیکن چونکہ ارکان سلطنت داشلیم سے ملے ہوے تھے سب نے بالاتفاق کہا سلطان کے واسطے ایفاے وعدہ ضرور ہی۔ کیونکہ دوسری صورت میں مخالفت کا اندیشہ ہی۔ اور ملک ہات سے نکلجائیگا۔ غرضکہ قیدی داشلیم کے پاس بھیجدیا گیا۔ اور سرحدی راجاوں کے نام

بغرض انتظام پروانے جاری کردیئے گئے کہ قیدی کو سرحد سومنات تک پہنچا دیں۔ چنانچہ راجہ نے اپنے تخت کے نیچے قید خانہ بنانے کا حکم دیا۔ اور چونکہ اس ملک کا یہی دستور تھا کہ جب دشمن ایک منزل کے فاصلے پر پہنچ جاتا تو ایک لوٹا اور تھالی اُسکے سر پر رکھکر گھوڑے کے ساتھ پیادہ دوڑاتے تھے۔ اور اسی طرح بارگاہ تک لاتے تھے اسکے بعد بادشاہ تخت پر بیٹھتا تھا اور دشمن قید میں بھیجدیا جاتا تھا۔

چنانچہ اس رسم کے ادا کرنے کے لیئے دابشلیم بھی شہر کے باہر نکلا۔ لیکن چونکہ قیدی کے آنے میں وقفہ تھا دابشلیم شکار کے شوق میں آگے بڑھ گیا۔ مگر دہوپ کی شدت سے ایک درخت کے سائے میں سو رہا اور سرخ رومال مُنھ پر ڈال لیا۔ ہندوستان میں بکثرت ایسے شکاری جانور ہیں جن کی چونچیں تیز اور پنجے سخت ہوتے ہیں۔ انھیں میں سے کوئی ایک جانور ہوا میں اُڑ رہا تھا۔ سرخ رومال کو گوشت کا ٹکڑا سمجھکر ہوا سے اترا اور زور سے مُنھ پر چنگل مارا جس کے صدمے سے ایک آنکھ جاتی رہی۔ اور دونوں آنکھوں میں شدت سے درد پیدا ہو گیا۔ اتنے میں قیدی بھی آپہنچا۔ مگر چونکہ دابشلیم اندھا ہو چکا تھا اور اس قیدی راجہ کے سوا کوئی مستحق حکومت نہ تھا۔ سب نے اسکی نذر ادا کی اور تخت پر بٹھا دیا اور جو معدودے چند مخالف تھے اُنکو سزا دیدی گئی اور وہ رسم بد خود اس بدنصیب راجہ کو ادا کرنا پڑی جس کے ارادے سے یہ روانہ ہوا تھا۔

میرا مطلب اس حکایت کے بیان کرنے سے یہ ہی کہ جو حقیقی عزت کا مستحق ہی وہ دشمن کی سعی سے ذلیل نہیں ہو سکتا۔ اگر ابتدا میں اتفاقیہ کوئی قصور اُس سے ہو جاتا ہی تو آخر میں خدا کی

رحمت جوش میں آتی ہی اور اُس کی عزت کے درجے کو دوچند کر دیتی ہی۔ اور جو اُس کی بُرائی کے درپے ہوتا ہی وہ خدا کے غضب میں پڑجاتا ہی۔

رعایت ملازمان شاہی۔۴ ندیم مجلس سلطانی اور اصحاب سیف و قلم بھی رعایت کے مستحق ہیں۔ مگر فرقہ اول خاص کر ہی۔ جو لوگ حضور رس ہیں، اور جنکو شرف گفتگو حاصل ہوتا ہی، اُنکی خاطر مطابق پیمانۂ التفات شاہی کرنا چاہیئے۔ اور مقتضاے تدبیر یہ ہی کہ یہ رعایتیں علانیہ نہوں، بلکہ چپ چاپ، اور جہانتک ہوسکے ان میں سے کسی کی دل شکنی نہ کیجاے۔ اور اس گروہ کی کمی مرتبہ و اقتدار پر بجانا چاہیئے۔ بلکہ محض ان کے آنے جانے اور گفت و شنود کو ایک بڑا درجہ سمجھنا چاہیے۔ گو محض حقارت سے ہر شخص کے دل میں عداوت کا مادہ نہیں پیدا ہوتا ہی۔ مگر یہ تو ہوسکتا ہی کہ کسی وقت میں اس خیال سے نقصان پہنچ جاے۔ مثلاً یہ کہ جو اپنا مددگار ہی وہ بدخواہ ہوجاے یا یہ کہ وہ شخص ادنی درجے سے اعلےٰ پر ترقی کرجاے۔ بہرحال یہ تمام احتمالات نقصان سے خالی نہیں ہیں۔ اور توہمات کا علاج عقلاً واجب ہی اور وہ بھی اس قاعدۂ کلیہ پر منتہی ہوتا ہی کہ بعض چیزیں ایسی ہیں کہ جنکو ہمیشہ بڑا سمجھنا چاہیے اور وہ کیا ہیں؟ آگ، بیماری، دشمن، یہ ممکن ہی کہ اول ایک چنگاری ہو، مگر آخر میں وہ تمام دنیا کو پھونک سکتی ہی، یا بیماری کا مادہ کہ ابتدا میں کم ہو۔ مگر انتہا پر وہی ہلاکت کا سبب ہوجاتا ہی۔ یہی حال دشمن کا ہی کہ وہ شروع میں حقیر اور عاجز نظر آتا ہی مگر انجام کار قوی اور زبردست ہوجاتا ہی۔ اسلیے اُسکے شر کو کم نہ سمجھنا چاہیئے، اور دشمن بھی گناہ کی خاصیت رکھتا ہی اگر کوئی شخص چھوٹے سے گناہ کو بڑا سمجھکر فوراً تدارک کریگا تو اُسکا دفعیہ ہوجائیگا ورنہ غفلت سے اُسکے نقصان اُٹھانا پڑیگا۔

حکایت فضل بن ربیع، ایک دن ابوالحسن معبّر (ابن سیرین کا نواسہ تھا) کیخدمت میں حاضر ہوا، اور بیان کیا کہ مینے خواب دیکھا ہے کہ ایک شخص نہایت قوی ہیکل میری طرف جھپٹا اور لپٹگیا مینے بھی ساری قوت سے اُسکا مقابلہ کیا اور آخر اُسے زمین پر پچھاڑ دیا۔ اسکے بعد ایک دُبلا پتلا آدمی مقابلے کو اُٹھا مینے اس کی لاغری دیکھکر خیال کیا کہ جب مینے ایسے زبردست پہلوان کو چت کر دیا تو پھر اس کی کیا حقیقت ہے اور کچھ زیادہ داؤں پیچ کی بھی ضرورت نہیں ہے۔ لیکن ہات ملاتے ہی اُسنے مجھ کو ایسی پٹخنی دی کہ مرتے مرتے بچگیا۔ اور اسکے بعد میری آنکھ کھُل گئی۔ ابوالحسن نے فرمایا کہ "یہ تیرے گناہوں کا نظارہ تھا۔ جو دشمنوں کے روپ میں سامنے آیا پہلے شخص کو تونے بڑا سمجھا تھا وہ جلد دفع ہو گیا اور کوئی مضرت نہیں پہنچی۔ اور دوسرے کو چھوٹا سمجھکر اُسکے دفعیہ کی کوئی تدبیر نہیں کی وہ غالب آیا اور اُسنے تجھ کو قریب المرگ کر دیا" اور ٹھیک یہی مثال دشمن کی ہے

رعایت اہل سیف و قلم۔ ۵ جو تلوار کے مالک ہیں اُنکو اُمور وزارت کے اصلاح و فساد سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اسلیے اُن کی تالیف قلوب نہایت ہی سہل ہے اور وہ تھوڑی سی توجہ سے شکرگزار ہو جاتے ہیں۔ لیکن خاطر و مدارات میں ارباب قلم کو میں مقدم اور مہتم بالشان سمجھتا ہوں اور یہ میں پہلے بھی بیان کر چکا ہوں۔ اور تاکیداً پھر کہتا ہوں کہ تخت سلطنت بغیر اصحاب سیف کے اور مسند وزارت بغیر ارباب قلم کے قائم نہیں رہ سکتی ہے۔

عبدالحمید احمد نے اپنے وصیت نامے میں لکھا ہے کہ مہمات سلطنت کے مدارج کا کاتبوں کے حالات سے مقابلہ کرو۔ اور دونوں میں سے جو جس کی صلاحیت رکھتا ہو وہ کام اُسکے سپرد کر دو اور اپنی طرف سے ناامید نہ کرو اور نہ امیدواروں کی تعداد بڑھاؤ کیونکہ خاص گروہ کے میل جول

اور نشست برخاست سے اکثر فسادا ٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔

حکایت یہ مشہور واقعہ ہے کہ نوشیرواں عادل نے صرف بزرجمہر سے ایک خاص وقت میں کچھ اسرار سلطنت بیان کیے تھے جسکو دوسرے وقت لوگوں نے بجنسہ آکر دہرا دیا۔ بلکہ چند مرتبہ ایسا اتفاق ہوا کہ جو گفتگو بزرجمہر سے ہوتی تھی وہ بجنسہ نوشیرواں تک پہنچ جاتی تھی۔ اس لیے نوشیرواں کو نہایت تعجب ہوا۔ کیونکہ وہ جانتا تھا کہ بزرجمہر سلطنت کا رازدار ہے اور یہ غیر ممکن ہے کہ وہ ایسے راز فاش کردے۔

اسلیے خود بزرجمہر سے پوچھا کہ یہ کیا معاملہ ہے؟ بزرجمہر نے بڑی غور و فکر کے بعد کہا کہ "حاشا! اس معاملہ میں میری زبان بھی ہمراز نہیں ہے، مگر ہاں ایک بات ہے اور وہ یہ کہ دربار میں اندنوں ارباب ذکاوت و فراست کا جمگھٹا ہے جسوقت حضور میں میری طلبی ہوتی ہے، تو یہ سب ملکر قیاس کرتے ہیں کہ طلبی کس غرض سے ہوئی ہے اور آخر میں غلبۂ آرا سے کوئی نہ کوئی بات ٹھیک ہو جاتی ہے۔ اور یہی سبب ہے کہ مخفی اُمور طشت ازبام ہو جاتے ہیں۔ لہذا ان لوگوں کو خاص خاص خدمتوں پر مقرر کر دیا جاے چنانچہ اس کارروائی کے بعد پھر ایسا اتفاق نہیں ہوا۔

اور یہ بھی چاہیے کہ جنکے چہروں سے حسن اعتقادی اور محبت جھلکتی ہو وہ خلعت خدمت سے سرفراز ہوتے رہیں۔ مگر جو کچھ ہو، اُس سے یہ ظاہر نہونے پائے کہ وزیر کو کس شخص سے خاص محبت ہے یا کس پر اعتبار ہے۔ لیکن جو گروہ مفسدہ پرداز ہو وہ ان عنایتوں کا مستحق نہیں ہے۔

جن لوگوں سے فتنہ و فساد کا احتمال ہو سکتا ہے وہ دو گروہ ہیں۔

ایک تو وہ ہے کہ جنکو بادشاہ اور ارکان سلطنت کے نزدیک وقعت اور اعزاز حاصل ہے۔

اور دوسرا برعکس اس کے۔

طبقہ اول سے وزیر کو اعزاز و اکرام برتنا چاہیئے۔ لیکن نہ اسقدر کہ لوگ بزدلی اور خوف پر محمول کریں اور اظہار عداوت سے جہانتک ہوسکے بچتا رہے۔ اور انکو ہمیشہ کاموں میں لگائے رکھے۔ اور بعد عطاے حکومت اُن کی خرابی کاموں کی مسلسل اطلاع بادشاہ اور اعیان حضرت سے کرتا رہے۔ تاکہ خوش اعتقادی جاتی رہے۔ مگر کبھی قطعی ارادہ کسی کے قتل و ہلاکت کا نکرے۔ کیونکہ عقلاً و مذہباً یہ بُری عادت ہی۔ اور اسکا مرتکب دین و دنیا میں قابل ملامت اور موجب نفرت ہی۔

حکایت ناصر مکیال کو غزنین جاتے ہوے بمقام مکیاباد" معلوم نہیں کسنے قتل کردیا۔ جب یہ خبر غزنین پہنچی تو اکثر لوگوں کا خیال تھا کہ یہ قتل خواجہ احمد کے اشارے سے ہوا ہی کیونکہ سلطان کا مزاج ناصر سے بگڑتا جاتا تھا۔ اور دربار میں ایک دو مرتبہ ناصر کا ذکر بھی آیا تھا دانشمند حصیری جو سلطان کا مقرب خاص تھا۔ اُسنے ایک دن خواجہ احمد سے کہا کہ "دنیا کبھی اہل استحقاق سے خالی نہو گی دشمنوں پر غلبہ حاصل کرکے آپ کامیابی چاہتے ہیں اور آپ کا یہ بھی خیال ہی کہ کوئی قابل آدمی موجود نہ تھا سو جسسے اضطراری حالت میں آپ کو اختیارات دیئے گئے ہیں۔ یہ محض غلط ہی۔ بلکہ درحقیقت کسی کی جان کا خواہاں ہونا خود اپنے کو معرض ہلاکت میں ڈالنا ہی، بلکہ اگر کسی شخص کو معرض ہلاکت میں دیکھے اور اس میں خود شریک بھی نہو تاہم اُسکے قتل پر رضامند نہو۔ ورنہ جزا اور مکافات کے لیے ہر وقت طیار رہنا چاہیئے۔ اور ہرگز خون ناحق پر راضی نہونا چاہیے۔ اور مفسد نوکروں کی باتوں پر ہرگز یقین نکیا جاے گو وہ کیسے ہی

اور کتنے ہی معقول طریقے پر بیان کریں۔"

تمکو معلوم ہی! (خطاب بفرزند) کہ سلطان الپ ارسلان نے کُندری پر غضبناک ہوکر اُسکے قتل کا حکم دیا تھا۔ کیونکہ اُس کی خیانت اور خباثت کا پورے طور پر امتحان ہو چکا تھا۔ اور اُسکی دلیری اور سیہ کاری کی پورے طور پر خبریں پہنچ رہی تھیں، اور امیر المومنین بھی ناراض تھے۔ اور دار الخلافت کے ارکان بھی چاہتے تھے کہ وہ قتل کیا جاے۔ سلطان کو میں اس فعل سے باز رکھ سکتا تھا۔ مگر مینے منع نہیں کیا۔ اور کئی برس سے اسی خوف میں مبتلا ہوں اور جبدن یہ واقعہ یاد آجاتا ہی۔ مُنھ کا نوالا کڑوا ہوجاتا ہی اور رات کو نیند حرام ہوجاتی ہی۔ اس واقعہ کے متعلق تاکیداً تم سے ایک اور واقعہ کا ذکر کرتا ہوں۔ جسکا اب تک مینے کسی سے تذکرہ نہیں کیا ہی۔

حکایت کندری کے قتل کے ایک سال بعد مینے خواب دیکھا کہ گویا اسکو قید خانے (جیل) کی طرف کشاں کشاں لیے جاتے ہیں اور میں بھی "رسن در گردن" اُسکے پیچھے چلا جارہا ہوں پھر ہم دونوں کو ایک ہی حیثیت سے نکالکر مقتل لے گئے۔ کندری کے سارے رشتہ دار تلواریں سُوت کر مجھپر ٹوٹ پڑے، لیکن یہ ہولناک منظر دیکھتے ہی مین چیخ اُٹھا اور آنکھ کھلگئی۔ مگر پھر بہت جلد بیہوش ہوگیا۔ غرضکہ اسی خوف سے کئی روز تک جاگتا رہا۔ اور بہت کچھ خیرات کی گئی۔ بارے خدا کا شکر ہی کہ میرے دل سے وہ ملال جاتا رہا۔

لہ خواجہ نظام الملک کے دامن پر وزیر ابو نصر محمد عمید الملک کندری کے خون کا دھبہ ہی۔ اور اسکو کوئی مورخ نہیں دھو سکتا ہی۔ اور اس کی تمام سوانح عمری میں صرف یہی ایک داغ نظر آتا ہی۔ تفصیل کے لیے دیکھو صفحہ ۹۴ حصہ اول کتاب ہذا۔

طبقۂ دوم کے لائق اشخاص ہر حالت میں مہربانی کے مستحق ہیں۔ اور انکو بلند درجوں تک پہنچانا چاہیے۔ البتہ نالائقوں کو اپنے دروازے پر کبھی نہ آنے دو۔ اور اگر کسی موقع پر ایسے لوگ جمع ہوجائیں تو انکو باہم لڑا دینا چاہیئے اور پھر انکو اُن کی بداعمالیوں کی سزا دینا چاہیے تاہم یہ ایسا گروہ ہی کہ ایک ٹکڑے روٹی سے خوش ہوجاتا ہی لہذا کوئی چھوٹی سی خدمت دیدیجائے اور اس قسم کی خدمتوں سے کوئی نقصان نہیں پہنچسکتا ہی۔ اور میری رائے میں یہ برتاؤ سب سے بہتر ہے

حکایت سلطان الپ ارسلاں کے عہد میں وزیر ہوئے مجھے تھوڑی مدت گزری تھی کہ ایک دن میں حضور میں حاضر ہوا۔ سلطان نماز سے فارغ ہوکر وظیفہ پڑھ رہا تھا مجھے بیٹھنے کا اشارہ کیا اور مصلے کے نیچے سے ایک کاغذ نکالکر حکم دیا کہ پڑھو۔ اُس میں اول سے آخر تک میری شکایت تھی۔ اور ہر صیغے میں خیانت کا الزام لگایا تھا۔ جب میں پڑھ چکا تو پوچھا کہ سب پڑھ لیا۔ مینے عرض کیا کہ جی ہاں۔ فرمایا کہ " اگر یہ تحریر سچی ہی تو اپنی عادت وسیرت کو بدل ڈالو۔ تاکہ پھر ایسی شکایت نہو۔ اور اگر جھوٹ ہی تو اُن لوگوں کو کسی کام میں لگا دو کہ افترا پردازی کی اُنکو فرصت نہ ملے، اور اپنے کاموں میں مصروف رہیں"۔ میں اُٹھا اور دُعائیں دیتا ہوا باہر نکل آیا۔ اور سلطان کی نصیحت کے مطابق اُنکو برسرکار کردیا۔ پھر اُن سے ایسی ہذیاں سرائی ظہور میں نہ آئی۔

ارباب سیف وقلم کی محافظت کے جو طریقے تھے وہ وزراء سلف کے اخبار وآثار سے بطریق امثال ونظائر بیان کرچکا ہوں۔ اب مختصر بیان عامۂ خلائق کی نگہداشت کا کرنا چاہتا ہوں جو خدا کی امانت ہیں۔ عامۂ خلائق سے رعایت کرنا ہی سب سے بڑی نصیحت ہی۔ دین و دنیا

دونوں میں اسکے فوائد و ثمرات کا منتظر رہنا چاہیے اور اسی کی طرف اشارہ ہی اَلتَّعْظِیْمُ لِاَمْرِ اللّٰہِ وَالشَّفَقَۃُ عَلٰی خَلْقِ اللّٰہِ۔ آوامر الٰہی (خدا کے احکام) کی تعظیم کے بعد حسنات کے جو درجے ہیں اُنمیں سے کوئی بھی اس شفقت کے برابر نہیں ہی۔ بلکہ جو کچھ ہی، وہ اسی کا ضمیمہ ہی جسطرح طبیب مشفق مہربانی کی نظر سے بیمار کی حالت پر غور کرتا ہی اور جو طریقہ مریض کے سود و بہبود کا ہوتا ہے اُسی پر توجہ کرتا ہی تاکہ وہ اپنے حق سے علٰحدہ ہوجائے۔ اسی طرح خلائق کی مہمات پر نظر ڈالنا چاہیے۔ تاکہ ظاہر و باطن میں سب اُسکے ہوا خواہ رہیں۔

اگلے زمانے کے وزرا (جَعَلَ اللّٰہُ سَعْیَھُمْ مَشْکُوْرًا) کا یہ چلن تھا کہ وہ ہمیشہ سلاطین کو مرحمت و شفقت کیطرف توجہ دلایا کرتے تھے جس کی برکت سے رعایا امن و چین میں رہتی تھی اور بادشاہ کا نام بھلائی سے یاد کیا جاتا تھا اور خود ثواب کے مستحق ہوتے تھے۔

حکایت جس زمانے میں سلطان الپ ارسلاں، روم کی مہم پر جانیوالا تھا اسوقت ضرورتاً رعایا سے بطریق استمداد، خراج پیشگی طلب کیا جاتا تھا اور آمدنی کا زمانہ دُور تھا۔ اسوجہ سے لوگ پریشاں تھے۔ اور مرو میں بیماری پھیلی ہوئی تھی۔ جس میں لوگ کثرت سے مر رہے تھے چنانچہ ایک دن دربار میں ان واقعات کا ذکر آیا سلطاں نے کہا کہ موت تو ایک بلائے بیدرماں ہی نہ اُسکو مال فائدہ پہنچا سکتا ہی اور نہ سلطنت و سپاہ سے کام نکل سکتا ہی۔ مینے عرض کیا کہ "اگر کچھ تدارک ہوسکتا ہی تو وہ صرف عدل و مرحمت ہی۔ اور قدیم تاریخ میں مینے پڑھا ہی۔ کہ ایک عجم کے بادشاہ نے حکم دیا کہ خزانے کی جانچ پڑتال کرکے اطلاع کیجائے کہ کسقدر ہی کسی کی سمجھ میں نہ آیا کہ اس حکم کا منشا کیا ہی؟ مگر وزرائے سلطنت نے باحتیاط تحقیقات کرکے

خزانے کی کیفیت سے مطلع کر دیا۔ چنانچہ خزانے کی مقدار معلوم ہونے پر بادشاہ نے اعیانِ دولت کو طلب کیا اور سب کے سامنے خدا کا شکر ادا کیا اور کہا کہ اگر خدانخواستہ کسی وقت سلطنت پر کوئی صدمہ پہنچے یا کسی قسم کا اندیشہ متصور ہو یا سفر پیش آئے تو اُسکے واسطے یہ خزانہ کافی ہی۔ لیکن اب میں عہد کرتا ہوں کہ آیندہ سے کوئی شخص نہ ستایا جائیگا۔ اور نہ رعایا میں کوئی کسی کے مقابلے میں عاجز و ضعیف سمجھا جائیگا۔ تمام رعایا اسباب معاش کے مہیّا کرتی ہی اور سلطنت کو بڑا حصّہ اپنے مال کا دیدیتی ہی لہذا ہر شخص زراعت و تجارت وغیرہ کے ذریعے سے اپنی معاش حاصل کرے۔ اور جاگیر خالصہ میں میں بھی یہی کرونگا۔ اور فرمان جاری کر دیا کہ باج وخراج یکقلم اُٹھا دیا گیا ہی۔ اب حکام کا کام اس امر کی نگرانی کرنا ہی کہ زبردست سے زیردست کو کوئی تکلیف نہ پہنچے۔ چنانچہ اس انتظام کی برکت سے ملک میں چھ برس تک کوئی موت نہ واقع ہوئی اور یہ ظاہر ہی کہ ملک کی آبادی اس مدّت میں کہانتک ترقی کر گئی ہوگی"۔ یہ حکایت سنکر سلطان نے اپنا حکم منسوخ کر دیا اور فوجی ضرورت خزانے سے رفع کر دی گئی۔ خلاصہ کلام یہ ہی کہ ہمیشہ وزیروں نے رعایا کے ساتھ مہربانی کا برتاؤ کیا ہی جس کی برکت سے رعیت کو آسائش پہنچی اور بادشاہ کی عزت قائم رہی۔ اور خود اپنی ذات کیواسطے بھی دعاے خیر کا ذخیرہ کرتے رہے۔

خواجہ نظام الملک کے دربار کے شعراء

خلیفہ مامون الرشید عباسی کی مہتم بالشان یادگاروں میں سے ایک فارسی شاعری بھی ہی۔ لیکن اس کے یہ معنی نہیں، کہ فارسی شاعری نے اس زمانہ میں جنم لیا ہوا ور اس عہد کے پہلے شاعری کا وجود نہو۔ کیونکہ تاریخ سے ثابت ہی کہ اسلام سے پہلے تمام فارس میں شعرا پھیلے پڑے تھے اور اُن کی شاعری اوج کمال پر پہنچی ہوئی تھی۔ لیکن عربوں کی فتوحات کے بعد نظم فارسی کا دفتر ابتر ہو گیا اور سیلابِ فنا اُنکو بہا کر خدا جانے کہاں لیگیا ؟ کیونکہ کوئی مورخ عہد قدیم کے نامور شعرا کے کلام سے ایک غزل یا قطعہ بھی نمونے کے طور پر پیش نہیں کرسکتا ہی۔ لیکن اسی دربار کے نامور شاعر عباس[۲] مروزی نے فصحائے عرب کے سامنے سب سے پہلے ایک فارسی قصیدہ مامون الرشید کی مدح میں لکھکر فارسی کی مُردہ شاعری میں جان ڈالدی۔ اور پھر اُسی بنیاد پر آنے والی نسلوں نے نہایت رفیع الشان

[۱] قدیم فارسی کا لٹریچر اس زمانے میں اسقدر ناپید ہو گیا ہی کہ آج اُس زمانے کی دو سطریں بھی نہیں ملسکتی ہیں۔ لیکن یورپ کی علمی تجسس اور تلاش نے بہت کچھ ذخیرہ جمع کر دیا ہی۔ حال میں مسٹر مارگلٹ نے جو اکسفورڈ کے پروفیسر ہیں قدیم فارسی کے بعض اشعار چھاپے ہیں جو اُنکو سریانی خط میں دستیاب ہوئے ہیں۔ پروفیسر مذکور نے ان اشعار کی تفسیر ابشتے بھی لکھی ہی۔ الندوہ نمبر ۶ جلد اول سنہ ۱۳۲۲ھ [۲] عباس مروزی کے حالات کے لیے تذکرہ مجمع الفصحا دیکھنا چاہیئے۔ جو قصیدہ اسنے مامون الرشید کی مدح میں لکھا ہی۔ اُسکے چند شعر یہ ہیں۔

ای رسانیدہ بدولت فرق خود برفرقدین — گسترانیدہ بفضل و جود در عالم یدین

مر خلافت را تو شائستہ چو مردم دیدہ را — دین یزدان را تو بایستہ چو رخ را ہر دو عین

کس بدین منوال پیش از من چنین شعری نگفت — مرزبانِ پارسی را ہست با این نوع بین

عمارتیں بنائیں۔

مامون الرشید کی تخت نشینی (۱۹۸ھ ۸۱۳ء) سے اگرچہ فارسی شاعری کی دوبارہ بنیاد قائم ہوئی اور پھر ہر صدی میں ترقی ہوتی گئی لیکن شاہان سامانیہ[1] اور غزنویہ[2] کی سرپرستی اور علمی فیاضی نے فارسی شاعری کو بے انتہا وسعت دی۔ اور صرف اس عہد میں جسقدر فارسی علم ادب مرتب ہوا ہے اگر اُس کی تاریخ لکھی جائے تو ایک مستقل کتاب بنجائے لیکن جب یہ خاندان برباد ہوگئے اور آل سلجوق کی حکومت کا دورہ آیا تو اُسوقت بھی فارسی شاعری خوب پھلی پھولی۔ کیونکہ سلاجقہ عموماً شعر وسخن کے دلدادہ تھے۔ طغرل بیگ اور الپ ارسلان سلجوقی جو بحیثیت ایک فوجی افسر کے حکمرانی کرتے تھے اُن کے دربار میں بھی عمادی شہریاری، اور عبہری غزنوی جیسے باکمال شاعر موجود تھے۔

اس میں کوئی شک نہیں ہے جس طرح ان بادشاہوں کے جود وکرم نے علوم وفنون کو پھیلایا اور شعراء کو دولت سے مالا مال کردیا۔ اسی طرح اس گروہ نے بھی اپنے پاکیزہ کلام سے انکو بقائے دوام کی سند دی۔ شریف مجدی گرگانی نے کیا خوب فرمایا ہے۔

ازاں چندیں نعیم جاودانی کہ ماند از آل سامان آل سامان
ثنای رودکی ماندست ومدحش نوائے باربد ماندست ودستان

[1] شعرا آل سامان۔ اُستاد ابوعبداللہ جعفر بن محمد رودکی،[1] ابو العباس بن عباس رازی،[2] ابو المثل بخاری،[3] ابو اسحاق جوئباری،[4] ابوالحسن،[5] اخبازی نیشاپوری،[6] ابوالحسن الکسائی۔[7] [2] شعرا غزنویہ۔ عنصری،[1] عسجدی،[2] فرخی،[3] فردوسی،[4] بہرامی،[5] زینتی،[6] بزرجمہر قائنی،[7] مظفر،[8] منشوری،[9] منوچہری،[10] مسعودی،[11] غضائری،[12] ابوحنیفہ اسکاف،[13] راشدی،[14] ابوالفرج رونی،[15] مسعود سعد سلمان،[16] مجد ناصر،[17] شاہ ابو رجا،[18] احمد خلف،[19] عثمان مختاری،[20] سنائی۔[21]

الپ ارسلان کے بعد جب جلال الدین ملکشاہ کا زمانہ آیا تو اس دربار میں بھی برہانی، کافی ہمدانی، ابوالمعالی نحاس، اور امیر الشعراء معزی اور لامعی وغیرہ تشریف لائے اور قصیدہ خوانی کے بعد دربار وزارت میں حاضر ہوئے۔ خواجہ نظام الملک کو نظم سے دلچسپی نہ تھی اور نہ وہ مدحیہ قصائد سُننا چاہتا تھا، لیکن وزیر ہو کر یہ محال تھا کہ دربار میں فقہا، صوفیہ، محدثین، اور مفسرین تشریف لائیں اور شعراء دروازہ پر کھڑے رہیں۔ چنانچہ اُسی اُصول کے مطابق حاضرین دربار کے تذکرہ میں صرف اُن شعراء کے مختصر حالات لکھے جاتے ہیں جنکو خواجہ سے خصوصیت تھی اور اُنکے کلام کا محض وہ حصہ نذر ناظرین کیا جاتا ہی جسکا تعلق خواجہ سے ہی۔

(۱) امیر معزّی

یہ نامور شاعر عبد الملک برہانی سمرقندی کا بیٹا تھا، اصلی نام محمد تھا۔ برہانی چونکہ خود صاحبِ فضل و کمال تھا۔ اسلیے ابتدائی تعلیم کے بعد محمد کو سمرقند سے تکمیل علوم و فنون کیلیے خراسان بھیجدیا اور یہاں کی درسگاہوں سے بہ حیثیت ایک طالب العلم محمد نے کافی علمی ذخیرہ حاصل کیا۔

برہانی سلطان ابراہیم غزنوی[1] کے دربار سے متعلق تھا۔ لیکن سلطنت غزنویہ کی بربادی کے بعد (بمقام اصفہان) ملکشاہ کے حضور میں آیا اور ملازم ہو گیا۔

---

[1] سلطان ابراہیم غزنوی نے ۴۵۰ھ/۱۰۵۸ء سے ۴۸۱ھ/۱۰۸۹ء تک حکومت کی۔ یہ بادشاہ بڑا متقی اور عابد تھا۔ اس نے اُن تمام دعوؤں سے ہات اُٹھا لیا تھا جنکی بدولت سلجوقیوں سے روز تلوار چلتی تھی۔ ترجمہ تاریخ الفنسٹن صفحہ ۵۷

افسوس ہو کہ اس نامور شاعر کا کلام مفقود ہو اور ذیل کے دو مصرع اسکے نام سے تذکروں میں ملتے ہیں۔

من فتم و فرزند من آمد خلف الصدق
او را بخدا و بخداوند سپردم

تذکرہ نویسوں نے اسکا شان نزول یہ لکھا ہو کہ "حالت نزع میں برہانی نے سلطان ملکشاہ کو ایک قطعہ لکھا تھا اور اپنے بیٹے کے واسطے سفارش کی تھی کہ میرے بعد اس کی پرورش کی جائے چنانچہ اُس قطعہ کا یہ اخیر شعر ہو۔ بہرحال یہ روایت صحیح ہو یا غلط مگر یہ تحقیق ہو کہ قلعۂ قزوین میں جب برہانی نے انتقال کیا تو سلطان نے برہانی کا وظیفہ محمد کے نام منتقل کر دیا تھا۔ اور تھوڑے زمانے کے بعد ملکشاہ کی قدردانی سے محمد امیر معزی کے خطاب سے ممتاز ہو کر درجۂ اعلیٰ پر پہنچ گیا۔ چنانچہ معزی کے اس واقعہ کو ہم حسب روایت امیر معزی بیان کرتے ہیں۔

نظامی، عروضی سمرقندی مصنف چہار مقالہ امیر معزی کا نہایت نامور شاگرد ہو وہ دوسرے مقالہ[1] میں لکھتا ہو کہ " ایک دن میں نے اپنی تکلیف و مصیبت کا امیر معزی سے ذکر کیا اُنھوں نے مجھکو سمجھایا کہ کسی شاعر کی محنت رائیگاں نہیں جاتی ہو۔ اگر ابتدا میں فروغ نہو تو اخیر میں اُسکا ستارہ ضرور چمکتا ہو۔ اور اسی قسم کی نصیحت آمیز گفتگو کے بعد امیر معزی نے اپنی ابتدائی حالت مجھ سے بیان کرنا شروع کی جو حسب ذیل ہو"

[1] چہار مقالہ صفحہ ۸۸ لغایت ۹۲ مطبوعہ اصفہان۔

میرے والد امیر برہانی کو جو وظیفہ ملتا تھا اُنکے انتقال پر وہ میرے نام منتقل ہوا اور
میں ملکشاہ کا شاعر مشہور ہوگیا۔ مگر حالت یہ تھی کہ کئی سال تک مجھ کو سلطان کا سلام
بھی میسر نہیں ہوا۔ اور نہ حضوری کی عزت حاصل ہوئی۔ بلکہ میں دُور سے اپنے خداوند نعمت
کے درشن کر لیتا تھا۔ مصارف کے لیے ایک من غلہ اور ایک دینار (پانچ روپیہ) مقرر تھا۔
مگر یہ وظیفہ خرچ کو کافی نہ تھا اور قرض کا بار بڑھتا جاتا تھا اس پر طرّہ یہ کہ جو مقرر تھا وہ بھی وقت
پر نہیں ملتا تھا۔ اور اسکا یہ سبب تھا کہ وزیر السلطنت خواجہ نظام الملک شعراء سے بداعتقاد
تھا اور اُسکو شعر و سخن سے مناسبت نہ تھی، بلکہ وہ ہمیشہ صوفیاے کرام سے صحبت رکھتا تھا
غرضکہ اسی زمانہ میں ماہ صیام آگیا اور جسدن چاند نکلنے کو تھا، اُسدن میرے پاس خرچ کو
بھی کچھ نہ تھا۔ اس لیے میں اپنے مہربان محسن امیر علاؤالدولہ علی بن فرامرز (شاہان عجم
کی اولاد میں تھا) کیخدمت میں حاضر ہوا۔ یہ امیر شعر دوست سلطان کا داماد اور ندیم خاص
تھا اور اس اعزاز کے علاوہ ایک بڑے عہدے پر مقرر تھا۔ چنانچہ مینے علاؤالدولہ
سے عرض کیا (خداوند تعالیٰ آپ کی عمر میں برکت دے) کہ جو کام باپ کرتا ہی۔ یہ کوئی ضرور
نہیں ہی کہ بیٹا بھی وہی کام کرے یا جو فن باپ کو آتا ہو بیٹا بھی اُسے جانتا ہو۔ میرا باپ
ایک ہوشیار اور چالاک آدمی تھا اور الپ ارسلاں اُسکا معتقد تھا جو کام وہ کر سکتا تھا
مجھے اُسکے کرنے میں شرم دامنگیر ہی۔ مینے حضور کی ایک سال خدمت کی ہی اور اسوقت
ایک ہزار دینار کا مقروض ہوں۔ اگر اجازت ہو تو نیشاپور چلا جاؤں۔ اور ادائے قرض کا
بندوبست کروں"۔ جب میں کہہ چکا تو امیر نے فرمایا کہ "بیشک مجھ سے قصور ہوگیا ہی۔ اب آیندہ

ایسا نہوگا۔ آج شام کو سلطان چاند دیکھنے کے لیے محلسرا سے برآمد ہونگے تم بھی وہاں موجود رہنا۔ دیکھو! توزمانہ کیا کروٹ بدلتا ہی" اور مجھے ایک سو دینار نیشاپوری دیکر رخصت کیا اور فرمایا کہ "اسے ماہ رمضان میں خرچ کرنا"۔ چنانچہ بہ کمال مسرت میں گھر کو چلا گیا اور شام کو سلطان کے در دولت پر حاضر ہوا۔ اُسی وقت علاؤالدولہ کی بھی سواری آئی۔ مجھے دیکھکر امیر بہت خوش ہوا اور فرمایا کہ "اچھے موقع پر آئے"۔ غرض کہ جب آفتاب غروب ہوگیا تب سلطان چاند دیکھنے نکلا۔ علاؤالدولہ سلطان کی دائیں طرف تھا۔ سلطان ہات میں ایک کمان کروھہ لیے ہوئے چاند دیکھنے میں مصروف تھا۔ چنانچہ سب سے پہلے چاند پر سلطان کی نظر پڑی اور بہت خوش ہوا۔ جب سب چاند دیکھ چکے تو علاؤالدولہ نے مجھسے کہا" اس واقعہ پر کچھ کہو۔ چنانچہ مینے فوراً یہ رباعی عرض کی ؎

ای ماہ چو ابروان یارے گوئی　　یا ہمچو کمان شہریارے گوئی
نعلی زدہ از زر عیارے گوئی　　در گوش سپہر گوشوارے گوئی

میری اس فی البدیہہ رباعی پر علاؤالدولہ خوش ہوا اور میری بڑی تعریف کی۔ اور سلطان نے حکم دیا کہ "جاؤ اصطبل شاہی سے جو گھوڑا پسند ہو وہ لیلو" مگر مینے تامل کیا۔ تب امیر نے ایک گھوڑا نامزد کرکے میرے نوکر کے سپرد کرا دیا۔ (اس گھوڑے کی قیمت تین ہزار دینار نیشاپوری قرار پائی) سلطان ملکشاہ توحکم دیکر نماز مغرب کیواسطے مصلّے پر کھڑا ہوگیا۔ چنانچہ مینے بھی نماز ادا کی اور شام کا کھانا امیر علاؤالدولہ کے ہمراہ کھایا۔ اسوقت امیر نے حکم دیا کہ جو انعام تمکو ملا ہی اب اُس صلہ کی شکرگزاری مین کچھ کہو۔ چنانچہ میں نے

برجستہ یہ رباعی عرض کی ؎

چوں آتش خاطر مرا شاہ بدید — از خاک مرا بر زبر ماہ کشید
چوں آب یکی ترانہ از من بشنید — چوں باد یکی مرکب خاصم بخشید

جسکو سُنکر امیر بہت خوش ہوا۔ اور امیر کی تعریف پر سلطان نے ایک ہزار دینار مرحمت فرمائے۔ اور امیر نے یہ بھی فرمایا کہ "کل خواجہ نظام الملک کا دامن پکڑونگا کہ وہ تمہاری تنخواہ خزانہ سے نقد دلا دیں اور غلہ کے واسطے حکم جاری کریں کہ اصفہان سے بھیجدیا جائے"

وزارت کا اقتدار دیکھو

سلطان نے فرمایا کہ ہاں علاؤالدولہ! تم یہ کرسکتے ہو! کسی اور کی تو یہ جُرأت نہیں ہی۔ کہ خواجہ نظام الملک سے ایسے الفاظ کہہ سکے"۔ اسکے بعد سلطان نے حکم دیا کہ اسکا تخلص میرے نام پر معزّی رکھو۔ (جلال الدین و معزالدین ملکشاہ کے لقب تھے) چنانچہ علاؤالدولہ نے اُسی وقت مجکو خواجہ معزی کہکر پکارا۔ جب سلطان نے سُنا تو فرمایا کہ نہیں اسکو امیر معزی کہو اور میں اُسی وقت درجۂ امارت پر ممتاز ہوگیا۔ اور دوسرے دن ایک ہزار دینار اور مرحمت ہوئے اور مصارف کے واسطے ایکہزار من غلہ اور بارہ سو دینار مقرر کیے گئے۔ چنانچہ عید کے بعد میں دربار سلطانی میں حاضر ہونے لگا اور ندیموں میں داخل ہوگیا اور میرا اقبال دن بدن بڑھنے لگا"

؎ ایشیائی درباروں کا قاعدہ ہی کہ جسدن کوئی معزز خطاب کسیکو دیا جاتا ہی۔ اُسی دن درجہ کے مطابق جاگیر اور تمام سامان بھی مرحمت ہوتا ہی۔ تاکہ منصب کے لحاظ سے وہ شریک دربار ہوسکے۔ اس قاعدہ کا عملدرآمد ہر ایشیائی سلطنت میں ہی ہندوستان میں سرکار نظام اور دیگر بڑی ریاستوں کا بھی آئین ہی۔

جو اپنا واقعہ امیر معزی نے بیان کیا ہو اس سے ثابت ہو کہ بدیہہ کہنا شاعری کا اعلیٰ رکن ہو۔ اور ہر شاعر پر فرض ہو کہ وہ اسقدر مشقِ سخن کرے کہ برجستہ کہہ سکے۔ کیونکہ امیر معزی آنِ واحد میں معمولی حالت سے ترقی کر کے درجۂ امارت پر پہنچا اس کا باعث صرف وہی ایک رباعی ہو جو اُس نے برجستہ کہی تھی۔

ملک شاہ نے اگرچہ معزی کو امیر الامرا بنا دیا تھا۔ مگر کمال شاعری کے لحاظ سے کوئی خطاب نہیں دیا تھا۔ لیکن اُس کے نامور بیٹے ناصر الدین سنجر نے معزی کو ملک الشعراء کا خطاب دیا۔ اور دربارِ سنجری میں وہ مثل ملک الشعرا عنصری کے چار سو شعرا پر حکومت کرتا تھا۔ امیر معزی کا جسقدر کلام تذکروں میں پایا جاتا ہو وہ اعلیٰ درجہ کا ہو۔ غزل میں شیرینی اور نمکینی ملی ہوئی ہو۔ قصائد نہایت زور کے ہیں۔ غزل میں فرخی کا مقلد ہو۔ اور قصائد میں عنصری کا رنگ ہو۔ اُس عہد کے نامور شعرا نے امیر معزی کے قصائد کا جواب لکھنے میں کوشش کی ہو۔ اور حکیم انوری جیسے باکمال شاعر نے امیر معزّی کی ابیات کو تضمین کیا ہو اور خاقانی جیسا اُستاد اُسکا معتقد ہو۔ غرضکہ امیر معزی کی جسقدر مدح فضل و کمال کے لحاظ سے کیجائے وہ کم ہو۔

امیر معزی نے ۵۴۲ہجری میں بمقام مرو انتقال کیا۔ موت کا یہ واقعہ ہو کہ سلطان سنجر کے ہمراہ شکار کھیل رہا تھا کہ خود سلطان کے تیر سے زخمی ہو گیا۔ اور اسی صدمہ سے طائر روح قفس عنصری سے پرواز کر گیا۔ چنانچہ خود کہتا ہو ؎

---

۵۷ تذکرۂ دولت شاہ۔

منت خدا را کہ بہ تیر خدایگاں | من بندہ بے گنہ نشدم کشتہ رایگاں

انتقال کے بعد حکیم سنائی نے امیر معزی کی تعزیت میں حسب ذیل اشعار لکھے۔[1]

گر زہرہ بچرخ دوم آید نہ شگفت ست | در ماتم طبع طرب افزای معزی
کر حسرت درہاے یتیمش چو یتیماں | بنشستہ عطارد بمعزاے معزّی

امیر معزی کا خاص خاص کلام انگریزی میں بھی ترجمہ ہو کر چھپ گیا ہی۔ اب ہم
قصائد لکھتے ہیں جو صرف خواجہ نظام الملک کی مدح میں ہیں اور جنکا لکھنا اس کتاب میں
نہایت ضروری ہی۔

قصائد امیر معزی درمدح خواجہ نظام الملک

شدست باغ پر از رشتہ ہای دُرِّ خوش آب | شدست راغ[2] پر از تودہاے عنبر ناب
بباغ و راغ مگر ابر و باد۔ داد ستند | بتودہ عنبر ناب و برشتہ دُرِّ خوش آب
چمن شدست چو محراب و عندلیب ہمی | زبور خواند، داؤد وار در محراب
ہوا ز ابر چو پوشید جوشن و خفتاں | زعکس خویش گماں کرد مہر روشن تاب
زغنچۂ گل و از شاخ بید، باد صبا | زمردیں پیکاں کرد و بُسَدّیں[3] نشاب
میان سبزہ نگر برگ لالۂ نعماں | میان لالۂ نعماں نگر سرشک سحاب
یکی چنانکہ بزنگار برزنی شنگرف | یکے چنانکہ بہ شنگرف برزنی سیماب
سرشک ابر و گلاب و شگوفہ کافور است | چو صندل است بجوی و بفرغر[4] اندر آب[5]

---

[1] مجمع الفصحا صفحہ ۷۰ جلد اول اور جملہ قصائد اسی تذکرے سے منقول ہیں۔ [2] صحرا۔ [3] منسوب بمرجاں [4] تیر۔ [5] تالاب

هنوز ناشده طبع جهان بغایت گرم — معالجتش بکافور و صندل است و گلاب

همی شود مطر[1] اندر تراب[2] مروارید — بفعل و طبع مگر چون صدف شد است تر آب

همی ز سیل بهاری شود سراب چو بحر — چنانکه بحر شود پیش جود خولجه سراب

بزرگوار **وزیری** که دست همت او — ز روی دولت و اقبال بر گرفت نقاب

شهاب[3] هست بلون و بشکل چون قلمش — فلک بقوت آن دیو را زند بشهاب[4]

اگرچه پست کند کوه پیل مست به نیشک[5] — وگرچه ریزه کند سنگ شیر شرزه بناب[6]

نه با عداوت او پیل مست دارد زور — نه با سیاست او شیر شرزه[7] آرد تاب

ایا گزیده چو طاعت بروزگار مشیب[8] — ایا ستوده چو نعمت بروزگار شباب

کسیکه او بهمه قولها بود صدیق — اگر بنقض تو یک دم زند شود کذاب

شود با من تو آهو بره ندیم هژبر — شود بلقمهٔ تو تیهو بچه قرین عقاب

نمبر ۲

ز بسکه ماند دل و چشم من در آتش و آب — کشاد در دل و در چشم من در آتش و آب

چرا دو عارض و چشم مرا مرصع کرد — اگر بصنع نگشته است زرگر آتش و آب

دلم ز دلبر چون شاد و خوش بود که بود — نصیب چشم و دل من ز دلبر آتش و آب

اگر بشوید ما هر زلف را و خشک کند — شود ز زلفش پر مشک و عنبر آتش و آب

نویسم ار صفت هجر او بدفتر بر — بگیرد از صفتش روی دفتر آتش و آب

---

[1] باران [2] خاک [3] زنگ سرخ [4] شعلهٔ آتش [5] سامنے کی بڑے دانت جسکو ہندی میں کچلی کہتے ہیں [6] دندان [7] خشمناک [8]

گر اشک و آہم پیدا شود بگیرد پاک — ز چشم و از دل من ہفت کشور آتش و آب

ہمیشہ از دل و از چشم من برشک درند — بقعرہا ویہ و حوض کوثر آتش و آب

تبر سیم از دم و آہم کہ سرد و خشک شوند — چو بر خلیل و کلیم پیمبر آتش و آب

ز خشم و طبع تو بردند مادہ و مایہ — چہ بر اثیر و چہ در بحر اخضر آتش و آب

حسود دشمن ملک ترا ابر و بسوخت — بغرق و حرق ازاں شد دلاور آتش و آب

حکایت از دل و چشم مخالف تو کند — ہمیشہ زیں جہد از برق و تندر آتش و آب

چہ جوہر است حسام تو کاندرو دائم — عیاں ستارہ و در است مضمر آتش و آب

شہاب شکل و فلک صورت و مجرّہ صفت — برخ ز برجد و مینا بہ پیکر آتش و آب

ز آب و گوہرش آتش جدا نداند شد — تو جمع دیدی؟ در ہیچ گوہر آتش و آب

ہمیشہ کینہ کش و ملک پرور است کہ دید — کہ کینہ کش بود و ملک پرور آتش و آب

نمبر ۳

عشق آں سنگین دل سیمین بر زرین کمر — سنگ من بر دو سر شکم سیم کرد و روئے زرد

گر بسوزد زلف و تنگ از دلبش دارم عجب — زانکہ بر آتش بسوزد مشک و بگدازد شکر

نسبتے دارد ہمانا زلف او با چشم من — بیعتے رفتہ است گوئی ہر دو را با یکدگر

زلف او در شد بتاب و چشم من در شد بآب — چشم من کم کرد خواب و زلف او کم کرد سر

چشم من غواص شد تا زلف او شد باغبان — زلف او طرفہ است لیکن چشم من زو طرفہ تر

---

۱ دوزخ کا آخیر درجہ ۲ کرہ نار ۳ بانگ رعد یعنی گرج ۴ کہکشاں ۵ ایک قسم کا زمرد

زلف او شمشاد تر بیرون کشید ست از سمن	چشم من از آتش بر آورد ست مروارید تر
تا ندیدم تیر مژگانش ندانستم که هست	تیر عشق و تیر سحر ش در دل و جان کارگر
زین دو تیر کارگر پیوسته باشد بیگزند	هر که از جاه وزیر دادگر سازد سپر
گر همای همتش روزی کشاید پر و بال	شرق گیرد زیر بال و غرب گیرد زیر پر
هر که بیند روز بخشیدن مبارک دست او	بحر زرین موج بیند ابر یاقوتین مطر

نمبر ۴

کنون که خور[۱] به ترازو رسید و آمد تیر[۲]	شدند راست شب و روز چون ترازو تیر[۳]
بکوه سوزش سیم و بباغ زر توده هست	چو روی آینه روشن شده ست روی غدیر[۵]
مگر که عاشق زارند لعبتان چمن	که پشت شان چو کمان است و روی شان چو زریر[۶]
ز فر و زیب تهی شد ربع و طلل[۸]	همان چمن که چو بتخانه بود پر تصویر
گمان برم که گلستان گناه آدم کرد	که شد برهنه چو آدم ز جامهای حریر
بتاک های رزان بر ببین که دست خزان	هزار خوشه لولو فروزده است به قیر[۱۰]
شد از سپیدی و سرخی بدیع گونه سیب	چو رنگ روی بتی کز قفا خورد تشویر[۱۱]
بصورت و صفت آبی چو گوی زرین است	بر او نشسته ز میدان شاه گرد عبیر
کفیده نار و درو دانهای سرخ پدید	چو روز رزم دهان مخالفان وزیر

[۱] آفتاب [۲] برج میزان [۳] پارسیوں کا چوتھا مہینہ [۴] برادہ [۵] تالاب وغیرہ جسمیں بارش کا پانی جمع ہو [۶] ایک زرد رنگ کی گھاس [۷] مکان منزل [۸] ویران مکانوں کے نشانات جسکو کھنڈر کہتے ہیں [۹] انگور کی ٹہنیاں [۱۰] قیر ایک سیاہ رنگ کا معدنی روغن ہے جو مائل بسرخی ہوتا ہے اور رال سے ایک جداگانہ شے ہے [۱۱] شرمساری۔

میان غیب و بیانِ ضمیر روشن او	ستاره واسطه گشته است آفتاب سفیر
چو گردشِ فلک است امن او که عالم را	دهد جوانی و پیری خود نگر د دیر
چو نام او نبود نا تمام باشد مدح	که مدح همچو نماز است نام او تکبیر
چرا بقول منجم مؤثر است سپهر	که در سپهر کند دولتش همی تاثیر
زمین ز دولت او دید صد هزار اثر	بزیر هر اثری صد هزار چرخ اثیر
ز بهر مژدهٔ فتح و بشارت ظفرش	همیشه رنجه بود پای پیک و دست دبیر
همی ز شرق فرستد بسوی غرب رسول	همی ز غرب فرستد بسوی شرق بشیر
مسیح اگر بدعا جان رفته باز آورد	همان کند گه توقیع کلک او صریر
ز سنگ زر کند اقبال او چرا نکنند	ز خاک درگه او کیمیا گران اکسیر
آیا علوم تو اثبات عقل را معنی	آیا رسوم تو آیات عدل را تفسیر
ز اعتقاد تو گر نسختی برند به چین	شوند مانویان[1] دین پرست و شرع پذیر
اگر پیام تو در خواب بشنود قیصر	ز جاثلیق[2] جز اسلام نشنود تعبیر
ز فر بخت تو دراج زیر چنگل باز	برون کند ز نشیمن عقاب را به صفیر
و گر بود بکف گرگ بچهٔ روباه	چو بوئے عدل تو یابد ز شیر خواهد شیر

شرف گرفت بتو نامه و دوات و قلم
چنان کجا به شهنشه حسام و تاج و سریر

[1] مذہب مانی کے پیرو [2] عیسائیوں کا مذہبی پیشوا جو بلاد اسلام میں تھا ہی اور بطریق کا ماتحت ہوتا ہی۔ از فرائد اللغۃ۔

نمبر ۵

چنان خواهد شد از خوبی جهان تا هفتهٔ دیگر	که گوئی جنت الفردوس را بگشاد رضوان در
جوانی از پس پیری کنون خواهد شدن ممکن	که باغ پیر تا ده روز خواهد شد جوان از سر
ز کاشانه بر باغ آیند و بنمایند خوبان رخ	ز بیغوله بباغ آیند و بگشایند مرغان پر
سرشک ابر دیبا باف باشد بر زمین دیبا	نسیم باد عنبر سوز سوزد در هوا عنبر
بگرید هر زمانی ابر همچون دیدهٔ عاشق	بخندد هر زمانی باغ همچون چهرهٔ دلبر
چنان کز کوههٔ پیلان بغرد کوس در هیجا	ز ابر تیره هر ساعت خروشی در کشد تندر
نماید خویشتن قوس قزح چون چنبر زرین	که باشد در زمین پنهان شده یک نیمه از چنبر
چو پوشیده سه پیراهن که هر یک را بود پیدا[ل]	بن و دامن یکی احمر یکی اصفر یکی اخضر
بدست باغبانان از بنفشه دستها بینی	چو چین قرطه کان قرطه دارد رنگ نیلوفر
و یا از بازوی نازک بدندان گاز برگیری	شود چون نیل و از دندان اثر ماند بدو اندر
ز بهر دیدن گلزار عبهر دیده بگشاید	سرشک ابر نوروزی چکد در دیدهٔ عبهر
چو از مینا یکی ساعد ز سیم پاک انگشتان	بکف بر ساغر زرین و مروارید در ساغر
کنون هر ساعت اندر باغ قوم عاشقان بینی	زبرجد شان به زیر پائے و مروارید شان از بر
یکی با ناله و زاری ز هجر ماه سنگین دل	یکے با نعرهٔ و شادی ز وصل سرو سیمین بر
بکوه از لاله کبکان را شود شنگرف گون بالین	بدشت از سبزه گوران را شود زنگار گون بستر

ل سیف الدولہ کا یہ شعر خاص توجہ کے لائق ہے ۔ یطرزنہا قوس السحاب باصفر ٭ علی احمر فی اخضر تحت مبیض ۔ دیکھو ابن خلکان صفحہ ۳۶۵

گر از بیم غلامانت، بتبہ شد خانہ برخاقاں — گر از سہم سوارانت، سیہ شد قصر بر قیصر

جوان و پیر بوسیدند، توقیعت بہر بقعہ — بزرگ و خورد پوشیدند، تشریفت بہر کشور

کنوں آشفتہ شد گیتی، گزیدی طاعت و عزلت — کہ عزلت نہ بہ قیل و قال، طاعت نہ بہ شور و شر

سلامت بہ ہر حالی، چو عذاری کند گردوں — فراغت بہ ہر کاری، چو بدکاری کند اختر

نہ دیدم در ہمہ گیتی زکاخت خوبتر کاخی — کہ ہم عیّوق[1] را تخت ست و ہم خورشید را منظر

بلندی کز بلندی ہست، بامش بر سر جوزا — بزرگی کز بزرگی ہست، بومش بر خطِ محور

کشیدستند در سقفش تو گوئی جامۂ[2] دیبا — فگندستند در صحنش تو گوئی تختۂ مرمر

بہاری راہمی ماند، ریاحینش ہمہ صورت — بہشتی راہمی ماند، درختانش ہمہ پیکر

نمبر ۶

تا طیلسانِ سبز برافگند جویبار — دیبای ہفت رنگ بپوشید کوہسار

آں ہمچو گنج خانۂ قاروں شد از گہر — ویں ہمچو نقشِ خانۂ مانی شد از نگار

از ژالہ لالہ را ہمہ دُرّ ہست در دہن — وز لالہ سبزہ را ہمہ لعل ست در کنار

چوں برکنار سبزہ بود لعل قیمتی — اندر دہان لالہ سزد دُرِّ شاہوار

چرخ ستارہ بار شد است از نسیم باد — در ہر چمن کہ ہست درختی شگوفہ دار

نشگفت اگر زغلغلِ بلبل قیامت ست — باشد بہم قیامت و چرخ ستارہ بار

خورشید شد بلند و ز دریا بفعل خویش — در ساعتے ہمی بہوا بر کشد بخار

۱؎ ایک سُرخ رنگ ستارہ ہی جو کاہکشاں کی داہنی جانب در ثریا کے آگے رہتا ہی ۲؎ چادر۔

گاهی ازان بخار فلک را کند حجاب — گاهی ازان حجاب زمین را کند نثار

در همتش همی نرسد گردش فلک — گوئی فلک پیاده شد و همتش سوار

ماند بنار خشمش و ماند بخاک حلم — اندر یکی تحرک و اندر یکی قرار

جان در تعجب و خرد اندر تفکر است — تا خاک را چگونه مسخر شد است نار

منبر

همان به است که امروز خوش خوریم جهان — که دی گذشت و ز فردا پدید نیست نشان

در انتظار بهار و خزان مباش که هست — خزان عدوی بهار و بهار خصم خزان

مگر خزان بزان، نو شریعتی بنهاد — که هست در همه عالم مباح خونِ رزان

مگر که در شبِ دی ماه باده خوار زمی — عسس شده است که کرد است باغ را عریان

ز برف ریزه چو سوهان شده است دی غدیر — زنخ شده است رخ آبگیر چون سندان

زمان مگر که به آهنگری برون آمد — که آب کرد چو سندان و برف چون سوهان

چه باک ازین که جهان سر گشت و ناخوش شد — که خانه گرم و مغنّی خوش است و باده جوان

گر از بنفشه و لاله زمین و باغ تهی است — ز هر دو هست بدل زلف و چهرهٔ جانان

چو زلف چهرهٔ او هست بیهده چه خوریم — غم بنفشهٔ سیراب و لالهٔ نعمان

بماه دی ز خم زلف و رنگِ چهرهٔ او — بنفشه زار پدید آوریم و لالستان

دو گوهر است درین وقت شرط مجلس ما — قینه معدن این و تنوره مسکن آن

یکی چو آب رز اندر میان جام قدح — یکی چو برگ گل اندر میان آتشدان

بدین دو گوہر روشن شب زمستان را | چنان کنیم کہ ماند بروز تابستان
چو ابر بر سر ما از ہوا فشاند سیم | کنیم بر سر او از تنورہ زرافشان
چو مطربان سر انگشت را کنند سبک | بیا د خواجہ بکف بر نہیم رطل گران
نظام دین و در مملکت ملک سنجر | قوام دین و در مملکت ملک سلطان
خدای او ز شش چیز مر ترا شش چیز | کہ عمر مرد بہر شش بماند آباد ان
کف از شراب و لب از خندہ و بر از معشوق | دل از نشاط و تن از ناز و خانہ از مہمان

منثر

زباغ و راغ بآسیب لشکر تشرین | گرفت راہ ہزیمت سپاہ فروردین
گرفت گونہ دینار دشت مینا رنگ | نہادہ تودہ کافور کوہ مشک آگین
چو پیشہ شد ہوا بر خیال اہرمن | نہفتہ شد بزمین در نگاہ حور العین
نہ باغ را خبر است از بنفشہ و سوسن | نہ راغ را اثر است از شقائق و نسرین
نہ ہست لالہ کوہی پلنگ را بستر | نہ ہست سوسن حمری تذرو را بالین
اگرچہ فصل بہار از خزان بہ است کہ دہر | ہمہ شگفتہ از آن گردد و شگفتہ از این
من از خزان بہ یکی چیز شاکرم کہ خزان | ز بانہاے درختان ہمی کند زرین
ز بہر آنکہ درختان بدان زبان خوانند | بجشن مہر مدیح وزیر شاہ زمین
نظام ملک وزیر خلیفہ شمس کفات | غیاث دولت و صدر اجل قوام الدین

سطر ۹۔ دی مہینہ کا نام ہے جسکا زمانہ کاتک کے قریب ہوتا ہے۔ سطر ۵ پارسیوں کا پہلا مہینہ ہے سطر ۱۵ پژمردہ۔

(۲) حکیم لامعی ملقب بہ بحرالمعانی

یہ نامور شاعر جرجان کا باشندہ تھا۔ ابتدائے حال میں وطن سے خراساں آیا۔ اور حجۃ الاسلام امام محمد غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر رہ کر علوم و فنون میں کمال حاصل کیا اور امام صاحب کے فیض صحبت اور برکت سے بے انتہا علمی فوائد حاصل کیے۔ اپنے زمانہ کا نامور شاعر ہی۔ تذکروں میں حالات بہت کم ملتے ہیں اور بجز تخلص کے یہ بھی نہیں معلوم ہوا کہ حضرت کا نام کیا تھا؟ ایک قطعہ خواجہ عمید سمرقندی کو لکھا ہی اسکے بعض اشعار سے نسب نامہ کا سلسلہ اس طرح پر معلوم ہوتا ہی۔

جد من ہست سماعیل و محمد پدرم　　　بو الحسن ابن سلیمان ز ادا مادم من

مرمرا ہست اسد طالع و از مادر خویش　　　روز آدینہ، بماہ رمضان زادم من

کہتا ہی کہ "محمد کا بیٹا اور اسماعیل کا پوتا اور ابو الحسن ابن سلیمان کا داماد ہوں۔ اصطلاح نجوم کی رو سے میرا طالع اسد ہی۔ اور بماہ رمضان یوم جمعہ میری ولادت ہوتی ہی" مگر افسوس ہی کہ سنہ ولادت نہ لکھا۔ تمام تذکرہ نویسوں نے لامعی کے فضل و کمال کا اعتراف کیا ہی۔ حاجی لطف علی بیگ آذر صاحب آتشکدہ فرماتے ہیں "الحق بسیار طبع خوشی داشتہ" آذر کا یہ مختصر فقرہ نہایت قیمتی ہی اور لامعی کے کلام دلکش نے آذر کو خوب ہی گرما دیا ہے جب اسقدر تعریف کی ہی۔ ورنہ ان کی نسبت بھی یہی ارشاد ہوتا کہ "بد نہ گفتہ است" سلطان سنجر کے زمانہ میں

له انتخاب از آذرکدہ، مجمع الفصحا، مختصر دیوان حکیم لامعی مطبوعہ مبئی۔ افسوس ہو کہ یہ نسخہ نہایت غلط تھا اور کوئی صحیح نسخہ نہیں ملا۔ اسوجہ سے اکثر اشعار چھوڑ دیئے گئے ہیں اور بعض صحت طلب ہیں۔

بمقام سمرقند انتقال کیا اور وہیں دفن ہوا۔ سلطان ملکشاہ سلجوقی، وزیر ابونصر کندری، اور خواجہ نظام الملک کی مدح میں جو قصائد لکھے ہیں وہ یادگار ہیں۔ صاحب مجمع الفصحا نے لکھا ہی کہ لامعی حسب ذیل شعرا کا ہمعصر رہا ہی۔

امیر برہانی، سوزنی سمرقندی، جمالی، عمعق بخاری، رشیدی، روحی سمرقندی، شمس سیم کش، عدنانی۔

قصائد لامعی در مدح خواجہ نظام الملک

کنم چرا نکنم روز و شب گلہ ز فراق | فراق کرد مرا زان نگار دلبر طاق
فراق کرد مرا دور از آن منوّر ماہ | کہ ہست ماہ دو ہفتہ بنور او مشتاق
ازو وصال چرا بے فراق دارم طمع | گہی وصال ندارم امید و گاہ فراق
کہ روی آن بت ماہ ہست ماہ تابان زا | باسمان برکہ روشنی است گاہ محاق[1]
دلم بہ ابروی او فتنہ گشت و طرّۂ او | کہ آن ز مشک رو قست و این ز غالیہ طاق
بران ورق و بر این طاق نقشہای بدیع | بود نکوتر با نقش و رنگ طاق و رواق
مہ ہست بستہ بشگون دو بند عارض او | ازان دو بند مر آن ماہ را مباد اطلاق[2]
کزان دو بند گرا طلاق یابد آن مہ نو | ز عشوہ کہ دہد جفت را دہند طلاق
کنند خلق بر او جان و دل ہمہ نفقہ | در او فتادہ ز بازار او بشغل نفاق
فگند عشق وی اندر دل من بہ آتش گشت | زلف آتش دل پوست بر تنم محراق[3]

[1] چاند کا گھٹنا۔ اور اخیر مہینہ کے تین دن جسمیں چاند چھپ جاتا ہی [2] ایک قسم کی خوشبو کا نام ہی [3] رہا ہونا چھوٹنا۔

بتف آتش اگر باشد آتش اندر دل	دل وی از دلِ من بیش دارد احتراق
مگر و گر دخلاف ای ہمیشہ عادتِ تو	خلاف کردن عہد و شکستن میثاق
بیار بادہ کہ آورد باد بوے بہار	اَدِرْ عَلَیْنَا کَاسًا عَلَی السَّمَآءِ دِھَاق
ہمان مُعدّلِ[1] معروف کان شخص اندر	کہ بادہ خوار از اخوانند بیش او فسّاق
کنوں چو باد صبا خیز و از نشاط و کند	ببادہ مزمزہ ہر بامداد و استنشاق[2][3]
ہمی بخندد بادہ ہمے بگرید ابر	چو روی معشوق این و آن چو دیدۂ عشاق
مگر بگردن او برشدہ ہت مخنقہ تنگ[4]	کہ وقت وقت بحلق اندر افتدش خناق[5]
رُخ شقائق چون روی نیکوان گہ شرم	کَاَنَّ حُمْرَتَہٗ اَوْرَاقِھَا دَمٌ مُحْرَاق
درست گوئی بر موقف از پے قربان	بوند جا بنی اعناق گوسفند و عناق[6]
مگر کہ ہت گل یاسمن ز زرّ و ز سیم	کہ ہت زرا و را میان سیم اوراق
اگر سیہ حدقہ چشمہائے زرد مژہ	ندیدہ اینک چشمی بدین صفت اماق
دو چشم خویش بر افگن بچشم آذرگوں	درین زمان و برآماق او نگار آماق
بچشم بر مژۂ زرد اگر نکو نہ بود	نکو بود سیہ اندر میان چشم احداق
چو روز رزم یلان امیر دو دین جفت	یکے گرفتہ سپر در کف و یکی مخراق
نہادہ گوش کہ یابند گاہ فتح تواب	ز کدخدائے خراسان و کدخدائی عراق

[1] ایک شرعی عہدہ ہی جو دفتر قضا سے تعلق رکھتا تھا۔ یہ عہدہ دار ایک جسٹر رکھتا تھا جسمیں ثقہ اور ساقط العدالت لوگوں کے نام درج ہوتے تھے علاوہ اسکے اور بھی ذمہ داری کے کام سپرد ہوتے تھے [2] کلی کرنا۔ [3] ناک میں پانی چڑھانا جیسا کہ وضو میں ہوتا ہی۔ [4] قلاوۂ گردن [5] گلوگرفتگی و نام عارضہ [6] ایک دوسرے کے گلے میں ہات ڈالنا و بالفتح بمعنی بزغالۂ مادہ۔

وزیر سلطان زین زمان چراغ زمن　　ابو علی حسن بن علی بن اسحاق

لطیف خلق وی و خلقتش موافق خلق　　نه آفریند مخلوق به از و خلاق

بود ز گیتی مر خلق را همین شرف آنکه　　موافق آید با خلقت لطیف اخلاق

وزیر آں ملکست آنکه خورد کرد و بگزر　　سر هزار ینال تن هزار ملاق

به تیغ و تیر بنی کرد میر طغرل فتح　　چنانکه میر الپ ارسلاں بخبت حماق

نسیم خاطر او گر رسد به بحر شود　　عبیر بوئے در او رنگ و آب نوش مذاق

هر آں کسی که بود مشفق آں وزیر بر او　　ز هیچ بد نبود در جهاں ور امشاق

گه سیاست آرد بدید هیبت او　　خشوع در ابصار و خضوع در اعناق

گه سخاوت به هر که او کشاید دست　　کشاید آں را بر آسماں در ارزاق

مخالفان ورا در دهاں بشرق و بغرب　　می از نهیب حمیم است انگبین عنّاق

موافقاں را در عصر او ز برکت او　　درم فزوں تر هر چند بیشتر انفاق

نه بیم قسمت جور و نه خوف نزل نزول　　نه بیم هیبت افلاس خشیت املاق[1]

برند گفتن لغت دی و نوشتن او　　بفرقداں[2] ز شرف فوق ساغر و راق

زکس نه رزق فرو شد وی نه رزق خرد　　هگرز[3] بر نخورد ز و مشعبد[4] و نه زرّاق[5]

ز عشر یک صدقه زائراں از و گیرند　　هزار زن چو سها دخت رز دهند طلاق

اگر چه دشمن او هست سال و ماه شقی　　شقی تر آنکه از و در دلش نفاق و شقاق

---

[1] مفلسی [2] دو ستاروں کے نام ہیں جو قطب کے نزدیک ہیں [3] ہگرز بمعنی ہرگز ہست [4] بازیگر [5] مکار۔

اگر نہد طبق و خواں سرای ہمت خویش ... سپہر باید خواں دستارگان اطباق

زمین مشرق و مغرب سپر و خواہد در ... بداں عنایت او زہر حرخ را تریاق

دریں ببینند نادیدہ ہیچکس سیمرغ ... دریں ببینند نادیدہ ہیچکس وقواق

بر تو لامعی اے نامور و زیر آمد ... چو نزد احمد کعب و چو نزد کعب اسحاق

روان شادی ہمچوں شناوری کہ رود ... در آب حلہ زباب لاتح بباب الطاق[۵۱]

زدودہ تا ختنش اسپ را قوایم و کعب ... چو ساقیاں را ہنگام خواب مستاں ساق

شود کہ بہ نبود زو بگاہ مدح و صلہ ... ز حلق شاعرت و شعر قائم الاعناق

خزینہ تو ز ایلاق[۵۲] باد تا بغداد ... ربنجار[۵۳] و مصر سپاہ ترا سراؤ وثاق

بزی بشادی تا در میان خلق بود ... سر دبن ہمہ سوگند ہا طلاق و عتاق

زمانہ کردہ ترا ہمچو تو مرا ایزد را
ہزار حمد و ثنا "بالعشی و الاشراق"

نمبر ۲

چوں از ملک گرفت ہزیمت سپاہ چیں ... آورد شاہ زنگ بروں لشکر از کمیں

یک قوم را ز تارک بر داشتند تاج ... یک قوم را جواہر بستند بر جبیں

گم گشت روشنی و فزوں گشت تیرگی ... بر سام حام چیرہ شد و دیو بر امیں

---

۵۱ بغداد کے مشہور محلوں کا نام ہے۔ ۵۲ ایلاق بلاد ماوراء النہر کا ایک مشہور شہر جو فرغانہ کے قریب تھا اور اسی نام کا ایک پرگنہ نواح نیشاپور میں تھا۔ ۵۳ ایک قریہ کا نام ہے جو بخارا سے ۳۰ کوس پر واقع تھا۔

اندود چهره گفتی طین را بنار بر — آنگونه جهل گفت بود نار به ز طین

مهر از چهارمین فلک اندر فتاد پست — سست و ضعیف گشته بدریای هفتمین

گوئی کنند خلق بجا گستر اندرون — امشب ز بهر فردا آتش همی دفین

از شخص دیو چشم دلیران پر از خیال — وز بانگ غول گوش ستورگان پر از طنین

مارند اسطقسات[1] گفتی همه سیاه — دیو ند آخشیجان گفتی همه لعین

کردم سوی زمین و سوی آسمان نگاه — تا گردم مگر صفت هر دو آن یقین

بود آسمان چو حلقهٔ انگشتری بوصف — ماند نگین صفت بمیانش اندرون زمین

پیروزه رنگ حلقهٔ انگشتری که دید — کاندر میان او ز خماهن[2] بود نگین

زانگونه گونه صورتم آمد همی شگفت — کافروزد ار بعین عدوش خمس اربعین

گاو ایستاده کاخ زمرد ورا مکان — شیر ایستاده قبهٔ مینا ورا عرین

نه جای آنکه گاو زند شیر را سرو[3] — نه بیم آنکه شیر گزد گاو را سرین

چون موی حور عین شب و ماه تو اندرو — چون موی بند زرین موی حور عین

پروین ز حد شام و سهیل از حد یمن — این وی کرده سوی آن، آن زوی سوی این

سیمین قنینه شامی بگرفته در شمال — زرین قدح یمانی بگرفته در یمین

خواهند خورد گفتی هر دو بهم شراب — گر آسمان کندشان یکبارگی قرین

گردان بنات نعش همه شب بر آسمان — چون در شده سوار نبرد[4] و در کمین

---

[1] عناصر۔ [2] ایک پتھر کا نام ہے جسکی سیاہی سرخی مائل ہوتی ہے۔ [3] سینگ [4] جنگ و جدل۔

چون گرد واژگونه فلک زین او بر اسپ — من خواستم لگام و نهادم بر اسپ زین

آمد بر من آنکه نه بیند کس و ندید — سروی چنین بغا[1] تفر و لعبتی به چین

از زلف بر دو چین و فگنده برابروان — زان پیشتر که بودی در زلف کافش چین

گه لام را گسست همی از بر الف — گه میم را بجست کرانه همے بسیں

چون ابر گشته دیده و برابر برشده — از غم مرا خروش نگارم را انین[2]

من چون بماه تشرین یکرشته زعفران — او چون بماه نیسان یکدسته یاسمین

گشتیم دور عاقبت از یکدگر بدرد — مر هر دو را دریده گریبان و آستین

او رفت سوی روضه و من سوی بادیه — او در بلای فرقت و من در عنای چین

پشت بلند کوهی کردم مکان خویش — کاید گه سبق چو ز کوه بلند هین[3]

چون برشدم به پشتش گفتی ز بهر موج — هین[4] اخدای گفت برو برشتاب هین[5]

دشت از درنده شیران چون روز عید نحر[6] — از گوسفند و گاو بسا زار و پارکین

من همچو از دهان خداوند صولجان — جسته گه شکار خداوند پوستین

ره گرچه دور بود و کمرهاش بیمناک — شخ گرچه خشک بود و شمرهاش سهمگین

یکدست من هنوز به چین چید گل همی — وان دست دیگرم بیمن بود لاله چین

نفرین و دست نا شده از گوش من هنوز — کامد ز قصر خواجه بگوش من آفرین

---

[1] ترکستان کا ایک مشہور شہر ہی جہاں کا سرو اور حسن مشہور ہی [2] نالہ و فریاد [3] سیلاب [4] بمعنی این و اینک۔

[5] بطور تاکید کے ہی یعنی زود باش [6] عید الضحیٰ۔

فخر علا وزیر شہنشاہ بو علی
حسن ہی حسن رضی میر مومنین
نمبر ۳

آمد گشاده روی بر من نگار من — چون مر مرا بدید گسسته دل از وطن

بسته ز خنده لب بگرستن گشاده چشم — ابرو ز درد پرگره و زلف پرشکن

دو پای رقص کن بگل اندر ز آب چشم — ز دو دسته[1] و ده زن عنا گشته رهی زن

پوشیده من صلاح و نهاده بر اسپ زین — چون کرد گاه کین و عرب گاه تاختن

بگشاد چون بدید بد انسان مرا زبان — بر من بگفتنی و نا گفتنی سخن

گفت ای وفا نمودن تو بوده سر بسر — زرق و دروغ و مکر و فریب و فسون و فن

برداشتی دل از من و بگذاشتی مرا — بر تو دل من آید و هرگز نه بر وطن

زین روی چون شقائق و بالای همچو سرو — زین موی چون بنفشه و اندام چون سمن

یک روز چون شکیبی چون با نشاط شگفت — عیش ترا حلاوت و چشم ترا وسن[2]

ای در خلل ز چیست ترا و گله ز کیست — از شهر یا ز خانه ز من یا ز خویشتن

بر راحت حضر چو گزینی همی سفر — بر شادی طرب چو گزینی همی حزن

گفتم که بیش ازین مخروش و مباش تنگ — رو آستین به چشم نه و دست بر دهن

هست این همه و لیکن بی طلعت وزیر — هر شادی بود غم و هر راحتی محن

---

[1] ایک ساز کا نام ہے [2] خواب ۔

جستم رہِ فراق وزدم بانگ بر براق | برگشتم از قرین[1] وکشیدم سر از قرن[2]

پیش آمدم چو بادیہ بر بہسم وادی | موزہ شگاف خارش و خاکش قدم شکن

نہ مرغ نہ فرشتہ نہ وحش و نہ آدمی | نہ رسم[3] و نہ دیار نہ اطلال و نہ دمن

در دیو لاخہاش بد انساں خروش دیو | کامد بگوش گاہ رعی نغمہ زرغن

بے آب وادی من و اسپم از عراق | غرق اندر آب چوں بشط[4] و دجلہ برشطن

غول اندرو قدم ننہد در ہند بود | درماندہ تر ز مور چہ لنگ در لگن

راہی چناں دراز و شبی تیرہ و سیاہ | کردہ فرشتہ یکہ گیتی بہ اہرمن

انجم بر آسماں چو بہ مجلس شب سدہ | با آتش و چراغ زدہ صف صد انجمن

پرویں درو چو ماہی سیم اندر آبگیر | بر سینہ ہفت دانہ ورا دُرّ پر شکن

تیر آتشیں فگندہ سوی مہ ہمی شہاب | سیمیں کشیدہ ماہ بر و اندروں مجن

آں خورد بیشمار ستارہ بر آسماں | ہر یک بشکل لؤلؤ بر تیغ و بر سفن

یا حلقہائے سیمیں بر سفرۂ کبود | یا در بنفشہ زار پراگندہ نسترن

کانون فلک شب نگشت آتش ستارگاں | نسرین دو مرغ بریاں بر نوک بابزن[5]

گردوں چو کشت زار و مجرہ درو چنانک | در کشت زار ہا ز پے کارواں سجن

وقت سحر بہ قطب فلک بر بنات نعش | چوں ناقہ کشتہ ورا گلستاں عطن

گرداں بر آں مثال کہ بر کاغذ آسیا | آرند کودکاں سوئے بالا ز بادخن

---

[1] ہمنشیں [2] ہمسر [3] نشان [4] شط العرب مشہور دریا کا نام ہے [5] سیخ جس پر کباب بھونتے ہیں۔

ہمرنگ شب بزیر من اندریکی غراب | مہتر ز زندہ پیل و قوی تر ز کرگدن
قارح ترا ز غراب و دلاور ترا ز عقاب | ہشیار تر ز عقعق چابکتر از زغن
غرغاؤ دم و گاؤ سرین و غزال چشم | پیل زرافہ گردن و گور رہیوں بدن
مخروط ساعدیکہ نیابی درو عوج | اگندہ پہلوے کہ نہ بینی درو عکن
پروردہ در حجاز مر او را عرب بناز | بودہ برا و چو والی و اھل مفتتن
عذرا بدامن از قدم او فشاندہ گرد | لیلی باستینش زدودہ لب از لبن
بستہ چناں میاں کہ گہ کارزار مرد | در بر فگندہ موے چو گاہ عتاب زن
گفتم ہمی بلا بہ فلک راز ماں زماں | لا اتدفع ابن عمک یمشی علی سفن
بر اسپ من دماں و دماں نیز من بر اسپ | ہر دو چماں و نازاں چوں سرو در چمن
گفتی و را سعادت گوید ہمی بدو | گوئی مرا بشارت گفتی ہمی بدن
پشتم سوئے خراساں و یم سوئے عراق | سوی شمال شام و یمینم سوی یمن
امید آنکہ بخت نماید مرا مگر | صدر وزیر شاہ جہاں بو علی حسن
خورشید روزگار ستودہ نظام ملک | زین زمیں جمال جہاں زینت زمن

سالار مسلمیں رضی میر مومنیں
بحرٌ اِذا تحرّکَ طودٌ اِذا سکنَ

لہ سرگاے ۲ہ اسپ وشتر ۳ہ کجی ۴ہ شکن جو موٹاپے سے پیٹ میں پڑ جاتی ہی

نمبر ۴

شاعراں بر تو ہمی خوانند ہر دم آفریں — گہ بالفاظ حجازی گہ بالفاظ دری
بر تو مداح تو چوں مدح تو خواند از نشاط — راست پنداری کہ ہر موی زبانِ شد جری
از عدم گوئی بدیں کار آمدی اندر وجود — تا بگیتی در بساط نیکنامی گستری
پیروی دائم سخاوت راہمی فرزند وار — بعید و بروے ہزینہ[1] کردہ زیرِ جعفری
اے مبارک تر بفال از مشتری دیدار تو — زو مبارک تر بفالے ہم از و عالی تری
ہمچناں کاید از و تاثیر و ہست او بر فلک — بر فلک ہست از تو تاثیر و تو ما با ایدری[2]
بر یکے جائے تو و حال جہاں گرد ہمی — خود بذات خویش پنداری جہانِ دیگری
اینک آئین جہاں گیر وہمی دیگر نہاد — زاں ہمی خواہند یاراں خلعتِ شہ پوری
کرد برپا از زبرجد باز در گلزارہا — کسروی ایوانہا و قصرہائے قیصری
زیر آں ایوانہا گستردہ شاد روان — از حریر لعلگوں و آسماں گوں عبقری
اندراں پیروزہ گوں ایوان پیروزی و عیش — با ندیمان و خرمنداں سزد گر می خوری
از کف سنگین دل سیمین بر یاقوت لب — رخ چو کشمیری بت و بالا چو سرو کشمری
زاں می روشن کہ بینی پیکر خویش اندراں — چوں ستانی از کف ساقی و لب برے و بری

باز نشناسی ازیں ہر دو کدامست حال
دریمین لست ساغر یا تو اندر ساغری

[1] خرچ۔ [2] معنی اینجا واکنوں۔

(۳) شمس الدین محمد معروف بخالد خلف مؤید حدّاد

شعرائے عراق کے حالات میں مصنف آتشکدہ نے شمس الدین کا مختصر طور پر ان الفاظ میں ذکر کیا ہے "از منسوبان خواجہ نظام الملک[۱] و از مدّاحان سلطان سنجر سلجوقی بودہ" اس کا کلام نایاب ہے۔ صرف ایک رباعی مشہور ہے وہ لکھی جاتی ہے۔

بہ جہت درد پای نظام الملک این رباعی گفتہ

گردر و کند پائے فلک فرسایت ... سرلیست دراں عرضہ کنم بر رایت
چوں از سر دشمنت بجاں آمدہ درد ... آمد بتظلم کہ فتد در پایت

(۴) معین الدین طنطرانی

ملک الکلام معین الدین طنطرانی نہایت نامور علما سے ہیں۔ مدرسۂ نظامیہ میں عرصہ تک مدرّس رہے ہیں اور اُنکے فضل و کمال کی یہ سب سے بڑی شہادت ہے۔ شاعری ان کے کمالات کا ایک ادنی درجہ ہے۔ خواجۂ نظام الملک کی مدح میں قصیدۂ ذو قافیتین بزبان عربی لکھا ہے جو صنائع و بدائع کا مجموعہ[۲] ہے۔ اور کلام کا بڑا حصّہ عربی میں ہے جس کے انتخاب کا اُردو کتاب میں موقع نہیں ہے

---

[۱] آتشکدہ آذر صفحہ ۱۷۴ [۲] تذکرہ دولت شاہ سمرقندی صفحہ ۱۲۔

(۵) سیّد شریف نظام الدین المعروف بابن الہبّاریہ

سید شریف ابویعلی محمد بن محمد بن صالح العباسی الہاشمی المعروف بابن الہباریہ ملقب بہ نظام الدین، شعرائے بغداد میں نہایت نامور شاعر ہے۔ قاضی ابن خلکان تحریر فرماتے ہیں:

"کان شاعراً مجیداً حسن المقاصد لکنہ خبیث اللسان"

سید شریف کے فضل وکمال کے سب معترف ہیں۔ مگر افسوس ہے کہ سیّد کی بدزبانی اور ہجوگوئی سے مورخوں کے قلم انکی تعریف لکھتے ہوے ڈرتے ہیں۔ خواجہ نظام الملک کا قول ہے کہ "سیّد شریف کی شعروشاعری میں ہجو، ہزل اور کمظرفی کے خیالات کے سوا اور کچھ بھی نہیں ہے۔

سید شریف اپنے زمانے کے مرزا رفیع (سودا) تھے شاید ہی کوئی ایسا شخص ہوگا کہ جس کی سیّد نے ہجو نہ کی ہو۔ اس طرز کلام سے ثابت ہے کہ سید کے مزاج میں ظرافت کا بڑا مادہ تھا اور طبیعت کی شگفتگی ہجوگوئی پر مجبور کرتی تھی اور بلا خیال کسی کی ناراضی یا ملامت کے سید کے قلم سے ہجو کے اشعار نکلتے تھے اس سے زیادہ شوخی اور کیا ہوگی کہ اپنے محسن خواجہ نظام الملک[1] کی ہجو میں بھی دوچار شعر لکھڈالے ہیں۔ لیکن شاعری کے اس حصّہ کو چھوڑ کر جب دیگر اصناف کلام پر نظر کیجاتی ہے تو وہ بھی قابل تعریف وتحسین ہے۔ کتاب الخریدہ (عماد کاتب) ابن خلکان اور عیون الانباء فی طبقات الاطبا میں منتخب کلام درج ہے۔

---

[1] خواجہ کے عام اخلاق وعادات کے حالات میں یہ ہجو کے اشعار درج ہیں۔

سیّد شریف خواجہ نظام الملک کا وظیفہ خوار تھا۔ اور ہمیشہ انعام پایا کرتا تھا۔ چنانچہ سیّد شریف کا قول ہی کہ "میں اپنے گھر کی جس چیز کو دیکھتا ہوں وہ خواجہ کی عطیہ نظر آتی ہی"۔ تصنیفات میں نتائج الفطنۃ فی نظم کلیلۃ و دمنۃ اور دوسری کتاب الصادح والباغم بطرز کلیلہ دمنہ مشہور ہی۔ یہ دوسری کتاب دس[۱] برس میں تصنیف ہوئی ہی اسمیں ایکہزار اشعار ہیں۔ اور اعلیٰ درجہ کی تصنیف[۱] ہی۔ بمقام کرمان ۵۰۴ھ میں انتقال کیا۔ اور وہیں دفن ہوا[۲]۔

(۶) قاضی شمس الدین طبسی

قاضی صاحب[۳] مشاہیر علماے خراسان سے ہیں۔ خواجہ نظام الملک کی مدح میں قاضی صاحب کے قصائد مشہور ہیں۔ تفصیلی حالات نہیں معلوم ہوسکے۔

---

[۱] سید شریف کی یہ دونوں کتابیں مصر و بیروت میں چھپ گئی ہیں۔ الصادح کی نظم کا نمونہ یہ ہی۔

حکم مع ما النافیہ و کل

مَا كُلُّ قَوْلٍ يُسْمَعُ	مَا كُلُّ نُصْحٍ يَنْجَعُ
ہر قول قابل سماعت نہیں	ہر نصیحت مؤثر نہیں
ما کلُّ عذرٍ يقبلُ	ما كلُّ ذلٍّ يحملُ
ہر عذر قابل پذیرائی نہیں	ہر ذلت قابل برداشت نہیں
ما كُلُّ غيمٍ يمطرُ	ما كلُّ غصنٍ يثمرُ
ہر بدلی برستی نہیں	ہر شاخ پھلتی نہیں

انتخاب از کتاب الصادح صفحہ ۱۱۸-۱۱۹ مطبوعہ بیروت ۱۸۸۶ء [۲] ابن خلکان و دیباچہ الصادح والباغم [۳] تذکرہ مراۃ الخیال شیر خاں لودی مطبوعہ کلکتہ۔

ان شعراء کے علاوہ، ایک کثیر تعداد اُن مشاہیر شعراء کی ہے جو مدرسۂ نظامیہ وغیرہ کی مختلف خدمات پر مامور تھے۔ اور اوقات فرصت میں دربار خواجہ میں حاضر ہوا کرتے تھے اور بعض ایسے ہیں کہ جنہوں نے خواجہ کے حضور میں آنکر قصیدہ پڑھا اور رخصت ہو گئے اگر تاریخ کی ورق گردانی کیجائے تو ایک طویل فہرست مرتب ہو سکتی ہے لیکن بنظر طوالت ہم صرف اُن شعراء کی فہرست لکھتے ہیں جنکے حالات علامہ ابو الحسن علی الباخرزی شافعی نے اپنے مشہور تذکرہ "دمیۃ القصر وعصرۃ اھل العصر" میں قلمبند کیے ہیں۔ اس تذکرہ میں وہ قصائد بھی ہیں جو خواجہ نظام الملک کی مدح میں لکھے گئے ہیں۔ شائقین اصل کتاب ملاحظہ فرمائیں۔ ہم صرف ناموں پر اکتفا کرتے ہیں۔

(۱) ابو عمرو یحییٰ بن صاعد بن شیار ہروی۔

(۲) ابو العلا محمد بن غانم نیشاپوری۔

(۳) شیخ ابو علی الشبلی توشنجی

(۴) یعقوب بن سلیمان اسفرائنی

(۵) الحسین بن ملک

(۶) ابو العواذل

(۷) محمد بن احمد بن حسین الشطرنجی جلبی

(۸) سیار بن علی ہروی

(۹) ابراہیم بن عبد الرحمن المعری۔

(۱۰) محمد بن علی العالبی سرخسی

(۱۱) شیخ ابو علی الحسین بن عبد اللہ القندوشی

(۱۲) شیخ ابو علی احمد بن محمد الباری الخواری

(۱۳) حسین بن جعفر بن محمد الفارسی۔

(۱۴) علی بن احمد بن عبد اللہ انصاری

(۱۵) ابوبکر عبد القادر بن عبد الرحمٰن فارسی

(۱۶) ابوبکر عبد اللہ بن محمد ہروی

(۱۷) ابو العباس لفضل بن سعید بن محمد الاسعانی

(۱۸) ابو القاسم علی بن عبد اللہ، وزیر سلطان طغرل بک

(۱۹) الحسین بن الحسن الخطیبی الارموی

(۲۰) عبد اللہ بن محمد بن بکر الجعفری

(۲۱) استاذ ابو المحاسن الحسین بن علی بن بصیر

(۲۲) ابو ذکریا یحییٰ بن علی خطیب الادیب تبریزی

(۲۳) الموفق بن خلیل بن احمد شیبانی

(۲۴) احمد بن محمد الموری۔

ے در مدح خواجہ نظام الملک گفتہ

انت فرد العصر ما فیہ کلام | للوری کھف للدین قوام
لم تکن تبلغ ادنیٰ وصفہ | ولو استقصیت فیہ الف عام

(۲۵) ناصر بن سلمہ۔

(۲۶) اسد بن مہلب بن شاوی

(۲۷) محمد بن حسن بن عبد الرحمٰن الرونی صوفی

(۲۸) ابو عبد اللہ سلمان بن عبد اللہ نہروانی

(۲۹) ابو الفضل یحییٰ بن نصر السعدی بغدادی

(۳۰) ابو سعید محمد بن حمزہ موصلی۔

(۳۱) الحسین بن ابراہیم بن طوق موصلی۔

(۳۲) ابو نصر محمد بن عمر بن محمد اصفہانی۔

(۳۳) ابو الحسین بن علی بن حمزہ اندلسی الضریر

(۳۴) ابو النجم اسمعیل بن ابراہیم القزوینی

(۳۵) ابراہیم بن عمر جرپادقانی۔

بلحاظ شعر و شاعری، حکیم عمر و خیام نیشاپوری کا نام بھی شعراء دربار کے ذیل میں آنا چاہیے تھا۔ مگر چونکہ خیام نے خواجہ کی مدح میں ایک رباعی بھی نہیں لکھی ہے۔ لہذا زمرۂ شعراء سے خیام کو الگ کر دیا ہے۔ اور اپنے موقع پر خیام کا مفصل تذکرہ بہ حیثیت ایک حکیم، مہندس اور نجومی کے علیحدہ تحریر ہے۔

غیاث الدین ابو الفتح حکیم عمر خیّام نیشاپوری

نام ولقب عمر نام، غیاث الدین لقب، ابو الفتح کنیت، اور خیام تخلص ہی۔ خیام خاک ایران کا وہ نامور حکیم، مہندس اور فلسفی شاعر ہی جسپر ایران کو ہمیشہ فخر رہیگا۔

صحیح روایتوں کی بنا پر خیام کا نام عمر ہی اور "غیاث الدین" وہ معزز خطاب ہی جو قوم کی طرف سے خیام کو دیا گیا تھا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہی کہ وہ ایک وقت میں امام مانا گیا ہی، کیونکہ غیاث الدین اور محی الدین ایسے خطاب و القاب ہیں جو صرف ائمہ اور مجتہدین کا حصہ ہیں۔ خیام کی کنیت البتہ حقیقی نہیں ہی بلکہ وصفی معنی کے اعتبار سے ہی۔ کیونکہ خیام نے تمام عمر نہ تو شادی کی اور نہ کوئی اولاد چھوڑی۔

خیّام کا باپ تذکرہ نویس اسپر متفق ہیں کہ خیام کے باپ کا نام ابراہیم تھا۔ لیکن ہماری رائے میں یہ صحیح نہیں ہی۔ بلکہ خیام کے باپ کا نام "عثمان" تھا۔ ہماری تحقیقات کا ماخذ خاقانی کی کتاب مثنوی تحفۃ العراقین ہی۔ اور خیام کے سلسلہ نسب کے متعلق اس سے زیادہ صحیح اور معتبر کوئی روایت نہیں ہوسکتی ہی۔ کیونکہ خاقانی، عمر خیام کا بھتیجا ہی۔ اور خاقانی کی تعلیم و تربیت خیام نے کی ہی اس لیے گھر والوں کے مقابلے میں باہر والوں کی روایت قابل سند نہیں ہی۔ اور سچ بھی یوں ہی کہ "صاحب البیت ادری بما فیھا۔"

اب ہم تحفۃ العراقین کا وہ حصہ نقل کرتے ہیں جس سے مذکورۂ بالا واقعات خود حل ہو جائینگے۔

در مدح[1] عم خود عمر خیام کہ در اہتمام و تربیت او بود

بگریختہ ام ز دیو خذلاں — در سایۂ "عمر" ابن عثماں"

ہم صدرم و ہم امام و ہم عم — صدر اجل و امام اکرم

برہانی و ہندسی مقاش — افلاطن و ارسطو عیاش

از علمش دادہ دہر محدث — یک ثلث بہر مس مثلث

زیں عم بہ من آں شرف رسیدہ است — کز قرص خور آب و خاک دیدہ است

در خانہ تنگ خاطر من — عم ساخت دو صد ہزار روزن

چوں بر سر روزنم رسیدے — چوں قرصۂ خور رسن تنیدے

تا بر در عم مراوقوف است — احاد نہاد من الوف ہست

بودم چو یکے دقیقہ خورد — عم، زی درجات رفعتم برد

پس زاں درجات برج پرداخت — زاں برج بیوت اختراں ساخت

اول ز یکے بہ شصتم آورد — پس شصت مرا بسی بدل کرد

انگاہ ز سی دوازدہ ساخت — زاں جملہ سرائے ہفت شہ ساخت

مسکیں پدرم زجور ایام — افگند مرا چو زال را سام

او سیمرغے نمود در حال — در زیر پرم گرفت چوں زال

آوردہ بکوہ قاف دانش — پروردہ مرا بہ آشیانش

---

[1] تحفۃ العراقین خاقانی صفحہ ۱۹۷ - ۱۹۸ مطبوعہ مدرسہ آگرہ ۱۸۵۵ء

با من بہ یتیم داری آں مرد — آں کرد کہ عم بہ مصطفےٰ کرد الخ

مندرجۂ بالا اشعار سے اگرچہ صرف عمر خیام کے باپ کا نام ظاہر کرنا مقصود تھا لیکن جن شاندار الفاظ میں خاقانی نے خیام کا تذکرہ کیا ہے۔ وہ بھی اُسکے فضل و کمال کی ایک مستند شہادت ہے۔

عثمان کے کئی بیٹے تھے، مگر سب سے مشہور دو تھے۔ ایک علی۔ دوسرا عمر۔ حکیم افضل الدین خاقانی علی کا بیٹا تھا۔ اور یہ مسلم ہے کہ ساری دنیا کے خاندان کے نام ایک ہی انداز کے ہوتے ہیں۔ اور عثمان، علی، عمر، یہ نام خود بتاتے ہیں کہ ہم سب ایک ہی ٹکسال کے سکّے ہیں۔ اور راسخ الاعتقاد مسلمانوں میں یہ سنت آجتک جاری ہے کہ اپنے بچوں کے نام انبیاء کرام اور بزرگان دین کے ناموں پر رکھا کرتے ہیں۔

خاندانی پیشہ عمر خیام کا باپ عثمان ایک پیشہ ور آدمی تھا۔ اور جامہ بافی اُسکا پیشہ تھا چنانچہ خاقانی نے جہاں اپنے بزرگوں کے حالات لکھے ہیں۔ اُسی میں اپنے دادا کو نسّاج (جامہ باف) لکھا ہے۔ چنانچہ لکھتا ہے ؎

جولاہہ نژادم از سوئے جد — در صنعتِ من کمال ابجد
شاگرد ازل بہ کلبۂ من — ما شورہ کن است ریسماں تن

نساجی ایک اعلیٰ قسم کی دستکاری ہے۔ اور مسلمانوں کے نہایت نامور ائمہ اس پیشے سے منسوب ہیں۔ مگر اس عہد میں قومی غرور نے جو حقارت آمیز خیال اس پیشے کی نسبت قائم کرلیا ہے وہ البتہ قابل تاسف ہے۔

غرض اس روایت سے یہ ثابت ہوتا ہی کہ عمر خیام کا باپ جامہ باف تھا۔ اور غالباً کسی وجہ سے جامہ بافی چھوڑ کر خیمہ دوزی شروع کی ہوگی۔ بہرحال عثمان خیمہ دوز تھا یا خیمہ ساز یا تاجر خیمہ جو چاہو سمجھو مگر یہ مسلم ہی کہ اُسکا ذریعہ معاش (آخیر عمر میں) خیمہ ڈیرہ تھا۔ اور اسی نسبت سے وہ قوم میں "خیّامی" مشہور تھا۔

ہر دستکار کا یہ پہلا اُصول ہی کہ اپنی اولاد کو بھی وہ اُسی پیشہ میں لگاتا ہی جس میں خود مصروف ہی۔ لیکن طبیعت اپنے حسب حال خود پیشہ کا انتخاب کرتی ہی اور اُصولاً وہی کام سرسبز بھی ہوتا ہی جو اپنے مذاق کے موافق ہو چنانچہ جہانتک ہم نے تحقیقات کی عثمان کے کسی بیٹے نے خیمہ دوزی کا پیشہ اختیار نہیں کیا۔ کیونکہ علی (خاقانی کا باپ) نجاری کرتا تھا۔ اور عثمان کا دوسرا بیٹا طبیب تھا۔

تخلص عمر خیام نے آبائی پیشہ اختیار کیا ہو۔ یہ مستند تاریخوں سے ثابت نہیں ہی۔ کیونکہ خیام کے بچپن اور ابتدا شباب کے حالات بالکل تاریکی میں ہیں۔ اور اگر بچپن میں برائے نام کچھ کیا بھی ہو تو اُسکا شمار پیشہ میں نہیں ہی۔ کیونکہ پیشہ دراصل وہی ہی جس کی آمدنی پر زندگی موقوف ہو۔

عمر نے اپنا تخلص خیّام رکھا تھا۔ غالباً اسی لفظ کو کھینچ تان کر ایک گروہ یہ ثابت کرنا چاہتا ہی کہ اُسکا پیشہ خیمہ دوزی تھا۔ لیکن محققین کی رائے ہی کہ تمام عمر میں ایک دن بھی خیام نے خیمہ دوزی نہیں کی ہی۔ بلکہ محض کسر نفسی اور اپنے باپ کی شہرت عام پر اسنے خیام تخلص رکھا تھا

خیام کی ولادت خیام کہاں اور کب پیدا ہوا؟ یہ دو سوال ہیں اور دونوں میں مؤرخوں کا

اختلاف ہی لیکن خواجہ نظام الملک کی روایت کے مطابق خیام کی ولادت شہر نیشاپور میں ہوئی اور وہیں تعلیم و تربیت پائی۔ چنانچہ دستور الوزرا میں خواجہ لکھتا ہی "وو حکیم عمر خیام نیشاپوری الاصل بود مولد و منشا او نیشاپور بود"۔ چونکہ ہمارے نزدیک یہ صحیح روایت ہی لہذا اس روایت کے مختلف پہلوؤں پر بحث کرنا فضول ہی۔ عمر خیام کس سنہ میں پیدا ہوا اسکا صحیح جواب نہیں دیا جاسکتا ہی۔ لیکن تحقیقات سے ثابت ہوتا ہی کہ عمر خیام کی ولادت چوتھی صدی ہجری کے عشرہ اولی (۴۱۰ ھ) میں ہوئی ہی۔ کیونکہ خواجہ نظام الملک اپنی طالب العلمی کے حالات میں لکھتا ہی کہ "حکیم عمر خیّام و مخذول ابن صبّاح نو رسیدہ بودند۔ دران مجلس ہم سن من باجودت فہم و قوت طبع در غایت کمال با من مختلط بودند"۔ خواجہ نے خیام اور حسن صبّاح کو اپنا ہم سن لکھا ہی۔ اور خواجہ کی ولادت ۴۰۸ ھ میں ہوئی ہی۔ چنانچہ جس سال خیام امام موفق کی درسگاہ میں آیا ہی اسوقت نظام الملک کی عمر چھبیس ۲۶ برس کی تھی اور دو ایک برس کی کمی بیشی جنمیں ہوتی ہو وہی لڑکے ہمسن کہلاتے ہیں۔ لہذا ہماری رائے ہی حکیم عمر خیام کا سال ولادت ۴۱۰ ھ صحیح ہی۔ اور یہی رائے محققین یورپ کی بھی ہی۔

تعلیم و تربیت خیام کے بچپن کے حالات کسی تاریخ اور تذکرہ میں نہیں ہیں۔ نہ اُس زمانے کی تعلیم اور تربیت کا حال معلوم ہی۔ مگر یہ بالاتفاق ثابت ہی کہ عمر خیام نے امام موفق کی درسگاہ میں فقہ، حدیث، اور اُصول کی تعلیم حاصل کی۔ اور یہ درسگاہ انھی علوم کے واسطے مشہور تھی۔ اس وقت حکیم کی عمر چوبیس ۲۴ سال کی تھی۔ مکتب نشینی کی معمولی عمر سے اسوقت تک جسکی میعاد تخمیناً اٹھارہ سال کی ہوتی ہی۔ یہ زمانہ خیام نے دیگر علوم و فنون کی تحصیل میں صرف کیا ہوگا

مگر افسوس ہی کہ یہ تحقیق نہو سکا کہ خیام کو ان علوم میں کس کی شاگردی کا فخر حاصل ہوا۔ بہرحال اس میں کوئی شک نہیں ہی کہ خیام اپنے زمانے کا نہایت نامور فقیہہ، محدث، مفسر، اصولی، قاری، مورّخ، فلسفی، حکیم، اور نجومی تھا۔ اور شاعری اسکے فضل و کمال کا ایک ادنیٰ کرشمہ تھا۔ بعض تذکرہ نویسوں نے لکھا ہی کہ وہ یونانی زبان بھی جانتا تھا۔

خیام کی آیندہ زندگی حکیم عمر خیام ۴۳۴ھ ۱۰۴۲ء میں امام صاحب کیخدمت میں حاضر ہوا تھا۔ اور چار برس کامل خواجہ نظام الملک اور حسن صباح کا ہم سبق رہا۔ جب مدرسہ کو الوداع کہنے کا وقت آگیا تو ان دوستوں نے یہ معاہدہ کیا۔ "عہد میکنم کہ ہر کدام را دولتے مرزوق گردد، علی السّویہ مشترک باشد و صاحبِ آن دولت خود را بہیچ وجہ ترجیحے ثابت نہ کند۔ چنانچہ معاہدہ سے تخمیناً اکیس" یا بائیس" برس کے بعد خواجہ نظام الملک الپ ارسلان سلجوقی کا مستقل وزیر ہوگیا اور جب وزارت کا شہرہ تمام ایران میں پھیل گیا تو اطراف و جوانب سے خواجہ کے دوست و احباب اس کے پاس آنے لگے۔ چنانچہ عمر خیام کو بھی خواجہ نظام الملک کا وعدہ یاد آیا اور وہ بھی خواجہ کی ملاقات کے لیے بمقام مرو پہنچا۔ خواجہ خیام سے عزیزانہ ملا اور کمال تعظیم سے پیش آیا۔ ان دوستوں کی ملاقات اور گفتگو کا تذکرہ مختلف تاریخوں میں ہی۔ لیکن خواجۂ نظام الملک نے جن الفاظ میں خود اس واقعہ کو لکھا ہی ہم اُسکو نقل کرتے ہیں جو سب سے معتبر اور صحیح روایت ہی۔

در دور الپ ارسلان حکیم عمر خیام نزد من آمد آنچہ از لوازم حسن عہد و مراسم حفظ وفا باشد	الپ ارسلان سلجوقی کے عہد حکومت میں حکیم عمر خیام میرے پاس آیا تو مینے معاہدہ اور ایفاے وعدہ کے

بجاے آوردم ومقدم او را بمواجب اکرام
واعزاز تلقی نمودم وبعد ازاں با وے گفتم کہ
مردے صاحب کمالی ترا نیز ملازم سلطان باید
شد۔ چہ معہود مجلس امام موفق منصب مشترک است
شرح تو با سلطاں بگویم وحال درایت وکفایت
تو بنوعی در ضمیر او متمکن گردانم کہ مثل من بدرجۂ
اعتماد رسی۔ حکیم گفت عِرق شریف ونفس کریم
وطینت خجستہ وہمت بلند ترا بر اظہار این
مکارم ترغیب میکند والا چوں من ضعیفی چہ حدّ
آنکہ وزیر مشرق ومغرب با وے چنیں تواضعہا
کند ونزدیک من ریبے نیست کہ دریں تلطفہا
صادقی وامثال ایں بحسب علو شاں ورفعت
مکان تو مقدارے ندارد ولیکن حقوق احسان
تو بر ذمۂ من بسیار است اگر عمرہا در میان
شکر باشم از عہدۂ ایں یک مکرمت کہ اکنوں
میفرمائی نمیتوانم بیروں آمد۔ پس مرا تمنی است
کہ ہمیشہ با تو در حسن عبودیت باشم وایں مرتبہ

خیال سے خیام کا بڑے اعزاز سے خیر مقدم
کیا۔ اسکے بعد مینے کہا کہ آپ صاحب فضل کمال
ہیں آپ کو بھی سلطان کی خدمت میں رہنا چاہیئے
کیونکہ امام موفق کی مجلس میں جو معاہدہ ہوا تھا اُسکی
رو سے منصب مشترک قرار پایا تھا۔ اور میں اچھی طرح
آپکی دانشمندی اور کارگزاری سلطان کی ذہن
نشین کردونگا۔ تب میری طرح آپ بھی سلطان کے
معتمد علیہ ہو جائینگے۔ اسکے جواب میں خیام نے کہا کہ آپنے
جو کچھ فرمایا اس سے آپکی شرافت، کریم النفسی اور بلند
ہمتی کا اظہار ہوتا ہی ورنہ مجھ ایسا شخص اس عزت
افزائی کا کب مستحق ہی جو وزیر (جسکی حکومت مشرق
سے مغرب تک ہی) کیجانب سے عمل میں آئی ہی۔ اور
اسمیں کچھ شک نہیں ہی کہ جو ارشاد ہوا ہی وہ بالکل سچ
ہی اور آپ جیسے عالی رتبہ کے سامنے اسکی کیا حقیقت ہے
آپکے احسانات مجھپر بہت ہیں اگر میں اُنکا شکریہ ادا کرنا
چاہوں تو مدتوں میں صرف آپکی نوازش کا شکریہ ادا
ہو سکیگا۔ لیکن میری دلی آرزو یہ ہی کہ میں تمام عمر آپکا

که مراد ازاں دلالت فرمودی اقتضائے آں
نمیکند چه بحسب غالب مقتضی کفران نعمت ست
عَیَاذاً بِاللهِ مِنْهَا۔ اکنوں حق عنایت آنست
که بدولت تو در گوشه باشم و به نشر فوائد علمی و
دعائے عمر جاودانی تو مشغول و برهمیں سخن
اصرار نمود چوں دانستم که مافی الضمیر خود بے
تکلف میگوید هر سال جهت اسباب معاش
او هزار و دویست[۱۲۰۰] مثقال طلا برا ملاک نیشاپور
نوشتم و وے بعد ازیں معاودت نموده تکمیل
فنون کرد خصوصاً فن هیئت و دراں بدرجات
رفیع ترقی نمود۔"

بندہ بنا رہوں اور جس منصب کے لیئے ارشاد ہوا
ہے وہ میرے مناسب حال نہیں ہے بلکہ سچ پوچھیئے
تو کفران نعمت ہے۔ ہاں آپکی مہربانی سے یہ چاہتا ہوں
کہ ایک گوشہ میں بیٹھکر فوائد علمی کی اشاعت کروں
اور ترقی عمر و دولت کی دعا مانگتا رہوں"۔ جب
خیام نے اس مضمون کو متواتر بیان کیا اور مینے سمجھ
لیا کہ خیام جو کچھ کہتا ہے وہ بلا تصنع ہے تو مینے بھی حکم
دیدیا کہ خیام کو خزانہ نیشاپور سے سالانہ بارہ سو[۱۲۰۰] مثقال
سونا بطور وظیفہ دیا جایا کرے اسکے بعد خیام واپس
گیا اور تکمیل علوم و فنون میں مصروف ہوا خصوصاً
فن ہیئت میں بڑا کمال حاصل کیا۔"

اس واقعہ سے خواجہ نظام الملک کی اخلاقی زندگی کے دو مسئلے حل ہوتے ہیں۔ ایک[۱] تو یہ
کہ وہ راستباز اور صادق القول تھا۔ کیونکہ عہد وزارت میں جس معاہدہ کی تکمیل نہایت ایمانداری
سے کی گئی وہ معاہدہ حقیقت میں حسن صباح کا ایک خیال تھا جس کی بنیاد علم قیافہ پر تھی۔ دوسرے[۲]
یہ کہ وہ علم و فن کا مربی تھا۔ کیونکہ خیّام کا معقول وظیفہ محض اس لیے مقرر کیا تھا کہ وہ علمی
تحقیقات کرے اور ظاہر ہے کہ اطمینان کی زندگی میں جیسی ترقیاں ہوتی ہیں وہ مفلسی میں معلوم

عمر خیام اور سنہ جلالی ملکشاہی

عمر خیام کو جب خواجہ نظام الملک کی فیاضی سے معاش کی طرف سے پورا اطمینان ہو گیا تو نیشاپور جا کر علمی تحقیقات میں مصروف ہوا۔ اور چند سال کی محنت کے بعد اس نے **جبر و مقابلہ** میں ایک بےنظیر کتاب شائع کی۔ اور بہ نظر شکریہ احسانات و اظہار عقیدت اس کتاب کا خواجہ نظام الملک کے نام تہدیہ کیا گیا اسکے بعد دوسری کتاب **علم المساحت والمکعبات** میں اور تیسری کتاب **اقلیدس** کے اہم مسائل کی شرح میں لکھی۔ ان کتابوں کی اشاعت پر خیام کا تمام ایران میں شہرہ ہو گیا اور خراسان میں وہ دوسرا بوعلی سینا سمجھا گیا۔[1]

خیام نے اپنے ہم مکتب دوست خواجہ نظام الملک کو بھی یہ کتابیں ہدیہ بھیجی تھیں اُن کے مطالعہ سے خواجہ بہت خوش ہوا اور بہ سبیل تذکرہ خیام کے فضل وکمال کا ملکشاہ سے ذکر کیا۔ ملکشاہ کو چونکہ اصلاح تقویم کا ایک عرصہ سے خیال تھا لہذا خواجہ کو حکم دیا کہ خیام نیشاپور سے طلب کیا جائے، چنانچہ حکم کی فوراً تعمیل کی گئی۔ اور ایک وسیع پیمانہ پر اصلاح تقویم کا دفتر قائم ہو گیا۔

اس نامور مہندس نے تقویم میں کیا اصلاح و ترمیم کی۔ یہ ایک دلچسپ مضمون ہی جو تفصیل سے لکھنے کے قابل تھا۔ لیکن ہمارے مورخین نے چند الفاظ میں اس واقعہ کا ذکر کیا ہی جس سے

---

[1] گنج دانش صفحہ ۲۳ ۵ حالات نیشاپور و انسائیکلوپیڈیا برطانیکا جلد ۱۷ صفحہ ۱۷۷ تصنیفات خیام۔

کوئی مکمل مضمون تیار نہیں ہو سکتا ہی۔ لیکن انگریزی، ترکی، عربی، اور فارسی میں تقویم (کلنڈر) پر جو مضامین لکھے گئے ہیں اُن کی مدد سے ہم اس مسئلہ کی تشریح کرینگے[۵۱] جس کے سمجھنے کے لیئے اول ایک مختصر تہمید کی ضرورت ہی۔

سنہ وسال کا رواج اقوام عالم میں کیونکر ہوا۔

دنیا کی تمام قوموں میں سات دن کا ہفتہ[۵۲] تیس دن کا مہینہ، بارہ مہینہ کا سال مانا جاتا ہی۔ اور یہ زمانہ حال کی تقسیم نہیں ہی، بلکہ سیکڑوں برس سے یہی نظام قائم ہی۔ اور اسکا سبب یہ معلوم ہوتا ہی کہ انسان نے سب سے پہلے قدرت کا یہ تماشا دیکھا ہوگا کہ آفتاب شاہانہ جاہ وجلال سے روزانہ مشرق سے نکلتا ہی اور مغرب میں جاکر ڈوب جاتا ہی جسکے انوار سے تمام دن فضائے عالم جگمگاتا رہتا ہی اور اُس کے موںھ پھیرتے ہی ظلمتکدۂ اُفق سے لیلائے شب کی آمد آمد شروع ہوتی ہی۔

پھر اسنے دوسرا منظر یہ دیکھا ہوگا کہ ماہتاب عالمتاب اُنتیس[۲۹] یا تیس[۳۰] دن میں عروج وزوال کی تمام منزلیں طے کرکے اپنی اصلی حالت پر آجاتا ہی۔ اور جب مشاہدہ اور تجربہ سے ثابت ہوگیا کہ انکا دورہ یوں ہی رہتا ہی اور یوں ہی رہیگا تب اسنے ہر دورہ کو ایک جُدا گانہ حصّہ سمجھکر کسی کا نام دن، کسی کا نام مہینہ رکھدیا۔ چنانچہ ماہتاب کے بارہ دوروں سے سال کے بارہ مہینے قائم ہوئے اور ہر مہینہ کا ایک نام رکھدیا گیا۔ انسان اجرام علویہ کی دلفریبیوں کے دیکھنے کا فطرتاً عادی ہوچکا تھا۔ لہذا وہ ہر ستارے کو غور سے دیکھتا تھا۔ اور آہستہ آہستہ

---

۵۱ جسوقت یہ مضمون زیر کتابت تھا اُسوقت ہمکو معلوم ہوا کہ یورپ نے خیام کی تحقیقات پر ایک مستقل کتاب شائع کی ہی۔ انشاء اللہ تعالیٰ طبع ثانی پر اس کتاب سے فائدہ اُٹھایا جائیگا۔ ۵۲ صرف تبت میں پانچ یوم کا ہفتہ مانا جاتا ہی۔

اسنے سطح آسمان سے مشتے نمونہ از خروارے نہایت چمکدار اور روشن سات ستارے انتخاب کیئے۔ چونکہ یہ چلتے پھرتے سیارے تھے لہذا انسان نے اپنی کم عقلی سے سبعہ سیارہ کو خدا کا نور سمجھکر اظہار عبودیت کے خیال سے انکے سامنے سر اطاعت جھکا دیا۔ اور اپنا حاجت روا سمجھکر ایک ایک دن انکی پرستش کے لیے مقرر کردیا اور اس طریقے سے سات دن کا ھفتہ بنایا اور یہی وجہ ہو کہ اقوام عالم کی زبانوں میں دنوں کے نام انھیں سیاروں کے ناموں پر رکھے گئے ہیں۔ اور قمری سال کے زیادہ تر رائج ہونے کا یہی سب سے بڑا سبب ہی۔

انسان نے عقل و مشاہدے کی بنا پر، ایام، ماہ و سال کی جو عقلی تقسیم کی تھی وہ اگرچہ صحیح تھی۔ لیکن ایک زمانے کے بعد جب یہ دیکھا کہ سال تو ماہتاب کے دوروں کے حساب سے چل رہا ہی مگر تیس بتیس برس کے زمانہ میں ہر موسم اپنے مرکز سے ہٹ جاتا ہی۔ اُسوقت قمری حساب کی غلطیاں محسوس ہوئیں اور ثابت ہوا کہ آفتاب و زمین کی گردش بھی ہمارے لیل و نہار میں اپنا عمل کرتی ہی اور فصول اربعہ کا تغیّر اسی بنیاد پر ہی اور بالآخر مسلسل تجربوں اور برسوں کے غور و فکر کے بعد آفتاب و ماہتاب کے سالانہ دورے حسب ذیل قرار پائے۔

آفتاب۔ تین سو پینسٹھہ دن۔ پانچ گھنٹہ۔ اڑتالیس منٹ۔ اُونچاس پل۔ باسٹھہ بپل۔ (یہ کسرات تقریباً ¼ دن کے برابر ہیں۔)

ماہتاب۔ تین سو چون دن۔۔۔ ۔۔ ۔۔ ۔۔ ۔۔

آفتاب کے مقابلہ میں ماہتاب کے سال میں سوا گیارہ دن کی کمی ہی۔ لہذا تمدنی ضرورتوں سے یہ مناسب سمجھا گیا کہ قمری مہینے شمسی مہینوں سے مطابق کرلیے جائیں تاکہ سال کا حساب

فصول اربعہ سے مطابق رہے۔ اسکا علاج بجز اسکے اور کچھ نہ تھا کہ قمری مہینوں میں مذکورہ بالا کمی بڑھا دیجاے چنانچہ پارسیوں نے اسی اُصول پر اول اپنے قمری سال میں پورے گیارہ دن کا اضافہ کر کے اُسکو تین سو پینسٹھ دن کا شمسی سال بنا لیا۔ اور کسر کو چھوڑ دیا۔ چنانچہ یہی کمی بیشی ہے جس نے اقوام عالم کے سنین و شہور میں تفرقہ ڈال رکھا ہے۔

قبل اس کے کہ سنہ فارسی کی تاریخ لکھی جائے اسی سلسلہ میں یہ بھی سمجھ لینا چاہئے کہ سنہ کی ابتدا کسی خاص تاریخ سے کب اور کیونکر شروع ہوئی اور سنہ کا شمار کیوں ضروری ہوا اسکا بدیہی سبب تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ جب انسان کی ضرورتیں بڑھ گیئں اور تمدن کا دائرہ وسیع ہوگیا تو گزشتہ واقعات کا یاد رکھنا بھی انسان پر فرض ہوا۔ اور اس ضرورت کے لیے یہ تجویز کی گئی کہ ان ایام کی بھی گنتی مقرر کیجاے۔ مگر چونکہ اس تجویز کا عمل پذیر ہونا دشوار تھا۔ لہذا انسان نے یہ کیا کہ صرف اہم واقعات کو سال کے شمار کا معیار قرار دیا مثلاً عربوں نے ہبوط آدم علیہ السّلام سے اپنا سال شروع کیا اور طوفان نوحؑ تک یہ سنہ قائم رہا۔ پھر طوفان سے دوسرا دور شروع ہوا۔ اور واقع نار حضرت ابراہیم علیہ السّلام سے مختلف دورے قائم ہو کر واقعہ اصحاب فیل پر خاتمہ ہوگیا۔ اور سنہ[ا] ہجری کے آغاز نے گزشتہ واقعات کے شمار کو بالکل

[ا] سنہ ہجری۔ ہجرت کا سولھواں[۱۶] سال تھا کہ تمدنی اور ملکی ضرورت سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام۔ اور ہرمزان (خوزستان کا بادشاہ تھا) کے مشورے سے سنہ ہجری قائم کیا۔ آنحضرت صلعم نے ربیع الاول میں ہجرت فرمائی تھی اسلیے سنہ ہجری کی ابتدا ربیع الاول سے ہونی چاہیے تھی مگر چونکہ عرب میں سال محرم سے شروع ہوتا ہے اسلیے دو مہینے آٹھ دن چھوڑ دیے گئے۔ "سنہ ہجری پنجشنبہ سے شروع ہوا تھا" الفاروق بحوالہ مقریزی جلد اول صفحہ ۲۸۴۔

بھلا دیا۔ علی ہذا القیاس۔ بخت نصر[1]، فیلقوس[2]، سکندر اعظم، غسطس[3]، اسیرس[4]، بکرماجیت[5]، سالواہن[6] وغیرہ شاہان عراق و بابل، یونان، مصر اور ہندوستان نے اپنے اپنے سنہ و سمبت جاری کیے جن میں سے بعض آجتک جاری ہیں اور اپنے بانی کے یادگار ہیں۔ سنین مذکورۂ بالا میں سے ہر ایک کی جداگانہ تاریخ موجود ہی۔ لیکن چونکہ یہ خارج از بحث ہی لہذا اس افسانے کو ہم یہاں پر ختم کرتے ہیں اور سنہ فارسی کا وہ قصہ چھیڑتے ہیں جسکا تعلق حکیم عمر خیام سے ہی۔

سنہ فارسی کی ابتدا تاریخ سے ثابت ہی کہ سنہ فارسی بلحاظ قدامت تمام سنین پر فوق رکھتا ہی، لیکن کیومرث سے عہد جمشید تک اور جمشید سے یزدجرد بن شہریار تک سنہ فارسی پر کیا

---

[1] بخت نصر = عراق و بابل کا بادشاہ تھا۔ اپنی تخت نشینی سے یہ سن شروع کیا تھا۔ یہ سنہ قبطی سے ماخوذ تھا مگر اسکا شمسی حساب اسقدر صحیح تھا کہ بطلیموس اور ارسطو جیسے حکما نے اس کی صحت کو تسلیم کر لیا تھا۔ [2] فیلقوس = مقدونیہ کا بادشاہ اور سکندر اعظم کا باپ تھا۔ تین سو گیارہ برس قبل مسیح یہ سن جاری ہوا اور جزائر بحیرۂ روم میں مدتوں جاری رہا۔ سنہ سکندری کا حساب سکندر کی موت سے شروع ہوا اور یونان میں محدود رہا۔ تین سو تئیس برس قبل مسیح جاری ہوا۔ یہ دونوں سال شمسی تھے۔ [3] غسطس = اسپین (اندلس) کی فتح کے بعد غسطس نے یہ سن جاری کیا اور مسلمانوں کے عہد حکومت میں بھی قائم رہا یہ بھی شمسی سال تھا۔ [4] اسیرس = یہ مصر کا بادشاہ تھا۔ مصریوں میں عہد قدیم سے قمری سنہ کا رواج چلا آتا تھا۔ اسیرس نے اپنے دور حکومت میں تین سو پینسٹھ دن کا شمسی سال جاری کیا۔ [5] بکرماجیت = اس نامور راجہ نے اپنی تخت نشینی سے سمبت قائم کیا اور تمام شمالی ہندوستان میں آجتک جاری ہی۔ چھپن (۵۶) برس قبل مسیح جاری ہوا تھا۔ ہندوستان کے علم ہیئت کے مطابق شمسی سال تین سو پینسٹھ (۳۶۵) دن چھ (۶) گھنٹے بارہ (۱۲) منٹ تیس (۳۰) پل کا ہوتا ہی۔ [6] سالواہن = یہ راجہ سالواہن کا یادگار ہی اور جنوبی ہندوستان میں جاری ہی حضرت مسیح سے ۷۰ برس بعد جاری ہوا۔

اسکے علاوہ متعدد سنین ہیں جنکو ہم نے چھوڑ دیا ہی۔ ناظرین نزہت القلوب حمد اللہ مستوفی اور انسائیکلوپیڈیا وغیرہ ملاحظہ فرمائیں

انقلاب آئے یہ بحث بھی ہمارے موضوع سے خارج ہی لہذا یزدجرد کے عہد سے سنہ فارسی کی مختصر تاریخ لکھی جاتی ہی[1]۔

قدیم سنہ فارسی کا چونکہ عہد یزدجرد میں خاتمہ ہوگیا تھا۔ اسوجہ سے سنہ فارسی کا دوسرا نام یزدجردی قرار پایا۔ مورخین عجم میں سے ایک کا قول ہو کہ اس سنہ کا موجد کیومرث ہی دوسرا کہتا ہی کہ جمشید پیشدادی ہی۔ ہمارے نزدیک دونوں روایتیں صحیح ہیں کیونکہ کیومرث نے ابتدائی اُصول قائم کیے اور جمشید نے اصلاح و ترمیم کے بعد اُسکو مکمل کردیا۔ یزدجردی سال شمسی اصطلاحی تھا۔ یعنی آفتاب منطقۃ البروج کا سالانہ دورہ تین سو پینسٹھ دن میں کرتا تھا اور معلوم ہوتا ہی کہ زردشت کی بعثت سے قبل بھی آفتاب کے دورے کی یہی مدّت مانی جاتی تھی۔ کیونکہ ژند کی روایت ہو کہ خدا نے دنیا کو تین سو پینسٹھ دن میں پیدا کیا ہی۔

فارسیوں نے تین سو پینسٹھ (۳۶۵) دن کی تقسیم اس طرح پر کی تھی کہ گیارہ (۱۱) مہینے تیس تیس (۳۰) یوم کے تھے اور بارہواں مہینہ ۳۵ یوم کا ہوتا تھا اور یہ اُصول قدیم مصری حساب کے بھی مطابق تھا۔

فارسی مہینوں کے نام یہ ہیں۔

فروردین (۱) اردی بہشت (۲) خرداد (۳) تیر (۴) مرداد (۵) شہریور (۶) مہر (۷) ابان (۸)
آذر (۹) دے (۱۰) بہمن (۱۱) اسفندارمذ (۱۲)

چونکہ بارہواں مہینہ پینتیس (۳۵) یوم کا ہوتا تھا لہذا اصطلاح نجوم میں ان پانچ دنوں کا نام

---

[1] سنہ فارسی کی تاریخ پر ہم نے جسقدر لکھا ہو اُسکا ماخذ حاجی محمد حسین اصفہانی کی تاریخ دو شواہد النفیسہ فی اثبات الکبیسۃ ہی اس موضوع پر یہ مستند کتاب ہی اور سنہ ۱۳۲۷ء میں بمقام بمبئی چھپی ہی۔

خمسۂ مسترقہ یا لواحق قرار پایا۔ اور ہر ایک دن کے جداگانہ نام یہ ہیں۔ اہنود۔ اشنود۔ اسفندمذ دہشت۔ ہشتویس۔

خمسۂ مسترقہ کا عمل درآمد سب سے پہلے عہد جمشید میں ہوا تھا۔ لیکن اس پنجروزہ اضافہ کا نتیجہ یہ ہوا کہ دورِ شمسی میں ہر سال قریباً ایک چوتھائی دن (ربع شبانہ روز) کی کسر پڑنے لگی، جو چو تھے برس ایک دن کے برابر ہوجاتی تھی جسکے پورا کرنے کے لیے ایک سو بیس برس کے بعد ایک مہینہ کبیسہ (لوند) کا بڑھا کر اس سال کو تیرہ مہینے کا کردیتے تھے، اور جس مہینہ کے آخر میں کبیسہ ہوتا تھا وہی نام اس مہینہ کا بھی رکھدیتے تھے، اور چونکہ فارسی مہینوں میں ہفتہ کا شمار نہ تھا۔ لہٰذا اس مہینہ کی ہر تاریخ کا ایک جداگانہ نام تھا جس کی تفصیل یہ ہے:-

آرمزد بہمن اردے بہشت شہریور اسفندارمذ خرداد مرداد دیباذر آذر
ابان خور ماہ تیر کوش دیمہر مہر سروش رشن فوردین بہرام
رام باد دے دین ارد اشتاد اسمان زمیاد مار اسفندایزان

ان ناموں میں آرمزد اور دے خدا کے نام ہیں۔ باقی ملائکہ مقربین کے اسمائے پاک ہیں۔ اسمائے مذکورہ بالا میں نو تاریخیں ایسی ہیں کہ جو فارسی مہینہ کے ہمنام ہیں، مثلاً اردے بہشت خرداد، وغیرہ۔ چنانچہ زردشت کے حکم کے مطابق یہ نو دن جشن کے ایام تھے، لہٰذا اس لوند کے مہینہ میں نو دن عید منائی جاتی تھی۔ اور یہ محض عیش و طرب کے جلسے نہ تھے، بلکہ مذہبی رسوم کے مطابق عبادت بھی کی جاتی تھی۔ ہر امیر و غریب اپنی حیثیت کے مطابق جشن مناتا تھا، اور سلطنت کی طرف سے جشن کا خاص اہتمام کیا جاتا تھا۔ شاہی دسترخوان پر روزانہ نئے نئے

قسم کے کھانے چُنے جاتے تھے اور بادشاہ نیا لباس پہنکر دربار کرتا تھا۔ غرض کہ اس اُصول کے مطابق سب سے پہلا کبیسہ ماہ فروردین میں اور دوسرا اردیبہشت میں ہوا کرتا تھا اور اسی ترتیب سے ایک ہزار چار سو چالیس ۱۴۴۰ = (۱۲۰ + ۱۲) سال کی مدت میں ماہ اسفندار پر کبیسہ کا دور ختم ہو جاتا تھا۔

جمشید پیشدادی جب تخت نشین ہوا ہی اُسوقت دور کبیسہ کے ایک ہزار چالیس برس گزر چکے تھے اور چار صدی بعد جب ایک ہزار چار سو چالیس کا دور کامل ختم ہو گیا تو اس عظیم الشان واقعہ اور نیز حکومت چہار صد سالہ کی یادگار میں جمشید نے جشن عظیم کیا۔ یہ جشن ماہ فروردین میں ہوا تھا جب کہ آفتاب عالمتاب برج حمل میں تھا۔ یہ جشن جس شان و شوکت سے منایا گیا تھا اس کی نظیر تاریخ ایران میں نہیں ہی۔ ناظرین کو تفصیلی حالات کے لیے تخت جمشید[51] کے حالات ایران کی قدیم تاریخ میں دیکھنا چاہیے۔ چنانچہ جمشید کے بعد یہ رسم قرار پا گئی کہ ہر یکم فروردین کو عام جشن منایا جائے اور تاریخ عجم میں اس جشن کا نام "نوروز اکبری"[52] ہی اور آجتک تمام مملکت ایران میں یہ جشن منایا جاتا ہی، موسم کے لحاظ سے یہ بہترین زمانہ ہی کیونکہ فصل بہار کی آمد کا مژدہ سُنا کر خزاں اسی وقت سے رخصت ہو جاتی ہی۔ پچھلے دور میں یزدجرد بن شہریار جب عجم کے تخت کا مالک ہوا تو گزشتہ شاہوں کی طرح اس نے بھی اپنی تخت نشینی سے نیا سال جاری کیا۔ مگر چونکہ یزدجرد کی تخت نشینی غرّہ فروردین میں ہوئی اور سال کا نمبر شمار

---

[51] تخت جمشید اور نوروز مشرقی کے حالات فائل رسالہ معارف علی گڑھ میں دیکھنا چاہیئے۔ اس عنوان پر ہمارا مفصل مضمون اس رسالے میں ہی۔ [52] نزہت القلوب حمد اللہ مستوفی صفحہ ۴۸ - ۴۹ [53] غرّہ فروردین کو بروز منگل یزدجرد تخت نشین ہوا تھا اور سنہ یزدجردی کا پہلا سال بائیس ربیع الاول سنہ ۱۱ ہجری اور ۶۳۲ء کے مطابق تھا۔ یزدجرد کی تخت نشینی میں منجموں کے عقائد

نیا ڈالا گیا اسوجہ سے کبیسہ کا آٹھواں دور جو ماہ آبان میں ختم ہونیوالا تھا، وہ غیر مختتم رہ گیا اور بد نصیبی سے اُنیس ۱۹ جنوری ۶۵۲ء مطابق جمادی الثانی ۳۱ھ یوم پنجشنبہ کو بمقام مروشاہجہان یزدجرد قتل کردیا گیا۔ اور اُس کی اولاد سلطنت سے محروم رہی، لہذا ایرانیوں نے ماہ ابان مذکورہ سے جسپر کبیسہ ختم ہوا تھا سنہ فارسی کا حساب بدستور قائم رکھا۔ اور چونکہ ابان میں خمسہ مسترقہ موجود تھا اسوجہ سے منجموں نے اپنے زیچ کا حساب ابان سے شروع کیا (ورنہ عام طور سے خمسہ مسترقہ کا عملدرامد اسفندارسے ہوتا ہی) اور سنہ یزدجردی بدستور چلتا رہا اور آجتک چلاجاتا ہی۔ لیکن امتداد زمانہ سے ایکسو بیس ۱۲۰ برس کے کبیسہ کا قاعدہ ٹوٹ گیا اور خمسہ مسترقہ اسکا قائم مقام رہ گیا لیکن ظاہر ہی کہ پانچ یوم کی مدت نہ تو ایکسو بیس ۱۲۰ برس کے برابر ہوسکتی ہی نہ اصلی کمی کو پورا کرسکتی ہی۔ اس لیے جشن نوروزی میں بھی فرق آگیا۔ اور وہ اپنے مرکز سے دُور ہٹ گیا۔

یزدجرد کی سلطنت پر چونکہ مسلمان حکمراں تھے۔ لہذا اُنھوں نے اپنی عادت اور اُصول حکمرانی کے مطابق ایرانیوں کی رسم ورواج میں کوئی دست اندازی نہیں کی اس لیے باوجود ہونے سنہ ہجری کے ایران میں سنہ فارسی جو رائج تھا وہ بدستور چلتا رہا۔ لیکن انقلاب روزگار سے اسلامی سلطنت کے جب ٹکڑے ہوگئے اور نئے نئے خاندان عرب اور عجم کے مالک ہوئے

بقیہ نوٹ صفحہ ۴۶۳ کے مطابق دُو بدفالیاں ہوئیں ایک تو یہ کہ وہ منگل کے دن تخت نشین ہوا جو نحوست میں سنیچر کا بھائی ہی۔ دوسری یہ کہ اُسنے کبیسہ کو توڑ دیا۔ کیونکہ کبیسہ کی بنیاد محض اسلیئے ڈالی گئی تھی کہ ایام عبادت میں فرق نہو اور بجائے ایکسو بیس برس کے چار برس میں ایک دن کا اضافہ کرنا آسان تھا، اگر بجائے فروردین کے تخت نشینی ماہ آذر میں ہوتی تو نوسو ساٹھ برس الا دور کبیسہ ختم ہوجاتا۔ کبیسہ کو مذہبی حیثیت سے بھی زردشت نے قائم رکھا تھا اور وہ زردشتی مذہب کا جزو اعظم تھا۔ انتخاب از شواہد النفیسہ ۱۲

تو ۴۶۵ھ/۱۰۷۲ء میں ایران کی حکومت سلطان جلال الدین ملکشاہ سلجوقی کے ہات آئی اسوقت
تمام دفاتر میں سنہ فارسی جاری تھا، اُسکو ملکشاہ نے بھی بدستور قائم رکھا، مگر چونکہ وہ اپنی
اصلی حالت پر باقی نہ تھا اس لیے ملکشاہ کو اُس کی ترمیم و اصلاح کا از حد خیال تھا لیکن مصداق
"لکل امر مرھون باوقاتھا" ذیل کے واقعہ نے ملکشاہ کو اسپر متوجہ کر دیا۔ جسکی تفصیل یہ ہے۔ کہ
عہد ملکشاہ میں آمدنی سنہ شمسی[1] کے حساب سے وصول کیجاتی تھی، اور خرچ کا حساب شہور
قمری سے تھا۔ جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک دن (۴۶۷ھ/۱۰۷۴ء میں) خزانہ میں خرچ کے واسطے ایک پیسہ
بھی باقی نہ رہا تب تو ملکشاہ کو نہایت تشویش ہوئی، اور اُسی وقت سے اُسنے ارادہ کر لیا کہ
آمدنی و خرچ کے حساب کے لیے ایک منتظم سال قرار دیا جاے۔ چنانچہ ملکشاہ نے اول اپنے
زمانہ کے فقہا[3] اور علما کی راے سے فائدہ اُٹھایا اور آخر کو اس امر پر مجبور ہوا کہ ایک سنہ کبیسیہ
مقرر کیا جاے"[2] کیونکہ اگر موجودہ اصول پر عملدرآمد کیا جائیگا تو ہر تینتیسویں سال پر حساب میں فرق

---

[1] اس قاعدہ کا موجد خلیفہ الطائع للہ عباسی تھا جو ۳۶۳ھ ہجری میں تخت نشین ہوا تھا، [2] تقویم ابوالضیا ترکی سنہ ۱۳۱۱

[3] ملکشاہ نے مسئلہ تقویم میں اول فقہا سے استصواب کیا اور غالباً اُنکے حکم سے تقویم کا کام جاری کیا ہوگا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قمری سال کا ملکی ضرورت سے شمسی سال بنا لینا شریعت اسلامیہ کے خلاف نہیں ہے۔ اور کلام مجید میں جس کی ممانعت ہے وہ نسی ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے

إِنَّمَا النَّسِيءُ زِيَادَةٌ فِي الْكُفْرِ
يُضَلُّ بِهِ الَّذِينَ كَفَرُوا يُحِلُّونَهُ
عَامًا وَيُحَرِّمُونَهُ عَامًا لِيُوَاطِئُوا
عِدَّةَ مَا حَرَّمَ اللَّهُ فَيُحِلُّوا مَا
حَرَّمَ اللَّهُ ط زُيِّنَ لَهُمْ سُوءُ

مہینوں کا سرکا دینا بھی اک کفر مزید ہے جسکی وجہ سے کافر (دین کے رستہ سے)
گمراہ ہوے رہتے ہیں کسی سال ایک مہینہ کو حلال سمجھ لیتے ہیں اور
اسی کو دوسرے برس حرام (اور اس سے انکی غرض یہ ہوتی ہے کہ اللہ نے جو
چار مہینے حرام کیے ہیں اپنی گنتی سے) اُس گنتی کو مطابق کر کے اللہ کے
حرام کیے ہوے (مہینوں) کو حلال کر لیں۔ انکی بدکرداریاں انکو بھلی

پڑ جائیگا، آخر الامر عمر خیام کو حکم دیا کہ مشاہیر منجموں کی رائے سے سنہ فارسی کی ترمیم کیجائے

بقیہ نوٹ صفحہ أَعْمَالِهِمْ وَاللّٰهُ بھی کرکے دکھائی گئی ہیں اور اللہ ان لوگوں کو جو کفر کرتے ہیں (توفیق)
لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ۞ ہدایت نہیں دیا کرتا۔

اس آیت کی تفسیر یہ ہو کہ ملک عرب میں بزمانہ جاہلیت عام الفیل جاری تھا۔ اس سنہ میں ہر تیسرے برس ایک مہینہ بڑھا دیتے تھے اور اسکا نام نسی تھا۔ اس اضافہ سے یہ غرض تھی کہ حج ہمیشہ ایک ہی موسم میں ہوا کرے اور کاروبار تجارت میں فرق نہ واقع ہو ور جس گروہ کے یہ خدمت سپرد تھی وہ نسی کا اعلان حج میں کر دیا کرتے تھے۔ اور محرم، رجب، ذیقعدہ، ذی الحجہ، یہ وہ مقدس مہینے تھے جن میں عرب قتل و غارت اور خونریزی کو حرام سمجھتے تھے اور یہ وہ شرعی حکم تھا کہ جو حضرت ابراہیم اور حضرت اسمعیل علیہم السلام کے زمانہ سے بطور قانون کے نافذ تھا۔ اس لیے اگر نسی کا مہینہ ان چار مہینوں میں ہوتا یعنی ماہ حرام کا کوئی مہینہ مکرر واقع ہوتا تو خطیب اعلان کر دیتا تھا کہ یہ مہینہ قوم پر حلال کر دیا گیا ہی۔ اور اسی طرح کبھی حلال کا مہینہ حرام کر دیا جاتا تھا چونکہ یہ کفار کی رسم تھی اس لیے خدا نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ عہد جاہلیت کی رسم چھوڑ دو علامہ فخر الدین رازی نے اس آیت کی تفسیر میں یہ لکھا ہی کہ عربوں کا یہ خیال تھا کہ اگر وہ اپنا سال قمری قرار دینگے تو انکا حج کبھی گرمی میں ہوگا اور کبھی جاڑے میں اور یہ انکو پسند نہ تھا، کیونکہ عرب کے تمام قبیلے مسافت بعیدہ طے کرکے بجز اوقات معینہ کے دوسرے وقت میں جمع نہیں ہوسکتے تھے اور چونکہ قمری سال کی ترتیب انکے دنیاوی فوائد کے منافی تھی اس لیے انھوں نے اپنے کاروبار کے لیے سنہ شمسی پسند کیا۔ اور کبیسہ جاری کیا جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ ہر تیسرے برس ایک مہینہ لوند کا بڑھانا پڑتا تھا۔ اور موسم حج جسکا ایک مہینہ مقرر تھا کبھی محرم میں ہوتا کبھی صفر میں چنانچہ جب قرآن شریف نازل ہوا تو دو نئی شکلیں پیدا ہوگئیں ایک یہ مقررہ بارہ مہینوں کی تعداد بڑھ گئی، دوسرے اشہر حرم میں تفرقہ پڑ گیا، حالانکہ حضرت ابراہیم کے عہد سے رسوم مذہبی کی بنیاد قمری سال پر ہی۔ لیکن جب عربوں نے دنیاوی فوائد کے لیے اس ترتیب کو چھوڑ دیا تو خدا نے انکو منع فرمایا اور انکے اس طرز عمل کو زیادۃ فی الکفر قرار دیا۔

اس آیت سے شمسی سال قائم کرنیکی ممانعت نہیں نکلتی ہی۔ کیونکہ کلام مجید کا کوئی حکم مسائل تمدن کے خلاف نہیں ہی اور اسی بنا پر فقہائے ملکشاہ کو فتویٰ دیا ہوگا۔ نسارۃ کا قاعدہ مصری عربوں میں آجتک جاری ہی۔ نزہت القلوب حمد اللہ مستوفی تاریخ سنین و شہور صفحہ ۵ وضاحیۃ الطرب نوفل آفندی طرابلسی، تفسیر کبیر جلد ۴۔ صفحہ ۴۴۶۔ ۴۴۷ مطبوعہ مصر ۱۳۰۸ھ

اور ملکشاہ کے منشاء کے مطابق عمر خیام نے بوجہ احسن اس مسئلہ کو حل کر دیا جس کی تفصیل یہ ہے کہ حکیم عمر خیام نے اصلاح تقویم کے واسطے ایک مستند مجلس منعقد کی اور سات[1] نامور حکما کو اپنا مشیر بنایا جن کے اسماء گرامی حسب ذیل ہیں

ابوحاتم المظفر اسفرازی - ابوالفتح عبدالرحمن خازنی - محمد خازن

[1] کشاف اصطلاحات الفنون مصنفہ شیخ محمد علی تھانوی صفحہ ۹۵ مطبوعہ کلکتہ - مشاہیر منجموں کے نام تقویم ابوالضیا کامل اور شہرزوری لکھے گئے ہیں

نوٹ حکما متعلق مجلس حکیم عمر خیام نیشاپوری

(۱) خواجہ ابوحاتم المظفر اسفرازی " اسفرار سجستان کا ایک شہر ہے - جو خواجہ کا وطن تھا - مگر شاہی شہر ہونے کی وجہ سے خواجہ مرو میں رہا کرتا تھا - خیام کے معاصرین میں ابوحاتم بڑے درجہ کا شخص تھا - عمر خیام جب کبھی مرو جاتا تھا خواجہ کا مہمان ہوا کرتا تھا - اور دونوں میں دلچسپ مباحثے ہوا کرتے تھے - اوقات فرصت میں علوم حکمیہ کا درس بھی دیا کرتا تھا - اور برخلاف اپنے دوست خیام کے یہ شاگردوں پر بہت مہربان تھا - ریاضیات اور آثار علویہ میں اسکی بہت سی تصانیف ہیں - اس حکیم نے بڑی ریاضت سے ایک ترازو بنایا تھا - جسکا نام " میزان ارشمیدس " تھا - اس میں وزن کرنے سے چاندی - اور سونے کا کھرا اور کھوٹا پن معلوم ہو جاتا تھا - جب یہ ترازو تیار ہو گیا تو حکیم نے مہتمم خزانہ کے سپرد کر دیا تھا اور وہ خزانہ شاہی میں رکھا ہوا تھا - مگر خزانچی نے اس خیال سے کہ اگر اس کے ذریعہ سے کبھی خزانہ کی پڑتال کی گئی تو میری خیانت کھل جائیگی محض اس لیے یہ ترازو توڑ دیا گیا " اور اسکے تمام پرزے ضائع کر دیئے گئے - جب ابوحاتم نے یہ سنا تو اس صدمہ سے بیمار ہوا اور مر گیا - کیونکہ یہ نادر روزگار ترازو برسوں کی دماغ سوزی میں تیار ہوا تھا - حکیم کا یہ مقولہ مشہور ہے نسبۃ اللذۃ الحسیۃ الی اللذۃ العلقیہ کنسبۃ المشمو الی المطعم " از چہار مقالہ نظامی عروضی سمرقندی و تاریخ الحکما شہرزوری

(۲) ابوالفتح عبدالرحمن خازنی " مسکویہ ابوعلی خازن رئیس مرو کا عبدالرحمن خازنی رومی بڑا پیارا غلام تھا - علوم ہندسہ میں کامل تھا - سلطان سنجر سلجوقی کے نام سے ایک زیج لکھی تھی - جو تاریخوں میں " زیج السنجری " کے نام سے مشہور ہے - اخیر

حکیم ابو العباس لوکری - میمون بن نجیب واسطی - محمد بن احمد معموری بیہقی - ابو الفتح ابن کوشک

بقیہ نوٹ صفحہ عمر میں گوشہ نشین ہوگیا تھا، اور درویشانہ زندگی بسر کرتا تھا - ایک بار سلطان سنجر نے ایکہزار دینار (پانچہزار روپیہ) اسکے پاس بھیجے - سب واپس کردیے اور کہا کہ میرا سالانہ خرچ تین دینار (پندرہ روپئے) ہی صبح کو دو روٹیاں اور ہفتہ میں تین مرتبہ گوشت کی ضرورت ہوتی ہی - اور اسوقت میرے پاس دس دینار (پچاس روپیہ) موجود ہیں - اگر یہ سب خرچ ہوجاویں اور میں زندہ رہوں تو پھر خدا دینے والا ہی - گھر میں بجز ایک بلی کے اور کچھ نہ تھا حکیم حسن سمرقندی اسکا نامور شاگرد ہی ا ز تاریخ ملطی وغیرہ - (۳) "محمد خازن" حالات نہیں معلوم ہوئے -

(۴) "حکیم ابو العباس لوکری" نہر مرو پر قریب پنج دیہ لوکر ایک مشہور قریہ ہی جو حکیم کا وطن تھا - بعض تاریخوں میں صرف حکیم لوکری لکھا دیکھا ہی، ابو العباس لوکری، بہمن یار کا مشہور شاگرد ہی، جو خراسان میں فنون حکمت کی اشاعت کا باعث ہوا ہی، دولت کیطرف سے مالا مال تھا، نواح مرو میں بہت سی ذاتی جائداد بھی تھی - حکیم عمر خیام، ابن کوشک اور واسطی جو اسکے ہمعصر تھے ان میں سے کوئی بھی علوم حکمیہ میں اسکی جوڑ کا نہ تھا - شاعر بھی تھا، ایک دیوان یادگار ہی - نہایت دقیق و بلیغ اشعار لکھتا تھا - اخیر عمر میں اندھا ہوگیا تھا اور کہا کرتا تھا کہ افسوس اب میں علمی ترقی نہ کرسکونگا - اب دن رات اسکو عالم آخرت کا خیال رہتا تھا - موت کا یہ واقعہ ہوا کہ ایک دن بھنی ہوئی سری اور پائے خوب کھائے اور اُسی دن شاگرد حمام میں لیگئے - حمام سے آکر بستر پر گرا طبیب علاج کے لیے حاضر ہوا تو کہا مجھے خدا پر چھوڑ دو اگر اچھا ہوگیا تو اُس کی رضا اور اگر مرگیا تو اُسکا حکم اور آخر الامر اسی علت میں فوت ہوگیا - تاریخ الحکما شہرزوری" (۵) "میمون بن نجیب واسطی" مشہور فاضل، حکیم اور طبیب ہی - بعض کے نزدیک اسکا مولد خوز تھا - اور بعض کے نزدیک واسط - مگر خواجہ نظام الملک کی قدردانی سے یہ اکثر ہرات میں رہا کرتا تھا - سلاطین اور اُمرا کی ملاقات سے اسکو بالطبع نفرت تھی - کامل اثیر وغیرہ -

(۶) "محمد بن احمد معموری بیہقی" ریاضی کا مشہور عالم ہی جسکی کتاب مخروطات میں بےنظیر ہی - ملکشاہ نے اسکو اصفہان میں رصدبندی کیواسطے بلایا تھا - خیام بھی اس کی ریاضی کا قائل تھا - سلطان محمد سلجوقی کے زمانہ تک زندہ رہا - شورش اسماعیلیہ میں قتل ہوا، کامل اثیر، شہرزوری"

(۷) "ابو الفتح ابن کوشک" کان عارفا باجزاء علوم الحکمۃ، مشہور حکیم ہی، سلطان سنجر اس کی تصنیفات کا عاشق تھا اور کسی کتبخانہ میں اس کی تصنیفات تھیں" (شہرزوری)

چنانچہ[۵۱] اس مجلس نے یوم شنبہ ماہ ذی الحجہ ۴۶۷ھ مطابق ۱۰ جولائی ۱۰۷۴ء سے اپنا کام شروع کر دیا اور کامل تین سال کی محنت میں اصلاح تقویم کے مسئلہ کو حل کر دیا جسکی تفصیل یہ ہے

سنہ جلالی ملکشاہی۔ عمر خیام کی تحقیقات کا نتیجہ یہ تھا کہ آفتاب اپنا سالانہ دورہ تین سو پینسٹھ دن۔ پانچ ساعت اور اُنچاس دقیقہ میں طے کرتا ہی۔ اس لیے خیام نے یہ قاعدہ مقرر کیا کہ ہر چوتھے سال پر ایک دن بڑہایا جاے اور سات دوروں کے ختم ہونے پر آٹھویں دور پر (بجاے چار کے) پانچویں سال ایک دن زیادہ کیا جاے۔ اس حساب سے شمسی و قمری سال کا فرق پورے تینتیس برس میں نکلجاتا ہی

جب یہ مسئلہ حل ہوگیا تو خیام نے اس سنہ کا نام سلطان جلال الدین ملکشاہ کے نام پر سنہ جلالی رکھا۔ اور جو زیج[۵۲] طیار کی اُسکا نام **زیج ملکشاہی** قرار دیا۔ اور مہینوں کے نام بدستور

---

۵۱ التوفیقات الالھامیہ محمد مختار پاشا صفحہ ۲۳۴۔

۵۲ زیج معرب زیگ۔ رشتہ معماران کہ درستی و نادرستی عمارات بداں معلوم نمایند و تختہ کہ منجمان طالع کسی از جداول آں معلوم می نمایند۔ خفاجی میگوید کہ معرب زہ ہست (سوار السبیل)۔ زیج میں جدولیں ہوتی ہیں جنسے اوضاع کواکب اور خطوط طول و عرض اور مقادیر حرکاتِ مرکز کواکب کا حال معلوم ہوتا ہی۔ اور انھیں جدولوں سے اوج و حضیض کا پتہ معلوم ہوتا ہی۔ تقویم ہمیشہ زیج کی مدد سے طیار ہوتی ہی۔ چنانچہ زیج ملکشاہی اسی قسم کی کتاب ہی۔ اور جسکا دوسرا نام "آغاز حساب تاریخ جلالی" ہی۔ اور اسکے قبل بھی حکماء اسلام وغیرہ نے متعدد زیج لکھے ہیں جنمیں سے مشہور تر یہ ہیں، اور اس مختصر فہرست سے مسلمانوں کے نامور منجموں کا ظاہر کرنا مقصود ہی کیونکہ آج مسلمان اس علم میں سب سے پیچھے ہیں۔

زیج ابراہیم بن حبیب الفزاری۔ زیج ابن حماد اندلسی۔ زیج ابن السمح ابو القاسم اصبغ بن محمد غرناطی متوفی ۴۲۶ھ۔ زیج ابن الشاطر انصاری دمشقی فلکی متوفی ۷۷۷ھ۔ زیج ابن یونس ابو الحسن علی بن ابو سعید عبد الرحمن منجم متوفی ۳۹۹ھ۔ زیج ابو معشر جعفر بن محمد بن عمر بلخی منجم متوفی ۲۷۲ھ۔ زیج الاستاذ

وہی رکھے جو سنہ یزدجردی میں تھے۔ اور خمسۂ مسترقہ کا عملدرآمد ماہ اسفندار پر کیا گیا۔
سنہ جلالی جس دن سے شروع ہوا ہے وہ مبارک دن جمعہ کا تھا۔ اور رمضان المبارک کی دسویں تاریخ اور ۴۷۱ھ مطابق ۱۵ مارچ ۱۰۷۹ء

سنہ جلالی کے قبل شمسی سال کی ابتدا کا یہ طریقہ تھا کہ جب آفتاب نصف حوت میں داخل ہوتا تھا اُسوقت سے سال کا حساب شروع کرتے تھے۔ مگر خیام نے نقطۂ اعتدال ربیعی سے مطابقت دیکر سنہ جلالی کو یکم فرودین سے شروع کیا۔ جب کہ آفتاب برج حمل میں

بقیہ نوٹ صفحہ جمال الدین ابو القاسم بن محفوظ منجم بغدادی (عہد المقتدر باللہ عباسی) زیج الوغ بیگ محمد بن شاہرخ زیج ایلخانی، محقق نصیر الدین محمد بن حسن طوسی متوفی ۶۷۲ھ زیج ثاون اسکندرانی۔ زیج الجامع والسالع، کوشیار۔ زیج حبس الحاسبہ احمد بن عبداللہ مروزی بغدادی (عہد مامون الرشید) زیج السنجری، ابوالفتح عبدالرحمن خازنی۔ زیج الصغانی، بتانی۔ زیج الشامل شیخ ابوالوفا محمد بن احمد بوزجانی۔ زیج الشاہی، نصیر الدین طوسی۔ زیج شاہی، علی شاہ محمد بن قاسم المعروف بعلاء المنجم الخوارزمی، زیج شمس الدین محمد یحییٰ خواجہ الوابکنوی۔ زیج شمس الدین، محمد بن محمد حلبی۔ زیج شہریار۔ زیج الشیخ، ابوالفتح صوفی۔ زیج العمد۔ زیج العلائی، نظام اعرج۔ زیج محمد بن ابوبکر فارسی۔ زیج المصطلح فی کیفیۃ التعلیم والطریق الی وضع التقویم۔ محمد بن محمد فارقی محاسب۔ زیج کوشیار بن کنان حنبلی۔ زیج الکبیر الحاکمی، زیج الہمدانی، حسن بن احمد یمنی متوفی ۳۳۴ہجری زیج فی معانی العین، تاج الدین علی بن محمد مشہور بابن الدریہم موصلی شافعی متوفی ۷۶۳ ہجری زیج المفرد، زیج المعدل۔ زیج المعنی۔ زیج المفتن۔ زیج الآفاق فی العلم الاوفاق، وغیرہ تفصیلی حالات کے لیے دیکھو کشف الظنون جلد ثانی صفحہ ۱۲-۱۷ مطبوعہ قسطنطنیہ۔ اگر کوئی شخص عرب و عجم کی تاریخوں کو ملاحظہ کرکے انتخاب کرے تو ایک طولانی فہرست مرتب ہوسکتی ہے۔ تاریخ ملطی، تاریخ عرب موسیو سدیو فرانسیسی اور ضاحتہ الطرب وغیرہ میں مسلمانوں کا علم ہیئت دیکھنا چاہیئے۔

سلہ انسائیکلوپیڈیا جلد نمبر ۱۷۔ صفحہ ۱۷۷۔ حالات عمر خیام شاعر و منجم۔

آتا ہی - حالانکہ اسوقت فروردین کے اٹھارہ دن گزر چکے تھے۔ مگر خیام نے ان ایام کو چھوڑ کر سال کا شمار یکم فروردین سے لگایا - کیونکہ یہ وہ تاریخ تھی جس دن نقطہ ربیعی پر لیل و نہار کا تساوی واقع ہوا تھا۔" اور جسکا نام خیام نے نوروز[1] سلطانی رکھا تھا۔"

پارسیوں میں جو سنہ آج جاری ہی اور جسکو وہ یزدجردی سمجھتے ہیں - یہ سنہ درصل خیام کا صحیح کیا ہوا ہی اور جسکو ہم مختصر یہ خیامی کہہ سکتے ہیں - اور یہی سنہ الٰہی اکبر شاہی ہی - جو گورنمنٹ نظام میں جاری ہی -

خیام کے فضل و کمال اور تبحر علم ریاضی و ہیئت کا اُسوقت صحیح اندازہ ہو سکتا ہی جب سنہ جلالی کا "گری گورین رول[2]" سے مقابلہ کیا جائے - کیونکہ انگریزی سال میں جو کسر چار صدیوں

---

[1] تقویم الوضیا (ترکی) ۱۳۰۱ سنہ ۱۳۰۰ صفحہ ۱۳۲ مطبوعہ قسطنطنیہ -

[2] گری گورین رول - گری گوری روم کے تیرہویں پوپ کا نام ہی جسنے ۱۵۸۲ء میں سب سے اخیر مرتبہ انگریزی جنتری کی اصلاح کی ۱۵۸۲ء میں رومن کیتھولک بادشاہوں کی مدد سے اپنی تقویم کو جاری کیا جو باستثنا روس اور یونان تمام یورپ میں جاری ہی - اور اسکے قبل جو تقویم جاری تھی اُسکو روم کے قیصر جولیس نے حضرت عیسٰی کی ولادت سے چھیالیس[۴۶] برس پہلے منسوخ کرکے اپنی تقویم جاری کی تھی جسکا نام انگریزی میں جولین کلنڈر رہا لیکن امتداد زمانہ سے اسمیں اسقدر تغیر ہوگیا تھا کہ عیسائی تہوار خصوصاً ایسٹر میں بہت فرق پڑجاتا تھا - اسلیے گری گوری نے اُن نقائص کو دور کرکے اپنا کلنڈر جاری کیا - بعض علما کی رائے ہی کہ خیام کے سنہ جلالی سے گری گوری نے اپنا قاعدہ بنایا ہی خیام کی تحقیقات میں جو روزانہ ایک منٹ سے کچھ کم کی کسر باقی رہ گئی تھی گری گوری اُسکو مٹانا چاہتا تھا چنانچہ چند منجموں کی مدد سے اسنے اس کسر کو چار سو[۴۰۰] برس کی مدت میں نکال دیا - اور یہ قاعدہ مقرر کیا کہ جو صدی پورے چار عدد پر تقسیم ہوسکے اسکا فروری مہینہ انتیس یوم کا ہوگا اور درمیانی تین صدیاں جو چار پر پوری تقسیم نہو سکیں اُنکا فروری مہینہ ۲۸ یوم کا ہوگا - اور بجنسہ یہی قاعدہ ہر ہزار اور چوتھے ہزار سال کے لیے مقرر کیا تھا چنانچہ اس قاعدہ کو " گری گورین رول" کہتے ہیں - گری گورین سال تین سو پینسٹھ[۳۶۵] دن پانچ گھنٹے اُنچاس[۴۹] منٹ اور بارہ[۱۲] سکنڈ کا ہی اور اس سنہ کا عملدرآمد ۱۵۸۲ء سے شروع کیا گیا ہی - گری گوری نے دور شمسی کے تفاوت زمانی کی اصلاح کے لیے مہینہ اکتوبر سے گیارہ یوم گھٹا دیئے تھے یعنی اکتوبر کی پانچ تاریخ کو پندرہ[۱۵] سے تبدیل کردیا تھا

میں نکلتی ہو وہ خیام نے تینتیس۳۳ برس میں نکالدی تھی اور بڑے نام ہر روز میں ایک منٹ سے کچھ کم فرق رہ گیا تھا۔ اور اگر خیام آیندہ دورے تک زندہ رہتا تو ایک منٹ کی بھی کسر باقی نہ رہتی۔!!

علما[1] ے مشرق اور مغرب کا اسپر اتفاق ہو کہ جو نظام خیام نے مقرر کیا تھا وہ بہ حیثیت نظام اور صحت اور تطبیق ہیئت کے اقوام سابقہ کے حساب سے سب پر فائق تھا۔

ملکشاہ[2] کا سنہ جلالی چونکہ کسی مقدس تاریخ یا دنیا کے کسی مشہور واقعہ سے تعلق نہ رکھتا تھا اسوجہ سے دوام وقیام اُسکو میسر نہیں ہوا اور صرف چودہ برس ملکشاہ کی زندگی تک چلتا رہا اور اُسکے بیٹوں ہی کے زمانے میں نسیًا منسیا ہو گیا۔ مگر یہ واقعہ ملکشاہ اور خیام دونوں کو قیامت تک زندہ رکھیگا۔

کسی مورخ نے یہ نہیں لکھا ہو کہ اصلاح تقویم کے بعد ملکشاہ نے عمر خیام اور دیگر نامور حکما کو

بقیہ نوٹ صفحہ	اسپین، پرتگال، اٹلی، فرانس، سویزرلینڈ، جرمن، نیتھرلینڈ، کے کیتھولک فرقوں میں گری گورین رول اسی سال جاری ہو گیا تھا لیکن پولینڈ میں ۱۵۸۶ء ہنگری میں ۱۵۸۷ء میں پروٹسٹنٹ جرمن اور ہالینڈ، ڈنمارک میں ۱۷۰۰ء میں جاری ہوا۔ انگلستان نے ۱۷۵۲ء سے عملدرآمد کیا۔ روس کے علما ہیئت نے اب اس قاعدہ کی بھی غلطیاں نکالی ہیں اور وہ گری گورین رول کو ترمیم کرکے اپنے موجودہ شاہنشاہ کے نام سے نیا کلنڈر اجاری کرنا چاہتے ہیں مگر ملکی رقابت سے کامیابی کی امید نہیں ہو۔ انتخاب از انسائیکلوپیڈیا برطانیکا طبع جدید یا پولر انسائیکلوپیڈیا طبع دل حرف جی لفظ گری گورین رول۔

[1] ۱۰۷۹ء میں ملکشاہ سلجوقی نے اُن تحقیقات کا حکم دیا جنسے تقویم میں ایسی اصلاح کی گئی جو چھ سو برس کی گری گوری کی اصلاح سے بدرجہا بہتر تھی۔ گری گوری کی سال میں دس ہزار برس کی مدت میں تین۳ دن کا تفاوت ہوتا ہو، برخلاف اسکے عربوں کے سال میں اسی مدت میں صرف دو۲ دن کا تفاوت ہو۔ دیکھو تمدن عرب صفحہ ۴۲۲ و گبن امپائر جلد ۶ مطبوعہ ۱۹۰۰ء حالات ملکشاہ و تقویم ابوالضیا صفحہ ۲۳۳

[2] تقویم ابوالضیا صفحہ ۲۳۳۔

کیا صلہ دیا۔ مگر شاہان ایشیا کے اُصول و قواعد سے جو لوگ واقف ہیں وہ قیاس کر سکتے ہیں کہ ان حکما کو کیا کچھ نہ ملا ہوگا۔ اور خواجہ نظام الملک نے خیام کو سنہ جلالی کی ایجاد کے قبل جو وظیفہ مرحمت فرمایا تھا اُسکو عین ملکشاہ کا عطیہ سمجھنا چاہیئے، علاوہ اسکے ایشیائی درباروں کا یہ عام قاعدہ ہی کہ دربار کے داخلہ سے پہلے وہ بڑی بڑی جاگیر و منصب کے مالک بنا دیئے جاتے ہیں۔ اور خواجہ نظام الملک کی اس تحریر سے بھی ایسا ہی سمجھا جاتا ہی۔ خواجہ لکھتا ہی "خیام در نوبت جہانداری سلطان ملکشاہ بمرو آمد و در علم حکمت تعریفات یافت و سلطان عنایتہا فرمود، و با عالی مراتب کہ کبار علما و حکما را باشد رسید۔

عمر خیّام کی شاعری

خیام کے حالات سے معلوم ہوتا ہی کہ اسیں ابتدا سے مذاق شاعری تھا۔ لیکن علمی تحقیقات کے شوق نے اس مادہ کو عالم شباب میں اُبھرنے نہیں دیا۔ لیکن عُمر کے اخیر حصہ میں جب گوشہ نشین ہو کر بیٹھا تو شاعری کی طرف متوجہ ہوا۔

جس طرح طوس کو فردوسی پر اور شیراز کو حافظ و سعدی پر فخر ہی ویسا ہی نیشاپور خیّام پر فخر کرتا ہی۔ لیکن حقیقت یہ ہی کہ خیام جیسے نامور محقق اور فلاسفر کے لئے محض شاعری ذریعۂ افتخار نہیں ہی۔ بلکہ شاعری اُسکے کمالات کا ایک ادنیٰ کرشمہ ہی۔

ایران میں ہزاروں نامور شاعر ہوے ہیں لیکن فلسفیانہ خیالات کے اعتبار سے خیام کا طرز نرالا ہی۔ خیام کے ہر مصرعہ میں حکمت و فلسفہ بھرا ہوا ہی۔ نظام عالم، اسرار کائنات، اور وجود

وہستی کے نکات جس دلربا طریقہ سے خیام ادا کرتا ہی وہ اسکا حصّہ ہی۔

عام شعرا کی تقلید یا زمانہ کے مطابق خیام نے غزل اور قصیدہ میں اپنی عمر برباد نہیں کی بلکہ اپنے مفید خیالات کے اظہار کے لیے اصناف شعر میں سے صرف رباعی کو انتخاب کیا کیونکہ یہ چار مصرعوں کی نظم حکیمانہ خیالات کے اظہار کے واسطے نہایت موزوں ہی۔ بڑے بڑے مطالب جس ترکیب اور ترتیب سے رباعی کے سانچے میں ڈھل جاتے ہیں وہ دوسری صنف میں غیر ممکن ہی۔ علاوہ اسکے یہ مختصر نظم خزانۂ دماغ میں اچھی طرح محفوظ رہتی ہی۔ اور یہی سبب ہی کہ حکما اور فلسفی شعرا اور صوفیاے کرام نے رباعی کو اپنے خیالات کا ارگن بنایا ہی۔ چنانچہ خواجہ ابوسعید ابوالخیر، مولانا روم، ملاسحابی نجفی وغیرہ کی رباعیات اس کی شاہد ہیں۔ فارسی میں رباعیات کی تعداد ہزاروں سے متجاوز ہی، اور مختلف شعرا کی رباعیاں مشہور ہیں لیکن مشرق سے مغرب تک شہرت عام اور قبولیت کا تمغہ خیام کو ملا ہی۔

خیام کی رباعیاں ہم کو کیا سکھاتی ہیں؟ اور وہ کن خیالات کا مجموعہ ہیں۔ اسپر تفصیلی بحث کرنا اُس شخص کا کام ہی۔ جو خیام کی مستقل سوانح عمری لکھے۔ لیکن خلاصہ یہ ہی کہ خیّام ہم کو فلسفہ زندگی کے مختلف مباحث سے آگاہ کرتا ہی۔ اور مختلف انداز سے انسانی زندگی پر روشنی ڈالتا ہی۔ کسی رباعی میں تلمیحات قرآنی ہیں، کہیں احادیث ہیں، کہیں اقوال حکما، کا انتخاب ہی۔ چنانچہ بطور نمونہ چند رباعیاں پیش کیجاتی ہیں۔ ناظرین کو ہر رباعی میں ایک نئی تصویر نظر آئیگی۔

(۱) متصوفین کا (کسی مذہب و ملت کے ہوں) سب سے پہلا مسئلہ یہ ہی کہ اس زندگی میں حیات کا عقدہ نہ حل ہوسکتا ہی نہ اسکا صحیح علم ممکن ہی۔ اور یہی حال عالم کا ہی، کیونکہ وہ بھی ایک راز سربستہ ہے،

(۱)

آوردبا ضطرابم اول بوجود | جز حیرتم از حیات چیزی نفزود
رفتیم باکراہ وندانیم چہ بود | زین آمدن و بودن ورفتن مقصود

(۲)

رندے دیدم نشستہ برخنگ زمیں | نہ کفر، ونہ اسلام، نہ دنیا، ونہ دیں
نے حق، نہ حقیقت، نہ شریعت نہ یقیں | اندر دوجہان کرا بود زہرۂ ایں

(۳)

اسرار ازل را نہ تو دانی ونہ من | ویں حرفِ معمّا نہ تو خوانی ونہ من
ہست از پس پردہ گفتگوے من و تو | چوں پردہ برافتد نہ تو مانی ونہ من

(۲) تصوف کا دوسرا اہم بالشان مسئلہ یہ ہے کہ تمام انسان کسی نور کے پرتو ہیں یا کسی نیستان کے ایک شاخ ہیں یا کسی سمندر کا ایک قطرہ ہیں مگر ہر حالت میں آوارہ وطن ہوکر پردیس میں خانہ خراب پھرتے ہیں۔

(۴)

اول بخودم چو آشنا می کردی | آخر زخودم چرا جدا می کردی
چوں ترک منت نبود از روز نخست | سرگشتہ بعالم چرا می کردی

(۵)

اے دل زغبار جسم اگر پاک شوی | تو روح مجردی برافلاک شوی
عرش ست نشیمن تو شرمت بادا | کائی ومقیم خطۂ خاک شوی

(۳) یہ خیال مشرق و مغرب میں مشترک ہی کہ دنیا فانی ہی۔ بیوفا ہی۔ دہوکا باز ہی۔ ہر ہر قدم پر رنج و غم کا سامنا ہی۔ آسودگی برائے نام ہی۔ جو شے ہی وہ غم سے خالی نہیں ہے

(۶)

این دہر کہ بود مدتی منزلِ ما
نامد بجز از بلا و غم حاصلِ ما

افسوس کہ حل نہ گشت یک مشکلِ ما
رفتیم و ہزار حسرت اندر دلِ ما

(۷)

شادی مطلب کہ حاصلِ عمر دمے ست
ہر ذرہ ز خاک کیقبادے و جمے ست

احوال جہان و اصل این عمر کہ ہست
خوابے و خیالے و فریبے و دمے ست

(۴) انسان کی زندگی بے ثبات ہی اور حیات انسانی مصائب و آلام کا مجموعہ ہے

(۸)

چوں حاصل آدمی دریں شور ستاں
جز خوردن غصہ نیست یا کندن جاں

خرم دلِ آں کزیں جہاں زود برفت
آسودہ کسی کہ خود نیامد بجہاں

(۵) رباعیات مندرجۂ بالا (۶-۷-۸) سے یہ مفہوم ہوتا ہی کہ خیام بھی اس افسردہ دلی کی زندگی کو پسند کرتا ہی اور ہر چیز کو نفرت کی نظر سے دیکھتا ہی۔ لیکن حقیقت میں خیام کا یہ فلسفہ نہیں ہی بلکہ وہ اپنے شیدائیوں سے کہتا ہی۔ کہ اس زندگی میں بیکار و اداس مت رہو بلکہ اسکو ہنسی خوشی میں گزار دو، اور خوب دل کھولکر اور لوٹ کر شرابیں اڑاؤ، اور رنج و غم کو پاس نہ آنے دو۔ قضا و قدر جو مصیبتیں تمپر ڈالے انکو صبر و تحمل سے برداشت کرو

اور صرف یہی ایک اصول ہی جس سے عیش وطرب کی زندگی حاصل ہو سکتی ہی چنانچہ کہتا ہی -

(۹)

چوں عُہدہ نمی کند کسی فردا را
حالے خوش کن تو این دل شیدا را
مے نوش بنور ماہ اے ماہ، کہ ماہ
بسیار بتابد و نیابد ما را

(۱۰)

می خوردن و شاد بودن آئین منست
فارغ بودن زکفر و دین دین منست
گفتم، بعروسِ دہر کابینِ تو چیست
گفتا۔ دلِ خرّمِ تو کابین منست

(۱۱)

زاں پیش کہ غمہات شبے خوں آرند
فرمائے کہ تا بادۂ گلگوں آرند
تو زر نۂ اے عاقل ناداں کہ ترا
در خاک نہند و باز بیروں آرند

(۱۲)

آں بہ کہ زجام و بادہ دل شاد کنیم
وز نامدہ و گزشتہ کم یاد کنیم
ایں عاریتے حیات زندانی را
یک لحظہ زبندِ عقل آزاد کنیم

(۱۳)

تا کے زغمِ زمانہ محزوں باشی
با چشم پُرآب و دل پُرخوں باشی
مے نوش و بعیش کوش و خوشدل میباش
زاں پیش کزیں دائرہ بیروں باشی

(۱۴)

دریاب کہ از روح جُدا خواہی رفت
در پردۂ اسرار خدا خواہی رفت
خوش باش ندانی زکجا آمدۂ
می نوش ندانی کہ کجا خواہی رفت

(۱۵)

می خور کہ بزیرِ گل بسے خواہی خفت
بے مونس و بے حریف و بے ہمدم و جفت
زنہار بکس مگو تو ایں رازِ نہفت
ہر لالہ پژمردہ نخواہد بشگفت

(۱۶)

من ہیچ ندانم کہ مرا آنکہ سرشت
از اہلِ بہشت کرد یا دوزخِ زشت
قوتے و بتے و بادۂ برلبِ کشت
ایں ہر سہ مرا نقد و ترا نسیہ بہشت

(۱۷)

کم کن طمع از جہان و می زی خورسند
وز نیک و بد زمانہ بگسل پیوند
می برکف و زلف دلبرے گیر کہ زود
ہم بگذرد و نماند ایں روزی چند

(۱۸)

ایں قافلۂ عمر عجب میگذرد
دریاب دمے کہ با طرب میگذرد
ساقی غم فرداے حریفاں چہ خوری
در دہ قدح بادہ کہ شب میگذرد

(۱۹)

روزیست خوش و ہوا نہ گرم ہست و نہ سرد
ابر از رخ گلزار ہمی شوید گرد
بلبل بزبان پہلوی با گل زرد
فریاد ہمی زند کہ مے باید خورد

۲۰

ماہِ رمضاں برفت و شوال آمد ہنگام نشاط و عیش و قوال آمد
آمد گہ آنکہ خیکھا اندر دوش گویند کہ پشت پشت حمال آمد

(۶) موت کی نسبت خیام کے یہ خیالات ہیں

(۲۱)

آں مرد نیم کز عدمم بیم آید کاں نیم مرا خوشتر ازاں نیم آید
جانیست مرا بعاریت داد خدا تسلیم کنم چو وقت تسلیم آید

(۲۲)

از آتش آخرت نمیداری باک ور آب ندامت نشدی ہرگز پاک
ترسم کہ ترا ز تنگ بپذیرد خاک چوں باد اجل چراغ عمرت بکشد

(۲۳)

تا ظن نبری کہ از جہاں می ترسم وز مردن و از رفتن جاں می ترسم
مردن چو حقیقت است زاں باکم نیست چوں نیک نزیستم ازاں می ترسم

(۷) انسان کی سب سے اچھی زندگی وہ ہی جو فقر و غنا کے درمیان ہو۔

(۲۴)

در دہر ہر آنکہ نیم نانے دارد وز بہر نشست آستانے دارد
نے خادم کس بود نہ مخدوم کسے گو شاد بزی کہ خوش جہانے دارد

(۲۵)

یک نان بدو روز گر شود حاصل مرد در کوزۂ شکستہ دمے آب سرد
مامور کسے دگر چرا باید بود تا خدمت چوں خودی چرا باید کرد

(۲۶)

گر دست دہد ز مغز گندم نانے از مے کدوے و گوسفندے رانے
وآنگہ من و تو نشستہ در ویرانے عیشے بود آں نہ حد ہر سلطانے

(۸) بنے ہوئے صوفی اور جاہل فقیہوں کی خیام کی نظر میں کوئی عزت نہیں ہے وہ انکی ریاکاری اور نمائش کا خوب خاکہ اُڑاتا ہے۔

(۲۷)

پوشیدہ مرقع اند ایں خامے چند نارفتہ رہِ صدق و صفا گامے چند
بگرفتہ ز طامات الف لامے چند بدنام کنندۂ نکو نامے چند

(۲۸)

پندے دہمت اگر من داری گوش از بہرِ خدا جامۂ تزویر مپوش
عقبیٰ ہمہ ساعتست و دنیا دم از بہرِ دمے ملک ابد را مفروش

(۲۹)

شخصے بزنے فاحشہ گفتا مستی ہر لحظہ بدام دگرے پیوستی
گفتا شیخا ہر آنچہ گفتی ہستم اما تو چنانچہ مینمائی ہستی؟

(۹) اخلاق و آداب کے متعلق خیام نے بہت کچھ لکھا ہے

(۳۰)

در راہ نیاز ہر دلے را دریاب در کوے حضور مقبلے را دریاب
صد کعبۂ آب و گل بیک دل نرسد کعبہ چہ روی برو دلی را دریاب

(۳۱)

با دشمن و دوست فعل نیکو نیکوست بد کے کند آنکہ نیکیش عادت و خوست
با دوست چو بد کنی شود دشمن تو با دشمن اگر نیک کنی گردد دوست

(۳۲)

خواہی کہ ترا رتبت ابرار رسد مپسند کہ کس را ز تو آزار رسد
از مرگ میندیش و غم رزق مخور کیں ہر دو بوقت خویش ناچار رسد

(۳۳)

در راہ چناں رو کہ سلامت نکنند با خلق چناں زی کہ قیامت نکنند
در مسجد اگر روی چناں رو کہ ترا در پیش نخوانند و امامت نکنند

(۳۴)

بدخواہ کساں ہیچ بمقصد نرسد یک بد نکند تا بخودش صد نرسد
من نیک تو خواہم تو بخواہی بد من تو نیک نہ بینی و بمن بد نرسد

(۳۵)

با مردم پاک اصل و عاقل آمیز — وز نا اہلاں ہزار فرسنگ گریز
گر زہر دہد ترا خردمند بنوش — ور نوشِ رسد ز دست نا اہل بریز

(۱۰) عشق و محبت۔

(۳۶)

ای ای بریاں دل کہ درو سوزی نیست — سودا زدۂ مہر دل افروزی نیست
روزی کہ تو بے عشق بسر خواہی برد — ضائع تر ازاں روز ترا روزی نیست

(۳۷)

پیرانہ سرم عشق تو در دام کشید — ورنہ زکجا دست من و جام نبید
آں توبہ کہ عقل داد جاناں بشکست — وآں جامہ کہ صبر دوخت ایام درید

(۳۸)

عشقے کہ مجازی بود آتش نبود — چوں آتش نیم مردہ تابش نبود
عاشق باید کہ سال و ماہ و شب و روز — آرام و قرار و خور و خوابش نبود

(۱۱) انقلاب ہستی

(۳۹)

ہر جا کہ گلے و لالہ زاری بودست — از سرخی خون شہریاری بودست
ہر شاخِ بنفشہ کز زمیں میروید — خالی ست کہ بر رخ نگاری بودست

(۴۰)

ایں کوزہ چو من عاشق زاری بودہ است — در بندِ سرِ زلفِ نگاری بودہ است
ایں دستہ کہ بر گردن وی می بینی — دستیست کہ در گردن یاری بودہ است

(۴۱)

ہر سبزہ کہ برکنار جوی رُستست
گوئی زلب فرشتہ خوی رُستست

تا بر سر سبزہ پا بخواری ننہی
کان سبزہ زخاک ماہ روی رُستست

(۴۲)

خاکے کہ بزیر پاے ہر نادانیست
زلف صنمے و عارض جانانیست

ہر خشت کہ بر کنگرۂ ایوانیست
انگشت وزیرے و سر سلطانیست

(۱۲) اعمال ظاہری بیکار ہیں۔ اگر خلوص نیت نہو۔

(۴۳)

با تو بخرابات اگر گویم راز
بہ زانکہ بہ محراب کنم بی تو نماز

ای اول وای آخر خلقان ہمہ تو
خواہی تو مرا بسوز خواہی بنواز

(۱۳) ارباب معرفت کے اعمال خوف وطمع کی بنا پر نہیں ہوتے۔

(۴۴)

در مدرسہ و صومعہ و دیر و کنشت
ترسندہ ز دوزخ اند و جویای بہشت

آں کس کہ ز اسرار خدا با خبر است
زیں تخم درا اندرون دل ہیچ نکشت

(۱۴) خیام کی رباعیات سے اُس کے عقائد پر استدلال کرنا غلطی ہی۔ کیونکہ شاعری کے پردہ میں معلوم نہیں، شاعر کیا کچھ کہہ جاتا ہی۔ خیام کو بعض ملحد و زندیق کہتے ہیں۔ اور بعض کے نزدیک وہ طبقۂ صوفیاے کرام میں داخل ہی اور رحمۃ اللہ علیہ کے خطاب سے یاد

کیا جاتا ہے۔ بہر حال کفر و اسلام کے فیصلہ کرنے میں ذاتی حالات کی بھی تفتیش کرنا ضروری ہے، اور محض ظاہری الفاظ کی بنا پر قطعی حکم دیدینا وضع الشی فی غیر محلہ کا مصداق ہے۔ عموماً متصوفین اور شعراء ایران ایسے مضامین لکھ جاتے ہیں، جن کو راز و نیاز کی باتیں، کہنا چاہیئے۔ مگر علماء شریعت اُنھی الفاظ کی بنا پر کفر اور قتل کا فرمان صادر کرتے ہیں۔ ہماری رائے میں اگر ان شاعرانہ خیالات پر حکیم عمر خیام کو الحاد اور زندقہ سے منسوب کیا جاتا ہے تو حافظ شیرازی، مولانا رومی، مولانا عطار وغیرہ جیسے نامور صوفی بھی اسی دائرہ میں آجاتے ہیں۔ اور اگر محض ساقی و شراب کی مداحی سے یہ فرد جرم لگائی گئی ہے، تو حقیقت میں یہ کوئی جرم نہیں کیونکہ مشرقی شاعری کا خمیر شراب سے ہوا ہے۔ تصوف کے خشک مضامین، مونگ کی اُبالی کھچڑی سے بھی زیادہ ناگوار ہوتے ہیں، لیکن یہ صرف شراب کی برکت ہے کہ یہ خشک نوالے لقمۂ تر کی طرح، خوشگوار اور پُر ذائقہ ہو جاتے ہیں، اور ارباب ظاہر ان کو چبا چبا کر کھاتے ہیں، شراب و راُس کی کیفیات اور جذبات پر عام شعراء نے طبع آزمائیاں کی ہیں۔ اور چونکہ حکیم عمر خیام بھی شاعر ہے لہذا اس کی رباعیات بھی شراب کی چاشنی سے خالی نہیں ہو سکتی ہیں۔

اول ذیل کی رباعیاں پڑہو، پھر خیّام اور اُس کی شراب نوشی پر نظر ڈالو کہ وہ کس قسم کا رند شرابی ہے۔

(۴۵)

می میخورم و مخالفان از چپ و راست   گویند مخور باده که دین را اعداست

چوں دانستم که مے عدوی دین است   والله بخورم خون عدو را که رواست

(۴۶)

فصل گل و طرف جوبار و لب کشت — بایک دو سہ اہل و لعبتے حور سرشت
پیش آر قدح کہ بادہ نوشانِ صبوح — آسودہ ز مسجد اند و فارغ ز کنشت

(۴۷)

من میخورم و ہر کہ چو من اہل بود — مے خوردن من بنزد او سہل بود
مے خوردن من حق بازل می دانست — گر مے نخورم علمِ خدا جہل بود

(۴۸)

در میکدہ جز بے وضو نتواں کرد — واں نام کہ زشت شد نکو نتواں کرد
خوش باش کہ ایں پردۂ مستوری ما — بدریدہ چناں شدہ کہ رفو نتواں کرد

(۴۹)

مے گرچہ حرام ست ولی تا کہ خورد — انگاہ چہ مقدار، و دگر با کہ خورد
ہرگاہ کہ ایں سہ شرط شد راست بگو — پس مے نخورد مردم دانا کہ خورد

(۱۵) خیام صوفی مذہب ہی، موحّد ہی، رسالت کی تصدیق کرتا ہی، حشر و نشر کا قائل ہی، عذاب و ثواب کو جانتا ہی، اپنے گناہوں کا اقرار کرتا ہی۔ خدا سے معافی کا طالب ہی، اور اسکو عالم الغیب جانتا ہی، احکام قضا و قدر کا قائل ہی۔ اور یہی اُصول مذہب کے اعضاے رئیسہ ہیں اور انہی پر کفر و اسلام کا فیصلہ ہی۔

(۵۰)

بتخانہ و کعبہ خانۂ بندگیست — ناقوس زدن ترانۂ بندگیست
محراب و کلیسا و تسبیح و صلیب — حقا کہ ہمہ نشانۂ بندگیست

[illegible]

(۵۱)

گر گوہر طاعتت نہ سفتم ہرگز — گرد گنہ از چہرہ نہ رُفتم ہرگز
با این ہمہ نومید نیم از کرمت — زان روی یکے را دو نگفتم ہرگز

[illegible]

(۵۲)

ساقی قدحی کہ ہست عالم ظلمات — جز روے تو نیست در جہان آبحیات
از جان و جہان و ہر چہ در عالم ہست — مقصود توئی و بر محمد صلوات

نصیری زرسالہ

(۵۳)

از خالق کردگار و از ربّ رحیم — نومید مشو بجرم عصیان عظیم
گر مست و خراب مردہ باشی امروز — فردا بخشد بر استخوان ہاے رمیم

[illegible]

(۵۴)

من بندۂ عاصیم رضاے تو کجاست — تاریک دلم نور صفاے تو کجاست
ما را تو بہشت اگر بہ طاعت بخشی — این بیع بود لطف و عطاے تو کجاست

[illegible]

(۵۵)

اے واقف اسرار ضمیر ہمہ کس — در حالت عجز دستگیر ہمہ کس
یارب تو مرا توبہ دہ و عذر پذیر — اے توبہ دہ و عذر پذیر ہمہ کس

[illegible]

(۵۶)

یک یک ہنرم ببین و گنہ دہ دہ بخش　　ہر جرم کہ رفت حسبۃً للہ بخش
از باد و ہوا۔ آتش کیں را مفروز　　مارا بسرِ خاک رسول اللہ بخش

(۵۷)

اے دل چو حقیقت جہاں ہست مجاز　　چندیں چہ بری خواری ازیں رنج و نیاز
تن را بہ قضا سپار و با وقت بساز　　کیں رفتہ قلم ز بہر تو ناید باز

رباعیات مندرجۂ بالا کے انتخاب سے خیام کے عام خیالات اور جذبات کا ایک مختصر خاکہ ذہن نشین ہو گیا ہو گا۔ لیکن اگر تفصیل معلوم کرنا چاہتے ہو تو مجموعہ رباعیات کی سیر کرو۔ اس مجموعہ میں ہزاروں خیالات ہیں جس کے مطالعہ سے مفید نتائج حاصل ہو سکتے ہیں۔

رباعیات کی تعداد — انڈیا ہاؤس **لنڈن** نیشنل لائبریری **پیرس**، کتبخانہ مسٹر باڈلی **آکسفورڈ**، ایشیاٹک سوسائٹی **کلکتہ** اورینٹل پبلک لائبریری **بانکی پور** وغیرہ کے قدیم کتبخانوں میں جو قلمی اور مطبوعہ نسخے رباعیات کے موجود ہیں، ان میں پندرہ سے آٹھ سو ایک تک رباعیاں پائی جاتی ہیں۔ اور ہر مجموعہ کی ترتیب بھی جدا گانہ ہے۔ جنہوں نے بلحاظ ابجد ترتیب دیا ہے اُن میں سب سے پہلی رباعی یہ ہے۔ (۵۸)

آمد سحرے ندا ز میخانۂ ما　　کاے رندِ خراباتی و دیوانۂ ما
برخیز کہ پُر کنیم پیمانہ زمے　　زاں پیش کہ پُر کنند پیمانۂ ما

اکسفورڈ کا نسخہ اس رباعی سے شروع ہوا ہی۔

گرگوہر طاعتت نہ سفتم ہرگز در گرد رہت زرخ نہ رفتم ہرگز

نومید نیم زبارگاہ کرمت زیرا کہ یکے را دو نہ گفتم ہرگز

علی ہذا القیاس ہر ایک نسخہ کی ابتدا ایک نئی رباعی سے ہی۔ اور ہندوستان کے مطبوعہ نسخوں میں سات سو ستر رباعیاں تک چھپ چکی ہیں۔ اور نسخہ مطبوعہ طہران میں صرف دو سو تیس رباعیاں ہیں۔ انگریزی تراجم میں بھی مختلف حیثیتوں سے انتخاب کیا گیا ہی۔ چنانچہ پچھتر لغایت پانسو رباعیاں اسوقت تک ترجمہ ہو کر شائع ہو چکی ہیں۔ لیکن تحقیقات سے اسوقت تک عمر خیام کی رباعیات کی تعداد ایک ہزار تک پہنچ جاتی ہی۔

رباعیات کا اثر یورپ میں — ایک منجم اور فلسفی کی حیثیت سے یورپ میں خیام کی صدیوں سے شہرت ہی۔ لیکن شاعری کے لحاظ سے وہ سترہویں صدی کے ابتدا میں مشہور ہوا۔ اور پھر آہستہ آہستہ اٹھارہویں اور انیسویں صدی میں فردوسی اور حافظ سے بھی نام آوری میں بڑھ گیا۔ جس کی سب سے بڑی دلیل یہ ہی کہ خیام کے فدائیوں نے بطور دوامی یادگار کے دار السلطنۃ لندن میں "عمر خیام کلب" قائم کیا ہی۔ جس کی سالانہ روئداد ہر سال چھپتی اور شائع ہوتی ہی۔ اور چونکہ اخباری دنیا کی مخلوق ان حالات سے کم و بیش واقف ہی لہذا تفصیل کی ضرورت نہیں۔

علمی رسائل میں جہانتک ہم نے خیام کے حالات پڑھے ہیں اُنسے واضح ہوتا ہی کہ ۱۷۰۰ء سے ۱۸۴۶ء تک رباعیات کا کوئی مستقل مجموعہ یورپ میں شائع نہیں ہوا البتہ کسی تاریخ میں یا تو ضمناً تذکرہ ہی یا صرف و نحو، عروض و قافیہ، اور فارسی علم ادب کی تاریخوں میں (جو انگریزی

ہیں لکھی گئی ہیں) رباعیات کا انتخاب شائع ہوا ہی۔ لیکن وان ہمبر گپستال سرگوراوسلی اور پروفیسر کاول کی عالمانہ توجہ سے یہ مذاق روز بروز بڑہتا گیا۔ اور مسٹر اڈورڈ فیٹنز جرلڈ کی سعی بلیغ سے تمام یورپ میں خیام کا نام بلند ہوگیا۔ اس شخص کی نسبت یہ کہنا مبالغہ نہیں ہی کہ یہ محض خیام کے زندہ کرنے کے لیے پیدا ہوا تھا۔

ہمارے سابق وائسرائے نواب لارڈ کرزن بہادر، اپنے سفرنامہ ایران میں نیشاپور کے تذکرہ میں لکھتے ہیں کہ "بہت سے انگریز ناظرین نیشاپور کو صرف اس تقریب سے پہچانتے ہونگے کہ یہ ایران کے اس ہیئت داں (اسٹرانومر) اور شاعر عمر خیام کا دارالقرار ہی جسکا نام اور جس کا کلام موجودہ نسل کو فیٹنز جرلڈ کے بے نظیر ترجمے اور اس سے کمتر درجہ کے بہت سے شعراء کے مطابق اصل و تصرف آمیز تراجم کے ذریعہ سے اچھی طرح معلوم ہوگئے ہیں۔ مجھے یاد پڑتا ہی کہ اصحاب ثانی الذکر میں سے کسی ایک تصنیف کے دیباچہ میں میںنے یہ منکسرانہ درخواست لکھی ہوئی دیکھی تھی کہ "کاش! کوئی شخص میری اس کتاب کو نیشاپور لیجا کر عمر خیام کے مقبرہ پر نذر چڑہادے"۔

بحیثیت ایک مسلمان تمام علمائے یورپ کا عموماً اور مسٹر فیٹنز جرلڈ کا خصوصاً ہم بھی خاص شکریہ ادا کرتے ہیں (اگرچہ ہم کو ان کے بعض خیالات سے اتفاق نہیں ہی) کہ جو کام مسلمانوں کو کرنیکا تھا وہ ان علم دوست حضرات نے کیا۔ اور ساتھ ہی فارس کے تذکرہ نویسوں پر افسوس کرتے ہیں کہ انھوں نے اُسکو شریعت و طریقت سے خارج سمجھکر نہ تو اُسکے کلام کی قدردانی کی اور نہ اُس کی مفصل سوانح عمری لکھی۔

لہ ترجمہ سفرنامہ موسومہ خیابان فارس جلد اول صفحہ ۹۰۳ مطبوعہ مطبع شمسی حیدرآباد دکن سنہ ۱۹۰۲ء

یورپ میں رباعیات کے اشاعت کی مختصر تاریخ یہ ہے کہ ۱۸۵۸ء میں اول مرتبہ لندن کے کسی مطبع نے صرف چھہتر رباعیات کا انگریزی ترجمہ (بغیر نام مترجم) شائع کیا۔ لیکن جب عرصہ دراز تک کوئی اس جوہر گرانمایہ کا خریدار نہوا اور دو سو جلدوں میں سے ایک بھی فروخت نہوئی تب مجبور ہوکر تمام نسخے مستعمل کتابوں کے ہمراہ فروخت کے لیے رکھدیے گئے اور بجائے پانچ شلنگ (۳-۱۲-۰) اصلی قیمت کے صرف ایک پینی (۱/) قیمت قرار دی گئی۔ تب پانچ خریدار ہوئے اور چونکہ علمی دنیا کا یہ ایک خاص واقعہ ہے لہذا مورخوں نے انکے نام بھی لکھ لیے ہیں اور وہ یہ ہیں۔ مسٹر ڈنٹی۔ جبرائیل۔ راسٹ۔ سر ریچرڈ برٹن، اور سون برن۔

اس واقعہ سے ثابت ہوتا ہے کہ ہر ملک میں عام خیالات کے مخالف جب کوئی مذہبی یا علمی خیال پیش کیا جاتا ہے تو بلا تحقیقات اول اُس کی مخالفت شروع کیجاتی ہے۔ اور زمانہ دراز تک دنیا ان فوائد سے محروم رہتی ہے۔

الغرض ارکان خمسۂ مذکورہ کی توجہ اور علمی سرگرمی سے پھر تو ان رباعیات کی بڑی شہرت ہوئی۔ اور سون برن مذکور خیام کے فلسفہ کا ایک اعلیٰ رکن قرار پایا۔

۱۸۶۸ء میں جب یہ رباعیات دوبارہ شائع ہوئیں تو اُس نسخہ کو فٹز جیرلڈ نے بہ ترمیم و اضافہ خاص طور سے مرتب کرکے شائع کیا اور یہ نسخہ بحر اٹلانٹک طے کرکے امریکہ پہنچا۔ امریکن قوم نے اُسکو آنکھوں سے لگایا اور قبولیت کے ہاتوں میں لیکر ذوق وشوق سے مطالعہ کیا۔ چونکہ رباعیات کے پڑہنے والے اب بکثرت ہوگئے تھے اور لَوْمَۃَ لَائِم کا خوف باقی نہیں تھا اسوجہ سے

---

۵۱ مختصر لائف عمر خیام بزبان انگریزی مصنفہ ناگر کار مطبوعہ بمبئی ۱۹۰۱ء

انگلنڈ اور امریکہ دونوں میں رباعیات کی سیکڑوں جلدیں فروخت ہوئیں اور خیام کا فلسفہ فرمیسنری کے درجہ پر پہنچ گیا۔ اور دوستوں میں برادرانہ اخوت اور محبت کا باعث ہوا[1] ۱۸۷۲ء میں تیسری مرتبہ باضافہ جدید ایک مجموعہ ادر شائع ہوا۔ اور اسیطرح ۱۹۰۸ء میں ایک مجموعہ نکلا۔ اور اب تو خیامی فلسفہ روز بروز بڑہتا جاتا ہی۔ لندن، جرمن، فرانس، امریکہ میں خیام کی رباعی پڑہنے والے ہزاروں سے متجاوز ہیں۔

اہل[2] یورپ خیام کو مشرق کا والٹائر کہتے ہیں۔ (محققین کے نزدیک یہ کامل تشبیہ نہیں ہی) اور بعض روما کا لکریشیس فلسفی اور شاعر سمجھتے ہیں، کیونکہ جودت طبع اور اخلاق و عادات، اور حوادث زمانہ کے لحاظ سے دونوں کی زندگی یکساں ہی۔ بہرحال خیام کو جو چاہیں سمجھیں۔ اس میں شک نہیں ہی کہ خیام کا فلسفہ اپی کورس، دیوجانس کلبی، مہاتما بودہ، سے بہت ملتا جلتا ہی، اور فلاسفران یورپ بائرن، سوئن برن، شوپن ہیور، اسی سلسلہ میں داخل ہیں؛ او بقول محققین "انسائیکلوپیڈیا برطانیکا" پی سی[3] مسٹک فلسفہ بھی انھی حکما کے خیالات سے ماخوذ ہی اور وہ فی نفسہ کوئی نو ایجاد فلسفہ یا شاعرانہ خیال نہیں ہی۔

---

[1] محض انگریزی ترجمہ اور انگریزی مع اصل، دونوں قسم کے نسخجات تھیکر، ہیومن، را دہابائی تاجران کتب کلکتہ اور بمبئی کی دکانوں میں موجود ہیں۔ اور سب سے اعلی درجہ کا نسخہ امریکا نے طیار کیا ہی جس میں یہ التزام ہی کہ ہر رباعی کا مضمون بذریعہ ایک تصویر کے دکھایا گیا ہی۔ یہ امریکہ کی صناعی کا ایک اعلی نمونہ ہی۔ تخمیناً پچاس روپیہ اس کی قیمت ہی۔ اور ایک منتخب نسخہ اسی صنعت کا مطبوعہ لندن تین چار روپیہ میں آتا ہی۔

[2] انسائیکلوپیڈیا جلد نمبر ۷، صفحہ ۱۷۷۔ فائل کالج میگزین ۱۹۰۹ء بحوالہ کلکتہ ریویو۔

[3] حکما کا جو گروہ دنیا کو مصائب اور آلام سے بھرا ہوا خیال کرتا ہی وہ پی سی مسٹ کہلاتا ہی۔

تصنیفات

جس شخص کا یہ قول ہو کہ "مے خوردن و شاد بودن آئین من ست" اُس کی نسبت یہ شبہہ بھی نہیں ہو سکتا ہے کہ وہ کبھی علم و حکمت کے رازِ سربستہ حل کرتا ہوگا، یا اصطرلاب[1] و دوربین سے کام لیتا ہوگا، مگر نہیں، حکیم عمر خیّام ہمارے فائدے کے لیے کنج عزلت میں بیٹھکر عقلی مسائل حل کرتا تھا۔ اور اپنے زمانہ کا ایک نامور مصنف بھی تھا۔ تصنیفات کی مختصر فہرست یہ ہے۔

(۱) جبر و مقابلہ[2] جبر و مقابلہ کے ابتدائی اصول اگرچہ مسلمانوں نے یونانیوں سے سیکھے ہیں مگر انکو اس درجۂ کمال پر پہنچا دیا کہ خود موجد قرار پائے اور یورپ نے جبر و مقابلہ عرب سے سیکھا اور اپنی زبان میں ماخذ کو قائم رکھکر "الجبرا" نام رکھا۔

مامون الرشید عباسی کے مبارک زمانہ میں جہاں اور علوم و فنون نے حکما کی گودوں میں پرورش پائی، وہاں جبر و مقابلہ نے بھی جنم لیا تھا۔ اور سب سے پہلے ابو عبداللہ[3] محمد بن موسیٰ خوارزمی

---

[1] اصطرلاب ایک بہت ہی سادہ آلہ ہے۔ جسمیں ایک فلزی حلقہ ہے جسپر درجے کندہ ہیں اور اس دائرہ پر ایک مشیر گردش کھاتا ہے جسکے آرپار سوراخ ہے آلہ کو کندے پر لٹکا دیتے ہیں اُسوقت آلہ عمودی حالت پیدا کرتا ہے تب مشیر کو آفتاب کی طرف پھرا دیتے ہیں اور جس وقت شعاع آفتاب سوراخ سے پار ہوکے حلقہ پر پڑتی ہے اور اس درجے کو پڑھ لیتے ہیں اور اس سے آفتاب کا ارتفاع معلوم ہوجاتا ہے یہ لفظ عربی میں یونانی سے آیا ہے اور دو یونانی لفظوں سے مرکب ہے، اسٹرال (ستارہ) اور لابین (لینا) یعنی وہ آلہ جس سے ستاروں کا ارتفاع لیا جاتا ہے اور یہ لفظ عربی سے یورپ کی زبانوں میں گیا ہے۔ تمدن عرب صفحہ ۲۲۶ و ضمیمۂ تمدن عرب صفحہ ۱۰۔

[2] الجبر والمقابلہ۔ جبر اصل میں کسی نقصان کا برابر کردینا ہے۔ کسر الید ہات توڑنا جبر الید ٹوٹے ہوئے ہات کو بٹھا دینا۔ حساب میں کسی عدد کو اس غرض سے بڑہانا کہ وہ دوسرے کے برابر ہوجائے یعنی وہ عمل جو مساوات میں ہوتا ہے اور اسی لیے اس علم کا نام اَلْجَبْرُ وَالْمُقَابَلَہ ہوا ضمیمہ تمدن عرب صفحہ ۱۲۔

[3] ۲۰۶ھ میں یہ مورخ عالم فوت ہوا۔ اسکی کتاب جبر و مقابلہ انگریزی ترجمہ کیساتھ لندن میں ۱۸۳۱ء میں چھپ گئی ہے

اس فن سے واقف ہوا اور آیندہ وہی اس کی ترقی اور اشاعت کا سبب ہوا جس کو آہستہ آہستہ عربوں نے مکمل کر دیا۔

مامون الرشید کے زمانہ کو اگر ابو عبد اللہ پر فخر ہی تو عہد دولت ملک شاہ سلجوقی بھی عمر خیام پر ناز کر سکتا ہی، کیونکہ جبر و مقابلہ وہ لطیف فن ہی جو عقل انسانی کی مخترعات کا بہتر نمونہ سمجھا جاتا ہی۔ خیام کی کتاب جبر و مقابلہ مفقود سمجھی جاتی تھی، مگر علماء یورپ کو ایک قلمی نسخہ مل گیا ہی اور ۱۸۴۲ء میں کتبخانہ لیڈن (ہالینڈ) میں وہ نسخہ داخل ہوا ہی اور غالباً ۱۸۵۱ء میں اسی نسخہ کی نقل علماے فرانس نے مع ترجمہ فرنچ و اصل عربی چھاپ کر شائع کی ہی۔ جس کا کوئی خاص نام نہیں ہی۔ انسائیکلوپیڈیا میں اُس کو "اسٹنڈرورک ان الجبرا" لکھا ہی۔ خدا کا شکر ہی کہ خیام کی یہ پہلی تصنیف آج دنیا میں موجود ہی۔ البتہ علم المساحۃ والمکعبات اور اقلیدس کی شرح کا اس وقت تک پتہ نہیں ہی۔ ریاضی اور نجوم میں خیام نے بطور سلسلے کے چند کتابیں لکھی ہیں مگر ان کے صحیح نام نہیں بتائے جا سکتے ہیں۔ کتاب جبر و مقابلہ کے عِلاوہ خیام کی تصنیف میں چار رسالے اور ہیں جن کی مختصر کیفیت یہ ہی۔

(۴) **میزان الحکم**۔ یہ رسالہ اپنی نوعیت کے لحاظ سے پہلی تصنیف ہی، اس میں خیام نے وہ اُصول لکھے ہیں جن کی مدد سے مرصع اور جڑاؤ زیورات کا وزن دریافت کیا جاتا ہی اور بغیر زیور توڑنے اور جواہرات الگ کرنے کے وزن معلوم ہو جاتا ہی۔

(۵) **لوازم الامکنہ**۔ فصول ربعہ اور ہواؤں کے اختلاف کے اسباب اس رسالہ میں لکھے ہیں۔

(۶) وجود کی حقیقت پر ایک مختصر رسالہ۔

(۷) "کون اور مسالہ تکلیف پر ایک رسالہ"

(۸) "رباعیات" رباعیات خیام کی مختصر تاریخ، ہم لکھ چکے ہیں۔ ہندوستان میں خیام کی شہرت عام، محض رباعیات سے ہوئی ہی۔ لیکن افسوس ہو کہ خاص اہتمام اور صحت سے، کوئی مکمل نسخہ رباعیات کا ہنوز ہندوستان میں شائع نہیں ہوا ہی۔ کلکتہ، بمبئی، لکھنؤ، اور پنجاب کے مطبوعہ نسخے اس لائق نہیں ہیں کہ زینت کتب خانہ ہو سکیں۔ یورپ کے مطبوعہ نسخے میں سب سے بہتر نسخہ "بوڈلیس لائبریری" کا ہی۔ جس میں اصل رباعیات کا فوٹو چھاپا گیا ہی۔ اور جس نسخہ کا یہ عکس ہی وہ بمقام شیراز لکھا گیا ہی۔ خاتمہ کی یہ عبارت ہی "شیخ محمود عشرہ آخر ماہ صفر ۸۶۵ھ مقام شیراز"

حکیم عمر خیام کا متفرق کلام، فضل و کمال، امام غزالی سی مناظرہ، مذہبی علوم، علم نجوم، خانگی زندگی، اور موت

قطعہ فارسی مؤرخ اور تذکرہ نویس اس پر متفق ہیں کہ حکیم عمر خیام، اپنے زمانہ کا نہایت نامور فقیہ، محدث، مفسر، ادیب، اُصولی، لُغوی، فلسفی، اور نجومی تھا۔ لیکن آٹھ سو برس تک اُس کے نام کو جس نے زندہ رکھا وہ صرف شاعری ہی۔ اور اگرچہ خیام کی شاعری رباعیات تک محدود ہی لیکن اسلوب بیان کی جدت، قوت تخیل، طرز استدلال، زبان کی سادگی، شوخی، ظرافت، اور فلسفیانہ طرز ادا، بتا رہا ہو کہ خیام ایک اعلیٰ درجہ کا شاعر ہی۔ البتہ علاوہ رباعیات کے اور کسی قسم کا

لہ تصنیفات کا حال تاریخ الحکما، اور گنج دانش سے ماخوذ ہی۔ ۲ہ دیکھو تاریخ الحکما شہرزوری حلات خیام۔

کلام تذکروں میں درج نہیں ہے۔ صرف ایک قطعہ اور کچھ عربی اشعار ہیں وہ نذر ناظرین ہیں۔ اور عالم ناداری میں یہ بھی ایک گرانمایہ ہدیہ ہے۔

قطعہ

دوشش با عقل در سخن بودم — کشف شد بر دلم مثالے چند

گفتم اے مایۂ ہمہ دانش — دارم الحق بتو سوالے چند

چیست ایں زندگانی دنیا — گفت خوابیست یا خیالے چند

گفتم از وے چہ حاصل ست بگو — گفت درد سر و بالے چند

گفتم ایں نفس کے شود رامم — گفت چوں یافت گوشمالے چند

گفتم اہل ستم چہ طائفہ اند — گفت گرگ و سگ و شغالے چند

گفتم ایں بحث اہل دنیا چیست — گفت بیہودہ قیل و قالے چند

گفتم اہل زمانہ درچہ فن اند — گفت در بند جمع مالے چند

گفتمش چیست کدخدائی، گفت — ساعتی عیش و غصہ سالے چند

گفتم او را مثال دنیا چیست — گفت زالے کشیدہ خالے چند

گفتمش چیست گفتہ ہائے خیام — گفت پندست حسب حالے چند

یدّبر لی الدنیا بل السبعۃ العُلی — بل الافق الاعلی اذا جاش خاطری [1]

---

۵۱ نظیرۃ القدس صفحہ ۱۶۰ مطبوعہ بھوپال ۱۲۹۶ھ ۵۲ اخبار العلما باخبار الحکما علامہ قفطی اور تاریخ الحکما شہرزوری سے یہ اشعار منقول ہیں۔ یہ دوسری کتاب نایاب ہے قلمی نسخہ کتب خانہ علامہ شبلی نعمانی میں موجود ہے ترجمہ اشعار حسب ذیل ہے

۱۔ میری طبیعت جب جوش میں آتی ہے تو دنیا بلکہ ساتوں آسمان بلکہ افق اعلیٰ تک کی تدبیر کراتی ہے۔

اصوم علی الفحشاء جهرًا وخفیة	عفافًا وافطاری بتقدیس خاطری
وکم عصبة ضلت عن الحق فاهتدت	لظرق الهدی من فیضی المتقاطر
فان صراط المستقیم بصائر	نصبن علی وادی العمی کالقناطر
اذ قنعت نفسی بمیسور بلغة	یحصلها بالکد کفی وساعدی
امنت تصاریف الحوادث کلها	فکن یا زمانی موعدی او مساعدی
وهبنی اتخذت الشعر بین منازلی	وفوق مناط الفرقدین مصاعدی
متی باعدت دنیاك کان مصیبة	فواعجبا من ذا القریب المباعد
اذا کان محصول الحیاة منیة	فسیان حالا کل ساع وقاعد
رضیت دهرًا طویلًا فی التماس اخ	یرعی ودادی اذا ذو خلة خانا

۲ - پاکدامنی کی وجہ سے میں ترک معصیت کا روزہ رکھتا ہوں۔ اور پاکیزگی قلب سے افطار کرتا ہوں۔

۳ - بہت سی جماعتیں جو راہ رست سے ہٹ گئی تھیں میرے برستے ہوئے فیض سے ہدایت پا گئیں۔

۴ - "راہ راست" مثل ان نشان میل کے ہیں۔ جو وادی ضلالت میں پُل کی طرح قائم کیے گئے ہیں۔

۵ - جب میرا نفس تھوڑی روزی پر قناعت کر لیتا ہے۔ تو میری ہتیلی اور میرا بازو اُسکو کوشش سے حاصل کر لیتا ہے۔

۶ - چونکہ میں گردش زمانہ سے بے پروا ہوں۔ تو اے زمانہ خواہ مجھے دھمکا یا میری موافقت کر (مجھے اسکی کچھ پروا نہیں ہے)

۷ - میں نے مانا کہ میں گھر میں شعر کہتا ہوں۔ مگر میرا رتبہ فرقدین ستارہ سے بالاتر ہے۔

۸ - جب دُنیا تجھ سے دور ہو تو یہ ایک مصیبت ہے۔ اور یہ کس قدر عجیب ہے کہ وہ قریب بھی ہے اور دور بھی۔

۹ - جب حیات کا اخیر نتیجہ موت ہے تو پھر کوشش کرنا اور نہ کرنا دونوں برابر ہیں۔

۱۰ - میں عرصہ تک ایسے بھائی کو تلاش کرتا رہا جو دوستی کی اُسوقت رعایت کرے جب دوست خیانت کر جاتے ہیں۔

فکم الفت وکم احببت غیر اخ ۔۔۔ وکم تبدلت بالاخوان اخوانا ۱۱

وقلت للنفس لما عز مطلبها ۔۔۔ باللہ ما تالفی ما عشت انسانا ۱۲

فضل وکمال | ایشیا اور یورپ میں بوعلی سینا کا حکمت اور فلسفہ میں جو درجہ ہے وہ مسلم ہے لیکن شیخ کے ہم پلہ اور اُس کا ہمسر اگر کوئی صوبہ خراسان میں ہوا ہے تو وہ حکیم عمر خیام ہے۔ اور یہ دعوی اُن مورخوں کا ہے جو خود اپنے زمانے میں امام فن مانے جاتے تھے۔ اور امام غزالی سے خیام کا مناظرہ ہونا بھی اس کے فضل وکمال کی ایک روشن دلیل ہے۔

امام غزالی سے مناظرہ | حکیم عمر خیام جس طرح حکمت و فلسفہ میں امام تھا۔ اسی طرح مذہبی علوم کا بھی عالم تھا۔ لیکن یہ ظاہر ہے کہ ایسے روشن دماغ اور آزاد خیال علما، فقہا کی عامیانہ تقلید سے آزاد رہتے ہیں۔ اور یہ بھی ظاہر ہے کہ فلسفہ کا غلبہ مذہب کی شان میں کبھی کبھی گستاخیاں بھی کر جاتا ہے۔ یہی حال خیام کا بھی تھا۔ اور اسی بنا پر مذہبی گروہ، خیام کا مخالف تھا۔ اور خیام کے ہمعصروں میں امام غزالی، علما ملت میں سب کے سرتاج تھے۔ لہذا یاروں کے کہنے سے ایک دن، خیام کے پاس مناظرہ کے لیے تشریف لے گئے۔ اور حکیم سے پوچھا کہ جب آسمان کے

۱۱۔ اکثر یہ ہوا کہ مینے جنبی سے دوستی کی اور اجنبی کو بھائی بنایا۔ اور اکثر مینے بھائیوں کو چھوڑ کر دوسرے بھائی بنائے۔

۱۲۔ لیکن جب خاطر خواہ کوئی دوست نہ ملا تو مینے دل سے کہا کہ خدا کی قسم تیرا مطلوب نایاب ہے۔ لہذا تا زیست کسی سے دوستی ہی نکر (یعنی ایسا انسان جو قابل دوستی ہو وہ معدوم ہے)

اے امام خراسان وعلامۃ الزمان یعلم علم یونان الخ اخبار العلماء صفحہ ۱۶۲ مطبوعہ مصر ۲ے تاریخ الحکماء شہرزوری۔

تمام اجزا متشابہ اور متحد الحقیقۃ ہیں تو پھر اس کی کیا وجہ ہو کہ بعض اجزا قطبین قرار پائے" خیام
نے سوال سُنکر اپنی عادت کے مطابق (خیام کو مسائل فلسفہ بیان کرنے میں از حد بخل تھا)
یہ معمولی جواب دیا۔ کہ میں نے اس مسالہ کو نہایت تفصیل سے اپنی کتاب عرائس النفائس میں لکھا
ہو" مگر یہ جواب ایک سائل کے واسطے کافی نہ تھا لہذا خیام نے ابتدائی مراتب بیان کرکے
اس مسالہ سے ابتدا کی کہ "حرکت کس مقولہ سے ہو" اور تقریر کو اس قدر وسعت دی کہ نماز ظہر
کی اذاں ہوگئی۔ اور بحث ہنوز ناتمام تھی لیکن امام صاحب یہ کہکر کھڑے ہوگئے کہ "جاء الحق
وزھق الباطل ان الباطل کان زھوقا" افسوس ہو کہ خیام کی یہ تقریر قلمبند نہیں ہوئی
ورنہ حکمت وفلسفہ کے جوہر کھلتے۔ اور شائقین مستفید ہوتے۔

تحصیل زبان یونانی | بعض مورخوں[1] نے لکھا ہو کہ عمر خیام یونانی جانتا تھا۔ اگر یہ صحیح ہو تو ان
لوگوں کے مقابلہ میں جنھوں نے علوم یونانی بذریعہ تراجم حاصل کیے ہیں، عمر خیام کا درجہ فلسفہ
اور حکمت میں بہت بڑھ جاتا ہو۔ اور چونکہ خیام فلسفہ یونان کا درس زیادہ دیا کرتا تھا اور ہمیشہ
انہی خیالات میں ڈوبا رہتا تھا۔ لہذا یہ روایت قرین قیاس ہو کہ خیام یونانی ضرور جانتا تھا۔

تفسیر القرآن | قاضی عبد الرشید[2] بن نصر کا بیان ہو کہ ایک دفعہ مرو کے حمام میں عمر خیام
سے ملاقات ہوئی۔ میںنے سورہ معوذتین کے معنی دریافت کیے۔ اور یہ بھی پوچھا کہ بعض الفاظ
ان سورتوں میں مکرر کیوں آئے ہیں؟ خیام نے ایک بسیط تقریر میں تمام شبہات رفع کردیئے
دوران تقریر میں مفسرین کے اقوال، اُن کے دلائل وشواہد اس تفصیل سے بیان کیے کہ

---

[1] اخبار العلما صفحہ ۱۹۲۔ [2] شہر زوری۔

اگر میں اُن کو قلمبند کرتا تو ایک کتاب بنجاتی۔ حالانکہ خیام کو ان علوم کے ساتھ خاص دلچسپی نہ تھی اس سے اندازہ ہو سکتا ہی کہ جن علوم میں خیام نے تمام عمر صرف کردی۔ اُن میں کس قدر عبور ہوگا

قرأت | شہاب الاسلام، عبدالرزاق، وزیر سلطان سنجر کے دربار میں علمی صحبت تھی، فن قرأت کے امام ابوالحسن غزالی بھی موجود تھے۔ اور اختلاف القرأت پر مباحثہ ہو رہا تھا کہ خیام آگیا۔ وزیر نے خیام کو آتا ہوا دیکھکر کہا "علی الخبیر سقطنا" (واقف کار آگیا) بعد ازاں مسئلہ زیر بحث پیش ہوا۔ خیام نے ساتوں قرأتیں، شاذ روائتیں، اور اُن کے دلائل بیان کر کے ایک قرأت کو ترجیح دی۔ امام ابوالحسن فیصلہ سنکر فرمانے لگے "کہ حکما کا کیا ذکر ہی خود قاریوں میں سے کسی کو اس درجہ کی معلومات نہیں ہو سکتی ہی"

قوت حافظہ | تاریخ الحکما شہرزوری میں لکھا ہی کہ اصفہان میں کوئی کتاب خیام کو پسند آئی اور سات مرتبہ اُس کا مطالعہ کیا۔ جب نیشاپور آیا پوری کتاب باقی لکھوادی۔ جب اصل سے مقابلہ کیا گیا، تو برائے نام فرق نکلا۔

سلاطین کے دربار میں اعزاز | ملکشاہ سلجوقی نے ترمیم سنہ فارسی، اور تکمیل رصد کے بعد حکیم عمر خیام کی جو عزت افزائی کی اس کا تذکرہ ہو چکا ہی۔ علاوہ جاگیر دار ہونے کے دربار ملک شاہ میں خیام کو ندیموں کا درجہ حاصل تھا اور اس کا بیٹا سنجر بھی خیام کو اپنے برابر تخت پر بٹھاتا تھا۔ (حالانکہ ایک خاص واقعہ سے سنجر ناراض تھا) اور شمس الملوک خاقان بخارا کا بھی خیام کے ساتھ یہی برتاؤ تھا اور یہ وہ اعزاز تھا کہ جس پر خواجہ نصیر الدین طوسی جیسا علامہ رشک کیا کرتا تھا اور

۵۱ شہرزوری۔ ۵۲ شہرزوری و گنج دانش۔

ہلاکو خاں سے یہ واقعہ بیان کر کے فخریہ کہا تھا کہ[1] "فضل من صد برابر فضل عمر خیام است تا معظیم علما در روزگار نماندہ"۔

علم نجوم | یونان سے علوم و فنون کا جو سیلاب آیا اُس میں نجوم کا بھی خاص درجہ ہے حکما یونان میں سے ہر ایک مصطلح نجوم اور اس کے احکام کا قائل تھا مسلمانوں نے جہاں دیگر علوم و فنون سے فائدہ اُٹھایا وہاں نجوم کو بھی لیا۔ پھر بعض خلفا عباسیہ اور سلاطین عجم کی سرپرستی نے احکام نجوم کو آسمان تک پہنچا دیا۔ چونکہ خیام[2] بھی نجومی تھا لہٰذا ذیل کے واقعات لکھے جاتے ہیں۔

۔عروضی[3] سمرقندی لکھتا ہے کہ ۵۰۶ھ میں بلخ کے "کوچہ بردہ فروشاں" میں خواجہ مظفر اسفرازی اور خواجہ امام عمر خیام امیر ابو سعید کے مہمان تھے میں بھی حاضر خدمت تھا کہ حجۃ الحق عمر خیام نے فرمایا کہ "میری قبر ایسی جگہ بنے گی کہ جس پر سال میں دو مرتبہ درخت پھول برسائیں گے" امام کا یہ کہنا مجھے محال نظر آیا۔ مگر یقین تھا کہ خیام جیسا شخص واہی تباہی نہیں کہہ سکتا ہے چنانچہ ۵۳۰ھ میں جب مجھے نیشاپور جانے کا اتفاق ہوا تو خیام کو دنیا سے رخصت ہوئے کئی برس گزر چکے تھے اور چونکہ میں خیام کا شاگرد تھا اس لیے جمعہ کے دن ایک رہنما کے ہمراہ گورستان

---

[1] تذکرہ دولت شاہ۔ [2] وکان عدیم القرین فی علم النجوم والحکمۃ وبہ یضرب المثل تاریخ اخبار العلماء صفحہ ۱۶۳۔ [3] نجم الدین احمد بن عمر بن علی نظامی سمرقندی۔ اپنے زمانہ کا ایک نامور ادیب، شاعر، طبیب منجم تھا۔ اور چونکہ عروض میں خاص مہارت تھی لہٰذا عروضی مشہور ہوا۔ سیر و سیاحت کا بڑا شائق تھا۔ اول سلاطین غور کا مداح رہا پھر سلطان سنجر کے دربار میں حاضر ہوا۔ کتاب چہار مقالہ یادگار ہے۔ نظامی منیری سمرقندی اور نظامی اثیری نیشاپوری اس کے ہمعصر تھے نظامی گنجوی اسکے بعد ہوئے ہیں جنکا ۵۹۶ھ میں انتقال ہوا ہے۔ انتخاب از مجمع الفصحا۔

حیرہ میں فاتحہ خوانی کے لیے گیا۔ جب میں گورستان کے بائیں طرف پھرا تو کیا دیکھتا ہوں کہ دیوار کے نیچے ایک قبر ہی جسپر امرود اور زرد آلو کے پھولوں کی چادر بچھی ہوئی ہی اور سطح قبر پھولوں سے چھپ گئی ہی۔ اُسوقت مجھے یاد آیا کہ بمقام بلخ امام نے یہی فرمایا تھا۔ یہ واقعہ یاد کرکے میں رونے لگا۔ کیونکہ میری نظر میں تمام ربع مسکوں میں کوئی شخص خیام کا نظیر نہ تھا۔ خداوند تبارک وتعالےٰ اسپر اپنی رحمت نازل فرمائے (چہار مقالہ)

عروضی[۱] کہتا ہی کہ ۵۰۸ھ کے موسم سرما میں سلطان نے خواجہ بزرگ صدرالدین محمد بن المظفر۔ رئیس مرو کے پاس یہ پیام بھیجا کہ خواجہ امام عمر، میرے شکار کھیلنے کے لیے کوئی ایسا دن مقرر کریں جو برف وباراں سے محفوظ ہو۔ چنانچہ خواجہ نے خیام سے سلطان کا پیام کہدیا اور دو دن کے غور وفکر کے بعد خیام نے سلطان کو شکار پر جانے کی اجازت دی۔ گھر سے نکلکر سلطان نے تھوڑی مسافت طے کی تھی کہ آسمان پر بادل چھا گیا اور زمین پر برف بچھ گئی اور لوگ خیام کے حکم کا مضحکہ اُڑانے لگے۔ مگر سلطان نے لوٹنا پسند نہیں کیا۔ اور خیام نے عرض کیا کہ حضور مطمئن رہیں ابھی مطلع صاف ہو جائیگا۔ اور پانچ دن تک پھوار بھی نہیں پڑیگی چنانچہ ایسا ہی ہوا[۲]۔ صاحب نگارستان نے اس روایت کے بعد یہ اشعار لکھے ہیں۔

بچنیں علم جملہ محتاجند	خاصہ آنانکہ صاحب تاجند
ہست در بزم ورزم ووقت شکار	اختیارات حکم شاں در کار

---

[۱] چہار مقالہ نظامی صفحہ ۶۳ مطبوعہ اصفہان [۲] نظامی عروضی نے اپنی کتاب چہار مقالہ میں یعقوب بن اسحاق کندی ابو ریحان بیرونی، حکیم موصلی وغیرہ کے متعدد احکام نقل کیے ہیں جو نجومیوں کے بیان کے مطابق ہوے ہیں۔ لیکن مذہباً

خانگی زندگی | خاقانی کی روایت سے واضح ہوتا ہی کہ خیام نے شادی نہیں کی اور تمام عمر آزادی سے بسر کی اور اہل وعیال کے جھگڑوں سے ہمیشہ آزاد رہا چنانچہ خاقانی[۱] کہتا ہی

زین کلبہ بکلبہ تبارفت — زاں عالم بودو بازجا رفت

تک عطسہ بداد و دورو بہفت — صد یرحمک اللہش ملک گفت

آنجاش نکاح بست حورا — چل سال عزب نشست اینجا

آنکس کہ چناں عروس بیند — برحق بود از عزب نشیند

موت | حکیم[۲] عمر خیام سنہ ۴۱۰ھ (۱۰۱۹ء) میں بمقام نیشاپور پیدا ہوا تھا۔ اور سنہ ۵۱۷ھ (۱۱۲۳ء) میں راہی ملک بقا ہوا۔ اور نیشاپور کے گورستان حیرہ میں دفن ہوا۔ اس حساب سے حکیم عمر خیام ایک سو سات (۱۰۷) برس تک زندہ رہا۔ چنانچہ خود بھی ایک باعی میں اپنی صد سالہ زندگی دکھا کر خدائے غفور الرحیم سے مغفرت چاہتا ہی ۔

(۵۹)

آنم کہ پدید گشتم از قدرتِ تو — صد سالہ شدم بناز در نعمتِ تو

صد سال بہ امتحاں گنہ خواہم کرد — تا جرم من است بیش یا رحمتِ تو

خیام کی موت کا واقعہ نہایت دلچسپ ہی۔ تاریخ الحکما میں لکھا ہی کہ ایک دن بوعلی سینا کی کتاب الشفا پڑھ رہا تھا۔ جب وحدۃ وکثرۃ کی بحث آئی تو کتاب بند کر دی اور طلائی خلال جس کو ہر وقت پاس رکھتا تھا۔ اُسی ورق پر رکھکر اُٹھا۔ وضو کر کے نماز پڑھی، وصیت کی، اور شام تک

(بقیہ نوٹ صفحہ ماقبل) بقول نظامی یہ حکم قابل اعتماد نہیں ہیں کیونکہ احکام نجوم ایک خاص صنعت کا نتیجہ ہیں۔ نجومی کو لازم ہی کہ حکم لکھکر قضا و قدر کے سپرد کر دے۔" [۱] مثنوی تحفۃ العراقین مطبوعہ آگرہ [۲] چہار مقالہ نظامی۔

کچھ نہ کھایا۔ نماز عشا پڑھ کر سجدہ کیا۔ اور کہا۔ اللھم تعلم انی عرفتک علی مبلغ امکانی فاغفرلی فان معرفتی ایاک وسیلتی الیک "اے خدا! جہاں تک میرے امکان میں تھا مینے تجھ کو پہچانا۔ اسی وسیلہ سے مجھ کو بخشدے۔ اور یہی کہتے کہتے روح جسم سے نکلی اور منزل مقصود پر پہنچگئی۔

(۶۰)

خیام کہ خیمہائے حکمت میدوخت | در کورۂ غم فتاد وناگاہ بسوخت
فراش اجل طناب عمرش ببرید | دلال قضا برائگانش بفروخت

حکیم عمرخیام کی موت پر عوام وخواص نے کس قدر ماتم کیا۔ اور کن شعراء نے مرثئے لکھے اس کی کوئی تفصیل تذکروں میں نہیں ہے۔ لیکن عزیزوں سے یہ کیونکر ممکن تھا کہ ایسے حادثۂ عظیم پر اشکبار ہوکر مرثیہ نہ لکھیں۔ چنانچہ حکیم خاقانی نے [۱] (خیام کا بھتیجہ تھا) خیام کا مرثیہ لکھا جسکو بطور یادگار ہم بھی درج کرتے ہیں۔

گربقدر سوزش دل چشم من بگریستے | بردل من مرغ وماہی تن بتن بگریستے
انچہ ازمن شد گراز دست سلیماں گم شدے | بر سلیماں ہم پری ہم اہرمن بگریستے
مقتدای حکمت وصدر زمن کز بعد اُو | گرزمیں اچشم بودے ہم زمیں بگریستے
کاشکے با آدم بر جعت درمیاں باز آمدے | تا برگ ایں خلف برمرد وزن بگریستے
پیش چشمش مرغ رشتن کہ یارستے کہ اُو | گربدیدے شمع راگردن زدن بگریستے
گوہرے بوداو۔ کہ گردوں ناگہانی شکست | جوہرے کو تابریں گوہر شکن بگریستے

[۱] کلیات خاقانی۔

آتش و باد ار بد اندے کہ از گیتی کہ شد
آتش از غم خون شدے باد از حزن بگریستے

گورستان حیرہ کی موجودہ حالت جس زمانہ میں خیام گورستان حیرہ میں دفن ہوا تھا۔ اُس وقت یہ قبرستان حقیقت میں چمنستان تھا خیام کی قبر پر گلاب کے درختوں کا سایہ تھا۔ اور دونوں وقت پھولوں کی چادریں چڑہا کرتی تھیں۔ مگر آج اُس کی قبر کا پتہ لگانا بھی مشکل ہی کہ کہاں ہی اور کسطرف ہی!۔ نواب لارڈ کرزن بہادر سابق ویسرائے ہندوستان اپنے سفرنامے[۵۱] میں لکھتے ہیں کہ خیام کی قبر ایک ویران سے باغ میں ہی جس میں کبھی پھولوں کی کیاریاں اور پانی کی نہریں تھیں۔ مگر اب سوا خس و خاشاک کے اور کچھ نہیں رہا۔ نہ قبر پر کوئی کتبہ ہی جس سے شاعر کے نام یا شہرت کا پتہ چل سکے۔ اور مقام افسوس ہی کہ آج کل کے ایرانی عمر خیام کی مشت خاک کی طرف سے ویسے ہی بےپروا ہیں جیسے انیسویں صدی کے اہل لندن "میتھو پیرس[۵۲]" یا "ولیم آف ہنٹ بری[۵۳]" کی خاک کیطرف سے۔ مسلمانوں نے خیام کے ساتھ اس کے حیاۃ میں اور نیز مرنے کے بعد جو کچھ کیا۔ وہ ظاہر ہی۔ لیکن ہم یورپ و امریکہ کی علمی قدردانی کے شکر گزار ہیں کہ وہ آج بھی خیام کی پرستش کر رہے ہیں۔ اسکی رباعیات ہزاروں آدمیوں کا دین و ایمان ہی۔ گورستان[۵۴] حیرہ کے گلاب کی قلمیں لاکر باغ میں لگائی ہیں

---

۵۱ خیابان فارس ترجمہ سفرنامہ حالات نیشاپور۔ ۵۲ عہد متوسط کا مشہور مورخ ہی جو ۱۰۹۵ء میں پیدا ہوا۔ ہسٹوریا میجر اس کی مشہور تصنیف ہی۔ ۵۳ یہ مورخ ۱۱۹۵ء میں پیدا ہوا۔ فراغ تعلیم کے بعد رہبان ہو کر ماسن بری کے کلیساء میں مہتمم کتب خانہ ہو کر بیٹھ رہا۔ اس کی تاریخ انگلستان مشہور ہی جس میں ولیم فاتح سے لیکر ۱۲۴۳ء تک کے واقعات درج ہیں۔ "حاشیہ خیابان فارس" ۵۴ ممبران عمر خیام کلب لندن کی توجہ سے اب قبرستان اور قبر کی طرف توجہ کی گئی ہی اور باغ درست کر دیا گیا ہی۔ یہ باغ شاہ صفی بن شاہ محمد بن طہماسپ کی ملکیت ہی۔

اور اس کی تصویر اور منتخب رباعیات گھڑیوں کی چین میں لٹکا کر دل کو ٹھنڈا کرتے ہیں اور خیام کی روح کو خوش کرتے ہیں۔

خیام کی نجات | موت کیا شے ہے؟ حیات کس کو کہتے ہیں؟۔ یہ وہ راز ہیں جن کو کوئی حکیم آج تک حل نہیں کر سکا اور یہ دونوں عقدے لانحل ہیں۔ آیا موت کے بعد بھی کچھ معلوم ہو سکتا ہے؟ اسکی نسبت خیام کا یہ خیال ہے کہ "کچھ نہیں معلوم ہو سکتا ہے"۔

(۶۱)

دل سرّ حیات را کماہی دانست | در موت ہم اسرار الٰہی دانست
امروز کہ با خودی ندانستی ہیچ | فردا کہ ز خود روی چہ خواہی دانست

خیام تو دنیا سے یہ خیال لیے ہوئے چل بسا۔ اور اُس کی والدہ نے مرنے کے بعد خیام کو خواب میں دیکھا۔ اور پوچھا کہ جان مادر! خدا نے تیرے ساتھ کیا کیا۔ خیام نے جواب دیا کہ "مجھے خدا نے اس رباعی کے صلے میں بخشدیا"۔

(۶۲)

اے سوختہ سوختہ سوختنی | اے آتش دوزخ ز تو افروختنی
تا کے گوئی کہ بر عمر رحمت کن | حق را تو کُنی بر حمت آموختنی

بیشک خدا نے خیام کے گناہ معاف کر دیئے ہونگے۔ کیونکہ وہ غفور الرحیم ہے۔ اور خیام خدا کے سامنے اپنی طاعت اور عبادت کے حقوق لیکر نہیں گیا تھا۔ بلکہ وہ گناہوں کا اقرار کرتا ہوا گیا تھا اور اُس کا یہ قول تھا کہ "من بندۂ عاصیم رضائے تو کجاست"

خیام کے حاسد اور دشمن | حکیم عمر خیام فلسفہ یونان کا درس دیتا تھا۔ اور رباعیات میں غیر معمولی زندگی

شوخی، اور ظرافت کر جاتا تھا۔ جس کی مثال میں ذیل کی رباعی پڑہو۔

(۶۳)

ابریق مے مرا شکستی ربّا ۔ بر من درِ عیش را بہ بستی ربّا

برخاک بریختی مے لعل مرا ۔ خاکم بدہن کہ سخت مستی ربّا

ان خیالات سے فقہا، اور علمائے ملت اس کے دشمن ہوگئے اور اُنھوں نے عوام کو بہکا دیا ملک میں سخت برہمی پیدا ہوگئی۔ فقہا نے کفر کا فتویٰ دیدیا۔ اور خیام کے قتل کی تجویز پختہ ہوگئی، تب خیام وطن کو خیرباد کہکر مکہ معظمہ چلا گیا۔ کیونکہ خدا کے گھر سے بڑہ کر کوئی امن و عافیت کی جگہ نہ تھی، چنانچہ حج و زیارت سے فارغ ہوکر بغداد آیا۔ یہاں لوگوں نے درس و تدریس کے لیے مجبور کیا۔ تب پھر وطن چلا گیا، لیکن یہاں بھی چین نہ پایا۔ اور اہل وطن برابر ستاتے رہے چنانچہ رباعی نمبر (۶۳) کے متعلق بعض تذکروں میں لکھا ہی کہ جب حکیم نے یہ رباعی لکھی تو اُس کا مونھ کالا ہوگیا اور گردن کج ہوگئی جب آئینہ دیکھا تو اس ہیئت کذائی کو دیکھکر خوب رویا اور خدا سے یوں مناجات کی۔

(۶۴)

ناکردہ گناہ درجہاں کیست بگو ۔ وآنکس کہ گنہ نکرد چوں زیست بگو

من بد کنم و تو بد مکافات دہی ۔ پس فرق میانِ من و تو چیست بگو

تب خدا نے رحم فرمایا۔ مونھ اُجالا ہوگیا۔ اور گردن سیدھی ہوگئی۔ یہ روایت حقیقت میں حاسدوں کی طبع زاد ہی کسی معتبر تاریخ میں اس کا ذکر نہیں ہی۔ باقی رہی مناجات، یہ اسلامی خون کا

لہ تاریخ العلما، جمال الدین قفطی صفحہ ۱۶۳۔

جوش ہی، جو مسلمان سینہ میں دل رکھتا ہی اور دل میں ایمان، اسکا یہی قول ہوگا اور وہ خدا سے اسی طرح سے آمرزش چاہیگا۔ چونکہ شاعر باکمال ہی، لہذا عجیب و غریب انداز سے جرم کا اقرار کرکے معافی چاہتا ہی جس کی مزید مثال یہ رباعی ہی ؎

(۶۵)

بر سینۂ غم پذیرِ من رحمت کن   بر جان و دلِ اسیرِ من رحمت کن
بر پاے خرابات روِ من بخشاے   بر دستِ پیالہ گیرِ من رحمت کن

رباعی نمبر ۶۳ کو رباعی نمبر ۶۴ سے کوئی تعلق نہیں ہی۔ بلکہ محض تذکرہ نویسوں کے حاشیہ ہیں۔

الزام زندقہ | خیام پر الحاد اور زندقہ کا الزام بھی ایسا ہی ہی۔ جیسا کہ واقعہ مذکورۂ بالا۔ جو شخص امام موفق کا شاگرد ہو اور مذہبی عالم، وہ ملحد کیونکر ہو سکتا ہی؟۔ خیام کی شاعری چونکہ عام خیالات اور مذاق سے بالاتر تھی، اس وجہ سے بیدینی کے الزامات اُس پر لگائے گئے، لیکن آج دنیا میں کون زندہ ہی، آیا خیام! یا کفر کے فتوے دینے والے!؟ خیام کو ان الزامات سے نہایت صدمہ تھا، مگر مجبور تھا چنانچہ خود کہتا ہی   (۶۶)

با من تو ہر آنچہ گوئی از کیں گوئی   پیوستہ مرا ملحد و بیدیں گوئی
من خود معترم ہر آنچہ گوئی ہستم   انصاف بدہ، تُرا رسد کیں گوئی

خیام کی بادہ نوشی | خیام کی رباعیات پڑھنے سے تو یہ معلوم ہوتا ہی کہ وہ اول درجہ کا رند شرابی ہوگا۔ کیونکہ شراب، ساقی اور جام و صراحی کا وہ دلدادہ ہی اور نہایت جوش بیخودی اور بے اختیاری کے عالم میں وہ ان مضامین پر خامہ فرسائی کرتا ہی۔ لیکن جب تک ظاہری شرابخواری

کے لیے مستند تاریخی روایتیں نہ ہوں اُس وقت تک محض الفاظ کی بنا پر ہم اُس کو بادہ پرستی کا ملزم نہیں بنا سکتے ہیں۔ ہماری رائے میں حکیم عمر خیام جیسا اعلیٰ درجہ کا فلسفی شاعر تھا۔ ویسا ہی اپنے زمانہ کا ایک نامور اور پاکباز صوفی بھی تھا۔ اب ہم خیام سے رخصت ہوتے ہیں۔ خاتمہ اس دعا پر ہے ؎ حق مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھا۔

حسن صبّاح | خواجہ حسن (نظام الملک) کے ہم مکتب دوستوں میں حکیم عمر خیام کے بعد حسن صباح کا خاص درجہ ہے۔ لہٰذا حسن صباح کی ایک مختصر اور جامع سوانح عمری پیش کیجاتی ہے۔



حسن بن صباح



حکیم عمر خیّام نیشاپوری

حسن صباح، بانی دولت اسماعیلیہ مشرقیہ[1]

شہرت عام اور بقاے دوام کے دربار میں حسن صباح کی کرسی، خواجہ حسن (نظام الملک) اور حکیم عمر خیام سے مقدم ہی۔ اور عظمت وجلال میں بھی یہ اپنے دونوں ہم مکتب دوستوں سے بڑھ کر ہی جسکی واضح دلیل یہ ہی کہ خواجہ حسن کو الپ ارسلاں نے اپنے گورنری خراسان کے زمانہ سے ترقی دینا شروع کی تھی۔ اور جب مستقل حکمراں ہوا تو وزارت کی سند اور (نظام الملک) کا خطاب دیکر وزیر اعظم بنا دیا۔ اور ملک شاہ نے تو اپنی عظیم الشان سلطنت کا خواجہ کو مالک ہی بنا دیا تھا۔ خواجہ کی وزارت تاریخ میں ہرون الرشید عباسی و یحیی برمکی کے مشابہ ہے اسی طرح خواجہ نے عمر خیام کو جاگیر دیکر معاش سے مطمئن کر دیا تھا جس کی بدولت وہ علمی تحقیقات میں مصروف ہو کر "حکیم" کہلایا۔ بہر حال خواجہ نظام الملک اور حکیم عمر خیام آسمانِ شہرت کے ایسے دو سیارے ہیں جو آفتاب سلطنت کے نور سے تاباں اور درخشاں ہوے۔ ان کے مقابلے میں حسن صباح نے ناکامیوں کے بعد جو کامیابی حاصل کی، وہ محض اس کے فضل وکمال، غیر معمولی دانشمندی، خدا داد ذہانت، اور عزم بالجزم کا نتیجہ تھا۔ حسن صباح کی نسبت یہ مقولہ بالکل صحیح ہی

[1] فارس کی تاریخوں میں حسن صباح کو بانی دولت ملاحدہ قہستان لکھا ہی جس کے حدود اربع یہ ہیں
شرقی " خواف وصحرا مابین خواف وفراہ وسیستان۔ غربی " فارس کرمان کا جنگل۔
شمالی " اعمال نیشاپور وسبزدار۔ جنوبی " اعمال سجستان وبیابان کرمان
(از صور الاقالیم قلمی)

دیکھنا آپ کھڑے ہونگے ہم اپنے بل پر غیر سے چارہ نوازی کا تقاضا کیسا؟

چنانچہ حسن صبّاح اپنے ہی بل پر کھڑا ہوا۔ اور اپنی عالی ہمتی سے قلعہ الموت کی چوٹی پر قبضہ کرکے دم لیا۔ اور ایک ایسے خوفناک فرقہ کا موجد ہوا جس کے حالات پڑھ کر آج بھی دل ہل جاتے ہیں۔ یہ تم اوپر پڑھ چکے ہو کہ امام موفق نیشاپوری کی درسگاہ میں، تین نوعمر عجمی الاصل شخصوں نے ایک معاہدہ کیا تھا۔ چنانچہ ان دوستوں میں سے تیسرا یہی حسن صبّاح ہی جس کے مختصر حالات ہم لکھتے ہیں۔

حسن صباح کا نسب نامہ | حسن صباح کا سلسلہ نسب یہ ہی۔ حسن بن علی بن احمد بن جعفر بن حسن بن صبّاح الحمیری۔ خواجہ نظام الملک نے وصایا میں لکھا ہی کہ حسن کا باپ، علی، ایک عیار اور چالاک شخص تھا اور اس کی سکونت رے میں تھی۔ اس زمانے میں رے کا حاکم ابو مسلم (خسر خواجہ نظام الملک) ایک دیندار شخص تھا۔ اس لیے وہ علی سے نفرت رکھتا تھا۔ اور علی، ابو مسلم کے سامنے اپنے عقائد کی صفائی ظاہر کرتا۔ اور جھوٹی قسمیں کھا کر ابو مسلم کو باور کراتا تھا کہ میں سچے عقائد کا مسلمان ہوں امام موفق نیشاپوری اس عہد میں اہل سنت وجماعۃ کے امام تھے۔ لہٰذا علی اپنے رفض[1] کی تہمت رفع کرنے کو یہ چال چلا کہ حسن کو تعلیم کے لیے امام صاحب کے حلقۂ درس میں داخل کردیا[2] اور خود صوفیوں کی طرح گوشہ نشین ہوگیا۔ لیکن حالت یہ تھی کہ ملحدانہ، اور کفر وزندقہ کی روائتیں

[1] دبستان مذاہب کی روایت ہی کہ حسن صباح کے باپ علی کا مذہب اسمعیلیہ تھا۔ اور وہ ایک بڑا عالم شخص تھا۔ البتہ دوران تقریر میں کبھی وہ ایسی باتیں کہ جاتا تھا جو عوام کی سمجھ سے بالاتر ہوتی تھیں اور لوگ سمجھتے تھے کہ یہ معتزلہ کے اقوال ہیں۔

[2] حسن صباح سات برس کی عمر میں مکتب میں بیٹھا اور سترہ سال تک گھر میں پڑھتا رہا۔ غالباً اس کے بعد نیشاپور آیا ہی۔

بیان کیا کرتا تھا۔ اور اپنے کو عرب مشہور کیا۔ اور کہتا تھا کہ میں صبّاح حمیری کی اولاد ہوں اور میرا باپ احمدؔ یمن سے کوفہ میں اور وہاں سے قمؔ اور قمؔ سے رےؔ میں آکر سکونت پذیر ہوا لیکن اصحاب خراسان خصوصاً اہالی طوس کا قول ہو کہ علیؔ اور اس کے اجدادؔ اسی ولایت کے کسی گاؤں کے باشندے تھے۔ اور حسن صبّاح کی ولادت بھی بمقام قم ہوئی تھی۔

حسن صباح، خواجہ حسن و عمر خیام کا معاہدہ اس معاہدہ کا تذکرہ، خواجہ کے ابتدائی حالات میں ہو چکا ہی۔ اس کی نسبت دبستان مذاہب کی روایت ہو کہ حسن صبّاح سے علیؔ نے یہ پیشین گوئی کی تھی کہ "خواجہ حسن دنیاوی اعزاز میں بہت ترقی کریگا۔ اور وہ (حسن صبّاح) دین اور دنیا دونوں میں مرجع خلائق ہوگا" اس لیے حسن صباح نے طالب علمی ہی کے زمانہ میں معاہدہ کرلیا تھا۔ بہر حال یہ معاہدہ جس بنا پر ہوا ہو لیکن اس میں شک نہیں ہو کہ اس عہد کو سب نے دلی مسرت اور جوش سے قبول کیا۔ خواجہ نظام الملک نے وزیر ہوکر اس معاہدہ کو پورا کیا۔ چنانچہ فراغ تعلیم کے بعد یہ طلبہ مدرسہ سے چلے گئے اور ہر ایک اپنی قسمت آزمائی کرنے لگا۔ خواجہ حسن تو چغری بیگ سلجوقی کے دربار میں پہنچا۔ اور آہستہ آہستہ ترقی کرکے عہد الپ ارسلاں میں وزیر اعظم ہوگیا۔ اسی زمانے میں حسن صباح خواجہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ چنانچہ خواجہ کا بیان[1] ہو کہ الپ ارسلاں کے زمانے میں حسن صبّاح کو کوئی شخص خراسان میں جانتا بھی نہ تھا۔ لیکن سلطان ملک شاہ کے زمانے میں (سنہ ۴۶۵ھ مہم قاورد کے بعد) بمقام نیشاپور میرے پاس آیا۔ میں نے جہاں تک ممکن تھا حق خدمت ادا کیا۔ اور اُس کی عزت افزائی اور خاطرداری میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہ رکھا۔ اور میں اسے یہ سلوک

[1] لٹریری ہسٹری آف پرشیا پروفیسر براؤن، حالات حسن صبّاح ۳ وصایا

حسن صباح کے ساتھ روز بروز بڑھتا جاتا تھا۔" چنانچہ ایک دن مجھ سے حسن صباح نے کہا کہ خواجہ تو اصحاب تحقیق اور اہل یقین سے ہے، اور خوب جانتا ہے کہ دنیا ایک متاع قلیل ہے، ممکن ہے کہ اسکی محبت میں پھنسکر تو وعدہ خلافی کرے اور زمرۂ ینقضون عهد الله میں داخل ہو" میں نے کہا کہ "حاشا و کلا، میں نقض معاہدہ نکرونگا" تب حسن صباح نے کہا کہ "آپ کی مہربانیاں تو مجھپر بے انتہا ہیں لیکن شرط معاہدہ یہ نہیں ہے۔ خواجہ نے کہا سچ کہتے ہو، جاہ و منصب بلکہ میری تمام جائداد کے تم حصہ دار ہو۔" اس کے بعد مینے حسن صباح کو ملک شاہ کے حضور میں پیش کر دیا۔ اور معرفی کے وقت گزشتہ واقعات کا بھی تذکرہ کر دیا اور حسن صباح کی عقل و دانش اور سیرت و اخلاق کا اس قدر ذکر کیا کہ وہ سلطان کا معتمد خاص بنگیا۔ پھر اپنی چالاکی سے تھوڑے زمانے میں سلطان کے مزاج میں دخیل ہوگیا۔ اور اسقدر اعتبار پیدا کر لیا کہ سلطان مہتم بالشان کاموں میں اُس کے مشورہ پر چلتا تھا۔"

دولت شاہ سمرقندی اپنے تذکرہ میں لکھتا ہے کہ "حسن صباح کی خواہش پر اس کو خواجہ نے ہمدان اور دینور کی حکومت پر نامزد کر دیا تھا۔ لیکن حسن کا تو یہ منشا تھا کہ خواجہ اس کو اپنی وزارت میں شریک کرے تا کہ موقع پا کر وہ خود بلا شرکت غیرے وزیر اعظم ہو جائے۔ لہذا حکومت ہمدان سے انکار کر دیا، اور اس فکر میں ہوا کہ خواجہ کو سلطان کی نظروں میں ذلیل کر کے اس کو اوج حشم سے گرادے۔ چنانچہ ذیل کے دو واقعات اس کے شاہد ہیں جن کو خود خواجہ نظام الملک نے کتاب وصایا میں بیان کیا ہے۔

---

۵۷ تذکرہ دولت شاہ سمرقندی صفحہ ۴۹۔

ایک حسابی غلطی حلب میں ایک قسم کا سنگ خام پیدا ہوتا ہے۔ جس کے برتن بنائے جاتے ہیں۔ سلطان ملکشاہ نے ایک موقع پر فرمایا کہ اس پتھر کی ایک کافی مقدار اصفہان پہنچانا چاہیے بازار چھاؤنی (سوق العسکر) کا ایک شخص اس بات سے آگاہ تھا۔ جب سلطان حلب سے واپس آگیا، تو اس شخص نے دو عربوں سے جن کے پاس باربرداری کے اونٹ تھے یہ بات کہی کہ اگر تم پانسو من سنگ خام اصفہان کو پہنچا دو تو مقررہ کرایہ سے میں تم کو دوچند کرایہ دوں گا" اُنھوں نے منظور کر لیا لیکن ان دونوں کے پاس اونٹوں پر ہر ایک کا ذاتی اسباب بھی پان پانسو من تھا (اس زمانہ میں من کی مقدار بہت قلیل تھی) چنانچہ ان دونوں نے پانسو من سنگ خام کو اپنے اونٹوں پر تقسیم کر لیا۔ ان میں سے ایک کے چار اور دوسرے کے چھ اونٹ تھے۔ چنانچہ وہ شخص مع اونٹوں کے داخل اصفہان ہوا۔ جب سلطان سے اطلاع ہوئی تو وہ بہت خوش ہوا اور اُس شخص کو خلعت مرحمت کیا۔ اور اونٹ والوں کو ایک ہزار دینار انعام دیئے۔" ان لوگوں نے مجھ سے خواہش کی کہ انعام تقسیم کر دیا جائے۔ چنانچہ چھ اونٹ والے کو چھ سو اور چار والے کو چار سو دینار میں نے دیدیئے۔ حسن صباح نے سُنا تو کہا کہ "خواجہ نظام الملک نے تقسیم انعام میں غلطی کی ہے اور روپیہ کو بیجا طور پر دیدیا اور جو مستحق تھا اُس کا حق بدستور سلطان پر باقی رہا۔ چھ اونٹ والے کو آٹھ سو اور چار والے کو دو سو دینار ملنا چاہیئے تھا۔" چنانچہ جب یہ خبر سلطان تک پہنچی تو اُس نے مجھے طلب کیا۔ میں حاضر ہوا۔ حسن صباح بھی موجود تھا۔ سلطان مجھے دیکھکر ہنس پڑا۔ اور حسن صباح سے کہا کہ اب تقسیم انعام کا واقعہ بیان کرو۔ صباح نے کہا کہ " اونٹوں کا بوجھ تین مساوی حصوں پر تقسیم تھا اور اونٹ تعداد میں دس ہیں۔ لہذا

دس اور تین کا حاصل ضرب تیس ہوا۔ اب جس کے چار اونٹ ہیں اُس کے بارہ سہام اور دوسرے کے اٹھارہ سہام ہوے یعنی ہر حصہ دس کے برابر ہی، باقی رقم فاضل رہی۔ کیونکہ اس میں اُن کا ذاتی بوجہ شامل ہی۔ لہذا چھ اونٹ والے کو آٹھ سو اور چار اونٹ والے کو دوسو دینار ملنا چاہیئے تھا۔ اس حساب کو سُنکر ملک شاہ نے کہا کہ "تم نے مجمل بیان کیا ہی اسی کو تفصیل[1] سے بیان کرو"، تب حسن نے کہا کہ خداوند نعمت! کُل اونٹ دس ہیں اور کُل وزن پندرہ سو من ہی اسلیئے فی اونٹ ڈیڑہ سو من وزن ہوا، اب جس کے چار اونٹ ہیں وہ چھ سو من لایا، اس میں سے اُسکا ذاتی پانسو من اور سرکاری ایک سو من ہی۔ اسی طرح دوسرے کے چھ اونٹ ہیں وہ نوسو من لایا، جس میں سے پانسو من اُس کا ذاتی اور چار سو من سرکاری ہی۔ ہزار دینار پانسو من کا معاوضہ ہی۔ لہذا فی سو من دوسو دینار کا حصہ ہوا چنانچہ چار والے کو دوسو اور چھ والے کو آٹھ سو دینار برو حساب ملنا چاہیئے تھا۔ اور جبکہ انعام دیا گیا ہی تو اس صورت میں وزن کا لحاظ نہیں کیا جائیگا دونوں کو برابر[2] حصہ ملنا چاہیئے"۔ جب حسن صباح تقریر کر چکا تو سلطان نے اس خیال سے کہ میری دلشکنی نہو بات کو مذاق میں ڈالدیا" اور ہنسکر چپ ہو رہا۔ لیکن مینے سمجھ لیا کہ اس واقعہ کا سلطان کے دل پر کیا اثر پڑا ہی"

نوٹ (صفحہ ماقبل) حسابی قاعدہ سے اس سوال کا حل اس طرح پر ہی

۱۰×۳=۳۰ ۴×۳=۱۲ / ۶×۳=۱۸ ۱۸+۱۲=۳۰ ۳۰÷۳=۱۰ ∴ ۱۲−۱۰=۲ / ۱۸−۱۰=۸ دوسو دینار / آٹھ سو دینار } ایکہزار دینار

[1] حسابی عمل حسب ذیل ہے۔

کل بوجھ اونٹ رسدی من

۱۵۰۰ ÷ ۱۰ = ۱۵۰ ۱۵۰×۴=۶۰۰ / ۱۵۰×۶=۹۰۰ ۶۰۰−۵۰۰=۱۰۰ / ۹۰۰−۵۰۰=۴۰۰ ∴ ۱×۱۰۰۰/۵ = ۲۰۰ ∴ ۴×۲۰۰=۸۰۰ / ۱×۲۰۰=۲۰۰ دینار } کل ایکہزار دینار

[2] کتاب الوصایا نظام الملک

سلطنت کا جمع خرچ

اس واقعہ[1] سے بڑھ کر دوسرا واقعہ یہ ہی[2] کہ حسن صباح نے مصاحبوں کے ذریعہ سے سلطان کے کان تک یہ آواز پہنچائی کہ سلطان بیس برس سے حکمراں ہی اس کو اپنی سلطنت کے جمع خرچ سے بھی واقف ہونا چاہیئے۔ اس بنا پر ایک دن ملک شاہ نے مجھ سے پوچھا کہ "تم ایک ایسی مکمل رپورٹ کتنے دن میں طیار کر سکتے ہو کہ جس سے تمام سلطنت کے محاصل و مخارج کی تفصیل معلوم ہو سکے"۔ میں نے عرض کیا کہ "خداوند نعمت کی سلطنت کاشغر سے روم اور انطاکیہ تک پھیلی ہوئی ہی، اگر میں بڑی کوشش کروں تب دو سال میں مرتب کر سکتا ہوں"۔ لیکن حسن صباح نے بڑھ کر عرض کیا کہ "میں ایسی رپورٹ چالیس دن کے اندر پیش کر سکتا ہوں بشرطیکہ دفتر وزارت مع عملہ میرے سپرد کر دیا جاے"۔ چنانچہ ملک شاہ نے امتحاناً حسن صباح کی یہ درخواست منظور کر لی۔ اور حسن نے بین المیعاد جمع خرچ مرتب کر لیا۔ اور دربار میں ملک شاہ کے سامنے لا کر پیش کیا۔ لیکن جب سلطان نے سوالات کرنا شروع کیے تو حسن جواب نہ دیسکا اور حیرت زدہ[2] ہو کر رہ گیا۔ خواجہ نظام الملک نے موقع کو غنیمت سمجھکر دست بستہ عرض کیا کہ خداوند نعمت! انھیں مشکلات کے خیال سے میں نے دو سال کی مدت چاہی تھی۔ اتنی بڑی سلطنت کا جمع خرچ چالیس دن میں کیونکر مرتب ہو سکتا ہی"۔ ملک شاہ حسن صباح سے سخت ناراض ہوا اور ارادہ کیا کہ حسن صباح کو سزا دے۔ لیکن خواجہ کی سفارش سے دربار سے نکلوا دینے پر کفایت کیگئی۔ اس واقعہ[3] کو لکھکر خواجہ نظام الملک کہتا ہی کہ "حسن صباح نے حقیقت میں کمال کیا تھا کہ اتنی

---

[1] دولت شاہ سمرقندی صفحہ ۶۴ و ۶۵ مع وصایا۔ [2] دبستان مذاہب میں لکھا ہی کہ خواجہ نے حکمت عملی سے حسن صباح کے یہاں سے رپورٹ منگا کر اس کے اوراق منتشر کر دیئے تھے۔ یہی وجہ ہی کہ سلطان کے کسی سوال کا حسن صباح صحیح جواب نہ دیسکا۔
[3] تذکرہ دولت شاہ میں لکھا ہی کہ خواجہ کے رکابدار نے حسن صباح کے خادم کو ملا کر رجسٹر کے اوراق منتشر کرا دیئے تھے اسوجہ سے

قلیل مدت میں جمع خرچ مرتب کرلیا۔ مگر چونکہ حسن نے ازراہ حسد و نقض عہد یہ کارروائی کی تھی۔
لہذا خدا کے فضل و کرم سے پیشی حساب کے وقت اس کو خجالت اُٹھانا پڑی اور پھر وہ اصفہان
سے چلا گیا۔ اگر خدانخواستہ حسن صباح کو جمع خرچ کے معاملہ میں شکست نہوتی، تو پھر مشکلات کا
سامنا تھا۔

حسن صباح کی سیر سیاحت

حسن صباح کا دربار سے ذلت کیساتھ نکلوا دیا جانا ایک معمولی بات تھی
لیکن حسن کے لیے یہ دلگداز اور جانفرسا صدمہ تھا جس نے اُسکو نظام الملک اور دولت سلجوقیہ
کا دشمن بنا دیا تھا۔ خواجہ نظام الملک کے مقابلہ میں حسن صباح کو ناکامی ہوئی، لیکن محققین کے
نزدیک یہ ناکامی اُس کی آیندہ بلند اقبالی کا عنوان تھا۔ چنانچہ دربار سے نکلکر وہ اصفہان پہنچا
اور ملکشاہ و خواجہ کے خوف سے اپنے دوست رئیس ابو الفضل کے مکان میں گوشہ گیر ہو گیا۔ ابوالفضل
نے بڑے اعزاز سے مہمان رکھا۔ ایک دن بہ سبیل تذکرہ حسن صباح نے کہا کہ "اگر مجھے دو یار موافق
ملجاتے۔ تو میں اس ترک (ملکشاہ) کی سلطنت اور اس دہقانی (خواجہ نظام الملک طوسی) کی وزارت
کو تہ و بالا کر دیتا"۔ ابو الفضل نے اپنی دانشمندی سے سمجھا کہ میرا معزز مہمان دیوانہ ہو گیا ہے۔ اور محض
اس خیال سے دسترخوان پر ایسی غذائیں آنے لگیں جس سے دل و دماغ کو تقویت پہنچے۔ حسن صباح
اپنے نادان دوست کا مطلب سمجھ گیا۔ اور چپ چاپ اصفہان سے چلتا ہوا۔"[1]

اس آوارہ گردی میں اُس کی ملاقات فرقہ اسمعیلیہ کے رفیقوں سے ہوئی۔ (جو اس زمانہ
میں تمام ملک میں پھیلے ہوئے تھے) جنھوں نے اُس کو سمجھایا کہ "خلفائے فاطمیہ مصر اصلی امام

(بقیہ نوٹ صفحہ ماقبل) حسن صباح ملکشاہ کے کسی سوال کا جواب نہ دیگا۔ [1] نامہ خسروان حالات حسن صباح صفحہ ۱۰۵۔

ہیں جن کی تقلید ہر مسلمان پر فرض ہی۔ اور دنیا میں سب سے بہتر مذہب اسمعیلہ ہی" حسن انھیں خیالات میں ڈوبا ہوا تھا کہ خوش قسمتی سے اُس کی ملاقات (بمقام رے) عبدالملک بن عطاش سے ہوئی۔ جو صوبہ عراق کا داعی الکبیر تھا۔ اور جو اپنی جانب سے مذہب اسمٰعیلہ کی اشاعت کے لیے لوگوں کو واعظ (مشنری) بنا کر بھیجتا تھا۔ چنانچہ حسن بھی عبدالملک کے حلقہ اطاعت میں آگیا۔ چونکہ حسن صباح ایک ذہین اور تعلیم یافتہ شخص تھا۔ لہٰذا اُس کو اشاعت مذہب کی عبدالملک نے اجازت دیدی، اور یہ بھی ہدایت کی کہ "مصر جا کر خلیفہ المستنصر باللہ کی زیارت کرو"

حسن صباح مصر میں چنانچہ سنہ ۴۷۱ھ میں مصر پہنچا۔ خلیفہ حسن کے حالات سے اول ہی واقف کر دیا گیا تھا۔ لہٰذا خلیفہ نے حسن صباح کی بڑی خاطر کی، اور ڈیڑھ برس تک اپنا مہمان رکھا۔ یہاں حسن نے دارالحکمۃ (لاج) میں تعلیم پائی۔ اور امام کی طرف سے اجازت دی گئی کہ وہ لوگوں کو عام دعوت دے لیکن حسن ہنوز مصر میں موجود تھا کہ مستنصر نے اپنے بیٹے نزار[1] کو ولیعہدی سے خارج کر کے اپنے دوسرے بیٹے احمد المستعلی باللہ کو ولیعہد کر دیا۔ یہ انقلاب عوام اور امیر الجیوش بدر جمالی کی وجہ سے ہوا تھا حسن نزار کا طرفدار تھا کیونکہ حسن کی رائے میں امام کا حکم منسوخ نہیں ہو سکتا تھا۔ اور فریق ثانی کہتا تھا کہ دوسرا حکم اول کا ناسخ ہی لہٰذا ابوالقاسم احمد المستعلی امام برحق ہی" جب امیر الجیوش کو معلوم ہوا کہ حسن نزار کی خفیہ دعوت کر رہا ہی تب امیر نے

---

[1] کتاب دبستان مذاہب و نیین الاسلام جلد دوم صفحہ ۷۰۔ و کامل اثیر صفحہ ۱۱۔ جلد ۱۰ [2] امیر الجیوش کی سختی سے نزار اسمٰعیلہ بھاگ گیا تھا۔ اہل اسکندریہ نے اس کے ہاتھ پر بیعت کی اور المصطفےٰ لدین اللہ کا لقب دیا۔ لیکن مستنصر کے انتقال پر شاہین شاہ ملقب بہ افضل وزیر المستعلی نے نزار پر فوج کشی کی اور فتحیاب ہو کر نزار کو قتل کر دیا۔ (اور اسی زمانہ سے فرقہ اسمٰعیلہ میں اختلاف رائے ہو کر دو گروہ پیدا ہو گئے) مصر الحدیث جلد اول صفحہ ۲۰۴۔

بحکم مستنصر حسن کو قلعہ دمیاط میں قید کر دیا۔ اتفاق سے اُسی دن قلعہ کا ایک برج جو نہایت مضبوط تھا گر پڑا۔ اُس کو لوگوں نے حسن کی کرامت سمجھا۔ آخر الامر امیر نے حسن کو قلعہ سے نکال کر چند عیسائیوں کے ہمراہ ایک جہاز پر بٹھلا کر افریقہ روانہ کر دیا۔ حسن مجبور تھا اتفاق سے سمندر میں طوفان آگیا تمام مسافر بدحواس ہو گئے لیکن حسن نہایت اطمینان سے بیٹھا ہوا تھا۔ ایک مسافر نے پوچھا "آپ کس اطمینان سے بیٹھے ہیں" حسن نے جواب دیا کہ مجھے امام برحق نے اطلاع دی ہے کہ جہاز نہ ڈوبے گا" تھوڑی دیر میں طوفان جاتا رہا۔ اور سمندر کو سکون ہو گیا۔ تو سب نے حسن کے قدم چومے اور اُس کو ایک ولی اللہ تسلیم کر لیا۔ (حقیقت یہ ہے کہ اتفاقات حسنہ نے حسن صباح کو ہر جگہ کامیاب بنا دیا) جب جہاز ساحل شام پر پہنچ گیا تو حسن جہاز سے اُتر اُتر آیا۔ اور خشکی کے راستہ سے دیار بکر، جزیرۂ روم، حلب، بغداد، خوزستان ہوتا ہوا اصفہان پہنچا۔ اور ان تمام بلاد میں وہ مذہب اسمعیلیہ کی دعوت کرتا رہا۔ اور اسی مقام سے رودبار کوہستان وغیرہ میں اپنے نائب روانہ کیئے۔ چنانچہ تین سال کے اندر جب حسن کے مریدوں کی ترقی ہو گئی۔ تب ایک قصبہ میں جو قلعہ الموت کے قریب تھا جا کر ٹھہر گیا اور بکمال زہد اور پارسائی سے رہنے لگا۔ چند سال میں قصبہ کے بہت سے لوگوں نے حسن کے ہات پر بیعت کی۔ اور چونکہ قلعہ کے فوجی سپاہی بھی حسن کے مرید ہو چکے تھے لہٰذا اُنھوں نے بماہ رجب ۴۸۳ھ؁ ۱۰۹۱ء رات کیوقت حسن صباح کو قلعہ میں پہنچا دیا۔ اور اس عارضی قبضہ کے بعد حسن نے قلعہ پر مستقل[۵۲] قبضہ کر لیا جسکی

---

۵۱ دبستان مذاہب صفحہ ۳۵۹

۵۲ ایک روایت یہ ہے کہ بلا ادائے قیمت حسن نے قلعہ پر مستقل قبضہ کر لیا اور قلعہ دار کو جبری طور پر نکال دیا۔ دوسری روایت آگے درج ہے۔

صراحت حسب ذیل ہے۔ قلعہ الموت[۵۱] (بروزن جبروت)، ناحیہ رودبار[۵۲] میں شہر قزوین اور دریائے خزر کے مابین واقع ہے۔ اور یہ کل علاقہ طالقان کے نام سے مشہور ہے۔ اور قلعہ پیچیدہ گھاٹیوں کے اندر واقع ہے۔ اور اسقدر بلند ہے کہ کسی تیر انداز کا تیر اُس کی چوٹی تک نہیں پہنچ سکتا ہے نہ اسپر منجنیق نصب ہوسکتی ہے۔ اس کی وجہ تسمیہ میں یہ روایت مشہور ہے کہ سلاطین دیالمہ میں سے کسی نے شکار کے لیئے عقاب اڑایا تھا۔ چنانچہ عقاب شکار مار کے بلندی پر جا گرا۔ بادشاہ اور ہمراہی شکار کے تعاقب میں جب اس مقام تک پہنچے۔ تو اس کو ایک محفوظ جگہ سمجھکر ایک عالیشان قلعہ تعمیر کرایا۔

اور قلعہ کا نام آلہ آموت رکھا۔ (جو کثرت استعمال سے الموت ہوگیا) دیلمی زبان میں آلہ اموت[۵۳] کے معنی آشیانہ عقاب یا تعلیم العقاب کے ہیں۔ مصنف[۵۴] نگارستان لکھتا ہے کہ یہ امر بھی اتفاقات سے ہے کہ آلہ اموت کے عدد بحساب جمل چارسو تراسی ہوتے ہیں۔ جو حسن صباح کے قبضہ کا ابتدائی سال ہے۔ غرضکہ قلعہ کے اندر پہنچکر حسن صباح نے مهدی علوی قلعدار سے کہا کہ "دوسرے[۵۵] شخص کی ملکیت میں عبادت جائز نہیں ہے۔ اور یہ مقام ایسے گوشہ عافیت میں واقع ہے، کہ جس کو میں بہت پسند کرتا ہوں۔ لہذا اسقدر زمین جو ایک چرسہ کے اندر آجاے مجھے دیدو جس کی قیمت تین ہزار دینار ادا کرونگا۔" مهدی نے عقیدتمندی اور طمع نفسانی سے اسقدر آراضی کے بیع میں کچھ مضائقہ نہ سمجھا

[۵۱] گنج دانش صفحہ ۴۶ [۵۲] صوبہ رودبار میں تقریباً پچاس قلعے ہیں لیکن سب سے زبردست الموت اور میموں میں دز (نزہت القلوب حمداللہ) وکامل اثیر صفحہ ۱۱۰ جلد ۱۰ [۵۳] بعض مورخوں نے لکھا ہے کہ "آلہ اموت" ایک شکاریوں کی اصطلاح ہے جسپر شکاری جانور سدھاے جاتے ہیں۔ کامل اثیر صفحہ ۱۱۰ جلد ۲ و مرآۃ البلدان ناصری صفحہ ۹۳۔ نزہت القلوب میں لکھا ہے کہ اس جگہ عقاب اپنے بچوں کی پرورش کرتے تھے اس لیے اس کا نام آشیانہ عقاب قرار پایا [۵۴] نگارستان صفحہ ۲۳۱۔
[۵۵] دولت شاہ سمرقندی صفحہ ۶۴-۶۵۔

لہذا حسن صباح کے نام بعینامہ لکھ دیا۔ اس کے بعد حسن نے یہ کارروائی کی کہ کھال کی باریک دھجیاں کاٹکر اور ایک میں جوڑکر اتنا بڑا حلقہ بنایا کہ قلعہ الموت اُس کے اندر آگیا۔ قلعدار یہ پیمایش دیکھکر حیرت زدہ رہ گیا۔ مگر بیع کے بعد کیا کرسکتا تھا؟۔ اب حسن کے مریدوں نے مہدی کو قلعہ سے بیدخل کردیا اور زرثمن کے لیے حسن صباح نے ایک رقعہ اپنے مرید رئیس مظفر کو جو قلعہ گردکوہ کا حاکم تھا لکھ دیا۔ جس کا مضمون حسب ذیل ہے۔

رئیس مظفر حفظہ اللہ تعالیٰ۔ مبلغ سہ ہزار دینار بہاے قلعہ الموت بہ علوی مہدی رساند۔ علی النبی المصطفیٰ و آلہ السلام حسبنا و نعم الوکیل"۔ چنانچہ مہدی نے رئیس مظفر سے قیمت وصول کرلی اور قلعہ پر حسن صباح کا قبضہ ہوگیا۔ جس میں پینتیس ۳۵ برس تک خود حسن نے حکومت کی اور اس کے بعد اُس کے سات جانشین حکمراں ہوے چنانچہ ایک سو ستر ۱۷۰ برس گیارہ مہینے اٹھائیس دن صباحیوں کی مجموعی حکومت رہی۔ حسن نے اس قلعہ کا نام بلدۃ الاقبال رکھا تھا۔ اور واقعی یہ نام ہر طرح سے موزوں تھا۔ جب قلعہ الموت پر حسن صباح کا قبضہ ہوگیا تو اُس کا دوست رئیس ابو الفضل اصفہانی ملاقات کے لیے آیا۔ اُس وقت حسن نے کہا کہ " فرمایئے حضرت! میں دیوانہ تھا یا آپ ہیں۔ دیکھ لیا جب مجھے یاران موافق مل گئے تو میں نے کیا کیا"؟ ابو الفضل نے اس کا کوئی جواب نہیں دیا اور حسن کی دانشمندی کا قائل ہوگیا۔

قلعہ الموت پر فوج کشی جب حسن صباح کو بیٹھنے کے لیے الموت جیسا مستحکم اور محفوظ قلعہ مل گیا تب اُسنے بڑے استقلال اور قابلیت سے اپنے مذہبی خیالات کو پھیلانا شروع کیا۔ اگرچہ خلفاے فاطمئین مصر کا

[1] دبستان مذاہب حالات اسمٰعیلیہ۔

نائب تھا۔ لیکن حقیقت میں خلفاء کی اطاعت برائے نام تھی، اور وہ بھی مصلحتاً۔ غرضکہ حسن صبّاح نے صوبۂ رودبار اور قزوین میں خاص توجہ سے اپنا مذہب پھیلانا شروع کیا۔ اور اس صوبے کے بہت سے آدمی اپنی خوشی سے اور بہت سے جبراً داخل مذہب کیئے گئے۔ اور مذہب کی آڑ میں تمام صوبہ رودبار اور کوہستان میں حسن صباح کی حکومت بھی قائم ہوگئی۔ اور مختلف مقامات پر اپنی ضرورت کے مطابق قلعوں کی مرمت کی گئی۔ اور بعض مقامات پر نئے قلعے بنائے گئے اور قلعہ الموت کو بحیثیت مرکز و دارالحکومت خوب مستحکم کرلیا۔ اور اس کے گرد عالیشان محلات بنائے اور باغات لگائے۔ جب خواجہ نظام الملک اور ملک شاہ کو ان واقعات کی اطلاع ہوئی[۵۱] تو اول خواجہ نے حکمت عملی سے کام لینا چاہا۔ اور اُس کی یہ تدبیر کی کہ ۴۸۳ھ / ۱۰۹۰ء میں سلطان کی طرف سے ایک سفارت الموت کو روانہ کی اور حسن صباح کو سلطان کے شاہانہ جاہ و جلال سے ڈرا کر اطاعت پر آمادہ کرنا چاہا۔ حسن صباح نے شاہی سفارت کی کچھ پرواہ نہ کی اور رخصت کے وقت سفیر سے کہا کہ میری طرف سے ملکشاہ سے کہدینا کہ وہ ہمکو پریشان نکرے ورنہ مجبوراً مقابلہ کرنا[۵۲] پڑیگا۔ ملکشاہ نے جب حسن صباح کے حالات سفیر کی زبانی سنے۔ تو دو سال کے واسطے فوج کشی ملتوی کردی اور ۴۸۵ھ / ۱۰۹۲ء میں قلعہ الموت پر فوج بھیجی گئی امیر ارسلاں سپہ سالار نے قلعہ کا محاصرہ کرلیا۔ اور تاخت و تاراج سے قلعہ والوں کو بہت کچھ نقصان پہنچایا۔ اس وقت قلعہ میں حسن کے پاس صرف ستر[۵۳] آدمی تھے اور ممکن تھا کہ حسن گرفتار ہو جائے لیکن اُسی وقت قزوین سے تین سو سپاہی

---

۵۱ حسن صباح کے استیصال میں غیر معمولی وقفہ ہوا۔ اور سلطان کو ایسے عظیم الشان واقعہ کی اطلاع تک نہیں ہوئی اس کے متعلق حصہ اول صفحہ ۱۷۶ کا نوٹ ملاحظہ ہو۔ ۵۲ ناظرین اسموقع پر حصہ اول کا صفحہ ۱۷۰ ملاحظہ فرمائیں جسمیں سفارت کی تفصیل ۵۳ گنج دانش صفحہ ۱۳۱ھ دبستان مذاہب صفحہ ۳۶۲۔

مدد کے لیے آگئی جس کو ابو علی نے روانہ کیا تھا۔ اور انھوں نے امیر ارسلان کی فوج پر شبخون مارا اور بے انتہا مال غنیمت حاصل کیا جب اس ہزیمت کی سلطان کو اطلاع ہوئی۔ تو سلطان نے قزل ساروق کو ایک زبردست فوج کے ساتھ روانہ کیا۔ قلعہ کے باہر لڑائی ہوئی اور قریب تھا کہ قلعہ والے حسن کو چھوڑ کر فرار ہو جائیں۔ مریدوں کی بدحواسی دیکھکر حسن صباح نے کہا کہ "امام برحق کا ارشاد ہے کہ کوئی شخص قلعہ سے باہر نجائے کیونکہ ہماری کامیابی اور بلند اقبالی اسی قلعہ پر موقوف ہے" اور دوسری تدبیر یہ کی کہ ایک فدائی کو خواجہ نظام الملک کے قتل کا حکم دیا۔ جس نے خواجہ کا کام تمام کر دیا۔ اس واقعہ کے پینتیس دن بعد بمقام بغداد سلطان ملکشاہ کا بھی انتقال ہو گیا۔ ایک روایت یہ ہے کہ حسن صباح نے زہر خورانی کے ذریعہ سے ہلاک کیا۔) ایسی حالت میں جنگ کیونکر قائم رہ سکتی تھی۔ الموت سے فوجیں واپس آئیں۔

سلطان ملکشاہ کے انتقال پر شاہزادہ برکیارق[۲] نے اصفہان پر فوج کشی کی ترکان خاتون (بیگم ملکشاہ) نے خوف زدہ ہو کر برکیارق سے صلح کر لی۔ اور سلطنت برکیارق اور محمود میں تقسیم ہو گئی لیکن محمود کا انتقال ہو گیا اور چار برس بعد برکیارق کے دوسرے بھائی محمد نے سرکشی کی اور عراق پر قبضہ کر لیا۔ اور مسلسل لڑائیوں کے بعد ۴۹۲ھ ۱۰۹۸ء میں برکیارق اور محمد میں پھر سلطنت کے حصے ہو گئے اور اس سات برس کے زمانہ میں حسن صباح سے تعارض نہیں کیا گیا۔ چنانچہ ان خانہ جنگیوں سے حسن نے خوب فائدہ اٹھایا۔ اور قلعہ گرد کوہ، لامسر، رودبار وغیرہ پر جو مشہور قلعے

[۱] خواجہ نظام الملک کے قتل اور انتقال ملک شاہ کے حالات حصہ اول صفحہ ۱۸۶ - ۱۹۱ پڑھنا چاہیئے
[۲] تفصیل کے لیے دیکھو نوٹ مندرجہ حصہ اول صفحہ ۱۷۰۔

تھے قبضہ کرلیا۔ ان فتوحات سے حسن صباح کا اور بھی اقتدار بڑھ گیا اور اطمینان سے اشاعت مذہب کرنے لگا۔

مذہب اسمعیلیہ باطنیہ کی مختصر تاریخ | فرقہ[51] اسمعیلیہ بھی مذہب شیعہ کی ایک شاخ ہی، جو حضرت امام اسمٰعیلؑ بن حضرت امام جعفر صادق سے منسوب ہی اس فرقہ میں امامت کا سلسلہ اس طرح پر ہی کہ (اول) امیرالمومنین علیؓ بن ابی طالب متوفی سنہ ۴۰ھ۔ (دوم) امام حسنؓ متوفی سنہ ۴۹ھ۔ (سوم) امام حسین شہید کربلا سنہ ۶۱ھ۔ (چہارم) امام زین العابدین متوفی سنہ ۹۴ھ (پنجم) امام محمد باقر متوفی سنہ ۱۱۷ھ (ششم) امام جعفر صادق متوفی سنہ ۱۴۸ھ۔

امام صاحب معروف کے دو نامور صاحبزادے امام موسیٰ کاظم و امام اسمٰعیل ہوئے۔ چنانچہ یہ فرقہ امام اسمٰعیل کو ساتواں امام تسلیم کرتا ہی۔ اور امام موسیٰ کاظم جن سے ائمہ اثنا عشر کا سلسلہ پورا ہوتا ہی ان کو امام نہیں مانتا۔ جب فریق مخالف نے یہ اعتراض کیا، کہ حضرت اسمٰعیل کا انتقال امام جعفر صادق کی حیات میں ہو گیا تھا، تو انھوں نے جواب دیا کہ "امام کی حیات میں امامت کا انتقال دوسرے پر جائز ہی" اور امام محمد بن اسمٰعیل کی نسبت انکا قول ہی کہ انھوں نے ساتویں امامت کا تکملہ کیا ہی اور وہ خود مستقل امام نہیں ہیں بلکہ سابع تام ہیں[52]۔ بہر حال امام محمد بن اسمٰعیل پر اس فرقہ کے نزدیک ظاہری امامت کا خاتمہ ہو گیا۔ اور بعد ازاں ائمہ مستور کی امامت شروع ہوئی۔ یہ امام محمد مکتومؒ بن اسمٰعیل، جعفر مصدقؒ بن محمد مکتوم اور حبیبؒ بن جعفر مصدق ہیں۔ ائمہ مستور کے نقیب علانیہ دعوت کرتے تھے اور وہ خود مخفی طور پر سیر و سیاحت میں مصروف تھے۔ العرض

[51] دبستان مذاہب صفحہ ۳۴۸ [52] کتاب الملل والنحل صفحہ ۸۹-۹۰

سلسلہ باطن کے بعد پھر ظاہر اماموں کا سلسلہ شروع ہوا جن میں سب سے پہلے امام ابو محمد عبید اللہ[۵۱]
ملقب بہ مہدی ہیں۔ مہدی کا دارالسلطنت قیروان (مغرب) تھا۔ بعد ازاں جب شہر مہدیہ آباد
ہوگیا۔ تو اُس کو دارالحکومت بنایا۔ خلفائے فاطمئین مصر مہدی کی اولاد ہیں۔ مہدی نے بلاد
مغرب میں مذہب اسمٰعیلہ کی خوب اشاعت کی۔ اور اہل مغرب کو باور کرایا کہ وہ اس حدیث
نبوی[۵۲] کے مطابق یعنی علی راس ثلث مائۃ یطلع الشمس من مغربھا۔ اس عہد کا مجدد
اور امام ہی۔ ہندوستان سے لیکر مصر اور مغرب تک یہ فرقہ سمٰعیلہ کے نام سے مشہور رہا ہے
اور حقیقت میں یہی اصلی سمعیلہ ہیں۔ اس[۵۳] فرقہ نے قدیم مذہب اثنا عشری سے سب سے پہلا
اختلاف یہ کیا کہ امامت جو بارہ اماموں میں محدود تھی اس کو غیر محدود کردیا۔ اور بجائے
ائمہ کے ہر امام کے اثنا عشر نقیب تجویز کیے۔ اور اپنے یہاں امامت کا شمار سات ہی پر رکھا۔
مگر محدود نہیں کیا بلکہ یہ قید لگائی کہ امام کا دورہ سات سات پر ختم ہوتا رہیگا اور سات کی تخصیص
اس لیے کی کہ نظام عالم کا بڑا حصّہ سات میں محدود ہی۔ مثلاً آسمان سات ہیں ہفتہ کے دن
سات ہیں، مشہور ستارے (سبعہ سیارہ) سات ہیں علی ہذالقیاس دوسرا مسالہ یہ ہی کہ کوئی زمانہ

---

[۵۱] سلسلہ امامت حسب ذیل ہی (۱) عبید اللہ بن حسن بن علی بن محمد (۲) ابو القاسم محمد ملقب قائم بامر اللہ (۳) ابو طاہر اسمٰعیل
ملقب بہ منصور باللہ (۴) ابو تمیم معد ملقب بہ معز لدین اللہ (۵) ابو منصور نزار ملقب بہ عزیز باللہ (۶) ابو علی منصور
ملقب بہ حاکم بامر اللہ (۷) ابو الحسن علی ملقب بہ الظاہر لاعزاز دین اللہ۔ امام اول عبید اللہ کے نسب میں بہت اختلاف ہے
جسکی تفصیل ابن خلکان وغیرہ میں ہی مغرب میں عبید اللہ کی امامت ۲۹۶ھ میں ہوئی اور ۲۲ ربیع الاول ۳۲۲ھ میں بمقام مہدیہ انتقال کیا

[۵۲] ترجمہ۔ ۳۰۰ھ کے شروع میں آفتاب مغرب سے طلوع کریگا، لفظ آفتاب سے بعض نے عبید اللہ مہدی و بعض نے محمد بن عبید اللہ مہدی
مراد لیا ہی لیکن یہ حدیث موضوع ہی جو ملکی ضرورت سے وضع ہوئی تھی [۵۳] کتاب الملل والنحل و دبستان مذاہب حالات باطنیہ و اسمٰعیلہ۔

امام ظاہر یا مستور سے خالی نہیں رہتا ہی جب امام مستور ہوتا ہی اُس وقت ان کے نقیب دعوت کرتے ہیں۔ اور جب امام ظاہر ہوتا ہی اس وقت نقیب مخفی دعوت کرتے ہیں۔ اس مسالہ نے پولٹکل سازشوں کو جزو مذہب بنا دیا۔ عرب مورخین نے اس فرقہ کو بلحاظ تقسیم ہفت گانہ "سبعیہ" کا خطاب دیا ہی۔ اور جس زمانہ میں امام ظاہر ہوتا ہی۔ اسکا نام دور الکشف ہی۔ اور جب امام مستور ہوتا ہی اس کا نام دور الستر ہی۔ حسن صباح نے جب مذہب اسمعیلہ اختیار کیا تو اُس نے اور اُس کے داعیوں اور نقیبوں نے بلاد فارس وغیرہ میں متعدد ناموں سے شہرت پائی (جس کی تفصیل آگے درج ہی) حسن نے فلسفیانہ طریقہ سے مذہب اسمٰعیلہ میں بہت سے نئے مسائل کا اضافہ کیا۔ مسالہ وجود ذات باری میں یہاں تک شدت کی کہ خدا کو بالکل بیکار اور معطل بنا دیا۔ مثلاً خدا کو قادر کہتے ہیں تو اس لیے نہیں کہ خود اُس میں قدرت ہی۔ بلکہ وہ اس لحاظ سے قادر ہی کہ اُس نے دوسروں کو قدرت عطا کی۔ یہی حالت جملہ صفات کی ہی جو خدا کی طرف منسوب کیجاتی ہیں۔ کیونکہ اگر خدا میں صفات ہوں تو وہ مخلوق کے ساتھ مشابہ ہوجائے اور اس صورت میں تشبیہ لازم آتی ہی۔ یہ ایسا مسالہ ہی جس نے خدا کی ذات میں بھی شبہ ڈالدیا کہ آیا وہ موجود ہی یا نہیں۔ اور سب سے مہتم بالشان یہ مسالہ ہی کہ ہر حکم ظاہر کا ایک باطن ہوتا ہی اور ہر تنزیل کی ایک تاویل ہی (یعنی ظاہر بمنزلہ پوست ہی اور باطن بمنزلہ مغز) اس مسالہ نے تمام قرآن اور مجموعہ حدیث کو درہم برہم کر دیا۔ اور اسی مسالہ سے اس فرقہ کا نام باطنیہ

لہ بت پرستوں، یہودیوں، عیسائیوں، اور مسلمانوں کے عقائد سے اپنا مذہب مرتب کیا اور اس جدید ترمیم اور اضافہ سے اُس کو نئے قالب میں ڈھالدیا۔ دائرہ المعارف جلد ۳ صفحہ ۶۲۷۔

قرار پایا۔ احکام شرعی کی جس قدر تاویلیں کی ہیں۔ اس کی پوری تفصیل اس فرقہ کی کتابوں میں درج ہی۔ مثلاً ذیل کی تعریفات پر غور کرو جس سے مصطلحات فقہ کا اندازہ ہوگا۔

لفظ	معنی
نماز	امام کو یاد کرنا۔ اور نماز باجماعت، امام معصوم کی متابعت کرنا
روزہ	امام کے اسرار کی حفاظت کرنا۔ اور ایک دوسرے فقیہ کا قول ہی کہ روزہ سے یہ مطلب ہے کہ اپنے مقتدا کے افعال کو خاموشی سے دیکھتا رہے اور اگر وہ فواحش میں مبتلا ہو تو اُس کو بھی افعال حسنہ سمجھے۔
زکوٰۃ	تزکیہ نفس۔ مال کا پانچواں حصہ امام معصوم کے نذر کرنا۔
حج	امام کی زیارت کرنا۔ دوسرا فقیہ کہتا ہی کہ نوروز و مہرجان کے دن خدا کی طرف رجوع ہونا۔
طواف کعبہ	امام کے گھر کا طواف کرنا۔
غسل	تجدید عہد و پیمان۔
وضو	امام سے مذہبی تعلیم حاصل کرنا۔ اور اُس کا دوست بنجانا۔
تیمم	امام کی غیبت میں نقیب سے تعلیم حاصل کرنا۔
اذان و تکبیر	امام کی اطاعت پر لوگوں کو آمادہ کرنا
جنت	عیش پسندی۔ جسموں کا تکلیف سے چھوٹ جانا۔
دوزخ	محنت۔ جسموں کا تکلیف میں مبتلا ہونا۔

لفظ	معنی
زنا	دین کے اسرار ظاہر کرنا
احتلام	افشار راز مذہبی۔
کعبہ	پیغمبر
صفا	نبی
مروہ	وصی
باب	علی (ماخوذ از حدیث نبوی انا مدینۃ العلم و علی بابھا)
عالم ظاہر	عالم اجسام، سفلی و علوی
عالم باطن	عالم ارواح۔ نفوس۔ عقول

اسی طرح ہزاروں مسائل ہیں جن میں ہر ظاہر کی باطنی تاویل کی گئی ہے۔ مثلاً حضرت عیسےٰ کی نسبت کہتے ہیں کہ ان کے مردہ زندہ کرنے سے یہ مطلب ہے کہ وہ دلوں کو علم سے زندہ کرتے تھے۔ اسی طرح حضرت عیسیٰ کو یوسف نجار کا بیٹا کہتے ہیں۔ قیامت اور حشر و نشر کے قائل نہیں ہیں۔ مسالہ تناسخ کو صحیح مانتے ہیں۔ شراب اعتدال کے ساتھ پینا جس میں شور و شر نہ اٹھے جائز ہے۔ امام عالم باطن میں حاکم ہوتا ہے۔ اور کسی کو خدا کا علم نہیں ہو سکتا ہے جب تک امام تعلیم نہ کرے۔ نبی عالم ظاہر میں حاکم ہوتا ہے۔ اور شریعت کے ظاہری حصہ کو تنزل اور باطنی کو

۵۱ اصطلاحات مذکورۂ بالا تذکرۂ ائمہ مصنفۂ ملا باقر مرحوم اور دبستان مذاہب سے ماخوذ ہیں۔

۵۲ تذکرہ ہفت اقلیم رازی صفحہ ۱۰۰۹ مطبوعہ نول کشور پریس۔

تاویل کہتے ہیں۔

فرقہ اسمعیلیہ کی تعلیم اور تربیت کے قواعد

امام عبید اللہ مہدی نے قیام سلطنت کے بعد دارالسلطنت قیروان میں اپنے عقائد مذہب کی تعلیم کے لیے ایک خاص عمارت تعمیر کرائی تھی جس کی تکمیل الحاکم بامراللہ نے کی اور اس درسگاہ کا نام "دارالحکمۃ" رکھا جس کو زمانہ حال کی اصطلاح کے مطابق فرامشن خانہ یا لاج کہنا چاہیئے۔ چونکہ مذہب کی بنیاد رازداری پر تھی لہٰذا اس فرقہ کے تمام ارکان (ممبر) جمع ہو کر تعلیم حاصل کرتے تھے۔ ہر مذہب کا آدمی اس دارالحکمۃ میں داخل ہو سکتا تھا۔ بلحاظ مراتب تعلیم کے سات درجے تھے جنکے نام حسب ذیل ہیں۔

۱۔ داعی الدعاۃ	نائب امام، صدر انجمن، گرینڈ ماسٹر
۲۔ داعی الکبیر	افسر صوبہ
۳۔ داعی	معلم (جس کا دوسرا نام دجلیس بھی ہے)
۴۔ رفیق	
۵۔ فدائی	
۶۔ لصیق	(لاسک) مقلد ناتجربہ کار
۷۔ عوام	

درس میں امام عبید اللہ کی صرف ایک کتاب تھی جس میں مذہبی مناسبت سے سات باب تھے۔ اور ہر درجہ کے واسطے ایک باب مخصوص تھا اور اسی پر تعلیم ختم ہو جاتی تھی۔ کیونکہ مہدی کا منشائ

۵۱؎ سنین الاسلام جلد دوم۔ مقریزی جلد اول، دائرۃ المعارف جلد سوم، لٹریری ہسٹری آف پرشیا پروفیسر ای۔ جی براؤن صاحب

اس تعلیم و تربیت سے صرف اس قدر رہا کہ مشرق سے خلافت عباسیہ کا استیصال کر دیا جائے لیکن جب مصر میں خلافت فاطمیہ قائم ہوگئی تو صیغہ تعلیم میں دو درجے اور بڑھا دیئے گئے اور خاص نصاب مقرر ہوا جس کی مختصر تاریخ حسب ذیل ہے۔

قاہرہ کا ایوان الکبیر

مصر[۱] کے دار السلطنۃ قاہرہ میں ۳۶۹ھ میں خلیفۃ العزیز باللہ ابو منصور نزار بن المعز لدین اللہ معد نے وسیع پیمانہ پر ایک شاندار عمارت تعمیر کرائی اور اس کا نام "ایوان الکبیر" رکھا۔ اس محل میں عید الفطر کے دن عظیم الشان دعوت ہوتی تھی اور عید غدیر کے دن اس ایوان میں نماز و خطبہ ہوا کرتا تھا۔ اسلام میں غدیر کے جشن کا بانی معز الدولہ علی بن بویہ ہے۔ اور پہلی عید عراق میں ۳۵۲ھ میں ہوئی۔ بعد ازاں یہ ایک عام رسم قرار پاگئی۔ اس ایوان کے ایک حصہ میں فقہار مذہبی تعلیم دیتے تھے جس کا نام "مجلس الحکمۃ" تھا۔ دوشنبہ اور پنجشنبہ کو تعلیم ہوا کرتی تھی جس میں خلیفہ بھی شریک ہوا کرتا تھا۔ عورتوں کی بھی مذہبی تعلیم کا انتظام تھا۔ لیکن ان کے واسطے جامع ازہر میں انتظام کیا گیا تھا۔ لیکن خلیفہ الحاکم بامر اللہ نے ایک فرمان کے ذریعہ سے مجلس الحکمۃ کو شکست کر دیا تھا تعلیمات کا خلاصہ یہ ہے۔

مجالس الدعوۃ

دعوت اوّل	اس درجہ میں داعی (معلم) مدعو کے سامنے قران کے مسائل پر شکوک

۱؎ مقریزی جلد اول صفحہ ۳۸۸ مطبوعہ مصر ۱۲۷۰ء۔

اور شبہات پیدا کرتا ہے اور اس انداز سے تقریر کرتا ہے کہ مدعو کے دل میں اصلی رموز کے حل کرنے اور شبہات کے دور کرنے کا شوق پیدا ہو۔ مثلاً خدا نے دنیا کو سات دن میں کیوں پیدا کیا۔ کیا وہ ایک ساعت میں پیدا کرنے سے عاجز تھا؟ پھر پوچھتا ہے شیطان، ابلیس، یاجوج ماجوج، ہاروت ماروت کے کیا معنی ہیں، اور یہ کہاں رہتے ہیں۔ الم، المص، کھیعص، حمعسق سے خدا کی کیا غرض ہے۔ شجرۃ الزقوم، رؤس الشیاطین سے کیا مراد ہے۔ خدا نے آسمان و زمین کو سات طبقات میں کیوں پیدا کیا۔ مہینوں کی تعداد بارہ کیوں مقرر ہوئی "خلقت حوّاء من ضلع آدم" اس حدیث کے کیا معنی ہیں۔ "الانسان عالم صغیر والعالم انسان کبیر" فلاسفہ کے اقوال ہیں اس کی شرح بیان کرو۔ خدا نے ہات و پاؤں میں دس انگلیاں کیوں بنائیں۔ پھر ہر انگلی میں باستثنا ر انگشت تین جوڑ کیوں ہیں۔ (علی ہذہ القیاس تمام قرآن اور مجموعہ حدیث اور اقوال فلاسفہ پر اعتراض اور شکوک وارد کیے جاتے تھے)

جب داعی نے سمجھ لیا کہ مدعو کے دل میں یہ تمام سوالات جاگزیں ہو گئے ہیں اور وہ جواب کا طالب ہے۔ اُسوقت داعی کہتا ہے کہ یہ مسائل شریعت ہیں عجلت کیا ہے۔ جب عہد کرو گے تو سب حل ہو جائیں گے۔ جیسا کہ باری تعالے کا ارشاد ہے " واذ اخذنا من النبیین میثا قھم و منک و من نوح و

ابراهیم و موسیٰ و عیسیٰ ابن مریم و اخذنا منهم میثاقاً غلیظاً ۔ جب مدعو مشکک فی المذہب ہو جاتا۔ اسوقت شبہات مذکورہ بالا کا جواب اسمعیلی مذہب کے مطابق بتایا جاتا۔ اور جب اس طریقہ پر تعلیم القرآن ختم ہو جاتی تب مدعو سے پہلا حلف لیا جاتا کہ وہ اپنے داعی کی ہر بات کو بغیر کسی بحث و حجت کے تسلیم کرے۔

دعوت دوم۔ اس درجہ میں مدعو کو سمجھایا جاتا تھا کہ خدا نے اقامت مذہب اور اسکی حفاظت صرف ائمہ کی ذات سے وابستہ رکھی ہے۔ اور جب یہ اعتقاد نفس مدعو میں راسخ ہو جاتا تھا تب تیسری دعوت کی تعلیم ہوتی تھی۔

دعوت سوم۔ اس درجہ میں مذہب اسمعیلی کے خاص عقائد بتائے جاتے تھے اور سب سے پہلا عقیدہ یہ تھا کہ امام برحق سات ہیں اور یہ تعین نظام عالم کے مطابق ہے مثلاً سبعہ سیارہ، سبعہ سموات، سبع طبقات ارض وغیرہ اور ساتویں امام اسمعیل بن جعفر صاحب الزمان ہیں امام تاویل قرآن کے ماہر ہیں اور دعاۃ انکے وارث ہیں۔

دعوت چہارم۔ اس درجہ میں یہ راز بتایا جاتا تھا کہ ابتدا آفرینش عالم سے اسوقت تک سات پیغمبر صاحب شریعت ظاہر ہوئے ہیں۔ ان میں سے ہر ایک نے اپنے پہلے شارع کی شریعت کو منسوخ یا تبدیل کر دیا ہے۔ یہ صاحب وحی تھے جنکا خطاب پیغمبر ناطق (گویا) ہے۔ ان میں سے ہر ایک کے ساتھ ایک پیغمبر

صامت (خاموش) بھی تھا۔ جس کا یہ فرض تھا کہ وہ پیغمبر ناطق کی شریعت کو بغیر کسی ترمیم و اضافہ کے مستحکم کر دے۔ تفصیل پیغمبران حسب ذیل ہے۔

پیغمبرانِ ناطق	پیغمبرانِ صامت
۱۔ حضرت آدم علیہ السلام	حضرت شیث علیہ السلام
۲۔ حضرت نوح علیہ السلام	حضرت سام علیہ السلام
۳۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام	حضرت اسمعیل علیہ السلام
۴۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام	حضرت ہارون علیہ السلام
۵۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام	حضرت شمعون حواری
۶۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم	امیر المومنین علیؑ لغایتہ اسمعیل بن جعفر صادق
۷۔ صاحب الزمان محمد بن اسمعیل بن جعفر صادق۔	صاحب الزمان پر علم اولین و آخرین ختم ہو گئے ہیں لہذا کسی پیغمبر صامت کی ضرورت نہیں رہی

دعوت پنجم۔ اس درجہ میں یہ تعلیم ہوتی تھی کہ ہر صامت پیغمبر نے اشاعت دین کے لئے اپنی طرف سے بارہ بارہ نقیب یا داعی مقرر کیے تھے۔ تاکہ مذہب کی اشاعت کریں اور بارہ کی قید شہور اور بروج کی تعداد کے مطابق ہے اور اس میں خاص حکمت باری تعالیٰ کی یہ تھی کہ بنی اسرائیل کے نقیب بھی بارہ تھے۔ اور نقیب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یعنی انصار بھی بارہ تھے۔ اسی طرح ہات

ےا پیغمبران صامت کو اسمعیلیہ وصی بھی کہتے ہیں اور نقیبوں کو پیغمبران صامت سے دوسرے درجہ پر مانتے ہیں۔

کی ہر چہار انگلیوں میں بارہ جوڑ ہیں اور انگشت میں دو ہیں جس کا مطلب یہ ہے
کہ انسان کا بدن مثل زمین کے ہے اور انگلیاں مثل جزائر اربع کے ہیں۔ ایسے
ہی ریڑھ کے جوڑ بارہ ہیں۔ گردن میں سات جوڑ ہیں۔ چونکہ پشت سے گردن
کا درجہ بلند ہے لہٰذا یہ اشارہ انبیا ناطق اور ائمہ کی طرف ہے اور بارہ سے
مراد شاگرد اور داعی ہیں۔ (الغرض اس درجہ کی تعلیم کا خلاصہ یہ تھا کہ مدعو
کے دل میں داعی اور نقیب کی اس درجہ عظمت پیدا ہو جائے کہ وہ فنافی الشیخ
کے درجہ پر پہنچ جائیں۔ اور ان کے کسی حکم سے مخالفت نہ کریں)

دعوت ششم۔ اس درجہ میں نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج، جہاد کی فلسفیانہ تعلیم ہوتی تھی۔ اور ہر ظاہر مسائلے کے باطنی معنی بتائے جاتے تھے۔ افلاطون ارسطو، فیثاغورس کا فلسفہ ختم کرایا جاتا تھا۔

دعوت ہفتم۔ اس درجہ میں مسائل الٰہیات کی تعلیم ہوتی تھی مثلاً انکا یہ دعوی کہ مدبر عالم نے اول بلا واسطہ ایک موجود کو پیدا کیا۔ اور یہ استدلال حکماء کے اس مقولہ سے ہے کہ "الواحد لا یصدر عنہ الا واحد"۔

دعوت ہشتم۔ تعلیمات ماسبق کے بعد مدعو کو یہ باور کرایا جاتا تھا کہ وجود اول اور وجود ثانی میں باعتبار تقدم وہی نسبت ہے جو علت و معلول میں ہوتی ہے اور تمام کائنات کا وجود علت ثانی سے ہے۔

دعوت نہم دعوت کا یہ اخیر درجہ تھا جس میں علم الطبیعیات ما بعد الطبیعۃ اور الٰہیات کے

تمام رموز کا انکشاف کرایا جاتا تھا۔ (کتابوں[1] کے علاوہ ہر قسم کے آلات ہندسیہ بھی موجود رہتے تھے۔)

فارغ التحصیل ہونے کے بعد داعی، اپنے مدعو سے اخیر حلف لیتا ہے چونکہ یہ حلف بھی ایک نئی چیز ہے لہٰذا اصلی عبارت میں حلف نامہ درج کیا جاتا ہے[2]

عربی	ترجمہ
جعلت علی نفسک عھد اللہ ومیثاقہ و	میں تجھ سے خدا اُس کے رسولوں نبیوں، فرشتوں اور کتابوں
ذمتہ رسولہ وانبیائہ وملائکتہ وکتبہ	کا عہد پیمان لیتا ہوں اور وہ عہد اقرار ہے جس کو خدا نے خود اپنے
ورسولہ وما آخذہ علی النبیین من عقد و	نبیوں سے لیا تھا۔ تجھ کو وہ تمام باتیں مخفی رکھنا ضروری ہیں جن کو تو
عھد ومیثاق انک تستر جمیع ما تسمعہٗ و	سنے، جانے، دوسروں کو سکھائے خود پہچانے اور دوسروں کو پہچنوائے
سمعتہ وعلمتہ وتعلمہ وعرفتہ وتعرفہ من	یعنی میرا اور اُس شخص کا حال جو اس شہر میں امام برحق کی طرف
امری وامر المقیم بھذا البلد لصاحب الحق	منتظم ہوا ہے جس کے لیے معاہدہ کیا گیا ہے۔ اور میری اس خیرخواہی کو بھی
الامام الذی عرفت اقراری لہ ونصحی	تو پوشیدہ رکھیگا جو اقرار لینے والے کی ذات اور اس کے تمام بھائیوں
لمن عقد ذمتہ وامور اخوانہ واصحابہ و	ساتھیوں اولاد اور اہل خاندان (جو امور مذہبی میں تابع فرمان ہیں) سے
ولدہ واھل بیتہ المطیعین لہ علی ھذا	متعلق ہیں۔ الغرض خاندان کے تمام ارادتمندوں کے (خواہ چھوٹے ہوں یا
الدین ومخالصتہ من الذکور والاناث	بڑے مرد ہوں یا عورت) راز چھپانا ضروری ہیں۔ اور ان تمام باتوں میں سے
والصغار والکبار فلا تظھر من ذالک	تجھ کو مطلقاً کچھ نہ ظاہر کرنا چاہیئے۔ اور ایسے اشارے کنایے کے اظہار
شیئاً قلیلا ولا کثیرا ولا شیئاً یدل علیہ	کی ممانعت ہے جو باعث افشا راز ہوں۔ مگر ہاں ایسے امور بیان کیے سکتے ہو

[1] دائرۃ المعارف جلد ۳ صفحہ ۲۲، حالات اسمٰعیلیہ۔ [2] مقریزی جلد اول صفحہ ۳۹۶۔

عربی	ترجمہ
الا ما اطلقت لك ان تتكلم به واطلقه لك صاحب الامر المقيم بهذا البلد فتعمل في ذلك بامرنا ولا تشتغل به ولا تزيد عليه	جن کی خود میں نے یا اس شہر کے صاحب اختیار منتظم نے اجازت دی ہے۔ پس تجھ کو ان معلامات میں میرے حکم پر بلا کم و کاست عمل کرنا چاہیے اور اپنی طرف سے کسی قسم کی کمی و بیشی کا اختیار نہیں ہے۔

اس کے بعد بہت سے عقائد مطابق اہل سنت و جماعت کے ہیں جو مدعو سے تصدیق کرا لیے جاتے ہیں اور ایجاب و قبول کے بعد پھر اس طرح پر سلسلہ شروع ہوتا ہے۔

عربی	ترجمہ
فان فعلت شيئاً من ذلك وانت تعلم انك قد خالفته وانت على ذكر منه فانت بريء من الله خالق السموات والارض الذي سوى خلقك والف تركيبك واحسن اليك في دينك ودنياك وآخرتك وتبرأ من رسله الاولين والآخرين وملائكته المقربين الكروبين والروحانيين والكلمات التامات والسبع المثاني والقرآن العظيم وتبرأ من التوراة والانجيل والزبور والذكر الحكيم ومن كل دين ارتضاه الله في مقدم الدار الآخرة ومن كل عبد رضي الله عنه وانت خارج من حزب الله وحزب اوليائه وخذلك الله خذلاناً بيناً يعجل لك بذلك النقمة والعقوبة	پس اگر امور ممنوعہ میں سے تو نے دیدہ و دانستہ (یعنی باوجود ذاتی علم کے کہ یہ کام امام کی ہدایتوں کے خلاف ہے) انحراف کیا تو خداوند خالق آسمان و زمین جس نے تیری جسمانی صورت بنائی اور دین و دنیا و آخرت میں تجھ پر احسانات فرمائے) اور تمام انبیاء سابقین و متاخرین و ملائکہ مقربین، کروبین، روحانین، آیات کاملہ، سورہ فاتحہ، اور قرآن مجید سے بیزار ہوا۔ اور اسی طرح توراۃ انجیل زبور وغیرہ سے۔ اور اس دین متین سے جس کو خداوند کریم نے آخرت کے لیے پسند فرمایا۔ اور خدا کے ہر برگزیدہ بندے سے بیزار ہوا اور خدا اور اولیائے کرام کے گروہ سے خارج ہوا۔ اور خدا تجھ کو کھلی ہوئی ذلت نصیب کرے اور اس دنیا میں مصیبت و تکلیف پہنچائے در آتش جہنم تک پہنچائے جہاں خدا کی کوئی بھلائی نہیں ہوتی۔ اور تو نے خدا کی تائید و قوت سے علیحدہ ہو کر اپنی قوت میں پناہ لی ہے۔ تجھ پر خدا کی وہ لعنت ہو جو ابلیس کو دی گئی تھی۔ اور جس کی

عربی	ترجمہ
والمصير الى نار جهنم التي ليس لله فيها رحمة وانت	وجہ سے وہ جنت سے محروم کیا گیا اور اس کو جہنم کی ابدی سزا بھگتنی
بري من حول الله وقوته ملجأ الى حول نفسك	پڑی۔ اگر تو ان میں سے کسی بات کی مخالفت کریگا تو قیامت کے دن خدا
وقوتك وعليك لعنة الله التي لعن الله بها ابليس و	سے اس طرح ملیگا کہ وہ تجھپر غضبناک بیٹھا ہوگا اور خدا کی قسم تو یہ بھی مان
حرم عليه بها الجنة وخلده في النار ان خالفت شيئاً	لے اگر تو بیت الحرام کے تیس حج پیادہ ننگے پاؤں ادا کرے تب بھی
من ذلك ولقيت الله يوم تلقاه وهو عليك غضبان	خدا تیرے حجوں کو کبھی قبول نہ کریگا۔ مگر ہاں اس وقت جب کہ
ولله عليك ان تحج الى بيت الحرام ثلاثين حجة حجا	ایفاے عہد کرے۔ جس وقت تو ان باتوں میں کسی بات کی مخالفت
واجبا ماشيا حافيا لا يقبل الله منك الا الوفاء	کریگا تو اسوقت جس قدر مال تیرے پاس ہی وہ تمام اُن فقرا و مساکین
بذلك وكل ما تملك في الوقت الذي تخالفه فيه	کے لیے خیرات ہنجائیگا جن کے اور تیرے درمیان کسی قسم کی کوئی قرابت
فهو صدقة على الفقراء والمساكين الذين لا رحم	نہیں ہی۔ اور اس خیرات کا خدا کے نزدیک کچھ اجر بھی نہیں ہی اور نہ تجھے
بينك وبينهم لا يأجرك عليه ولا يدخل عليك	کسی قسم کا نفع ہوگا۔ اور تیرے مِلک میں اب جس قدر غلام اور لونڈیاں ہوں
بذلك منفعة وكل مملوك لك من ذكر وانثى في	یا اپنی موت تک حاصل کرے اگر تو عہد شکنی کریگا تو وہ سب خدا کی راہ میں
ملك او تستفيده الى وقت وفاتك ان خالفت	آزاد سمجھی جائیں گی۔ اور تیری جس قدر بیبیاں ہوں یا موت کے وقت تک
شيئا من ذلك فهم احرار لوجه الله عز وجل وكل امرأة	نکاح میں آویں وہ سب تین طلاق بائنہ مغلظہ سے مطلقہ ہوجائیں گی
لك او تتزوجها الى وقت وفاتك ان خالفت شيئا	جن میں نہ رجعت کی اجازت نہ کسی قسم کی جزا۔ نہ تیری مرضی کو کوئی دخل
من ذلك فهن طوالق ثلاثا بائنة طلاق الحرج لا مثنوية	ہوگا۔ اور جسقدر تیرے پاس مال و اسباب وغیرہ ہوگا وہ سب تجھپر حرام ہوگا
لك ولا خيار ولا رجعة ولا مشيئة وكل ما كان	اور جو ظہار (فقہ کا مشہور مسألہ ہی) ہونگے وہ سب لازم ہنجائینگے میں تیرے
لك من اهل ومال وغيرهما فهو عليك حرام وكل	امام اور تیری حجت کی طرف سے حلف دینے والا ہوں اور تو ان دونوں
ظهار فهو لازم لك وانا المستحلف لك لامامك و	(ایک خود اور دوسرا امام) کے لیے حلف لینے والا ہی۔ اگر تو اس حلف

عربی	ترجمہ
جحدت وانت الحالف لهما وان نويت او عقدت	اور معاہدہ کے خلاف کچھ اور نیت رکھتا ہی یا کچھ چھپا رکھا ہی تو یہ قسم اول
او اضمرت خلاف ما احلت عليه وحلفت به فهذه	سے آخر تک تجھ پر لازم اور تیرے لیے ایک قسم کی تجدید و تائید ہوگی۔
اليمين من اولها الى آخرها مجددة عليك لا ن	اور خدا تیری کسی دربات کو قبول نفرمائیگا، مگر اس عہد کا ایفا۔ اور جو
الله لا يقبل الله منك الا لوفاء بها والقيام	معاہدہ میرے اور تیرے درمیان ہو رہا ہی۔ اسپر قیام و استقلال۔
عاهد بيني وبينك. قل نعم فيقول نعم	اب تو "ہاں" کہہ۔ تب وہ (مرید) "ہاں" کہتا ہی۔

حسن صباح اور مذہب اسمٰعیلیہ | قاہرہ میں جو تعلیم ہوتی تھی۔ وہ تم اوپر پڑھ چکے ہو لیکن حسن صباح نے بحیثیت نائب امام اور داعی الدعاۃ، تعلیمات مذکورۂ بالا میں بہت کچھ تغیر و تبدل کر دیا تھا۔ اور بجائے ۹ کے صرف ۷ ہی درجے قائم رکھے جس کی صراحت حسب ذیل ہی۔

۱	داعی الدعاۃ	فضیلت اور تعلیم کا یہ اخیر درجہ تھا۔ داعی الدعاۃ خلفائے فاطمین مصر کا مذہبی نائب ہوتا تھا۔ علامہ مقریزی نے لکھا ہی کہ داعی الدعاۃ کا درجہ قاضی القضاۃ کے برابر تھا۔ اور اسی شان کا لباس بھی ہوتا تھا (فقہا، اور قضاۃ کا لباس مخصوص تھا) اس منصب کے واسطے تمام مذاہب کا عالم ہونا لازمی تھا۔ داعی الدعاۃ کی ماتحتی میں بارہ نقیب ہوتے تھے اور پھر نقیبوں کے ماتحت جداگانہ داعی ہوتے تھے ہر داعی کا ایک مکان خاص ہوتا تھا۔ جس کا نام دار العلم تھا اور انکی تنخواہ بیش قرار ہوتی تھی۔
۲	داعی الکبیر۔	داعی الدعاۃ کی طرف سے جو کسی صوبے کے افسر ہوتے تھے وہ داعی الکبیر

		کہلاتے تھے۔
۳	داعی	یہ وہ لوگ ہوتے تھے جو واعظوں (مشنریوں) کی طرح تمام بلادِ اسلام میں پھیلے ہوئے تھے اور خفیہ طریقے سے اشاعت مذہب کرتے تھے۔ مذہب باطنیہ کی ترقی کا مدار انہی کی کوشش پر موقوف تھا۔ حسن صباح نے دعاۃ کے واسطے جو قانون بنایا تھا اُس کا خلاصہ یہ ہے[1]۔ ۱۔ الزرق۔ اول مدعو کا حال دریافت کرنا کہ اس میں صلاحیت قبول مذہب کی ہے یا نہیں۔ اس کے خلاف عمل نہیں ہوتا تھا۔ ۲۔ التانیس۔ مدعو کی تالیف قلوب اور رجحان طبعی کے خلاف تعلیم دینا۔ ۳۔ التدلیس۔ اکابر دین کی موافقت کرنا تاکہ مدعو کی خواہشات ترقی پذیر ہوں۔ ۴۔ التاسیس۔ تمہید مقدمات جسکو مدعو تسلیم کرلے۔ ۵۔ الخلع۔ اسقاط اعمال بدنیہ۔ ۶۔ التاویل۔ مذہب کے ہر حکم کی تاویل کرنا اور یہی داعی کی اصلی تعلیم تھی۔
۴	رفیق	یہ وہ لوگ تھے جو فضل وکمال میں مجتہدانہ درجہ رکھتے تھے اور قلعہ میں حسن صباح کے پاس بطور مصاحب و ندیم رہا کرتے تھے۔ یہ لوگ انتہا درجہ کے معتمد علیہ ہوتے تھے۔
۵	فدائی	یہ وہ لوگ تھے جو آنکھ بند کرکے بلا عذر و حجت ہر حکم کی تعمیل کرتے تھے۔ یہی فدائی داعی الدعاۃ کے اصلی ہتھیار اور فوج کے جانباز سپاہی تھے جو فتوحات ملکی کا

۱؎ دائرۃ المعارف جلد ۳ صفحہ ۶۲۷۔

باعث ہوئے۔ انھیں کی چھریوں سے محلات کے اندر اور شارع عام پر بڑے
مقتدر اور جلیل الشان سلطان، ائمہ، علما، حکما، اور مشائخ قتل ہوتے تھے۔
ان[1] فدائیوں کے ہات سے جمعہ کے دن، جس طرح مسلمان علما شہید ہوتے
تھے۔ ویسے ہی اتوار کے دن گرجا میں مسیحی درویش (راہب) سلاطین اور
امرا بھی قتل ہوتے تھے۔ مذہبی تعلیم سے پہلے فدائیوں کو سپہگری کی تعلیم
دیجاتی تھی۔ اسلحہ کا طریق استعمال ان کو بتایا جاتا تھا۔ مصیبت برداشت کرنے
کے وہ عادی کیے جاتے تھے۔ بھیس بدلنے کا فن اچھی طرح جانتے تھے[2]۔ کیونکہ
ہر موقع کے لحاظ سے اُن کو خاص روپ بھرنا پڑتا تھا۔ فدائیوں کی تعلیم پر خاص
توجہ کی جاتی تھی۔ اور اُن کے ذہن میں داعی یہ بات نقش کر دیتا تھا کہ داعی
الدعاۃ[3] تمام دنیا کا مالک ہے اور اس عالم میں وہ بڑا قادر اور متصرف ہی۔ جہاں جو
چاہتا ہی کرسکتا ہی۔ اس کے حکم کی تعمیل، گویا خدا کے حکم کی تعمیل ہی۔ اور جو فدائی
کسی فرض منصبی کے ادا کرنے میں مارا جائیگا وہ درجہ شہادت پاکر داخل جنت ہوگا۔
صاحب[4] نزہت القلوب[5] نے فدائیوں کی شقاوت قلبی اور خونخواری کی نسبت لکھا
ہی کہ ان کو بلی (گربہ) کا گوشت کھلایا جاتا تھا۔ بلی غضب کے وقت اپنے آپے میں

لہ قتل کی علت اکثر وہ مزاحمت ہوتی تھی جو سلطنت اور علمائے ملت کی جانب سے کیجاتی تھی۔ اور کبھی فراہمی روپیہ کے لیے امرا قتل ہوتے تھے اس کے علاوہ اور بھی اسباب تھے۔ ٢ دائرۃ المعارف جلد۔ صفحہ ۶۲۔
٣ لٹریری ہسٹری آف پرشیا تذکرہ حسن صباح ٤ دبستان مذاہب ٥ صفحہ ۳۲۳ خواص گربہ

نہیں رہتی ہی۔ چنانچہ گوشت خواری کی تاثیر سے یہی حال فدائیوں کا تھا۔ کہ حکم پانے پر پھر وہ اُس شخص کو ہرگز زندہ نہ چھوڑتے تھے جس کے قتل کا حکم دیا جاتا تھا	
یہ دونوں ابتدائی درجے تھے جن کی تعلیم کا حال کسی مورخ نے نہیں لکھا ہی۔	۶۔ لصیق اور ۷ عوام

حسن صباح کا عام لقب

مذہبی عظمت کی بنا پر کوئی مرید حسن صباح کا نام نہیں لیتا تھا۔ بلکہ قلعہ الموت کے قبضہ کے سبب سے عموماً وہ "شیخ الجبل" کہلاتا تھا۔ اور اس کے ندیم ورفیق "سیدنا" کے لفظ سے خطاب کرتے تھے۔ اور خود حسن صباح نے اپنی منکسر المزاجی سے کوئی لقب اختیار نہیں کیا۔ ورنہ حکومت اور مذہب کے اعتبار سے وہ سلطان و امیر ہو سکتا تھا۔

حشیش کا استعمال اور جنت کی سیر

دنیا میں ہر مذہب کا آدمی، اپنے مرشد اور شیخ کا دل سے ادب کرتا ہی اور اس کے ہر حکم کو واجب العمل سمجھ کر سر اطاعت جھکا دیتا ہی۔ اور آئین طریقت کا یہی سب سے پہلا زریں اصول ہی۔ خواجہ حافظ فرماتے ہیں۔

بہ مَی سجادہ رنگیں کن گرت پیر مغاں گوید ۔۔۔ کہ سالک بیخبر نہ بود ز راہ و رسم منزلہا

اس کے علاوہ مرشد کے تقدس و وقار اور ظاہری شان وشکوہ کا بھی مرید کے دل پر اثر پڑتا ہی۔ مگر شیخ کے یہ احکام مذہبی و اخلاقی ہوتے ہیں لیکن حسن صباح، ایک ایسا شیخ ہی کہ اس کی خانقاہ سے مریدوں کو بجز قتل و خونریزی کے کوئی دوسرا حکم نہیں ملتا ہی۔ یہ تسلیم کر لینا چاہیے کہ معلم (داعی) فدائیوں کو ضرور باور کرا دیتا ہوگا کہ شیخ الجبل کا ہر حکم آیت و حدیث کا درجہ رکھتا ہی لیکن محض تلقین و تعلیم سے ہر مرید جان دینے پر طیار ہو جائے، اس کو عقل سلیم تسلیم نہیں کرتی ہے

کیونکہ کسی کی جان لینا، اور اپنی جان دینا اہمیت میں دونوں برابر ہیں لہذا یقین ہوتا ہے کہ حسن صباح
کوئی ایسی غیر معمولی کارروائی کرتا تھا جس کی وجہ سے فدائی جاں نثاری پر طیار ہو جاتے تھے۔
جہانتک ہماری نظر سے مشرقی تاریخیں گزری ہیں ان میں سے کسی مورخ نے اس مسئلہ کو حل نہیں
کیا ہے لیکن یورپ کے مشہور شہر وینس کا نامور سیاح مارکوپولو، اس طلسم کی پردہ کشائی کرتا
ہے اور سب سے اول، اسی کی روایت کے مطابق حسن صباح کی جنت کا حال لوگوں کو معلوم ہوا
ہے چنانچہ وہ لکھتا ہے۔

مارکوپولو کی روایت | ۵۱ ۱۲۷۲ء میں جب میں ارمینیہ اور عراق عرب کا سفر کرتا ہوا اس شہر میں پہنچا
جہاں قدیم زمانہ میں ایک ملحد رہا کرتا تھا۔ اس لیے اس جگہہ کا نام مسکن ملاحدہ پڑگیا (قلعہ الموت
مراد ہے) یہ ملک دو پہاڑوں کے درمیان واقع تھا لہذا وہ مقام بلد الجبل اور وہاں کا حاکم شیخ الجبل
کہلاتا تھا۔ اس کا نام علاؤالدین تھا۔ اور وہ مذہب اسلام کا پیرو تھا۔ اس کا قول تھا کہ محمد (صلی اللہ
علیہ وسلم) نے مجھے ایک بہشت دینے کا وعدہ کیا تھا چنانچہ وہ بہشت مجھے مل گئی ہے۔ اور اس نواح
کے مسلمان اس مکان کو بہشت ہی سمجھا کرتے تھے۔ اس نے دو گھاٹیوں کے بیچ میں ایک خوبصورت
باغ بنوایا تھا جس میں مختلف قسم کے میوہ دار درخت اور پھول موجود تھے۔ اور نلوں کے ذریعہ سے
مکانات میں پانی، دودھ، شراب، اور شہد جاتا تھا۔ اس باغ میں ہر وقت خوبصورت اور جوان،
نازنین عورتیں موجود رہتی تھیں۔ جو ہر قسم کے باجے بجا کر ناچتی گاتی تھیں۔ اور دلفریبی میں اپنا
نظیر نہ رکھتی تھیں اس باغ میں صرف وہ لوگ آتے تھے۔ جو حشیش (بھنگ) پینے پر راضی ہوتے تھے

---

۵۱ ترجمہ سفرنامہ مارکوپولو مطبوعہ پنجاب ریلیجس بک سوسائٹی لاہور۔

اور باغ میں جانے کا صرف ایک راستہ تھا۔ اور قلعہ ایسا زبردست تھا کہ ساری دنیا اسے فتح نہیں کر سکتی تھی۔ علاؤالدین کے دربار میں بارہ سے بیس سال کے جوان لڑکے جن کو سپہ گری کا شوق ہوتا جمع رہتے تھے۔ وہ ملحد اُن کو بہشت کا قصہ[1] سنایا کرتا جبکہ اُن سے وعدہ کیا گیا تھا اور وہ یقین کر لیتے تھے۔ پھر وہ دو چار جوانوں کو بھنگ پلا کر سُلا دیا کرتا۔ اور وہاں سے اُٹھا کر باغ میں ڈلوا دیتا تھا۔ جب وہ جاگتے تو اپنے کو ایک ایسے مکان میں پاتے جو علاءالدین کی بہشت کے مانند ہے۔ نازنین عورتیں ان کے ساتھ راز و ناز کی باتیں کرتیں۔ اور انھیں یقین آجاتا تھا کہ حقیقت میں وہ داخل بہشت ہیں۔ اس طریقہ سے اس نے سادہ لوح کوہستانیوں کے دل پر یہ نقش جما دیا تھا کہ وہ نبی ہے۔ اور جب وہ اپنے کسی آدمی کو کسی کام کے لیے روانہ کرتا تو اول اُسے بھنگ سے بیہوش کر کے جنت میں بھیجتا۔ پھر وہ شخص قلعہ میں علاءالدین کے روبرو پیش کیا جاتا۔ علاءالدین اس سے پوچھتا کہ کہاں سے آئے ہو۔ وہ جواب دیتا کہ بہشت سے۔ اور وہ بعینہٖ ایسی ہی جیسا کہ محمد (صلعم) نے بتائی ہے۔ اس بیان سے اوروں کو بہشت میں داخل ہونے کی آرزو پیدا ہوتی جب علاءالدین کو کسی اپنے ہم عصر فرمانروا کا قتل کرنا منظور ہوتا تو وہ ایک جوان کو حکم دیتا کہ جا! فلاں کو قتل کر۔ واپسی پر تجھے فرشتے جنت میں پہنچا دیں گے۔ اس امید میں وہ تمام خطروں کا مقابلہ کرتا تھا۔

[1] دائرۃ المعارف کا مصنف لکھتا ہے کہ اس جنت میں وہ تمام سامان مہیا تھے۔ جو عقلاً ہونا چاہیئے۔ مثلاً اشیاء بدیعہ جو دل میں جاگزیں ہوں۔ ہر قسم کے پھول، میوہ دار شجر، چشمے، چینی کے برتن، عجمی فرش، بلوری طلائی اور نقرئی چیزیں، یونانی اسباب، حور و غلمان مکلف لباس میں۔ ہر قسم کے باجے۔ یہاں کے قیام سے دل شگفتہ ہو جاتا تھا۔ اور اسی سعادت ابدی کے حصول کے لیے فدائی جان دیدیتا تھا۔ پروفیسر براؤن صاحب لکھتے ہیں کہ جنت کی دیواروں پر نقش و نگار کا نہایت نازک کام بنا ہوا تھا۔ اور فدائی چار دن سے دس دن تک اس جنت میں رکھے جاتے تھے۔

اس کے دو مرید اور تھے۔ جو اندر جال کا تماشہ دکھایا کرتے تھے۔ ایک دمشق میں دوسرا کردستان
میں رہتا تھا۔ ہلاکو خاں نے فوج کشی کرکے علاءالدین کو قتل کیا۔ اور قلعہ اور باغ کو منہدم کردیا۔" یورپ
کے بعض سیاحوں کے سفرناموں میں صحیح واقعات کے ساتھ، ایسے افسانے بھی ہوتے ہیں۔ جو
الف لیلہ کے "الہ دین کے عجیب چراغ" سے کم نہیں ہوتے ہیں۔ اور جس کے نظائر خود اس سفرنامے
میں موجود ہیں۔ لیکن قلعہ اور جنت کا بیان افسانہ نہیں ہے بلکہ وہ ایک واقعہ ہے۔ علاءالدین قلعہ الموت
میں، حسن صباح کا چھٹا جانشین ہے جس کا دور حکومت ۶۵۲ھ/۱۲۵۴ء میں ختم ہوجاتا ہے۔ اور مارکوپولو علاءالدین
کے حیات میں پہنچا ہے۔ اس لیے اسنے جنت کو علاءالدین سے منسوب کیا ہے۔ ورنہ حقیقت میں جنت،
یعنی اس سبز باغ کا بانی حسن صباح ہے اور اسی کے زمانہ[1] سے فرقہ باطنیہ کا ایک نام "حشاشین" قرار
پایا۔ اور شیخ الجبل صاحب الحشیش کہلایا۔ اور غالباً عجم میں حسن صباح پہلا شخص ہے جس نے اپنی دانشمندی
سے حشیش سے وہ کام لیا جو اس کے پہلے کسی نے نہ لیا ہوگا۔ اگر فدائیوں کو جنت کی سیر کرانا مقصود
نہ ہوتی تو ایسی نشی بوٹی کے تلاش کی کیا ضرورت تھی۔ بہرحال حسن صباح کی جنت کا وجود قابل تسلیم ہے۔
اور ایک دفعہ دیکھنے کے بعد ضرور فدائی دوبارہ اس کے دیکھنے کے آرزومند ہونگے۔ کیونکہ یہ ایسا خواب
نہ تھا جس کو صبح ہوتے ہی بھول جائیں۔

حسن صباح علاقہ طالقان اور رودبار وغیرہ سے خوبصورت اور قوی ہیکل تندرست نوجوان منتخب

لہ حشاشین کا لفظ جنگ صلیبی کے زمانہ میں یورپ پہنچا۔ اور یورپین سانچہ میں ڈھلکر اساسین ہوگیا۔ اور ایک مستقل لغت قرار
پایا جس کے معنی ایسے قاتل کے ہیں جو کسی کو گھات سے مار ڈالے۔ یورپ کے مورخوں نے اس فرقہ کو اسلامی نہلسٹ کا خطاب
دیا ہے اور نہلسٹ روس کا ایک آزاد گروہ ہے جو سلطنت سے یہ چاہتا ہے کہ انتظامی امور میں رعایا کی بھی آواز سنی جائے۔

کرکے فدائیوں میں داخل کرتا تھا۔ اور تعلیم کے بعد ہی فدائی، حسن صباح کے احکام کی تعمیل کرتے تھے۔ فدائیوں کا عام لباس یہ تھا۔ سفید پوشاک، لال دستار، سرخ کمربند۔ ہات میں تیر یا چھری اور کمر میں چھری، جب فدائی مکان تبدیل کرتے تھے۔ اسوقت انکا لباس بھی تبدیل ہوجاتا۔

حسن صباح کی مستقل حکومت اور اشاعت مذہب یہ تم اوپر پڑھ چکے ہو کہ سلطان ملک شاہ نے اپنی حیات میں قلعہ الموت پر ۴۸۵ھ ۱۰۹۲ء میں فوج کشی کی تھی لیکن سلطان کے انتقال کی وجہ سے یہ مہم ناکام رہی اور سلطان کے جانشین خانہ جنگی میں مبتلا ہوگئے۔ اس غفلت کا یہ نتیجہ ہوا کہ دس برس کے زمانہ میں حسن صباح کا تمام رودبار، طبس، قہستان، خور، خوسف، زوزن، قائن، تون پر قبضہ ہوگیا۔

لے سنین الاسلام جلد دوم حالات اسمعیلیہ ۔ ۵۲ اسمعیلیہ مذہب کے داعیوں نے اس مذہب کی کس طرح اشاعت کی اسکی نسبت مسٹر ارنلڈ صاحب لکھتے ہیں۔ کہ اس مذہب کے داعی، طرح طرح کے بھیس بدلتے تھے جس میں اکثر صوفی اور تاجر ہوتے تھے اور یہ مختلف ملکوں میں روانہ کیے جاتے تھے۔ جاہلوں کو شعبدے دکھائے جاتے تھے۔ اور اسکا نام معجزہ تھا۔ اور مہمل باتوں کا نام تصوف کا راز تھا۔ خدا پرستوں کے سامنے یہ داعی نیکی اور تقدس کی مجسم تصویر بنجاتے تھے۔ جس زمانے میں دیکھا کہ لوگ نہایت شوق سے کسی امام کے منتظر ہیں اور کوئی نجات دینے والا پیدا ہونے والا ہے تو مسلمانوں کو امام مہدی، یہودیوں کو مسیح، عیسائیوں کو فارقلیط کی خبر سنائی کہ اب وہ دنیا میں آتے ہیں۔ شیعوں میں مثھکر اسمٰعیلی اپنے آپ کو مذہب شیعی کا پرجوش معتقد ظاہر کرتے ہیں۔ اور اہل سنت و جماعت کے خلاف اصحاب ثلثہ پر تبرا کرتے ہیں۔ یہودیوں کے سامنے مسلمان اور عیسائیوں کی مذمت کرتے ہیں اسی طرح عیسوی مذہب کے اصولوں سے اتفاق ظاہر کرتے ہیں۔ لیکن اخیر میں یہ کہتے ہیں کہ یہ اصول ظاہر میں سب اشارات وعلامات ہیں۔ لیکن جو ادق معنی ان میں مخفی ہیں ان کا مطلب صرف اسمعیلی مذہب کی مدد سے تحقیق ہوسکتا ہے جب ہندوستان میں آئے تو مذہب کی صورت ایسی تبدیل کردی کہ ہندو اسکو قبول کریں۔ حضرت علی کو کشن کا دسواں اوتار بتایا جو یورپ دیس سے آئیگا (قلعہ الموت مراد ہی) ایک پران لکھا۔ اور داماچاریوں کے انداز پر بھجن لکھے۔ جن میں راز اور معموں کی ایسی باتیں تھیں کہ ہندو کو مذہب اسمعیلیہ قبول کرنے کی رغبت ہوئی۔ انتخاب از دعوت اسلام صفحہ ۲۳۳۔

اور اس عرصہ میں حسن نے نہایت اطمینان سے اپنے مذہب کو بھی خوب ترقی دی جب سلطان برکیارق کو خانہ جنگی سے فرصت ملی تو اس نے عام رعایا اور علما کی شکایت پر ۱۱۰۱ء ۴۹۴ھ میں باطنیہ کے قتل کا حکم دیا۔ چنانچہ جن پر شبہ ہوا وہ قتل کیے گئے۔ سلطان کے اس حکم سے حسن صباح کا غصہ بہت بڑھ گیا اور اس نے ایک باطنی کے عوض دس مسلمانوں کو قتل کرا دیا۔ تاریخ کامل اثیر میں لکھا ہو کہ "یہ زمانہ نہایت خوفناک تھا۔ وقت مقررہ پر اگر کوئی شخص اپنے گھر نہ آیا تو سمجھ لیا جاتا تھا کہ وہ باطنیہ کا شکار ہو گیا۔ اور خوف کی عام حالت یہ تھی کہ امراء عبا کے نیچے زرہ پہنا کرتے تھے اور خود سلطان نے ارکان سلطنت کو اجازت دیدی تھی کہ "وہ دربار میں اسلحہ لگا کر آیا کریں"[۵۲]

خواجہ نظام الملک کے قتل میں چونکہ حسن صباح کو کامیابی ہوئی تھی۔ لہٰذا اُس نے اپنے تمام دشمنوں کے زیر کرنے کے لیے یہی طریقہ اختیار کیا کہ جس نے سر اٹھایا وہ کسی فدائی کی چھری سے قتل ہوا۔ چنانچہ برکیارق کی چھیڑ چھاڑ سے اصفہان و خراسان وغیرہ میں بکثرت چھری بند فدائی پھیل گئے۔ اور مسلمان قتل ہونے لگے۔ قلعہ وسکوہ (قریب شہر ابھر) پر باطنیہ کا قبضہ تھا اور یہ لوگ مسلمانان شہر ابھر کو بہت تکلیف دیتے تھے چنانچہ اُن کے استغاثہ پر سلطان نے قلعہ پر فوج کشی کی، اور آٹھ مہینے کے محاصرہ کے بعد قلعہ پر قبضہ کر لیا۔ سلطان برکیارق کی طرح اس کے بھائی سلطان محمد کو بھی باطنیوں کی طرف خاص توجہ تھی[۵۳] ۴۹۸ھ میں باطنیہ نے طرثیث (اعمال بیہق) سے نکل کر خراسان، ماوراء النہر، اور ہندوستان کے حجاج کا قافلہ نواح رے میں لوٹ لیا۔ اور پھر اطراف رے میں لوٹ مچا دی اس تاخت و تاراج میں بتعداد کثیر مسلمان مارے گئے اور ان کا

۵۱ کامل اثیر صفحہ ۱۰۸ و ۱۰۹۔ جلد ۱۰۔ ۵۲ کامل اثیر صفحہ ۱۱۲ ۵۳ کامل اثیر صفحہ ۱۳۷۔ جلد ۱۰۔

مال و اسباب اور مویشی سب لے گئے۔ جب[1] زیادہ شورش بڑھی تو ۵۰۰ھ/۱۱۰۶ء میں خود سلطان محمد نے
قلعہ "شاہ دز" پر فوج کشی کی۔ یہ قلعہ اصفہان کے قریب تھا۔ اور سلطان ملک شاہ نے بڑے اہتمام
سے بنوایا تھا۔ اس قلعہ پر باطنیوں کا قبضہ گویا دارالسلطنت کا قبضہ تھا۔ احمد بن عبدالملک بن عطاش
طبیب باطنی حاکم قلعہ تھا۔ احمد اگرچہ جاہل اور علم و فضل سے عاری تھا۔ لیکن حسن صباح نے یہ کہکر قلعہ
کا حاکم بنایا تھا کہ تم میرے استاد عبدالملک کے بیٹے ہو تمہارا حق فائق ہے" اور اس قلعہ کو حسن صباح
نے خوب مستحکم کر دیا تھا چنانچہ سلطان نے محاصرہ کے بعد یہ قلعہ فتح کر لیا۔ جب احمد گرفتار ہو کر سامنے
آیا تو سلطان نے کہا کہ "تم نے تو پیشین گوئی کی تھی کہ اصفہان میں میری عظمت اور شوکت
اعلیٰ درجہ کی ہوگی اور عوام و خواص میرے گرد جمع ہوں گے۔ لیکن وہ پیشین گوئی جھوٹی ہوئی"
احمد[2] نے جواب دیا کہ نہیں! صحیح ہوئی۔ لیکن نہ بطریق حکومت امّا بطریق فضیحت" سلطان ہنس کر
چپ ہو رہا پھر بیل پر سوار کرا کے اصفہان کے کوچہ و بازار میں گشت کرایا۔ پھر اس کی کھال
کھچوائی اور اس طریقہ پر احمد کا خاتمہ ہوا۔ سلطان کا وزیر سعد الملک بھی احمد کا معین و مددگار تھا۔ اور
سلطان کو در پردہ قتل کرنا چاہتا تھا۔ لہٰذا اس جرم میں اس کو بھی پھانسی دی گئی۔ اور ابو نصر احمد
بن خواجہ نظام الملک کو قلمدان وزارت سپرد کیا گیا۔ اس کے بعد ۵۰۳ھ/۱۱۰۹ء میں قلعہ الموت[3] پر
فوج روانہ ہوئی لیکن بوجہ شدت سرما فوج واپس آئی۔ اس فوج کا سپہ سالار خود وزیر احمد تھا۔ لیکن
۵۱۱ھ/۱۱۱۷ء میں یہ سپہ سالاری امیر انوشتگین شیرگیر (صاحب آیۂ سادہ) الموت پر دوبارہ فوج کشی ہوئی اور
ایک سال تک برابر محاصرہ[4] رہا۔ قلعہ میں کمی رسد کی وجہ سے سخت تکلیف ہوئی۔ اور حسن صباح نے

---

[1] کامل اثیر صفحہ ۱۵۱ و ۱۵۲۔ جلد ۱۰ [2] صفحہ ۳۹ دولت شاہ سمرقندی [3] کامل اثیر صفحہ ۱۶۸ [4] کامل اثیر صفحہ ۱۸۵ و ۱۸۶ ج ۱۰

بچوں اور عورتوں کو سلطان کی خدمت میں بھیجا اور وہ امان کے طالب ہوئے اگر درخواست نامنظور ہوئی۔ لیکن قضاء و قدر نے فتح اور شکست سے پہلے سلطان محمد کا خاتمہ کر دیا۔ سلطان محمد کے انتقال سے قلعہ پھر حسن صباح کے قبضہ میں رہ گیا۔ تاریخ آل سلجوقؔ میں لکھا ہے کہ امیر درگزینی نے جو حسن صباح سے ملا ہوا تھا۔ امیر شیرگیر کے لشکر کو پریشان کر دیا، اور فوج امیر کو تنہا چھوڑ کر چلی آئی۔ اگر سپاہی دغا نہ کرتے تو قلعہ الموت تین دن میں فتح ہو جاتا۔ فوج کے چلے جانے سے قلعہ والوں نے امیر پر حملہ کیا اور زائد از دو لاکھ دینار کا مال لیکر قلعہ میں واپس گئے۔ سلطان محمد کے انتقال پر ۱۱۱۸ء میں سلطان سنجر مستقل حکمراں ہوا اور ملک شاہ کے بعد یہ سلطان اپنے سب بھائیوں سے زیادہ زبردست اور صاحب اثر تھا۔ وسعت ملک اور فوجی طاقت میں بھی سب پر فائق تھا۔ چنانچہ سلطان سنجر ایک جرار لشکر لیکر قلعہ الموت پر چلا۔ ظاہر ہے کہ حسن صباح شاہی لشکر کا کیا مقابلہ کر سکتا تھا۔ اُس کے سپاہی تو چوروں اور رہزنوں کی طرح صرف چھاپہ مارنا جانتے تھے۔ لہذا حسن نے یہ چالاکی کی کہ کسی خاص غلام یا حرم کو ملا کر سلطان کی خوابگاہ کے سرہانے ایک خنجر زمین میں گاڑ دیا۔ سلطان نے صبح کو جب خنجر زمین میں پیوست پایا تو وہ خوف زدہ ہو گیا۔ اور دستہ خنجر کے اوپر حسن صباح کا ایک خط بندھا ہوا تھا جس کا یہ مضمون تھا "ہاں! اے سلطان سنجر پرہیز کہ اگر رعایت خاطر تو منظور نبودے دستے کہ خنجرے بر زمین سخت فرو برد۔ بر سینہ نرم تو سہل تر بود کہ فرو برد"۔ اس میں شک نہیں کہ حسن صباح نے سنجر کے حال پر بڑی مہربانی کی اور اس کو صرف دھمکا کر چھوڑ دیا۔ ورنہ بقول حسن صباح زمین سخت میں خنجر پیوست کرنے سے سلطان کے نرم سینہ میں خنجر کا چبھو دینا آسان تھا۔ اس کارروائی

[1] تاریخ آل سلجوق اصفہانی صفحہ ۱۱۲ مطبوعہ مصر [2] گنج دانش صفحہ ۱۴۴ فقرہ سنجر۔ و کتاب دبستان مذاہب حالات اسمعیلیہ۔

کیساتھ صبح کو حسن صباح کا قاصد پہنچا اور صلح کا خواستگار رہوا۔ سلطان سنجر پہلے ہی مرعوب ہوچکا تھا۔ لہذا جان کے خوف سے صلح کو جنگ سے بہتر سمجھا۔ اور ان[1] معمولی شرطوں پر صلح ہوگئی اور سلطانی فوج چند منزل چل کر دار السلطنت کو واپس آگئی۔

(۱) اسمعیلہ فرقہ قلعہ جات میں کوئی جدید فوجی عمارت کا اضافہ نکرے۔ (۲) جدید اسلحہ اور منجنیقیں نہ خرید کرے۔ (۳) آیندہ اس فرقہ میں کوئی نیا شخص مرید نہ کیا جائے۔"

حسن صباح کے واسطے اس سے زیادہ نرم شرطیں اور کیا ہوسکتی تھیں۔ کیونکہ صوبۂ رودبار، قہستان، شام اور سواحل روم تک[2] اندازاً پچاس قلعے باطنیوں کے قبضہ میں تھے جو سب مستحکم اور کارآمد تھے جن میں حسن صباح کو کسی تعمیر کی ضرورت نہ تھی۔ دوسری شرط بالکل فضول تھی۔ کیونکہ یہاں کمر میں بجائے تلوار اور سنگین کے صرف ایک چھری کافی تھی۔ تیسری شرط البتہ سخت تھی لیکن اب اُس کی ضرورت بھی باقی نہیں رہی تھی کیونکہ حسن کی فوج کی مجموعی تعداد ستر ہزار تک پہنچ چکی تھی۔ چنانچہ سلطان سنجر کے عہد تک ایران میں زیادہ شورش نہیں ہوئی اب حسن صباح کی توجہ شام اور یمن کی[3] طرف تھی

موت | ان کامیابیوں کے بعد بتاریخ ۲۸ ربیع الآخر ۵۱۸ھ[4] حسن صباح کا انتقال ہوگیا۔ اور پینتیس برس تک قلعہ الموت پر حکمراں رہا۔ اسوقت حسن صباح کی عمر ۹۰ سال کی تھی۔

حسن صباح کے ذاتی حالات | حسن صباح کی نسبت[5] مورخوں نے لکھا ہے کہ وہ حکیم منجم مہندس محاسب اور

[1] نامہ خسرواں صفحہ ۱۰۸ [2] حالات حسن صباح [3] شام کے تفصیلی حالات کامل اثیر اور یمن کے واقعات عمارہ یمنی کی تاریخ میں دیکھنا چاہیے یہ تاریخ مع ترجمہ انگریزی لندن میں چھپ گئی ہے [4] گنج دانش صفحہ ۹۴ - دبستان مذاہب [5] زینۃ المجالس مجدی کامل اثیر صفحہ ۱۱۰ جلد ۱۰ و مراۃ البلدان ناصری صفحہ ۹۳ - ذکر الموت ۱۲ —

ساحر تھا۔ فقہ اور دینیات میں مجتہدانہ درجہ رکھتا تھا، صوفیوں کی طرح شب و روز ریاضت میں مصروف رہتا تھا۔ بجز اپنے فرقہ کے لوگوں کے اور کسی سے ملاقات نکرتا تھا۔ مستقل مزاجی کا یہ عالم تھا کہ پینتیس ۳۵ برس میں صرف دو مرتبہ اُس گھر کی چھت پر چڑھا جس میں سکونت پذیر تھا اور قلعہ سے تو ایک دن کے واسطے بھی باہر نہیں گیا۔ اشاعت مذہب کی فکر سے کسی وقت خالی نہیں رہا اور مذہبی تصنیفات بھی کرتا تھا۔ اس کی مذہبی تصنیفات ہیں (۱) "روشنی روز و تاریکی شب"۔ (۲) ایک مختصر مجموعہ موسومہ اکرام ہی۔ اول کتاب کے خلاصے دبستان مذاہب وغیرہ میں درج ہیں۔ اس کے علاوہ تعجب انگیز امر یہ ہی کہ بحیثیت مہندس تین کتابیں لکھیں۔ جنکا یورپ نے حال میں پتہ لگایا ہی اور وہ یہ ہیں (۱) کتاب الاشکال والمسائح۔ (۲) کتاب الکرہ۔ (۳) کتاب العمل بذات الحلق۔

عقائد مذہبی میں انتہا درجہ کا سخت تھا۔ جیسا خود پابند شرع تھا ویسا ہی مریدوں کو بھی بنانا چاہتا تھا۔ شرعی جرم میں اپنے دو بیٹوں کو قتل کر دیا اور اُف تک نکی۔ ایک شخص نے قلعہ کے اندر بانسری بجائی اُسی وقت اخراج کا حکم دیا اور باوجود معزز سفارشوں کے پھر قلعہ کے اندر آنا نصیب نہ ہوا۔ اسی کا اثر تھا کہ جس مرید کو جو حکم دیا اس نے فوراً تعمیل کی۔ جو مقبولیت حسن صباح کو اپنے مریدوں میں ہوئی اُس کی نظیر سے صفحات تاریخ خالی ہیں۔ یہ بات آج تک نہ کسی صوفی کو حاصل ہوئی۔ اور نہ کسی بادشاہ وقت کو کہ اُس کے حکم سے لوگ جان دینے پر آمادہ ہو جائیں۔ حسن صباح کو یہ مرتبہ کیونکر حاصل ہوا؟ اس میں مورخوں کا اختلاف ہی۔ ایک گروہ کہتا ہے کہ حسن صباح کی ظاہری بے نفسی اور صوفیانہ ریاضت اس کا باعث تھی۔ دوسرا گروہ کہتا ہی کہ مکاری، جعلسازی، ساحری، اس کے عروج کا سبب ہوئی۔ لیکن محققین کا فیصلہ ہے کہ

مجموعی طور پر ان تمام امور کو حسن صباح کی کامیابی میں دخل ہے اور پھر ان میں بھی "حور مقصورات فی الخیام" کے ناز و کرشمے، اور باغ جنت کی دلفریبیاں سب سے مستزاد ہیں۔

حسن صباح نے اپنے عہد حکومت میں حسب ذیل قلعوں پر قبضہ کیا۔ (۱) قلعہ الموت (۲) قلعہ گردکوہ (۳) لامسر (۴) شاہ دژ۔ (اصفہان) (۵) وسکوہ (متصل ابہر) (۶) خالنجان (اصفہان سے پانچ فرسخ ہے) (۷) قلعہ استوناوند (شہر رے اور آمل کے مابین) (۸) آردہن (۹) قلعہ الناظر (خوزستان) (۱۰) قلعہ طنبور (متصل شہر آرجان) (۱۱) قلعہ خلا دخان (مابین فارس اور خوزستان)۔ یہ وہ قلعے ہیں جو بہت بڑے تھے۔ اس کے علاوہ صوبہ دوبار اور قہستان وغیرہ میں چھوٹے چھوٹے بہت سے قلعے تھے جنکی مجموعی تعداد سو کے قریب ہے جن کے ناموں کی تاریخ میں تفصیل نہیں ہے۔

حسن صباح کے جانشین حسن صباح کے انتقال کے بعد قلعہ الموت میں مسلسل سات حکمراں ہوئے، جن کی مختصر کیفیت حسب ذیل ہے۔

(۱) **کیا بزرگ امید** یہ شخص[ل] قلعہ الموت کا قلعدار اور حسن صباح کا رفیق تھا۔ حسن صباح نے ۵۱۸ھ ۱۱۲۴ء میں انتقال کے وقت خود اپنا جانشین بنایا۔ ابو علی وزیر تھا اور حسن قصرانی اس کی فوج کا سپہ سالار۔ اس عہد میں بھی فدائیوں کا بڑا زور رہا۔ اور ابو ہاشم فاطمی کو جنھوں نے شہر گیلان میں امامت کا دعوی کیا تھا، کیا بزرگ نے اول خط لکھا کہ "دعوی امامت سے باز آؤ" اس کے جواب میں ابو ہاشم نے خط میں گالیاں لکھیں، جسکو پڑھکر کیا بزرگ غضبناک ہو گیا، اور امام صاحب کو گرفتار

[ل] قلعہ الموت کے حکمرانوں کے حالات، نامہ خسروان، سنین الاسلام، گنج دانش، نگارستان، دبستان مذاہب اور روضۃ الصفا ماخوذ ہیں۔

کراکے آگ میں زندہ جلا دیا۔ سلجوقیوں سے بھی لڑائیاں ہوئیں، مگر آخر کو کیا بزرگ کامیاب ہوا۔ چودہ برس، دو مہینہ بیس دن حکومت کرکے ۵۳۲ھ ۱۱۳۸ع میں انتقال کیا۔

(۲) محمد بن کیا بزرگ امید — کیا بزرگ کے انتقال پر اس کا بڑا بیٹا محمد جانشین ہوا، یہ بالکل جاہل تھا لیکن حسن صباح اور اپنے باپ کے نقش قدم پر چلتا تھا۔ اس کے عہد میں بھی خونریزی جاری رہی۔ چوبیس برس، آٹھ مہینے، آٹھ دن حکومت کرکے ۵۵۶ھ ۱۱۶۰ع میں فوت ہوا۔

(۳) حسن بن محمد — حسن کا باپ محمد، اگرچہ قلعہ الموت کا حکمران ہوگیا تھا، مگر باطنیوں کے نزدیک اُس میں فرائض منصبی ادا کرنے کی صلاحیت نہ تھی۔ اور باطنی عموماً حسن کے فضل وکمال کے قائل تھے، لہٰذا محمد کے بعد حسن کو اپنا فرمانروا تسلیم کیا۔ اس حکمراں کے نسب میں اختلاف ہے، مگر اس کا دعویٰ ہے کہ میں نزار بن مستنصر باللہ علوی کی نسل میں ہوں۔ حسن وسعت خیالات اور چالاکی میں حسن صباح سے کچھ ہی کم تھا۔ مریدوں میں حسن کی بے انتہا تعظیم کی جاتی تھی، اور کوئی شخص نام نہیں لیتا تھا، بلکہ بجائے نام کے "علی ذکرہ السلام" کے خطاب سے یاد کرتے تھے۔ مسندنشینی کے بعد، ۱۷ رمضان ۵۵۹ھ ۱۱۶۴ع کو سب سے پہلے دربار عام کرکے حسن نے اپنی امامت کا دعویٰ کیا اور ثبوت میں امام مہدی علیہ السلام کا ایک خط پیش کیا، اور لوگوں کو سمجھا دیا کہ "صرف باطن میں خدا کی محبت رکھو اور ظاہر میں جو چاہو کرو۔ میں تم کو آج کی تاریخ سے تمام شرعی قیود سے آزاد کرتا ہوں" چنانچہ اس تاریخ سے رسوم شرعیہ بالکل اُٹھ گئیں۔ چنانچہ کسی باطنی شاعر کا قول ہے ؎

برداشت غل شرع بتائید ایزدی

مخدوم روزگار علی ذکرہ السلام

مجموعی طور پر ان تمام امور کو حسن صباح کی کامیابی میں دخل ہے اور پھر ان میں بھی "حُوْرٌ مَّقْصُوْرٰتٌ فِي الْخِيَامِ" کے ناز و کرشمے، اور باغ جنت کی دلفریبیاں سب پر مستزاد ہیں۔

حسن صباح نے اپنے عہد حکومت میں حسب ذیل قلعوں پر قبضہ کیا۔ (۱) قلعہ الموت (۲) قلعہ گرد کوہ (۳) لامسر (۴) شاہ دز۔ (اصفہان) (۵) وسکوہ (متصل ابہر) (۶) خالنجان (اصفہان سے پانچ فرسخ ہی) (۷) قلعہ استون آوند (شہر رے اور آمل کے مابین) (۸) آردہن (۹) قلعہ الناظر (خوزستان) (۱۰) قلعہ طنبور (متصل شہر آرجان) (۱۱) قلعہ خلادخاں (مابین فارس اور خوزستان)۔ یہ وہ قلعہ ہیں جو بہت بڑے تھے۔ اس کے علاوہ صوبہ وودبار اور قہستان وغیرہ میں چھوٹے چھوٹے بہت سے قلعے تھے جنکی مجموعی تعداد سنو کے قریب ہی جن کے ناموں کی تاریخ میں تفصیل نہیں ہے۔

حسن صباح کے جانشین | حسن صباح کے انتقال کے بعد قلعہ الموت میں مسلسل سات حکمراں ہوئے، جن کی مختصر کیفیت حسب ذیل ہے۔

(۱) کیا بزرگ امید | یہ شخص قلعہ الموت کا قلعدار اور حسن صباح کا رفیق تھا۔ حسن صباح نے ۵۱۸ھ ۱۱۲۴ع میں انتقال کے وقت خود اپنا جانشین بنایا۔ ابو علی وزیر تھا اور حسن قصرانی اس کی فوج کا سپہ سالار۔ اس عہد میں بھی فدائیوں کا بڑا زور رہا۔ اور ابو ہاشم فاطمی کو جنھوں نے شہر گیلان میں امامت کا دعوی کیا تھا، کیا بزرگ نے اول خط لکھا کہ "دعوی امامت سے باز آؤ" اس کے جواب میں ابو ہاشم نے خط میں گالیاں لکھیں، جسکو پڑھکر کیا بزرگ غضبناک ہو گیا، اور امام صاحب کو گرفتار

۱؎ قلعہ الموت کے حکمرانوں کے حالات نامہ خسرواں سنین الاسلام گنج دانش نگارستان دبستان مذاہب اور روضۃ الصفا سے ماخوذ ہیں۔

کراکے آگ میں زندہ جلا دیا۔ سلجوقیوں سے بھی لڑائیاں ہوئیں، مگر آخر کو کیا بزرگ کامیاب ہوا۔
چودہ برس، دو مہینہ بیس دن حکومت کرکے ۵۳۲ھ ۱۱۳۸ء میں انتقال کیا۔

(۲) محمد بن کیا بزرگ امید | کیا بزرگ کے انتقال پر اس کا بڑا بیٹا محمد جانشین ہوا، یہ بالکل جاہل تھا لیکن حسن صباح اور اپنے باپ کے نقش قدم پر چلتا تھا۔ اس کے عہد میں بھی خونریزی جاری رہی۔ چوبیس برس آٹھ مہینے، آٹھ دن حکومت کرکے ۵۵۷ھ ۱۱۶۲ء میں فوت ہوا۔

(۳) حسن بن محمد | حسن کا باپ محمد، اگرچہ قلعہ الموت کا حکمران ہو گیا تھا، مگر باطنیوں کے نزدیک اُس میں فرائض منصبی ادا کرنے کی صلاحیت نہ تھی۔ اور باطنی عموماً حسن کے فضل وکمال کے قائل تھے، لہذا محمد کے بعد حسن کو اپنا فرمانروا تسلیم کیا۔ اس حکمراں کے نسب میں اختلاف ہے، مگر اس کا دعوی ہے کہ میں نزار بن مستنصر باللہ علوی کی نسل میں ہوں۔ حسن وسعت خیالات، اور چالاکی میں حسن صباح سے کچھ ہی کم تھا۔ مریدوں میں حسن کی بے انتہا تعظیم کی جاتی تھی، اور کوئی شخص نام نہیں لیتا تھا، بلکہ بجائے نام کے "علی ذکرہ السلام" کے خطاب سے یاد کرتے تھے۔ مسند نشینی کے بعد، ۱۷ رمضان ۵۵۹ھ ۱۱۶۴ء کو سب سے پہلے دربار عام کرکے حسن نے اپنی امامت کا دعوی کیا اور ثبوت میں امام مہدی علیہ السلام کا ایک خط پیش کیا، اور لوگوں کو سمجھا دیا کہ "صرف باطن میں خدا کی محبت رکھو اور ظاہر میں جو چاہو کرو۔ میں تم کو آج کی تاریخ سے تمام شرعی قیود سے آزاد کرتا ہوں" چنانچہ اس تاریخ سے رسوم شرعیہ بالکل اُٹھ گئیں۔ چنانچہ کسی باطنی شاعر کا قول ہے۔

برداشت غل شرع بتائید ایزدی
مخدوم روزگار علی ذکرہ السلام

اسی عہد سے اس فرقہ کا نام علمائے اسلام نے ملاحدہ[51] قرار دیا۔ چار برس حکومت کر کے اپنے سالے حسن نامور کے ہات سے قلعہ لامسر میں ۵۵۹ھ ۱۱۶۳ء میں مارا گیا۔

(۴) محمد ثانی بن حسن حکمراں ہوتے ہی اول اپنے باپ کے قصاص میں قاتل اور خاندان کے تمام زن و مرد کو قتل کرا دیا۔ علم و فضل میں یہ اپنے باپ سے بھی بڑھ کر تھا۔ اس کے عہد[52] کا واقعہ ہے کہ امام فخر الدین رازی وعظ میں فرمایا کرتے تھے کہ "خلافاً للاسمعیلیہ لعنہم اللہ وخذلہم اللہ" جب یہ خبر محمد کو پہنچی تو ایک فدائی کو روانہ کیا۔ وہ امام صاحب کے حلقہ درس میں آکر شامل ہوا اور سات مہینے تک طالب العلمانہ حاضر باش رہا۔ ایک دن موقع پاکر امام صاحب کے سینہ پر چڑھ بیٹھا اور خنجر گلے پر رکھ دیا۔ امام صاحب نے خوف زدہ ہو کر پوچھا کہ میرا کیا گناہ ہے؟ فدائی نے کہا کہ "سیدنا محمد بن حسن بعد سلام فرماتے ہیں کہ ہم کو عوام کی باتوں کا کوئی ڈر نہیں ہے لیکن آپ جیسے عدیم النظیر فاضل سے خوف معلوم ہوتا ہے، کیونکہ آپ کا کلام صفحۂ روزگار پر باقی رہے گا۔ دوسرا التماس یہ ہے کہ آپ قلعہ میں تشریف لائیں"۔ امام صاحب نے جواب دیا کہ "میرا قلعہ میں جانا غیر ممکن ہے، لیکن آیندہ سے عہد کرتا ہوں کہ تمہارے خلاف کچھ نہ کہونگا"۔ اس کے بعد فدائی امام صاحب کے سینہ سے اُترا اور گلے سے خنجر ہٹا لیا، اور کہا کہ "تین سو مثقال طلا، اور دو یمنی چادر میرے حجرے میں رکھی ہیں وہ آپ منگا لیں، سیدنا کی طرف سے یہ ایک سال کا وظیفہ ہے، اور آیندہ بھی اسیقدر رئیس ابوالفضل کی معرفت ملا کریگا، پھر حجرے سے نکلکر غائب ہو گیا۔ اسکے

[51] علمائے اسلام نے رد ملاحدہ میں نہایت نادر کتابیں لکھی ہیں خصوصاً امام غزالی علیہ الرحمۃ کی تصنیفات المستظہری حجۃ الحق، کتاب الدرج، کتاب القسطاس اور ایک رسالہ (بطور سوال وجواب) قابل ملاحظہ ہیں۔ [52] نگارستان صفحہ ۲۳۳۔

بعد امام صاحب کا یہ دستور ہو گیا کہ جب کوئی اختلافی مسالہ ہوتا تو صرف اسقدر فرماتے کہ خلافاً للاسمعیلہ امام صاحب کے اس طرز عمل سے عوام کو شبہ ہو گیا کہ وہ ملاحدہ کے ہم عقیدہ ہیں اور حکمران الموت سے ساز رکھتے ہیں۔ امام صاحب نہایت خوش نصیب تھے کہ زندہ بچ گئے۔ مگر بات یہ ہے کہ محمد بن حسن کا فدائی کو صرف اسی قدر حکم تھا کہ "وہ امام صاحب کو خوف زدہ کر دے" قتل کی اجازت نہیں دی گئی تھی اسی واقعہ کے متعلق کسی شاعر کا قول ہے۔

اگر دشمن نسازد با تو ای دوست　　　تو مے باید کہ با دشمن بسازی

دگر نہ یک دو روزی صبر فرمائے　　　نہ او ماند نہ تو، نے فخر رازی

اس کے عہد میں شام کے اسمعیلیوں کا الموت سے تعلق چھوٹ گیا اور شیخ رشید الدین سنان کی ماتحتی میں جداگانہ کام شروع ہوا۔ جس کے عہد میں مشرقی شام، مشرقی افریقہ، اور سنٹرل ایشیا میں مذہب اسمعیلہ کی خوب ترقی ہوئی۔ اس کے بیٹے جلال الدین نے اپنے باپ کو عیاش اور کمزور سمجھ کر زہر دیدیا۔ چھیالیس برس حکمران رہا۔

(۵) جلال الدین محمد ثانی ملقب بہ حسن ثالث | اپنے باپ کے انتقال پر ۶۰۷ھ (۱۲۰۹ء) میں حکمران ہوا۔ اور مذہب اسمعیلہ ترک کر کے شریعت اسلامیہ کا پیرو ہو گیا۔ اور اپنے سچے مسلمان ہونے کے ثبوت میں فرقہ باطنیہ کی تمام تصنیفات (موجودہ قلعہ الموت) جلا کر راکھ کر دیں اور اپنی والدہ اور بیوی کو حج کے لیے روانہ کیا۔ امیر المومنین ناصر باللہ عباسی نے اس قافلہ کی یہاں تک عزت کی کہ قلعہ الموت کا علم فرمانروائے خوارزم کے علم سے آگے کر دیا، اور جس راستہ سے یہ قافلہ گزرا وہاں کے حکمران نے بڑے اعزاز سے خیر مقدم کیا۔ تاریخ میں "یہ جلال الدین نو مسلم" کے نام سے مشہور ہے۔ اس کارروائی سے دنیائے

اسلام کو تو خاص مسرت ہوئی، مگر باطنی جلال الدین کے دشمن ہو گئے، اور زہر دیکر ختم کر دیا۔ گیارہ برس حکمران رہا۔

(۶) علاء الدین محمد بن جلال الدین ملقب محمد ثالث | ۶۱۶ھ ۱۲۱۹ء میں بعمر ۹ نو سال حکمران ہوا، اور رفیقوں کی مدد سے مذہب باطنیہ از سر نو جاری کیا گیا۔ علاء الدین کو کم سنی میں مالیخولیا ہو گیا، اسوجہ سے عنان حکومت ارکان سلطنت کے ہات میں تھی۔ لیکن باوجود سعی بلیغ فرقہ باطنیہ کو پھر اگلی سی قوت، وشوکت حاصل نہ ہوئی خواجہ نصیر الدین طوسی اسی زمانہ میں داخل قلعہ الموت ہوئے تھے۔ پینتیس ۳۵ برس، ایک مہینہ حکمران رہا اور ۶۵۲ھ ۱۲۵۴ء میں حسن مازندرانی نے قتل کر دیا

(۷) رکن الدین خور شاہ بن علاء الدین | باپ کے بعد ۶۵۲ھ میں حکمران ہوا۔ حسن مازندرانی کو مع اُس کی اولاد کے قتل کرا دیا، اور حسن کی نعش کو جلا دیا۔ ہنوز کسی قسم کا انتظام حکومت نہیں کرنے پایا تھا کہ ۶۵۴ھ ۱۲۵۶ء میں منقو خاں کے حکم سے ہلاکو خاں نے قلعہ الموت اور باطنیوں کا خاتمہ کر دیا۔ اور قلعہ کا تمام ذخیرہ جو حسن صباح کے عہد سے جمع ہو رہا تھا لوٹ لیا (قلعہ کے اندر سرکہ اور شہد کے حوض بھی بھرے ہوئے ملے جس کو حسن صباح نے ذخیرہ کیا تھا۔ مگر انکا ذائقہ نہیں بگڑا تھا۔ جسکو لوگ حسن کی کرامت سمجھتے تھے) جس کی تفصیل تاریخوں میں درج ہے۔ خواجہ نصیر الدین طوسی کا ایک تاریخی قطعہ درج کیا جاتا ہے۔

قطعہ

سالِ عرب چو شش صد و پنجاہ و چار بود ۶۵۴　　یک شنبہ روز اول ذیقعدہ بامداد
خور شاہ بادشاہ سماعیلیان ز تخت　　برخواست پیشِ تختِ ہلاکو بایستاد

الغرض تاتاریوں[1] نے باطنیوں کی ایرانی حکومت کا ایک سو اکہتر[171] برس کے بعد خاتمہ کردیا اور تقریباً سو[100] قلعے باطنیوں کے برباد کردیئے، اور بارہ ہزار[12000] باطنی قتل کیے گئے۔ اسی طرح شام ومصر میں سلطان ملک الظاہر بیبرس اور سلطان صلاح الدین ایوبی نے باطنیوں کا استیصال کردیا اور چھری بند فدائیوں سے ملک میں امن و امان ہوگیا۔ تاتاری حملہ کے بعد اس مذہب کا زور کم ہوگیا تھا۔ اور جہاں کچھ لوگ باقی رہ گئے تھے وہ گمنامی کی حالت میں تھے۔ قلعہ الموت کی تباہی کے بعد پھر حکمرانی نصیب نہیں ہوئی۔ البتہ جابجا جو داعی اور نقیب باقی رہ گئے تھے وہ اپنا کام کرتے رہے۔ چنانچہ فی زماننا بھی اسمعیلہ مذہب بلاد فارس، سواحل نہر سندھ، شام، حلب، میں موجود ہے اور دمشق میں ایک محلہ ہے جو "حارۃ الحشاشین" کے نام سے مشہور ہے (ان کے عقائد میں عجمیوں سے بہت اختلاف ہے) ہندوستان میں اس گروہ کے امام ہز ہائینس سر آغا خاں صاحب بالقابہ ہیں۔ آپ کے اجداد کا سلسلہ رکن الدین خورشاہ تک پہنچتا ہے۔ اس مضمون کے خاتمہ پر ہم دو نقشے درج کرتے ہیں جن کے ملاحظہ سے اسمعیلہ کی شاخوں اور مشاہیر مقتولین کی مختصر فہرست معلوم ہوگی۔



[1] خلیفہ مستعصم باللہ اور شہر قزوین کے رؤساء کی طرف سے تاتاریوں کو دعوت دی گئی تھی کہ وہ مسلمانوں کو باطنیوں کے ظلم وستم سے بچاویں اور ان کا استیصال کردیں۔ چنانچہ تاتاری فوج آئی اور باطنیوں کا خاتمہ کردیا۔ اور بعض تاریخوں میں لکھا ہے کہ ایک معزز مغل کو کسی باطنی نے قتل کردیا تھا جس کے قصاص میں تاتاریوں نے ان کا خاتمہ کردیا۔ ناظرین اس موقع پر حصہ اول کے صفحہ ۲۹۔ کا نوٹ بھی ملاحظہ فرمائیں۔ جو خواجہ نصیر الدین طوسی سے متعلق ہے۔

(۱) فہرست فرقہائے اسمعیلہ جنھوں نے مختلف ملکوں میں مختلف ناموں سے خروج کیا

نمبر شمار	نام	مختصر کیفیت
۱	اسمعیلی	چونکہ یہ فرقہ امام اسمعیل کا مقلد ہی۔ لہذا اسکا عام لقب اسمعیلی قرار پایا۔ اور یہی اصلی نام ہی۔ باقی اس کی شاخیں ہیں جو اپنے داعیوں کے نام سے یا کسی خاص عقیدہ کی وجہ سے شہرت پذیر ہیں۔
۲	بابکی	بابک ایک عجمی تھا جس نے ۲۰۱ھ میں خلیفہ معتصم باللہ کے زمانہ میں بمقام اذربائیجان خروج کیا تھا۔ اور اصفہان و ہمدان میں ایک جماعت اُس کی مقلد ہو گئی تھی۔ بابک نے اپنے جدید مذہب کا نام "خرم دین" رکھا تھا۔ اسوجہ سے بابکیہ فرقہ۔ خرمیّہ بھی کہلاتا تھا۔ ماں۔ بہن۔ بیٹی کے ساتھ نکاح جائز تھا۔ اس لیے اس کا ایک نام حرمیّہ بھی ہی۔
۳	محمرہ	یہ فرقہ بابک کی تقلید میں سرخ لباس پہنا کرتا تھا اس وجہ سے محمرہ لقب ہوا مگر صرف گرگان کے واسطے مخصوص ہی۔
۴	مبارکی	مبارکؒ امام محمد بن اسمعیل کا ایک حجازی غلام تھا جس نے اوّل کوفہ میں مذہب اسمعیلیہ پھیلایا۔ اور یہ کوفی، مبارکی مشہور ہوے۔ ورنہ حقیقت میں مبارک کے تمام پیرو قرامطہ کہلاتے تھے۔
		فرقہ اسمعیلیہ میں جو نام سب سے زیادہ مشہور ہوا وہ قرمطی ہی۔ قرمط کے لغت عرب میں

۵	قرمطی	متعدد معنی ہیں منجملہ ان کے ایک یہ کہ باریک اور گنجان خط کو قرمط کہتے ہیں چنانچہ حضرت علی کرم اللہ وجہ کا مقولہ ہے کہ فرج ما بین السطور و قرمط بین الحروف یعنی بین السطور میں کشادگی رکھو۔ اور حرفوں کو گانٹھ کر لکھو۔ چونکہ مبارک مذکور ایسا ہی خط لکھتا تھا۔ لہذا اس کے پیرو قرمطی اور قرمطویہ کہلائے۔ عبداللہ بن میمون قداح اہوازی نے مبارک کو مذہب اسمعیلیہ میں داخل کیا تھا اور آخر میں یہ مبارک اس مذہب کا ایک پرجوش داعی ثابت ہوا۔
۶	میمونی	عبداللہ بن میموں قداح اہوازی کا مقلد فرقہ میمونی کہلاتا ہے۔ یہ شخص شعبدہ باز ساحر اور ماہر طلسمات تھا۔ اسوجہ سے کوہستان، خراسان، اصفہان اور رے میں اس نے خوب ترقی کی۔ امام اسمعیل اور امام محمد کی خدمت میں عبداللہ عرصہ تک حاضر رہا تھا۔ عبداللہ کے بیٹے احمد نے شام اور مغرب میں اسمعیلی فرقہ کو خوب ترقی دی۔ فرقہ اسمعیلہ میں عبداللہ کا درجہ حسن صباح سے بہت زیادہ ہے۔
۷	خلفی	خلف کا مقلد فرقہ خلفی کہلاتا ہے۔ یہ خلف عبداللہ بن میموں کا نائب تھا۔ اس نے خراسان، قم، کاشان، طبرستان، مازندران میں اشاعت کی۔ اور چونکہ ان بلاد میں شیعہ اثنا عشری آباد تھے لہذا اسمعیلی عقائد کا اثر جلد اثر ہو گیا۔ خلف کا خلف الرشید احمد تھا اور احمد کا خلیفہ غیاث۔ یہ بھی بڑا فاضل تھا۔ جس نے ۲۰۲ھ میں فلسفیانہ اُصول پر مذہب اسمعیل میں ایک کتاب تصنیف کی جس کا نام بیان ہے۔ غیاث نے طالقان، ہرات، غور، میں یہ مذہب پھیلایا۔ اور غیاث کے

		خلیفہ ابو حاتم نے نیشاپور، رَے، طبرستان، آذربائیجان میں خوب ترقی کی۔
۸	برقعی	۲۵۵ھ میں محمد بن علی برقعی نے بمقام اہواز خروج کیا۔ اور خوزستان، بصرہ، پر قبضہ کرکے ہزاروں آدمیوں کو داخل مذہب کرلیا ۲۷۰ھ میں خلیفہ معتضد باللہ کے حکم سے سولی دیگئی۔ یہ نام نواح بصرہ کے لیے مخصوص ہی۔ اس کا بیٹا علی بن محمد بھی قتل ہوا۔ اس کے عقائد میں مزدک، اور بابک کے اصول بھی شامل تھے۔
۹	جنابی	ابو سعید بن حسن بن بہرام جنابی۔ قرمطی نے احسا، قطیف، بحرین میں اشاعت مذہب کی ۳۰۱ھ (۹۱۳ء) میں قتل ہوا۔ اس کے وعظ کی ابتدا ۲۸۶ھ (۸۹۹ء) میں ہوئی تھی طاہر ابو سعید کا بیٹا تھا ۳۱۷ھ میں جس نے عین حج کے دن خانہ کعبہ کو تاخت و تاراج کیا۔ چاہ زمزم، اور حرم کعبہ نعشوں سے بھر گیا۔ حرم محترم میں جو گستاخیاں کیں اس کے لکھنے سے قلم عاجز ہے۔ یہی طاہر ہی جو حجر اسود کو اپنی جگہ سے علیحدہ کرکے لے گیا تھا اور ۲۲ سال کے بعد ۲۳ ہزار دینار تاوان لیکر خلیفہ مطیع للہ عباسی کو واپس دیا۔ اور اپنی جگہ دوبارہ نصب ہوا۔ جو آج تک قائم ہی۔
۱۰	مہدوی	امام ابو محمد عبید اللہ مغربی سے منسوب ہی۔ اس فرقہ کو سعیدی بھی کہتے ہیں اس نام کو اولیت کا شرف حاصل ہی۔
۱۱	ملاحدہ	حسن بن محمد (جسکا عہد حکومت ۵۵۶ھ لغایتہ ۵۵۹ھ) حکمران قلعہ الموت کے زمانہ میں علماء اسلام نے فرقہ اسمعیلہ کا نام ملاحدہ رکھا (اسکا مفرد ملحد ہی) کیونکہ اس عہد میں شریعت اسلامیہ کی ظاہری ارکان بھی باقی نہیں رہے تھے۔ نماز، روزہ وغیرہ

نمبر	نام	تفصیل
		سب کی معافی مل گئی تھی۔
۱۹-۱	حسنی	حسن صباح کے عہد میں یہ فرقہ حسنی[12] (منسوب بہ حسن صباح) تعلیمی[13] (یہ نام اسی عقیدہ کی بنیاد پر ہی کہ بغیر امام کی تعلیم کے خداشناسی محال ہی) باطنی[14] (ہر باطن کا ایک ظاہر ہی) فدائی[15] (فدائیوں کے اعتبار سے) حشاشین[16] (بھنگڑ، بھنگ نوش) کے نام سے مشہور تھا۔ منجملہ ان کے نمبر ۱۶ صرف یورپ میں مشہور تھا۔ باقی نام عراق۔ عرب وعجم میں مشہور تھے۔ باطنیہ بھی قدیم نام ہی۔ مگر خاص شہرت حسن صباح کے زمانے سے ہوئی ہی چونکہ حسن اور اُس کے جانشین امام نزار فاطمی کے داعی تھے۔ لہٰذا یہ فرقہ نزاریہ[17] بھی کہلاتا ہی۔ اور حسن صباح کے نام اور قبیلہ کی مناسبت سے صباحیہ[18] اور حمیریہ[19] بھی کہتے ہیں
۲۰	بضیئہ	ملک شام کے بعض مقامات میں یہ فرقہ بضیہ کہلاتا ہی۔ اور بعض شہروں میں فدائی جیسا کہ سفرنامہ ابن بطوطہ سے واضح ہوتا ہی۔ ملک شام میں احمد بن عبداللہ میمون او رمحمد بن احمد میمون کے بعد ایک شخص ذکرویہ ملقب بہ صاحب الخال ابن مہرویہ پیدا ہوا۔ عرب کے قبائل میں اس کا بہت زور ہوا۔ ۲۹۴ھ/۹۰۶ء میں قتل ہوا۔ بعدازاں یحییٰ بن ذکرویہ اور ابوالقاسم حسین بن یحییٰ کی توجہ سے شام میں خوب ترقی ہوئی۔ ملک شام کے فرقہ نے تمام یورپ میں ہل چل ڈالدی تھی اور سب سے اول قلعہ بانیاس پر قبضہ کرلیا تھا اس کے بعد فتوحات کا سلسلہ جاری ہوگیا تھا جس کی تفصیل کامل اثیر وغیرہ میں موجود ہی۔
۲۱	قرامطۂ یمن	تیسری صدی ہجری کے خاتمہ پر صنعا میں علی بن فضل یمنی نے مذہب اسمٰعیلہ کی بنیاد ڈالی شراب حلال بیٹیوں سے نکاح جائز کردیا اور یمن میں قرامطہ کے نام سے یہ فرقہ

مشہور ہوا[1] (تفصیل کے لیے تاریخ عمارہ یمنی مطبوعہ لندن مع ترجمہ انگریزی دیکھنا چاہیے)

مختصر فہرست مشاہیر اسلام

جو حسن صباح اور اُس کے جانشینوں کے عہد میں فدائیوں کے ہاتھ سے قتل ہوئے

نمبر شمار	سنہ قتل	نام مقتول	نام قاتل	مختصر کیفیت
۱	سنہ ۴۸۵ھ ۱۰۹۲ء	خواجہ حسن نظام الملک وزیر ملکشاہ سلجوقی	ابو طاہر حارث	
۲	سنہ ۴۸۹ھ ۱۰۹۵ء	ابو مسلم حاکم رے	خداداد رازی	
۳	ایضاً	امیر سیاہ پوش	ابراہیم دماوندی	
۴	ایضاً	امیر اثر ملکشاہی	حسن خوارزمی	
۵	ایضاً	امیر کجبش	ابراہیم دماوندی	
۶	سنہ ۴۹۰ھ ۱۰۹۶ء	امیر ارعش غلام ملکشاہ	عبدالرحمٰن خراسانی	بمقام رے قتل کیا۔ اسی طرح امیر یوسف ندیم طغرل بیگ کو قتل کیا تھا
۷	ایضاً	حاوی علوی گیلانی	ابراہیم بن محمد	
۸	ایضاً	ابوالفتح دہستانی وزیر برکیارق	غلام دمی خادم وزیر	
۹	ایضاً	امیر سرزین ملکشاہی	ابراہیم خراسانی	
۱۰	ایضاً	عبدالرحمٰن السمیرمی وزیر السلطان برکیارق	+	

[1] یہ فہرست سیاستنامہ باب ۴۶ اور دیگر مذہبی تاریخوں سے ماخوذ ہے۔

نمبر شمار	سنہ قتل	نام مقتول	نام قاتل	مختصر کیفیت
۱۱	سنہ ۴۹۰ھ ۱۰۹۶ء	امیر ربیق ندیم طغرل بیگ	×	
۱۲	سنہ ۴۹۱ھ ۱۰۹۷ء	سکندر صوفی قزوینی	رفیق تہتانی	
۱۳	ایضاً	ابو المظفر مجید فاصل اصفہانی	ابو الفتح سنجر	
۱۴	ایضاً	سنقرچہ والی دہستان	محمد دہستانی	
۱۵	سنہ ۴۹۲ھ ۱۰۹۸ء	ابو القاسم کرخی	حسن دماوندی	
۱۶	ایضاً	ابو الفرج قراتگین۔	+	
۱۷	ایضاً	ابو عبید مستوفی	رستم دماوندی	
۱۸	ایضاً	اتابک مودود حاکم دیار بکر	+	
۱۹	ایضاً	ابو جعفر شاطبی رازی	محمود دماوندی	
۲۰	سنہ ۴۹۳ھ ۱۰۹۹ء	امیر بلکابک سرمز اصفہانی		یہ قتل خاص سلطان محمد کے محل میں ہوا
۲۱	ایضاً	قاضی عبد اللہ اصفہانی	ابو العباس مشہدی	
۲۲	ایضاً	قاضی کرمان	حسن سراج	
۲۳	سنہ ۴۹۹ھ ۱۱۰۵ء	قاضی ابو العلا صاعد بن ابو محمد نیشاپوری	+	جامع مسجد اصفہان میں قتل کیا۔
۲۴	سنہ ۵۰۰ھ ۱۱۰۶ء	وزیر فخر الملک ابو المظفر بن خواجہ نظام الملک طوسی۔	+	یوم عاشورہ کے دن قتل کیا
۲۵	سنہ ۵۱۶ھ ۱۱۲۲ء	کمال ابو طالب سمیرمی وزیر سلطان محمود		بمقام ہمدان قتل کیا
۲۶	سنہ ۵۱۹ھ ۱۱۲۵ء	قاضی ابو سعد محمد بن نصیر بن منصور ہروی	+	بمقام ہمدان قتل کیا

نمبر شمار	سنہ قتل	نام مقتول	نام قاتل	مختصر کیفیت
۲۷	سنہ ۵۲۰ھ ۱۱۲۶ء	قسیم الدولہ آق سنقر		نماز جمعہ میں قتل کیا۔
۲۸	سنہ ۵۲۱ھ ۱۱۲۷ء	معین الملک ابو نصر احمد بن فضل وزیر سلطان سنجر		اس وزیر نے عام طور پر باطنیہ کے قتل کا حکم جاری کر دیا تھا۔
۲۹	سنہ ۵۲۳ھ ۱۱۲۹ء	عبد اللطیف بن الخجندی رئیس الشافعیہ اصفہانی		
۳۰	سنہ ۵۲۴ھ ۱۱۳۰ء	الآمر باحکام اللہ ابو علی بن مستعلی صاحب مصر		
۳۱	سنہ ۵۲۶ھ ۱۱۳۱ء	امام ابو ہاشم فاطمی		زندہ جلا دیا۔
۳۲	ایضاً	قاضی ابو سعید ہروی	محمد ورای عمر دامغانی	
۳۳	سنہ ۵۲۷ھ ۱۱۳۲ء	حسن گرگانی	ابو منصور ابراہیم خیر آبادی	
۳۴	سنہ ۵۲۸ھ ۱۱۳۳ء	سید دولت شاہ علوی حاکم اصفہان	ابو عبد اللہ	
۳۵	ایضاً	آق سنقر حکمران مراغہ	ابو عبید محمد دہستانی	
۳۶	ایضا	جناب شمس تبریزی	ابو سعید قاینی ابو الحسن فرغانی	
۳۷	سنہ ۵۲۹ھ ۱۱۳۵ء	خلیفہ المسترشد باللہ عباسی		۱۴۔ فدائیوں نے ملکر کام تمام کیا
۳۸	ایضا	حسن ابن ابو القاسم کرخی مفتی شہر قزوین	محمد کرخی سلیمان قزوینی	
۳۹	سنہ ۵۳۲ھ ۱۱۳۷ء	داؤد بن سلطان سنجر		
۴۰	سنہ ۵۳۳ھ ۱۱۳۸ء	قاضی قہستانی۔	ابراہیم دامغانی	قاضی صاحب ہمیشہ باطنیہ کے قتل کا فتوی لکھا کرتے تھے۔
۴۱	ایضا	قاضی تفلیس دار السلطنت جارجیہ	ایضاً	
۴۲	سنہ ۵۳۴ھ ۱۱۳۹ء	قاضی ہمدان	اسمعیل خوارزمی	

نمبر شمار	سنہ قتل	نام مقتول	نام قاتل	مختصر کیفیت
۴۳	سنہ ۵۳۴ھ / ۱۱۳۹ء	عین الدولہ خوارزم شاہ		
۴۴	سنہ ۵۳۵ھ / ۱۱۴۰ء	امیر ناصر الدولہ بن مہلہل	حسین کرمانی	
۴۵	سنہ ۵۳۷ھ / ۱۱۴۲ء	امیر کرشاشپ والی کرمان		
۴۶	سنہ ۵۳۸ھ / ۱۱۴۳ء	داؤد بن سلطان محمود بن محمد سلجوقی		
۴۷	سنہ ۵۴۰ھ / ۱۱۴۵ء	آق سنقر غلام سلطان سنجر		سلطان سنجر کا دوسرا غلام جوہر بھی کسی باطنیہ کے ہاتھ سے مارا گیا تھا۔ جس کے قصاص میں امیر عباس حاکم رے غلام جوہر نے ہزاروں باطنی قتل کرا دیئے اور انکے سروں کا منارہ بنایا جس پر موذن اذان دیتا تھا۔
۴۸	سنہ ۵۹۶ھ / ۱۱۹۹ء	نظام الملک مسعود بن علی وزیر خوارزم شاہ		سلطان صلاح الدین ایوبی اپنی خوش نصیبی سے بچ گیا لیکن جنگ صلیبی کے زمانے میں بعض لوگ ذبح بھی قتل ہوئے

یہ فہرست تاریخ کامل اثیر۔ تاریخ آل سلجوق۔ گنج دانش۔ اور انگریزی تاریخوں سے ماخوذ ہے۔

دولت سلجوقیہ کی ابتدائی تاریخ طغرل بیگ کی فتوحات

سلجوقی سلطنت کا قیام و استحکام خلیفہ قائم بامر اللہ عباسی سے غزنہ مر اسم الپ ارسلان کا عہد حکومت

ترک و تاتار | ترکستان[۱] اور بلاد چین کے مابین جو عظیم الشان "درۂ کوہ" (جس کی مسافت ہر طرف ایک مہینہ کی راہ تھی) واقع ہے، وہی ترکی اقوام کا قیام گاہ تھا اور سوائے خالق اکبر کے اُن کی مردم شماری کسی کو معلوم نہیں تھی۔ ان اقوام کے اسباب زندگی بھی اُسی جگہ مہیا تھے۔ کیونکہ اُنکی عام غذا، جانوراں صحرائی، اور پرندوں کا گوشت اور بکریوں کا دودھ تھا کبھی کبھی غلہ بھی ملجاتا تھا، سواریوں کے لیے مضبوط گھوڑے موجود تھے جن کے لیے چراگاہوں میں گھاس بافراط تھی بھیڑ اور بکریوں کے بالوں سے لباس اور خیمے بناتے تھے۔ دلیری اور بہادری میں ممتاز تھے۔ اور قدرت نے اپنی فیاضی سے عورتوں کو بھی ان صفات میں ممتاز کیا تھا۔ ان اسباب نے ترکوں کو ایک خوفناک اور جنگجو قوم بنا دیا تھا۔ اگرچہ اصلی پیشہ جنگ و جدال تھا۔ مگر تفریحاً قافلوں کو بھی لوٹ لیا کرتے تھے۔ غُز (غوز، غوزی، یوز) خطا، اور تاتاری ترک بھی اسی گروہ سے ہیں۔ مگر انہیں بھی

[۱] ابن خلدون حالات دولت سلجوقیہ۔ تاریخ اسلام اسٹاکر بیل سید میر علی خلافت قائم بامر اللہ۔ تاریخ ایران مالکم صاحب حالات سلجوق

تاتاری [illegible] ایشیا کے [illegible] سیر [illegible] زرخیز فضا میدان ہندوستان کے زرخیز صوبے ایشیا‌ے کوچک کے [illegible] ایران، شمالی یورپ کے پہاڑی اور ویران ملک اور ایران کے بعض حصے۔ تاتاریوں [illegible] تھے۔ یہ بڑی دلچسپ [illegible] میدان میں چھا جاتا وہاں کے خشک و تر کی صفائی کر دیتا تھا [illegible] کے حصہ کا نام [illegible] جو اس ہو جاتے تھے جسکی تاریخ شاہد ہے چنانچہ مغل بھی اسی نسل [illegible] صرف [illegible] ہے کہ جس وقت مغل ایشیا کے انتہائی مشرقی گوشہ میں [illegible] اسوقت ترک عربوں کے میل جول سے تہذیب کے سانچہ میں ڈھل گئے تھے [illegible] اپنی عالمگیر فتوحات [illegible] ان ترکی اقوام کو بلاد ماوراء النہر سے نکال دیا تھا صرف ترکستان کا [illegible] شاش اور [illegible] کے قبضہ میں رہ گیا تھا جسکا وہ سالانہ خراج ادا کرتے تھے۔ لیکن جب ملوک ترکستان کی [illegible] زوال پذیر ہوئی تو یہ بادیہ نشین اقوام [illegible] بلاد ترکستان میں آباد ہو گئیں جس کی ابتدا [illegible] ہجری سے ہوتی ہے۔ تاتاریوں [illegible] [illegible] سلاجقہ ہوئے۔ اور اس کتاب کا [illegible] سے ہے لہذا [illegible] تاریخ لکھی جاتی ہے (عربی تاریخوں میں سلجوقی ترکمان کے نام سے مشہور ہیں۔)

دولت سلجوقیہ کی مختصر تاریخ دشت قبچاق[1] کا مشہور سردار بیگو خاں ([illegible]) [illegible] حکمراں تھا۔ اور اس کی فوج کا سپہ سالار دقاق (دقاق) المخاطب بہ "تمر یالیغ" تھا (اس لفظ کے معنی سخت کمان کے ہیں۔ جو دقاق کی بہادری اور غیر معمولی جسارت پر دلالت کرتے ہیں)

---

[1] ابن [illegible] سلجوق۔ [2] روضۃ الصفا۔ حالات سلجوق۔ [illegible]
زینۃ المجالس مجدی صفحہ ۱۲۲ نامہ خسرواں طبقہ سلجوقیان صفحہ ۸۴

فن سپہ گری کے علاوہ، دقاق عقل و رائے تدبیر و سیاست اور امانت و دیانت میں بھی ممتاز تھا۔ اسی وجہ سے بیگو خاں کو نہایت عزیز تھا۔ چنانچہ اسی زمانہ میں دقاق کے یہاں بیٹا پیدا ہوا جس کا نام سلجوق[1] رکھا گیا اور یہی مولود سعید سلجوق اعظم ہو کر خاندان سلجوقیہ کا بانی قرار پایا۔ چنانچہ دقاق اور بیگو خاں کے سایہ عاطفت میں سلجوق کی تربیت ہوئی۔ جب سلجوق جوان ہو گیا اُس وقت دقاق کا انتقال ہوا۔ اور بیگو خاں نے سیاشی (سپہ سالاری) کا درجہ دیکر سلجوق کا مرتبہ بڑھا دیا قومی سرداری، اور فوجی اثر سے سلجوق نے اپنی جماعت کو خاص طور پر ترقی دی۔ اور بیگو خاں پر بھی حاوی ہو گیا۔ تب امرائے سلطنت حاسد ہو گئے۔ اور شکایتوں کا بازار گرم ہو گیا۔ اور ایک خاص واقعہ یہ ہوا کہ محل سرا ئے میں ایک دن سلجوق، مسند شاہی کے قریب جہاں بیگمات۔ اور شاہزادوں کی نشست تھی جا بیٹھا۔ یہ نشست خاتون کو نہایت ناگوار ہوئی۔ اور اپنے شوہر سے کہا کہ "یہ لڑکا بہت چل نکلا ہے۔ اس عمر میں تو یہ حال ہے آگے چلکر خدا جانے کیا ہوگا"؟ بیگو خاں پر اس واقعہ کا اثر ہوا۔ اور سلجوق کو اوج حشم سے گرانا چاہا۔ جب سلجوق کو اس واقعہ کی خبر ہوئی تو وہ بھی ہوشیار ہو گیا۔ اور سو سوار، پندرہ سو اونٹ، اور پچاس ہزار بکریاں لیکر سمرقند کو روانہ ہوا اور نواح جند[2] میں پہنچکر خیمے لگا دیئے۔ یہاں اس قبیلہ کے اور گروہ بھی آ گئے اور ایک چھوٹی سی حکومت قائم[3] ہو گئی اور تائید غیبی سے سلجوق مع اپنے توابعین کے مسلمان ہو گیا۔ چنانچہ خاندان

---

[1] ترکی لہجہ سلچک اور سلچوک ہے۔ اور عرب سلجوق کہتے ہیں۔ نامہ خسرواں عہد سلجوقیاں۔ [2] جند۔ ترکستان کا مشہور اور بڑا شہر ہے صفحہ ۱۴۲ جلد ۳ معجم البلدان۔ [3] الفخری کی روایت ہے کہ سلجوق نے اپنی عالی ہمتی، فیاضی، دانشمندی سے اکابر قوم کو اپنا ہمدرد بنا لیا تھا۔ اس وجہ سے خاتون نے اپنے شوہر کو مشورہ دیا تھا کہ وہ سلجوق کو قتل کر دے۔ چنانچہ بیگو خاں نے اقرار کیا تھا کہ میں عنقریب اس کا انتظام کروں گا جس کو تم دیکھ لوگی۔ چنانچہ سلجوق کو جب یہ اشارہ معلوم ہوا تو وہ مع اپنے قبائل کے جند کو چلا گیا"۔ الفخری صفحہ ۲۶۱

سلجوقیہ میں یہ پہلا مسلمان[۵۱] سردار تھا۔ جو مذہب اسلام کا ایک زبردست مجدد اور حامی بنگیا جس علاقہ میں سلجوق مقیم تھا۔ یہ علاقہ بیغو، شاہ ترکستان کے قبضہ میں تھا۔ اور وہ اہالیان جند سے خراج لیا کرتا تھا۔ لیکن سلجوق نے ادائے خراج سے انکار کیا۔ اور بذریعہ تلوار بیغو سے یہ علاقہ چھین لیا۔ اس فتح سے اطراف وجوانب میں سلجوق کا اقتدار بڑھ گیا اور چھوٹے چھوٹے حکمرانوں کا وہ مددگار بنگیا۔ جب سلجوق کی طاقت بڑھ گئی تو اس نے اپنا صدر مقام "نور بخارا"[۵۲] قرار دیا۔ اور اس جگہ کو مستحکم کرکے ملک گیری کی طرف متوجہ ہوا۔ سلجوق کے چار بیٹے۔ اسرائیل، میکائیل[۵۳]، یونس، موسیٰ ارسلان ملقب بہ بیغو کلاں تھے۔ چنانچہ میکائیل ایک لڑائی میں مارا گیا۔ اور خود سلجوق بھی (۱۰۷ برس کی عمر میں) ایک تاتاری کے ہات سے قتل ہوا۔ اور بمقام جند دفن ہوا۔ سلجوق اور میکائیل کے بعد طغرل بیگ محمد اور چغری بیگ داود (پسران میکائیل) قوم کے سردار ہوئے۔ اور دونوں کے مشورے سے حکومت شروع ہوئی۔ جس زمانہ میں طغرل بیگ کی فتوحات کی ابتدا ہوئی ہی۔ اسوقت دنیائے اسلام کی یہ حالت تھی کہ خلافت بغداد کا صرف نام ہی نام رہ گیا تھا۔ اور وہ وسیع وعظیم الشان سلطنت جو کبھی بغداد کے ایک خلیفہ کے زیر نگیں تھی اس وقت

---

۵۱ مسٹر آرنلڈ صاحب دعوت اسلام میں لکھتے ہیں کہ ایل خانی خاندان کی لڑائیوں میں جو ترکی سردار شریک ہوئے انمیں ایک شخص سلجوق بھی تھا جو ۹۸۵ء میں کرغیز کے پہاڑی میدانوں سے اتر کر اپنی قوم کو بخارا کے اضلاع میں لایا۔ اور وہاں اس نے اور اسکی قوم نے نہایت جوش سے اسلام قبول کیا۔ اور یہی دولت سلجوقیہ کی ابتدا ہوئی جسکی فتوحات نے مسلمانوں کی مٹتی ہوئی شان وشوکت کو پھر سنبھال لیا۔ اور مغربی ایشیا کی اسلامی سلطنتوں کو ایک سلطنت میں شامل کردیا۔" دعوت اسلام صفحہ ۲۳۸ مطبوعہ آگرہ۔ ۵۲ تاریخ آل سلجوق اصفہانی صفحہ ۰ ۵۳ نور بخارا۔ بخارا سے تیس میل کے فاصلہ پر شارع عام پر ایک مشہور گاؤں ہے اور کوہستانی ہی۔ جہاں بزرگان دین کے مزار ہیں موسم سرما میں نور بخارا، اور موسم گرما میں صغد وسمرقند صدر مقام رہتا تھا صفحہ ۳۲۷ جلد ۸ معجم۔ ۵۴ کامل ابن اثیر جلد صفحہ ۳ ۱۶۲ بعض تاریخوں میں ینال کا نام بھی لکھا ہی۔

مختلف خاندانوں میں تقسیم ہوگئی تھی۔ خلفائے فاطمیین مصر کے سوا کسی کو شاہنشاہی کا خطاب نہ دیا
نہ تھا۔ اسپین، افریقہ (جس میں مصر کا زرخیز صوبہ شامل تھا) خلافت عباسیہ کے اثر سے آزاد ہوچکا
تھا۔ شام کا شمالی حصہ اور الجزیرہ، سرکش عربوں کے قبضہ میں تھا جن میں سے بعض شاہی خاندانوں
کے بانی ہوئے۔ دولت ایران آل بویہ میں تقسیم ہوچکی تھی، اور بغداد کا امیر المومنین بھی انہی کے
ہاتھوں میں تھا جس کی مذہبی عظمت کو آل بویہ کے خیالات (شیعہ) نے ضعیف کر دیا تھا۔ [illegible]
آشوب زمانے میں اسلام کی مذہبی و سیاسی کمزوری رفع کرنے کے لیے ایک [illegible] قوت
کی ضرورت تھی۔ چنانچہ خدا نے سلجوقیوں کے وجود سے اس ضرورت کو پورا کیا۔ [illegible]
ایک مشہور مورخ کا قول ہے کہ "اسلام قبول کرتے ہی ان کی [illegible]
کی جو شہری زندگی سے بالکل بیخبر تھے) کایا پلٹ ہوگئی۔ سلجوق [illegible]
میں روح پھونکنے کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے۔ اور فی الواقع [illegible]
سلاجقہ برق و باد کی طرح ایران، الجزیرہ، شام، ایشیائے کوچک سے گزر گئے [illegible]
اس کو برباد کر دیا۔ ان فتوحات کے سیلاب کا یہ نتیجہ ہوا کہ افغانستان کی مغربی حدود سے بحیرۂ
روم تک کل ملک ایک فرمانروا کی حکومت میں آگیا اور کئی خانہ جنگیاں بند ہوگئیں اور سلطنت
کے منتشر عنصر ایک قالب میں جمع ہوگئے۔ رومیوں کی پیش قدمی کا [illegible]
مذہبی جوش پیدا ہوگیا۔ یہی سبب ہے کہ دولت سلجوقیہ کو تاریخ اسلام میں اہم اور ممتاز درجہ حاصل ہے۔

ا۔ تاریخ سلاطین اسلام۔ تذکرہ آل سلجوق مطبوعہ لندن۔

طغرل بیگ کی فتوحات ابتدا[1] میں طغرل بیگ نے علی تگین خاں (ایلک خاں) حاکم ماوراء النہر اور قدر خاں حاکم ترکستان سے ربط ضبط بڑھایا۔ لیکن یہ دوستی خود غرضی پر مبنی تھی لہٰذا جنگ کی نوبت آئی۔ اور طغرل بیگ کا مقابلہ ہوا۔ اور چغری بیگ خراسان اور طوس ہوتا ہوا۔ آرمینیہ کی طرف چلا گیا۔ اور سلطنت کے دوسرے حصوں میں بھی لڑائیوں میں مصروف ہوا۔ والی طوس سے یہ پہلی غلطی ہوئی کہ اس نے چغری بیگ کو طوس سے گزرنے دیا جب یہ خبریں سلطان محمود تک پہنچیں تو ۴۲۲ھ / ۱۰۲۹ء میں اس نے ایک قاصد طغرل بیگ کے پاس روانہ کیا۔ اور ملاقات کے لیے ایک سردار کو طلب کیا۔ طغرل بیگ نے اپنے چچا اسرائیل کو غزنی روانہ کیا۔ جب اسرائیل دربار سلطانی میں پیش ہوا تو بہت عزت سے بٹھایا گیا۔ اثنائے کلام میں سلطان نے پوچھا کہ "اگر مجھے فوجی مدد کی ضرورت ہو تو تم اپنے قبیلے سے کس قدر مدد دے سکتے ہو؟" اسرائیل نے ترکش سے ایک تیر نکال کر سلطان کو دیا اور عرض کیا کہ "اگر یہ تیر میرے قبیلے میں بھیج دیجئے تو ایک لاکھ سوار حاضر ہوں گے۔" اسی طرح دوبارہ اور سہ بارہ سوال کیے ہر جواب پر اسرائیل ایک ایک لاکھ سوار بڑھاتا گیا۔ اور جب پھر بھی محمود نے وہی سوال کیا تو اسرائیل نے کمان سامنے رکھ دی اور عرض کیا کہ "اس کے ذریعہ سے دو لاکھ بہادر صحرائی ترکوں سے جمع ہو جائیں گے۔" سلطان محمود سلجوقیوں کی کثرت سے مرعوب ہو گیا اور اسرائیل کو قلعہ کالنجر (ہندوستان) میں قید کر دیا۔ جہاں وہ سات برس قید رہا۔ اسی طرح جب سلطان محمود ہندوستان[2] کے جہاد میں مصروف تھا تو سلجوقیوں کی ایک بڑی

---

[1] تفصیل کے لیے روضۃ الصفا۔ تاریخ ابن اثیر۔ اور صحو الاقالیم خروج سلجوقیان دیکھنا چاہیے۔

[2] تاریخ الاسلام۔ رائٹ آنریبل سید امیر علی۔ حالات سلطان محمود غزنوی۔

جماعت کر غیز کو عبور کرکے ماوراء النہر میں آباد ہوگئی۔ اور سلطان نے یہ بڑی غلطی کی کہ معمولی شرائط پر خراج لے کر اُن کو آباد رہنے دیا۔ اور اُن کی خواہش کے مطابق جیحون سے عبور کرنے کی اجازت بھی دیدی اور وہ اطراف خراسان میں آباد ہوگئے۔ اور ابو سہل احمد بن حسن حمدونی، حاکم خراسان نے چراگاہ "وندانقان" کا زرخیز میدان اُن کو دیدیا۔ ارسلان جاذب[۱] (والی طوس) نے اس حکم سے اختلاف کیا اور عرض کیا کہ "ایسے خطرناک مسلح گروہ کو جو تعداد میں کثیر ہیں، خراسان میں داخلہ کی اجازت دینا خلاف مصلحت ہے۔ اور دوسرا مشورہ[۲] یہ دیا تھا کہ "آل سلجوق اور اُس کی جماعت جیحون میں غرق کردی جائے۔ یا اُن کے انگوٹھے کٹوا دیئے جائیں تاکہ وہ تلوار زنی اور نیزہ بازی نہ کرسکیں"۔ لیکن سلطان محمود نے اسکو ظالمانہ اور وحشیانہ فعل قرار دیا اور اسپر عمل نہیں کیا۔ اور سلجوقی گروہ جیحون سے گزر کر شہر نسا، ابیورد، اور طوس میں پھیل گیا۔ بسنہ ۴۲۱ھ / ۱۰۳۰ء میں سلطان محمود کا انتقال ہوگیا۔ اور سلطان مسعود تخت نشین ہوا۔ سلطان محمود کی حیات تک تو سلجوقیوں کا زور کم رہا۔ لیکن دور مسعودی میں طغرل بیگ اور چغری بیگ نے تمام ملک میں عام بغاوت کردی، دونوں طرف سے مقابلے[۳] ہوتے رہے اور بالآخر نیشاپور اور خراسان کی فتح پر ان لڑائیوں کا خاتمہ ہوگیا

---

[۱] ارسلان جاذب سلطان محمود کے زمانہ میں طوس اور نیشاپور کا حاکم تھا۔ اور دربار محمود غزنوی میں اعلیٰ درجہ کے امراء میں شامل تھا اور سلطان کا رشتہ دار بھی ہوتا تھا نیشاپور کی سڑک پر جہاں سے طوس اور ہرات وغیرہ کو سڑک گھومی ہے ایک رباط سنگی تعمیر کی کہ جس کی نظیر نہیں ہے۔ ارسلان کی قبر بھی اسی رباط میں ہے اور قبر کے چاروں طرف حسب ذیل کتبہ ہے

کُل ملک سیغوت کل ناس سیموت لیس للانسان حیاۃ سرمدا الا الملک الحی الذی لایموت۔ دولتشاہ صفحہ ۹،

[۲] ابن خلکان حالات طغرل بیگ [۳] سلطان مسعود اور طغرل بیگ کی لڑائیوں کے حالات تفصیل سے تاریخ بیہقی میں دیکھنا چاہیئے بسنہ ۴۲۹ھ / ۱۰۳۸ء میں نیشاپور اور بسنہ ۴۳۱ھ / ۱۰۴۰ء میں خراسان فتح ہوا اسکے بعد ہرات اور مرو پر قبضہ ہوا۔ "الوافی صفحہ ۳۶۰"

اس جنگ میں طرفین کا عظیم الشان نقصان ہوا۔ اور ایسا رن پڑا کہ جس کی نظیر چوتھی صدی میں نہیں ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ سلطنت غزنویہ کے کھنڈرات پر سلجوقی ایوان حکومت کی بنا ڈالی گئی اور آتش جنگ جو ایک مدت سے شعلہ زن تھی بجھ گئی۔ اطراف وجوانب میں عمال مقرر کرکے طغرل بیگ نے ملک کا ازسر نو انتظام کیا۔ تمام ملک میں طغرل بیگ کا خطبہ پڑھا گیا۔ اور افراسیاب کی چونتیسویں پشت میں پھر سلطنت قائم ہوئی۔ طغرل بیگ نے اپنا دارالسلطنت رے قرار دیا اور جغری بیگ نے مرو کو دارالحکومت بنایا۔ لیکن یہ محض انتظامًا تھا۔ کیونکہ بڑے بھائی کے مقابلہ میں جغری بیگ حکمراں بننا نہیں چاہتا تھا۔ اس عظیم الشان فتح کے بعد طغرل بیگ اور جغری بیگ نے امیرالمومنین القائم بامر اللہ عباسی کو اس مضمون کی درخواست دی[۱] کہ "خاندان سلجوق ہمیشہ سے مطیع و بہی خواہ خاندان رسالت ہے اور ہمیشہ جہاد میں مصروف رہا ہے۔ ہمارے چچا اسرائیل کو سلطان محمود نے بلاجرم وقصور گرفتار کرکے قلعہ کالنجر میں قید کردیا ہے۔ اس کے علاوہ ہمارے بہت سے عزیز قلعہ غزنین میں قید ہیں۔ سلطان محمود کے انتقال پر سلطان مسعود نے مصالح سلطنت پر توجہ نہ کی اور عیش وعشرت میں مشغول ہوگیا۔ ملک میں بدامنی پھیل گئی۔ تب مشاہیر خراسان نے استدعا کی کہ ہم انکی حمایت کریں اس لیے ہم سے اور مسعود سے جنگ ہوئی۔ لیکن باقبال امیرالمومنین ہماری فتح ہوئی۔ جس کے شکریہ میں ہم نے عدل وانصاف کو پھیلا دیا ہے۔ اور ظلم وستم کو چھوڑ دیا ہے۔ اب یہ آرزو ہے کہ ہماری حکومت امیرالمومنین کے زیر فرمان ہو اور حکومت کا طرز آئین اسلام کے مطابق ہو۔" ابو اسحاق فقاعی سفیر نے جب یہ درخواست امیرالمومنین کے حضور میں پیش کی تو وہ بہت خوش ہوا۔ اور طغرل بیگ کو[۲]

---

[۱] صور الاقالیم عہد سلجوقیہ۔ و تاریخ آل سلجوق اصفہانی عہد طغرل بیگ۔ [۲] ابن خلدون حالات طغرل بیگ خلافۃ قائم بامر اللہ۔

"رکن الدین" کا خطاب دیا اور خلعت روانہ کیا اور بلاد مفتوحہ[۵۱] کی سند حکومت بھی عطا کی چنانچہ سند اور خلعت ملنے پر طغرل بیگ نے جشن منایا۔ اور دس ہزار دینار، جواہرات، قیمتی کپڑے، اور چند مشک نافہ خلیفہ کے حضور میں روانہ کیے۔ علاوہ اس کے ارکین دولت کو پانچ ہزار دینار اور وزیر کو دو ہزار دینار بھیجے۔ اور ہبتہ اللہ بن محمد المامونی سفیر خلیفہ کو انعام دیکر اعزاز سے رخصت کیا۔

طغرل بیگ کی ملکی تقسیم۔ عراق اور عرب پر قبضہ، مالک روم پر حملہ، خلافت بغداد سے عزیزانہ تعلقات۔

فتوحات[۵۲] سے مطمئن ہوکر سنہ ۴۴۳ھ میں طغرل بیگ نے انتظام سلطنت کی غرض سے بلاد مفتوحہ کو اس طرح پر تقسیم کیا کہ۔

۱	جیحون سے نیشاپور تک	جغری بیگ داود
۲	کوہستان، ہمدان	ابراہیم بن ینال
۳	بست، ہرات، سیستان، بوشنج۔	ابو علی حسن بن موسیٰ ارسلان
۴	کرمان، تون، طبس	قاورد بن جغری بیگ
۵	اذربائیجان، ابہر، زنجان	یاقوتی بن جغری بیگ
۶	جرجان، دامغان	قتلمش بن موسیٰ ارسلان۔

اس کے علاوہ صوبہ عراق عجم کو اپنے قبضہ میں رکھا اور نیابت میں اپنے سب سے لائق بھتیجے الپ ارسلان بن جغری بیگ کو لے لیا اور اسی تقسیم کے مطابق ملکی انتظام شروع ہوگیا۔

عراق عجم کی فتوحات سے فارغ ہوکر سلطان سنہ ۴۴۳ھ ۱۰۵۱ء میں رے کو واپس آیا اور چند روز

---

۵۱ یہ کارروائی مذہبی حیثیت سے تھی ورنہ بلاد مفتوحہ کی سند عطا کرنیکا خلیفہ کو کوئی استحقاق حاصل نہ تھا۔

۵۲ آل سلجوق اصفہانی۔ ولٹریری ہسٹری آف پرشیا پروفیسر براؤن۔

ٹھہر کر بغداد کو روانہ ہوا چنانچہ اس سال عید کی نماز سلطان نے بغداد میں پڑھی اور شہر میں جلوس سے سواری نکلی۔ اور خلافت مآب کی دست بوسی کا شرف حاصل کیا۔ ۴۵۰ھ/۱۰۵۸ء میں شیراز میں طغرل بیگ کا خطبہ پڑھا گیا۔ اسی طرح اطراف و جوانب کے سرداروں نے بھی اطاعت قبول کر لی امیر ابوالاسوار والی جنزہ[۵۱]، اور قریش بن بدران، والی موصل نے تمام علاقہ میں سلطان کا خطبہ پڑھوایا۔ بعدازاں سلطان نے آرمینیہ ہو کر ملازکرد کا محاصرہ کیا، یہاں کے حاکم نے اطاعت نہیں کی تھی لہٰذا قرب و جوار کے شہروں کو تباہ کر دیا اور جہاد کرتا ہوا شہر ارزن (روم) تک چلا گیا۔ (سلطان کی جولانگاہ جارجیا اور آئبریا تک تھی۔ اور ۴۴۸ھ/۱۰۵۶ء میں ابراہیم بن ینال سلجوقی ممالک روم پر حملہ کرتا ہوا قسطنطنیہ کے قریب پہنچ گیا تھا) غرضکہ ان لڑائیوں میں سلطان کو بہت سا مال غنیمت ہاتھ آیا۔ لیکن شدت سرما سے مجبور ہو کر رَے میں واپس آیا۔ کچھ عرصہ تک قیام کر کے ہمدان کی طرف مراجعت کی۔ اس مرتبہ سلطان کا ارادہ تھا کہ حج خانہ کعبہ سے مشرف ہو۔ اور ملک شام سے خلفاء فاطمیہ کو بے دخل کر دے، لہٰذا حلوان کو روانہ ہوا لیکن اس زمانے میں خلیفہ القائم بامر اللہ امرائے دیالمہ[۵۲] کے مظالم سے بہت پریشان تھا۔ لہٰذا بتاریخ ۲۵ رمضان المبارک ۴۴۷ھ (مطابق دسمبر ۱۰۵۵ء) سلطان داخل بغداد ہوا۔ وزیر عمید الملک کندری بھی ہمراہ تھا۔ خلیفہ کی طرف سے رئیس الرؤسا (وزیر اعظم) اہل مناصب قاضی القضاۃ اور ذی مرتبہ

---

[۵۱] جنزہ۔ صوبہ اران کا بڑا شہر ہے۔ جو شروان اور آذربائیجان کے مابین واقع ہے۔ اس شہر میں نامور علماء گذرے ہیں صفحہ ۱۵۱۔ جلد ۳۔ معجم البلدان۔

[۵۲] اس زمانہ میں بغداد پر شاہان دیلم کی حکومت تھی و خلیفہ انہیں کے زیر اثر تھا جن کی طاقت کو سلجوقیوں نے توڑا اور خود ان کے قائم مقام ہو گئے۔

امراء نے استقبال کیا۔ دونوں وزیر بڑے تپاک سے ملے۔ سلطان کے خیمے لب دجلہ نصب کیے گئے اور فوج کی کثرت سے بغداد کی گلیاں بھر گئیں جامع بغداد میں طغرل بیگ کا خطبہ پڑھا گیا۔ بروز پنجشنبہ ماہ محرم ۴۴۸ھ (مطابق ۱۲ مارچ ۱۰۵۶ء) امیر المومنین قائم بامر اللہ نے دربار عام کیا۔ عمید الملک مع ارکان دولت خلیفہ کے حضور میں پیش کیے گئے اور اسی دربار میں خدیجہ المخاطب بارسلان خاتون، دختر جغری بیگ کا خلیفہ سے نکاح ہوا۔ وزیر اعظم نے خطبہ پڑھا۔ اور شرائط ایجاب وقبول کے پورے ہوے۔ اس رشتہ سے عمید الملک کی یہ غرض تھی کہ طغرل بیگ کی عزت افزائی ہو۔ اور دربار خلافت سے سلطان کے عزیزانہ تعلقات قائم ہو جائیں"۔ اس زمانہ میں قتلمش بن اسرائیل صوبہ موصل اور دیار بکر کا حکمراں تھا۔ ارسلان بساسیری قریش بن بدران العقیلی، اور نور الدولہ دبیس بن علی مزید آسدی نے متفق ہو کر حملہ کر دیا۔ اور بمقام سنجار لڑائی ہوئی قتلمش

لہ "بساسیری" ارسلان نام ابو الحرث کنیت یہ ایک سوداگر کا غلام تھا۔ یہ سوداگر شہر بسا کا رہنے والا تھا جسکو عربی میں فسا کہتے ہیں۔ بساسیری خلاف قیاس نسبت ہے جسکو اہل فارس نے جائز رکھا ہے۔ چنانچہ سوداگر مذکور سے بہاء الدولہ بن عضد الدولہ دیلمی نے خرید کیا۔ اور غلاموں میں شامل کر کے اعلیٰ درجہ کی تعلیم و تربیت کی۔ چنانچہ ارسلان سیاست اور آداب لشکر کشی میں بے نظیر ثابت ہوا جلال الدولہ اور اسکے بیٹے ملک رحیم کے زمانہ میں بہت صاحب اثر ہو گیا تھا۔ اور خلیفہ قائم بامر اللہ کو قید کر کے بغداد سے قلعہ عانہ میں (نہر فرات کے کنارے) بھیج دیا۔ اور وزیر علی بن حسین بن محمد رئیس الرؤسا کو قتل کر دیا اور بغداد کو لوٹ لیا (اس کے قتل کا یہ سبب ہے کہ وہ مذہب سنت و جماعت میں راسخ العقیدہ تھا۔ اور وزیر عمید الملک کندری کا بڑا مخالف تھا چنانچہ علی نے کرخ کے شیعوں پر حملہ کر دیا اور انکے سبز علم اکھاڑ کر پھینک دیے اور بجائے انکے سیاہ علم نصب کر دیئے اور اذان میں کلمہ حی علی خیر العمل کے مقابلہ میں "الصلوٰۃ خیر من النوم" کا اضافہ کر دیا۔ اصحاب ثلثہ کی مدح باآواز بلند قصہ خوانوں کی طرح گلی کوچوں میں پڑھنے لگے؟) اور مستنصر علوی کا خطبہ پڑھوایا۔ بغداد کے ناحیہ باب النج میں دار بساسیری ایک مشہور محلہ ہے۔ بغداد میں ایک سال چار مہینہ تک اس کا شور و شر قائم رہا جس کا نام تاریخ میں "فتنہ بساسیری" ہے یہ واقعات ۴۵۰ھ سے متعلق ہیں۔ از ابن خلدون و مراۃ البلدان ناصری۔

شکست کھاکر فرار ہوگیا۔ جب طغرل بیگ کو اطلاع ہوئی تو وہ قتلمش کی امداد کو بغداد سے روانہ ہوکر موصل پہنچا۔ بساسیری تو فرار ہوگیا اور نورالدولہ، اور قریش نے سلطان کی اطاعت قبول کی اسی جگہ سلطان کا بھتیجہ یاقوتی بن چغری بیگ بھی مع فوج آکر مل گیا۔ جس کی وجہ سے سلطان کی شان و شوکت اور بڑھ گئی۔ ملک پر پورا سکہ بیٹھ گیا۔ چونکہ اہل سنجار نے قتلمش کو پریشان کیا تھا۔ اور بساسیری سے سازکر گئے تھے۔ لہٰذا اس قصور میں سلطان نے واپسی کے وقت سنجار پر حملہ کیا اور عام لوٹ ہوئی۔ رؤسا سنجار کے سر جھنڈوں پر آویزاں کیے گئے۔ لیکن پھر قتلمش کی سفارش پر امن و امان کا اعلان کردیا گیا جب سلطان داخل بغداد ہوا۔ تو خلیفہ نے ملاقات کے واسطے پچیسویں ذیقعدہ یوم شنبہ مقرر کیا۔ دونوں طرف سے وسیع پیمانہ پر ملاقات کا سامان کیا گیا۔ سلطان مع ارکان دولت باب الرقہ تک کشتی میں آیا۔ پھر گھوڑے پر سوار ہوجسکو امیرالمومنین نے بھیجا تھا (یہ گھوڑا خاص امیرالمومنین کی سواری کا تھا) اور دہلیز صحن السلام اور حصن الاسلام (ایوان خلافت) پر پہنچکر پیادہ ہوگیا۔ ارکان دولت بغیر اسلحہ، سلطان کے جلو میں تھے۔ جب یہ شاندار جلوس ایوان خلافت تک پہنچا تو ارکان خلافت استقبال کرکے محل کے اندر لے گئے متعدد درجے طے کرنے پر نظر آیا کہ امیرالمومنین حجاب کے پردوں میں روپوش ہیں جس جگہ تخت بچھا ہوا تھا اُس کی تعریف نہیں ہوسکتی ہے۔ درودیوار سے عظمت و جلال نمایاں تھا۔ جب سلطان مقر اشرف کے قریب پہنچگیا تو پردہ اُٹھا دیا گیا اور برائے العین امیرالمومنین کی زیارت نصیب ہوئی۔ خلافت مآب ایک تخت پر جلوہ افروز تھے (یہ تخت زمین سے سات گز بلند تھا،

---

[۱] تاریخ آل سلجوق اصفہانی اور کامل ابن اثیر سے یہ واقعہ لکھا گیا ہے۔

کندھے پر چادر پڑی ہوئی تھی اور عصا ہاتھ میں تھا۔ (یہ دونوں چیزیں رسالت مآب کی تھیں)
سلطان طغرل بیگ خلیفہ کے حضور میں پہنچکر مودب کھڑا کیا گیا۔ سلام اور زمیں بوسی کی رسم
کے بعد سلطان کو کرسی پر بیٹھنے کی اجازت ہوئی (جو تخت خلافت کے سامنے بچھی ہوئی تھی)
محمد بن منصور کندری ترجمان ہوا (کیونکہ سلطان کی زبان فارسی تھی) معمولی بات چیت کے
بعد رئیس الروساء نے خلافت مآب کیطرف سے کھڑے ہو کر بیان کیا کہ "امیر المومنین خلیفۃ المسلمین
تمہاری کوششوں کے بیحد مشکور ہیں۔ اور تمہاری جاں نثاری کے مداح ہیں۔ امیر المومنین کو
تمہاری حاضری سے بہت مسرت ہوئی اور امیر المومنین تمکو کل بلاد کی حکومت عطا فرماتے
ہیں جس کا حکم ان اللہ جلشانہ نے انکو دیا ہے۔ اور مخلوق کے مراعات اور اُن کے معاملات تمہارے
سپرد کرتے ہیں۔ لازم ہے کہ حکومت حاصل ہونے پر اللہ سے ڈرتے رہو۔ اور امیر المومنین کے احسانات
وانعامات کو فراموش نہ کرو۔ عدل و انصاف کے پھیلانے۔ ظلم اور جور کے روکنے اور رعیت
کی اصلاح میں بجان و دل ساعی رہو" تقریر ختم ہونے کے بعد سلطان کو ایک دوسرے درجہ
میں لے گئے۔ اور وہاں سات پارچہ کا سیاہ خلعت مرحمت ہوا۔ سر پر تاج رکھا گیا گلے میں طوق
اور ہاتھ میں کنگن پہنایا گیا۔ پھر تاج کے اوپر مشک میں ڈوبا ہوا ایک زر تار عمامہ باندھا گیا۔ گلے
میں مرصع تلوار حائل کی گئی۔ جب عربی اور عجمی طریقہ پر سلطان خلعت پہن چکا تو پھر خلیفہ کے روبرو
کرسی پر لاکر بٹھادیا۔ سلطان نے اس عزت افزائی کے شکریہ میں دوبارہ زمیں بوس ہونا چاہا مگر
چونکہ تاج خسروی کے گر پڑنے کا احتمال تھا۔ لہذا اس رسم سے معافی دی گئی۔ خلیفہ نے مصافحہ
کے لیے ہاتھ بڑھایا۔ سلطان نے بعد مصافحہ ہاتھ چوما اور آنکھوں سے لگایا۔ دست بوسی کے بعد

خلیفہ نے اپنے مبارک ہات سے ایک تلوار سلطان کو مرحمت کی۔ جو دوسری طرف گلے میں حمائل کی گئی۔ خلیفہ نے سلطان کو دو تلواریں اور تاج وعمامہ بخشا۔ اسکا یہ مطلب تھا کہ سلطان طغرل اب مشرق اور مغرب کا مالک ہوا۔ اور اسکو عرب وعجم کی حکومت دی گئی۔ محمد بن منصور نے عہد نامہ پڑھ کر سنایا جس کو سلطان نے تسلیم کیا۔ اور خلیفہ نے اُسپر کاربند ہونے کی ہدایت کی، ان رسوم کے بعد ملاقات ختم ہوگئی۔ اور سلطان واپس گیا۔ سنہ ۴۵۰ھ ۱۰۵۸ء میں سلطان طغرل بیگ کو اپنے بھائی ابراہیم نیال سے بمقام ہمدان والے نیارے کی لڑائی کرنا پڑی۔ اور جب وہ گرفتار ہوکر سامنے آیا تو سلطان نے قتل کا حکم دیدیا۔ اور اُس کے شور وشر سے ہمیشہ کے لیے فرصت مل گئی۔ موقع پاکر ارسلان بساسیری نے بغداد پر حملہ کردیا۔ اور خلیفہ کو معزول کرکے مستنصر علوی مصری کا خطبہ جامع رصافہ اور جامع منصور میں پڑھوایا۔ اور علاوہ بغداد کے کوفہ، واسط وغیرہ میں بھی یہی کارروائی کی گئی۔ اذاں میں کلمہ "حی علی خیر العمل" کا اضافہ ہوا۔ خلیفہ کو بغداد سے نکال کر قلعہ حدیثہ خاں (متصل عانہ کنارۂ نہر فرات) میں بھیجدیا۔ بغداد وقصر خلافت لوٹ لیا۔ مستنصر علوی کو مبارکباد کا خط روانہ کیا۔ خلیفہ قائم بامراللہ پر جب یہ مصیبتیں ٹوٹ پڑیں تو اسنے نہایت دردانگیز خط لکھ کر طغرل بیگ کو طلب کیا۔ اسوقت اگرچہ سلطان خود اپنے جھگڑوں میں مبتلا تھا۔ لیکن خلیفہ کی اعانت کو فوراً بغداد پہنچا[۱]۔ سلطان کی آمد سنکر بساسیری مع اہل وعیال فرار ہوگیا۔ اور چوبیسویں ذیقعدہ سنہ ۴۵۰ھ ۱۰۵۸ء میں خلیفہ بھی بغداد پہنچگیا۔ بمقام نہروان خود

---

[۱] صاحب نگارستان لکھتا ہو کہ جب خلیفہ کا خط سلطان کے پاس پہنچا۔ تو سلطان نے اپنے کاتب صفی الدین ابوالعلا کو حکم دیا کہ اس کے جواب میں صرف یہ لکھدو کہ "آپ مطمئن رہیں۔ میں عنقریب مع فوج کے آتا ہوں" چنانچہ

سلطان نے استقبال کیا۔ اور دست بوس ہو کر سلامتی کی مبارک باد دی اور معذرت کی کہ میں ابراہیم سے برسر پیکار تھا۔ اسوجہ سے حاضری میں وقفہ ہوا۔ خلیفہ نے دعا دی اور ایک تلوار طغرل کے گلے میں حمائل کر کے کہا کہ "میرے پاس اسوقت بجز اس کے اور کچھ نہیں ہے" خلیفہ کی واپسی کے بعد سلطان نے خمارتگین کی سپہ سالاری میں اول کوفہ کو فوج روانہ کی اور بعد میں خود بھی روانہ ہو گیا۔ یہاں بساسیری غارتگری میں مصروف تھا۔ شاہی فوج سے مقابلہ ہوا۔ بساسیری کو میدان جنگ میں تیر لگا جس سے زخمی ہو کر گھوڑے سے گرا کمشتگین نامی ایک سوار نے سر کاٹ کر وزیر عمید الملک کندری کے روبرو پیش کیا۔ اور وزیر نے یہ تحفہ سلطان کے نذر کیا چنانچہ سلطان نے نامۂ فتح کے ہمراہ سر بھی بغداد روانہ کر دیا۔ وہاں خلیفہ کے حکم سے باب النوبی پر آویزاں کر دیا گیا۔ اس انتظام سے فارغ ہو کر سلطان واسط کو چلا گیا۔ اور مہینہ صفر ۴۵۲ھ ۱۰۶۰ء میں بغداد واپس آیا۔ خلیفہ نے محل "روشن التاج" میں دعوت کی۔ جس میں علاوہ سلطان کے تمام اُمرائے دولت سلجوقیہ بھی مدعو تھے۔ بعد ازاں ربیع الآخر میں دوسری دعوت ہوئی یہ نہایت پر تکلف تھی۔ سلطان نے جب خلیفہ کو احسانات سے گرانبار کر لیا تو ۴۵۳ھ ۱۰۶۱ء میں ابو سعد قاضی رے کی معرفت خلیفہ کے حضور میں یہ درخواست کی کہ اپنی بیٹی سیّدہ کا مجھ سے

(بقیہ نوٹ صفحۂ ماقبل) صفی الدین نے صرف یہ آیت لکھکر بھیجدی۔ ارجع الیھم فلنا تینھم بجنود لا قبل لھم بھا ولنخرجنھم منھا اذلۃ وھم صاغرون۔ (ترجمہ) سورۂ نمل۔ (اے سرگروہ ایلچیان جنھوں نے تمکو بھیجا ہے) اُن ہی کے پاس پھر لوٹ جا اور اب ہم ایسے لشکر لے کر ان پر چڑھائی کرینگے جنکا اُنسے مقابلہ نہ ہو سکیگا۔ اور ہم انکو وہاں سے ذلیل و خوار کر کے نکال باہر کریں تو سہی"۔ اس جواب کو سنکر سلطان بہت خوش ہوا اور فرمایا کہ انشاءاللہ ایسا ہی ہوگا جیسا کہ آیۂ کریمہ کا مطلب ہے۔ انتخاب آثار الوزرا سیف الدین۔

عقد کر دیں۔ اس کے جواب میں خلیفہ نے ابو محمد بن تمیمی کو مقرر کیا کہ وہ سلطان کو اس ارادے سے باز رکھے۔ کیونکہ خاندان رسالت میں ایسی شادیاں نہیں ہوتی ہیں۔ اور یہ بھی سمجھا دیا کہ اگر سلطان اپنی ضد پر قائم رہے تو تین لاکھ دین مہر اور اعمال واسط طلب کرنا۔ چنانچہ تمیمی نے اول وزیر عمید الملک سے ملاقات کی، بڑی بحث و مباحثہ کے بعد عمید الملک نے کہا کہ خلیفہ کو اس تقریب سے ہرگز انکار کرنا زیبا نہیں ہے۔ کیونکہ سلطان کی درخواست عاجزانہ ہے۔ باقی رہا دین مہر اور واسط کا معاملہ۔ یہ ادنیٰ درجہ کی بات ہے۔ سلطان، خلیفہ کی اُمید سے بہت زیادہ خدمت گزاری کریگا۔ لہٰذا مہر کے مسئلہ میں خاموشی بہتر ہے" عمید الملک کی تقریر سُنکر تمیمی نے اس تصفیہ کو عمید الملک کی رائے پر چھوڑ دیا۔ اور عمید الملک نے سلطان سے جا کر عرض کیا کہ " درخواست شادی منظور ہو گئی ہے"۔ یہ مژدہ سُنکر سلطان نے عمید الملک، فرامرز بن کاکویہ، سرخاب بن کامرو۔ اور دیگر سرداران دیلم کو مع ارسلان خاتون جانب بغداد روانہ کیا۔ دس لاکھ دینار، بیشمار جواہرات، اور لونڈی غلام ہدیۃً روانہ کیے۔ جب یہ سفارت نہروان کے قریب پہنچی تو۔ مجد الوزراء ابو الفتح منصور بن احمد وزیر خلیفہ نے استقبال کیا۔ اور عمید الملک کو باب النوبہ میں ٹھہرایا۔ اور ارسلان خاتون، ایوان خلافت میں اُتریں خلیفہ سے عمید الملک نے واقعہ بیان کیا۔ خلیفہ[1] سلطان کی درخواست سُنکر برافروختہ ہو گیا۔ چہرہ پر پسینہ آگیا اور عمید الملک کو تقریر کرنے سے روک دیا۔ لیکن عمید الملک نے بہت کچھ سمجھایا اور عرض کیا کہ

---

[1] خلیفہ نے بگڑ کر عمید الملک سے یہ کہا تھا کہ "نحن بنو العباس خیر الناس فینا الامامۃ والزعامۃ الی یوم القیامۃ۔ من تمسک بنا رشد وھدی۔ ومن ناوانا ضل وغوی۔ از آل سلجوق اصفہانی صفحہ ۱۹۔

ناکامی کی صورت میں مجھے اپنی جان کا خطرہ ہی۔ جب خلیفہ نے کچھ نہ سُنتا اور اپنی ضد پر قائم رہا۔ تب عمید الملک خفا ہوکر نہروان کو چلا گیا اور سیاہ لباس اُتار ڈالا۔ خلیفہ کی طرف سے ابو منصور بن یوسف اور قاضی القضاۃ مصالحت کے لیے بھیجے گئے اور عمید الملک کو واپس لائے۔ دوبارہ گفتگو ہونے پر خلیفہ نے مجبوراً عمید الملک کی رائے پر اس مسالہ کو چھوڑ دیا لیکن اس کے قبل جو کارروائی ہوئی تھی وہ عمید الملک نے سلطان کو لکھ بھیجی تھی اُس کے جواب میں سلطان نے قاضی القضاۃ اور شیخ ابو المنصور کو لکھا کہ ”جناب من! خلیفہ قائم بامر اللہ نے میری کارگزاریوں کا اچھا صلہ دیا۔ میں نے خلیفہ کی حفاظت میں اپنے ایک بھائی کو قربان کردیا اور اسقدر مال و دولت صرف کیا کہ میں فقیر ہوگیا۔ اسپر بھی میری درخوست نامنظور کی جاتی ہی“ اور اُسی حالت عتاب میں عمید الملک کے نام حکم بھیجا کہ ”خلیفہ کے قبضہ میں صرف اسقدر جاگیر رہنے دو۔ جو القادر باللہ کے نام تھی۔ باقی کل جاگیر ضبط کرکے شامل خالصہ کرو“ جب یہ مراسلہ خلیفہ کی نظر سے گزرا۔ تو مجبوراً سلطان کی درخوست منظور کرلی۔ اور خلیفہ نے عمید الملک کو وکیل بنایا۔ وکالت نامہ پر قاضی القضاۃ، اور شیخ ابو المنصور کے دستخط ہوئے۔ اور سردار ابو الغنائم بن المحلبان کی معیت میں عمید الملک کو مقام تبریز روانہ کیا۔ اور اسی جگہ بروز شنبہ ماہ محرم ۴۵۴ھ (۱۵ جنوری ۱۰۶۲ء) وکالتاً نکاح ہوگیا۔ سلطان نے رئیس العراقین کے ہمراہ۔ ابو الغنائم کو بغداد واپس کیا۔ اور خلیفہ کے حضور میں تین غلام، تیس ترکی کنیزیں روانہ کیں۔ غلام گھوڑوں پر سوار تھے۔ جنکی زین اور لگام مرصع بجواہر تھیں۔ اور دس ہزار دینار خلیفہ کے واسطے اور دس ہزار دینار اپنی بیوی سیدہ کے لیے روانہ کیے اور ایک مالا موتیوں کا جس میں تین سو دانے تھے

ہر دانہ کا وزن ایک مثقال تھا۔ جب سلطانی قافلہ بغداد کے قریب پہنچا۔ تو خلیفہ کی طرف سے استقبال کیا گیا اور خواص و عوام نے خلیفہ اور سلطان کے اتحاد پر مبارکباد دی۔ رئیس العراقین نے خلیفہ کے حضور میں تحائف پیش کیے۔ محرم ۴۵۵ھ ۱۰۶۳ء میں سلطان آرمینہ سے سیدہ خاتون کے رخصت کرانے کے لیے بغداد آیا۔ وزیر فخر الدولہ بن جہیر نے بمقام قفص[1] بڑی شان و شوکت سے استقبال کیا اور ایوان خلافت کے ایک خاص محل میں ٹھرایا۔ چونکہ عقد کا لتا بمقام تبریز ہوا تھا۔ لہذا بعض ضروری رسوم عمل میں نہیں آئی تھیں۔ وہ اب ادا ہوئیں۔ اور سیدہ کو چوتھی کی دلہن بنا کر ایک تخت زرنگار پر بٹھایا جس کے سامنے پہنچکر سلطان کو زمیں بوس ہونا پڑا لیکن دُلہن کے چہرہ سے نقاب اُٹھانے کی اجازت نہیں ہوئی۔ اور ایک چاندی کا تخت سیدہ کے مقابل بچھایا گیا جس پر سلطان تشریف فرما ہوئے یہ واقعہ مہینہ صفر کا ہے۔ اور اسی جگہ بتاریخ پندرہ صفر یوم دوشنبہ زفاف ہوا سلطان نے ارسلان خاتون اور سیدہ کو ایک ایک قیمتی مالا دیا۔ اس کے علاوہ خالص چاندی کا ایک "جام خسروانی" اور فرجیہ (ایک قسم کا لباس جو سونے کے تاروں سے بنا ہوا تھا مرحمت کیا۔ اور ایک لاکھ دینار نقد پیش کیا اور ایک ہفتہ جشن منایا۔ سلطان نے عمید الملک وزیر، ابو علی بن ملک ابی کالیجار، ہزار سپ، فرامرز بن کاکویہ، سرخاب بن بدر بن مہلہل، امرائے دولت کو بھی خلعت مرحمت فرمائے۔ اور انعامات اس کے علاوہ تھے۔ ربیع الاول میں سلطان مع سیدہ کے رے کو روانہ ہو گیا۔ اور چونکہ طبیعت ناساز تھی لہذا تبدیل آب ہوا کے لیے رودبار کے پہاڑی قلعہ[2] میں چلا گیا۔

---

[1] قفص۔ بغداد کے قریب ایک مشہور گاؤں ہے جہاں خلفاء تفریحاً جایا کرتے تھے۔ صفحہ ۱۳۷، جلد ۷ معجم البلدان۔

مگر یہ جگہ مزاج کے خلاف ہوئی اور یہاں عارضہ نکسیر میں مبتلا ہوا۔ اور کسی علاج سے خون بند نہ ہوا اور بتاریخ ۸ رمضان المبارک ۴۵۵ھ مطابق ۴ ستمبر ۱۰۶۳ء جمعہ کے دن انتقال کیا۔ طغرل بیگ نے ستر برس کی عمر پائی۔ اور چھبیس برس حکومت کی۔ شعرا نے مرثیئے لکھے۔ چنانچہ کسی شاعر کا یہ شعر مشہور ہے

خاک بر سر لب غریب و دشمن بود　　ورنہ اورا چہ وقت مردن بود

اور مقبرہ چغری بیگ میں بمقام مرو رود دفن ہوا۔ آل سلجوق میں یہ نہایت نیک بادشاہ ہوا ہے

سیرت طغرل بیگ طغرل[۱] بیگ کے مزاج میں حلم و کرم بہت تھا۔ نماز باجماعت کبھی قضا نہیں ہوئی خصوصاً جمعہ کی نماز کا خاص اہتمام کرتا تھا۔ دوشنبہ اور پنجشنبہ کو روزہ رکھتا اور آئین قدیم کے مطابق یکشنبہ اور چہارشنبہ کو فیصلہ مقدمات کے لیے کچہری کیا کرتا تھا۔ خیرات اور صدقات برابر جاری رکھتا۔ عیب پوشی اسکا خاص ہنر تھا۔ پرتکلف لباس کا شائق نہ تھا۔ ہمیشہ سفید اور اور سادہ کپڑے پہنا کرتا تھا۔ عمارات میں تعمیر مساجد کا بڑا شائق تھا اور کہا کرتا تھا کہ "مجھے خدا سے شرم آتی ہی کہ میں مکان بناؤں اور اس کے پہلو میں مسجد نہو"۔ طغرل بیگ فوجی حیثیت سے ایک سپاہی تھا۔ اور جامع صفات سردار بھی۔ جنگ کے موقع پر اگرچہ اس کا مزاج آگ بگولا ہوتا تھا۔ مگر کوئی وحشیانہ فعل کبھی صادر نہیں ہوا۔ اپنے دشمن سے ہمیشہ راست بازی، نرمی، اور فیاضی کا برتاؤ رکھا۔ اور یہی اس کی کامیابی کا بڑا راز تھا۔ اسلام کا زبردست حامی اور مربی تھا۔

نوٹ صفحہ ماقبل [۲] ایک انگریزی مورخ نے لکھا ہی کہ طغرل بیگ نے موضع طاجرشت میں انتقال کیا۔

[۱] کامل اثیر حالات طغرل بیگ۔

اور یہی وجہ تھی کہ خلفائے عباسیہ کی انتہائی تعظیم کرتا تھا۔ ورنہ شاہان دیالمہ نے خلفاء عباسیہ کی عظمت و شان کو اپنے مذہبی تعصب سے بالکل پامال کر دیا تھا۔ علم و فضل کا بھی قدر دان تھا طغرل بیگ کا تمام دور حکومت عدل و انصاف میں ممتاز ہے۔ اور فی الحقیقت وہ سلجوقیوں میں ایک دانشمند بادشاہ تھا۔ جب موت کا وقت آگیا تو کہنے لگا کہ "بیماری کی حالت میں میری وہی مثل ہے۔ کہ جب اون کاٹنے کے لیے بھیڑ کے پاؤں باندھے جاتے ہیں، تو وہ سمجھتی ہے کہ مجھے ذبح کر ڈالیں گے۔ اس لیے خوب ہات پاؤں ٹپکتی ہے۔ اور جب سی کھولدی جاتی ہے تو خوش ہو کر اٹھ کھڑی ہوتی ہے۔ اسی طرح جب اس کو ذبح کے واسطے کستے ہیں تو وہ سمجھتی ہے کہ اون تراش کر چھوڑ دیں گے اس لیے چپ پڑی رہتی ہے، اور گلے پر چھری چل جاتی ہے۔"[1] جب سلطان کے انتقال کی بغداد میں اطلاع ہوئی تو عظیم الشان ماتم ہوا۔ اور وزیر فخر الدولہ بن جہیر نے خاص مجلس عزا مرتب کی اور بزرگان بغداد آکر سلطان کی تعزیت کرنے لگے۔ طغرل بیگ اگرچہ سپاہی منش بادشاہ تھا لیکن علم دوست اور شعر و سخن کا بھی شائق تھا۔ عمادی شہریاری اسی دربار میں تھا۔ چنانچہ عمادی کے ذیل کے اشعار مدح سلطان میں تذکرہ مجمع الفصحا میں یادگار ہیں۔ جن کو ہم بھی بطور یادگار کے درج کرتے ہیں۔

اے زلف و رخت سپہر و اختر | وے روے و لبت بہشت و کوثر
جز مدح امیں مگس نہ شاید | آں جا کہ لب تو گشت شکر
سلطان سپہر قدر طغرل | کز قبہ دانشست برتر

[1] تاریخ آل سلجوق اصفہانی عہد طغرل۔

خاکِ درِ او ست چرخ اعظم	عُشر کف او ست بحر اخضر
رونسے کہ بلوح جاں نویسد	منشور اجل زبان خنجر
شمشیر ز خون تازہ سازد	بیماری مرگ را مزوّر
در آتش رزم پاے کو باں	مے آید مرگ چوں سمندر
بند در محت بدست نصرت	بر گردن روزگار زیور
یک قوم چو کاسہ داغ بر دل	یک قوم چو کوزہ دست بر سر

علاوہ ان صفات کے طغرل بیگ میں خالص مذہبی جوش تھا۔ اور مذہب کا ادب ہر موقع پر قائم رکھتا تھا جس کی ایک مثال یہ ہو کہ ۴۲۹ھ میں جب شہر نیشاپور پر قبضہ کیا۔ تو رمضان المبارک کا مہینہ تھا۔ اور اس شہر کے فتح کرنے میں فوج نے بڑی کوشش کی تھی اور ہر سپاہی کا خیال تھا کہ وہ مال غنیمت سے مالامال ہو جائیگا۔ چنانچہ جغری بیگ اور تمام فوج نے شہر کو لوٹنا چاہا۔ لیکن سلطان نے کہا کہ شہر الحرام میں لوٹ مار جائز نہیں ہی۔ میری ذات سے رمضان المبارک کی ہتک ہو۔ یہ میں کسی طور پر منظور نہیں کر سکتا ہوں۔ چنانچہ اخیر مہینہ تک سپاہی خاموش بیٹھے رہے۔ لیکن عین عید کے دن پھر اجازت مانگی۔ تب سلطان نے کہا کہ خلیفہ القائم بامر اللہ نے فرمان بھیجا ہی اور اس میں ہدایت ہی کہ رعایا کے ساتھ سلوک کیا جائے اور شہر تباہ و برباد نہ کیے جاویں۔ اور خلیفۃ المسلمین کی اطاعت فرض ہی" اس جواب پر جغری بیگ نے تلوار کھینچ لی اور خود کشی پر آمادہ ہو گیا۔ تب مجبور ہو کر رعایا نے نیشاپور سے چالیس ہزار دینار نقد دلوا دیئے۔ کہ وہ فوج کو تقسیم کر دیئے جائیں۔ اور ابو بکر طوسی سفیر خلیفہ کو

تیرہ پارچہ کا خلعت دیکر رخصت کیا۔

عضد الدولہ الپ ارسلان کا عہد سلطنت

تم اوپر پڑھ چکے ہو کہ سلطان طغرل بیگ نے جیحون سے نیشاپور تک کا ملک اپنے چھوٹے بھائی جغری بیگ داؤد کے سپرد کر دیا تھا۔ اور جغری بیگ نے مرو کو اپنا دارالحکومت بنا لیا تھا۔ چنانچہ[۵۱] بمقام بلخ بتاریخ ۱۰ رجب یوم دوشنبہ ۴۵۱ھ مطابق ۳۰۔ اگست ۱۰۵۹ء جغری بیگ نے بھی ستر برس کی عمر میں انتقال کیا۔ مرحوم کے چار بیٹے الپ[۱] ارسلان۔ یاقوتی[۲]۔ قاورد[۳] (قاروت بیگ) اور سلیمان[۴] موجود تھے۔ لیکن سلطان طغرل بیگ نے اپنے اطاعت شعار، بہادر، اور عزیز بھتیجے ابو شجاع محمد ملقب بہ الپ ارسلان (دلاور شیر) کو بھائی کا جانشین کر کے صوبہ خراسان کا مستقل والی (گورنر) بنا دیا۔ کیونکہ الپ ارسلان سب سے بڑا اور سب سے زیادہ لائق اور تجربہ کار تھا۔ لیکن جغری بیگ کے انتقال پر سلطان طغرل بیگ نے اپنی بھاوج (والدہ سلیمان) سے عقد کر لیا تھا۔ اور یہ بیگم سلطان کے مزاج میں بہت دخیل تھی لہذا الپ ارسلان کے خلاف (والدہ سلیمان کے اصرار سے) طغرل بیگ نے انتقال کے وقت اپنے دوسرے بھتیجے سلیمان کے حق میں وصیت کی کہ میرے بعد یہ ہی تاج و تخت کا مالک ہوگا۔ (طغرل بیگ لاولد فوت ہوا) چنانچہ طغرل بیگ کے انتقال پر عمید[۵۲] الملک کندری وزیر السلطنت نے یہ کوشش کی کہ الپ ارسلان محروم رہے۔ اور سلیمان تخت سلطنت کا مالک ہو۔ چنانچہ بمقام "رے" سلیمان کا خطبہ پڑھا گیا۔ جو گروہ الپ ارسلان کا طرفدار رہا انکو یہ امر

[۵۱] ابوالفدا۔ جلد ثانی۔ صفحہ ۱۸۹۔ کامل اثیر جلد ۱۰ صفحہ ۱۔ سرجان ملکم عہد سلجوقیہ۔
[۵۲] ابن خلدون و کامل اثیر تخت نشینی الپ ارسلان۔

نہایت ناگوار رہا۔ چنانچہ باغیسان، ارتعن، اور اردم، مشاہیر سرداران سلجوقیہ، قزوین کو روانہ ہوئے۔ اور یہاں الپ ارسلان کا خطبہ پڑھوایا۔ بالآخر الپ ارسلان بلا شرکت غیرے سلجوقی تاج و تخت کا مالک ہوا جس کے عہد سلطنت کی ابتدا محرم ۴۵۶ھ مطابق ۱۰۶۴ء سے ہوئی ہے۔

خواجہ نظام الملک کی مستقل وزارت، عہد الپ ارسلان کی بغاوت اور ملکی فتوحات، الپ ارسلان کی موت، اور سلطان ملک شاہ کی تخت نشینی، خواجہ نظام الملک کے مہتم بالشان کارنامے اور مختلف حالات و واقعات

خواجہ نظام الملک کی مستقل وزارت

خواجہ حسن (نظام الملک) کے ابتدائی حالات میں یہ لکھا جا چکا ہے کہ سلطان عبدالرشید غزنوی کے عہد سلطنت میں خواجہ دارالسلطنت غزنی کے کسی محکمہ میں نوکر تھا۔ پھر ابو علی احمد بن شاذان والی بلخ کا کاتب ہو گیا۔ اور جب خراسان پر طغرل بیگ کا قبضہ ہو گیا۔ تو چغری بیگ کے دربار میں بمقام مرو حاضر ہوا۔ لیکن یہ نہیں تحقیق ہوا کہ خواجہ حسن کس سنہ میں آیا ہے۔ لیکن قرینہ[1] سے معلوم ہوتا ہے کہ سلطان فرخ زاد یا ابراہیم غزنوی کے زمانہ میں آیا ہے۔ کیونکہ الپ ارسلان نے (بحالت شاہزادگی) فرخ زاد کو خراسان کی سب سے اخیر لڑائی میں شکست دی ہے۔ اور ۴۵۱ھ میں جب

---

[1] دیکھو حصہ اول کتاب ہذا صفحہ ۵۰ لغایت ۵۶ ــ فرخ زاد اور ابراہیم کا عہد ۴۴۴ھ لغایت ۴۵۰ھ ہے۔

سلطان ابراہیم تخت نشین ہوا ہی۔ تو اس نے چغری بیگ سے یہ معاہدہ کر لیا کہ جس کے قبضہ میں اسوقت جو ملک ہی وہ بدستور اُسپر قابض رہے اور کسی کو یہ حق نہو گا کہ دوسرے پر فوج کشی کرے چنانچہ اس معاہدہ کے تکمیل ہو جانے پر ملک میں امن و امان ہو گیا۔ اور اس سال سے گویا سلجوق خراسان کے مستقل بادشاہ ہوے۔[1] چونکہ خواجہ حسن الپ ارسلان کے ولیعہدی کے زمانہ سے اسکا کاتب، مشیر، اور مصاحب تھا۔ اور الپ ارسلان خود بھی خواجہ کی امانت و دیانت اور رائے و تدبیر سے فائدہ اُٹھا چکا تھا۔ قطع نظر اس کے ابو علی شاداں (وزیر چغری بیگ داؤد) نے الپ ارسلان سے یہ وصیت کی تھی کہ میرے بعد خواجہ حسن کو وزارت کا عہدہ دینا۔ چنانچہ الپ ارسلان نے تخت نشین ہوتے ہی خواجہ حسن کو وزارت کا ممتاز منصب عطا کیا۔

سلطان[2] طغرل بیگ کے انتقال پر الپ ارسلان نہایت بیکسی اور بے بسی کے عالم میں تھا کیونکہ اس کے چچازاد اور علاتی بھائی (جو دوسری ماں سے ہو) تاج و تخت کے دعویدار تھے عمید الملک کندری جو چچا کا وزیر اور سب سے معزز رکن سلطنت تھا وہ سلیمان کا طرفدار تھا۔ اور طغرل بیگ کے انتقال پر علانیہ بمقام رے سلیمان کا خطبہ پڑھوا چکا تھا۔ کیونکہ وہ سمجھتا تھا کہ بہ حیثیت ولیعہد طغرل بیگ سلیمان کی تخت نشینی عمل میں آئی ہی۔ اور اسپر کوئی الزام نہیں آسکتا ہی۔ یہ واقعات الپ ارسلان کے پیش نظر تھے۔ اب بجز خواجہ حسن کے اور کوئی مدبر ایسا نہ تھا۔ جو الپ ارسلان کی مصیبت کے وقت کام آتا۔ اور خواجہ کے لیے بھی اس سے بہتر کوئی موقع اظہار خیر خواہی اور قابلیت کا نہ تھا۔ چنانچہ وہ عمید الملک اور سلیمان کے مقابلہ میں الپ ارسلان کا مددگار بن گیا۔ اور اُن کی

[1] کامل اثیر جلد ۱۰ صفحہ ۱۷ [2] تاریخ آل سلجوق اصفہانی جلوس عضد الدولہ الپ ارسلان۔

تمام جالوں کو غارت کر دیا۔ سلیمان ایک ناتجربہ کار شہزادہ تھا۔ اور ملک میں اس کے ساتھ عام ہمدردی بھی نہ تھی۔ ایسی حالت میں اکیلا عمید الملک کیا کر سکتا تھا؟ جب عمید الملک کو اپنی غلطی کا احساس ہو گیا تو وہ بھی الپ ارسلان کا طرفدار بن گیا اور خطبہ میں الپ ارسلان کا نام شامل کر کے اپنی خیر خواہی کا اعلان کیا۔ مگر الپ ارسلان ان باتوں سے خوش نہ ہوا۔ اور مشترکہ سلطنت کو وہ پسند نہیں کرتا تھا۔

رے پر فوج کشی | خواجہ حسن کو جب یہ خبریں پہنچیں تو اُس نے سلیمان پر فوج کشی کی۔ جب فوجیں رے میں داخل ہو گئیں۔ تو خواجہ حسن کی خوش بیانی اور حسن تدبیر سے تمام شہر نے اطاعت قبول کر لی۔ عمید الملک نے حاضر ہو کر نذر پیش کی۔ اور سلیمان کی طرف سے جو خدشہ تھا وہ بالکل جاتا رہا۔

قتلمش پر فوج کشی | خواجہ حسن رے کے انتظام سے فارغ ہوا تھا کہ پرچہ نگاروں نے اطلاع[1] دی کہ شہاب الدولہ قتلمش بن ارسلان سلجوقی نے قلعہ کردکوہ[2] سے نکلکر ملک پر تاخت و تاراج کرنا شروع کر دیا ہے اور رے پر حملہ آور ہوا چاہتا ہے۔ چنانچہ سلطان بھی نیشاپور سے روانہ ہوا۔ جب فوجیں دامغان پہنچگئیں تو جوش برادرانہ سے مجبور ہو کر الپ ارسلان نے قتلمش کو یہ پیام بھیجا کہ "تم میرے بھائی ہو۔ میں تمہارے اس فعل کو بُرا سمجھتا ہوں۔ اور حکم دیتا ہوں کہ تم اپنے ارادہ سے باز آؤ" قتلمش نے اس پیام پر کچھ توجہ نہ کی اور رے کے علاقہ میں لوٹ مچا دی۔ اور وادی الملح کو پانی سے بھر دیا جس سے یہ مقام ناقابل گزر ہو گیا۔ الپ ارسلان پریشان ہوا۔ خواجہ نے کہا کہ اطمینان رکھو میں نے تمہارے واسطے ایسی فوج بھرتی کی ہے جس کے تیر کبھی خطا نہیں کرتے ہیں (خواجہ کی غرض خراسان

---

[1] کامل اثیر جلد ۱۰ صفحہ ۱۲ و تاریخ آل سلجوق اصفہانی۔ [2] کردکوہ۔ دیکھو نوٹ صفحہ ۵۳-۵۴ حصہ اول کتاب ہذا۔

کے اُن علماء و زہاد سے ہی جن کے ساتھ خواجہ احسانات کیا کرتا تھا اور جو سلطان کے حق میں دعائے خیر کیا کرتے تھے) اور یہ فوج تمہاری سب سے بہتر اعوان و انصار ہیں"۔ یہ کہکر خود اسلحہ زیب تن کیے اور الپ ارسلان کے ہمراہ روانہ ہوا۔ سلطان نے پانی میں گھوڑا ڈالدیا۔ اور مع فوج کے صحیح و سالم نکل گیا۔ قتلمش[1] نے سامنے آکر لڑنا پسند کیا۔ چنانچہ لڑائی ہوئی۔ اور الپ ارسلان فتحیاب ہوا۔ سلطان نے فوج کو لوٹ کا حکم دیدیا۔ بشیار مال غنیمت ہات آیا۔ ہزاروں سپاہی قتل اور قید ہوے۔ سلطان نے قیدیوں کے قتل کا حکم دیا۔ لیکن خواجہ کی سفارش پر معافی دیکر آزاد کر دیا جب میدان کارزار کا مطلع صاف ہوا اور گرد و غبار بیٹھ گیا۔ تو قتلمش کی نعش ملی۔ سلطان کو اپنے بھائی کی موت کا سخت رنج ہوا۔ نماز جنازہ پڑہ کے دفن کرا دیا۔ موت میں اختلاف ہی۔ کامل اثیر کی روایت ہی کہ وہ خوف زدہ ہوکر مرگیا۔ اور مصنف نگارستان نے لکھا ہی کہ گھوڑے سے گرا۔ سر ایک پتھرسے ٹکرا کر پاش پاش ہوگیا۔ بہرحال جو سبب ہو الپ ارسلان کامیاب ہوا۔ اور اس فتح سے اسکا شہرہ روم تک ہوگیا۔ اور اخیر محرم ۴۵۶ھ ۱۰۶۳ء میں رے کو واپس آگیا۔ عمید الملک نے فوج و علم سے استقبال کیا۔

خواجہ نظام الملک نے اپنی کتاب دستور الوزرا، (وصایا) میں بھی اس معرکہ کا ذکر کیا ہی اور لکھا ہی کہ جب لشکر وادی الملح پہنچا۔ تو سلطان نے حکم دیا کہ تمام خزانہ جو فوج کے ہمراہ ہی وہ سپاہیوں

[1] شہاب الدولہ قتلمش بن ارسلان بن سلجوق۔ الپ ارسلان کا چچازاد بھائی تھا۔ اور یہی قتلمش شاہان قونیہ (اقصرا سیلوس) توقات، انگوریہ، ملطیہ، قیساریہ، اماسیہ، تکسار وغیرہ کا مورث اعلیٰ تھا۔ طغرل بیگ نے اپنی حیات میں اسکو فتوحات روم پر نامزد کیا تھا جہاں اس نے حکومت قائم کرلی تھی۔ نجوم میں خاص مہارت تھی۔ چنانچہ زائچہ سے معلوم کرلیا تھا کہ میں اس لڑائی میں کامیاب نہ ہونگا۔ ابوالفدا جلد ثانی۔

کو تقسیم کر دیا جائے"۔ غالباً اسی تالیف قلوب کا نتیجہ تھا کہ فوج نے بھی جان توڑ کر کوشش کی اور کامیابی حاصل کی اس نمایاں فتح سے الپ ارسلان خواجہ سے بہت خوش ہوا۔ عمید الملک نے خواجہ حسن سے بھی ایک دوستانہ ملاقات کی اور پانسو دینار بطور نذر پیش کیے۔ جب عمید الملک واپس گیا تو فوج حاضر خدمت ہوئی۔ سلطان اس کارروائی سے مشکوک ہو گیا اور خواجہ کے مشورہ سے عمید الملک کو گرفتار کر کے مرورود بھیجدیا جہاں وہ ایک سال قید رہا۔ اور اسی حالت میں تاریخ سولہ ذی الحجہ ۴۵۶ھ کو قتل کر دیا گیا۔[لہ] یہی وہ تاریخ ہے جس دن خواجہ حقیقت میں الپ ارسلان کا مستقل وزیر ہوا۔ کیونکہ جب تک عمید الملک قتل نہیں ہوا خواجہ نے اپنے تئیں مستقل وزیر نہیں سمجھا اب ہم خواجہ حسن کو نظام الملک کے خطاب سے یاد کریں گے۔[ٹہ]

عیسائی مقبوضات پر قبضہ اور شہر آنی کی فتح قلمش کی لڑائی سے فارغ ہو کر سلطان الپ ارسلان مہینہ ربیع الاول ۴۵۶ھ میں بقصد جہاد "دُرے" سے آذربائیجان کو روانہ ہوا۔ جب شہر مرند میں پہنچا تو امیر طغدکین ملاقات کو حاضر ہوا۔ یہ ایک ترکمان سردار تھا۔ جو بلاد روم سے خوب واقف تھا۔ اور جس کو جہاد سے بھی خاص دلچسپی تھی۔ لہذا سلطان امیر مذکور اور اُس کی فوج کو ہمراہ لیکر پہاڑی گھاٹیاں طے کرتا ہوا

لہ عمید الملک کندری کے حالات حصہ اول کتاب ہذا صفحہ ۴۸ ۵ میں دیکھو۔ اور صفحہ ۵۷۶ (تحت حالات عمید الملک) بجائے ۴۵۵ھ کے ۴۵۶ھ اور بجائے ۴۵۶ھ کے ۴۵۵ھ پڑھنا چاہیئے۔ کیونکہ عمید الملک اخیر محرم ۴۵۶ھ میں قید ہوا اور ایک سال بعد قتل کیا گیا۔ ٹہ فتوحات اسلامیہ جلد اول صفحہ ۲۲۶

ٹہ تاریخ کامل ابن اثیر میں لکھا ہے کہ سلطان طغرل بیگ کا پہلا وزیر ابوالقاسم علی بن عبداللہ جوینی۔ اور دوسرا رئیس الرؤسا ابو عبداللہ حسین بن علی بن میکائیل۔ تیسرا وزیر نظام الملک ابو محمد حسن بن محمد دھستانی چوتھا وزیر عمید الملک کندری، پانچواں خواجہ حسن طوسی، کامل ابن اثیر صفحہ ۱۸۱ جلد ۹۔

نقچوان تک پہنچا۔ اور نہر ارس کے عبور کرنے کو کشتیاں تیار کرائیں۔ خوی، سلماس (اذربائیجان) کی رعایا نے ہنوز اطاعت نہیں کی تھی۔ لہذا ان کی سرکوبی کے واسطے فوجیں روانہ کیں۔ مگر عمید خراسان کی حکمت عملی سے یہ دونوں شہر قبضہ میں آ گئے۔ اور یہاں کی رعایا سلطانی فوج میں داخل ہو گئی۔ اور اطراف و جوانب کے حکمراں بھی (مع فوج) شوق جہاد میں سلطان کے شریک ہو گئے۔ جب فوجیں اور کشتیاں جمع ہو گئیں تو سلطان بلاد کرج[1] کو روانہ ہوا۔ اور شاہزادہ ملک شاہ اور نظام الملک کو ایک دستے قلعہ کی فتح کے لیے روانہ کیا۔ جس میں رومیوں کا بڑا مجمع تھا۔ چنانچہ قلعہ فتح ہوا۔ اور قلعہ ارتمل کر دیا گیا۔ اور اہل قلعہ مقتول ہوئے۔ یہاں سے ملک شاہ اور خواجہ قلعہ سرماری[2] کو روانہ ہوئے۔ یہ قلعہ نہایت آباد تھا۔ جس میں پانی کی نہریں جاری تھیں اور سرسبز باغات بھی تھے۔ چنانچہ یہ بھی فتح ہو گیا اور خود عیسائیوں نے خالی کر دیا۔ اس کے پاس ایک دوسرا قلعہ تھا۔ وہ بھی ملک شاہ نے فتح کر لیا۔ اور اُس کو تباہ کرنا چاہا۔ مگر خواجہ نے منع کیا۔ کہ یہ سرحدی مقام ہے اس کو اسلحہ اور ذخائر سے مرتب رکھنا چاہیئے۔ چنانچہ یہ قلعہ امیر نقچوان کے سپرد کر دیا گیا۔ اس کے بعد قلعہ مریم نشین[3] میں پہنچے۔ یہ قلعہ رہبان اور قسیسین اور عیسائی بادشاہوں کا مسکن تھا۔ قلعہ کی فصیل زبردست پتھروں کی تھی، جس میں قلعی اور لوہے سے ٹیپ کرا دی گئی تھی

---

[1] کرج۔ عیسائیوں کا ایک خاص گروہ جس کی سکونت جبال القبق میں تھی۔ اور یہ ایک طاقتور قبیلہ تھا جس کی حکومت تفلیس تک تھی۔ اور ان کے شہر کا نام بھی کرج تھا صفحہ ۲۳۱۔ جلد ۷ معجم البلدان

[2] قلعہ شہر دونوں ایک نام سے موسوم ہیں۔ یہ بڑا شہر ہے تفلیس اور خلاط کے مابین ہے صفحہ ۵۰، جلد ۵ معجم البلدان۔

[3] غالباً یہ کسی بڑی خانقاہ کا نام ہے جہاں رومن کیتھولک فرقہ کے عیسائی عبادت کیا کرتے تھے اور یہ خانقاہ حضرت مریم کے نام سے موسوم ہو گی جس کا ترجمہ خواجہ نے مریم نشین کیا ہے۔

ایک بڑی نہر بھی جاری تھی۔ چنانچہ خواجہ نے کشتیاں اور سامان جنگ فراہم کر کے لڑائی چھیڑ دی اور دن رات جاری رہی۔ جب قلعہ فتح نہ ہوا تو سپاہی سیڑھیاں لگا کر دیواروں پر چڑھ گئے اور قبضہ کر لیا۔ خواجہ نظام الملک اور ملک شاہ قلعہ میں داخل ہوئے۔ کچھ عیسائی مسلمان ہو گئے اور اکثر قتل ہوئے۔ اس فتح سے الپ ارسلان بہت خوش ہوا۔ اور ملک شاہ کو اپنے پاس بلا لیا (جہاں وہ مصروف جنگ تھا) راستہ میں ملک شاہ فتوحات کرتا اور عیسائیوں کو گرفتار کرتا ہوا چلا گیا۔ جب سلطان الپ ارسلان، مع ملک شاہ وغیرہ شہر تسبیذ میں پہنچا تو یہاں ایک زبردست لڑائی ہوئی جس میں بکثرت مسلمان شہید ہوئے۔ مگر آخر میں خدا نے فتحیاب کیا۔ یہاں سے شہر اعال لال کی طرف بڑھے۔ یہ شہر شرقاً وغرباً ایک بلند پہاڑ پر آباد تھا جس میں متعدد قلعے تھے۔ اور شمالاً وجنوباً ایک بڑی نہر جاری تھی۔ بظاہر یہ بھی ناقابل فتح تھا۔ مگر بڑی لڑائی کے بعد فتح ہو گیا۔ چونکہ عیسائیوں نے اس لڑائی میں سلطانی فوج کو دھوکا دیکر تباہ وبرباد کیا تھا۔ لہٰذا سلطان نے اس کو جلا کر خاک سیاہ کر دیا۔ یہ واقعہ رجب ۴۵۶ھ کا ہے۔ یہاں سے ناحیہ فرس۔ اور ڈسل وردہ اور نوزہ میں پہنچے۔ یہاں کے باشندوں نے اطاعت کی۔ پھر شہر آنی کی طرف کوچ کیا۔ بقدر تین چوتھائی یہ شہر نہر ارس کے کنارہ پر آباد تھا اور نہایت مستحکم تھا۔ اور چوتھائی حصہ میں ایک دوسری نہر تھی۔ جس کا پانی اس شدت سے بہتا تھا کہ وہ بڑے پتھروں کو بہا لیجاتا تھا۔ اس شہر میں پانسو سے زیادہ گرجے تھے اور آبادی بہت تھی۔ چنانچہ اس کا محاصرہ کر لیا گیا جب فتح کی طرف سے ناامیدی ہوئی۔ تب الپ ارسلان نے اینٹ کا ایک برج بنوایا اور اس پر منجنیق

لے انتخاب از کامل ابن اثیر۔ جلد ۱۰۔ صفحہ ۱۳۔ و فتوحات اسلامیہ جلد اول صفحہ ۲۲۶

نصب کی۔ اور پتھر برسائے گئے۔ دیوار میں سوراخ ہو گیا۔ جب فوج اس طرف بڑھی تو خدا نے یہ فضل کیا کہ قلعہ کی ایک دیوار بلا سبب گر گئی۔ اور مسلمان داخل شہر ہوئے۔ بشمار عیسائی قتل و گرفتار ہوئے۔ یہاں تک کہ بہت سے مسلمان صرف اس وجہ سے شہر میں نہ جا سکے کہ مقتولوں سے راستہ رک گیا تھا۔ یہ ایک عظیم الشان فتح تھی۔ چنانچہ بغداد کو نامہ فتح لکھا گیا جس کے جواب میں خلیفہ نے سلطان کی تعریف کی۔ اور اُس کو دعاء خیر سے یاد کیا۔ امیر کرج نے صلح کر لی اور جزیہ سالانہ دینا منظور کیا۔ اور سلطان مع فوجوں کے اصفہان کو واپس گیا۔

کرمان کی بغاوت اور فتح قلعہ استخر۔ وہیں وزرا شیراز

بردسیر ایک نہایت قدیم آبادی ہے۔ جس کو کرمان کہتے ہیں۔ اس کا بانی اردشیر بابکان ہے۔ فاروق اعظم کے عہد میں مسلمانوں نے کرمان کو فتح کیا تھا۔ جب سے اسلامی قبضہ رہا بعد ازاں ۴۴۲ھ میں قاوردین جغر بیگ نے فتح کر کے بطور ایک ماتحت صوبہ کے اپنی جداگانہ حکومت شروع کی تھی۔ الپ ارسلان[۲] کے زمانہ میں قرا ارسلان جو قاورد کا پوتا تھا یہاں حکمراں تھا۔ ۴۶۵ھ میں قرا ارسلان نے بغاوت کا اعلان کیا۔ جس کا سبب یہ ہے کہ اس کے وزیر نے جو محض ایک جاہل شخص تھا۔ قرا ارسلان کو بہکا کر سلطان کا خطبہ بند کر دیا تھا۔ یہ خبر سُنکر خواجہ نظام الملک اور الپ ارسلان دونوں کرمان کو روانہ ہوئے۔ پہلے ہی مقابلہ میں قرا ارسلان کو شکست ہوئی۔ قرا ارسلان حاضر ہو کر قدمبوس ہوا۔ اور قصور معاف کرایا۔ سلطان نے بہ سبب رشتہ داری قرا ارسلان کا قصور معاف کر دیا۔ اور اُس کی بیٹیوں کی شادی کے لیے ایک ایک

---

[۱] خواجہ نظام الملک نے اس واقعہ کو وصایا میں خود لکھا ہے۔ لہذا اس موقع پر صفحہ ۷۰ حصہ دوم کتاب ہذا دیکھنا چاہیے

[۲] کامل اثیر جلد ۱۰ صفحہ ۱۸۔ فارس نامہ ناصری صفحہ ۲۳ و ۲۳۳ جلد دوم۔

لاکھ دینار مرحمت کیے۔ اور کرمان سے مع خواجہ کے استخر روانہ ہوا۔ اور قلعہ استخر کو فتح کیا۔ بعد ازاں سلطان نے خواجہ نظام الملک کو قلعہ بہن وژ کی فتح کے لیے روانہ کیا۔

۵۱ استخر۔ تاریخ میں قلعہ ماران کے نام سے مشہور ہے۔ یہ قلعہ جمشید کا تعمیر کردہ ہے۔ اور قلعہ شکستہ (جمشید کا دوسرا قلعہ) سے تقریباً ایک میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ فتح قلعہ کے بعد قلعدار نے نہایت بیش قیمت تحائف نذر کیے۔ منجملہ ان کے ایک پیالہ فیروزہ کا تھا جس میں مشک بھر کر نذر کیا تھا۔ اس پیالہ پر جمشید کا نام کندہ تھا۔ یہ قلعہ بھی نہایت قدیم اور مستحکم تھا عضد الدولہ دیلمی نے ۳۶۶ھ میں اس قلعہ پر ایک بڑا تالاب بنایا تھا۔ اور چہل ستون قائم کرکے اس کی چھت پاٹ دی تھی تاکہ پانی ٹھنڈا رہے۔ یہ تالاب نہایت عمیق تھا۔ اور آب باراں سے پُر ہوتا تھا جس کے کھنڈر ہنوز باقی ہیں۔ اور چوڑائی اس تالاب کی تقریباً ایک سو چوالیس گز شرعی ہے۔ اس کے عمق کا اندازہ نہیں ہے۔ لیکن تالاب کے اندر ستر ستون ہیں جس کی نسبت کہا جاتا ہے کہ اگر ایک سال تک روزانہ ہزار آدمی پانی پئیں تب ایک ستون خالی ہوگا۔ اس سے گہرائی کا قیاس ہو سکتا ہے۔ اور اس تعمیر کی بدولت کہا جاتا ہے کہ عضد الدولہ دریاے درمیان کوہے و کوہے درمیان دریا نہاد"۔ ۵۲ بہن وژ۔ فارس کے قلعوں میں یہ قلعہ بھی نہایت قدیم تھا جسکو شاہ پور ذوی الاکتاف کے بھائی مسمٰی بہن نے تعمیر کیا تھا۔ جو اب قلعہ بندر کے نام سے مشہور ہے۔ اور شیراز سے ڈیڑھ میل کی مسافت پر جانب مشرق واقع تھا۔ اس قلعہ کو (جسکے اب کھنڈر باقی ہیں) شیراز کی آبادی سے قبل ملوک عجم نے تعمیر کیا تھا۔ جب شیرویہ نے اپنے باپ پرویز اور بھائی بھتیجوں کو جن کی تعداد اٹھارہ تھی ایک ہی دن میں قتل کر دیا۔ تب یزدجرد اپنی دایہ کے ہمراہ بنا بر پرورش و حفاظت اس قلعہ میں بھیجدیا گیا تھا چنانچہ یزدجرد بادشاہ ہوا۔ تو اسنے اس قلعہ کو اپنا ایک محفوظ خزانہ بنا لیا تھا نوشیرواں کا تاج اور دیگر قیمتی اشیا اسی قلعہ میں محفوظ تھیں جس کا بڑا ذخیرہ عضد الدولہ دیلمی کے ہات آیا تھا۔ پہاڑ کی چوٹی پر کہ جو قلعہ کا وسط ہے۔ ایک عمیق چاہ ہے جس کا قطر چودہ گز اور جس کا موجودہ عمق نو گز ہے۔ مرزا فرصت شیرازی اپنے سفرنامہ میں لکھتے ہیں کہ اس وقت یہ کنواں بے آب ہے۔ اور فاحشہ عورتیں جو واجب القتل ہوتی ہیں وہ اس کنوئیں میں گرا دیجاتی ہیں۔ علاوہ اس کے دو کنوئیں اور بھی ہیں مگر وہ چھوٹے ہیں۔

چنانچہ خواجہ نظام الملک نے زیر قلعہ پہنچکر اس کا محاصرہ کرلیا۔ اور محاصرہ کے سولھویں دن
فتح ہوگیا۔ خواجہ نے سپاہیوں کو درہم و دینار اور کپڑے انعام دیئے۔ اور سلطان الپ ارسلان
بھی خواجہ سے اسی جگہ آکر ملا۔ اور خواجہ کی کارروائی سے بہت خوش ہوا۔

جنگ قیصر رومانوس خواجہ نظام الملک کے عہد وزارت میں، سلطان الپ ارسلان نے جو
فتوحات کیں، اُن میں سب سے مہتم بالشان رومانوس چہارم قیصر روم کا معرکہ ہے جسکی تفصیل
یہ ہے۔ کہ سنہ ۴۶۲ھ / ۱۰۶۹ء میں سلطان[۱] دیار بکر کی طرف روانہ ہوا۔ نصر بن مروان نے نذر پیش کی اور اطاعت
کا اظہار کیا۔ وہاں سے شہر آمد اور رہا کو عبور کرکے داخل حلب ہوا اور اُس کا محاصرہ کرلیا۔ آخر
میں محمود بن صالح بن مرداس نے سلطان کی اطاعت کی۔ اور خلفاے عباسیہ کا خطبہ پڑھا۔
سلطان خلعت اور سند حکومت دیکر آذربائیجان کو روانہ ہوگیا۔ اس مابین میں قیصر رومانوس[۲]
(ڈائی جینس رومنس) نے شام کے اسلامی شہروں پر چڑھائی کی۔ اور بتاریخ ۱۹ نومبر سنہ ۱۰۶۹ء
(صفر سنہ ۴۶۲ھ) شہر منبج پر پہنچکر اہل شہر کو نہایت بیرحمی سے تہ تیغ کیا۔ محمود بن صالح (حکمران حلب)
اور حسان طائی اپنے قبائل بنی کلاب اور بنی طے کو جمع کرکے مقابلہ پر آئے لیکن شکست کھائی۔
قیصر منبج پر قابض رہا۔ لیکن کچھ دنوں بعد جب شدت گرما اور کمی رسد سے فوج ہلاک ہونے لگی تو واپس
چلا گیا۔ لیکن سنہ ۴۶۳ھ / ۱۰۷۰ء میں قسطنطنیہ سے چلکر پھر خلاط پر فوج کشی کی۔ اسوقت قیصر کے ہمراہ روس

---

[۱] ابن خلدون فتوحات الپ ارسلاں [۲] رومانوس چہارم جو عربی تاریخوں میں ارمانوس کے نام سے مشہور ہے فوج
یونان کا ایک معمولی سپاہی تھا جسکو ملکہ قسطنطینہ یوڈیشیا نے اپنی مصلحتوں سے شوہر بناکر تاج و تخت کا مالک
بنا دیا تھا جو شاہی محل میں شہزادہ اور شوہر ملکہ۔ اور میدان کارزار میں روم کا شہنشاہ تسلیم کیا جاتا تھا۔ یہ بڑا بہادر اور
دلیر تھا۔ اور تخت نشینی کے دو مہینہ بعد قسطنطنیہ سے بغرض فتوحات نکلا تھا۔ گبن امپائر۔ جلد ۶۔ عہد اسلام۔

اور فرانس وغیرہ کے شاہ ہمرکاب تھے اور دو لاکھ فوج[1] تھی جس میں رومی، فرانسیسی، روسی۔ گرجی، یونانی، ارمنی، انجازی، کپچاقی، غزی، اور چرکسی سپاہی شامل تھے۔ اس مرتبہ[2] قیصر کا یہ ارادہ تھا کہ بغداد سے دولت عباسیہ کو اور بلاد اسلام سے مسلمان حکمرانوں کو خارج کر کے خالص عیسائی سلطنت قائم کرے اور بغداد کی حکومت کسی جاثلیق کو سپرد کی جائے۔ تمام مسجدیں دیر و کلیسا کر دیجائیں۔ چنانچہ اس جاہ و حشم کے ساتھ آکر صوبہ خلاط پر دہاوا کر کے قلعہ ملاز کرد کا محاصرہ کرلیا (یہ قلعہ شہر ارض روم اور جھیل "وان" کے مابین واقع ہے) جب[3] عیسائیوں کی آمد کی متواتر خبریں سلطان الپ ارسلان تک پہنچیں اس وقت وہ شہر خوئی[4] (مضافات آذربائیجان) میں مقیم تھا۔ اس[5] خبر کو سنکر غصہ سے تھرا گیا۔ کیونکہ دشمن سر پر تھا۔ اور بوجہ بعد مسافت نہ تو دارالسلطنت سے فوج آسکتی تھی۔ اور نہ مجاہدین جمع ہو سکتے تھے۔ اور ایک دقت یہ بھی تھی کہ بلا مقابلہ واپس جانے میں دیار اسلام تباہ و برباد ہو جاتے اور عیسائیوں کا حوصلہ بڑھ جاتا۔ لہذا مصلحتاً خواجہ نظام الملک کو حکم دیا کہ وہ اہل و عیال، مال و اسباب کو لیکر تبریز روانہ ہو۔ خواجہ[6] نے عرض کیا کہ میں قدیم خدمت گزار ہوں ہمراہ رکاب چلونگا" سلطان نے فرمایا کہ "تم میری نظر سے دور ہو گے لیکن دل سے نزدیک ہو وہاں سے میرے حق میں دعا کرتے رہنا ہی کافی ہے"۔ چنانچہ خواجہ تبریز کو روانہ ہو گیا۔ اور سلطان بنفس نفیس قیصر کے مقابلہ کے لیے طیار رہا۔ اسوقت

---

[1] مسٹر گبن، ملطی اور دیگر انگریزی مورخوں نے قیصر کی فوج کی تعداد ایک لاکھ اور سلطان کی فوج چالیس ہزار تسلیم کی ہے۔ لیکن مستند اسلامی مورخوں نے قیصر کی فوج کی تعداد دو لاکھ لکھی ہے۔ [2] دیکھو کتاب الوصایا نظام الملک صفحہ ۳۵۰ کتاب نمبر ا۔ [3] فتوحات الاسلامیہ جلد اول۔ صفحہ ۲۲۸ و تاریخ آل سلجوق اصفہانی صفحہ ۳۰ [4] مختصر الدول ملطی میں شہر خویخ لکھا ہے [5] روضۃ الصفا حالات الپ ارسلان۔

سلطان کے ہمراہ پندرہ ہزار منتخب سوار موجود تھے۔ سلطان نے اُن کو مخاطب کر کے کہا کہ "اے میرے بہادر سپاہیو اگرچہ ہماری تعداد دشمن کے مقابلہ میں نہایت قلیل ہے۔ لیکن ہمکو صبر اور شکر کے ساتھ جنگ کرنا چاہیئے۔ اگر فتحیاب ہوئے تو خدا کا عظیم الشان احسان ہے ورنہ شہادت نصیب ہوگی۔ اور میرے بعد میرا بیٹا ملک شاہ تاج اور تخت کا مالک ہوگا"۔ چنانچہ سلطان نے ایک دستہ فوج کا توکلت علی اللہ آگے بڑھایا۔ اس کا روسی فوج سے مقابلہ ہوا۔ جو تعداد میں بیس (۲۰) ہزار تھی مقابلہ میں روسی فوج پسپا ہوئی اور خود شاہ روس جو فوج کو لڑا رہا تھا گرفتار ہوا جب سلطان کے سامنے پیش ہوا تو اُس نے کان اور ناک کٹوا کر زندہ چھوڑ دیا۔ اور یہی سزا کافی سمجھی۔ اور خواجہ نظام الملک کو نامہ فتح کے ہمراہ صلیب اعظم اور سپہ سالار مذکور کے ناک اور کان بھی بھیجدیئے اور لکھا کہ "بطور تحفہ یہ بغداد بھیجدیئے جائیں"۔ اس مختصر لڑائی میں بھی عیسائیوں نے بڑا جوش دکھلایا تھا۔ اور ہر ایک سپاہی کے ہات میں صلیب تھی۔ اور مذہبی علما اپنی پرجوش رجز خوانی سے سپاہیوں کو اُبھار رہے تھے۔ سلطانی فوج کا افسر ضداق ترکی تھا۔ چنانچہ سلطان کو بروز سہ شنبہ بتاریخ ۴ ذیقعدہ ۴۶۳ھ مطابق جولائی ۱۰۷۰ء یہ فتح نصیب ہوئی۔ ۵ ذیقعدہ یوم چہارشنبہ کو قیصر خلاط پر بڑھا اور اُس کا محاصرہ کر لیا۔ شہر والوں کو اگرچہ یہ یقین تھا کہ خدا اسلام کی مدد کریگا۔ لیکن قیصر کی کثرت فوج اور منجنیقوں[۱] کو دیکھکر خوف زدہ ہوگئے۔ اور ڈر کر امان چاہی اور شہر کو سپرد کر دیا۔ اسپر بھی عیسائیوں نے بہت سے مسلمانوں کو قید کر لیا۔ اور بہتیروں کو قتل کر دیا

---

[۱] فتوحات الاسلامیہ جلد اول صفحہ ۲۲۶ [۲] قیصر کے ہمراہ متعدد منجنیقیں تھیں لیکن ایک سب سے بڑی تھی جس میں آٹھ درجے تھے اور جس میں بارہ سو سپاہی بیٹھکر پتھر برساتے تھے۔ اور جس کو ایک سو بیل کھینچکر لے چلتے تھے۔ تاریخ آل سلجوق صفہانی صفحہ ۳۸

یہ حالت دیکھکر پنجشنبہ کے دن صبح کے وقت الپ ارسلان ملازکرد کے قریب پہنچگیا۔ اور نہر[1] کے کنارے موضع کونکو میں کیمپ قائم کیا۔ قیصر کی فوجیں اس جگہ سے ایک فرسنخ کے فاصلہ پر بمقام زہرہ مقیم تھیں (یہ مقام خلاط اور ملازکرد کے درمیان ہی) یہاں سے سلطان الپ ارسلان نے قیصر کے پاس سفیر بھیجا۔ اس سفارت سے سلطان کا یہ مقصد تھا کہ قیصر کے اصلی خیالات سے آگاہی ہوجائیگی۔ چنانچہ سفیر نے قیصر سے جاکر عرض کیا کہ اگرچہ رومی فوج کثیر ہی لیکن خوب سوچ لو کہ "جس کے مقابلہ کو آئے ہو اُس کے غزوات ظاہر ہیں لہذا صلح کرلینا بہتر ہی۔ اور اگر لڑنا مقصود ہی تو سلطان بھی اس ارادہ میں مستقل ہی۔ بحالت صلح امان دیجائیگی اور ممالک مقبوضہ روم میں کسی قسم کی دست اندازی نہ ہوگی" قیصر نے اس سفارت کو بنظر حقارت دیکھا اور صلیب پر ہاتھ رکھکر روح القدس کی قسم کھائی۔ اور کہا کہ جب تک سلطان کی فوج ہتیار نہ ڈالدے اور رومی فوج میں شامل نہو اور دارالسلطنت رے ہمارے سپرد نہ کردیا جائے اُس وقت تک درخواست[2] صلح منظور نہیں ہوسکتی ہی۔ اور سفیر کو ذلت سے نکال دیا۔ اور فوج کو طیاری کا حکم دیدیا۔ یہ جواب سُنکر سلطان کو بھی غصہ آگیا اور وہ بھی جنگ کے لیے طیار ہوگیا۔ امام "ابونصر محمد بن عبدالملک بخاری حنفی" لشکر کے ہمراہ تھے انھوں نے سلطان کو یہ مشورہ دیا کہ آج لڑائی ملتوی رہے اور بعد نماز جمعہ سلطان میدان جنگ کو روانہ ہوں۔ کیونکہ یہ وہ دن ہی کہ جب تمام ممالک اسلام میں منبر پر خطیب یہ دعا کررہے ہوں گے کہ "اللھم انصر جیوش المسلمین" اور خاص و عام آمین کہہ رہے ہوں گے۔ چنانچہ سلطان نے اس رائے سے اتفاق کیا۔ اور جمعہ کو صبح سے

[1] گنج دانش نفرہ الپ ارسلان [2] سرجان ملکم صاحب فتوحات الپ ارسلان۔

فوج میں غیر معمولی طیاریاں ہوئیں۔ اور ہر سپاہی شہادت کے لیے طیار ہوگیا۔ چنانچہ بعد نماز جمعہ سلطان نے لشکر میں اعلان کردیا کہ "جو شخص جانا چاہتا ہے وہ اسی وقت لشکر سے چلا جائے[1]۔ اور جو شہادت حاصل کرنا چاہتا ہے وہ میرے ساتھ ہو"۔ اور سلطان نے لباس شاہی اتار کر ایک سفید قبا پہنی جو مشک اور عنبر سے معطر تھی (یہی گویا کفن تھا)۔ کمان کاندھے سے لٹکائی، گرز ہاتھ میں لیا، اور تلوار گلے میں حمائل کی۔ اور گھوڑے پر خود زین کسا اور اُس کی دم میں[2] گرہ لگا دی جس کی کل فوج نے تقلید[3] کی اور فوج کے سامنے آکر کھڑا ہوگیا۔ جب فوج نے دیکھا کہ سلطان کفن پہنکر لڑنے کو نکلا ہی تو تمام سپاہی جوش میں آکر اللہ اکبر کا نعرہ مارتے ہوئے سلطان کے ہمراہ ہوئے۔ اس کے بعد سلطان اور اُس کی فوج نے نہایت خشوع اور خضوع سے دعا مانگی۔ اور پھر سلطان نے سپاہیوں کے سامنے ایک تقریر کی اور میدان کو روانہ ہوگیا۔ ٹھیک دوپہر کا وقت تھا کہ سلطان قیصر کی فوج کے سامنے پہنچگیا۔ مگر اتفاق سے ہوا گرم چلنے لگی اور لحظہ بلحظہ ترقی کرنے لگی جس کی وجہ سے مسلمان گرمی اور شدت پیاس سے تڑپنے لگے (کیونکہ نہر پر قیصر نے قبضہ کرلیا تھا) اور ہوا کا رخ اسلامی فوج کی جانب تھا۔ یہ مصیبت دیکھکر سلطان گھوڑے سے اُترا دستار سر سے اُتار ڈالی اور پٹکا کمر سے کھولکر خاک پر سربسجود ہوگیا اور بڑی عاجزی سے دعا مانگی کہ "اے مسبب الاسباب میرے گناہوں کا آج مواخذہ نکر اور اپنی مہربانی کی نظر اس عاجز

---

[1] اخیر مرتبہ جب فوج کا شمار کیا گیا تو صرف بارہ ہزار سوار موجود تھے صفحہ ۲۴۴ سراج الملوک طرطوشی۔

[2] اس زمانہ کا یہ دستور تھا کہ گھوڑوں کی دمیں بہت لمبی رکھتے تھے۔ مگر میدان جنگ میں یہ طوالت باعث تکلیف تھی، لہذا دُم میں گرہ لگادی گئی۔ یہ حالت کل فوج کے گھوڑوں کی تھی۔ [3] مختصر الدول صفحہ ۳۲۲۔

بندہ سے جو تیرے نیک بندوں کا متکفل ہی سمت پھیر۔ اور ہوا کا رخ دشمن کی طرف پھیرو۔ سلطان کے ساتھ فوج بھی دعا میں شریک تھی۔ تھوڑی دیر میں سلطان کی دعا قبول ہوئی اور ۵

اُدھر سے اُدھر پھر گیا رُخ ہوا کا

ہوا کا پھرنا تھا کہ سلطان مع فوج کے آندھی کی طرح دشمن پر ٹوٹ پڑا۔ تلواریں چلنے لگیں۔ یہ کل فوج سپہ سالار اعظم ساتگین کے ماتحتی میں تھی۔ اول میدان قیصر کے ہات رہا اور الپ ارسلان کی فوج کو شکست نصیب ہوئی لیکن ایک افسر کی نادانی سے قیصر کی فوج بھاگ نکلی۔ اور اکثر رفیق قیصر کو چھوڑ کر چل دیے۔ الپ ارسلان نے موقع کو غنیمت سمجھکر رومیوں پر ایک آخری حملہ کیا اور میدان جیت لیا۔ مورخ گبن لکھتا ہی کہ اس جنگ میں کس قدر رومی فوج قتل ہوئی۔ اور کتنے سپاہی گرفتار ہوئے اسکا ذکر ہی فضول ہی بہرحال فریقین کا عظیم الشان نقصان ہوا۔ اور الپ ارسلان کامیاب ہوا۔ جب رومیوں کی فوج منتشر ہوگئی تو روما نوس اپنی مختصر فوج کے ساتھ لڑتا رہا۔ لیکن آخر کار زخمی ہو کر زمین پر گر گیا۔ اور ایک سوار نے اُسے گرفتار کرلیا۔ جس سوار نے قیصر کو گرفتار کیا اسکا نام شادی تھا۔ اور یہ ایک پستہ قامت اور کریہ المنظر شخص تھا۔ جس کی نسبت تاریخ نگارستان میں لکھا ہی کہ افسر فوج نے جائزہ کے وقت اسی بنا پر اس کا نام خارج کر دیا تھا۔ لیکن سلطان نے افسر مذکور سے سفارش کی کہ اس کو بھی رہنے دو ممکن ہی کہ یہی قیصر کو گرفتار کرے۔ چنانچہ سلطان کی پیشینگوئی پوری ہوئی۔ گرفتاری کے بعد قیصر تمام رات معمولی حیثیت سے لشکر میں رہا۔ صبح کو گوہرآئین نے الپ ارسلان کے حضور میں

۵ تاریخ نگارستان میں اس سوار کا نام العشقت لکھا ہی صفحہ ۱۶۹ مطبوعہ بمبئی۔

پیش کیا۔ سلطان کو قیصر کے گرفتار ہونے میں شک تھا۔ لیکن جب اس نے رومی قیدیوں کے چیخنے چلانے کی آواز سنی اور بی سی لیاش نے جو یونانی فوج کا سپہ سالار تھا۔ اپنے آقا کو پہچانا اور قدمبوس ہوا۔ تب سلطان کو یقین ہوا۔ اور سلاطین ایشیا کے دستور کے مطابق قیصر بادشاہ کے سامنے زمین بوس ہوا۔ اور آداب بجالایا۔ الپ ارسلان نے حالت غصّہ میں اُٹھ کر قیصر کا غرور توڑنے کے لیے اپنا ایک پاؤں قیصر کے کندھے پر رکھدیا۔ گبن اس واقعہ کی نسبت لکھتا ہی کہ اس میں کچھ شبہ ہی لیکن ابن خلدون وغیرہ کی روایت اس سے بھی زیادہ سخت ہی اور وہ یہ کہ سلطان نے اپنے ہات سے قیصر کے تین کوڑے مارے اور کہا کہ "میں نے صلح کا پیام دیا تھا جس کو تو نے نہ مانا اور آخر یہ نتیجہ دیکھا"۔ رومانوس نے شرم سے سر نیچا کرکے عرض کیا کہ "اب مجھے زجر و توبیخ سے معاف رکھئے اور جو آپ کو کرنا ہی وہ کیجیے"۔ لیکن اس فوری کارروائی کے بعد پھر سلطان نے قیصر کے ساتھ شاہانہ برتاؤ کیا۔ چنانچہ مورخ گبن لکھتا ہی کہ سلطان نے قیصر کو زمین سے اُٹھایا اور اس سے شیک ہنڈ (مصافحہ) کیا۔ اور یہ یقین دلایا کہ تمھاری عزت اور تمھاری زندگی بطور ایک بادشاہ کے قائم رکھی جائیگی"۔ پھر قیصر کو اپنے خیمہ کے قریب اُتارا اور اعزاز کے ساتھ مہمان رکھا۔ اور روزانہ دو مرتبہ قیصر سلطان سے آکر ملتا تھا۔ آٹھ دن کے بعد سلطان نے قیصر کو بہت سی نصیحتیں کیں اور اُن نالائق سرداروں پر نفریں کی جو قیصر کو میدان جنگ میں چھوڑ کر بھاگ گئے تھے۔ اور جو غلطیاں اس جنگ میں قیصر سے ہوئی تھیں اس کو وہ بھی سمجھائیں۔ اس کے بعد سلطان نے قیصر سے کہا کہ بتاؤ میں تمھارے ساتھ کیا برتاؤ کروں۔

لہ اسلامی مورخین کے علاوہ معتبر عیسائی تاریخوں میں بھی یہ روایت ہی دیکھو مختصر الدول ملطی صفحہ ۳۲۳ مطبوعہ بیروت۔

اسنے کہا اگر تو ظالم ہی تو میری زندگی ختم کردے۔ اور اگر تو متکبر ہی تو اپنی گاڑی مجھ سے کھچوا اور پا بجولاں اپنے دار السلطنۃ تک لیجا۔ اور اگر تو اپنا فائدہ سمجھتا ہی تو تاوان لیکر چھوڑ دے[1]
اور خواجہ نظام الملک نے کتاب الوصایا میں لکھا ہے کہ قیصر نے سلطان کو یہ جواب دیا تھا کہ "اگر تو قصاب ہی تو ذبح کر ڈال اور اگر سوداگر ہی تو بیچ ڈال۔ اور اگر بادشاہ ہی تو بخشدے" بہرحال نتیجہ دونوں روایتوں کا ایک ہی ہی۔ اس سوال وجواب کے بعد سلطان نے قیصر سے دریافت کیا کہ اگر میں گرفتار ہو کر تمہارے سامنے آتا تو تم میرے ساتھ کیا برتاؤ کرتے۔؟ ارمانوس نے جواب دیا کہ میں تجھ کو دُرّے لگاتا۔ قیصر کا یہ جواب اگرچہ عقل اور احسانمندی کے خلاف تھا۔ تاہم سلطان نے نہایت متانت اور ایک فاتح کی شان سے مسکرا کر ٹال دیا۔ اور قیصر کو آزاد کردیا[2]
اور جسقدر رومی افسر اور بطریق قید میں تھے ان کو بھی رہا کر کے خلعت اور انعام عطا کیے۔ الپ ارسلان کا یہ شریفانہ برتاؤ دیکھکر قیصر نے سلطان سے اقرار کیا کہ وہ سالانہ[3] تین لاکھ ساٹھ ہزار دینار ادا کریگا۔ اور دس لاکھ دینار بطور تاوان جنگ ادا کریگا۔ اور کسی ایک شاہزادی کا ترکی شاہزادے سے عقد کردے گا۔ اور ضرورت کے وقت رومی لشکر سلطان کی مدد کے لیے بہنچایا کریگا اور پچاس برس کے لیے یہ عہدنامہ لکھا گیا۔ تکمیل معاہدہ کے بعد سلطان نے دس ہزار دینار نقد اور ایک خلعت مرحمت فرما کر رومانوس کو بعد معانقہ بڑی شان وشوکت کے ساتھ رخصت کیا اور تین میل

---

[1] کتاب الوصایا صفحہ ۵۱ ہے کتاب ہذا

[2] ایک روایت یہ ہی کہ قیصر کا جواب سنکر سلطان نے حکم دیا کہ ذلیل شخص کا قتل کرنا تو فضول ہی۔ لشکر میں منادی کر کے نیلام کیا جاوے۔ چنانچہ نیلام میں کوئی خریدار نہیں ہوا تب آزاد کر دیا۔ سراج الملوک طرطوسی صفحہ ۱۴۵۔

[3] گبن صفحہ ۴۷۷۔ جلد ۶ عہد سلجوقیہ۔ وکامل اثیر جلد ۱۰ صفحہ ۲۳ وتاریخ آل سلجوق اصفہانی صفحہ ۴۲

تک بطور مشایعت قیصر کے ہمراہ خود بھی گیا۔ جب قیصر اپنے سرحدی (قلعہ دوقیہ) پر پہنچا۔ تو اسکو اطلاع ہوئی۔ کہ روم کے تخت پر میخائیل ہفتم نے قبضہ کرلیا ہے۔ اور کل رعایا روما نوس کی فرمانبرداری سے انکار کرتی ہے۔ کیونکہ رعایا کا یہ خیال تھا کہ مسیح علیہ السلام روما نوس سے ناراض تھے۔ یہی باعث شکست کا تھا۔ اور جس پر مسیح کا عتاب ہو وہ لائق بادشاہت نہیں ہے۔ تاہم روما نوس قسطنطنیہ میں داخل ہوا۔ اور اپنے قول کے مطابق بمشکل تمام دو لاکھ دینار اور ایک طبق جواہرات سے بھرا ہوا (جس کی قیمت نوے ہزار دینار تھی) جمع کرکے سلطان کی خدمت میں روانہ کیے۔ اور شرعی قسم لکھی کہ اس سے زیادہ میرے پاس نہیں ہے اور اپنے تمام حالات سے سلطان کو اطلاع دی۔ الپ ارسلان روما نوس کی راستی اور ثابت قدمی سے بہت خوش ہوا اور جن لوگوں نے اس کے ملک پر قبضہ کرلیا تھا اس کی سرکوبی کو جانا چاہا۔ مگر اس درمیان میں معلوم ہوا کہ روما نوس کو اس کی نمک حرام رعایا نے اندھا کرکے قتل کرڈالا ہے۔ لہذا روانگی ملتوی رہی۔ اس فتح کے بعد الپ ارسلان[1] رے کو واپس گیا۔ اور لڑائی میں جو خزانہ اور نادر چیزیں ملی تھیں وہ سب قلعہ رے میں داخل کی گئیں۔ اور قلعدار کو ان کی حفاظت کا خاص حکم دیا گیا۔ اور امیر المومنین اور دیگر سلاطین کو نامہ فتح روانہ کیے گئے جس کے جواب میں تمام ملکوں سے مبارکباد کے خطوط آئے۔ شعرا نے قصائد پڑھے۔ تاریخ آل سلجوق میں لکھا ہے کہ اس لڑائی میں مال غنیمت کا یہ حال تھا کہ ایک دینار میں تین زرہ اور سدس دینار (۱۳ - ۴ پائی) میں بارہ خود فروخت ہوتے تھے۔ اور سلطانی فوج کا ایک ایک سپاہی مال و دولت سے گرانبار ہوگیا تھا۔ مورخین کا قول ہے

[1] روضۃ الصفا حالات الپ ارسلان۔

کہ یہ فتح عہد اسلام کی فتوحات سے مشابہ ہے۔ اور لوگوں کو صحابہ کرام کا زمانہ یاد آگیا تھا۔

اس[1] لڑائی کے بعد سلطان نے ایشیائے کوچک کی حکومت اپنے چچازاد بھائی سلیمان بن قلمش کے سپرد کر دی۔ جو بعد میں ایک مدبر حکمران اور ایک ماہر سپہ سالار ثابت ہوا جس نے جلد ہی اپنی حدود سلطنت کو جانب شمال ہلسپانٹ تک اور جانب مغرب بحیرۂ روم تک بڑھا لیا۔ اور قیصر کو خراج دینے پر مجبور کیا۔ سلیمان نے نائس (صوبہ باتھینیا) کو اپنا دارالحکومت بنایا جو جنگ صلیبی تک بدستور رہا۔ اور جب جنگ صلیبی میں یہ ملک نکل گیا تو قونیہ[2] (اکونیم) کو صدر مقام بنایا۔ اور یہ حصۂ ملک تاتاریوں کے تاخت و تاراج تک سلیمان کی اولاد کے قبضہ میں رہا۔ اور ۷۰۰ھ میں دولت عثمانیہ کے قبضہ میں چلا گیا جس کی تفصیل تاریخ عثمانیہ میں پڑھنا چاہیے۔

بغاوت فضلویہ شبانکارہ فتوحات روم سے فارغ ہو کر سلطان الپ ارسلان اور خواجہ نظام الملک رے کو واپس آئے اور انتظامات ملکی میں مصروف رہے۔ لیکن فضلویہ کی بغاوت کی شہرت سُنکر اُس کی سرکوبی کے لیے ۴۶۴ھ میں پھر فارس کی طرف روانہ ہوئے۔ فضلویہ کا مختصر حال یہ ہے کہ فضل[3] بن حسن ملقب بہ فضلویہ حکمرانان شبانکارہ[4] کی نسل سے تھا۔ اور الپ ارسلان کی سفارش سے

---

[1] تاریخ اسلام رائٹ آنریبل امیر علی صاحب بالقابہ۔ صفحہ ۳۱۴ (باب ہفتم) [2] حدود اربعہ سلطنت قونیہ کے یہ ہیں۔ جانب مغرب بحیرہ روم و خلیج قسطنطنیہ و بحر القرم جانب جنوب بلاد شام و جزیرہ جانب مشرق ارمینہ جانب شمال بلاد کرج و بحر القرم۔ یہ حصہ ایشیائے کوچک کہلاتا ہے۔ حاشیہ مختصر الدول صفحہ ۳۹۰۔ [3] کامل ابن اثیر جلد ۱۰ صفحہ ۴۲۔ کتاب الوصایا۔ دوسرا حصہ کتاب ہذا۔ صفحہ ۳۶۸۔ مرآت البلدان ناصری صفحہ ۲۰۲۔ فارس نامہ ناصری صفحہ ۲۲ و ۲۳۳۔ جلد دوم [4] شبانکارہ فارس کے اُس حصہ کا نام ہے جو شیراز کے جنوب اور مشرق میں واقع ہے اور جس کا صدر مقام ایج تھا۔ قاضی عضد الدین عبدالرحمن بن الرایجی۔ شیخ قطب الدین محمد ایجی۔ ملا صفی الدین ایجی۔ (استاد علامہ جلال الدین دوانی) مشاہیر علما اسی خاک سے ہیں۔

سلطان طغرل بیگ نے (۴۴۸ھ/۱۰۵۶ء) میں بلاد فارس کا ٹھیکہ دیدیا تھا۔ فضلویہ نے صوبہ فارس کا عمدہ انتظام کیا تھا۔ خود داراب میں رہتا تھا۔ اور شیراز میں اُس کا نائب حکومت کرتا تھا جب الپ ارسلان روم کی مہم میں مصروف ہوا تو میدان خالی پاکر فضلویہ نے بغاوت شروع کی اور ادائے خراج سے انکار کیا۔ تب خواجہ نظام الملک کی سپہ سالاری میں فارس پر فوج روانہ کی گئی۔ چونکہ فضلویہ میں سلطانی فوج سے مقابلہ کی طاقت نہ تھی لہذا وہ قلعہ بر جہرم میں پناہ گزیں ہوا۔ یہ قلعہ قصبہ جہرم سے جانب مشرق آٹھ فرسنگ پر واقع ہے۔ اور بلحاظ اپنی نوعیت کے ناقابل فتح ہے۔ اس واقعہ کو خواجہ نظام الملک نے کتاب الوصایا میں خود لکھا ہے۔ چنانچہ خواجہ کا بیان ہے کہ قلعہ کا محاصرہ صرف ایک رات رہا۔ اور صبح کو یکایک قلعہ سے الامان کی صدا بلند ہوئی اور فضلویہ نے خراج دینا منظور کرلیا۔ اس واقعہ پر عام حیرت تھی کہ جو قلعہ برسوں میں بھی فتح نہ ہوسکتا تھا۔ اس کے قلعہ داروں نے کیونکر اطاعت قبول کرلی۔ لیکن تحقیق سے معلوم ہوا کہ رات بھر میں قلعہ کے تمام تالاب اور حوض خشک ہوگئے تھے۔ اس لیے محصورین امان کے طالب ہوئے تھے۔ حقیقت میں یہ خواجہ نظام الملک کی نیک نیتی اور زہد و پارسائی کا اثر تھا کہ غیب سے قلعہ کے فتح کا سامان ہوگیا اور بتاریخ ۲۹ ستمبر ۱۰۷۱ء یوم پنجشنبہ (محرم ۴۶۴ھ) یہ فتح نصیب ہوئی۔ ایک عیسائی مورخ[1] نے اس واقعہ کو پڑھ کر یہ رائے لکھی ہے کہ "خواجہ حسن نظام الملک کو سپہ سالاری اور فنون حرب سے کوئی مناسبت

(بقیہ نوٹ صفحہ ماقبل) حکمرانان شبانکارہ کا سلسلہ نسب اردشیر بابک تک پہنچتا ہے۔ ابتدا میں اس خاندان کے بزرگ شاہی گلہ بان تھے۔ لہذا شبانکارہ کہلائے۔ فضل کا باپ حسن۔ فخرالدولہ دیلمی کی فوج کا سپہ سالار تھا۔ لیکن اس خاندان میں فضل بن حسن ملقب بہ فضلویہ سب سے زیادہ نامور ہوا ہے۔

[1] سرجان ملکم صاحب حالات خواجہ نظام الملک۔

نہ تھی۔ بلکہ جن لڑائیوں میں وہ شریک ہوا اُس کی کامیابی کو وہ اپنی مناجات اور دعاؤں کا نتیجہ سمجھتا تھا۔ اور اپنی عبادت اور خدا پرستی پر بھروسہ رکھتا تھا۔ یہ ایک عجیب و غریب رائے ہی جس سے یوروپ کی دہریت اور لامذہبی ٹپکتی ہی۔ اور معلوم ہوتا ہی کہ یوروپ کو دشمن کے مقابلہ میں صرف اپنے آلات حرب اور فنون جنگ پر بھروسہ ہوتا ہی۔ اور علما مذہب کا گرجوں میں خدا سے دعا مانگنا ایک فضول کام ہی۔ حالانکہ اگر تائید غیبی اور فضل خداوندی شامل حال نہ ہو تو فوج کی کثرت اور اُس کی قواعد دانی بالکل بیکار ہی۔ اور ضیاء الملت و الدین امیر عبدالرحمٰن خاں مرحوم والی دولت خداداد افغانستان تو اس قواعد کے بالکل خلاف تھے۔ انکا یہ قول مشہور ہی کہ "این رقص در میدان بکار نیاید" بہرحال ہم کو مؤرخ مذکور کی رائے سے اتفاق نہیں ہی۔ بلکہ ہمارا یہ دعویٰ ہی کہ خواجہ حسن نظام الملک جس طرح عقل و رائے اور سیاست میں ایک بےنظیر شخص تھا۔ ویسا ہی وہ آداب لشکرکشی سے بھی واقف تھا۔ وہ جیسا مدبر وزیر تھا ویسا ہی ایک تجربہ کار سپہ سالار بھی۔ اب اگر کسی خداپرست سپہ سالار کا یہ خیال ہو کہ فتح اور شکست محض خدا کی طرف سے ہی تو اسپر یہ بدگمانی کرنا کہ وہ فن حرب سے ماہر نہیں ہی اور اپنے فرائض سے ناواقف ہی محض ایک نادانی کا خیال ہی۔ قلعہ تبر جھرم ایک عجیب و غریب طرز کا قلعہ ہی۔ لہذا اسکا نقشہ اور فرہنگ پیش کی جاتی ہی جس کے ملاحظہ سے قلعہ کے اندرونی اور بیرونی حصے بخوبی سمجھ میں آجائیں گے۔ نقشہ میں جو ہندسے دیئے ہوئے ہیں اس کے مطابق فرہنگ میں دیکھنا چاہیئے۔

فرہنگ نقشہ قلعہ تبر جھرم منقول از کتاب مرأت البلدان ناصری رقمزدہ باقرخاں پسر عبدالحسین خان مرحوم اصفہانی

۱۔ چوٹی کوہ جھرم۔ جو بطور پشتہ قلعہ کے چاروں طرف محیط ہی۔

۲۔ سنگری۔

۳۔ فاصلۂ درمیانی پشتہ کوہ و قلعہ۔

۴۔ قیام گاہ نصراللہ خاں باغی۔ عہد ناصرالدین شاہ مرحوم (تعمیر جدید)

۵۔ اس حصّہ قلعہ کا نام "دہ مردہ" ہی۔ اور یہی مقام توپخانہ ہی۔

۶۔ میدانی حصّہ

۷۔ برج فضل علی باغی۔ عہد ناصرالدین شاہ ۱۲۹۴ھ (جدید) یہ مقام قلعہ کا دروازہ ہی جسکو رگ اول کہتے ہیں

۸۔ برج عالم ہی۔ تعمیر کردہ فضل علی (جدید) اس مقام پر پہاڑ کی چوڑائی بربع فرسخ ہی۔

۹۔ قلعہ تبر قدیم عہد نظام الملک جس میں فضلویہ مقیم تھا۔

۱۰۔ راستہ بالائے قلعہ۔ اس مقام تک ذریعۂ چاہ واژونہ (الٹا کنواں) پہنچتے ہیں۔ اور پھر اس جگہ سے بذریعہ طناب (۳۰ گز) بالائے قلعہ پہنچتے ہیں۔ صرف ایک آدمی کے جانیکا راستہ ہی۔ یہ رگ دوم ہے۔

۱۱۔ یہاں گودام ہی اور کسیقدر پانی کا بھی ذخیرہ رہتا ہی۔ یہ رگ سوم ہی۔

۱۲۔ برج نصراللہ خاں بہارلو۔ (جدید)

۱۳۔ چشمہ الجمع۔

۱۴۔ چشمہ کیلہ۔

۱۵۔ موقع توپ۔

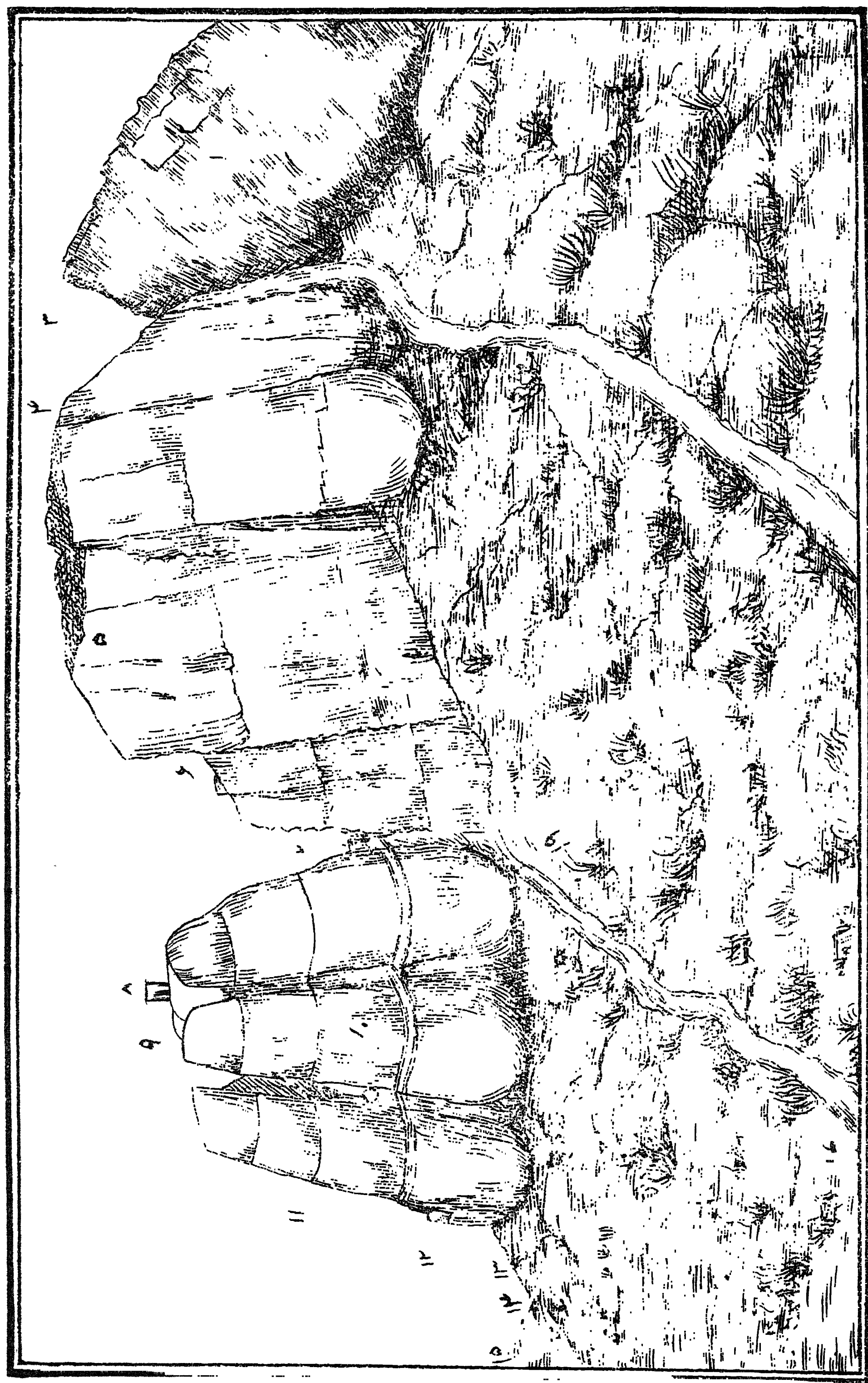
۱۶۔ چشمہ رازیانہ۔

۱۷۔ چاہ واژونہ یعنی رستہ قلعہ۔ اس مقام سے رگ اول تک ایک گھنٹہ کی مسافت ہی

۱۸۔ راستہ "دہ مردہ"۔ اس رستہ سے توپیں لیجاتے ہیں۔ یہ رستہ دو گھنٹہ کا ہی۔

۱۹۔ چشمہ آب دل سیاہاں۔ یہ چشمہ پہاڑ کے نیچے ہی۔ اور پہاڑی سوتوں سے پانی ٹپک کر حوضوں میں جمع ہوتا ہی۔ اس چشمہ کے جانب مشرق ایک چوتھائی فرسنگ پر پہاڑ کے نیچے ایک سلسلہ سیڑھیوں کا ہی جو پہاڑ تراش کر بنائی گئی ہیں۔

نوٹ۔ قلعہ کے قدیم اور جدید حصہ پر متعدد برج ہیں اور ہر برج ایک جداگانہ نام سے موسوم ہی۔ دولت ایران کی طرف سے آج کل اس قلعہ پر سو جوان بطور چوکی پولیس کے متعین ہیں۔



مقتل سلطان الپ ارسلان

قیصر روما نوس کی لڑائی کے بعد سلطان الپ ارسلان نے اپنی عالی حوصلگی اور بلند خیالی سے یہ ارادہ کیا کہ جو علاقہ خاندان سلجوقیہ[51] کا ابتدائی مسکن اور مولد رہا ہے اُس پر بھی قبضہ ہو جائے۔ چنانچہ دو لاکھ فوج پیادہ اور پچاس ہزار سوار لیکر دارالسلطنت سے نکلا اور دریائے جیحون پر ایک پل باندھا۔ اور تقریباً بیس دن میں جیحون کے پار ہو گیا۔ سلطان کا قصد تھا کہ شمس الملک تگیں خان بن تمغاج خاں والی ماوراء النہر پر حملہ کرے۔ چنانچہ جیحون سے اتر کر پہلا مقام "فربر"[52] پر ہوا۔ اور اس جگہ تمام فوج کو دعوت دی گئی اور اسی جگہ سے ایک قلعہ پر جس کا نام "برزم" تھا (جو نہر جیحون کے کنارہ واقع تھا) حملہ کیا گیا۔ لیکن اتفاق سے یہ قلعہ فتح نہیں ہوا جب سلطان الپ ارسلان نے دیکھا کہ اگر میں قلعہ برزم کی فتح میں اُلجھا رہونگا تو اصلی مہم جاتی رہیگی۔ لہذا یوسف خوارزمی محافظ قلعہ کو بتاریخ چھٹی ربیع الاول ۴۶۵ھ اپنے سامنے طلب کیا۔ اور گفتگو شروع ہوئی۔ یوسف نے سر دربار سلطان سے سخت کلامی کی سلطان کو اُس کی گستاخی ناپسند ہوئی۔ اور غصہ کی حالت میں حکم دیا کہ اُس کو چومیخہ کر کے قتل کر دو۔ یہ سنکر یوسف او برہم ہوا۔ سلطان کو مخاطب کر کے کہا کہ "اے مخنث کہیں مجھ ایسے بہادر بھی اس ذلیل طریقہ سے قتل کیے جاتے ہیں۔؟ یہ سخت جواب سنکر الپ ارسلان آپے سے باہر ہو گیا اور کمان میں سہ چوبہ تیر جوڑ کر یوسف کو نشانہ بنایا۔ الپ ارسلان ایسا قادر انداز تھا کہ اس کا تیر کبھی خطا نہیں کرتا تھا۔ لیکن یوسف پر وار خالی گیا اور ایک تیر بھی نشانہ پر نہ لگا۔ تب سلطان تخت سے اُٹھا کہ یوسف کو پکڑ کر خود سزا دے۔ لیکن گوشۂ دامن

---

[51] تاریخ آل سلجوق اصفہانی۔ صفحہ ۴۴۔ کامل اثیر و ابن خلدون۔ وفات الپ ارسلان۔ وتقویم ابوالضیا صفحہ ۱۳۲

[52] فربر = جیحون کے شرقی جانب ہے۔ اس جگہ سے دریا کا کنارہ ایک میل ہے

تخت کے پایہ سے اُلجھا اور سلطان مونھ کے بل زمین پر گر پڑا۔ اس قدر موقع پاکر یوسف نے الپ ارسلان
کو ایک ایسی چھُری ماری جس کے صدمہ سے وہ مرغ بسمل کی طرح تڑپنے لگا ؎

بشوید چو از جان خود دست پاک زند کار د بر خواجہ کمتر غلام

سعد الدولہ گوہر آئین جو سلطان کے سرہانہ کھڑا ہوا تھا اُس نے یوسف کو گرفتار کرلیا۔
جامع فراش نیشاپوری نے ایک میخ کوب یوسف کے سر پر مارا جس کے صدمہ سے اُسکی روح
پرواز کرگئی۔ بعدازاں دیگر درباریوں نے یوسف کے ٹکڑے کردیئے اور زخمی سلطان کو درباری
خیمہ سے ایک دوسرے خیمہ میں اُٹھالے گئے۔ زخم کے صدمہ سے بروز شنبہ دسویں ربیع الاول
۴۶۵ھ مطابق ۲۴ نومبر ۱۰۷۳ء سلطان کا انتقال ہوگیا۔ نوبرس۔ دومہینہ۔ دس یوم مستقل سلطنت
کرکے چالیس برس کے سن میں انتقال کیا۔ اور مرو کے شاہی قبرستان میں دفن کیا گیا (الپ ارسلان
بروز جمعہ بتاریخ ۲ محرم ۴۲۵ھ پیدا ہوا تھا) قبر کے تعویذ پر حسب ذیل فارسی شعر کندہ ہے[۱]

سرالپ ارسلاں دیدی ز رفعت رفت بر گردوں بمرو آ۔ تا بخاک اندر سر الپ ارسلاں بینی

مصنف تاریخ الوانی نے اس مضمون کو عربی میں اس طرح پر نظم کیا ہے۔[۲]

یا من رأی البارسلان علی فلک سام من المجد قد ضیعت کواکبہ
تعال وانظر فلم یبق سوی حجر ھذا التراب فقد نلت مواکبہ

---

[۱] تاریخ پروفیسر براؤن صاحب [۲] کتاب الوانی جلد اول۔ صفحہ ۲۷۳۔ مذکورۂ بالا فارسی شعر پروفیسر براؤن صاحب
کی تاریخ میں درج ہے اور تاریخ گنج دانش میں یہ شعر لکھا ہے ۔

بالائے چرخ دیدی الپ ارسلاں بقدر در مرو بیں کنوں کہ بزیر تراب شد

اور انگریزی تاریخوں میں اسی شعر کا ترجمہ نثر میں لکھا ہوا ہے۔ جس وقت باشندگان ماوراالنہر نے سُنا کہ الپ ارسلان دولاکھ فوج لیکر آرہا ہے تو تمام ملک میں ہل چل پڑگئی۔ اور شہر بخارا کے مسلمانوں نے ختم قرآن کا وظیفہ شروع کیا۔ اور خدا سے دعا کی کہ وہ انکا حامی و مددگار ہو۔ چنانچہ اُن کی دعا مستجاب ہوئی اور سلطان آگے نہ بڑھ سکا۔ جب سلطان زخمی ہوکر اپنے خیمہ میں گیا تو درباریوں سے مخاطب ہوکر کہا۔ "کہ مجھ پر جو کچھ گزرا وہ میری خام خیالی کا نتیجہ تھا۔ افسوس ہے کہ میں نے ایک بزرگ کی دو نصیحتوں پر عمل نہیں کیا۔ ایک یہ کہ کسی کو نظر حقارت سے نہ دیکھنا۔ دوسرے یہ کہ اپنے آپ کو کبھی بڑا نہ سمجھنا۔[1] آج دو مرتبہ نفس امارہ نے سرکشی کی۔ اول صبح کے وقت ایک ٹیلہ پر کھڑے ہوکر جب میں نے فوج کو دیکھا۔ تو کثرت فوج سے میرے دل میں یہ خیال آیا کہ آج دنیا میں مجھ سے بڑھ کر کوئی بادشاہ نہیں ہے۔ اور نہ کوئی میرا مقابلہ کرسکتا ہے۔ دوسرے یہ کہ میں نے اپنی طاقت پر بھروسہ کیا حالانکہ ایک ہزار جاندار (غلامان خاصہ) میرے سامنے موجود تھے۔ مگر میں نے اُن کو منع کیا کہ وہ یوسف کو نہ روکیں۔ درحقیقت اگر میں اپنے کاموں میں خدا سے مدد مانگتا تو مجھے یہ دن نہ دیکھنا پڑتے۔ اور اب میں خدا کے سامنے توبہ کرتا ہوں۔"

زخمی ہونے کے بعد سلطان نے ایک دربار کیا۔ اور اپنے بیٹے ملکشاہ کے سر پر تاج سلطنت رکھا

---

[1] اس مضمون کو شیخ سعدی علیہ الرحمۃ نے اپنے زمانہ میں ذیل کی نظم میں ادا کیا ہے۔

مرا پیر دانائے مرشد شہاب	دو اندرز فرمود بر روے آب
یکے آنکہ در خلق بدبیں مباش	دگر آنکہ در خویش خودبیں مباش

[2] تاریخ نگارستان صفحہ ۱۷۰

کامل ابن اثیر جلد ۱۰ صفحہ ۲۵ و ۲۶

اور اس کی رفاقت کا تمام سرداروں سے حلف لیا۔ اور ملکشاہ کو وصیت کی کہ وہ تمام سلطنت کا انتظام نظام الملک کے مشورہ سے کرتا رہے جو ایک خدا پرست اور مدبر وزیر ہے۔ اور اپنے دوسرے بیٹے ایاز کے حق میں یہ وصیت کی کہ اُس کو پانچ لاکھ دینار دے دینا۔ اور قاروت بیگ بن داؤد کو فارس اور کرمان کی حکومت سپرد کرنا اور کسیقدر نقدی کے لیے بھی ہدایت کی۔ اور اُمرائے دولت سے یہ بھی اقرار لے لیا کہ میری وصیت کی تعمیل کی جائے اور اگر میرے حکم کی تعمیل نہو تو تم تلوار سے کام لینا۔ اس کے بعد کلمہ شہادت پڑھتا ہوا انتقال کر گیا۔

سیرت سلطان الپ ارسلان سلطان الپ ارسلان ایک نہایت فیاض اور عادل بادشاہ تھا کسی کی شکایت کبھی نہیں سُنتا تھا جس کی تصدیق خواجہ نظام الملک نے اپنے ایک ذاتی واقعہ سے کی ہے[1]۔ حدود سلطنت کو اس عہد میں بڑی ترقی ہوئی اور بلحاظ رقبہ حکومت لوگ اس کو "سلطان عالم" کہتے تھے خدا کی نعمتوں کا بڑا شکر گزار تھا۔ اور بیحد صدقات کا دینے والا۔ رمضان المبارک میں پندرہ ہزار دینار خیرات کرتا تھا۔ دفتر میں ایک رجسٹر رہتا تھا جس میں تمام سلطنت کے ان فقرا اور مساکین کے نام درج تھے جن کو گھر بیٹھے وظیفہ دیا جاتا تھا۔ اس بادشاہ نے خالص مالگذاری کے علاوہ کبھی رعایا سے کسی قسم کا تاوان اور جرمانہ وصول نہیں کیا۔ اور سال میں صرف دو مرتبہ خراج وصول کیا جاتا تھا۔ اوقات فرصت میں شاہنامہ اور سکندر اعظم کی فتوحات اور قدیم بادشاہوں کی تاریخ سُنا کرتا تھا۔ علاوہ باطنی اوصاف کے نہایت خوبصورت۔ وجیہہ اور طاقتور تھا۔ مذہب اسلام کا ایک زبردست حامی تھا۔ اور مذہبی توہین کو ایک منٹ کے لیے

[1] دوسرا حصہ کتاب ہذا صفحہ ۱۱۴۔

بھی جائز نہ رکھتا تھا۔ ہر شہر میں مسجدیں تعمیر کرائیں۔ ایفائے عہد میں ضرب المثل تھا۔ خلیفہ قائم بامراللہ کا بہت ادب کرتا تھا۔ مگر افسوس ہے کہ نہ بغداد جا سکا اور نہ خلیفہ کی زیارت نصیب ہوئی۔ اسکے عہد سلطنت میں ہر شہر میں مدرسے جاری ہوئے جن سے علم کا فیض عام ہو گیا۔ باشندگان فارس[1] کا یہ قول صحیح ہے۔ کہ "جن وحشی تاتاریوں سے ہمکو اندیشہ تھا۔ اور جن کی حکومت کو ہم ایک آفت ناگہانی سمجھتے تھے۔ اُن کے آنے سے ملک کی قسمت کھل گئی"۔ لیکن الپ ارسلان کو جہاں خدا نے اور نعمتیں دی تھیں۔ اُن میں سب سے بڑھ کر خواجہ نظام الملک کی ذات تھی۔ تمام مورخوں کا اسپر اتفاق ہے کہ الپ ارسلان کے دور حکومت کی ترقی کا باعث خواجہ نظام الملک کی حکمت عملیاں تھیں۔ داڑھی بہت[2] لانبی تھی۔ چنانچہ طاقیہ (ایک قسم کی لانبی ٹوپی) کی چوٹی سے نیچے تک داڑھی کی مقدار دو گز ہوتی تھی (از کلہ کلاہش تا پائین تحیہ) اور چوگان بازی (پولو) کی حالت میں داڑھی میں تین گرہ لگا لیتا تھا۔ سیاست کا یہ حال تھا کہ ایک غلام نے کسی دیہاتی کی پگڑی چھین لی۔ جب وہ فریادی ہوا تو تحقیقات کی گئی۔ ایک غلام گرفتار ہو کر سامنے آیا۔ اُسی وقت قتل کا حکم دیا اور اُس کی نعش تین مہینے تک سولی پر لٹکتی رہی اور کسی کی طاقت نہ تھی کہ اُس کو دفن کرے۔ بادشاہوں کے سفیر جب سامنے آتے تھے تو اُس کی ہیبت اور جلال سے کانپنے لگتے تھے۔ وسعت سلطنت کا یہ حال تھا کہ تمام ممالک مقبوضہ میں بارہ سو ماتحت حکمراں تھے۔ دستر[3] خوان شاہی بہت وسیع تھا یہاں تک کہ میدان کارزار اور شکارگاہ میں بھی وسیع پیمانہ پر انتظام ہوتا تھا۔ علاوہ شاہی دسترخوان کے باورچی خانہ میں

---

[1] سرجان مالکم صاحب [2] تاریخ نگارستان صفحہ ۱۷۰ [3] دوسرا حصہ کتاب ہذا صفحہ ۳۰۴

روزانہ فقرا اور مساکین کے لیے پچاس بکریاں ذبح ہوتی تھیں۔ اس کے عہد میں جو عمارت بنائی جاتی تھی اُس کی نسبت حکم تھا کہ وہ بہت بلند و مستحکم اور شاندار ہو۔[1] کیونکہ سلطان کا خیال تھا کہ یہ آثار عالی ہمتی اور وفور نعمت پر زمانہ آیندہ میں دلالت کرتے رہیں گے۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی مزار پر شاندار عمارت بنوائی جس کی تفصیل یہ ہے کہ ۴۵۹ھ / ۱۰۶۶ء میں جب سلطان الپ آرسلان کو معلوم ہوا کہ امام صاحب کے مزار پر کوئی قبہ نہیں ہے اور نہ کوئی مدرسہ ہے تو اُس نے ابو سعد محمد بن منصور شرف الملک مستوفی کو حکم دیا کہ امام صاحب کی قبر پر ایک قبہ اور ایک مدرسہ طیار کرایا جائے۔ چنانچہ کام جاری ہوا۔ اور عمارت بنکر طیار ہو گئی۔ رسم افتتاح مدرسہ بڑی شان سے ادا ہوئی۔ ابو جعفر مسعود نے جو اتفاق سی اس موقع پر آنکلا تھا۔ امام صاحب کی مدح میں یہ برجستہ اشعار پڑھے جو اُسی وقت قبہ پر لکھ دیئے گئے۔[2]

الم تر ان العلم کان مبددا　　فجمعہ ھذا المغیب فی اللحد
کذلک کانت ھذہ الارض میتۃ　　فانشرھا فعل العمید ابی سعد

یعنی تم دیکھتے نہیں علم کس طرح ابتر ہو رہا تھا۔ پھر اس شخص نے اس کو مرتب کر دیا جو اس لحد میں مدفون ہے۔ اسی طرح یہ زمین مردہ پڑی ہوئی تھی جس کو شرف الملک ابو سعد کی کوشش نے دوبارہ زندہ کر دیا۔" ابن بطوطہ کے زمانہ تک یہ مدرسہ قائم تھا جس کے ساتھ مسافرخانہ بھی قائم تھا اور مسافروں کو کھانا ملا کرتا تھا۔

---

[1] تاریخ آل سلجوق اصفہانی سیرۃ الپ ارسلان [2] تاریخ آل سلجوق صفحہ ۳۲۔ اشعار با دنی تغیر درج ہیں۔

سلطان الپ ارسلاں کی عملداری میں جس قدر عیسائی رعایا تھی اُن کو حکم تھا کہ وہ مثل نعل اسپ (اس کی شکل قریب قریب کالر کے تھی) کے ایک نشان اپنی گردن میں ڈالے رہیں۔ تاکہ مسلمان اور عیسائیوں میں فرق امتیاز باقی رہے۔ عقل اور فراست میں اپنے سب بھائیوں سے ممتاز تھا۔ اور اسی وجہ سے سلطان طغرل بیگ نے اس کو ولیعہد کیا تھا۔ چنانچہ زمانہ ولیعہدی کا یہ واقعہ مشہور ہے جس کو شمس العلما مولانا حالی نے اپنی مسدس میں نظم کیا ہے۔

الپ ارسلاں سے یہ طغرل نے پوچھا — کہ قومیں ہیں دنیا میں جو جلوہ فرما
نشاں اُن کی اقبال مندی کے ہیں کیا — کہا اقبال مند اُن کو کہنا ہے زیبا

کہا ملک و دولت ہو ہاتھ اُنکے جبتک
جہاں ہو کمر بستہ ساتھ اُن کے جبتک

جہاں جائیں وہ سرخرو ہو کے آئیں — ظفر ہمعناں ہو جدھر باگ اُٹھائیں
نہ بگڑیں کبھی کام جو وہ بنائیں — نہ اُکھڑیں قدم جس جگہ وہ جمائیں

کریں مس کو گر مس تو وہ کیمیا ہو
اگر خاک میں ہاتھ ڈالیں طلا ہو

ولیعہد کی جب کہ باتیں سُنیں یہ — ہنسا سُن کے فرزانہ دوربیں یہ
کہا جانِ عم گپ ہے گو دلنشیں یہ — مگر شرط اقبال ہرگز نہیں یہ

حوادث سہے بن گزارا نہیں یہاں
بلندی و پستی سے چارہ نہیں یہاں

الخ (مسدس حالی)

۵۷ گنج دانش صفحہ ۴۰۹

سلطان۔ طغرل بیگ کی طرح، اگرچہ سپاہی تھا۔ لیکن شعرا کا قدردان تھا۔ فتوحات کے موقع پر شعرا مبارکبادیں قصائد پڑھتے تھے اور صلے پاتے تھے۔ عبہری غزنوی[۱]، دربار کا شاعر تھا جس کے ذیل کے اشعار بطور یادگار لکھے جاتے ہیں۔

بگردوں برین برشد بہ فخر ملکت ایران　　　　کہ گسترد از برش سایۂ خجستہ رائت سلطاں

خداوند جہاں، الپ ارسلاں سلطان دین پرور　　　　کہ با عدلش نماید جور بکسر عدل نوشرواں

خداوندی ورا زیبد کہ چوں تیغش شود پیدا　　　　اگر کوہے بود دشمن بخاک اندر شود پنہاں

خداوندے کہ در سود و زیاں خوشنودی و خشمش　　　　یکے ہولیست بے اندہ یکی در دلیست بیدرماں

نگہ کن تا بدیں لشکر کہ طاغی گشت امرش را　　　　چہ کرد انشاہ دریا دل بادل بدعت طغیاں

بہول رعد وگشت باد و چشم ابر آزاری　　　　بزور پیل و سہم شیر و مکر گرگ پر دستاں

قوی چوں سد اسکندر، سیہ دل چوں شب تارے　　　　ہمہ آشفتہ چوں دریا ہمہ نے حصر چوں باراں

بیک حملہ کہ سلطاں کرد ہمچوں شیر برآہو　　　　زخون خصم دریا شد بیک ساعت ہمہ میداں

چو سہم رائتت ہبسند معادی زود بگریزد　　　　چو اہرمن کہ بگریزد ز سہم آیت فرقاں

بچونین فتح فرخندہ کہ دادت ایزد داور　　　　تو شادی کن کہ دشمن گشت زار و خستہ و پژماں

تو یار شادمانی باش تا دشمن خورد اندہ

تو جفت تندرستی باش تا دشمن بود نالاں

[۱] مجمع الفصحا صفحہ ۳۳۲۔ عبدالمجید نام، عبہری تخلص غزنیں کا باشندہ، ایک نامور حکیم اور فاضل تھا۔ ملکشاہ کا بھی مداح رہا ہے۔ حکیم سنائی ادیب صابر اور سوزنی اس کے جلیس و ندیم تھے۔ عبہری کے علاوہ، ظہیر الدین، اسیر الدین،

سلطان الپ ارسلان نے انتقال سے قبل اپنے عزیزوں کو حسب ذیل ملک تقسیم کئے[۵۱]

سیلمان بن داؤد چغری بیگ	بلخ
امیر اینانج بن بیغو	ماژندران
ارسلان ارغو برادر الپ ارسلان	خوارزم
ارسلان شاہ۔ پسر الپ ارسلان	مرو
الیاس	چغانیہ (صغانیاں)
مسعود بن ارطاس	تخارستان
مودود بن ارطاس	ولایت بغشور (نواح بادغیس) واسفراز

انتقال کے وقت سلطان کے حسب ذیل بیٹے موجود تھے۔

ملکشاہ۔ تتش۔ تکش۔ ارغون۔ ارسلان شاہ۔ ایاز۔ بوری برس چند بیٹیاں بھی تھیں جن میں سے۔ سارہ۔ وعائشہ۔ صفری خاتون۔ زلیخا خاتون مشہور ہیں۔

تخت نشینی ملکشاہ | سلطان الپ ارسلان[۵۲] کے انتقال پر سترہ سال کی عمر میں دسویں ربیع الاول ۴۶۵ھ ۱۰۷۲ء میں جلال الدولہ، ابو الفتح، ملکشاہ، اپنے باپ کا جانشین ہوا۔ ملکشاہ کے اور بھائی بھی موجود تھے۔ مگر چونکہ ملک شاہ سب میں بڑا اور قابل تھا لہذا[۵۳] ۴۵۸ھ میں خواجہ نظام الملک کے مشورہ سے الپ ارسلان نے اپنا ولیعہد کیا تھا۔ اور رسم ولیعہدی بڑی دہوم سے مرغزار

(بقیہ نوٹ صفحہ ماقبل) مجیر الدین بیلقانی، کمال الدین نخچوانی، شام فورنیشاپوری۔ ذوالفقار، سید عضد الدین علوی بھی اسی دربار کے شاعر تھے (از دولت شاہ سمرقندی)، ۵۱ صور الاقالیم تاریخ خراسان نسخہ قلمی۔ و کامل اثیر صفحہ ۱۶ جلد ۱۰ ۵۲ تقویم ابو الضیا صفحہ ۲۳۱ ۵۳ کامل اثیر صفحہ ۱۷ و ۲۴ ۲۔ جلد ۱۰۔ وزینۃ المجالس صفحہ ۱۲۳۔ روضۃ الصفا صفحہ ۸۲۔

النگ رادکان (طوس) میں ادا ہوئی تھی۔ اور اس دن الپ ارسلان کے جوش مسرت کا یہ عالم تھا کہ جب ملکشاہ گھوڑے پر سوار ہو کر سامنے حاضر ہوا تو رکاب پکڑ کر چند قدم چلا۔ اور مرصع تخت پر جو خاص اس تقریب کے لیے بنوایا گیا تھا۔ ملکشاہ کو اپنے سامنے بٹھایا اور قیمتی خلعت پہنایا۔ اور عرصہ تک نصیحتیں کرتا رہا۔ سرداران فوج، اُمراء اور عزیزوں سے اطاعت کا حلف لیا گیا۔ اور دربار بغداد سے بھی منظوری حاصل کر لی۔

چونکہ الپ ارسلان نے حالت سفر میں انتقال کیا تھا۔ اور ماوراء النہر پر حملہ کی طیاریاں تھیں لہذا فوج کثیر ہمرکاب تھی۔ لیکن ملکشاہ نے آگے بڑھنا مناسب نہ جانا اور مع فوج کے تین دن میں جیحون سے اُتر کر براہ خراسان نیشاپور پہنچا۔ ایام تعزیت کے ختم ہونے پر جسقدر ممالک تابع فرمان تھے۔ اُن کے حکمرانوں کو تخت نشینی کی باضابطہ اطلاع دی گئی۔ بغداد، حرمین شریفین، اور بیت المقدس میں ملکشاہ کا خطبہ پڑھا گیا۔

جنگ قاوردبیگ اور خواجہ کی حکمت عملی

ملکشاہ ہنوز اپنے باپ کے غم میں مبتلا تھا۔ اور تخت نشینی کا جشن بھی نہ ہونے پایا تھا کہ شعبان ۴۶۵ھ/۱۰۷۲ء میں سلطان کا چچا قاوردبیگ، تاج و تخت کا دعوی دار ہو کر کرمان سے رے کی طرف بڑھا[1]۔ خاندان میں قاوردبیگ سے بزرگ، اور با اثر کوئی باقی نہ تھا۔ اس کے علاوہ تمام ارکین سلطنت اور سرداران فوج قاورد سے رشوت لے چکے تھے۔ اور آیندہ کے لیے خاص مراعات کے اُمیدوار کیے گئے تھے۔ اب ملکشاہ کا رفیق اور محسن خواجہ نظام الملک تھا جس کے مددگار شرف الدولہ مسلم بن قریش۔ اور بہاء الدولہ

[1] کامل ابن اثیر صفحہ ۲۷، جلد ۱۰۔ آل سلجوق اصفہانی صفحہ ۴۶

منصور بن دبیس تھے۔ یہ عربی قبائل کے سردار تھے جن کی ماتحتی میں قوم کرد کے جانباز سپاہی تھے۔ چنانچہ سلطان و وزیر بھی مدافعت کے لیے تیار ہو کر نیشاپور سے روانہ ہو گئے! اور ۴ شعبان کو ہمدان کے قریب میدان کرج میں دونوں فوجوں کا مقابلہ ہو گیا۔ تین شبانہ روز خونریز جنگ رہی۔ اور ملک شاہ فتحیاب ہوا۔ قاورد بیگ گرفتار ہو کر سامنے آیا اور عفو قصور کا طالب ہوا۔ سلطان نے معافی نہیں دی۔ فتح کے بعد فوجی سردار مبارکباد کے لیئے حاضر ہوے اور خواجہ سے عرض کیا کہ اس فتح کے صلہ میں ہماری تنخواہ میں اضافہ کیا جائے چنانچہ خواجہ نے فوجی مشاہرہ میں سات لاکھ دینار کا اضافہ کر دیا[1] اور قاورد بیگ کو مصلحت ملکی سے مار ڈالا[1]۔ ملک میں امن و امان ہو گیا۔ ملک شاہ نے کرمان کی حکومت بدستور قاورد بیگ کے خاندان میں رہنے دی۔ اور اس کارگزاری کے صلہ میں خواجہ نظام الملک کی جاگیر میں اضافہ کر دیا۔ اور آتابک کا خطاب دیکر سلطنت سلجوقیہ کا مالک بنا دیا۔ اور امراء عرب اور کردوں کو بھی خلعت سے ممتاز کیا۔ سپہ سالار اعظم سا وتگین کو علاوہ جاگیر و منصب کے عماد الدولہ کا خطاب دیکر علم و نقارہ بھی مرحمت کیا۔ اور ملک شاہ اطمینان سے سلطنت کرنے لگا، کیونکہ سلطان کا ایک بھائی ایاز جو الپ ارسلاں کے انتقال پر بلخ میں حکمراں ہو گیا تھا۔ وہ بھی فوت ہو گیا تھا۔

اب ہم خواجہ کے وہ خاص حالات لکھتے ہیں۔ جس کا تعلق عہد ملکشاہ سے ہے۔

خواجہ نظام الملک نے قاورد بیگ کے قتل میں جو حکمت عملی برتی وہ اس کے صائب الرائے

---

[1] ابن خلدون تخت نشینی ملک شاہ [2] اس موقع پر حصہ اول کا صفحہ ۱۵۹۔ ۱۶۰ دیکھنا چاہیئے جس میں واقعہ کی تصریح ہے۔

ہونے کی ایک کامل شہادت ہے۔ لیکن ذیل کے واقعات سے بھی ظاہر ہوگا کہ نظام الملک کس درجہ عقیل اور مدبر وزیر تھا

خواجہ کی رائے فوج کی تخفیف پر

سنہ ۴۸۰ ہجری میں بماہ شعبان، سلطان ملک شاہ نے بمقام رے کُل فوج کا جائزہ لیا۔ اور سات ہزار سواروں کو ضرورت سے زیادہ سمجھ کر موقوف کر دیا۔ خواجہ نے عرض کیا کہ یہ سپاہی ہیں، کاتب، تاجر، اور خیاط نہیں ہیں جو اپنی معاش کو قائم رکھ سکیں بجز سپہ گری اُن کا دوسرا پیشہ نہیں ہے۔ آخر یہ لوگ کہاں جائیں گے۔ ضرور ہے کہ کسی دوسری سلطنت میں رجوع کریں گے۔ یا کسی کو سردار بنا کر ملک میں غارتگری کریں گے اور ان کی ذات سے اس قدر شورش ہوگی کہ بزرگوں کے جمع کیے ہوئے خزانے خالی ہو جائیں گے۔ اور امن عامہ میں خلل انداز ہوں گے۔ لہذا انکا موقوف کرنا عقل و حکمت کے خلاف ہے۔ لیکن ملکشاہ نے خواجہ کی نصیحت پر عمل نہ کیا اور فوجی رجسٹر سے سات ہزار، جوانوں کا نام کاٹ دیا چنانچہ یہ گروہ تکش برادر ملکشاہ سے ملگیا، اور ان باغیوں کی مدد سے تکش نے پوشنج، مرورود، مرو شاہجہان ترمذ وغیرہ پر قبضہ کر لیا۔ اور فتح نیشاپور کی طیاریاں ہونے لگیں لیکن تکش کے حملہ سے پہلے نظام الملک اور ملک شاہ نیشاپور پہنچ گئے۔ سلطان کی خبر سنکر تکش قلعہ ترمذ میں پناہ گیر ہو گیا اور اخیر میں صلح ہو گئی۔ لیکن نتیجہ وہی ہوا جو اول خواجہ نے کہا تھا۔

ملکشاہ کو رومیوں کی قید سے چھڑانا

ملکشاہ[2] کے تخت نشین ہونے کے بعد، جب قیصر روم نے

---

[1] کامل اثیر صفحہ ۴۸ جلد ۱۰ و سیاست نامہ باب ۴۸۔

[2] نامہ خسرواں صفحہ ۷۰، نگارستان صفحہ ۱۷۱، روضۃ الصفا بحوالہ تاریخ گزیدہ۔

خانہ جنگی اور بغاوتوں کا حال سنا۔ تو وہ بھی بقصد ملک گیری ایران کی طرف بڑھا ملک شاہ بھی مقابلہ کے لیے نکلا۔ دونوں لشکر تھوڑے فاصلہ پر خیمہ زن تھے۔ لیکن ملکشاہ کی شان و شوکت سے متاثر ہو کر قیصر صلح کا خواستگار تھا۔ اور شرائط صلح کے لیے سفیروں کی آمدورفت جاری تھی۔ چنانچہ انہی دنوں کا واقعہ ہے کہ سلطان ملکشاہ چند سواروں کو ہمراہ لیکر شکار کے لیے نکل گیا اور رومیوں کے ہاتھ میں گرفتار ہو گیا۔ سلطان نے سواروں کو سمجھا دیا کہ میرا ادب و لحاظ نہ کرنا۔ اور مجھ سے معمولی برتاؤ کرنا۔ تاکہ افشاء راز نہو۔ جب خواجہ کو اطلاع ہوئی تو اُس نے چند سوار لشکر سے باہر روانہ کیئے اور بعد نماز مغرب اعلان کر دیا کہ سلطان شکار سے واپس آ گیا ہے۔ اور خود رومی لشکر میں جا کر قیصر سے ملاقات کی۔ قیصر نے خواجہ کو بڑے تپاک سے لیا۔ اور مسائل صلح پر خواجہ سے مدد کا طالب ہوا۔ اثناء کلام میں قیصر نے کہا کہ کل چند آدمی آپ کی فوج کے گرفتار ہوے ہیں۔ ان کو بھی اپنے ہمراہ لیتے جانا خواجہ نے کہا کہ مجھے ان لوگوں کی خبر نہیں ہے۔ نہ لشکر میں کسی نے ذکر کیا تھا۔ بہر حال قیدی سامنے آئیں تو معلوم ہو چنانچہ قیدی پیش ہوے۔ خواجہ نے ان کو مخاطب کر کے کہا کہ "تم بڑے بیوقوف ہو۔ جو لشکر سے علٰحدہ ہو کر گرفتار ہو گئے۔ اگر قتل کر دیئے جاتے تو دونوں سلطنتوں کی بدنامی ہوتی کہ صلح کے زمانے میں قیدی قتل ہو گئے۔ بعد ازاں اُن کو چلے جانے کا حکم دیدیا۔ جب خواجہ قیصر سے رخصت ہو کر رومیوں کی حد سے دور نکل آیا۔ تب گھوڑے سے اُتر کے ملکشاہ سے معذرت کی اور عرض کیا کہ قیصر کے سامنے جو گفتگو کی تھی وہ مصلحت پر مبنی تھی۔ اور ملکشاہ کی واپسی پر بڑی خوشی منائی گئی جب قیصر کو معلوم ہوا تو وہ حیرت زدہ رہ گیا اور خواجہ کی عقل و فراست کی بڑی تعریف کی

اس واقعہ کے خاتمہ پر مصنف نگارستان نے حسب ذیل اشعار لکھے ہیں۔

حکیم گفت کہ تقدیر سابق است ولے | بہ ہیچ حال تو تدبیر خود فرو مگذار
کہ گر موافق حکم قضاست تدبیرت | بہ کام دل رسی از کار خویشتن بر خودار
وگر مخالف آں ست دار دت معذور | کسی کہ دارد ز انوار عدل استظہار

جیحون کے ملاحوں کا ایک خاص واقعہ | خواجہ نظام الملک کو ہمیشہ مد نظر رہا۔ کہ ملکشاہ کی شان و شوکت کی داستان صفحات تاریخ میں باقی رہے۔ چنانچہ مشہور ہی کہ ۱۰۷۵ء ۴۶۸ھ میں جب سلیماں خاں حاکم سمرقند کی گوشمالی کے لیے روانہ ہوا۔ اور مقصد میں کامیاب ہوگیا تو واپسی کے وقت خواجہ نے جیحون کے ملاحوں کو (جن کی کشتیاں کرایہ کی گئیں تھیں) بجاے نقد کرایہ ادا کرنے کے حاکم انطاکیہ (ملک شام) کے نام ہنڈی (حکم خزانہ) جاری کی کہ وہ ملاحوں کو یہ رقم خزانہ سے ادا کرے۔ چنانچہ ملاحوں نے اس کی ملکشاہ سے شکایت کی۔ تب سلطان نے خواجہ سے پوچھا کہ اس میں کیا حکمت ہی۔ خواجہ نے عرض کیا کہ جب ہم دنیا میں نہوں گے۔ تب لوگوں کو معلوم ہوگا کہ ملکشاہ کی سلطنت اس قدر وسیع تھی کہ ملاحان جیحون کی اُجرت خزانہ انطاکیہ سے دلائی گئی تھی۔ سلطان اس نکتہ سے خوش ہوا۔ خواجہ کی تعریف کی۔ اور فرمایا کہ "اب میرے حکم سے آپ ان ملاحوں کو اسی جگہ کرایہ دیکر رخصت کر دیجیے[1]۔"

سفیر روم کی واپسی کاشغر سے | واقعہ مندرجہ بالا کے قریب قریب یہ روایت ہی کہ ۱۰۸۹ء ۴۸۲ھ میں ملکشاہ نے احمد خاں بن خضر خاں حاکم ماوراء النہر پر اصفہان سے فوج کشی کی۔ روم کا سفیر اس وقت

[1] نامہ خسرواں صفحہ ۵۰۔ روضۃ الصفا جلد چہارم سلاطین سلجوق [2] کامل اثیر صفحہ ۸۰ جلد ۱۰

سالانہ خراج لیکر حاضر ہوا تھا، خواجہ نظام الملک[1] اس مہم میں سفیر کو بھی اپنے ہمراہ لے گیا۔ اور کاشغر پہنچکر خراج لیا۔ اور سفیر کو یہاں سے رخصت کیا۔ اس میں یہ حکمت تھی کہ رومی سفیر کو دولت سلجوقیہ کی وسعت کا اندازہ ہو اور یہ تاریخی واقعہ ہو جائے۔ کہ قیصر روم کا سفیر خراج لیکر باب کاشغر تک آیا تھا۔

فیوڈل سسٹم کا اجراء اسلام سے پہلے دنیا میں جو عظیم الشان سلطنتیں تھیں اُن کا یہ اصول تھا کہ ملک میں جو با اثر امراء سپہ گری کا جوہر رکھتے تھے اُن کو بڑی بڑی جاگیریں دیکر یہ عہد لیا جاتا تھا کہ جنگی مہمات کے وقت اپنی فوج (ایک خاص تعداد معین تھی) لیکر حاضر ہوں گے۔ چنانچہ تقسیم جاگیرات کا یہ سلسلہ یہاں تک ترقی کر گیا تھا۔ کہ بڑے جاگیردار بطور خود اپنے علاقہ کو شکمی طریقہ پر تقسیم کر دیتے تھے اور ان سے بھی وہی معاہدہ کرتے تھے جس کے خود پابند تھے۔ لیکن براہ راست ان ماتحتوں کو سلطنت سے کوئی تعلق نہ تھا۔ اور اس فوجی اصول کا نام فیوڈل سسٹم تھا اور یہ طریقہ یونان، رومۃ الکبریٰ، اور ایران میں جاری تھا۔ لیکن اُصول سیاست سے یہ انتظام غیر منتظم تھا اور کبھی کبھی جاگیردار باغی ہو کر تباہی سلطنت کا باعث ہوتے تھے۔ جسکی نظیر خود روم کی عظیم الشان سلطنت تھی۔ لہٰذا اسلام کے نامور فاتح اور مشہور مدبر امیر المومنین فاروق اعظم نے اپنے عہد خلافت میں فوج کی تنخواہ مقرر کر دی تھی۔ اور جاگیرداری کے قدیم قانون پر عمل نہیں کیا تھا۔ چنانچہ اس عہد سے خلفاء عباسیہ اور دیگر سلاطین میں تقسیم تنخواہ کا قاعدہ جاری تھا۔ جب سلجوقیوں کا دور حکومت ہوا۔ تو گزشتہ خونریزیوں اور خانہ جنگیوں سے

[1] طبقات الشافعیہ جلد سوم حالات نظام الملک۔

ملک ویران ہوگیا تھا۔ اور ہر صوبہ کا پورا خراج وصول نہ ہوتا تھا۔ لہذا خواجہ نظام الملک نے قدیم قاعدہ کو توڑ کر جاگیرداری کا از سرنو انتظام کیا[1]۔ اور اس عملدرآمد سے ملک آباد ہوگیا اور ملکی پیداوار میں غیر معمولی ترقی ہوگئی۔ یہ انتظام خواجہ نے اس لیے کیا تھا کہ سلطنت سلجوقیہ کے تحفظ اور عروج و ترقی کا مدار فوج پر تھا۔ اور فوج کے سردار اکثر قبچاقی اور تاتاری غلام ہوا کرتے تھے۔ جن پر بادشاہ کا عزیزوں سے زیادہ اعتبار تھا۔ اور اُن سے بغاوت کا خطرہ بھی کم تھا۔ اور یہی غلام بادشاہ کے محافظ جان بھی ہوتے تھے۔ لہذا مشہور قلعے اور اقطاع ان کے سپرد کردیئے گئے۔ ایسی جاگیریں فارس، مسقط، اور شام کا حصہ منقسم تھا۔ جنکے محاصل سے جاگیردار فائدہ اُٹھاتے تھے اور فوج مرتب رکھتے تھے۔ موسم بہار میں اس قسم کی تمام فوج کو حاضر رہنا پڑتا تھا۔ اور موسم سرما میں ان کی کچھ ضرورت نہ ہوتی تھی۔ البتہ بشرط ضرورت آسکتی تھی[2]۔

فیوڈل سسٹم کا طریقہ عام طور پر فی زمانا متروک ہی۔ اور یورپ کی کسی سلطنت میں بھی جاری نہیں ہی۔ مگر اُس وقت ملکی مصلحت سے مفید تھا۔ جس کو خواجہ نے جاری کیا تھا اور سلطان صلاح الدین کے زمانہ میں بھی ملک مصر میں یہی آئین تھا۔ جو خواجہ کی یادگار رہا۔

ائمہ اشعریہ پر لعن اور اس کا انسداد

خواجہ نظام الملک کے اخلاق و عادات کے تذکرہ میں لکھا جاچکا ہی کہ سلطان طغرل بیگ سلجوقی کے دور حکومت میں وزیر عمید الملک کندری نے تمام ممالک محروسہ میں یہ اعلان کردیا تھا کہ خطبہ میں روافض پر لعن کیجاے۔ اس کے بعد

---

[1] آل سلجوق اصفہانی صفحہ ۵۵　[2] دیباچہ حیات صلاح الدین نوشتہ مسٹر لین پول صاحب۔

یہی حکم اشاعرہ کی نسبت بھی جاری کر دیا۔ جس کا یہ نتیجہ ہوا کہ ۴۵۶ھ میں امام الحرمین[1] اور ابو القاسم قشیری۔ حافظ[2] ابو بکر بیہقی جیسے نامور ائمہ نیشاپور سے مکہ معظمہ کو ہجرت کر گئے اور ان بزرگوں کے ہمراہ اور تمام علما بھی چلے گئے۔ چنانچہ اس سال حرمین شریفین میں چار سو قاضی حنفی اور شافعی مذہب کے جمع تھے۔ لیکن خواجہ نظام الملک نے وزیر ہوتے ہی یہ حکم جاری کر دیا کہ روافض و اشاعرہ[3] پر جو لعن کیجاتی ہے وہ بند کیجائے۔

عمید الملک کے اس حکم سے جو فتنہ و فساد خراسان میں پیدا ہوا اُس کی تفصیل کے قبل عقائد اشعریہ سمجھ لینا چاہیے۔ کیونکہ یہی عقائد باعث لعن و طعن ہوئے تھے

۱۔ خدا کو جائز ہے کہ انسان کو اس کام کی تکلیف دے جو اُس کی طاقت سے باہر ہے۔

۲۔ خدا کو حق ہے کہ وہ مخلوقات کو عذاب دے۔ بغیر اسکے کہ انکا کوئی جرم ہو یا انکو ثواب ملے۔

۳۔ خدا کو پہچاننا شریعت کی رو سے واجب ہے نہ عقل کی رو سے۔

۴۔ میزان (ترازو) حق ہے اور اس طرح کہ خدا نامہ اعمال کے دفتروں میں وزن پیدا کر دیگا۔

یہ وہ عقائد ہیں کہ اشعریہ کے نزدیک سنت اور اعتزال میں حد فاصل[4] ہیں۔ اس کے علاوہ ذات صفات اور افعال الٰہی کے مسائل ہیں۔ جس کا اجمالی بیان امام غزالی نے احیاء العلوم کے شروع میں کیا ہے۔

طبقات الشافعیہ[5] الکبریٰ میں لکھا ہے کہ ابو سہل بن الموفق۔ رے کے ایک رئیس تھے جو فیاضی

---

[1] امام ابو الحسن علی اشعری پر دیکھو نوٹ صفحہ ۵۰ حصہ اول [2] علم الکلام صفحہ ۵۶ [3] طبقات جلد ثانی تذکرہ علی بن اسمعیل از صفحہ ۲۴۵ لغایۃ ۲۶۱۔

اور اخلاق میں ضرب المثل تھے ان کے مکان پر ہمیشہ علماء کا مجمع رہا کرتا تھا۔ اور شوافع واحناف کے علماء وہاں مناظرہ بھی کیا کرتے تھے۔ ابوسہل فرقہ اشعریہ میں داخل تھے۔ اور مذہبی معلومات بھی خوب رکھتے تھے۔ چنانچہ یہ خبر مشہور ہوگئی کہ ابوسہل وزیر سلطنت ہونے والے ہیں جب عمید الملک نے سنا تو پریشان ہوگیا اور یہ تدبیر کی کہ طغرل بیگ سے فرقہ مبتدعہ پر لعن کی اجازت حاصل کی اور اسی زمرہ میں اشعریہ کو بھی داخل کر دیا۔ اور علماء اشاعرہ کو درس و تدریس اور وعظ و نصیحت سے روکدیا۔ اور بعض معتزلین کو جو اپنے آپ کو حنفی کہتے تھے، اپنا مؤید بنا لیا اور سلطان کو علماء شافعیہ سے عموماً اور اشعریہ سے خصوصاً بدظن کر دیا۔ ورجمعہ کے دن علانیہ توہین و تذلیل ہونے لگی۔ جس طرح بعض بنی امیہ کے عہد میں سر منبر حضرت علی کرم اللہ وجہ کی توہین ہوا کرتی تھی۔ چنانچہ ابوسہل اس فتنہ کے فرو کرنے کے لیے اُٹھے۔ اور فوج سے امداد چاہی مگر وزارت کے اثر سے کامیابی نہ ہوئی۔ اور نہ سلطان تک رسائی ہو سکی۔ مجبوراً تمام ملک کے علماء کو توجہ دلائی گئی اور عمید الملک کو بھی اطلاع دی گئی۔ اس موقع کو غنیمت سمجھ کر عمید الملک نے بالزام بغاوت (منظوری سلطان) ابوسہل رئیس الفراتی، امام قشیری اور امام الحرمین کی گرفتاری کا وارنٹ جاری کر دیا۔ ابوسہل تو اجراء حکم سے پہلے، رے سے چلے گئے۔ اور امام الحرمین بھی کرمان ہوکر حجاز کو تشریف لے گئے۔ لیکن امام قشیری اور رئیس الفراتی گرفتار ہو گئے اور قلعہ قہندز (کہن دژ) میں قید کر دیئے گئے۔ قید میں کچھ اوپر ایک مہینہ گزرا تھا کہ ابوسہل نے ناصیہ باخرز سے ایک جنگجو جماعت فراہم کرکے قہندز پر حملہ کا قصد کیا۔ اور قلعدار سے قیدیوں کو مانگا۔ اس نے انکار کیا اور مقابلہ پر آمادہ ہوا۔ چنانچہ مقابلہ میں قلعدار زخمی ہو گیا او

رئیس الفراتی اور امام قشیری رہا ہو کر ادھر اُدھر چلے گئے۔ عمید الملک نے سلطان سے واقعہ بیان کر کے ابوسہل کی گرفتاری کا حکم حاصل کیا۔ اور بمقام رے آ گرفتار کر لیا اور تمام مال و اسباب و جائداد کو ضبط کر کے نیلام کیا۔ اور ابوسہل کو کسی قلعہ میں قید کر دیا" چنانچہ خواجہ نظام الملک نے وزیر ہو کر اس فتنہ کا استیصال کیا۔ اور عمید الملک عبرت انگیز طریقہ سے قتل کر دیا گیا جو علماء و فقہاء کی بددعاؤں کا اثر تھا۔

فرقہ اشعریہ کے متعلق علماء کے فتوی واقعہ مذکورہ کے ذیل میں یہ بھی قابل تحریر ہے کہ مخالفین اشعریہ کی نسبت علماء نے سنہ ۴۵۵ھ ۱۰۶۳ء میں حسب ذیل فتوی لکھا تھا۔

استفتاء

ائمہ دین کا اس گروہ کی نسبت کیا حکم ہے جو فرقہ اشعریہ کی تکفیر اور لعن و طعن کرتا ہے اور وہ کس سلوک کا مستحق ہے؟۔

جواب

اصحاب حدیث کا اتفاق ہے کہ امام ابوالحسن اشعری، ائمہ حدیث میں سے ہیں۔ اور ان کا وہی مذہب ہے جو اہل حدیث کا ہے۔ انھوں نے اصول دیانات میں اہل سنت کے طریقہ کو ملحوظ رکھکر مخالفین اہل سنت کی خوب تردید کی ہے۔ معتزلہ، روافض، خوارج کے لیے وہ ایک برہنہ شمشیر تھے۔ جس نے ان پر لعن و طعن کیا یا سب و شتم سے پیش آیا۔ اُس نے گویا تمام اہل سنت پر لعن و طعن کیا۔ کتبہ عبدالکریم بن ہوازن القشیری" اور امام صاحب کے دستخط کے بعد علماء ذیل کے دستخط تھے۔

محمد بن علی الخبازی، شیخ ابو محمد جوینی، عبداللہ بن یوسف، ابو الفتح شاشی، علی بن احمد جوینی، ناصر العمری، احمد بن محمد ایوبی، علی بن محمد ایوبی، ابو عثمان الصابونی، ابو نصر بن ابو عثمان الصابونی، شریف بکری، محمد بن الحسن، ابی الحسن ملقابادی،

ان کے علاوہ عبد الجبار اسفرائنی نے بزبان فارسی یہ عبارت لکھی۔ "ایں ابو الحسن اشعری آں امام ست کہ خداوند عز و جل ایں آیت در شان وے فرستاد" فسوف یاتی اللہ بقوم یحبہم و یحبونہ" و مصطفی علیہ السلام دراں وقت بجد وے اشارت کرد۔ ابو موسی اشعری فقال ہم قوم ہذا۔"

"کتبہ عبد الجبار علی بن محمد اسفرائنی"

۲ اسی مضمون کا دوسرا استفتاء علماء بغداد سے حاصل کیا گیا۔ جسکا یہ جواب ہی

"جس نے ایسا کیا اس نے بدعت کی اور وہ فعل ناجائز کا مرتکب ہوا۔ امیر وقت کو اس کی تادیب لازم ہی۔ تاکہ خود اُسکو اور دوسروں کو ایسے امور کے ارتکاب کی جرات نہو"

"کتبہ قاضی القضاۃ ابو عبداللہ الدامغانی الحنفی"

اور قاضی صاحب کے دستخط کے بعد علماء ذیل نے اپنے دستخط ثبت کئے۔

شیخ ابو اسحاق شیرازی، ابراہیم بن علی فیروزآبادی، محمد بن احمد شافعی معروف بفخر الاسلام شاشی، ابو الخطاب بن الحلولی، ابو عبداللہ قیروانی، سعد المہنی، ابو الوفا ابن عقیل حنبلی، ابو منصور الرزاز، ابو الفرج اسفرائنی، ابو الحسن بن الخل، ابو الحسن علی بن الحسین قرنوی حنفی، ابو الخیر قزوینی، عمر بن احمد الحطیبی زنجانی۔

چنانچہ یہ استفتاء زمانہ دراز تک قائم رہا۔ اور علماء مابعد کی بھی وہی رائے قائم رہی جو

علماء مذکورہ بالا لکھ چکے تھے۔

خواجہ نظام الملک کے خطاب والقاب | خواجہ حسن کا پورا نام مع القاب و خطابات حسب ذیل ہے۔

وزیر کبیر، خواجہ بزرگ، تاج الحضرتین، قوام الدین، نظام الملک، اتابک، ابوعلی حسن رضی امیر المومنین" اور اس کی تشریح یہ ہے۔

۱۔ وزیر کبیر　چونکہ دولت سلجوقیہ میں خواجہ حسن سے بڑھ کر کوئی دوسرا وزیر نہیں ہوا لہذا ملک میں اس کا عام لقب وزیر کبیر تھا۔

۲۔ خواجہ بزرگ　سلطان ملکشاہ بزمانہ ولیعہدی خواجہ کی اتالیقی میں تھا لہذا ملکشاہ تعظیماً خواجہ بزرگ کہا کرتا تھا۔

۳۔ تاج الحضرتین　دولت سلجوقیہ کے دو نامور بادشاہ الپ ارسلاں اور ملکشاہ کے عہد میں خواجہ وزیر السلطنۃ رہا ہے۔ لہذا تاج الحضرتین مشہور ہوا۔

۴۔ قوام الدین　یہ مذہبی خطاب ہے۔ اور علماء و فقہاء کا عطیہ ہے۔

۵۔ نظام الملک　شہرت عام کی بنا پر یہ خطاب خواجہ کے نام سے بھی زیادہ مشہور و معروف ہے سلطان طغرل بیگ سلجوقی نے سب سے اول اپنے وزیر ابو محمد حسن بن محمد دہستانی کو نظام الملک کا خطاب دیا تھا۔ اس کے بعد ابونصر محمد بن منصور کُندری کو عمید الملک کا خطاب دیا۔ اور کُندری کے قتل کے بعد الپ ارسلاں نے جب خواجہ کو وزیر اعظم مقرر کیا تو خلعت وزارت کے ساتھ نظام الملک کے خطاب سے سرفراز کیا۔ اور خواجہ بالعموم اسی

خطاب سے تمام عالم میں روشناس ہی۔ یہ خطاب اس درجہ معزز قرار پایا ہی کہ ایران و ہندوستان میں بھی سلاطین نے اپنے قابلترین وزرا کو نظام الملک کا خطاب دیا ہی۔ گویا یہ خطاب وزیر کے فضل و کمال اور جامعیت کا ایک گراں بہا اور مرصع تمغہ ہی۔

۶۔ اتابک — ملکشاہ نے تخت نشین ہو کر جب اپنی عظیم الشان سلطنت کا خواجہ حسن کو مالک بنا دیا۔ اسوقت خلعت وزارت کے ساتھ اتابک کا خطاب مرحمت کیا جس کے معنے بزرگ و راتالیق کے ہیں۔ اور یہ ترکی زبان کا لفظ ہی۔

۷۔ رضی امیرالمومنین — ۴۸۲ھ میں خلیفہ المقتدی بامر اللہ نے خواجہ حسن کو رضی امیرالمومنین کا خطاب عنایت کیا تھا اور خطاب کے ساتھ جو خلعت ملا تھا۔ اُسپر نقش تھا کہ "الوزیر العالم العادل نظام الملک رضی امیرالمؤمنین اور مقبول خواجہ نظام الملک یہ وہ خطاب تھا کہ جو ابتدائے دولت اسلام سے اُسوقت تک کسی وزیر کو نہیں ملا تھا"

عرب اور عجم میں جس قدر چھوٹی یا بڑی خود مختار حکومتیں قائم تھیں اُنکے فرمانروا خلافت عباسیہ سے خطاب اور خلعت حاصل کرنیکو سب سے بڑی عزت سمجھتے تھے اور جب تک دربار خلافت سے خطاب مرحمت نہ ہو ملک کی نظروں میں وہ معزز نہیں ہو سکتے تھے اور یہ صرف مذہبی

عظمت کا اثر تھا۔ ورنہ خلفا خود ان حکمرانوں کے ماتحت تھے۔

مہر وزارت خواجہ کی مہر وزارت پر یہ کلمہ منقش تھا "الحمد للہ علی نعمہ"

خواجہ کی جاگیر سلطان الپ ارسلاں نے اپنے عہد حکومت میں خواجہ نظام الملک کو طوس[1] کا ضلع جاگیر میں دیدیا تھا۔ اور طوس چونکہ خواجہ کا وطن اور محل ولادت تھا۔ اس لیے خواجہ کو طوس کی ترقی اور سرسبزی کا بہت خیال تھا۔ اور قدرتی طور پر بھی صوبہ خراسان میں یہ ضلع نہایت زرخیز تھا۔ اور سیر و تفریح کے لیے جلب[2]۔ آبگینہ، حبس، اسیاکبود، یاقوتی، سلطان میدان، پل خاتون، صغد علبہ اور رادکان، جیسی مشہور و معروف مرغزار موجود تھے چنانچہ رادکان کی نسبت جغرافیہ نگاروں کا دعوی ہے کہ غوطہ دمشق، صغد سمرقند، شعب بوان، اور مرج شدان (یہ دنیا کی چار جنت ہیں) کے بعد رادکان کا درجہ ہے الپ ارسلاں نے یہاں شاندار عمارتیں بنوائی تھیں۔ اور ملکشاہ بھی مع ترکان خاتون کے اکثر رادکان میں رہا کرتا تھا۔

---

[1] طوس کی مفصل تاریخ حصہ اول میں لکھی گئی ہے۔ اور صفحہ ۲۰ پر ایک طولانی حاشیہ ہے جس کا یہ ضمیمہ سمجھنا چاہیئے طوس کے قریہ زادک میں خواجہ نصیر الدین طوسی نے ایک برج بنایا تھا جس میں سال کے حساب سے بارہ[12] دروازے تھے۔ اور ہر مہینہ کا ہلال اپنے مقابل کے دروازہ سے نظر آتا تھا۔ چنانچہ یہ برج خواجہ کے کمال ریاضی دانی کا نتیجہ تھا۔ خواجہ کی مدح اور موت کے متعلق یہ اشعار بھی یادگار ہیں۔

مدح

زاول اندر طوس کردند آں سہ کس را اختیار	آں یکے عالم، و دوم شاعر سدیگر شاں وزیر
در براعت، در فصاحت در وزارت برگذشت	از نظام الملک و غزالی و فردوسی نصیر

مادۂ وفات

ہفدہم از ماہ ذی الحجہ، دوشنبہ، وقت شام	سال ہجرت ششصد و ہفتاد و دو نا قص نہ تام
خواجۂ عالم نصیر الدین طوسی از قضا	نقل کرد از خطۂ بغداد تا دار السلام

---

[2] صور الاقالیم حالات طوس نسخہ قلمی۔

قومس جاگیر کا دوسرا ضلع قومس (کومس) تھا۔ قومس جبل طبرستان سے ملحق ہی جس میں دامغانؔ، اور بسطام جیسے عظیم الشان پرگنے واقع ہیں۔ چنانچہ ملک شاہ نے تخت نشین ہو کر جنگ قاورد کے بعد ہی یہ ضلع خواجہ کو دیدیا تھا، ان اضلاع کی آمدنی خواجہ کے ذاتی مصارف کو کافی تھی۔ اس کے علاوہ ہر تقریب اور خاص کارگزاریوں کے موقع پر انعام ملا کرتے تھے

نظارت نافعہ خواجہ نظام الملک نے اپنی انتیس[۲۹] سالہ عہد وزارت میں صیغہ رفاہ عام (پبلک ورکس) کو بڑی ترقی دی تھی۔ سلطنت کیطرف سے بھی ہمیشہ بڑے پیمانہ پر کام جاری رہتا تھا۔ لیکن بحیثیت وزیر اعظم، اپنی ذاتی جاگیر سے بھی خواجہ نے اس مد میں لاکھوں دینار صرف کر دیئے تھے۔ ممالک محروسہ کے ہر بڑے شہر اور قصبہ میں خواجہ نے سرائے، رباط، مساجد، اور شفاخانے بنوائے تھے۔ اور یہی حال تعمیر مدارس کا تھا (تفصیل نظامیہ کے حالات میں ہی) چنانچہ بغداد کی سرائے نظامیہ، اور نیشاپور کا شفاخانہ نظامیہ بہت مشہور ہی، حجاز کا رستہ اول نہایت خطرناک اور

لہ دامغان، رے اور نیشاپور کے درمیان واقع ہی اور دامغان سے دو منزل کے فاصلہ پر بسطام ہی۔ یہ دونوں مقامات بمنزلہ چھوٹے شہروں کے ہیں، اور خوب آباد ہیں۔ خصوصاً بسطام تجارت کی منڈی ہی موجودہ آبادی ۹۰۰ نوسو مکانات کی ہی جس میں ماژندرانی، خراسانی، اور ترکمانی قبائل آباد ہیں۔ اس شہر کی خصوصیات میں یہ بات ہی کہ کوئی بسطامی مرض عشق میں مبتلا نہیں ہوتا ہی اور اگر کوئی سودازدہ عاشق بادیہ پیمائی کرتا ہوا، یہاں آجائے تو پانی کا ایک گلاس اسکے عشق کو زائل کر دیتا ہی۔ دوسری بات یہ ہی کہ کوئی شخص درد چشم میں بھی مبتلا نہیں ہوتا ہی۔ شاپور ذو الاکتاف کا تعمیر کردہ قلعہ موجود ہی۔ ہوا معتدل ہی باغات کی کثرت ہی۔ میوہ اور غلہ خوب پیدا ہوتا ہی۔ سرائے اور حمام بھی موجود ہیں، بازار میں روس کا مال تجارت بکثرت موجود رہتا ہی، امام محمد بن جعفر صادق ؓ کے مزار پر سنگ لرزان کا ایک منارہ پچیس[۲۵] گز کا طولانی موجود ہی جو عجائبات سے ہی۔ صفحہ ۱۱۳۔ گنج دانش و مرأۃ البلدان صفحہ ۲۰۹۔

سنگلاخ تھا جس کو خواجہ نے قافلوں کی گزر کے لائق بنا دیا۔ اور حرمین شریفین میں محض حجاج اور زائروں کے قیام کے لیے مکانات بنوائے۔ اور مصارف کے لیے اوقاف جاری کردیئے۔[1]

دیوان الانشاء سلاطین عجم نے انتظام ملکی کے واسطے اہلکاروں کی جو تقسیم کی تھی ہمیں سب سے بڑا عہدہ وزارت کا تھا۔ چنانچہ عہد اسلام میں بھی با دنیٰ تغیر یہ عہدہ قائم رکھا گیا۔ جو صدر اسلام اور عہد بنی امیہ سے ترقی کرتا ہوا، خلافت بنی عباس میں انتہائے عروج پر پہنچگیا۔ اور اس عہد میں علمائے سیاست نے وزارت کو دو درجوں پر تقسیم کر دیا تھا۔

اول وزارت تفویض[2] یہ وزارت ایسی تھی کہ جس میں خلیفہ کسی شخص کو وزیر مقرر کر کے تمام سلطنت کے سیاہ و سفید کا مالک بنا دیتا تھا۔ چنانچہ برامکہ اور خواجہ نظام الملک اسی درجہ کے وزیر تھے۔"

دوسری وزارت تنفیذ تھی۔ اس وزارت میں خلیفہ اور سلطان کے احکام و قوانین کا اجرا کرنا صرف وزیر کا کام تھا۔ اور یہ وزیر سلطنت اور رعایا کے مابین صرف ایک واسطہ ہوتا تھا جسکو اعلیٰ عہدہ داروں کے عزل و نصب اور انتظام سلطنت میں کسی قسم کا اختیار نہ ہوتا تھا بہرحال دونوں وزارتوں کے ماتحت ایک منتخب عملہ ہوتا تھا جس میں متعدد اقسام کے منشی ملازم ہوتے تھے اور پھر ہر مد میں ایک خاص شخص افسر ہوتا تھا جس کی ماتحتی میں چھوٹے چھوٹے اہلکار مقرر ہوتے تھے اور اس بڑے دفتر کا نام دیوان الانشاء تھا۔ جو زمانہ حال میں سکرٹریٹ آفس

---

[1] طبقات الکبریٰ جلد سوم حالات نظام الملک ۱۲ [2] الاحکام السلطانیہ۔ صفحہ ۲۱۔

کے نام سے تبدیل ہوگیا ہی۔ چنانچہ خواجہ نظام الملک کی ماتحتی میں بحیثیت وزیر اعظم چھ معتمد (سکرٹری) علاوہ اُن کے نائبوں کے تھے جس کی تفصیل[1] یہ ہی۔

۱ کمال الدولہ ابو الرضی فضل اللہ بن محمد — صاحب دیوان الانشاء والطغرا

۲ سید الرؤسا ابو المحاسن محمد بن کمال الدولہ۔ — نائب دیوان الانشاء والطغرا۔

۳ شرف الملک ابو سعد محمد بن منصور بن محمد — صاحب دیوان الزمام والاستیفاء

۴ استاد ابو غالب البرادستانی — نائب دیوان الزمام والاستیفاء

۵ مجد الملک ابو الفضل اسعد بن محمد البلاسانی — مستوفی الممالک

۶ ابن بهمن پارفارسی ملقب بہ عمید الدولہ — کاتب

۷ مجیر الدولہ۔ ابو الفتح علی بن حسین الاردستانی — کاتب الرسائل

۸ سدید الملک ابو المعالی المفضل بن عبد الرزاق بن عمر — عارض الجُند۔

۹ تاج الملک ابو الغنائم المرزبان بن خسرو فیروز — منتظم خزانہ، و ناظر حرم، (و پرائیویٹ سکرٹری کان خاتون)

عہدہ داران مذکورۂ بالا اپنے اپنے فن میں انتخاب تھے۔ جن کی سوانح عمری لکھنے کا یہ موقع نہیں ہی، البتہ اُن کے فرائض کا مختصر بیان لکھنا ضروری ہی، تاکہ زمانہ قدیم کی بعض مصطلحات دفتر کا ناظرین کو علم ہو جائے۔

انشاء و مراسلات دنیا کی تمام قوموں کو علم انشاء کی طرف ہمیشہ خاص توجہ رہی ہی اور عرب و عجم کی شیفتگی تو غیر معمولی تھی۔ یہ فن ہمیشہ سلطنت کے ساتھ ترقی کرتا رہتا ہی، چنانچہ عربی ادیبوں نے

---

[1] تاریخ آل سلجوق اصفہانی صفحہ ۶۵۔ لغایۃ ۶۰۔

فصاحت و بلاغت اور مختصر نویسی میں جو کمال پیدا کیا تھا اُس کے ہزاروں نمونے ادبی کتابوں میں موجود ہیں۔ خلفاء اور سلاطین ہمیشہ ایسے انشاء پردازوں کی تلاش میں رہا کرتے تھے، جو اپنے فن میں کامل ہوں۔ چونکہ دربار سے عمال اور والیان ملک کے نام احکام و فرامین جاری ہوتے تھے، اور دیگر سلاطین کو بھی اُن کی مراسلات کا جواب دینا پڑتا تھا۔ اس وجہ سے دیوان الانشاء اور دیوان الرسائل ایک بڑا دفتر ہو گیا تھا۔ جس کی شاخوں کا بیان تاریخ العلوم میں درج ہے۔

کاتب جو شخص علم انشاء میں عدیم النظیر ہوتا تھا، وہ دربار کا کاتب مقرر کیا جاتا تھا۔ خلفاء اور سلاطین اسلام کے عہد میں کتابت کا منصب وزارت سے کچھ ہی کم ہوتا تھا۔ تمام فرامین اور توقیعات کاتب خود ہی لکھتا، اور آخر میں اپنے دستخط ثبت کرتا، اور مہر شاہی کے بعد اجرا کرتا تھا۔ اس عہدہ پر ہمیشہ وہی شخص مقرر کیا جاتا تھا جو فضل و کمال کے ساتھ جوہر شرافت بھی رکھتا ہو۔ اور اخلاق و آداب میں بھی کامل ہو۔ اور رازداری اور انصاف پسندی میں بھی ممتاز ہو۔ اور علاوہ علم ادب کے تاریخ، قصص اور سیرت میں بھی دخل رکھتا ہو۔

طغرا سلطان کی شان و شوکت کے لیے جس طرح پر تاج، تخت، علم و رائت، طبل و طنبور، سکہ، خطبہ، مُہر، طراز (نشان و مارکہ) مختص علامتیں ہیں، یا خلفاء بنی امیہ اور بنی عباس کے لیے چادر، انگوٹھی اور عصا خاص علامتیں تھیں۔ اسی طرح طغرا بھی سلطنت کا ایک مہتم بالشان مارکہ ہے جو فرامین، مراسلت شاہی اور سندات جاگیر وغیرہ پر ہوتا تھا۔ طغرا میں بادشاہ کا نام مع القاب و خطاب بخط جلی لکھا جاتا تھا اور طغرا نویسی بھی خوش نویسی کا ایک شعبہ ہے۔ چنانچہ طغرا نویس

کا تعلق بھی دفتر انشار سے ہوتا تھا اور وہ کوئی جداگانہ محکمہ نہ تھا اور دولت سلجوقیہ میں، دیوان الانشاکا نام بھی۔ دیوان الطغرا رکھدیا گیا تھا۔ اور یہ طغرا شاہی دستخط کے قائم مقام ہوتا تھا۔ سلطان کو پھر دست خاص سے خطوط و فرامین پر کچھ لکھنے کی ضرورت نہ رہتی تھی۔ سلطان ابوالفتح مسعود بن محمد بن ملکشاہ کا نامور وزیر فخر الکتاب ابواسمعیل حسین بن علی اصفہانی متوفی ۱۵ھ ۱۱۲۱ء، کتابت طغرا کا موجد ہے۔ اور یہی پہلا شخص ہے جو طغرائی کے خطاب سے ممتاز ہوا ہے۔

دیوان الزمام خلافت راشدہ کے مبارک دور میں خلفار کرام سلطنت کے تمام چھوٹے بڑے کام خود انجام دیتے تھے۔ ہر عامل اور والی تقویٰ، امانت و دیانت کا مجسم نمونہ ہوتا تھا اس لیے اُن کی کارگزاری نگرانی سے مستثنیٰ تھی، اور خود خلفار کی ذاتی جاگیر بھی نہ تھی، جس کے لیے مستقل عملہ کی ضرورت ہو، بلکہ بیت المال کے معمولی وظیفہ پر گذر اوقات ہوتی تھی۔ لیکن جب خلافت نے دینی پہلو چھوڑ کر دنیاوی سلطنت کا انداز اختیار کیا، اور قیصر و کسریٰ کے دستور العمل پر اسلامی سلطنت کا مدار ٹھہرا تو سلطنت کا ہر صیغہ ظہور پذیر ہوا۔ اور پھر ہر صیغہ میں متعدد عملہ کی ضرورت پیش آئی، سب سے بڑے دفتر یعنی وزارت کے بعد جو محکمے نظام سلطنت کے لیے ضروری سمجھے گئے اُس میں دیوان الضیاع اور دیوان الزمام کا شمار درجۂ اعلےٰ میں ہے، جس عہدہ دار کے ہات میں سلطان کی ذاتی املاک اور آراضیات کا انتظام سپرد ہوتا تھا وہ افسر دیوان الضیاع ہوتا تھا۔ اور سلطنت کے محاصل کا جس صیغہ سے تعلق تھا وہ دیوان الخراج (خراج میں مالگذاری، آبپاشی، جزیہ، صدقات، معدنیات، جنگلات، بحری ٹیکس، جنگی ٹکسال کی آمدنی شامل تھی) کہلاتا تھا۔ اس دفتر کا وہ حصہ جو فوجی اور ملکی اخراجات سے متعلق تھا

اسکا نام دیوان الزمام تھا، جو اسلامی ریاستوں میں آج بھی بخشی گری کے خطاب سے ممتاز ہے

دیوان الاستیفاء دیوان الخراج کی جو تشریح اوپر بیان کی گئی ہی، اُس کا عملدرآمد خلفاء بنی امیہ وبنی عباس کے عہد سلطنت میں تھا لیکن دولت سلجوقیہ میں محاصل سلطنت کا جو دفتر تھا وہ دیوان الاستیفاء کہلاتا تھا، اور مستوفی اس کا وہ اعلیٰ عہدہ دار تھا جو زمانہ حال کی اصطلاح میں مہتمم دفتر محاسبی اور اکاونٹنٹ جنرل کہلاتا ہی، اور وزارت کے بعد یہ سب سے بڑا منصب ہے۔

دیوان الجند فوجی دفتر کا نام دیوان الجند ہی، جس کے بانی امیرالمومنین فاروق اعظمؓ ہیں، ابتداءً اس دفتر کا نام صرف دیوان تھا لیکن بنی امیہ اور بنی عباس کے عہد دولت میں جب فوجوں کا باضابطہ انتظام وسیع پیمانہ پر ہوا، تو محکمہ کا پورا نام دیوان الجند قرار پایا۔ اور اس محکمہ نے عہد اسلام میں اس قدر ترقی کی ہو جس کی ایک مستقل تاریخ لکھی جا سکتی ہی۔ جو افسر فوج کا جائزہ لیا کرتا تھا۔ اسکا نام عارض تھا۔ دولت سلجوقیہ میں سپہ سالار اعظم کے بعد عارض کا درجہ تھا فوجی معائنہ جس کا دوسرا نام جائزہ، اور ریویو ہی، یہ نہایت قدیم طریقہ ہی۔ چنانچہ سلاطین یونان اور سلاطین عجم بذات خاص فوج کا معائنہ کرتے تھے۔ جس میں سوار و پیادوں کی جسمانی حالت اُن کے اسلحہ، اور سواری اور تمام لوازمہ کی جانچ کی جاتی تھی۔ اور یہ ہی طریقہ صدر اسلام سے اخیر تک قائم رہا۔ سلاطین مغلیہ میں اورنگ زیب۔ عالمگیر کو جائزہ کی طرف نہایت توجہ تھی۔ اور اُس کی وسعت نظر کی تعریف نہیں ہو سکتی ہی۔ سلطان طغرل بیگ اور الپ ارسلان جنگ کے موقع پر فوج کا جائزہ لیا کرتے تھے۔ اور ناقص و ناکارہ سپاہی چھانٹ دیتے تھے۔

لطیفہ خلیفہ المعتمد عباسی کے فوجی صیغہ کا نامور منتظم، عمرو بن لیث، ایک دن فوج کا جائزہ

لے رہا تھا۔ کہ عارض نے ایک سوار کو پیش کیا جس کا گھوڑا از حد لاغر اور کمزور تھا۔ عمرو نے سوار سے کہا۔ "تمکو گھوڑے کا جو صرفہ ملتا ہی معلوم ہوتا ہی کہ تم اپنی جورو کو کھلا کر اُس کو فربہ بنا رہے ہو۔ اور گھوڑے کو دُبلا کر رکھا ہی۔ حالانکہ یہ تمھاری ترقی اور انعام کا ذریعہ ہی" سوار نے جواب دیا "حضور عالی! اگر میں جائزہ میں اپنی بیوی کو پیش کرتا تو اس میں شک نہیں ہو کہ اُسے دیکھکر آپ میرے گھوڑے کو موٹا تازہ بتاتے اور پاس کر دیتے" عمرو سوار کا یہ برجستہ جواب سُنکر ہنس دیا اور اُسی وقت انعام دیکر حکم دیا کہ اب دوسرا گھوڑا خرید لو"

خزانہ | خزانچی، یا مہتمم خزانہ، یہ منصب بھی لوازمہ سلطنت میں سے ہی۔ خلفاء اور دولت سلجوقیہ میں اکثر معتبر غلام اس خدمت پر مقرر ہوا کرتے تھے۔ اور وہ "خازندار" کہلاتے تھے۔[1]

---

[1] جملہ عہدوں کی صراحت مقدمہ ابن خلدون، آثار الاول فی ترتیب الدول۔ تاریخ آل سلجوق اصفہانی، اور احکام السلطانیہ میں ہی۔ ہم نے اس کا خلاصہ لے لیا ہی۔

خواجہ نظام الملک کا علمی ذوق۔ مدرسہ اعظم نظامیہ بغداد کی تعمیر علوم و فنون کی اشاعت صیغہ تعلیم کی اولیات

اسلامی علوم و فنون کی تدوین و اشاعت کے لحاظ سے خلافت عباسیہ کے دوسرے تاجدار ابوجعفر منصور کا عہد حکومت بھی تاریخ اسلام میں ایک ممتاز درجہ رکھتا ہے۔ تخت نشینی کو ابھی سات ہی سال ہوئے ہیں، کہ ۱۴۳ھ میں اسلامی علوم کی تدوین شروع ہو گئی قیصر روم سے یونانی کتب علمیہ کے عربی ترجمے منگائے جاتے ہیں، جن کو پڑھ کر علمائے اسلام یونانی علوم کے شوق میں دیوانے ہو رہے ہیں۔ بیت الحکمۃ میں یونان، ایران، اور ہندوستان سے ہر مذہب و ملت کے علماء و حکما آکر داخل ہو رہے ہیں۔ گویا بغداد میں علم کا سیلاب اُمڈا چلا آتا ہے۔ تصنیفات کے ساتھ باقاعدہ تعلم و تعلیم کا بھی آغاز ہو گیا ہے، اور ترقی کا ہر قدم آگے بڑھ رہا ہے۔ المنصور کے بعد ہارون الرشید اور مامون الرشید کا دور آتا ہے۔ یہ وہ عہد سعادت ہے جس میں علم کا آفتاب نصف النہار پر پہنچکر سارے عالم کو اپنی نورانی شعاعوں سے منور کر دیتا ہے۔ چنانچہ اس ذوق اور شغف علمی کا یہ نتیجہ ہوا کہ دو تین صدیوں میں دنیائے اسلام ائمہ، مجتہدین، اور محققین سے بھر گئی، اور ہر فرد ایسا جوہر کامل ہو کر نکلا، جس کی نظیر نو سو برس کی تاریخ پیش نہیں کر سکتی ہے۔ یہی وہ دور اولیں کے علماء تھے، جنمیں سے ہر ایک کی ذات پر "زندہ کالج" کا صحیح اطلاق ہو سکتا تھا۔ یہ تو سب کچھ ہوا، لیکن سخت تعجب ہے کہ ہنوز دار الخلافت کی چار دیواری میں کسی دار العلوم (کالج) اور مدرسہ (سکول) کی شاندا

عمارت نظر نہیں آتی ہی۔ منصور عباسی نے قصر الذھب، قصر الخلد، قبۃ الخضراء اور بغداد کی زیب و زینت کے لیے دو کرور درہم (ایک درہم چار آنہ) صرف کر ڈالے۔ مگر موازنہ (بجٹ) میں عمارت مدرسہ کے لیے ایک پائی کی رقم منظور نہیں کی گئی۔ اور یہ حالت نہ صرف بغداد کی ہی، بلکہ تمام دنیائے اسلام اس صفت میں مشترک ہی۔ یہ تاریکی اخیر ۳۹۰ھ چوتھی صدی ہجری تک قائم تھی کہ یکایک ساحل مصر سے کچھ روشنی نمودار ہوئی۔ اور طلبائے علوم یہ شعر پڑھتے ہوئے بڑھے

دور سے امید نے جھلکی سے اک دکھلائی ہی

ایک کشتی ڈوبتے بیڑے کو لینی آئی ہی

اور خدا کا شکر بجا لائے کہ الحاکم بامر اللہ نے ۳۹۵ھ میں ایک شاندار مدرسہ دار الخلافت مصر میں بنایا۔ یہ سب سے پہلا مدرسہ تھا۔ جو ایک سلطنت کی طرف سے رعایا کے لیے قائم ہوا اس مدرسہ کا سنگ بنیاد ایسی ساعت سعید میں کھا گیا تھا کہ وہ سلاطین اور امراء دولت کے لیے چراغ ہدایت بن گیا چنانچہ نیشاپور میں عام قومی چندہ سے ایک مدرسہ استاد ابوبکر[۱] فورک کے لیے تعمیر ہوا جنھوں نے ۴۰۶ھ میں وفات پائی۔ اس کے بعد اسی شہر میں دوسرا مدرسہ بیہقیہ قائم ہوا۔ جس کے مدرس اعظم ابوالقاسم اسکاف اسفرائنی تھے۔ افسوس ہی کہ بیہقیہ کی تاریخ تعمیر کا کسی مورخ نے کچھ ذکر نہیں کیا ہی لیکن شیخ ابو محمد عبد اللہ جوینی اور امام الحرمین جوینی کے حالات پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہی کہ یہ مدرسہ بھی مصری درسگاہ کے بعد قائم ہوا ہی اور امام الحرمین (استاد علامہ غزالی) نے ابتدائی کتابیں اپنے والد شیخ ابو محمد عبد اللہ سے

لہ حسن المحاضرہ۔ جلد دوم صفحہ ۱۶۸۔ ذکر الحوادث الغریبہ ۔ [۱] ابن خلکان جلد اول حالات ابن فورک۔

پڑھیں۔ اور اُن کے انتقال پر ۴۳۰ھ (۱۰۴۲ء) میں داخل مدرسہ بیہقیہ ہوئے۔ اس مدرسہ میں تعلیم کا انتظام اعلیٰ پیمانہ پر تھا۔ اور اسی بنا پر بعض مورخوں نے لکھا ہے کہ اسلامی دنیا میں سب سے پہلا مدرسہ بیہقیہ ہے" پھر ۴۱۰ھ (۱۰۱۹ء) میں سلطان محمود غزنوی نے دارالسلطنۃ غزنین میں ایک مدرسہ جاری کیا۔ اور فتوحات ہندوستان کا ایک قیمتی حصّہ اس پر صرف کر دیا اور مصارف کے لیے دوامی جاگیر بھی وقف کی۔ بھائی کو دیکھکر امیر نصر بن سبکتگین نے بھی نیشاپور میں ایک مدرسہ بنایا[۵۱]۔ اور سعیدیہ نام رکھا۔ چوتھا مدرسہ علامہ ابو اسحٰق اسفرائنی متوفی ۴۱۸ھ (۱۰۲۷ء) کے لئے قائم ہوا۔ پانچواں مدرسہ سلطان طغرل بیگ سلجوقی کے حکم سے تعمیر ہوا۔ اس مدرسہ کی نسبت حکیم ناصر خسرو علوی اپنے سفرنامہ میں لکھتا ہے کہ" روز شنبہ یازدہم شوال ۴۳۷ھ (۱۰۴۶ء) در نیشاپور شدم چہارشنبہ آخریں ماہ کسوف بود۔ حاکم زمان طغرل بیگ محمد بود برادر چغری بیگ سلجوقی و مدرسہ فرمودہ بود بہ نزدیک بازار "سراجان" وانرا عمارت میکردند"[۵۲] چھٹا مدرسہ ابو سعد اسمٰعیل بن علی بن المثنیٰ استرآبادی صوفی اور واعظ کا تھا۔ یہ صرف ایک شہر نیشاپور کی حالت تھی۔ اور ان مدارس کو مورخین[۵۳] نے "اُمہات المدارس" کا خطاب دیا ہے۔ لیکن عراق عرب اور عجم ہنوز خواجہ نظام الملک طوسی کی فیاضی کا منتظر تھا۔ آخر وہ وقت بھی آگیا کہ بغداد اور نیشاپور وغیرہ میں خواجہ کی طرف سے مدرسوں کی بنیادیں پڑیں۔ سب سے اول ہم نظامیہ بغداد کے حالات لکھتے ہیں۔

---

۵۱ حسن المحاضرہ صفحہ ۷۵ ا ۵۲ سفرنامہ ناصر خسرو حالات نیشاپور ۵۳ انسائیکلوپیڈیا برطانیہ میں لکھا ہے کہ سب سے پہلا مدرسہ وہ تھا جس کو مامون الرشید نے بزمانہ ولیعہدی خراسان میں قائم کیا تھا لیکن اسکی تصدیق عربی، فارسی تاریخوں سے نہیں ہوتی ہے۔

نظامیہ کا موقع — آج دنیا میں نظامیہ موجود نہیں ہے۔ لہذا سب سے اول اس کا موقع و محل لکھنا ضرور ہے کہ وہ بغداد میں کس جگہ تھا۔ اور اس غرض کے لیے چند سطریں بطور تمہید کافی ہیں۔ خلیفہ منصور عباسی نے جب دار الخلافت کی تعمیر کا قصد کیا۔ تو عراق عرب میں موجودہ بغداد کی جانبِ مغرب و مشرق عمدہ قطعات اراضی کی تلاش کی۔ چنانچہ مغربی گوشہ میں وہ جگہ پسند آئی جس کا نام "کرخ" تھا۔ یہ ایک موضع تھا جس کو شاپور۔ ذوالاکتاف نے آباد کیا تھا۔ اور مشرقی حصہ میں "ساباط" کو انتخاب کیا۔ یہ بھی ایک مشہور گاؤں تھا۔ جہاں نوشیروانِ عادل نے ایک باغ لگایا تھا۔ اور اس جگہ وہ اکثر مقدمات بھی فیصل کیا کرتا تھا۔ لہذا یہ مقام "باغ داد" کے نام سے مشہور تھا۔ چنانچہ خلیفہ منصور نے کرخ میں نئے شہر کی بنیاد ڈالی، اور شہر کو بشکل دائرہ بنایا اور مرکز میں ایوان خلافت تعمیر کیا۔ اور دریاے دجلہ (وادی السلام) کو وسط میں لے لیا اور شہر کو بڑی بڑی سڑکوں پر تقسیم کر دیا۔ ہر سڑک کی چوڑائی چالیس گز قرار دی گئی۔ اور شہر پناہ میں چار دروازے نصب کیے گئے۔ جن کے نام یہ ہیں۔ بابُ الکوفہ۔ بابِ خراسان۔ بابُ البصرہ۔ باب الشام، اور ایک دروازہ سے دوسرے کا فاصلہ ایک میل تھا۔ نہروں کے ذریعہ سے شہر کے مکانات اور باغات میں پانی آتا تھا، اور مختلف مقامات پر عبور کے لیے ایک سو چین پل (جسر) دجلہ پر بنائے گئے تھے۔ اور نہروں میں نہر عیسٰی خاص اہتمام سے بنوائی گئی تھی۔ اب اس نہر کے آثار المسعودیہ کے نام سے مشہور ہیں۔ منصور کے بعد جب خلیفہ مہدی کا زمانہ آیا۔ تو اس نے دار الخلافت

ل نزہۃ العباد فی مدینۃ بغداد۔ پروفیسر نیولین۔ مطبوعہ بیروت ۱۸۹۹ء و نزہت القلوب حمد اللہ مستوفی ذکر بغداد۔ المعجم جلد ۲ تذکرہ بغداد۔

کو مغرب سے جانب مشرق منتقل کردیا۔ اور شاہی محلات میں اضافہ کیا۔ اور خلیفہ ہارون الرشید و مامون الرشید نے بھی اسی حصہ کو پسند کیا۔ چنانچہ یہ مشرقی حصہ جنت کا نمونہ بن گیا۔ اور "رصافہ" کے نام سے شہرت پذیر ہوا۔ اور ہنوز "بغداد جدید" کے نام سے مشہور ہے۔ عہد ہرون الرشید میں بغداد کا طول ۱۲ میل اور عرض ۴½ میل تھا اور مردم شماری کا صحیح تخمینہ بیس لاکھ۔ خلیفہ المعتصم نے کثرت غلاموں سے مجبور ہو کر دارالخلافت کو بغداد سے سامرہ[1] منتقل کردیا۔ اور خلیفہ المعتضد نے بغداد پسند کیا، گویا اکسٹھ برس کے بعد آب رفتہ بجو آمد۔ بعد ازاں خلیفہ مستظہر باللہ (۴۸۷ھ-۵۱۲ھ) نے بغداد میں ترمیم کی، اور خندق و فصیل کو از سر نو بنایا۔ اور مشرقی حصہ میں چار دروازے قائم کیے۔ چنانچہ پہلا دروازہ دجلہ کے سرے پر تھا۔ جس کا نام باب السلطان تھا۔ دوسرا باب الصفریہ۔ تیسرا باب الخلیہ۔ چوتھا باب البصلیہ تھا۔ اس کے بعد مشرقی حصہ میں جب آبادی غیر معمولی ہوگئی تو اندرون شہر میں باب المراتب[2] اور باب الازج وغیرہ اور دروازے بڑھائے گئے۔ اس تفصیل کے بعد اب مدرسہ نظامیہ کا موقع آسانی سے معلوم ہوجائیگا جس کا ذکر عہد قدیم کے سیاحوں اور زمانہ حال کے مورخوں نے اپنی کتابوں میں کیا ہے۔

ابن جبیر کی شہادت یہ نامور سیاح[3] مہینہ صفر ۵۸۰ھ (۱۱۸۴ء) میں بغداد پہنچا ہے اور لکھتا ہے کہ بغداد میں

---

[1] "سامرا" اصلی نام سُرّ من رای تھا۔ جو کثرت استعمال سے سامرا ہوگیا۔ بغداد اور تکریت کے مابین دجلہ کے شرقی کنارہ پر ہے۔ اور بغداد سے ۶۰ میل کا فاصلہ ہے۔ المعجم جلد ۳

[2] تمام شاہی محلات اور طبقہ اعلیٰ کے مکانات باب المراتب میں تھے۔ اور یہ گویا شاہی محلہ تھا۔ باب الازج بھی بہت بڑا محلہ تھا جسمیں مثل شہر کے اور متعدد محلے آباد تھے۔ باب البصلیہ کی آبادی جنوب اور مشرق میں تھی اور شرقی حصہ باب کلواذی سے متصل تھا۔ المعجم جلد اول

[3] ترجمہ سفرنامہ ابن جبیر حالات بغداد ۱۴۔

تین[3] مدرسے ہیں۔ اور سب شرقی حصہ میں ہیں۔ ہر مدرسہ کی عمارت خوبصورتی میں نادر محلات
سے بہتر ہے اور سب سے بڑا اور مشہور مدرسہ نظامیہ ہے۔

ابن بطوطہ کی تصدیق ابن بطوطہ[1] ۷۲۷ھ ۱۳۲۶ء میں داخل بغداد ہوا ہے۔ اور مشرقی بغداد کے
حالات میں لکھتا ہے کہ "بغداد کے مشرقی حصہ میں بڑی ترتیب کی آبادی ہے اور بازار بکثرت ہیں
اور سب سے بڑا بازار سوق[2] الثلاثا ہے۔ جس میں ہر ہر چیز کا کارخانہ جدا ہے اور اس بازار کے وسط میں
نظامیہ ہے جس کی عمارت حسن و خوبی میں ضرب المثل ہے۔ نظامیہ کے اخیر میں مدرسہ مستنصریہ[3] ہے۔

مصنف خلافت بغداد کی رائے مدرسہ نظامیہ کے موقع کے متعلق زمانہ حال کی تحقیقات کا خلاصہ
یہ کہ مسٹر جی، اسٹرینج صاحب اپنی کتاب "خلافت بغداد" میں لکھتے ہیں کہ نظامیہ
کالج باب الازج اور ساحل دجلہ کے درمیان میں واقع تھا۔ جو شہر پناہ کے باب البصلیہ سے
قریب تھا، اور اُس سڑک پر تھا جو باب البصلیہ سے ہوتی ہوئی باب المراتب تک محلات شاہی

---

[1] سفرنامہ ابن بطوطہ حالات بغداد [2] سوق الثلاثا۔ اس بازار کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ یہاں صرف سہ شنبہ (منگل)
کو بازار لگتا تھا۔ یہ حالت آبادی بغداد سے قبل کی ہے۔ جب منصور کے زمانہ میں یہاں میدان تھا اور اطراف بغداد
کے لوگ یہاں سے سودا خرید لے جاتے تھے۔ تعمیر نظامیہ کے وقت یہ سب سے آباد بازار تھا [3] مستنصریہ
خلیفہ المستنصر باللہ نے ۶۲۵ھ ۱۲۲۷ء میں دجلہ کے کنارہ اس مدرسہ کی بنیاد رکھی اور چھ سال میں عمارت پوری ہوئی
تمام خلفاء عباسیہ میں بجز مستنصریہ کے اور کوئی عمارت کسی خلیفہ کے نام سے نہ تھی۔ مذاہب اربعہ کے فقہاء،
شیخ الحدیث، شیخ النحو، شیخ الفرائض، شیخ الطب، درس کے لیے مقرر ہوئے۔ کتب خانہ شاہی سے ۱۶۰
اونٹوں پر لاد کر کتابیں مدرسہ میں بھیجی گئیں۔ طلبہ کو مدرسہ کی طرف سے مکان، فرش، خوراک، روغن، کاغذ، قلم وغیرہ دیا جاتا تھا۔ اور
اس کے علاوہ ایک اشرفی ماہوار وظیفہ تھا۔ ساڑھے ۴½ لاکھ روپیہ سالانہ کی جاگیر وقف تھی۔ ایوان مدرسہ میں ایک عجیب اور
بیش قیمت گھڑی رکھی تھی جس کو علی بن تغلب بعلبکی نے بنایا تھا۔ انتخاب از رسائل شبلی نعمانی صفحہ ۲۷۳۔

کے کنارے کنارے چلی گئی تھی "سوق نظامیہ" ان اطراف میں ایک بہت بڑا گزرگاہ عام تھا جو شارع (ایک مشہور محلہ کا نام ہی) سے ملحق واقع ہوا تھا جس سے ثابت ہوتا ہی کہ کالج دجلہ کے کنارہ رہا ہوگا۔"

صاحب موصوف کی تحقیقات نہایت صحیح ہی۔ اور اسلامی جغرافیوں کے بالکل مطابق ہی نظامیہ فی الحقیقت دجلہ کے کنارے تھا جس کی صراحت آگے ہی۔

حافظ عبد الرحمن نامور سیاح ہندوستان کی تحقیقات

حافظ صاحب[1] تحریر فرماتے ہیں کہ "مدرسہ نظامیہ بغداد کے اُس حصّہ میں تھا جس کو مورخین نے رصافہ سے تعبیر کیا ہی۔ اور آج کل اس کو بغداد نو کہتے ہیں۔ زمانہ کی دست بُرد نے نظامیہ کی عمارت کو ایسا ملیا میٹ کیا ہی کہ اب اُس کا کوئی نشان تک باقی نہیں۔ باخبر لوگوں نے بیان کیا کہ جس جگہ نظامیہ تھا اب وہاں حارۃ الیھود کے نام سے ایک محلہ آباد ہی جس میں یہودیوں کے مکانات بنے ہوئے ہیں بغداد کے آثار قدیمہ کی بربادی کچھ نظامیہ ہی سے مختص نہیں۔ مدرسہ مستنصریہ جو خلیفہ المستنصر باللہ کی یادگار اور ساتویں صدی کے نامور مدارس میں شمار ہوتا تھا اس وقت ترکی کسٹم ہاوس (ڈپرمٹ جنگی، سائر کا دفتر) کا آفس بنا ہوا ہی اور طالب العلموں کی جگہ کلرک اُس میں کام کرتے ہیں۔ زبیدہ خاتون کے مقبرہ کے سوا جو "کرخ" یعنی بغداد کہنہ میں ہی۔ خلفاے عباسیہ میں سے کسی کی عمارت کا نام و نشان تک نہیں۔ مقبرہ بھی سطح زمین کے برابر ہونیکو تھا کہ حضرت سلطان المعظم

---

[1] حافظ صاحب جب دوسری مرتبہ سفر کو روانہ ہوے ہیں تو کانپور میں وقت رخصت میں نے عرض کیا تھا کہ بغداد پہنچکر نظامیہ کے موقع محل کی تحقیقات ضرور کیجیئگا۔ چنانچہ واپسی سفر پر حافظ صاحب نے ۳۰ ستمبر ۱۹۰۸ء کو امرتسر سے خط لکھا جسکا خلاصہ درج کیا گیا ہی

کے نسبتی بھائی کاظم پاشا نے صرف کثیر سے اس کی مرمت کرادی۔ غالباً یہ اثر ان پسندیدہ خدمات کا ہی جو زبیدہ خاتون کی طرف سے مکہ معظمہ اور عرفات کے درمیان زائرین بیت الحرام کی آسائش کے واسطے نہر کے متعلق عمل میں آئی تھیں۔"

پروفیسر نپولین کی تحقیقات پروفیسر صاحب اپنی جغرافیہ بغداد[1] میں لکھتے ہیں کہ "سنة ۴۵۷ ابتنی نظام الملک مدرسه عالیه سماها بالنظامیه ومن آثارها الموجودة الآن دائرة الجمرك (کسٹم ہاؤس)

الغرض اس تمام تحقیقات کا خلاصہ یہ ہی کہ مدرسہ نظامیہ بغداد کے سب سے آباد مشرقی حصہ میں دریائے دجلہ کے کنارے واقع تھا۔ اور موقع کے لحاظ سے اس سے بہتر دوسری جگہ نہ تھی۔ شاہی محلات، اور آباد بازار سب نظامیہ سے ملحق تھے اور خواجہ نظام الملک نے خود بڑا بازار بنوایا تھا جس کی وجہ سے نظامیہ کی شان و شوکت بہت بڑھ گئی تھی۔ افسوس ہی کہ زمانہ کے حوادث نے جس طرح اسلامی سلطنتوں اور اسلامی علوم و فنون کو مٹا دیا اسی طرح اس عظیم الشان بیت العلوم کو بھی صفحہ ہستی سے محو کر دیا۔

پروفیسر نپولین کی تحقیقات کے مطابق اُس کے آثار کا سلسلہ کسٹم ہاؤس سے جا کر ملجاتا ہی۔ اور شاعر کا یہ شعر اس کے حسب حال ہی

از نقش و نگار در و دیوار شکستہ		آثار پدید است صنا دید عجم را

تعمیر مدرسہ نظامیہ خواجہ نظام الملک کے حالات میں لکھا جا چکا ہی کہ وہ اپنے زمانہ کا ایک مشہور

---

[1] نزہۃ العباد فی مدینۃ بغداد صفحہ ۱۱۔ مطبوعہ بیروت۔

فقیہ اور محدث تھا۔ اور اس کی مجلس ہمیشہ علماء و صوفیہ سے بھری رہتی تھی۔ ایسا روشن خیال اور مدبر وزیر ملک کی فلاح و بہبود سے کبھی غافل نہیں رہ سکتا ہی۔ کیونکہ ملک اور قوم میں ترقی فارغ البالی، اور عزت کا ذریعہ صرف اعلیٰ تعلیم و تربیت ہی۔ اور عام تعلیم بغیر ایک قومی بیت العلوم (یونیورسٹی) کے محال ہی۔ اس خیال سے خواجہ نظام الملک نے بڑے پیمانہ پر ایک درسگاہ بنانیکا قصد کیا تھا۔ اور اس[1] ارادہ کی تحریک یوں ہوئی کہ ایک دن شیخ الشیوخ ابو سعد صوفی نیشاپوری خواجہ سے ملنے آئے اور کہا کہ آپ کے نام سے مدینۃ السلام میں ایک مدرسہ تعمیر کرنا چاہتا ہوں، جس کے ذریعہ سے آپ کا نام قیامت تک زندہ رہیگا۔ خواجہ نے کہا بہت خوب، آپ ضرور بنائیے۔ چنانچہ خواجہ نے فراہمی سامان کے لیے اپنے وکلا کو اسیوقت حکم دیدیا۔ اور شیخ نے دجلہ کے کنارے ایک خوبصورت قطعہ اراضی خرید کیا اور بروز[2] منگل، مہینہ ذیقعدہ ۴۵۷ھ مطابق ۴۔ اکتوبر ۱۰۶۵ء مدرسہ کا سنگ بنیاد رکھا گیا۔ اور پورے دو سال کی مدت میں[3] بماہ ذیقعدہ ۴۵۹ھ (ستمبر ۱۰۶۷ء) عمارت مدرسہ بنکر مکمل ہوگئی شیخ ابو سعد نے عمارت پر خواجہ نظام الملک کا نام منقش کیا۔ مدرسہ کے چاروں طرف بازار آباد کیے گئے، اور حمامات بنائے گئے۔ اور بہت سے دہات مصارف کے لیے وقف کیے گئے اور مدرسہ کی لاگت تعمیر ساٹھ ہزار دینار (ایک دینار پانچ روپیہ کا ہوتا ہی) ہوئی۔ اور خواجہ نے اس صرفہ کو منظور کیا۔ اور رقم شیخ ابو سعد کو ادا کر دی گئی" عمارت میں ہمیشہ اضافہ ہوتا رہا۔ لیکن ۵۰۴ھ (۱۱۱۰ء) میں بہت کچھ ترمیم و تجدید ہوئی[4]۔

---

[1] سراج الملوک صفحہ ۱۴۰ [2] توفیقات صفحہ ۲۲۹ [3] حسن المحاضرہ [4] سفرنامہ ابن جبیر

خزانۃ الکتب نظامیہ کی عمارت میں ایک حصہ خزانۃ الکتب (لائبریری) کے لیے خاص تھا اور عمارت کی تکمیل کے بعد خواجہ نے ہزاروں کی تعداد سے نادر اور بیش قیمت کتابیں داخل کر دی تھیں۔ افتتاح کے بعد علامہ ابو ذکریا تبریزی کتب خانہ کے مہتمم مقرر ہوئے۔ علامہ کے حالات[1] میں لکھا ہے کہ آپ ایک عیش پسند اور نفیس مزاج امیر تھے۔ دن رات عیش و طرب کے جلسوں میں رہا کرتے تھے۔ لوگوں نے خواجہ سے شکایت کی اور خواجہ نے بچشم خود تبریزی کی حالت دیکھی۔ اور شکایت کو صحیح پایا۔ صبح کو تنخواہ میں دو چند اضافہ کر دیا اور کہلا بھیجا کہ مجھے پہلے سے آپ کے مصارف کا علم نہ تھا۔ ورنہ اول ہی دن کافی مشاہرہ مقرر کیا جاتا تبریزی پر خواجہ کی اس علمی قدر دانی کا اسقدر اثر پڑا کہ اپنے افعال سے تائب ہو گیا۔ علامہ[2] تبریزی کے بعد یعقوب بن سلیمان اسفرائنی مہتمم مقرر ہوئے۔

طبقات[3] الشافعیہ میں لکھا ہے کہ طبقہ علماء میں سے جب کوئی عالم خواجہ کو تحفہ دیتا تو وہ صرف کتابیں ہوا کرتی تھیں۔ اور یہ نادر کتابیں، خواجہ کتب خانہ مدرسہ میں داخل کر دیتا تھا۔ باوجود اس کے کتب خانہ مکمل نہیں تھا اور اس کمی کو خلیفہ الناصر لدین اللہ نے پورا کر دیا ۵۸۹ھ ۱۱۹۳ء میں خلیفہ مذکور نے شاہی کتب خانہ سے نادر کتابیں مدرسہ میں داخل کر دیں[4]۔ ۵۱۰ھ ۱۱۱۶ء میں[5] کتب خانہ میں آتش زدگی ہوئی۔ اور بہت سی کتابیں جلکر راکھ ہو گئیں مگر خواجہ کی نیک نیتی کا یہ اثر تھا کہ ایک کتاب بھی نہ جلنے پائی اور سب نکال لی گئیں۔ خواجہ کو جب بغداد آنے کا اتفاق ہوتا تھا

---

[1] نامہ خسرواں صفحہ ۵۶ [2] طبقات الکبری جلد ۳ صفحہ ۲۳۰ حالات عبد السلام مغربی [3] طبقات جلد ۴ صفحہ ۲۹ [4] کامل اثیر جلد ۱۲ صفحہ ۳۴ [5] کامل جلد ۱۰ صفحہ ۸۴۔

تو وہ مدرسہ ضرور دیکھتا تھا اور کتب خانہ میں جاکر کتب بینی کرتا، اور حدیث روایت کرتا۔

نظامیہ کے اطراف و جوانب اول تو نظامیہ کا موقع قدرتی طور پر دلکش تھا لیکن اُس کی زیب و زینت کے لیے علاوہ بازاروں کی آبادی کے خواجہ نے ایک تدبیر یہ بھی کی تھی کہ مدرسے کے قریب اپنی سکونت کے لیے ایک حویلی بنائی تھی جس کی تقلید میں خواجہ کے بیٹوں جمال الملک اور مؤید الملک نے بھی کوٹھیاں تعمیر کی تھیں اور اُس میں رہا کرتے تھے جس کی وجہ سے مدرسہ کی نگرانی بھی خوب ہوتی تھی۔ اور مدرسہ کے زریں متن پر یہ سنہرے حاشیے اور بھی غضب ڈھاتے تھے۔

نظامیہ کی وسعت افسوس ہے کسی تاریخ میں ہماری نظر سے یہ نہیں گزرا کہ جس آراضی پر نظامیہ تھا۔ اس کا رقبہ کس قدر تھا۔ لیکن مورخین کا بیان ہے کہ نظامیہ کی عمارت جیسی عظیم الشان تھی اُسیقدر وسیع بھی تھی اور شاہی محلات کے ہم پلہ۔ علامہ ابو اسحٰق شیرازی کے حالات میں لکھا ہے کہ جس دن علامہ درس کے لیے مدرسہ تشریف لائے ہیں تو علاوہ ہجوم طلباء کے سارے بغداد کا نظامیہ کے اندر مجمع تھا" یہ زمانہ (عہد خلیفہ القائم بامر اللہ) اگرچہ انحطاط کا تھا۔ تاہم دس اور پندرہ لاکھ کے بین بین مردم شماری سمجھنا چاہیئے۔ اس آبادی کا انتخابی حصہ بھی قابل غور ہے کہ وہ کسقدر ہوگا۔ اور نظامیہ کے ہال کتنے لمبے چوڑے تھے جس نے اس مجمع کو جذب کر لیا تھا۔

تاریخ کامل[3] میں اردشیر بن منصور واعظ کے حالات میں لکھا ہے۔ کہ ان کے حلقہ وعظ میں ایک دن بڑا مجمع ہوا۔ تب لوگوں کو خیال ہوا کہ حلقہ کی پیمائش کی جائے۔ چنانچہ پیمائش کی گئی تو حلقہ ۱۷۵ گز طول اور ۱۲۰ گز عرض کا تھا۔ جو سامعین سے بھرا پڑا تھا اور یہ مجلس وعظ ہمیشہ عمارت مدرسہ کے اندر

---

[1] واقعات ۴۷۹ھ کامل اثیر جلد ۱۰ صفحہ ۴۵ و تاریخ آل سلجوق صفحہ ۴۷۔ [2] کامل جلد ۱۰ صفحہ ۳۶ [3] کامل جلد ۱۰ صفحہ ۷۔

منعقد ہوا کرتی تھی۔ اس پیمایش سے جو ایک حصہ عمارت کی ہی۔ نظامیہ کی کل وسعت کا اندازہ کیا جا سکتا ہی۔

رسم افتتاح جب مدرسہ بن کر مکمل ہوگیا۔ تو بروز شنبہ دسویں ذیقعدہ۔ ستمبر ۴۵۹ھ ۱۰۶۷ء کو مدرسہ کا افتتاح ہوا۔ خواجہ نظام الملک کا مدرسہ، خلفاے عباسیہ کا دارالخلافہ، علم و فضل کا زمانہ، اور جشن کا دن، جہاں اسقدر سامان جمع ہوں، اس جلسہ کی شان و شوکت کی تصویر صرف عالم خیال ہی میں کھینچ سکتی ہی۔

خلاصہ یہ ہی کہ اس علمی مرکز میں سارا بغداد اُمنڈ آیا تھا۔ اور جو ارباب فضل و کمال تھے ان کا تو حقیقت میں گھر ہی تھا۔ ادا ے مراسم کے لیے علامہ شیخ ابو اسحٰق شیرازی کا انتخاب کیا گیا تھا۔ جو اس عہد میں شیخ الشیوخ اور استاد کل کا درجہ رکھتے تھے۔ چنانچہ علامہ[۱] مدرسہ کی طرف آرہے تھے کہ راستہ میں ایک لڑکے نے شیخ کو مخاطب کرکے کہا "یا شیخ کیف تدرس فی مکان مغصوب" چنانچہ محض اس شبہ پر کہ نظامیہ کی تعمیر آراضی مغصوبہ پر ہوئی ہے، شیخ راستہ سے پلٹ گئے، اور روپوش ہوگئے۔ حاضرین جلسہ جب انتظار کرتے کرتے پریشان ہوگئے اور دوپہر کا وقت آگیا تو شیخ عبد[۲] الملک ابو منصور بن یوسف نے جو اعیان بغداد میں نہایت عالی منزلت تھے، حاضرین جلسہ سے خطاب کیا کہ طلبہ اور شائقین کا ہجوم ہی اور درس کا ہونا بھی لازمی ہی لہذا مناسب ہی کہ ابو نصر بن صبّاغ مصنف شامل جو مدرسہ میں تشریف رکھتے ہیں وہ درس دیں" چنانچہ حاضرین جلسہ کی عام راے سے ابو نصر مسند پر جلوہ افروز

[۱] ابن خلدون و حسن المحاضرہ [۲] تاریخ آل سلجوق صفحہ ۳۲

ہوئے۔ اور مدرسہ کا افتتاح کیا۔ اور بخیر و خوبی جلسہ ختم ہو گیا۔

نظامیہ کا عملہ مدرسہ نظامیہ کے عام انتظامات اور نگرانی کاروبار کے لیے اسی قدر عملہ کی ضرورت تھی جس قدر ایک چھوٹی سی ریاست کے لیے ہوا کرتی ہے۔ ادنے درجہ کے کسقدر ملازم تھے اس کی تفصیل معلوم ہونا مشکل ہے لیکن طبقہ اعلیٰ کے عہدہ دار حسب ذیل تھے۔

متولّی ۱ متولی کا منصب آج کل کی اصطلاح میں سکرٹری کا درجہ رکھتا ہے۔ متولی ہمیشہ مدرسہ میں رہا کرتا تھا اور تمام انتظامی امور کا وہ ذمہ دار ہوتا تھا۔ یہ خدمت مستقل تھی۔ مگر بعض اوقات مدرس اعظم (پرنسپل) کے بھی سپرد ہو جایا کرتی تھی جو تمام شیوخ میں صدر اعظم کا درجہ رکھتا تھا۔

شیوخ۔ ۲ فقہ، حدیث، تفسیر، صرف، نحو، ادب، علم کلام وغیرہ کے مدرس جداگانہ تھے اور ہر مدرس "شیخ" کے خطاب سے ممتاز تھا۔ ہر شیخ اپنے علم و فن میں یگانہ روزگار ہوتا تھا۔ نظامیہ میں کسی عالم کا مدرس مقرر ہو جانا۔ اس کی ذات کیلئے ایسی عزت تھی کہ جس سے بڑھکر کوئی دوسرا اعزاز نہ تھا۔ اور یہ وقار قیام مدرسہ تک قائم رہا۔ انتخاب کا قاعدہ جس طرح مدرسوں (پروفیسرس) کے لیے جاری تھا۔ ویسی ہی سختی سے نائبوں کا بھی انتخاب ہوتا تھا۔ ہر نائب اپنے شیخ سے فضل و کمال میں دوسرے درجہ کا مانا جاتا تھا اس کی تصدیق حالات علماء سے ہوگی مثلاً امام احمد غزالی، اور فخر الاسلام کیّا ہراسی، یہ نائب تھے۔ جنکا درجہ امام محمد غزالی کے بعد تھا اور یہ خصوصیت اول سے اخیر تک قائم رہی۔ ہر شیخ کی تنخواہ بیش قرار تھی۔

خازن ۳ کتب خانہ کا مہتمم، (لائبریرین) یہ بھی معزز عہدہ تھا۔ اور اس خدمت پر ہمیشہ مشاہیر علماء ممتاز رہے۔ یہ عہدہ دار "خازن" کہلاتا تھا۔

مُعِید ۴ | اکثر اوقات یہ خدمت قابلترین طلبہ کو سپرد کی جاتی تھی۔ جن کا انتخاب حلقہ درس سے ہوتا تھا۔ اور بعض اوقات جداگانہ علمار بھی مقرر ہوتے تھے۔ معید کے لیے ضروری تھا کہ وہ بلند آواز ہو تاکہ شیخ کے الفاظ سامعین تک پہنچ جاویں

مفتی ۵ | فتوی نویسی کے لیے جداگانہ عملہ تھا اور خاص حالتوں کے سوا شیخ الفقہ اور شیخ الفرائض کو فتوی نگاری کی خدمت سپرد نہ ہوتی تھی۔

واعظ ۶ | جب باہر سے کوئی مشہور اور نامور عالم آتا تھا تو علاوہ جامع مسجدوں کے مدرسہ نظامیہ میں بھی اُس کا وعظ ضرور ہوتا تھا۔ لیکن عام ہدایت اور فیض رسانی کے لیے بھی مستقل واعظ مدرسہ کیطرف سے ملازم تھے۔ اور کبھی کبھی مدرسوں میں سے بھی کوئی وعظ کہا کرتا تھا۔

ناظر وقف۔ ۷ | نظامیہ بغداد اور اُس کے ماتحت مدارس (تفصیل آگے درج ہی) کے لیے جسقدر جائداد وقف تھی اُس کے تحفظ اور انتظام کے لیے ایک عہدہ دار مقرر تھا۔ جو ناظر وقف کہلاتا تھا۔ خواجہ ابو نصر بن نظام الملک بھی اِس خدمت پر رہا ہی۔ اور اس کی نیابت میں دوسرے علمار کام کرتے تھے۔

نظامیہ کے سالانہ مصارف | اسلامی مورخین نے چھ یا سات لاکھ دینار سالانہ صرفہ مدارس کا لکھا ہی اور یہ وہ رقم ہی جو خواجہ نظام الملک نے خزانہ شاہی سے مقرر کی تھی۔ اس کے علاوہ اپنی ذاتی جاگیر

---

[۱] سراج الملوک طرطوشی میں، سات لاکھ کی رقم لکھی ہی اور گبن صاحب نے ۲ لاکھ دینار لکھے ہیں جو صرف نظامیہ بغداد کے کسی خاص حصہ کا صرفہ ہو سکتا ہی

سے دسواں حصہ مقرر کر دیا تھا اور زکوۃ وخیرات کا روپیہ اس کے علاوہ تھا، اور مصنف سراج الملوک نے لکھا ہی کہ خواجہ نے بھی اپنی رقم سرکاری عطیہ کے برابر کر دی تھی۔ بہر حال صیغۂ تعلیم پر پچاس لاکھ روپیہ سالانہ سے کم خرچ نہ ہوتا ہوگا۔ اور بظاہر یہ رقم کچھ زیادہ نہیں ہی کیونکہ خواجہ نظام الملک دولت سلجوقیہ میں صرف وزیر ہی نہ تھا۔ بلکہ وہ ایک خودمختار بادشاہ تھا۔ جو چاہتا تھا کر گزرتا تھا۔ لیکن خواجہ کے دشمن تاج الملک وغیرہ اُس کے تمام صیغوں پر نکتہ چینی کیا کرتے تھے! اور خواجہ کی شکایتیں ملکشاہ سے کرتے رہتے تھے چنانچہ نظامیہ کے مصارف معلوم ہونے پر ملکشاہ سے کہا گیا کہ اُس قدر روپیہ میں ایسی فوج مرتب ہو سکتی ہی جس سے قسطنطنیہ فتح ہو سکتا ہی۔ اور یہ زمانہ عیسائی سلاطین کا ہی جن کا مقابلہ سلطان کو کرنا پڑتا ہی مگر خواجہ کا یہ حال ہی کہ وہ فضول کاموں میں بیت المال کو خالی کیے دیتا ہی" جب سلطان سے یہ شکایت چند مرتبہ کی گئی تو اُس نے ایک دن معمولی طریقہ سے خواجہ سے کہا کہ "پیارے باپ! چھ لاکھ دینار کے صرفہ سے تو ایک جرار لشکر مرتب ہو سکتا ہی۔ جن لوگوں پر آپ زر کثیر لٹا رہے ہیں۔ انسے کیا کام نکلسکتا ہی"؟ ملک شاہ کا یہ سوال سُنکر خواجہ آبدیدہ ہو گیا۔ اور کہا کہ "جان پدر"! میں تو بوڑھا ہو گیا ہوں، اگر نیلام کیا جاؤں تو پانچ دینار سے زیادہ بولی نہ ہو گی۔ لیکن تم ایک نوجوان ترک ہو۔ تاہم مجھے امید نہیں ہی کہ تیس دینار سے زیادہ تمہاری بھی قیمت آوے۔ اسپر خدا نے تم کو بادشاہ بنایا ہی اور میں دیکھتا ہوں کہ تم لذات دنیوی میں

ﻠﮧ روسا، اور امراء جائدادیں نظامیہ میں وقف کر دیا کرتے تھے چنانچہ ابو سعد صوفی نے انتقال کے وقت ۴۷۹ھ میں تمام جائداد وقف کر دی۔ کامل جلد ۱۰ صفحہ ۵۵۔ ﻠﮧ اعلام صفحہ ۸۲۔

معید ۴ | اکثر اوقات یہ خدمت قابل ترین طلبہ کو سپرد کی جاتی تھی۔ جن کا انتخاب حلقہ درس سے ہوتا تھا۔ اور بعض اوقات جداگانہ علمار بھی مقرر ہوتے تھے۔ معید کے لیے ضروری تھا کہ وہ بلند آواز ہو تاکہ شیخ کے الفاظ سامعین تک پہنچ جاویں

مفتی ۵ | فتویٰ نویسی کے لیے جداگانہ عملہ تھا اور خاص حالتوں کے سوا شیخ الفقہ اور شیخ الفرائض کو فتویٰ نگاری کی خدمت سپرد نہ ہوتی تھی۔

واعظ ۶ | جب باہر سے کوئی مشہور اور نامور عالم آتا تھا تو علاوہ جامع مسجدوں کے مدرسہ نظامیہ میں بھی اُس کا وعظ ضرور ہوتا تھا۔ لیکن عام ہدایت اور فیض رسانی کے لیے بھی مستقل واعظ مدرسہ کیطرف سے ملازم تھے۔ اور کبھی کبھی مدرّسوں میں سے بھی کوئی وعظ کہا کرتا تھا۔

ناظر وقف ۔ ۷ | نظامیہ بغداد اور اُس کے ماتحت مدارس (تفصیل آگے درج ہی) کے لیے جسقدر جائداد وقف تھی اُس کے تحفظ اور انتظام کے لیے ایک عہدہ دار مقرر تھا۔ جو ناظر وقف کہلاتا تھا۔ خواجہ ابو نصر بن نظام الملک بھی اس خدمت پر رہا ہی۔ اور اس کی نیابت میں دوسرے علمار کام کرتے تھے۔

نظامیہ کے سالانہ مصارف | اسلامی مورخین نے چھ یا سات لاکھ دینار سالانہ صرفہ مدارس کا لکھا ہی[1] اور یہ وہ رقم ہی جو خواجہ نظام الملک نے خزانہ شاہی سے مقرر کی تھی۔ اس کے علاوہ اپنی ذاتی جاگیر

---

[1] سراج الملوک طرطوشی میں، سات لاکھ کی رقم لکھی ہی، اور گبن صاحب نے ۲ لاکھ دینار لکھے ہیں جو صرف نظامیہ بغداد کے کسی خاص حصہ کا صرفہ ہو سکتا ہی

سے دسواں حصہ مقرر کر دیا تھا اور زکوۃ و خیرات کا روپیہ اس کے علاوہ تھا، اور مصنف سراج الملوک نے لکھا ہے کہ خواجہ نے بھی اپنی رقم سرکاری عطیہ کے برابر کر دی تھی۔ بہرحال صیغۂ تعلیم پر چاپس لاکھ روپیہ سالانہ سے کم خرچ نہ ہوتا ہوگا۔ اور بظاہر یہ رقم کچھ زیادہ نہیں ہے کیونکہ خواجہ نظام الملک دولت سلجوقیہ میں صرف وزیر ہی نہ تھا۔ بلکہ وہ ایک خودمختار بادشاہ تھا۔ جو چاہتا تھا کر گزرتا تھا۔ لیکن خواجہ کے دشمن تاج الملک وغیرہ اُس کے تمام صیغوں پر نکتہ چینی کیا کرتے تھے! اور خواجہ کی شکایتیں ملکشاہ سے کرتے رہتے تھے چنانچہ نظامیہ کے مصارف معلوم ہونے پر ملکشاہ سے کہا گیا کہ"اُس قدر روپیہ میں ایسی فوج مرتب ہوسکتی ہے، جس سے قسطنطنیہ فتح ہوسکتا ہے۔ اور یہ زمانہ عیسائی سلاطین کا ہے۔ جن کا مقابلہ سلطان کو کرنا پڑتا ہے مگر خواجہ کا یہ حال ہے کہ وہ فضول کاموں میں بیت المال کو خالی کئے دیتا ہے" جب سلطان سے یہ شکایت چند مرتبہ کی گئی تو اُس نے ایک دن معمولی طریقہ سے خواجہ سے کہا کہ"پیارے باپ! چھ لاکھ دینار کے صرفہ سے تو ایک جرار لشکر مرتب ہوسکتا ہے۔ جن لوگوں پر آپ زر کثیر لٹا رہے ہیں۔ اُنسے کیا کام نکلسکتا ہے"؟ ملک شاہ کا یہ سوال سُنکر خواجہ آبدیدہ ہوگیا۔ اور کہا کہ"جان پدر"! میں تو بوڑھا ہوگیا ہوں، اگر نیلام کیا جاؤں تو پانچ دینار سے زیادہ بولی نہ ہوگی لیکن تم ایک نوجوان ترک ہو۔ تاہم مجھے امید نہیں ہے کہ تیس دینار سے زیادہ تمہاری بھی قیمت آوے۔ اسپر خدا نے تم کو بادشاہ بنایا ہے اور میں دیکھتا ہوں کہ تم لذات دنیوی میں

---

۵۱ روسا، اور امراء جائدادیں نظامیہ میں وقف کر دیا کرتے تھے چنانچہ ابوسعد صوفی نے انتقال کے وقت ۴۷۹ھ میں تمام جائداد وقف کر دی۔ کامل جلد ۱۰ صفحہ ۵۵۔ ۵۲ اعلام صفحہ ۸۲۔

منہمک رہتے ہو نیکیوں کے مقابلہ میں گناہوں کا پلہ بھاری ہو رہا ہی ممالک فتح کرنے کے لیے تم فوج بھرتی کرنا چاہتے ہو، اُن کی تلواریں دو گز کی ہوں گی، اور اُن کے تیر تین سو قدم سے زیادہ نہیں جاسکتے ہیں لیکن میں جو فوج تیار کر رہا ہوں ان کی دعاؤں کے تیر فرش سے عرش تک جائیں گے، جو کام ان کی دعاؤں سے ہوگا وہ تمھاری فوجیں نہیں کرسکتی ہیں" فوراً وزیر کا یہ جواب سنکر ملک شاہ بہت رویا۔ اور کہا کہ پیارے باپ! ایسی فوجیں جس قدر ممکن ہو طیار کرو۔"

کامیاب طلبہ مسٹر گبن لکھتے ہیں کہ "مختلف اوقات میں نظامیہ سے چھ ہزار طلبہ ہر درجہ کے کامیاب ہو کر نکلے۔ جن میں امرا اور اہل حرفہ دونوں کے لڑکے شامل تھے"۔ ہمارے خیال میں یہ تعداد نظامیہ کی عمر کے لحاظ سے بہت کم ہی۔ اور اسپر اضافہ کثیر کی گنجایش ہی۔ مگر افسوس ہی کہ نظامیہ کے عہد میں، وہاں کا سند یافتہ اپنے نام کے ساتھ نظامی نہیں لکھتا تھا، بلکہ اپنے استاد کے نام سے شہرت پاتا تھا۔ ورنہ اسماے رجال سے آج فیصلہ ہو جاتا کہ زائد از تین صدیوں میں کس قدر ارباب کمال، مدرسہ نظامیہ سے فیضیاب ہوئے۔ غالبا اس غلطی سے متاثر ہو کر جامع ازہر (مصر) کے طلبہ اپنے نام کے ساتھ ازہری، اور ہمارے قومی کالج، مدرسۃ العلوم علی گڑھ کے نوجوان علیگ، اور دار العلوم ندوۃ العلما کے متعلم ندوی، اور ممالک یورپ کے تعلیم یافتہ اکسن (منسوب بہ اکسفورڈ) وغیرہ لکھتے ہیں۔ یہ طریقہ نہایت اچھا ہی، اور ہر مدرسہ کے طلبہ کو اسکی تقلید کرنا چاہیئے۔ کہ زمانہ آیندہ کے مورخین کو شمار و تخمینہ میں ہماری طرح مصیبت نہ اُٹھانا پڑے۔

بہرحال اگر ہم مسٹر گبن کی رائے کو صحیح تسلیم کرلیں کہ نظامیہ نے اپنی مدت العمر میں چھ ہزار طلبہ پیدا

کیے تو بھی نظامیہ کے فخر ومباحات کے لیے کافی ہی کیونکہ ان میں سے ہر ایک آسمان علم کا آفتاب و ماہتاب ہوگا۔

نظامیہ کے نتائج اور اولیات نظامیہ بغداد کے قیام کی جب علماء ماوراالنہر کو خبر ہوئی تو انھوں نے ایک بزم ماتم منعقد کی جب لوگوں نے اس اظہار غم کے وجوہ دریافت کیے تو انھوں نے کہا کہ علم ایک شریف ملکہ ہی جس کو نیک نفس اور قدسی صفات لوگ حاصل کیا کرتے تھے اب جب کہ حصول علم کے لیے وظیفہ مقرر ہوگیا تو وہ ہر کس و ناکس کا حصّہ ہوگیا۔ اب ذلیل آدمی علم کے ذریعہ سے جاہ و ثروت حاصل کریں گے۔ اور کوئی شخص علم کو من حیث العلم حاصل نہ کریگا"

اس واقعہ سے یہ نتیجہ نکلتا ہی کہ نظامیہ کے اجراء سے علماء میں ایک خاص مذہبی جوش پیدا ہوگیا تھا۔ اور سلاطین و امراء میں مقابلہ کی تحریک شروع ہوگئی تھی۔ اور محض نظامیہ کی تقلید میں مصر، شام، اور عراقین میں بہت سے مدرسے کھل گئے تھے۔ اور علم کا علم ساری دنیا میں بلند ہوگیا تھا۔ اگر صرف نظامیہ کے ایک سو برس بعد کے مدرسوں کی تاریخ لکھی جائے تو ایک کتاب بن جائے"

نظامیہ کا سب سے پہلا اثر تو یہ ہوا کہ چھٹی صدی کے ختم ہونے تک تمام دنیائے اسلام میں (باستثنائے اندلس) علم کی روشنی پھیل گئی۔ اور علماء جو مسجدوں، خانقاہوں اور حجروں میں درس دیا کرتے تھے وہ منظر عام پر آگئے۔ اور ہر مدرسہ کے لیے ارباب علم مشرق و مغرب کے گوشوں سے ڈہونڈھ کر نکال لیے گئے"

ؔ روضتین صفحہ ۲ و طبقات الشافعیہ۔

نظامیہ[1] سب سے پہلا مدرسہ ہے جس نے طلبہ کے لیے وظیفہ مقرر کیا اور ان کو خرید کتب اور فراہمی سامان خورد و نوش سے بے نیاز کر دیا۔ اور سرکاری خدمات کے لیے نظامیہ کا تعلیم یافتہ سب سے بڑھ کر قرار پایا۔ خواجہ نظام الملک کی نسبت مشہور ہے کہ وہ پہلا شخص ہے جس نے اسلامی دنیا میں سب سے اول مدرسہ قائم کیا۔ اور ابن خلکان کا بھی یہی خیال ہے لیکن واقعات مذکورۂ بالا سے ظاہر ہو چکا ہے کہ خواجہ کی ولادت سے قبل مصر میں اور اس کے بعد نیشاپور میں مدرسے قائم ہوئے۔ لہذا اولیت کا فخر نظام الملک کے حصہ میں نہیں آ سکتا ہے۔ اور نہ نظامیہ بغداد پہلا مدرسہ ہے۔ علامہ سیوطی کا قول ہے کہ نظام الملک نے خاص فقہا کے لیے مدرسہ بنایا۔ خلاصہ یہ ہے کہ نظامیہ ایسے اعلیٰ پیمانہ پر قائم ہوا کہ جس کی عالمگیر شہرت و عظمت نے تمام پچھلی یادگاروں کو دلوں سے مٹا دیا اور وہ سب کا سرتاج بن گیا۔ اور سب سے پہلا مدرسہ مشہور ہوا۔

نظامیہ اور محققین یہ بات بھی نظامیہ کی خصوصیات میں ہے کہ دنیا کے دور دراز حصوں سے علماء آتے تھے۔ اور مدرسہ کے مہمان رہ کر علمی تحقیقات میں مصروف رہتے تھے کتب تاریخ وطبقات میں ایسے لوگوں کا جابجا ذکر آیا ہے۔

درس نظامیہ مدرسہ نظامیہ کا کوئی خاص نصاب تعلیم (کورس) نہ تھا۔ بلکہ ہر شیخ اپنے متعلقہ علم و فن پر خطبہ (لکچر) دیتا تھا۔ اور اس کے ذیل میں تمام علمی نکات حل کر دیتا تھا۔ یورپ میں ایک کتاب "درس نظامیہ" کے نام سے شائع ہوئی ہے اور ہندوستان میں بھی ایک صاحب نے درس نظامیہ پر خامہ فرسائی کی ہے۔ مگر دونوں مصنف تحقیقات کی سرحد سے

[1] حسن المحاضرہ و سراج الملوک ۱۲

متنزلوں دور ہیں " درس نظامیہ " یہ لفظ خاص ہندوستان کی علمی زبان کا سرمایہ ناز ہے،
اس کو نظامیہ بغداد سے منسوب کرنا نہ صرف ظلم بلکہ جہالت ہے "

ہندوستان کے تمام شہروں میں جس طرح لکھنؤ چشم و چراغ کا درجہ رکھتا ہے۔ اسی طرح
لکھنؤ میں فرنگی محل کا مرتبہ ہے۔ اور علمائے فرنگی محل میں ملا نظام الدین وہ مشہور و معروف
علامہ تھے جن کے نام نامی سے درس نظامیہ منسوب ہے۔ تمام ہندوستان میں مولانا کے
عہد سے آج تک جسقدر عالم ہوے ہیں اور جو درس کے سلسلے اس وقت ہندوستان میں
قائم ہیں وہ سب مولانا کے اسم گرامی سے وابستہ ہیں اور ہر عالم اسپر فخر کرتا ہے۔ مدرسہ نظامیہ
کی طرح درس نظامیہ کی بھی ایک مستقل تاریخ ہے جس کی تفصیل کا یہ موقع نہیں ہے۔

نظامیہ کی عمر مدرسہ نظامیہ وسط آٹھویں صدی ہجری (چودھویں صدی عیسوی) تک
قائم رہا۔ اور اس تین سو اسی برس کی عمر میں جیسے نامور شاگرد نظامیہ نے پیدا کیے وہ اس کے
اعزاز، شہرت، اور بقاے دوام کے لیے کافی ہے۔ شیخ مصلح الدین سعدی شیرازی اخیر
چھٹی صدی ہجری کے طالب العلم ہیں جنھوں نے مدرسے کے وظیفہ سے تعلیم پائی تھی۔ قابلیت
اور فضل و کمال کے جانچ کے لیے یہی ایک نام کافی ہے۔ "قیاس کن زگلستان من بہار مرا"

مدرسہ نظامیہ بغداد کے مشاہیر شیوخ و علماء کی فہرست

طبقات الشافعیۃ الکبریٰ، ابن خلکان، کامل ابن اثیر اور تاریخ آل سلجوق میں نظامیہ کے جن
مشاہیر علما کا تذکرہ ہے۔ اس کی فہرست پیش کی جاتی ہے۔ سوانح عمری لکھنا طوالت سے خالی نہ تھا

شائقین اصل کتاب میں حالات ملاحظہ کر سکتے ہیں۔ غالب حصہ واقعات کا طبقات سے ماخوذ ہے۔ اور ابن خلکان وغیرہ سے معمولی اضافہ و ترمیم کا کام لیا گیا ہے۔

شیوخ۔ ۱ رسم افتتاح کے بعد سے امام ابو نصر عبد السید بن محمد بن عبد الواحد بن احمد بن جعفر المعروف با بن الصباغ۔ صاحب الشامل والکامل۔ جو مشہور فقیہ و محدث تھے۔ مدرسہ میں درس دیتے رہے۔ لیکن ابو منصور بن یوسف اور عمید ابو سعد کی خاص کوشش سے بعد تحقیقات و رفع شک شیخ ابو اسحٰق شیرازی نے مدرسہ کی خدمت منظور کر لی اور پورے بیس[۲] دن کے بعد ابو نصر اپنی خدمت سے علیحدہ کیے گئے

۲ شیخ جمال الدین ابو اسحٰق ابراہیم بن علی بن یوسف شیرازی" سینچر کے دن ذی الحجہ ۴۵۹ھ؁ ۱۰۶۷ء کو مدرسہ میں تشریف لائے۔ اور سبق شروع ہو گیا۔ اور عرصہ تک علمی خدمت میں مصروف رہے۔ پھر دوبارہ ۴۷۶ھ؁ ۱۰۸۳ء میں مدرس مقرر ہوئے اور اسی سال میں انتقال فرمایا رسم تعزیت میں تین دن کے لیے خواجہ مؤید الملک بن نظام الملک نے مدرسہ بند کر دیا جب نظام الملک نے سنا تو بیٹے پر ناراض ہوا اور فرمایا کہ علامہ کے اعزاز میں ایک سال تک نظامیہ کو بند رکھنا چاہیئے تھا۔ سبحان اللہ! کیا علمی قدر دانی تھی۔

۳۔ ۴ علامہ کے انتقال پر عبد الرحمٰن بن مامون بن علی بن ابراہیم المعروف بہ ابو سعید متولی مقرر ہوئے۔ اور کچھ دنوں کے بعد علیحدہ ہو گئے۔ اور امام ابو نصر صباغ دوبارہ مدرس مقرر ہوئے اور ۴۷۷ھ؁ ۱۰۸۵ء تک علمی خدمات انجام دیتے رہے۔

---

[۱] نامۂ دانشوران ناصری صفحہ ۳۱۰ جلد اول۔ ابو نصر صباغ کے حالات ابن خلکان اور طبقات الشافعیہ میں بصراحت ہیں۔

۵۔ علی بن المظفر بن حمزہ بن زید بن محمد العلوی الحسینی، المعروف ابو القاسم بن ابی یعلی دبوسی"، فقہ، اصول، لغت، نحو، نظر، جدل، میں امام مانے گئے ہیں۔ ۴۷۹ھ ۱۰۸۶ء سے ۴۸۲ھ ۱۰۸۹ء تک مدرس رہے۔

۶-۷۔ امام ابو عبداللہ الحسین بن علی طبری اور قاضی ابو محمد عبدالوہاب بن محمد بن عبدالوہاب بن محمد بن عبدالواحد فارسی شیرازی حسن اتفاق سے ۴۸۳ھ ۱۰۹۰ء میں داخل مدرسہ ہوئے، منتظمین نے یہ فیصلہ کیا کہ دونوں استاذ ایک ایک دن درس دیا کریں۔ چنانچہ یہ سلسلہ جاری ہو گیا۔ طبری نے ۴۹۸ھ ۱۱۰۵ء میں اور قاضی ابو محمد نے ۵۰۰ھ ۱۱۰۶ء میں انتقال کیا۔

۸۔ امام محمد بن محمد بن احمد، حجۃ الاسلام ابو حامد غزالی طوسی۔ امام صاحب نے ۴۸۴ھ ۱۰۹۱ء سے ۴۸۸ھ ۱۰۹۵ء تک نظامیہ میں قیام کیا۔ پھر زیارت حرمین کے حیلہ سے ملک شام کو تشریف لے گئے۔ اور جامع دمشق میں جا کر معتکف ہو گئے۔[1]

۹۔ ابو الفتوح امام احمد بن محمد بن احمد غزالی طوسی ملقب بہ مجد الدین علامہ غزالی کے چھوٹے بھائی، مشہور صوفی، واعظ، متوفی ۵۲۰ھ ۱۱۲۶ء۔

۱۰۔ شمس الاسلام، ابو الحسن علی بن محمد بن علی ملقب بہ عماد الدین المعروف بہ کیا الہراسی فقیہہ (غزالی ثانی) متوفی ۵۰۴ھ ۱۱۱۰ء

۱۱۔ فخر الاسلام ابو بکر محمد بن احمد بن الحسین بن عمر شاشی المعروف بالمستظہری متوفی ۵۰۷ھ ۱۱۱۳ء

---

[1] امام صاحب سعادت آخرت کے لیے دنیا سے قطع تعلق کرنا چاہتے تھے، مگر درس و تدریس سے اس کا موقع نہ ملتا تھا چنانچہ جذب الٰہی نے یکایک کھینچا اور مدرسہ چھوڑ کر ملک شام کو روانہ ہو گئے۔ امام صاحب نے یہ حالات نہایت تفصیل سے اپنی کتاب المنقذ من الضلال میں لکھے ہیں۔

۱۲ ابوالحسن علی بن ابی زید محمد بن علی النحوی المعروف بہ فصیحی استرآبادی متوفی ۵۱۶ھ ۱۱۲۲ء

۱۳ ابوالفتح احمد بن علی بن محمد الوکیل بن برہان الاصولی، بڑے مستعد مدرس تھے۔ نماز صبح سے عشاء تک درس دیا کرتے تھے۔ غزالی، شاشی، اور کیا ہراسی کی شاگردی کا فخر حاصل تھا۔ متوفی ۵۲۰ھ ۱۱۲۶ء

۱۴ امام ابوالفتح اسعد بن ابونصر میہنی دو مرتبہ مقرر ہوئے اول ۵۰۷ھ ۱۱۱۳ء لغایہ ۵۱۳ھ ۱۱۱۹ء دوبارہ ۵۱۷ھ ۱۱۲۳ء متوفی ۵۲۳ھ ۱۱۲۹ء۔

۱۵ الحسن بن سلمان بن عبداللہ نہروانی متوفی ۵۲۵ھ ۱۱۳۱ء۔

۱۶ عبدالرحمن بن الحسین بن محمد طبری المعروف بہ ابو محمد متوفی ۵۳۱ھ ۱۱۳۶ء

۱۷ شیخ ابومنصور سعید بن محمد بن عمر المعروف بالرزاز متوفی ۵۳۹ھ ۱۱۴۴ء

۱۸ عبدالرزاق بن عبداللہ بن علی بن اسحٰق طوسی، برادر زادہ خواجہ نظام الملک عرصہ تک مدرس رہا۔ پھر سلطان سنجر سلجوقی کا وزیر ہوگیا متوفی ۵۴۱ھ ۱۱۴۶ء

۱۹ محمد بن عبداللطیف بن محمد بن ثابت بن الحسن بن علی ابوبکر المہلبی متوفی ۵۵۲ھ ۱۱۵۷ء۔

۲۰ شیخ ابوالنجیب سہروردی، صوفی، زاہد، فقیہہ متوفی ۵۶۳ھ ۱۱۶۷ء

۲۱ ابوطالب المبارک بن المبارک کرخی، خوشنویس درجہ اعلیٰ متوفی ۵۸۵ھ ۱۱۸۹ء

۲۲ مجدالدین ابوالقاسم محمود بن المبارک بن علی بن المبارک بن الحسن عراقی ۵۹۲ھ ۱۱۹۵ء

۲۳ مجدالدین یحییٰ بن الربیع بن سلیمان بن حراز بن سلیمان العدوی العمری ۶۰۶ھ ۱۲۰۹ء

۲۴ قاضی ابوزکریا بن القاسم بن المفرج قاضی تکریت متوفی ۶۰۷ھ ۱۲۱۰ء

۲۵ | محمد بن واثق بن علی بن الفضل بن ہبۃ اللہ بغدادی متوفی ۶۳۱ھ ۱۲۳۳ء

۲۶ | عبداللہ بن ابی الوفا محمد بن الحسن متوفی ۶۵۵ھ ۱۲۵۷ء

۲۷ | محمود بن احمد بن محمود ابو المناقب زنجانی متوفی ۶۵۶ھ ۱۲۵۸ء

مُعید ۲ | ۱ الحسن بن علی بن محمد (بزمانہ مدرسی اسعد مُہینی)

۲ | عبداللہ بن یوسف بن عبدالقادر آذربائیجانی

۳ | احمد بن یحییٰ بن عبدالباقی بن عبدالواحد بن محمد بن عبداللہ بن عبیداللہ بن عبدالرحمن

ابوالفضل زہری بغدادی المعروف بابن شقران (صوفی، واعظ) متوفی ۵۶۱ھ ۱۱۱۵ء

۴ | السدید محمد بن ہبۃ اللہ بن عبداللہ السلاسی فقیہہ متوفی ۵۷۴ھ ۱۱۷۸ء

۵ | علی بن ابی المکارم بن فتیان۔ ابو القاسم دمشقی متوفی ۵۷۹ھ ۱۱۸۳ء

۶ | احمد بن عمر بن الحسن کروی۔ ابو العباس المعروف بالوجیہ متوفی ۵۹۱ھ ۱۱۹۵ء

۷ | منصور بن الحسن بن منصور۔ امام ابو المکارم زنجانی متوفی ۵۹۷ھ ۱۲۰۰ء

۸ | ابو الحسن علی بن علی بن سعادت فقیہہ متوفی ۵۹۸ھ ۱۲۰۱ء

۹ | ابو حامد محمد بن یونس بن محمد بن منعۃ بن مالک بن محمد الملقب عماد الدین فقیہہ متوفی ۶۰۸ھ ۱۲۱۱ء

مفتی۔ ۳ | ۱ شیخ رضی الدین ابو داؤد سلیمان بن المظفر شافعی

واعظ۔ ۴ | ۱ احمد بن محمد بن حسن بن محمد بن ابراہیم ابو بکر الغورکی، امام ابو بکر بن فورک کے نواسہ تھے۔ نیشاپور سے بغداد آکر سکونت اختیار کر لی تھی۔ خدمتِ وعظ کے علاوہ اشعری علم کلام پر درس بھی دیا کرتے تھے متوفی ۴۷۸ھ ۱۰۸۵ء۔

۲ امام ابو نصر بن استاد ابو القاسم قشیری کا وعظ بھی بڑے معرکہ کا تھا۔ ۴۶۹ھ میں آپ نے مدرسہ میں وعظ کہا۔ چونکہ امام صاحب اشعری تھے لہذا حنابلہ سے جنگ ہو گئی اور سوق نظامیہ میں بڑی خونریزی ہوئی، اس جنگ و جدال میں ایک فریق علامہ ابو اسحٰق شیرازی بھی تھے (کامل جلد ۱۰ صفحہ ۳۶)

۳ اردشیر بن منصور ابو الحسین واعظ عبادی مروزی۔ یہ بڑے فصیح البیان واعظ تھے علامہ غزالی اور مشاہیر صوفیہ وعظ میں شریک ہوا کرتے تھے۔ تاریخ کامل میں صرف ایک مجلس وعظ کا بیان ہی جو جمادی الاول ۴۸۶ھ میں ہوئی تھی۔

۴ ابو منصور محمد بن محمد بن سعد بن عبد اللہ البروی فقیہہ متوفی ۵۶۷ھ۔

۵ احمد بن اسمٰعیل بن یوسف بن محمد بن العباس قزوینی طالقانی۔ یہ بڑے زبردست واعظ تھے۔ جب منبر پر بیٹھتے تو حاضرین سے دریافت کرتے اور حسب خواہش سامعین بیان فرمائے جس کتاب و تفسیر کی فرمائش کیجاتی اسی کے مطابق بیان شروع ہو جاتا تھا۔ حافظہ غیر معمولی پایا تھا۔ متوفی ۵۹۰ھ۔

اس عہد میں یہ عام دستور تھا کہ بعد نماز جمعہ ہر جامع مسجد اور مدرسہ نظامیہ میں وعظ ہوا کرتا تھا۔ ابن جبیر نے حالات بغداد میں، شیخ جمال الدین ابی الفضل بن علی الجوزی اور شیخ رضی الدین قزوینی، امام شافعیہ اور مدرس مدرسہ نظامیہ کے وعظ کا مفصل بیان لکھا ہی، چنانچہ شیخ رضی الدین کے وعظ کا حال ہم نقل کرتے ہیں جس سے مجلس وعظ کی بعض خصوصیات کا

حال معلوم ہوگا۔

میں[1] پہلی مرتبہ شیخ رضی الدین قزوینی کی مجلس وعظ میں شریک ہوا۔ یہ شخص علوم دین میں اس نوح کے علماء سے مشہور اور ممتاز ہیں۔ پانچویں صفر ۵۸۰ھ ۱۱۸۴ء کو جمعہ کے دن مدرسہ نظامیہ میں مجلس وعظ ہوئی۔ واعظ جب منبر پر چڑھا۔ تو قاریوں نے منبر کے سامنے کرسیوں پر بیٹھکر بڑی خوش الحانی سے قرأت شروع کی۔ اس کے بعد شیخ نے بہت متانت اور وقار سے خطبہ پڑھا اور علوم وفنون میں مثل تفسیر وحدیث کے گفتگو شروع کی۔ گفتگو میں ہر طرف سے علمی مسائل پر سوال ہونے لگے۔ شیخ نے معقول جوابوں سے سب کی تسکین فرمائی۔ اور چشم وابرو سے کسیطرح کا انقباض ظاہر نہیں ہوا بعض نے تحریری سوال پیش کیے، ان سب کو اپنے ہات میں لیکر ہر ایک کا جواب لکھکر حوالے کیا۔ یہ مجلس نہایت خیر وبرکت کی تھی۔ متحمل سے متحمل آدمی کے بھی بے اختیار آنسو جاری تھے۔ خصوصاً اختتام کے وقت تو لوگ بیقرار ہوگئے۔ آنکھوں سے مینھ برسانے لگے، چاروں طرف سے توبہ کا شور بلند ہوا۔ اکثر نے شیخ کے ہات پر توبہ کی اور بہت سی پیشانیوں کے بال تراشے گئے۔ (اس زمانہ کا یہ بھی دستور تھا کہ جب مجلس وعظ میں خوب رقت ہوتی اور لوگ توبہ واستغفار کرنے میں مشغول ہوتے تو بعض سامعین واعظ کے سامنے اپنی گردن جھکا دیتے۔ اور واعظ اپنے ہات سے پیشانی کے کسیقدر بال تراش دیتا اور سر پر دست شفقت پھیر کر اُس کے واسطے دعاے خیر کرتا۔) اس کے بعد مجلس ختم ہوئی۔"

ناظر وقف ۵ | ۱ خواجہ ابو نصر احمد بن نظام الملک۔

---

[1] ترجمہ سفرنامہ ابن جبیر صفحہ ۱۹۵

۲۔ الحسن بن سعد بن الحسن الخونجی (نائب ابو نصر)

۳۔ محمد بن عبد اللطیف بن محمد بن عبد اللطیف الخُجندی۔

۴۔ محمد بن علی بن ابو نصر احمد بن نظام الملک۔

۵۔ عبد الودود بن محمد بن المبارک بن علی۔ (مُعید) متوفی ۶۱۸ھ ۱۲۲۱ء

۶۔ عبد الرحیم بن محمد بن محمد بن یٰسین ابو الرضا سبط ابو القاسم بن فضلان (معید) متوفی ۶۳۰ھ ۱۲۳۳ء

متولی ۶۔ ابو سعد عبد الرحمٰن، اصول، فقہ، خلاف میں زبردست عالم تھے۔ بعد وفات شیخ ابو اسحٰق مدرس مقرر ہوئے۔ اور ۴۷۶ھ میں معزول ہو گئے۔ کیونکہ خواجہ نظام الملک ابو سعد سے ناراض تھا۔ لیکن ابو صباغ کے بعد پھر مقرر ہوئے اور اخیر عمر تک رہے، مگر ابو سعد سے فقہا بھی خوش نہ تھے۔ متوفی ۴۷۸ھ ۱۰۸۵ء

محققین مدرسۂ نظامیہ۔ ۷۔ ۱۔ ابو اسحٰق ابراہیم بن یحییٰ بن عثمان۔ بن محمد الکلبی۔

۲۔ یاقوت ”مہذب الدین“ مشہور شاعر۔ متوفی ۶۲۲ھ ۱۲۲۵ء

۳۔ علامہ خطیب تبریزی مصنف شرح حماسہ ”متنبی، معلقات“۔ وابی تمام۔ چونکہ علامہ نامور ادیب تھے۔ لہٰذا علم ادب کا درس بھی دیا کرتے تھے۔ متوفی ۵۰۲ھ ۱۱۰۸ء۔

۴۔ قاضی بہاؤ الدین بن شداد، چار سال تک مُعید رہے۔ پھر سلطان صلاح الدین کی خدمت میں چلے گئے۔ اور وہاں قاضی عسکر مقرر ہو گئے۔ قاضی صاحب نے سلطان کی سوانح عمری بھی لکھی ہے۔ جو چھپ گئی ہے اور انگریزی ترجمہ بھی شائع ہو چکا ہے۔

نظامیہ بغداد کے ماتحت مدارس

نظامیہ بغداد کے افتتاح کے بعد تمام ممالک محروسۂ دولت سلجوقیہ میں مدرسے کھل گئے تھے کوئی بڑا شہر ایسا نہ تھا جس میں مدرسہ نہو۔ جو مدرسے خواجہ نظام الملک نے قائم کیے وہ سب نظامیہ کہلائے۔ اور اپنے شہروں کی نسبت سے مشہور ہوئے۔ نظامیہ کے علاوہ ہر بڑے شہر میں امرا و رُوسا کے مدارس موجود تھے لیکن ہم اُن کے تاریخی حالات سے بحث نکریں گے۔ نظامیہ بغداد اپنے عہد میں ایک اسلامی یونیورسٹی (بیت العلوم) تھی۔ جس کے ماتحت بکثرت مدارس (کالج) تھے۔ اور خواجہ نظام الملک کے عہد وزارت میں اس کا سب سے نمایاں کارنامہ اجرائے نظامیہ بغداد ہی۔ یہی نظامیہ تھا جس کی اعلیٰ تعلیم و تربیت نے، اس عہد کے مسلمانوں کو ایک زندہ قوم بنا دیا تھا۔ ہندوستان کے مسلمان بھی اگر چاہتے ہیں کہ ان کا علمی عہد سعادت، اور شاندار زمانہ ماضی پھر واپس آجائے۔ اور وہ ایک زندہ قوم کی حیثیت سے دنیا میں ممتاز ہو کر رہیں، تو انکا پہلا فرض ہونا چاہیئے کہ وہ اپنے قومی کالج، مدرسۃ العلوم علی گڑھ کو جس طرح ممکن ہو یونیورسٹی کے درجہ تک پہنچا دیں یہی یونیورسٹی انشاء اللہ ان کی سُود و بہبود اور قوت و عظمت کا ذریعہ ہوگی۔ بہ سبیل تذکرہ یہ چند سطریں لکھی گئی ہیں۔ امید ہو کہ اس کتاب کے ناظرین بھی اس قومی مسالہ پر توجہ کریں گے اور اپنی فیاضی سے مدرسۃ العلوم کو محروم نہ رکھیں گے۔ نظامیہ کے ماتحت مدارس کے مختصر حالات حسب ذیل ہیں۔

نظامیہ نیشاپور (۱)

صوبۂ خراسان کا نیشاپور مشہور شہر ہے۔ کتب جغرافیہ میں وہ باب المشرق کے خطاب سے ممتاز ہے۔ یہ شہر ہمیشہ دار العلم اور معدن فضل و کمال رہا ہے۔ فقہ، حدیث، ادب، تاریخ، لغت کا گھر تھا۔ اس شہر کے علماء کا حصر و شمار نہیں ہو سکتا ہے۔ چونکہ طغرل بیگ اور الپ ارسلان سلجوقی نے نیشاپور کو دار السلطنۃ بنایا تھا۔ اس لیے خراسان میں یہ نہایت آباد شہر تھا اور بڑے بڑے مدرسے جاری تھے لیکن سرکاری مدرسہ کوئی نہ تھا۔ لہٰذا[1] امام الحرمین کی واپسی پر (امام صاحب حرمین سے تشریف لائے تھے) خواجہ نظام الملک نے خاص امام صاحب کے لیے ایک شاندار مدرسہ بنایا اور امام الحرمین، مسلسل تیس سال تک اس مدرسہ میں درس دیتے رہے۔ امام صاحب کے حلقہ درس میں روزانہ تین سو کا مجمع رہا کرتا تھا جس میں طلبہ اور علما دونوں ہوتے تھے۔ نظامیہ بغداد سے یہ مدرسہ دوسرے درجہ پر تھا۔ ہر جمعہ کی نماز کے بعد وعظ ہوا کرتا تھا۔ اس مدرسہ کی فضیلت میں یہی کہنا کافی ہوگا کہ علامہ امام غزالی طوسی، جیسے فخر روزگار عالم، اسی مدرسہ کے ایک نامور طالب العلم تھے۔ مدرسہ کے مشہور شیوخ حسب ذیل ہیں۔

۔عبدالملک بن عبداللہ بن یوسف بن محمد بن عبداللہ بن حیویہ جوینی المعروف بامام الحرمین ابو المعالی، متوفی ۴۷۸ھ

۔عبدالواحد بن عبدالکریم بن ہوازن مدرس و واعظ متوفی ۴۹۴ھ

[1] طبقات صفحہ ۲۴۹ جلد ۳۔ امام الحرمین کے تفصیلی حالات حصہ اول کتاب ہذا میں درج ہیں۔

۳- حجۃ الاسلام امام غزالی طوسی، دمشق کے سفر سے واپس آکر قیام کیا۔ پھر طوس میں خاص ایک اپنا مدرسہ جاری کیا[1]۔ متوفی ۵۰۵ھ ۱۱۱۱ء۔

۴- مسعود بن احمد بن محمد بن المظفر الخوافی متوفی ۵۵۶ھ ۱۱۶۱ء

۵- ابوالمعالی مسعود بن محمد بن مسعود المعروف بہ قطب الدین نیشاپوری متوفی ۵۷۸ھ ۱۱۸۲ء

نظامیہ اصفہان(۲)

عراق عجم میں، اصفہان بھی اول درجہ کا شہر ہے۔ ایرانیوں نے اس کی تعریف میں بہت مبالغہ کیا ہے۔ اصفہان کے منجم اور طبیب مشہور ہیں۔ لیکن دیگر ارباب کمال کی بھی کمی نہیں ہے جس کی علمی تاریخ شاہد ہے۔ یہ ملک شاہ سلجوقی کا دار السلطنت تھا۔ اور اس میں نہایت شاندار عمارتیں بنائی گئی تھیں۔ خصوصاً قلعہ تبرک، تاریخی شہرت رکھتا ہے۔ علمی مدرسے بھی بکثرت تھے مگر خواجہ نظام الملک نے یہاں بھی مدرسہ بنایا۔ اس کا درجہ نظامیہ نیشاپور کے بعد تھا۔ مشہور مدرس حسب ذیل ہیں۔

۱- محمد بن ثابت بن الحسن بن علی بن ابو بکر خجندی متوفی ۴۸۳ھ ۱۰۹۰ء

۲- ابوسعید احمد بن محمد بن ثابت خجندی رئیس الشافعیہ متوفی ۵۳۱ھ ۱۱۳۶ء

۳- الحسن بن محمد بن الحسن بن احمد بن یحییٰ بن ذثاب الورکانی المعروف شیخ فخر الدین ابوالمعالی متوفی ۵۵۹ھ ۱۱۶۴ء

---

[1] شمس الاسلام کیا ہراسی کے انتقال پر نظام الدین احمد بن نظام الملک نے امام صاحب کو نظامیہ بغداد کے لیے طلب کیا تھا۔ مگر امام صاحب نے معذرت کی اور طوس سے نہ گئے۔ یہ مراسلت مجموعہ خطوط امام صاحب میں تفصیل سے درج ہے۔ دیکھو فضائل الانام من رسائل حجۃ الاسلام صفحہ ۴۲-۵۲

نظامیّہ مرو (۳)

نیشاپور اور اصفہان کے بعد مرو کا درجہ ہے۔ یہ شہر مرو شاہیجان، اور مرو شاہجہان کے نام سے تاریخ میں مشہور ہے۔ اس سرزمین پر بڑی خونریزیاں ہوئیں اور اس کی تاریخ واقعات عبرت انگیز سے مالا مال ہے۔ خلیفہ مامون الرشید عباسی کے عہد میں ابتداءً دارالسلطنت رہا پھر سلطان سنجر سلجوقی نے دارالسلطنت بنایا۔ مرو بھی ہمیشہ علمی مرکز رہا ہے۔ اس مدرسہ کے اساتذہ میں اسعد بن محمد بن ابی نصر ابوالفتح المہینی مشہور ہیں۔

نظامیّہ خوزستان (۴)

خوزستان مشہور صوبہ ہے۔ جس کے حدود عراق عرب، کردستان، اور فارس سے متصل ہیں۔ تستر، اہواز، عسکر مکرم، اس کے مشہور شہر ہیں اس صوبہ میں چودہ (۱۴) شہر ہیں معلوم نہیں کہ خواجہ کا مدرسہ کس شہر میں تھا۔ مگر تاریخ کامل میں نظامیہ خوزستان لکھا ہے۔ اور اس کے مدرّسوں میں یوسف دمشقی متوفی ۵۶۳ھ کا نام مشہور ہے۔

نظامیّہ موصل (۵)

موصل اسلامی شہر ہے۔ اور لبِ دجلہ آباد ہے۔ یہاں کا قلعہ اور شہر پناہ ضرب المثل ہے، اور جزیرہ کے شہروں میں سب سے مشہور ہے۔ مدرسہ نظامیہ موصل کے مشہور شیوخ یہ ہیں

- احمد بن نصر بن الحسین ابو العباس انباری معروف بہ شمس الدبلی متوفی ۵۹۹ھ
- ابو حامد محمد بن القاضی کمال الدین شہرزوری متوفی ۵۸۶ھ -
- محمد بن ابی الفرج بن معالی بن برکتہ بن الحسین ابو المعالی (معید) متوفی ۶۲۱ھ

نظامیہ جزیرہ ابن عمر (۶)

شہر موصل[1] سے تین دن کی مسافت پر یہ جزیرہ واقع ہے۔ سفرنامہ ابن بطوطہ میں لکھا ہے۔ کہ یہ شہر بہت بڑا ہے۔ اور چونکہ اس کے چاروں طرف ایک ندی محیط ہے اس لیے وہ جزیرہ کے نام سے مشہور ہے۔ اس شہر کا بڑا حصہ ویران ہے۔ مگر سب باشندے ارباب فضل وکمال ہیں۔" بہرحال یہ جزیرہ دنیا کے ایک گوشہ میں گمنامی کی حالت میں پڑا تھا۔ لیکن خواجہ نظام الملک کی علمی فیاضی سے یہ جزیرہ بھی محروم نہ رہا۔ مصنف روضتین[2] نے لکھا ہے کہ آج کل یہ رسۃ رضی کے نام سے مشہور ہے" اس مدرسہ کے اور مزید حالات معلوم نہیں ہوئے۔

نظامیہ آمل (۷)

آمل، ماژندران کا شہر ہے۔ اور طبرستان کے ذیل میں اس کے حالات کتب جغرافیہ میں تحریر ہیں۔ ایک عورت آملہ[3] کی یادگار میں بنایا گیا تھا لہذا آمل مشہور ہوا۔ اور ہمیشہ سیرگاہ سلاطین ایران رہا ہے۔ آج بھی موجود ہے۔ آثار قدیمہ میں قلعہ کا ایک حصہ باقی ہے جہاں قافلے

---

[1] معجم حالات جزیرہ ابن عمر [2] روضتین صفحہ ۲۰۵ [3] گنج دانش

ٹھہرتے ہیں۔ مدرسہ نظامیہ کے مدرس ہبتہ اللہ بن سعد بن طاہر الرویانی متوفی ۵۴۷ھ ۱۱۵۲ء مشہور ہیں۔

نظامیہ بصرہ (۸)

عراق عرب میں بغداد کے بعد بصرہ کا نمبر ہے۔ خاص اسلامی شہر ہے جو فاروق اعظم کے عہد میں آباد ہوا۔ کسی زمانہ میں یہ علم نحو کا گھر تھا۔ بصرہ کے نحوی امام فن اور مجتہد مانے جاتے تھے۔ اور جب انحطاط کا زمانہ آیا تو ابن بطوطہ نے بنظر استعجاب لکھا ہے کہ امام جامع مسجد جمعہ کا خطبہ غلط پڑھ رہا تھا۔ گویا بصرہ میں کوئی نحوی باقی نہ تھا۔ خلفائے عباسیہ کے عہد کے بعد واقعی بصرہ میں جہالت چھاگئی تھی۔ اور یہاں علمی روشنی کی ضرورت تھی جو مدرسہ نظامیہ سے وجود پذیر ہوئی۔ روضۃ الصفا کی روایت ہے کہ نظامیہ بصرہ کی عمارت، وسعت میں نظامیہ بغداد سے بڑی تھی۔ اور یہ مدرسہ حضرت زبیر بن العوام کے مزار کے متصل واقع تھا۔ معتصم باللہ کے اخیر زمانہ میں مدرسہ برباد ہوا، اور اُس کا تمام سامان بغداد میں منتقل ہوگیا۔ فخر الاسلام شاشی کے داماد، اور علامہ ابواسحٰق شیرازی کے شاگرد محمد بن قیان بن حامد بن الطیب ابوالفضل انباری عرصہ تک مدرس رہے ہیں جنھوں نے ۵۰۳ھ ۱۱۰۹ء میں وفات پائی۔

نظامیہ ہرات (۹)

افغانستان کے حد شمالی پر ہرات واقع ہے۔ عہد سلجوقیہ میں یہ شہر صوبہ خراسان میں بہت مشہور تھا۔ خواجہ نظام الملک نے جب مدرسہ بنایا۔ تو مدرسہ کے لیے محمد بن علی بن حامد فقیہ کو غزنیں سے طلب کیا۔ تمام شہر کو سخت صدمہ ہوا۔ مگر مجبوراً وزیر اعظم کے حکم سے علامہ کو ہرات

جانا پڑا اور وہیں ۱۱۰۵ء؁ ۴۹۵ھ؁ میں انتقال کیا۔

نظامیہ بلخ (۱۰)

صوبہ خراسان میں بلخ ایک قدیم شہر ہی۔ منوچہر بن ایرج بن فریدوں نے آباد کیا تھا۔ آتشکدہ نوبہار اسی جگہ تھا جس کے متولی برامکہ تھے۔ عہد سلجوقیہ میں بہت آباد تھا چنانچہ سلطان سنجر سلجوقی کی مسجد کے آثار ہنوز موجود ہیں۔ مدرسہ نظامیہ بلخ بہت مشہور ہوا۔ اور صدیوں تک قائم رہا مشہور مدرس حسب ذیل ہیں۔

عبداللہ بن طاہر بن محمد بن شہفور اسفرائنی متوفی ۱۰۹۵ء؁ ۴۸۸ھ؁

عبداللہ بن عمر بن محمد بن الحسین بن علی، ابو القاسم بن الظریف بلخی۔

عمر بن احمد بن اللیث الطالقانی ابو حفص متوفی ۱۱۴۱ء؁ ۵۳۶ھ؁۔

نظامیہ طوس (۱۱)

صور الاقالیم تاریخ خراسان کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہی کہ خواجہ نے سب سے اول ایک مختصر مدرسہ طوس میں بنایا تھا۔ اور اُس کے بعد نظامیہ بغداد تعمیر کیا۔ اگر ایسا ہو تو تعجب نہیں ہی کیونکہ طوس خواجہ کا وطن اور مولد تھا اور ہر انسان کو سب سے اول اپنے گھر کی فکر ہوتی ہو۔ اس مدرسہ کے تفصیلی حالات نہیں معلوم ہو سکے''۔

افسوس ہی کہ نظامیہ کے ماتحت مدارس میں ہم نے صرف گیارہ مدرسوں کا ذکر کیا ہی حالانکہ

تمام مورخ اس پر متفق ہیں کہ عراق عرب، عجم، شام، بیت المقدس، دیار بکر وغیرہ میں کوئی ایسا شہر نہ تھا، جہاں خواجہ نظام الملک نے مدرسہ نہ بنایا ہو۔ لیکن مورخین کی کوتاہ قلمی سے آج ہم صرف شہروں کی فہرست بھی پیش نہیں کر سکتے ہیں۔ خواجہ نظام الملک کی سوانح عمری کو ہمنے طوس کے ذکر سے شروع کیا تھا۔ اور آج طوس پر کتاب کا خاتمہ کرتے ہیں۔

تم الکتاب، بحمد اللہ وفضلہ وعونہ وحسن توفیقہ وصلی اللہ علی سیدنا محمد وعلی آلہ وصحبہ وسلم۔

تمام شد



جلال الدولہ ملکشاہ سلجوقی

ضمیمہ

ترکمانی صولت اور مغلی جلادت ہم میں تھی
عزم کُردی ہم میں تھا بدوی حمیت ہم میں تھی

تذکرہ ملکشاہ سلجوقی

خواجہ نظام الملک کی سوانح عمری ختم ہوگئی۔ وزارت سے جسقدر سلطنت کا تعلق تھا، اُس کا بھی مجمل و مفصل بیان ہوچکا۔ لیکن ملک شاہ "رایل ہیروز آف اسلام" (نامور فرمانروایان اسلام) میں عموماً اور طبقہ سلاجقہ میں خصوصاً ایک ممتاز درجہ رکھتا ہی۔ اور سلاجقہ عراق میں تو "واسطۃ العقد" کا تمغہ خاص اُسی کے لیے ہی۔ لہذا مختصر پیمانہ پر ملک شاہ کی سوانح عمری پیش کی جاتی ہے۔ اور مفصل تذکرہ کے لیے ناظرین کو ہماری "تاریخ آل سلجوق" کا انتظار کرنا چاہیے۔ جس کا ایک معتدبہ حصہ لکھا جاچکا ہی۔

نسب نامہ، ولادت، تعلیم و تربیت، تخت نشینی ملک شاہ، سلطان الپ ارسلان سلجوقی کا سب سے بڑا بیٹا، اور چغری بیگ، داؤد کا پوتا ہی۔ دولت سلجوقیہ میں عروج و اقبال اور عظمت و جلال کا ملکشاہ کی ذات پر خاتمہ ہوگیا۔ یہ فخر خاندان بتاریخ ۱۹۔ جمادی الاول ٤٤٧ھ (جولائی ١٠٥٥ء) پیدا ہوا[1]۔ اور الپ ارسلان

---

[1] آل سلجوق اصفہانی صفحہ ۲۴

کے سایۂ عاطفت اور خواجہ نظام الملک کی اتالیقی میں تربیت پذیر ہوا۔ مشاہیر علما اس کے معلم رہے۔ تاریخوں[51] میں لکھا ہے کہ ملک شاہ عربی، فارسی نظم و نثر پر قادر تھا۔ اور شعر و سخن سے خاص دلچسپی رکھتا تھا[52]۔" اور باوجود کم عمری حسن ظاہری کی طرح صفات باطنی میں بھی ممتاز تھا۔ عقل و فراست کے ساتھ متانت پائی جاتی تھی۔ ملک شاہ ہنوز سترہ سالہ نوجوان تھا کہ سر سے باپ کا سایہ اٹھ گیا، نو عمری میں سریر سلطنت نے پاؤں چومے، اور چتر شاہی تاج پر جلوہ افگن ہوا۔ دسویں ربیع الاول ۴۶۵ھ (نومبر ۱۰۷۳ء) کو رسم تاج پوشی عمل میں آئی۔ اور تخت نشینی کے بعد سلطان[53] العادل جلال الدولہ ابو الفتح ملک شاہ کے نام سے مشہور عالم ہوا۔ اور خلافت بغداد سے سند حکومت کے ساتھ "یمین امیر المومنین" کا معزز خطاب بھی مرحمت ہوا۔ حرمین، بیت المقدس، بغداد، عراقین، ماوراء النہر اور شام میں ملک شاہ کا خطبہ پڑھا گیا۔ اور ملک میں سکہ جاری ہوا۔

حدود سلطنت ملک[54] شاہ کے زمانہ میں معین السلطنت خواجہ نظام الملک کی بدولت سلطنت کو فوق الغایت ترقی ہوئی۔ ماوراء النہر سے یمن تک اور حدود چین سے اقصائے شام تک سلجوقی پھریرہ اڑتا تھا۔ سلطنت روم باجگزار تھی۔ قیصر تین لاکھ دینار نذرانہ اور تیس ہزار جزیہ سالانہ ادا کرتا تھا۔ قسطنطنیہ کی ٹکسال کے طلائی و نقرئی سکے نیشاپور اور اصفہان کے بازاروں میں چلتے تھے۔ مختصر یہ ہے کہ خلفاء متقدمین کے بعد اسلام میں دولت سلجوقیہ سب سے بڑی سلطنت تھی۔

---

[51] نامۂ دانشوران ناصری صفحہ ۲۰، تاریخ علم ادب فارسی پروفیسر براؤن [52] ملکشاہ کی یہ رباعی تذکروں میں درج ہے جس سے انداز کلام معلوم ہوگا ے بوسہ دہ یار دوش بر دیدہ من ÷ اور رفت از و بماند تر دیدۂ من ÷ زان ادبرایں دیدگا ریتم بوس ÷ کو چہرۂ خویش دیدہ در دیدۂ من

[53] آل سلجوق حالات ملکشاہ [54] آل سلجوق و کامل اثیر ابن خلکان۔

بغاوت و فتوحات تخت نشینی کے بعد سلطان کے چچا قاوردبیگ نے بغاوت کی اور شکست کھائی۔ ۴۷۳ھ ۱۰۸۰ء میں حقیقی بھائی تکش برسر مقابلہ ہوا، اور ذلت اٹھا کر صلح پر فیصلہ کیا۔ ۴۷۱ھ ۱۰۷۸ء میں سلیمان خاں، خاقان سمرقند نے سرکشی کی جس کے لیے خود سلطان کو جانا پڑا تھا۔ جنگ اور نتیجہ کی تصویر ملک الشعرا امیر معزی نے اس طرح پر کھینچی ہے۔

فتح سمرقند

خدائے ہر چہ دہد بندہ را ز فتح و ظفر ۔۔۔ بدین پاک دہد یا بہ عقل یا بہ ہنر

ببیں کہ از ظفر تیغ شہ بشرق و بغرب ۔۔۔ ہزار گونہ دلیل است و صد ہزار اثر

چو ز آب جیحوں بگذشت روزگار نبرد ۔۔۔ کشید تا بسمرقند رایت و لشکر

کشادہ کرد سمرقند را بروز نخست ۔۔۔ بچشم عدل سوے خاص و عام کرد نظر

چو دید خصم کہ دادند شہر و آمد شاہ ۔۔۔ گرفت راہ حصار و ز شاہ کرد حذر

ز ہر او سپہے بر حصار گرد شدند ۔۔۔ ہمہ سپہر تن و خاک صبر و کوہ جگر

سپاہ خویش پراگندہ کرد گرد حصار ۔۔۔ روانہ گشت ز ہر سو مبارزے دیگر

غبار تیرہ چو ابر و خدنگ چوں باراں ۔۔۔ سنان نیزہ چو برق و تبیرہ چوں تندر

فرو گرفتہ حصارے کہ گر کنم صفتش ۔۔۔ دراں صفت سخنم بگزرد ز وہم و فکر

چنانش کرد کہ بینندہ گفتی اے عجبا ۔۔۔ مگر بزلزلہ شد ایں حصار زیر و زبر

ہم از حصار کشیدند شاں بحضرت شاہ ۔۔۔ چنانکہ اہل گنہ را کشند در محشر

ہمہ کردہ پشیماں شدند و در مثل است ۔۔۔ کسے کہ بد کند آخر ز بد کشد کیفر

اگر گشادن روم و عرب عجائب بود
کنوں کشادن چین و چگل عجائب تر

جب[1] سلیمان خاں گرفتار ہو کر سامنے آیا تو اسپ سلطانی کا غاشیہ اس کے کندہوں پر رکھا گیا۔
اور سر پراز اسیاب (نام موضع) سے خاقان کے محلات تک ہمراہ رکاب دوڑتا ہوا آیا۔ پھر
سمرقند سے اصفہان کے قلعہ میں روانہ کر دیا گیا اور وہاں عرصہ تک قید رہا۔ یہ سلیمان کی سرکشی
کی انتہائی سزا تھی۔ ورنہ فتح ممالک کے بعد تاج بخشی ملکشاہ کا خاصہ تھا۔ جیسا کہ قیصر روم اور
دیگر خواقین و سرداران عرب کے ساتھ کیا گیا۔ ملک شاہ کے عہد میں بغاوتیں کمتر اور فتوحات
اکثر ہوئیں۔ امیر برسق[2] کی سپہ سالاری میں روم پر فوج کشی ہوئی، قیصر نے خراج دینا تسلیم کر لیا
تاج الدولہ[3] تتش (برادر سلطان) نے حلب، حران، رہا، قلعہ جابر، منبج، لاذقیہ، کفرطاب،
فامیہ پر قبضہ کر کے ملک شام کو مستحکم کر دیا۔ سعد اللہ گوہرآئین نے زبید و عدن اور بلاد یمن کو
فتح کیا۔ مصر و بلاد مغرب پر بھی فوج کشی ہوئی۔ اب ان فتوحات کو نقشہ میں دیکھو تو معلوم ہو گا کہ کاشغر
سے بیت المقدس تک طول میں اور قسطنطنیہ سے بلاد الخزر تک عرض میں سلطنت پھیلی ہوئی ہے۔

ملکی دورہ ملک شاہ کو سیر و سیاحت کا بہت شوق تھا جس کی تفصیل رسالہ ملکشاہی[4] میں ہے،
روضۃ الصفا میں لکھا ہے کہ "سلطان نے انطاکیہ سے جند (ماوراء النہر) تک دو مرتبہ دورہ کیا"
اور گبن صاحب لکھتے ہیں کہ "ملک شاہ نے ملک کے اس حصہ میں جس پر کیخسرو اور خلفاء حکمراں تھے

[1] آل سلجوق صفحہ ۵۲ و ۵۳ [2] آل سلجوق صفحہ ۶۶ و ۶۷ [3] ابن خلدون [4] یہ ملکشاہ کا سفرنامہ ہے۔ جو خود اس نے لکھا ہے۔ اس کتاب کے حوالے تاریخوں میں ملتے ہیں۔ ایک نسخہ انڈیا آفس لنڈن میں ہے۔

بارہ مرتبہ دورہ کیا۔" لیکن سرجان مالکم صاحب کی رائے کے مطابق، اس سیر و سیاحت سے وہ ممالک خارج ہیں جو سلطان کے باجگزار اور زیر اثر تھے۔ اور اگر وہ شامل کیے جائیں تو بارہ مرتبہ ان میں دورہ کرنا محال ہے۔ ہمارے نزدیک بھی یہ رائے صحیح ہے۔ سلطان نے صرف عراق عجم اور عرب کے مشہور شہروں کا دورہ کیا تھا۔ ۴۷۲ھ/۱۰۷۹ء میں کرمان کا سفر کیا۔ اور تین مرتبہ[3] دارالسلام بغداد میں حاضر ہوا جس کی تفصیل یہ ہے۔

۱۔ اول[4] مرتبہ چوتھی ذی الحجہ ۴۷۹ھ (مارچ ۱۰۸۷ء) کو داخل بغداد ہوا۔ وزیر السلطنۃ ابوشجاع نے خلیفہ المقتدی بامر اللہ کی طرف سے شاندار استقبال کیا۔ داخلہ کے تیسرے دن سلطان نے حَلْبَہ (شرقی بغداد میں باب الازج کے قریب ایک محلہ ہے) میں پولو (چوگاں بازی) کھیلا۔ خلیفہ نے عمدہ عمدہ گھوڑے نذرانہ میں پیش کیے۔ اور ۷، محرم ۴۸۰ھ (اپریل ۱۰۸۷ء) کو قصر خلافت میں سلطان نے خلیفہ سے ملاقات کی اور تقریباً چالیس ارکان سلطنت و رشتہ داران سلطان خلیفہ کے حضور میں نام بنام پیش کیے گئے۔ سلطان کو سات پارچہ کا خلعت اور طوق و کنگن مرصع مرحمت ہوا۔ اور دو تلواریں گلے میں حمائل کی گئیں۔ جس کے شکریہ میں سلطان آداب بجا لایا اور مسندہٗ شریفہ کو دو مرتبہ بوسہ دیا۔ اسی زمانہ[5] میں سلطان نے امام موسیٰ رضا، حضرت معروف کرخی، امام احمد بن حنبلؒ اور امام ابوحنیفہؒ کے مزارات کی بھی زیارت کی۔ فاتحہ پڑھا۔ فقراء اور مساکین کو صدقات دیئے گئے۔ اور مہینہ صفر ۴۸۰ھ/۱۰۸۷ء میں خراسان کو واپس گیا۔

۲۔ دوسری مرتبہ بتاریخ ۲۸ رمضان ۴۸۴ھ (اکتوبر ۱۰۹۱ء) پھر آیا۔ اور ۱۰[6] ذیقعدہ یوم

[4] ابن خلکان جلد اول حالات ملکشاہ۔ [5] آل سلجوق صفحہ ۷۳، وکامل جلد ۱۰ صفحہ ۵۰۔ [6] کامل جلد ۱۰ صفحہ ۶۰ و ۶۹

پنجشنبہ (یکم جنوری ۱۰۹۲ء) کو جامع سلطان کی بنیاد ڈالی۔ بہرام منجم نے سمت قبلہ قائم کی۔ اور محفل میلاد بڑی دہوم سے کی گئی۔ شعرا نے قصائد پڑھے۔ خواجہ نظام الملک دونوں مرتبہ ہمراہ تھا۔

تیسری مرتبہ ۲۴ رمضان ۴۸۵ھ (۲۸-اکتوبر ۱۰۹۲ء) کو بعد انتقال خواجہ نظام الملک داخل بغداد ہوا۔ اور اسی جگہ مہینہ شوال میں انتقال کیا۔

فوج شاہی مسٹر گبن نے دولت سلجوقیہ کے صرف سواروں کی تعداد سینتالیس ہزار[47] لکھی ہے اور نامہ خسرواں کی روایت ہے کہ دارالسلطنت میں ہروقت پچاس ہزار سوار موجود رہتے تھے۔ غالباً انگریزی مورخوں نے ایسی ہی روایات پر قیاس کر لیا کہ فوجی قوت صرف اسیقدر تھی۔ ہر سلطنت میں دارالسلطنت کے علاوہ تمام صوبوں اور سرحد کی چھاؤنیوں میں فوج رہا کرتی ہے، اور جس بادشاہ کی سلطنت اس قدر وسیع ہو۔ اُس کے پاس صرف چھیالیس[46] سینتالیس ہزار سوار ہوں یہ قرین قیاس نہیں ہے۔ اگرچہ فیوڈل سسٹم کی وجہ سے فوج نظام دولت سلجوقیہ میں کم تھی، مگر باوجود اس کمی کے چار لاکھ مستقل فوج تھی جس میں غالباً سوار اور پیادے دونوں شامل ہونگے۔ اور یہ تعداد خواجہ نظام الملک نے سیاست نامہ میں لکھی ہے۔ اور اس کے علاوہ ضرورت کے وقت کافی فوج مہیا ہو جاتی تھی۔ اور باوجود کثرت فوج، کوچ و مقام میں ہر جنس کا نرخ ارزاں رہتا تھا جس سے محکمہ کمسریٹ کی خوبی کا اندازہ ہوتا ہے۔

خراج سلطنت تمام سلطنت کی کسقدر آمدنی تھی۔ یہ نہیں معلوم ہو سکی۔ مگر سلطان کی ذاتی جاگیر کی آمدنی اکیس[21] ہزار تومان زر رکنی اور بیس[20] ہزار دینار صرف خاص تھا۔

---

[51] ابن خلکان حالات ملکشاہ [52] نگارستان ۱۲۔

صیغۂ رفاہ عام | ملک شاہ کو رعایا کی فلاح اور ملک کی آبادی کا از حد خیال تھا۔ ہر ضلع میں شفاخانہ۔ سرائیں ہ مدارس موجود تھے۔

زراعت و تجارت | ترقی زراعت[1] کے لیے تمام ملک میں نہروں کا جال پھیلا دیا تھا۔ اور ترقی تجارت کے لیے سڑکیں بنائی گئی تھیں جنگلوں میں سرائیں موجود تھیں پل بنائے گئے تھے اور حفاظت کے واسطے پولیس کی چوکیاں قائم تھیں۔

امن و امان | سلطان[2] کا عہد دولت نہایت پرامن تھا۔ ماوراالنہر سے اقصائے شام تک قافلے بلاخوف و خطر آتے جاتے تھے۔ اور یہی حالت اکا دکا مسافروں کی تھی۔ خوشحالی، رفاہیت اور امن و امان میں ملک شاہ کا عہد حکومت رومی، اور عربی حکومتوں سے کم نہ تھا۔

معافی چنگی | ترقی تجارت[3] کی غرض سے سلطان نے تمام ملک کی چنگی معاف کر دی تھی۔ اور یہ محصول اس عہد میں مکوس کے نام سے مشہور تھا۔

فارسی علم ادب و علم خط کی ترقی | آل سلجوق[4] کے ابتدائی دور میں دفتر عربی زبان میں تھا۔ لیکن وزیر عمید الملک کندری نے فارسی میں تبدیل کر دیا تھا۔ چنانچہ علاوہ دفاتر کے فارسی علم ادب کو بڑی ترقی ہوئی تھی۔ اور چونکہ ملک شاہ خود شاعر تھا لہذا مشاہیر شعرا کا دربار میں مجمع رہتا تھا اور ادبی ترقیات کے ساتھ خوشنویسی اور خطاطی کی طرف بھی عام توجہ تھی۔ کیونکہ اس عہد میں شاہزادوں اور امرا و وزرا کی اولاد کو خوشنویسی خاص طور پر سکھائی جاتی تھی۔ اور دفتر انشا کی ملازمت کے لیے خوشنویسی لازمی تھی۔ چنانچہ خواجہ نظام الملک بھی خط نستعلیق اور رقاع میں استادی کا

[1] ابن خلکان و کامل [2] سر ہنری ایٹ اسٹریل سید امیر علی [3] کامل ابن اثیر ابن خلکان — [4] دولت شاہ سمرقندی

درجہ رکھتا تھا۔ یہ عنوان نہایت وسیع ہے جس کی تفصیل تاریخ آل سلجوق میں ہے لیکن تاہم ابوالمعالی نحاس اور امیر معزی کے چند منتخب اشعار جو سلطان کی مدح میں ہیں نذر ناظرین کیے جاتے ہیں

ابوالمعالی نحاس

جسم او را لطف روح و روح او را فعل نفس — نفس او را فعل عقل و عقل او را نور دیں

طبع او باد ست و جودش آب و این غالب بر آں — حلم او طین ست و خشمش نار و آں غالب بر ایں

گر شگفت ست اینکہ مستولی شود بر باد آب — ایں شگفتی نہ کہ آید نار در فرمان طیں

آتشے کاندر را زل مر خاک را سجدہ نکرد — پیش خاک اکنوں ہمی مالد بخاک اندر جبیں

علم روحانیست اخلاق تو بے تعلیم کس — اے عجب در جسم تو روح ست یا روح الامیں

آسماں فیروزہ گوں شد، تا نگیں سازی ازو — چوں نگیں سازی ز چیزی کت بود زیر نگیں

امیر مُعِزّی

خسرو عادل ملک شاہ آنخداوندے کہ ہست — زیر رائے و رایت او شرق و غرب و خیر و شر

از مدار چرخ و حکم زہرہ و بہرام و تیر — و ز مسیر ہرمز و کیوان و سیر ماہ و خور

شانزدہ چیز تو باقی باد تا گیہاں بود — با تو باد آں شانزدہ ہم در سفر ہم در حضر

ملک[۱] و دین[۲] و تخت[۳] و بخت[۴] و کلک[۵] و مہر[۶] و تیغ[۷] و جام[۸] — عز[۹] و جاہ[۱۰] و عمر[۱۱] و مال[۱۲] و نام[۱۳] و کام[۱۴] و فخر[۱۵] و فر[۱۶]

صلاح رصد ملک شاہ[۵۱] نے سنہ فارسی یزدجردی میں اصلاح کی اور سنہ جلالی ملکشاہی جاری کیا۔ جس کی مفصل تاریخ عمر خیام کے حالات میں تحریر ہے۔ بارہ مہینوں کے جدید نام یہ تھے۔

---

[۵۱] تذکرہ خوشنویسان مولانا غلام محمد ہفت قلمی دہلوی [۵۲] تاریخ التواریخ جلد اول صفحہ ۷۹۔

ماہ نو، نوبہار، گرما فزا، روز افزوں، جہانتاب، جہاں آرا، مہرکاں، خزاں، سرما فزا، شب افروز، آتش افروز، سال افزوں۔

ذاتی شوق | ملک شاہ کے روزمرہ کے مشاغل میں سب سے زیادہ دل خوش کن شکار کا شوق تھا۔ روضۃ الصفا میں لکھا ہے کہ "ایران و توران کی شکارگاہوں میں سے کوئی ایسی جگہ باقی نہیں ہے، جہاں ملکشاہ کے نعل اسپ کے نشانات نہ ہوں"۔ شکار کا ایک باضابطہ رجسٹر تھا جس میں روزانہ شکار کی تعداد درج ہوا کرتی تھی۔ مصنف راحت الصدور نے خود اس رجسٹر کو دیکھا تھا جس کا نام "شکارنامہ" تھا۔ اور یہ رجسٹر مشہور شاعر ابو طاہر خاتونی مصنف مناقب الشعراء کا لکھا ہوا تھا"۔ ملکشاہ نے عمر بھر میں دس ہزار شکار کیے۔ جو کمال تیراندازی کی دلیل ہے۔ اور چونکہ شکار محض شوقیہ اور بلاضرورت ہوا کرتا تھا۔ لہٰذا ملکشاہ نے خوف خدا سے ڈر کر یہ قاعدہ مقرر کر دیا تھا کہ فی شکار ایک دینار (پانچ روپیہ) صدقہ دیا کرتا تھا۔

شکار کی یادگار | تاریخ آل سلجوق میں لکھا ہے کہ ایک مرتبہ کوفہ میں سلطان کا قیام تھا کہ حج کے واسطے قافلہ روانہ ہوا۔ سلطان بھی بنظر حصول ثواب قافلہ کی مشایعت میں چلا اور چند منزلوں تک برابر چلا گیا۔ رستہ میں شکار بھی خوب ہوا تھا۔ لہٰذا سلطان نے حکم دیا کہ شکاری جانوروں کے سینگوں

سلہ تاریخ علم ادب فارسی پروفیسر براؤن صاحب سلہ تاریخ آل سلجوق میں لکھا ہے کہ سلطان کوفہ سے وادی العذیب گیا۔ وہاں سے سبعیہ پہنچا پھر سبعیہ کے واقصہ گیا۔ اور اسی جگہ مینار بنایا گیا۔ کوفہ سے مکہ معظمہ کو جاتے ہوئے یہ سب مشہور منزلیں ہیں چنانچہ واقصہ سے کوفہ تین دن کی راہ ہے، اور یہ ایک کشادہ میدان ہے جہاں پانی کی افراط ہے۔ اور کتب جغرافیہ میں اس کا نام واقصۃ الحزون بھی ہے۔ ابن جبیر کا بیان ہے کہ اینٹوں کا منارہ ہے اور عمود کی شکل ہے۔ منارہ میں چوبیس اور ہشت پہل خاتم بندی کی ہوئی ہے۔ تمام منارہ پر ہرن کے سینگ نصب ہیں اور دور سے سیاہی (خارپشت) کی پیٹھ کی طرح چمکتا ہے۔

اور گھروں سے بطور یادگار ایک مینار بنا یا جائے۔ چنانچہ واقصہ سے بڑہ کر قرعار کے نزدیک منارہ بنایا گیا۔ اور اسکا نام "منارۃ القرون" رکھا گیا۔ مصنف تاریخ آل سلجوق نے لکھا ہی کہ یہ منارہ ہمارے زمانہ میں (۶۲۳ھ) موجود ہی۔ لیکن سفرنامہ ابن جبیر اور ابن بطوطہ میں بھی واقعات سفر مدینہ منورہ اور نجف اشرف میں اس منارہ کا ذکر ہی۔ لیکن ان سیاحوں کو کسی نے اس منارہ کے تاریخی حالات نہیں بتائے۔ اسی قسم کا دوسرا منارہ ترکستان میں تھا جسکا موقع نہیں معلوم ہوا۔

مجالست علماء و شعراء | سلطنت کے کاموں سے جب فرصت ملتی تو جلسہ احباب میں بیٹھتا، یا علماء و شعراء کا مجمع ہوتا۔ ہر ایک سے اُسی کے مذاق کے مطابق گفتگو کیا کرتا۔ علماء کی سفارشات ہمیشہ منظور ہوا کرتی تھیں۔ چنانچہ اسی خیال سے خلیفہ المقتدی نے ۴۸۲ھ میں شیخ ابو اسحق کو دربار میں بھیجا اور شیخ نے ابو الفتح بن اللیث عمید عراق کی بہت سی شکایتیں کیں۔ چنانچہ شیخ کی مرضی کے مطابق حکم دیدیا[۵۱]۔ اور امام الحرمین کے ساتھ جو واقعہ گزرا، اس کی تفصیل خواجہ کے حالات میں موجود ہی۔

حج خانہ کعبہ | ۴۷۹ھ میں[۵۲] بڑی شان و شوکت سے حج کے لیے روانہ ہوا۔ اور چونکہ براہ کوفہ گیا تھا لہذا سبعیہ (وادی السباع) سے چلکر واقصہ میں ایک کنواں بنوایا، جسکا نام تاریخ نزہت القلوب[۵۳] میں چاہ قودن[۵۴] لکھا ہی۔ یہ کنواں پندرہ گز مربع میں ہی۔ جس کا عمق چار سو گز ہی۔ اور بالکل سنگلاخ زمین پر بنایا گیا ہی۔ اور یہی مورخ لکھتا ہی کہ زبیدہ خاتون کے بعد ملکشاہ

---

[۵۱] کامل اثیر جلد ۱۰ صفحہ ۲۴ [۵۲] گنج دانش صفحہ ۱۲۱ [۵۳] نزہت القلوب تذکرہ منازل نجف اشرف [۵۴] قودن ملکشاہ کا ایک مشہور غلام تھا۔ غالباً اس کی نگرانی میں یہ چاہ طیار ہوا ہوگا۔ اور اسی نسبت سے چاہ قودن مشہور ہوا۔

سلجوقی نے مکہ معظمہ کے رستہ میں تالاب اور حوض بنائے تھے۔ تاریخ کامل وغیرہ میں لکھا ہے کہ خانہ کعبہ کے رستہ میں جس قدر مشکلات تھیں وہ سب ملکشاہ نے حل کر دی تھیں۔ حجاج کے قیام کے واسطے سرائیں بنوائی گئیں۔ اور چاہات آبنوشی پر خاص توجہ کی گئی۔ امیر الحرمین (شریف مکہ) نے ہر حاجی پر سات دینار زر سرِ ٹیکس مقرر کیا تھا۔ وہ سلطان نے موقوف کر دیا۔ اور اس معاوضہ میں امیر الحرمین کو جاگیر دیدی[1]۔

تعمیرات | سلطان کو محلات اور قلعہ جات بنانے کا بڑا شوق تھا۔ دارالسلطنت اصفہان کو اعلیٰ درجہ کی عمارات سے آراستہ کر دیا تھا۔ اور قلعہ تبرک اور دژکوہ اس کی یادگار ہیں۔ سلطان نے بڑے شہروں کے گرد فصیل بھی بنوائی تھی۔ اور قدیم قلعے جو منہدم یا مرمت طلب ہو گئے تھے۔ اُن کی ہمیشہ تجدید ہوا کرتی تھی۔ جغرافیہ گنج دانش میں جابجا اسکا تذکرہ ہے۔ اسی طرح باغات لگانے کا بھی شوق تھا۔ اور اصفہان کے باغات بہت مشہور ہیں۔

ملکی نظم ونسق | ایک مہذب اور متمدن سلطنت کا جیسا عمدہ انتظام ہونا چاہیئے وہ موجود تھا۔ اور یہ تمام انتظامات خواجہ نظام الملک وزیر اعظم کے سپرد تھے جس کی تفصیل خواجہ کے حالات میں موجود ہے۔ مختصر یہ ہے کہ دیوانی عدالتیں اور سیاسی محکمے فقہا اور قضاۃ کے ہات میں تھے۔ اور مالی انتظام خواجہ نظام الملک کی اولاد کے سپرد تھا۔ اور فوجی صیغہ میں عموماً ترک تھے جو سلطان کے رشتہ دار تھے یا معتبر غلام۔

خانگی زندگی | ملک شاہ کی پہلی شادی، الپ ارسلان نے اپنی حیات میں (جنگ قیصر

---

[1] روضۃ الصفا تذکرہ ملکشاہ۔

کے بعد) کی تھی۔ جس کی نسبت روضۃ الصفا میں لکھا ہے کہ خاقان اعظم نے مہد ہمایوں کا ڈولہ بڑی شان و شکوہ سے نیشاپور روانہ کیا تھا۔ اور جب دلہن داخل شہر ہوئی ہے تو تمام شہر آراستہ کیا گیا تھا۔ ایک ہزار ترکی غلام ڈولہ کے جلو میں تھے اور ہر ایک کے ہات میں ایک نادر تحفہ ترکستان کا تھا۔ مشک، عنبر، عود، کافور کی گولیاں جلوس پر نثار کیجاتی تھیں۔ دوسرا عقد ۴۵۶ھ میں ترکان خاتون[1] سے خود سلطان نے کیا تھا۔ یہ سب سے معزز اور مقتدر بیگم تھی۔ اور ملکی انتظام میں دخیل تھی۔ محمود اسکا بیٹا تھا۔ تیسرا عقد زبیدہ[2] سے ہوا تھا جو ملک شاہ کے چچا یاقوتی بن داؤد کی بیٹی تھی۔ برکیارق اس کے بطن سے تھا اور خواجہ نظام الملک اسی کو ولیعہد سلطنت کرنا چاہتا تھا۔ اور ترکان خاتون اپنے نابالغ بیٹے محمود کو چاہتی تھی۔ یہی بنا مخاصمت[3] تھی جس نے نظام الملک کو وزارت سے معزول کرایا۔ اور ملک شاہ کے انتقال پر یہی دونو شاہزادے خانہ جنگی کا باعث[4] ہوئے۔ ملکشاہ نے قیصر روم "الکسس کامنی نس" کی حسینہ و جمیلہ دختر سے شادی کا پیام دیا تھا۔ اور باجگزار قیصر اس رشتہ کو مسرت سے منظور کر لیتا۔ مگر سلطان کی قبل از وقت موت نے مشرق و مغرب کے اتحاد کو روک دیا[5]" لیکن مسٹر گبن تحریر کرتے ہیں کہ خود شہزادی نے اس درخواست کو نامنظور کر دیا" محققین کے نزدیک یہ رائے صداقت سے دور ہے۔ بات دراصل یہ ہے کہ سلطان کی موت نے نامہ و پیام کا خاتمہ کر دیا تھا۔ ورنہ اس سے بڑھ کر قیصر کے لیے اور کیا عزت ہو سکتی تھی۔ ابن خلکان کی روایت سے پایا جاتا ہے کہ سلطان نے رے کی

---

[1] دیکھو نوٹ صفحہ ۱۷۰۔ ترکان خاتون [2] کامل اثیر [3] دیکھو صفحہ ۱۷۰-۱۷۲ [4] دیکھو نوٹ مندرجہ صفحہ ۱۷۱ [5] تاریخ سراسین ازانٹ آنریبل سید امیر علی۔

ایک مغنیہ سے بھی عقد کیا تھا۔ یہ مغنیہ گانا سنانے آئی تھی۔ مگر سلطان اس کے حسن و جمال پر
فریفتہ ہوگیا اور اپنی محبت کا اظہار کیا۔ مغنیہ سلطان کا منشا سمجھکر بولی کہ حضور مجھ ایسی حسین
عورت جہنم کا ایندھن بنے یہ میری غیرت تقاضا نہیں کرتی۔ اور حلال و حرام میں صرف
ایک کلمہ ہی کا توفرق ہے۔ اس برجستہ جواب[1] پر سلطان نے عقد کر لیا۔

محبت اولاد سلطان کو اپنی اولاد سے غیر معمولی محبت تھی۔ جب شاہزادہ داود کا انتقال
ہوا، تو فرط غم سے تجہیز و تکفین ملتوی کر دی۔ جب نعش متعفن ہوگئی تو امراء نے دفن کی۔ اور سلطان
کو ہلاکت سے بچایا۔ جب سنجر کی ولادت ہوئی، تب سلطان کا غم غلط ہوا۔[2]

خلفاء عباسیہ سے رشتہ داری سب سے اول ۴۴۸ھ؁ (۱۰۵۶ء) میں طغرل بیگ نے اپنی بھتیجی ارسلان خاتون
کا عقد خلیفہ القائم بامر اللہ سے کیا تھا۔ اور ۴۶۴ھ؁ (۱۰۷۱ء) میں[3] الپ ارسلان نے اپنی دختر "صفری خاتون"
کا عقد المقتدی بامر اللہ سے کر دیا۔ اور ۴۸۰ھ؁ (۱۰۸۷ء) میں ملکشاہ نے بھی اپنی ایک بیٹی کا عقد المقتدی
سے کیا۔ یہ رشتہ داری خلفاء عباسیہ کی مذہبی عظمت اور ارادت کی بنا پر ہوئی تھی اور ملکی
مصلحتیں بھی تھیں۔

منصف مزاجی معدلت گستری اور نصفت شعاری، ملکشاہ کا خاصہ تھا۔ اور اس کا عام لقب
سلطان العادل تھا۔ اس کا ہر فیصلہ انصاف پر مبنی ہوتا تھا۔ انصاف کے وقت، رشتہ دار اور
اغیار برابر تھے، تمام مورخین نے اس واقعہ کو بنظر استحسان دیکھا ہے کہ سلطان کا حقیقی بھائی تکش
باغی ہو کر مقابلہ کو آرہا تھا۔ اور سلطان بھی مدافعت کو جا رہا تھا کہ راستہ میں مشہد امام علی بن

---

[1] کامل اثیر جلد ۱۰ صفحہ ۴۱ [2] کامل جلد ۱۰ صفحہ ۲۴-۴۱ [3] شادی کے تفصیلی حالات میں دیکھو کتاب ہذا حصہ اول صفحہ ۱۷۵۔

موسیٰ رضا آگیا۔ سلطان نظام الملک کے ہمراہ روضہ کے اندر گیا اور فاتحہ پڑھ کر واپس ہوا اور خواجہ سے پوچھا کہ آپ نے کیا دعا مانگی۔ خواجہ نے کہا کہ میں نے آپ کی فتح و نصرت کی دعا مانگی ہے۔ ملکشاہ نے کہا کہ میں نے تو یہ دعا کی ہے کہ "اگر میرا بھائی مسلمانوں پر حکومت کرنے میں مجھ سے زیادہ صلاحیت رکھتا ہے تو خدا اس کو فتحیاب[1] کرے۔

۲۔ ایک[2] مرتبہ اصفہان کے جنگل میں شکار کھیل رہا تھا۔ کسی گاؤں میں قیام ہوا غلاموں نے ایک فربہ گائے کو لاوارث سمجھکر ذبح کیا، اور کباب بنائے۔ یہ گائے ایک بیوہ عورت کی تھی۔ اور تین بچوں کی پرورش اس کے دودھ سے ہوتی تھی۔ جب اُس نے یہ حال سُنا تو وہ بدحواس ہوگئی اور صبح کو زندرود (اصفہان کی مشہور نہر) کے پل پر آکھڑی ہوئی۔ جب سلطان سامنے آیا تو نہایت بیباکی سے بولی کہ اے الپ سلان کے بیٹے! "میرا انصاف نہر کے پل پر کریگا یا پل صراط پر؟ جو جگہ پسند ہو انتخاب کرلے"۔ سلطان گھوڑے سے اُتر پڑا اور کہا پل صراط کی طاقت نہیں ہے میں اسی جگہ فیصلہ کرنا چاہتا ہوں۔ چنانچہ کل حال سُنکر بیوہ عورت کو ستّر گائیں معاوضہ میں دیں اور جب اُس نے کہا کہ میں راضی ہوں تب گھوڑے پر سوار ہوا۔

(۳)۔ کسی امیر[3] کے غلام نے ایک غریب حبشی سے تربوز چھین کر اپنے آقا کو نذر کیا۔ حبشی نے سلطان سے شکایت کی اور تحقیقات پر تربوز برآمد ہوا۔ سلطان نے حال پوچھا تو امیر نے کہا کہ میرے سپاہی کہیں سے لائے تھے۔ سلطان نے اُن سپاہیوں کو طلب کیا تو

---

[1] کامل اثیر جلد ۱۰ صفحہ ۳۷۔ [2] زینۃ المجالس صفحہ ۱۳۳ [3] ابن خلکان حالات ملکشاہ۔

امیر نے عرض کیا کہ وہ کہیں باہر چلے گئے ہیں۔ سلطان نے امیر کے دروغ مصلحت آمیز کو سمجھ لیا تھا، لہذا حبشی سے کہا کہ یہ امیر میرا غلام ہی، اور میں تجھ کو تربوز کے بدلے میں انعام دیتا ہوں۔ چنانچہ امیر نے تین سو درہم (پچہتر روپیہ) دیکر حبشی کو رضامند کیا اور غلامی سے نجات پائی۔

زندہ دلی | ملک شاہ ایک زندہ دل اور باذاق سلطان تھا۔ ایک مرتبہ نیشاپور کے جنگل میں شکار کھیل رہا تھا، کہ اردلی کے سواروں سے الگ ہوکر ایک گاؤں میں جا پہنچا۔ شدت سے بھوکا تھا۔ لہذا کھانے کی فکر میں ایک کاشتکار کے پاس گیا جو اپنے کھیت میں ہل جوت رہا تھا۔ اور دونوں[1] میں اس طرح پر گفتگو شروع ہوئی

سلطان۔ میں مسافر ہوں بھوک نے خستہ کردیا ہی، تم میری دعوت کرسکتے ہو۔

کاشتکار۔ ہاں جناب! میرے پاس روٹیاں تو ضرور ہیں، مگر وہ میری خوراک سے زیادہ نہیں ہیں

سلطان۔ میں تیرا مہمان ہوں، فضول بک بک سے کوئی نتیجہ نہیں ہی۔

کاشتکار۔ سبحان اللہ! فضول گو وہی ہی جو زبردستی کا مہمان ہو۔

سلطان۔ میرا چاقو لیجاؤ۔ اور دو ٹکڑے روٹی کے تراش لاؤ۔

کاشتکار۔ حضرت معاف کیجئے! یہ مرصع دستہ کا چاقو کسی باورچی کو دکھائیے وہ روٹیوں کی قیمت میں لے لیگا۔

سلطان۔ میں خوشی سے چاقو دیتا ہوں اسے قبول کرو اور کھانا لاؤ۔

کاشتکار۔ میری آپ کی کبھی کی جان پہچان بھی نہیں ہی۔ آپ تشریف لیجاویں میں دعوت

[1] زینۃ المجالس صفحہ ۲۵۹۔

سے مجبور رہوں۔

یہ جواب سنکر ملک شاہ روانہ ہوگیا۔ جب تھوڑی دور نکل گیا تو کاشتکار دوڑا اور رکاب پکڑکر بوسہ دیا۔ اور عرض کیا کہ معافی کا خواستگار ہوں۔ مجھے مذاق کی عادت ہی۔ تشریف لے چلیے۔ چنانچہ سلطان واپس آیا۔ کاشتکار نے فوراً ایک بکری ذبح کرکے کباب لگائے اور اچھی طرح سے کھانا کھلایا۔ اور اپنی باتوں سے سلطان کو خوب ہنسایا۔ اس عرصہ میں اردلی کے سوار آگئے، سلطان روانہ ہوا۔ اور کاشتکار ہل جوتنے لگا۔ وقت رخصت سلطان نے کہا کہ دارالسلطنت میں حاضر ہونا۔ کاشتکار نے عرض کیا کہ مہمان سے روٹیوں کی قیمت لینا میرا شعار نہیں ہی۔ سلطان کو یہ جواب پسند آیا۔ اور وہی گاؤں جسکا وہ کاشتکار تھا جاگیر میں دیدیا۔

علمی شرافت | ملکشاہ کی آرزو تھی کہ شرفاء کی اولاد تعلیم پائے اور ادنی طبقہ کے لوگوں کو تعلیم نہ دیجائے۔ چنانچہ دو لاکھ درہم کا نذرانہ محض اس بنا پر نامنظور کردیا۔ جسکا مختصر واقعہ یہ ہی کہ دینور کے ایک کاشتکار نے خواجہ نظام الملک کو رضامند کرکے سلطان سے سفارش کرائی کہ اس کے بیٹے کو تعلیم کی اجازت دیدیجائے۔ سلطان خواجہ پر غضبناک ہوا اور کہا کہ "مجھے تمھاری سفید داڑھی اور خدمات قدیمانہ کا ادب مانع ہوا ورنہ آج تمھاری رسوائی میں کچھ شبہ نہ تھا۔ اگر میں یہ نذرانہ قبول کروں تو آیندہ زمانہ میں لوگ یہی کہیں گے کہ ملک شاہ نے رشوت لیکر نااہلوں کو حصول علم کی اجازت دیدی"[۵۱]

آخری ایام | ملک شاہ کی زندگی کے اخیر دو تین سال، نہایت افسردگی میں گزرے،

---

[۵۱] دولت شاہ سمرقندی صفحہ ۸۰۔ اور تاریخوں میں بھی یہ واقعہ نقل کیا گیا ہی

خصوصاً موت کا سال نہایت خراب تھا۔ خواجہ نظام الملک کی معزولی، اور تاج الملک کی وزارت اسی سال میں ہوئی۔ اور دفتر انشا کے بھی قدیم عمال میں رد و بدل کیا گیا۔ چنانچہ یہ انقلاب سزاوار نہ ہوا۔ سلطان کا بھی انتقال ہوا۔ اور محرم ۴۸۶ھ ۱۰۹۳ء میں تاج الملک بھی بری طرح سے قتل کیا گیا۔ فرقہ باطنیہ کا زور ہوا۔ اور خلیفہ المقتدی سے انتہائی مخالفت پیدا ہوئی۔ جس کا سبب یہ تھا کہ سلطان اپنے نواسہ ابوالفضل جعفر کو ولیعہد کرنا چاہتا تھا۔ اور خلیفہ نے اپنے دوسرے بیٹے مستظہر باللہ کو ولیعہد کر کے جعفر کو محروم کر دیا تھا۔ چنانچہ[1] خلیفہ کی معزولی کے لیے ۲۴ رمضان ۴۸۵ھ کو سلطان بغداد آیا اور ماہ صیام کے بعد ۳ شوال ۴۸۵ھ (۶ نومبر ۱۰۹۲ء) کو شکار کے لیے روانہ ہوا۔ نہر دجیل (مابین تکریت و بغداد) کے کنارے شکار کھیل رہا تھا۔ کہ بیمار پڑا۔ بیماری کی وجہ یہ بیان کیجاتی ہے کہ ایک دن گورخر شکار کیا تھا۔ اُس کے کباب خوب شوق سے کھائے۔ گرانی معدہ سے بخار آگیا اور نہایت شدت ہوئی، تب بغداد آیا۔ اطبا نے فصد لی۔ مگر کوئی نفع نہ ہوا۔ اور واپسی کے دوسرے دن ۱۵ شوال ۴۸۵ھ (۱۸ نومبر ۱۰۹۲ء) کو انتقال ہو گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون ٥ "

چون کہ ہای دشت عرب داں تو حال خلق — وقتی ز آب پُر شود و نوبتے تہی
ایں بر کہ حیات مسلم، تہی شود — از آب زندگانی واز نشر فرہی
دیر یست زود مرگ نباشد ازاں گریز — فرخندہ نیکنامی و خوش وقت آگہی

ترکان خاتون نے سلطان کے واقعہ موت کو چھپا دیا۔ اور نہایت خاموشی سے نعش

[1] تفصیل کے لیے دیکھو نوٹ مندرجہ صفحہ ۱۸۴ حصہ اول۔

اصفہان روانہ کردی۔ سلطان کا ذاتی اسباب، قصرِ خلافت میں بھیجدیا۔ اور امراء کو انعامات دیکر حکم دیا کہ شاہزادہ محمود کی جانشینی کی کوشش کیجائے۔ ملکشاہ اصفہان کے مدرسہ اعظم میں دفن کیا گیا۔ اور برکیارق و محمود میں خانہ جنگی شروع ہوگئی۔ لیکن ترکان خاتون نے ڈرکر ملک کو دو حصوں پر تقسیم کردیا۔ مگر برکیارق کی قسمت چمکی، اور ۴۸۶ھ ۱۰۹۳ء میں سات سال کی عمر میں محمود کا انتقال ہوگیا۔ اور برکیارق کل سلطنت کا مالک قرار پایا۔

ملک شاہ نے بیس سال تک حکمرانی کی۔ اور کچھ اوپر ۳۸ سال زندہ رہا۔ خلیفہ المقتدی[1] نے اظہار ماتم نہیں کیا۔ اور نہ کوئی رسم تعزیت عمل میں آئی۔ لیکن باستثنار بغداد اور تمام ملک نے ملکشاہ کا ماتم کیا۔ اور عرصہ تک مدارس و مساجد میں ایصال ثواب کے لیے قرآن خوانی ہوتی رہی۔ اور شعرار نے دلگداز مرثیے لکھے ؎

وزیدی اے صبا برہم زدی گلہاے رعنارا ۔۔۔ شکستی زاں میان شاخ گلِ نو رستہ مارا

---

[1] خلفاے عباسیہ میں سے بعض کا تذکرہ نظام الملک میں ہے۔ ایک شاعر نے تمام خلفاء کے نام نظم کر دیئے ہیں لہٰذا وہ نظم بطور یادگار درج کی جاتی ہے۔

از بنی عباس سی و ہفت بودندے امام ۔۔۔ گر سنان تیغ شاں شد سینۂ اعدا فگار
بود سفاح، انگہے منصور و مہدی و عقب ۔۔۔ ہادی و ہارون، امین مامون امام کامگار
معتصم، انگاہ واثق بعد ازو متوکل است ۔۔۔ منتصر پس، مستعین بود ست معتز پیشکار
مہتدی و معتمد پس معتضد، پس مکتفی ۔۔۔ مقتدر پس قاہر و راضی امام کامگار
متقی، مستکفی و انگہ مطیع و طائع است ۔۔۔ قادر و قائم، پس از وے مقتدی شد آشکار
بعد ازو مستظہر و مسترشد ست و راشد ست ۔۔۔ مقتفی، مستنجد انگش شیر گردوں شد شکار
مستضی و ناصر و ظاہر دگر مستنصر ست ۔۔۔ واخریں قوم مستعصم، بحکم کامگار

ملک شاہ کے انتقال پر دولت سلجوقیہ حسب ذیل طبقات پر تقسیم تھی

نام طبقہ	ایام سلطنت یوم ماہ سال	تعداد حکمراں	ابتدا و انتہا	مختصر کیفیت
طبقہ عراق	۱۶۱-۹-۱۵	۱۴	سنہ ۴۲۹ھ / ۱۰۳۷ء لغایۃ سنہ ۵۹۰ھ / ۱۱۹۴ء	یہ طبقہ سلاجقہ اعظم کہلاتا تھا جسپر ملک شاہ کے بعد برکیارق حکمراں ہوا۔
طبقہ کرمان	۱۵۰ — ۰۰	۹	سنہ ۴۳۳ھ / ۱۰۴۱ء لغایۃ سنہ ۵۸۳ھ / ۱۱۸۶ء	عماد الدین قرا ارسلان قاورد بیگ بن جغری بیگ داؤد اسکا بانی تھا۔
طبقہ روم	۲۳۲-۰-۰	۱۴	سنہ ۴۷۰ھ / ۱۰۷۷ء لغایۃ سنہ ۷۰۲ھ / ۱۳۰۲ء	یہ سلطنت ایشیاے کوچک میں قتلمش بن اسرائیل بن سلجوق اعظم نے قائم کی تھی۔

ان شاخوں کے علاوہ شام میں تتش بن الپ ارسلان اور کردستان میں مغیث الدین محمود حکمراں تھا۔ مگر یہ حکمراں درجہ اول کے جاگیرداروں میں داخل تھے۔ اور حقیقت میں سلاجقہ اعظم کے ماتحت تھے۔ ہر شاخ اپنی مستقل تاریخ رکھتی ہی جسکی تفصیل انشاء اللہ تاریخ آل سلجوق میں ہوگی۔"

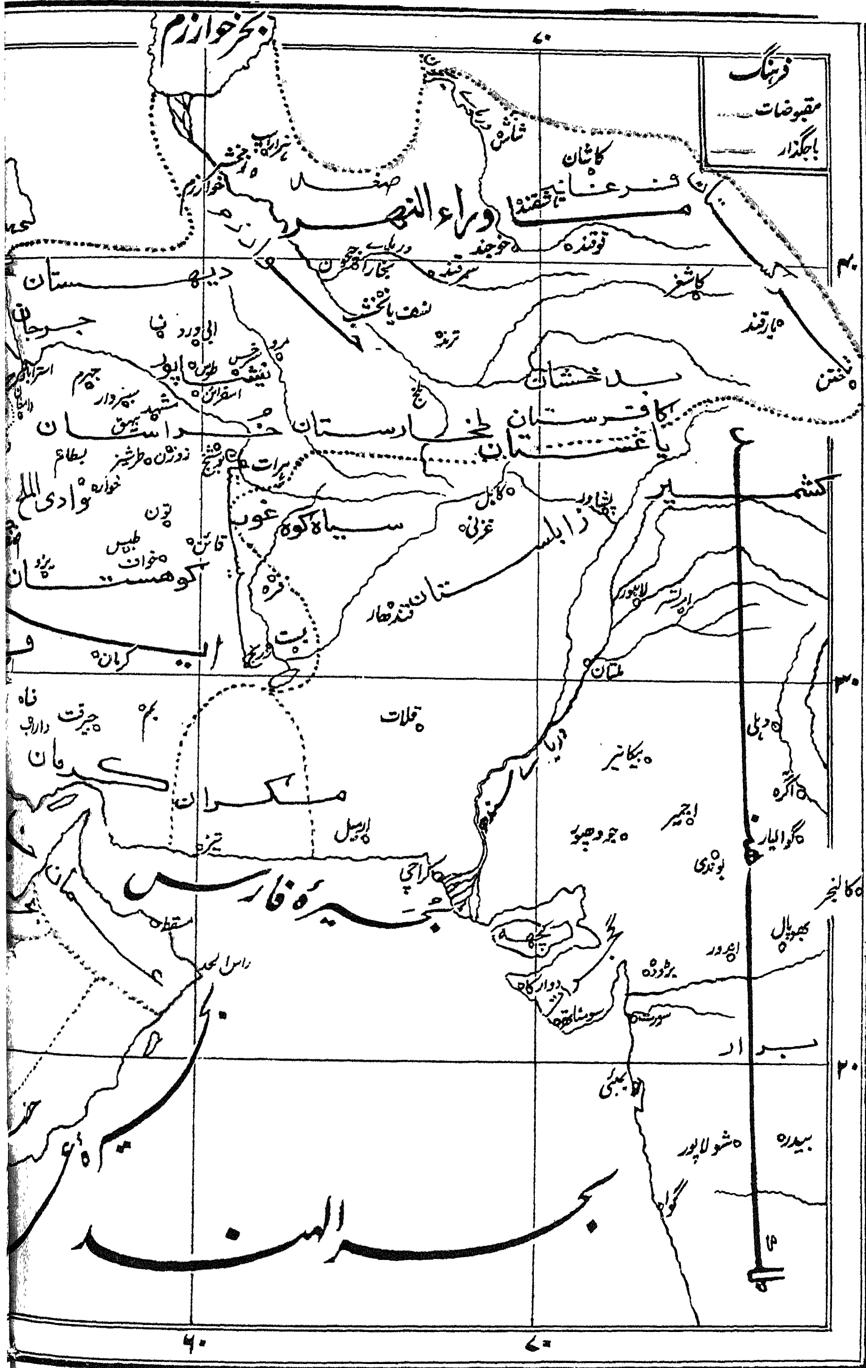
خاتمہ

اے خدا! تیرا شکر و احسان ہے کہ برسوں کی آرزو آج پوری ہوئی اور قلم کے مسافر کو خانۂ قلمدان میں دم لینے کا موقع ملا۔ میری ذات کے لیے یہ ایک دلچسپ مشغلہ تھا۔ لیکن ناظرین **البرامکہ** سے عفو قصور کا طالب ہوں، جن کو "**نظام الملک**" کا غیر معمولی انتظار کرنا پڑا۔ واقعہ یہ ہے کہ دسمبر ۱۹۰۷ء تک چار سو صفحات چھپ کر مسودہ کتاب ختم ہو گیا تھا۔ اور اسی زمانے میں ریاست **بھوپال** کے ایک بڑے پرگنہ کی تحصیلداری پر میرا تقرر ہوا۔ چنانچہ عامل پرگنہ ہو کر تاریخ **اسلام** کی جگہ کاغذات پٹواری، وصول مالگذاری اور فیصلہ مقدمات (مال، فوجداری، دیوانی) سے کام پڑا۔ تاہم راتوں کو جاگ کر یہ کتاب ختم کی گئی۔ اور ان دنوں تاریخ **آل سلجوق**، حیات **رشید اعظم** (ہارون الرشید عباسی) اور ایک قدیم **سفرنامہ** (اصل مع ترجمہ و حواشی) کی ترتیب و تالیف میں مصروف ہوں۔ خاتمہ اس دعا پر ہے کہ ارحم الراحمین نظام الملک کی عمر میں برکت دے۔ اور میری اس خدمت کو قبول کرے، آمین!

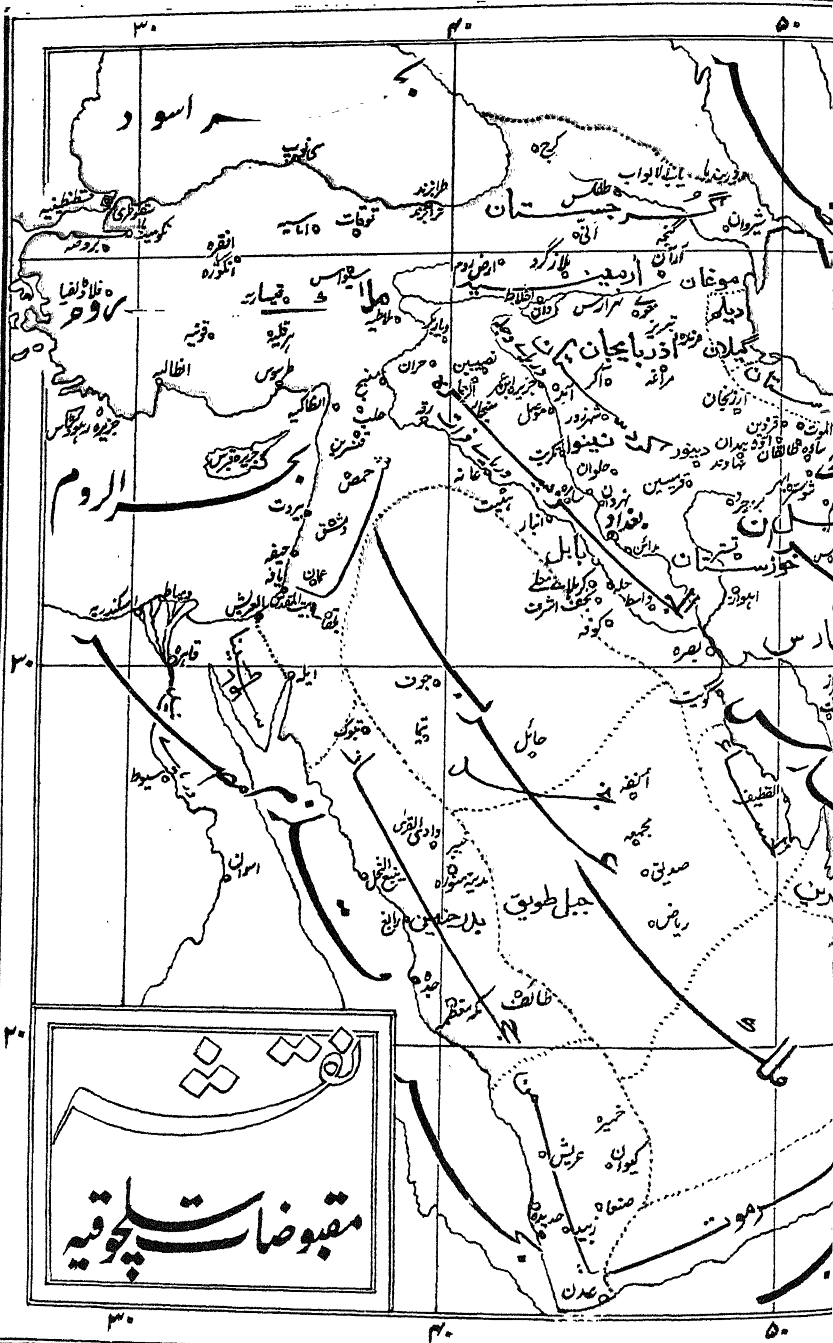
یوم دوشنبہ ۲۰ ذی الحجہ ۱۳۲۷ھ
مطابق ۳ جنوری ۱۹۱۰ء و ۲
اسفندار ۸۳۳ جلالی ملکشاہی

خاکسار
محمد عبد الرزاق ابن منشی الٰہی بخش
صاحب مرحوم رمال و منجم ہند۔ کانپوری

قلعہ بیگم گنج (سیواس) بھوپال (سنٹرل انڈیا)۔



بحر خوارزم
فرہنگ
مقبوضات
باجگذار
ماوراء النہر
فرغانہ
صغد
کاشان
خوارزم
ہزاراسپ
خجند
سمرقند
بخارا
نخشب
ترمذ
کاشغر
یارقند
ختن
بدخشان
کافرستان
یاغستان
طخارستان
خراسان
دیہستان
جرجان
ابیورد
نیشاپور
مرو
سرخس
طوس
اسفرائن
سبزوار
بیہق
ترشیز
زوزن
بوشنج
ہرات
غور
سیاہ کوہ
کابل
غزنی
پشاور
زابلستان
قندھار
قائن
طبس
خواف
تون
کوہستان
وادی الملح
بم
جیرفت
کرمان
مکران
قلات
کراچی
بحیرہ فارس
عمان
کشمیر
لاہور
امرتسر
ملتان
دہلی
آگرہ
گوالیار
بیکانیر
اجمیر
بوندی
کالنجر
بھوپال
اندور
بڑودہ
کچھ
سومنات
سورت
برار
بمبئی
شولاپور
بیدر
گوا
بحر الہند
۷۰
۴۰
۳۰
۲۰
۶۰


۳۰
۴۰
۵۰
۲۰
بحر اسود
گرجستان
کرج
طفلس
باب الابواب
شیروان
آنی
ملازگرد
ارض روم
ارمینیہ
موغان
دیلم
اخلاط
تبریز
مراغہ
آذربائجان
گیلان
زنجان
قزوین
الموت
ساوہ
ہمدان
دینور
نہاوند
قرمیسین
بروجرد
خوزستان
اہواز
فارس
سینوب
طرابزند
توقات
اماسیہ
قسطنطنیہ
نکومیدیا
بروصہ
انقرہ
سیواس
قیساریہ
ملطیہ
روم
قونیہ
انطالیہ
طرسوس
انطاکیہ
منبج
حلب
قنسرین
حران
نصیبین
جزیرہ ابن عمر
موصل
رقہ
اربل
شہرزور
نینوا
تکریت
حلوان
بغداد
سامرہ
انبار
ہیت
عانہ
بابل
کربلائے معلی
نجف اشرف
حلہ
واسط
کوفہ
بصرہ
کویت
القطیف
جزیرہ قبرس
بحر الروم
جزیرہ رہوڈس
حمص
بیروت
دمشق
حیفہ
یافہ
عمان
بیت المقدس
عریش
دمیاط
اسکندریہ
قاہرہ
اسیوط
اسوان
ایلہ
تبوک
جوف
تیما
حائل
نجد
مجمعہ
صدیق
ریاض
جبل طویق
وادی القری
خیبر
مدینہ منورہ
ینبع النخل
رابغ
جدہ
مکہ معظمہ
طائف
عریش
کیوان
خمیس
صنعاء
حدیدہ
زبید
عدن
نقشہ
مقبوضات سلجوقیہ

فہرست کتب جن سے کتاب نظام الملک طوسی ماخوذ ہے

نمبر شمار	نام کتاب	نام علم وفن	نام زبان	نام مصنف
۱	سیر الملوک (سیاست نامہ)	سیاست	فارسی	خواجہ نظام الملک طوسی متوفی سنہ ۴۸۵ھ مطبوعہ پیرس دار السلطنت فرانس سنہ ۱۸۹۶ء
۲	دستور الوزراء (وصایا)	〃	〃	خواجہ نظام الملک طوسی۔ نسخہ قلمی عہد قدیم
۳	احکام السلطانیہ والولایات الدینیہ	〃	عربی	امام ابو الحسن علی ماوردی متوفی سنہ ۴۵۰ھ/۱۰۵۸ء مطبوعہ مصر سنہ ۱۲۹۸ھ
۴	عقد الفرید (اخلاق)	〃	〃	وزیر ملک سعید متوفی سنہ ۶۵۲ھ مطبوعہ مصر سنہ ۱۳۱۱ھ
۵	آثار الاول فی ترتیب الدول	〃	〃	حسن بن عبد اللہ عباسی متوفی سنہ ۷۰۸ھ/۱۳۰۸ء مطبوعہ مصر سنہ ۱۳۰۵ھ
۶	معید النعم ومبید النقم	〃	〃	تاج الدین عبد الوہاب سبکی مطبوعہ مصر
۷	سلوک المالک فی تدبیر الممالک	〃	〃	شہاب الدین احمد۔ مطبوعہ مصر سنہ ۱۲۸۶ھ
۸	فتوح البلدان	تاریخ	〃	امام ابو العباس احمد بن یحییٰ بن جابر بغدادی بلاذری متوفی سنہ ۲۷۹ھ/۸۹۲ء مطبوعہ مصر سنہ ۱۳۱۸ھ
۹	سراج الملوک	〃	〃	ابو بکر محمد طرطوشی۔ مالکی۔ اندلسی متوفی سنہ ۵۲۰ھ/۱۱۲۶ء مطبوعہ مصر سنہ ۱۳۰۶ھ
۱۰	تاریخ السلجوقین فی العراق	〃	〃	امام عماد الدین محمد بن محمد بن حامد اصفہانی متوفی

نمبر شمار	نام کتاب	نام علم وفن	نام زبان	نام مصنف
		تاریخ	عربی	سنہ ۵۹۷ھ مطبوعہ مصر سنہ ۱۳۱۸ء
۱۱	الفخری فی الآداب السلطانیہ۔ والدول الاسلامیہ۔	″	″	محمد بن علی بن طباطبا المعروف بابن الطقطقی مطبوعہ مصر سنہ ۱۳۱۷ھ
۱۲	المعارف	″	″	ابو محمد عبداللہ بن مسلم بن قتیبہ کاتب دینوری متوفی سنہ ۲۷۶ھ / ۸۸۹ء مطبوعہ مصر سنہ ۱۳۰۰ھ
۱۳	مروج الذہب و معادن الجوہر	″	″	قطب الدین ابو الحسن علی بن حسین مسعودی متوفی سنہ ۳۴۶ھ / ۹۵۷ء مطبوعہ مصر سنہ ۱۳۰۳ء
۱۴	تاریخ ملوک الارض	″	″	حمزہ بن الحسن اصفہانی (چھٹی صدی ہجری) مطبوعہ کلکتہ سنہ ۱۸۸۶ء
۱۵	کامل	″	″	ابو الحسن علی المعروف بابن الاثیر جزری متوفی سنہ ۶۳۰ھ / ۱۲۳۲ء مطبوعہ مصر سنہ ۱۳۰۳ھ
۱۶	کتاب الروضتین فی اخبار الدولتین			شہاب الدین مقدسی شافعی المعروف بابن شامہ متوفی سنہ ۶۶۵ھ / ۱۲۶۶ء مطبوعہ مصر سنہ ۱۲۸۷ھ
۱۷	مختصر الدول	″	″	علامہ غری غوریوس ابو الفرج بن ہارون الطبیب الملطی معروف بابن العبری متوفی سنہ ۶۸۵ھ / ۱۲۸۶ء مطبوعہ بیروت سنہ ۱۸۹۰ء

نمبر	نام کتاب	نام علم وفن	نام زبان	نام مصنف
۱۸	ابن خلدون	تاریخ	عربی	ولی الدین ابوزید عبدالرحمٰن بن محمد بن خلدون مغربی متوفی ۸۰۶ھ ۱۴۰۶ء مطبوعہ مصر ۱۳۱۱ھ
۱۹	کتاب المواعظ والاعتبار فی ذکر الخطط والآثار	"	"	علامہ تقی الدین احمد بن علی بن عبدالقادر بن محمد المعروف بالمقریزی متوفی ۸۴۵ھ ۱۴۴۱ء مطبوعہ مصر ۱۲۷۰ھ
۲۰	الاعلام باعلام بیت اللہ الحرام	"	"	قطب الدین محمد بن احمد حنفی نہروانی (نویں صدی ہجری) مطبوعہ مصر ۱۳۰۳ھ۔
۲۱	تاریخ الخلفاء	"	"	جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ ۱۵۰۵ء مطبوعہ مصر ۱۳۰۵ھ
۲۲	حسن المحاضرہ فی اخبار مصر القاہرہ	"	"	" " " " " " ۱۳۲۱ھ
۲۳	تاریخ الحکماء	"	"	شہرزوری قلمی۔ کتبخانہ ندوۃ العلما لکھنؤ۔
۲۴	اخبار العلماء باخبار الحکماء	"	"	وزیر جمال الدین قفطی۔ مطبوعہ مصر ۱۳۲۶ھ
۲۵	ابوالفدا	"	"	سلطان ملک المؤید۔ عماد الدین اسمٰعیل مطبوعہ مصر ۱۲۸۶ھ
۲۶	دول الاسلامیہ	"	"	سید احمد بن زینی دحلان متوفی ۱۳۰۴ھ ۱۸۸۶ء مطبوعہ مصر ۱۳۰۶ھ
۲۷	فتوحات الاسلامیہ	"	"	سید احمد بن زینی دحلان متوفی ۱۳۰۴ھ ۱۸۸۶ء

نمبر شمار	نام کتاب	نام علم وفن	نام زبان	نام مصنف
.	.	تاریخ	عربی	مطبوعہ مصر سنہ ۱۳۱۱ھ
۲۸	بلوغ الارب فی احوال العرب	"	"	آلوسی زادہ سید محمود شکر آفندی بغداد سنہ ۱۳۱۴ھ
۲۹	ضاحجۃ الطرب فی تقدمات العرب	"	"	نوفل آفندی۔ طرابلسی مطبوعہ بیروت
۳۰	الوافی فی المسألۃ الشرقیۃ (جلد اول)	"	"	امین بن ابراہیم شمیل۔ لبنانی (سنہ ۱۸۹۷ء تک بقید حیات تھا) مطبوعہ اسکندریہ سنہ ۱۲۹۶ھ
۳۱	الخطط التوفیقیہ	"	"	علی پاشا مبارک متوفی سنہ ۱۳۱۱ھ مطبوعہ مصر سنہ ۱۳۰۵ھ یہ کتاب مقریزی کا ذیل ہے۔
۳۲	اخبار الدول و آثار الاول	"	"	ابو العباس بن احمد قرمانی مطبوعہ بغداد سنہ ۱۲۸۲ھ
۳۳	آثار الادہار (تراجم)	"	"	سلیم جبرئیل خوزی۔ مطبوعہ بیروت سنہ ۱۸۷۵ء
۳۴	مقدمہ ابن خلدون	فلسفہ تاریخ	"	بشرح نمبر ۱۸
۳۵	کشف الظنون عن اسامی الکتب والفنون	تاریخ علوم	"	کاتب چلپی مطبوعہ قسطنطنیہ سنہ ۱۳۱۱ھ
۳۶	اکتفاء القنوع بما ہو مطبوع	تاریخ کتب مطبوعہ	"	ایڈورڈ بن کرنیلیوس فانڈیک مطبوعہ الہلال مصر سنہ ۱۳۱۳ھ ۱۸۹۶ء۔
۳۷	ملل و نحل	تاریخ العقائد والمذاہب		ابو الفتح محمد بن عبد الکریم شہرستانی متوفی سنہ ۵۴۸ھ ۱۱۵۳ء مطبوعہ بمبئی سنہ ۱۳۱۴ھ

نمبر شمار	نام کتاب	نام علم و فن	نام زبان	نام مصنف
۳۸	الفصل فی الملل	تاریخ العقائد والمذہب	عربی	امام ابو محمد علی ابن احمد بن حزم الظاہری متوفی ۴۵۶ھ سنہ ۱۰۶۳ء مطبوعہ مصر سنہ ۱۳۱۷ء
۳۹	دیباچہ تاریخ آل سلجوق	تاریخ	فرنچ	ایم ہاوٹسما۔ ایک فرنچ عالم ہے جس نے تاریخ آلِ سلجوق اصفہانی کو اپنے اہتمام سے بمقام لیڈن چھپوایا ہے۔ اس نے اصل کتاب پر یہ دیباچہ لکھا ہے۔
۴۰	گبن امپائر (عہد اسلام)	″	انگریزی	مطبوعہ لندن سنہ ۱۹۰۰ء
۴۱	خلافت بغداد	″	″	ٹی۔ اسٹرینج۔ مطبوعہ لندن۔
۴۲	لٹریری ہسٹری آف پرشیا	تاریخ علم ادب فارسی	″	پرفیسر ای۔ جی۔ براؤن مطبوعہ لندن سنہ ۱۹۰۶ء
۴۳	شاہنامہ	تاریخ	فارسی	فردوسی طوسی۔ مطبوعہ بمبئی سنہ ۱۲۷۶ھ
۴۴	المعجم	″	″	فضل اللہ شیرازی مطبوعہ اصفہان سنہ ۱۲۷۹ھ
۴۵	وصّاف	″	″	شرف الدین عبداللہ بن فضل اللہ شیرازی مطبوعہ اصفہان۔
۴۶	صور الاقالیم (تاریخ خراسان)	″	″	ابوزید احمد بن سہل بلخی۔ قلمی۔
۴۷	جامع التواریخ رشیدی	″	″	فضل اللہ بن ابوالخیر رشیدی مطبوعہ پیرس سنہ ۱۸۴۴ء
۴۸	روضۃ الصفا	″	″	میرخوند مورخ۔ مطبوعہ بمبئی سنہ ۱۲۹۱ھ جلد چہارم

نمبر شمار	نام کتاب	نام علم وفن	نام زبان	نام مصنف
۴۹	تاریخ بیہقی	تاریخ	فارسی	ابوالفضل بیہقی۔ مطبوعہ کلکتہ سنہ ۱۸۶۲ء
۵۰	طبقات ناصری	″	″	منہاج الدین سراج مطبوعہ کلکتہ سنہ ۱۸۶۴ء
۵۱	نگارستان	″	″	قاضی احمد بن محمد دہستانی مطبوعہ بمبئی سنہ ۱۲۷۵ھ
۵۲	آئین اکبری	″	″	علامہ ابوالفضل مطبوعہ دہلی سنہ ۱۲۷۲ھ جس کو آنریبل سرسید احمد خاں بہادر مرحوم نے اپنی اڈیٹری سے شائع کیا تھا۔
۵۳	ہفت اقلیم (تذکرہ)	″	″	امین رازی لکھنؤ۔
۵۴	نامہ خسرواں	″	″	جلال الدین مرزا مطبوعہ بمبئی
۵۵	زینۃ المجالس	″	″	مجد الدین محمد حسین مجدی۔ مطبوعہ اصفہان سنہ ۱۳۱۳ھ
۵۶	ناسخ التواریخ	″	″	لسان الملک مرزا محمد تقی سپہر متوفی طہران سنہ ۱۳۰۶ھ
۵۷	کسریٰ نامہ	″	″	مطبوعہ کلکتہ سنہ ۱۳۲۱ھ
۵۸	تاریخ ہند	″	″	جان مارشمین ترجمہ مولوی عبدالرحیم صاحب گورکھپوری مطبوعہ کلکتہ۔
۵۹	تاریخ ایران	″	″	سرجان ملکم۔ مطبوعہ بمبئی
۶۰	فارس نامہ ناصری	″	″	حاجی مرزا حسن شیرازی مطبوعہ اصفہان سنہ ۱۳۱۳ھ
۶۱	جامع التواریخ	″	″	مولوی فقیر محمد۔ مطبوعہ کلکتہ سنہ ۱۸۳۶ء

نمبر شمار	نام کتاب	نام علم وفن	نام زبان	نام مصنف
۶۲	قلائد الجواہر فی احوال البواہر	تاریخ المذاہب	فارسی	ملا محمد عباس شروانی مطبوعہ بمبئی سنہ ۱۳۰۱ھ
۶۳	دبستان مذاہب اردستانی	〃	〃	مطبوعہ کلکتہ سنہ ۱۸۰۹ء (ذوالفقار)
۶۴	دعوت اسلام	〃	اردو	ٹی ڈبلیو آرنالڈ صاحب سابق پروفیسر مدرسۃ العلوم علیگڑھ۔ مترجمہ مولوی عنایت اللہ دہلوی مطبوعہ مفید عام آگرہ سنہ ۱۸۹۸ء۔
۶۵	تاریخ ہند (عہد اسلام)	〃	〃	آنریبل الفنسٹن صاحب مطبوعہ سوسائٹی علی گڑھ سنہ ۱۸۶۷ء
۶۶	تمدن عرب	تاریخ تمدن	〃	مترجمہ شمس العلما سید علی بلگرامی مطبوعہ مفید عام پریس آگرہ سنہ ۱۸۹۸ء
۶۷	معجم البلدان	جغرافیہ	عربی	امام شہاب الدین ابو عبداللہ یاقوت الحموی متوفی سنہ ۶۲۶ھ ۱۲۲۸ء مطبوعہ مصر سنہ ۱۳۲۳ھ
۶۸	تقویم البلدان	〃	〃	سلطان ملک المؤید عماد الدین اسمٰعیل بن ملک الافضل نورالدین علی صاحب حماۃ المعروف بابوالفدا دمشقی متوفی سنہ ۷۳۲ھ ۱۳۳۲ء مطبوعہ پیرس سنہ ۱۸۴۰ء
۶۹	مراصد الاطلاع علی اسماء الامکنۃ والبقاع	〃	〃	امام شہاب الدین ابو عبداللہ یاقوت الحموی مطبوعہ مصر سنہ ۱۳۱۵ھ
۷۰	خریدۃ العجائب فریدۃ الغرائب	〃	〃	عمر بن الوردی الملقب بہ زین الدین متوفی

نمبر شمار	نام کتاب	نام علم و فن	نام زبان	نام مصنف
.	.	جغرافیہ	عربی	۷۴۹ھ/۱۳۴۸ع مطبوعہ مصر سنہ ۱۲۹۲ھ
۷۱	المراۃ الوضیئۃ فی الکرۃ الارضیۃ	〃	〃	کرنیلیوس فانڈیک امریکانی متوفی سنہ ۱۸۹۵ع مطبوعہ بمبئی۔
۷۲	نزہت القلوب (تاریخ)	〃	فارسی	حمد اللہ مستوفی قزوینی مطبوعہ بمبئی سنہ ۱۳۱۱ھ
۷۳	گنج دانش 〃	〃	〃	محمد تقی خاں حکیم۔ مطبوعہ اصفہان سنہ ۱۳۰۵ھ
۷۴	جام جم	〃	〃	شاہزادہ فرہاد میرزا مطبوعہ اصفہان سنہ ۱۲۷۲ھ
۷۵	مرآۃ البلدان ناصری	〃	〃	صنیع الدولہ محمد حسن خاں مطبوعہ طہران سنہ ۱۲۹۴ھ
۷۶	ہسٹوریکل ہینڈ اٹلس	اٹلس	جرمنی	مرتبہ ڈاکٹر رچرڈ اینڈری جرمنی مطبوعہ جرمن سنہ ۱۸۸۶ع
۷۷	سفرنامہ ناصر خسرو	سفرنامہ	فارسی	حکیم ناصر خسرو علوی بلخی متوفی سنہ ۴۸۱ھ مطبوعہ دہلی ۱۸۸۲ع
۷۸	رحلہ محمد بن جبیر اندلسی	〃	اُردو	ابو الحسن محمد بن احمد جبیر متوفی ۶۱۴ھ/۱۲۱۸ع مترجمہ حافظ احمد علی شوق مہتمم کتبخانہ ریاست رامپور
۷۹	تحفۃ النظار فی غرائب الامصار مشہور بہ رحلہ ابن بطوطہ	〃	عربی	ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ الملقب بشمس الدین ابن بطوطہ طنجی متوفی ۷۷۹ھ/۱۳۷۷ع مطبوعہ مصر سنہ ۱۲۲۸ھ
۸۰	آثار العجم	〃	فارسی	میرزا محمد نصیر فرصت شیرازی مطبوعہ بمبئی سنہ ۱۳۱۲ھ
۸۱	سفرنامہ پروفیسر ومبیری	〃	اردو	مترجمہ دفتر پیسہ اخبار لاہور سنہ ۱۹۰۳ع
۸۲	خیابان فارس	〃	〃	ترجمہ سفرنامہ نواب لارڈ کرزن بہادر سابق

نمبر شمار	نام کتاب	نام علم و فن	نام زبان	نام مصنف
				ویسرائے ہند مترجمہ مولوی ظفر علیخاں بی۔اے اڈیٹر دکن ریویو مطبوعہ حیدرآباد دکن سنہ ۱۹۰۰ء
۸۳	وفیات الاعیان	سیر و تراجم	عربی	قاضی ابو العباس احمد بن خلکان برمکی متوفی سنہ ۶۸۱ھ / ۱۲۸۲ء مطبوعہ مصر سنہ ۱۳۱۰ھ
۸۴	فوات الوفیات	"	"	صلاح الدین محمد شاکر حلبی متوفی سنہ ۷۶۴ھ / ۱۳۶۲ء مطبوعہ مصر سنہ ۱۲۹۹ھ۔
۸۵	طبقات الشافعیۃ الکبریٰ	"	"	قاضی تاج الدین ابو نصر عبد الوہاب بن تقی الدین سبکی مطبوعہ مصر سنہ ۱۳۲۴ھ
۸۶	عیون الانباء فی طبقات الاطباء	"	"	موفق الدین بن ابی اصیبعہ متوفی سنہ ۶۶۸ھ / ۱۲۶۹ء مطبوعہ مصر سنہ ۱۲۹۹ھ
۸۷	کتاب الاتحاف بحب الاشراف	"	"	شیخ عبد اللہ شبراوی متوفی سنہ ۱۱۷۱ھ / ۱۷۵۸ء مصر سنہ ۱۳۱۶ھ
۸۸	الدر المنثور فی طبقات ربات الخدور	"	"	مصنفہ سیدہ زینب مصری مطبوعہ مصر سنہ ۱۳۱۲ھ
۸۹	دمیۃ القصر وعصرۃ اہل العصر۔	تذکرہ	"	ابو الحسن علی الباخرزی شافعی قلمی۔ کتبخانہ نواب سید محمد مرتضیٰ خاں صاحب نبیرہ والا جاہ نواب صدیق حسن خاں بہادر مرحوم۔
۹۰	تذکرۃ الائمہ	"	فارسی	ملا محمد باقر۔ قلمی سنہ ۱۱۹۶ھ

نمبر شمار	نام کتاب	نام علم وفن	نام زبان	نام مصنف
۹۱	آثار الوزراء	تذکرہ	فارسی	حاجی سیف الدین عقیلی قلمی۔ موجود پبلک اورینٹیل لائبریری پٹنہ۔
۹۲	دولت شاہ سمرقندی	"	"	مطبوعہ بمبئی سنہ ۱۳۰۵ھ
۹۳	آتشکدہ	"	"	حاجی لطف علی بیگ آذر مطبوعہ بمبئی سنہ ۱۲۷۷ھ
۹۴	تذکرۃ الاولیا	"	"	مولانا فرید الدین عطارؔ مطبوعہ لاہور سنہ ۱۸۹۱ء
۹۵	نفحات الانس	"	"	مولانا عبد الرحمن جامیؔ مطبوعہ کلکتہ سنہ ۱۸۵۸ء
۹۶	مرآۃ الخیال	"	"	شیر خاں لودی۔ کلکتہ
۹۷	مجمع الفصحاء	"	"	ہدایت۔ طہران۔ سنہ ۱۲۹۵ھ
۹۸	نامۂ دانشوران ناصری	"	"	مرزا ابو الفضل ساوجی، مرزا حسن طالقانی، ملا عبد الوہاب قزوینی، ملا محمد مہدی۔ طہران سنہ ۱۲۹۶ھ
۹۹	سلسلۃ الذہب	تصوف	"	مولانا عبد الرحمن جامی قلمی
۱۰۰	کشف المحجوب	"	"	مولانا علی بن عثمان ہجویری مطبوعہ لاہور
۱۰۱	تہذیب الاخلاق	اخلاق	عربی	ابن مسکویہ۔ مطبوعہ مصر سنہ ۱۳۱۸ھ
۱۰۲	کتاب الذریعہ الی مکارم الشریعہ	"	"	راغب اصفہانی۔ متوفی سنہ ۵۰۲ھ ۱۱۰۸ء مصر سنہ ۱۳۰۸ھ
۱۰۳	التبر المسبوک فی نصائح الملوک	"	"	امام غزالی۔ مطبوعہ مصر سنہ ۱۳۰۴ھ۔
۱۰۴	اخلاق جلالی	"	فارسی	ملا جلال الدین محقق دوانی مطبوعہ لکھنو سنہ ۱۸۷۳ء

نمبر شمار	نام کتاب	نام علم و فن	نام زبان	نام مصنف
۱۰۵	منتخبات سعید	اخلاق	فارسی	حافظ محمد سعید۔ مطبوعہ قدیم لکھنؤ۔
۱۰۶	عقد الفرید	ادب و محاضرات	″	ابن عبد ربہ اندلسی متوفی سنہ ۳۲۸ھ ۹۳۹ء مصر سنہ ۱۳۰۵ھ
۱۰۷	ادب الدنیا والدین	″	″	ابو الحسن الماوردی متوفی سنہ ۴۵۰ھ ۱۰۵۸ء مطبوعہ مصر سنہ ۱۳۱۸ھ
۱۰۸	الصادح والباغم	″	عربی	سید شریف نظام الدین ہباری متوفی سنہ ۵۰۲ھ ۱۱۰۹ء مطبوعہ بیروت سنہ ۱۸۸۶ء
۱۰۹	المستطرف فی کل فن مستظرف	″	″	شہاب الدین احمد متوفی سنہ ۸۰۰ھ ۱۳۹۷ء مصر سنہ ۱۳۰۸ھ
۱۱۰	کشکول	″	″	شیخ محمد بہاء الدین بن حسین عاملی متوفی سنہ ۱۰۳۱ھ ۱۶۲۱ء
۱۱۱	کتاب المخلاط	″	″	. . . . مطبوعہ سنہ ۱۳۱۷ھ
۱۱۲	چہار مقالہ (طبعیات)	″	فارسی	نظامی عروضی سمرقندی مطبوعہ طہران سنہ ۱۳۰۵ھ
۱۱۳	رباعیات عمر خیام	″	″	مرتبہ پروفیسر راس، ہیرن ایلن۔ لندن و نسخہ جات مطبوعہ بمبئی و کلکتہ۔
۱۱۴	تحفۃ العراقین	″	″	خاقانی۔ مطبوعہ آگرہ سنہ ۱۸۵۵ء
۱۱۵	دیوان لامعی	″	″	حکیم لامعی جرجانی۔ مطبوعہ بمبئی سنہ ۱۳۰۶ھ
۱۱۶	کشاف اصطلاحات الفنون	قاموس العلوم	عربی	شیخ محمد علی تھانوی (سنہ ۱۱۵۸ھ) ایشیاٹک سوسائٹی بنگال (کلکتہ) سنہ ۱۸۶۲ء
۱۱۷	دائرۃ المعارف	″	″	بطرس بستانی متوفی سنہ ۱۸۸۳ء مطبوعہ بیروت سنہ ۷۸-۸۸ء

نمبر شمار	نام کتاب	نام علم وفن	نام زبان	نام مصنف
				مختلف جلدیں۔
۱۱۸	انسائیکلوپیڈیا برطانیکا	قاموس العلوم	انگریزی	مطبوعہ لندن سنہ ۱۹۰۰ء
۱۱۹	انسائیکلوپیڈیا پاپولر	〃	〃	لندن سنہ ۱۹۰۳ء
۱۲۰	فرہنگ انجمن آرائے ناصری	لغت	فارسی	مطبوعہ طہران سنہ ۱۲۸۸ھ
۱۲۱	فضائل الامام	انشاء	〃	مجموعہ خطوط امام غزالی مطبوعہ آگرہ سنہ ۱۳۱۰ھ
۱۲۲	شواہد النفیسہ فی اثبات الکبیسہ	ہیئت	〃	مطبوعہ بمبئی سنہ ۱۸۲۷ء
۱۲۳	التوفیقات الالہامیہ	تقویم	عربی	محمد مختار پاشا مطبوعہ مصر سنہ ۱۳۱۱ھ
۱۲۴	تقویم ابوالضیاء	〃	ترکی	مطبوعہ قسطنطنیہ سنہ ۱۳۱۰-۱۱ء ماخذ تصویر سلطان ملکشاہ
۱۲۵	متفرقات	اخبارات	اردو	اخبارات، علمی رسائل۔ اس کے علاوہ دیگر کتابوں کے بھی نام ملیں گے جو فہرست ہذا میں درج نہیں ہیں۔

اعلان

ہرچند کہ نامی پریس کانپور مین کسی کتاب کا چھپ جانا ہی اس بات کی کافی ضمانت ہے کہ اسکی نقل کسی دوسرے مطبع سے بجمیع المحاسن نہین ہوسکتی - تاہم قانونی احتیاط سے حسب منشائے ایکٹ ۲۵ سنہ ۱۸۶۷ع اس کتاب کی رجسٹری کرادی ہے - تاکہ کوئی صاحب اس کے حسن صوری و معنوی کو بلا میری اجازت چھاپ کر غارت نہ کرسکین - مجلد کتاب کی قیمت علاوہ محصول ڈاک مبلغ پانچ روپیہ مقرر ہے - اور تاجران کتب کے لئے قیمت مقررہ مین خاص رعایت ملحوظ رکھی گئی ہے جو خط و کتابت سے طے ہوسکتی ہے فقط

المشتہر

خاکسار محمد عبد الرزّاق مصنّف البرامکہ

محلہ پیچ باغ شہر کانپور -